شمالی امریکا کے مُسلمان

مدیرات

Editors

ای وون یازبک حدّاد

Yvonne Yazbeck Haddad

جین آئیڈلمین اسمتھ

Jane Idleman Smith

www.kitabosunnat.com

اوکسفرڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

زیر اہتمام مجلس التحقیق الاسلامی

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

شمالی امریکا کے مُسلمان

مدیرات

Editors

ای وون یازبک حدّاد

Yvonne Yazbeck Haddad

جین آئیڈلمین اسمتھ

Jane Idleman Smith

www.kitabosunnat.com

اوکسفرڈ

www.KitaboSunnat.com

شمالی امریکا کے مسلمان

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المکتبۃ الرحمانیۃ
نمبر 20746

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شمالی امریکا کے مسلمان

Muslim Communities in North America

Editors:

Yvonne Yazbeck Haddad

and

Jane Idleman Smith

مدیرات:

ای وون یازبک حدّاد

اور

جین آئیڈلمین اسمتھ

ترجمہ: شاہ محی الحق فاروقی

www.KitaboSunnat.com

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

گریٹ کلیرنڈن اسٹریٹ، اوکسفرڈ OX2 6DP

اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس یونیورسٹی آف اوکسفرڈ کا ایک شعبہ ہے جو دنیا بھر میں
درج ذیل مقامات سے بذریعہ اشاعت کتب تحقیق، علم وفضیلت اور تعلیم میں اعلیٰ معیار کے
مقاصد کے فروغ میں یونیورسٹی کی معاونت کرتا ہے۔

اوکسفرڈ نیویارک
اوکلینڈ بینگ کوک بیونس آئرس کیپ ٹاؤن
چنائے دارالسلام دہلی ہونگ کونگ استنبول
کراچی کولکتہ کوالالمپور میڈرڈ میلبرن میکسیکوسٹی ممبئی
نیروبی ساؤپالو شنگھائی تیپی ٹوکیو ٹورنٹو

Oxford برطانیہ اور چند دیگر ممالک میں اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس کا رجسٹرڈ ٹریڈ مارک ہے۔

©اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس ۲۰۰۲ء

مصنفین کے اخلاقی حقوق پر زور دیا گیا ہے۔

پہلی اشاعت ۲۰۰۲ء

یہ کتاب اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک پریس نے Muslim Communities in North America کے نام سے
۱۹۹۴ء میں شائع کی۔

The translation of this book is made by permission of
State University of New York Press, the publisher of the English edition.

All rights reserved.
No part of this book may be used or reproduced in any manner whatsoever without written permission except in the case of brief quotations embodied in critical articles and reviews.

For information, address State University of New York Press,
State University Plaza, Albany, N.Y., 12246

یہ کتاب اس شرط کے تحت فروخت کی گئی ہے کہ اس کو بغیر ناشر کی پیشگی اجازت کے بطور تجارت یا بصورت دیگر مستعار دوبارہ فروخت یا عوضاً یا کسی اور طرح تقسیم اس کی اصل شکل کے علاوہ جس میں وہ شائع کی گئی ہے کسی دوسری وضع یا جلد وغیرہ میں اور مماثل شرائط کے بغیر شائع نہیں کیا جائے گا اور بعد کا خریدار بھی ان شرائط کا پابند رہے گا۔

ISBN 0 19 579 418 4

پاکستان میں ماس پرنٹرز کراچی میں طبع ہوئی۔
امینہ سید نے اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس
۵ - بنگلور ٹاؤن، شارع فیصل،
پی - او بکس ۱۳۰۳۳، کراچی - ۷۵۳۵۰، پاکستان سے شائع کی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

مضمون نگار ح
دیباچہ ڑ
تعارف ش

پہلا حصہ۔ مذہبی برادریاں ۱

باب ۱۔ اقلیت دراقلیت، شمالی امریکا میں اہلِ تشیع کا معاملہ ۳
عبدالعزیز سچادینا

باب ۲۔ اسلام کا سورج مغرب سے طلوع ہوگا، دورآخر میں منسٹر فرخان اور
دی نیشن آف اسلام ۱۷
مثیاس گارڈل

باب ۳۔ شہری مسلمان: تحریک دارالاسلام کی تشکیل ۶۲
آر ایم مختار کرٹس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۴۔ عصرِ حاضر کی امریکی اسلامی روحانیت میں روایت اور جدّت
باوا محی الدین کا حلقہ ارادت ۹۶
گسیلا وب

باب ۵۔ پانچ فیصد والے، خداؤں اور زمینوں کی نوخیز قوم ۱۴۲
یوسف نورالدین

دوسرا حصہ۔ ریاست ہائے متحدہ امریکا کے بڑے بڑے شہری مراکز میں اسلامی آبادیوں کی پچّی کاری ۱۷۳

باب ۶۔ لاس اینجلس میں مسلمان ۱۷۵
ران کیلی

باب ۷۔ سان ڈیگو میں مسلمان ۲۱۹
ایم کے ہرمن سین

باب ۸۔ سی ایٹل کے مسلمان ۲۵۳
مریم عدینی اور کیتھرین ڈی ماسٹر

باب ۹۔ رضائے الٰہی کا حصول، نیویارک شہر میں تارکین وطن مسلمان،
۱۸۹۳ء تا ۱۹۹۱ء ۲۷۲
مارک فیرس

باب ۱۰۔ شکاگو میں آبادکار مسلمانوں کی سرگرمیاں ۳۰۲
اسد حسین اور ہیرالڈ ووگے لار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۱۔ انڈیاناپولس کے مسلمان ۳۳۶
استیو اے جانسن

باب ۱۲۔ روچسٹر کی اسلامی آبادی میں تنوع ۳۶۰
تمارا سون

باب ۱۳۔ نیوانگلینڈ کا اسلامی مرکز ۳۷۷
میری لحاج

باب ۱۴۔ مانٹریال کے مسلمان ۴۰۶
شیلا میکڈونف

تیسرا حصہ۔ شہری پس منظر میں نسلی آبادیاں ۴۲۹

باب ۱۵۔ ڈیربورن میں شیعہ مساجد اور ان کے اجتماعات ۴۳۱
لنڈا ایس والبرج

باب ۱۶۔ بکتاشی تکیہ اور امریکا میں البانوی سُنی مسلمانوں کی مساجد ۴۵۸
فرانسس ٹرکس

باب ۱۷۔ بلدیہ ڈیٹرائٹ میں ترکوں کی قدیم رضاکارانہ تنظیمیں ۴۸۵
باربرا بلگے

باب ۱۸۔ معمر مسلم تارکین وطن، ضروریات اور مسائل ۵۱۷
فریال راس-شیرف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۹۔ ڈیلانو کے یمنی، ایک دیہی اسلامی آبادی کے خدوخال ۵۳۷
جونا تھن فریڈلینڈر

باب ۲۰۔ سیکولر تارکین وطن، لاس اینجلس کے ایرانی مسلمانوں میں
مذہبیت اورنسلیت ۵۵۳
جارجز سباغ اور مہدی بزرجمہر

باب ۲۱۔ مسجد المتکبر، ایک قدامت پسند افریقی امریکی مسلم آبادی کی تصویر ۵۸۲
کرسٹائن کولارس

باب ۲۲۔ عورتوں کی ملازمت اور فلاح و بہبود کے بارے میں ڈیربورن کے
علاقے میں مقیم آبادکار عورتوں اور مردوں کے رویے۔ ۶۱۷
باربرا اسود

کتابیات ۶۴۳

اشاریہ ۶۶۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون نگار

مریم عدینی Miriam Adeney : سی ایٹل پیسیفک یونیورسٹی میں ایسوسی ایٹ پروفیسر اور ریجنٹ کالج میں ایڈجنکٹ پروفیسر ہیں۔ تین کتابوں اور متعدد مضامین کی مصنفہ ہیں۔ ان کی دلچسپی کے شعبہ ہائے تحقیق میں اسلام، خواتین، نسلیت (ethnicity) زبانی ذرائع ابلاغ کے اسلوب oral media genres اور چھوٹے پیمانے کی معاشی ترقی شامل ہیں۔

باربرا سی اسود Barbara C. Aswad : ڈیٹرائٹ کی وین (Wayne) اسٹیٹ یونیورسٹی میں بشریات کی پروفیسر۔ ''دو کتابوں کی مصنفہ ہیں جن میں سے ایک کا نام: *Property Control and Social Strategies: Settlers on a Middle Eastern Plain* اور دوسری کا نام *Arabic Speaking Communities in American Cities* ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے بہت سے مضامین بھی لکھے ہیں۔ مڈل ایسٹ اسٹڈیز ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکا کی سابقہ صدر نشین بھی ہیں۔

باربرا جے بلگے Barbara J. Bilge : ریاست مشی گن کے شہر اپسی لانٹی (Yspilanti) میں ایسٹرن مشی گن یونیورسٹی میں بشریات، عمرانیات اور مطالعہ نسوانیات کی پروفیسر ہیں۔ ان کی مطبوعہ تصانیف میں "*Towards a Theory of Ethnicity*

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"Class, Ethnicity, and the Family in ،and Ethnic Groups" Contemporary Society" اور "Islam in the Americas" شامل ہیں۔ وہ American Muslim Families کی شریک مدیرہ بھی ہیں (جس کی اشاعت عنقریب متوقع ہے)۔

مہدی بزرجمہر Mehdi Bozorgmehr: یہ ان دنوں لاس اینجلس میں واقع یونیورسٹی آف کیلی فورنیا میں شعبہ عمرانیات میں لیکچرر اور انسٹی ٹیوٹ فار سوشل سائنس ریسرچ میں پوسٹ ڈاکٹرل فیلو ہیں۔ انہوں نے مشرق وسطیٰ سے نقل مکانی کر کے امریکا میں مستقل سکونت اختیار کرنے والے مختلف گروہوں مثلاً عرب، آرمینیائی اور ایرانیوں کے بارے میں متعدد مضامین اور ابواب کتب لکھے ہیں۔

آر ایم مختار کرٹس R. M. Mukhtar Curtis: میلان، مشی گن میں واقع وفاقی ادارۂ اصلاح (Federal Correctional Institution) میں مسلمان قیدیوں کے لیے مذہبی رہنما (chaplain) ہیں۔ آپ نے مشی گن یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور امریکا میں افریقی امریکی مسلمانوں سے متعلق موضوعات پر تحقیق کرتے ہیں۔

کیتھرین ٹیگن ڈی ماسٹر Kathryn Teigen DeMaster: انہوں نے سی ایٹل پیسیفک یونیورسٹی سے کراس کلچرل منسٹریز اور انگریزی کے شعبے میں ڈگری حاصل کی ہے۔ یہ مسلم ممالک میں خوب گھومی پھری ہیں اور متعدد تحقیقی منصوبوں میں مریم عدینی کے ساتھ مل کر کام کیا ہے۔

مارک فیرس Marc Ferris: یہ نیویارک کے سٹی کالج اور پیس (Pace) یونیورسٹی میں تاریخ کے استاد تھے۔ "The Working Man's Party of Hampshire County, 1811-1835" کے مصنف ہیں۔ زیر طبع کولمبیا انسائیکلوپیڈیا میں ان کے لکھے ہوئے مضامین شامل ہیں اور زیر طبع انسائیکلوپیڈیا آف نیویارک سٹی کے ایک مدیر معاون ہیں۔

جوناتھن فریڈ لینڈر Jonathan Friedlander: لاس اینجلس کی کیلی فورنیا یونیورسٹی (UCLA) کے Center for Near Eastern Studies میں اسسٹنٹ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈائریکٹر ہیں۔ Arabs in America نامی ٹیلی ویژن ڈاکومنٹری کے مصنف اور پروڈیوسر ہیں۔ آپ Sojourners and Settlers: The Yemeni Immigrant Experience کے مدیر اور Irangeles: Iranians in Los Angeles کے ایسوسی ایٹ مدیر ہیں۔ آج کل وہ برازیل، بھارت، اسرائیل اور امریکا میں مذہب اور تشخص سے متعلق موضوعات پر کام کر رہے ہیں۔

متیاس گارڈل Mattias Gardell: یونیورسٹی آف سٹاک ہوم میں Institute of Comparative Religion میں ریسرچ اور لیکچرر ہیں۔ انھوں نے "Behold, I Make all Things New! Black Militant Islam and the American Apocalypse" سمیت افریقی امریکی برادری کے بارے میں بڑی کثرت سے لکھا ہے۔

مارسیا ہرمن سین Marcia Hermansen: سان ڈیگو اسٹیٹ یونیورسٹی میں اسلام اور مذاہب عالم سے متعلق مطالعہ کی پروفیسر ہیں۔ جن موضوعات کی تحقیق میں انھیں دلچسپی ہے ان میں عہد جدید سے پہلے کی اسلامی فکر، جنوبی ایشیا میں اسلام، اسلام میں خواتین اور امریکا میں مسلمان شامل ہیں۔

اسد حسین Asad Husain: شکاگو میں واقع شمال مشرقی اِلی نوائے یونیورسٹی میں سیاسیات کے پروفیسر اور وہاں کے گرمائی ادارہ برائے مطالعہ اسلامی کے ڈائریکٹر ہیں۔ وہ امریکن اسلامک کالج کے صدر، شکاگو کی مسلم آبادی کے ہندوستانی مسلمانوں کی مشاورتی کمیٹی کے بانی اور جدہ سعودی عرب میں واقع شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی کے مسلم اقلیتوں کے امور کے انسٹی ٹیوٹ کے بھی بانی ہیں۔

اسٹیو اے جانسن Steve A. Johnson: انڈیاناپولس کی انڈیانا یونیورسٹی میں انگریزی اور فلسفہ کے انسٹرکٹر ہیں۔ آپ Christian Theological Seminary میں مطالعہ اسلامی کے اور کالج آف سینٹ فرانسس میں مذہب کے ایڈجنکٹ انسٹرکٹر بھی ہیں۔ وہ رسالہ Islamic Horizons, کے سابق مدیر ہیں۔ انھوں نے متعدد مضامین بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لکھے ہیں۔ Muslims in America نامی کتاب میں ان کی نگارشات شامل ہیں۔

ران کیلی Ron Kelley: ان کے پاس مشی گن اسٹیٹ یونیورسٹی سے بشریات کی ڈگری اور لاس اینجلس کی کیلی فورنیا یونیورسٹی سے فوٹوگرافی میں ماسٹر آف فائن آرٹس کی ڈگری ہے۔ انہیں حال ہی میں لاس اینجلس کے شہر کے شعبہء ثقافتی امور کی طرف سے آرٹسٹ گرانٹ اور مشرق وسطیٰ سے مستقل سکونت کے لیے آنے اور وہاں سے جانے والوں پر تحقیق کا کام جاری رکھنے کے لیے فلبرائٹ ریسرچ گرانٹ بھی ملی ہے۔ ان کی تصانیف میں Irangeles: Iranians in Los Angeles (۱۹۹۳ء) شامل ہے۔ آج کل وہ جنوبی کیلی فورنیا میں بسنے والے مسلمانوں کی تصاویر اور ان سے انٹرویوز پر مشتمل اپنی کتاب کی تکمیل میں مصروف ہیں۔

کرسٹائن کولارس Christine Kolars: آج کل بین الاقوامی صحت عامہ کی سہولتوں کے سلسلے میں بطور مشیر کام کر رہی ہیں۔ انہوں نے یونیورسٹی آف مشی گن سے پہلے مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ سے متعلق مطالعے میں ایم اے کی اور پھر اسی یونیورسٹی سے بین الاقوامی صحت کے شعبے میں ماسٹر آف پبلک ہیلتھ کی ڈگریاں حاصل کیں۔

میری لحاج Mary Lahaj: لبنانی نژاد امریکی مسلم خاتون ہیں۔ ان کے اجداد نے ریاست میساچوسیٹس میں کوئنسی کے مقام پر نیو انگلینڈ کے اسلامی مرکز کی بنیاد ڈالی تھی۔ ان کے پاس ہارٹ فورڈ کنیکٹی کٹ میں واقع Hartford Seminary سے اسلام اور عیسائی و مسلم تعلقات میں حاصل کردہ ایم اے کی ڈگری ہے۔ وہ آج کل نیو انگلینڈ کے گرجا گھروں اور جامعات میں مشیر اور لیکچرر ہیں۔

شیلا میکڈونف Sheila McDonough: مانٹریال میں کنکورڈیا (Concordia) یونیورسٹی میں مذہب کی پروفیسر ہیں۔ وہ میک گل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز سے فارغ التحصیل ہیں۔ انھوں نے پاکستان کی ایک خواتین یونیورسٹی میں تین سال تک پڑھایا ہے۔ ان کی تصانیف میں Muslim Ethics and Modernity: Jinnah Maker of Modern Pakistan، اور The Authority of the Past شامل ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یوسف نور الدین Yusuf Nuruddin: سٹی یونیورسٹی آف نیو یارک میں میڈگر ایورس (Medgar Evers) کالج میں Social and Behavior Sciences کے شعبے کی فیکلٹی کے ممبر ہیں۔ وہ بروکلین کے بیڈفورڈ۔ سٹووی سان کے حصے میں پیدا ہوئے اور کولمبیا، ہارورڈ اور پرنسٹن یونیورسٹیوں میں انہوں نے تعلیم حاصل کی۔ وہ تقریباً بیس سال سے ایک باعمل سنی مسلم کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ زیر طبع مجلّے *Timbuktu: A Journal of Contemporary African American Muslim Thought* کے مدیر بھی ہیں۔

فریال راس۔ شیرف Fariyal Ross-Sherif: واشنگٹن ڈی سی میں ہاورڈ (Howard) یونیورسٹی میں سوشل ورک کی پروفیسر ہیں۔ انہوں نے امریکا میں اسماعیلی برادری کے ساتھ بہت کام کیا ہے۔

جارجز سباغ Georges Sabagh: عمرانیات کے پروفیسر اور لاس اینجلس میں واقع یونیورسٹی آف کیلی فورنیا کے Center for Near Eastern Studies کے ڈائریکٹر ہیں۔ انہوں نے مشرق وسطیٰ سے امریکا میں مستقل سکونت اختیار کرنے والوں کے بارے میں کثرت سے لکھا ہے اور وہ نیشنل سائنس فاؤنڈیشن کے مہیا کردہ وسائل کے ذریعہ لاس اینجلس میں ایرانیوں کے بارے میں تیار ہونے والی ایک مطالعاتی رپورٹ کے coprincipal investigator بھی تھے۔

عبدالعزیز سچادینا Abdulaziz Sachedina: یونیورسٹی آف ورجینیا میں مذہبی علوم کے پروفیسر ہیں۔ ان کی تصانیف میں *Islamic Messianism: The Idea of the Mahdi in Twelver Shi'sim* اور *The Just Ruler in Shi'ite Islam: The Comprehensive Authority of the Jurist in Imamite Jurisprudence* شامل ہیں۔

تمارا سون Tamara Sonn: روچسٹر، نیو یارک میں واقع سینٹ جان فشر یونیورسٹی میں بین الاقوامی مطالعے کی ایسوسی ایٹ پروفیسر اور ڈائریکٹر ہیں۔ وہ *Qu'ran and*

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Crown کی مصنفہ بھی ہیں۔

فرانسس ٹرکس Frances Trix: ڈیٹرائٹ میں وین (Wayne) اسٹیٹ یونیورسٹی میں بشریات کی اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ انہوں نے ڈیٹرائٹ کے علاقے میں بسنے والی مسلم آبادیوں میں برسوں کام کیا ہے۔ حال ہی میں انہوں نے *Spritual Discourse: Learning with an Islamic Master* کے نام سے ایک رسالہ شائع کروایا ہے جو البانی نژاد مسلم لیڈر بابا رخشب (Baba Rexhep) کے ساتھ ان کے بیس سالہ مطالعہ پر مبنی، مرشد وطالب (پیر ومرید) کے رشتے کا تجزیہ ہے۔

ہیرالڈ ووگے لار Harold Vogelaar: مسیحی مسلم تعلقات پر مشیر ہیں۔ وہ شکاگو کے Lutheran School of Theology میں مقیم سکالر (*scholar in residence*) ہیں۔ اور Reformed Church in America اور Evangelical Lutheran Church in America کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔

لنڈا وال برج Linda Walbridge: انہوں نے وین اسٹیٹ یونیورسٹی سے بشریات میں پی ایچ ڈی کیا ہے اور مشی گن ریاست میں ڈیربورن Dearborn کے علاقے میں بسنے والے لبنانی شیعہ مسلمانوں میں اور نیویارک کے احمدیوں میں ریسرچ کی ہے۔ آج کل وہ کولمبیا یونیورسٹی میں ایڈجنکٹ پروفیسر اور وہاں کے مڈل ایسٹ انسٹی ٹیوٹ کی اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہیں۔

گسیلا وب Gisela Webb: ساؤتھ آرنج، نیوجرسی ریاست میں سیٹون ہال یونیورسٹی میں شعبۂ مذہبی علوم میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں اور مذاہب عالم کے تقابلی جائزے اور مطالعہ اسلامی سے متعلق مضامین پڑھاتی ہیں۔ ڈاکٹریٹ کے لیے ان کی تحقیق کا موضوع ''قدیم اسلامی فلسفہ اور تصوف'' تھا۔ انہوں نے قرون وسطیٰ اور عہد جدید دونوں ہی کے حوالے سے اسلامی روحانیت پر قلم اٹھایا ہے۔ ان کی ایک تصنیف *Readings in World Religions* ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیباچہ

امریکا میں بسنے والی مختلف مذہبی برادریوں کے، ارتقا اور ترقی میں دلچسپی آج کل بہت بڑھتی جارہی ہے خصوصاً اُن برادریوں میں جن کی جڑیں غیر مغربی ثقافتوں میں پیوست ہیں۔ اس ملک میں جو متعدد اور متنوع مذہبی گروہ اور ادارے پھل پھول رہے ہیں ان سے امریکی کلچر کی بڑھتی ہوئی رنگارنگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان میں مسلمانوں کی جمعیت نمایاں ہے جن کے ادارہ جاتی اور ثقافتی مظاہر بھی گوناگوں ہیں اور جن کے مذہبی نظریاتی تناظر بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ امریکا کی مسلم آبادی میں حالیہ اضافہ اور مسلمانوں کی دینی تعلیم و تربیت اور خدمت کو منظم کرنے کی جاری کوششیں مذہب کے مورخین، عمرانیات کے ماہرین اور امریکا میں مظاہر مذہب پر نظر رکھنے والوں کی توجہ کا باعث بنتی جارہی ہیں۔

مضامین کے اس مجموعے کا مقصد امریکا میں مختلف مسلم جماعتوں کا جامع مطالعہ کرنا نہیں بلکہ باہر سے آکر امریکا میں مستقل سکونت اختیار کرنے والوں میں، افریقی امریکیوں میں اور اسلام قبول کرنے والے سفید فاموں میں جو تنوع اور بوقلمونی ہے اس کے کچھ نمونے پیش کرنا ہے۔ اس کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جن مختلف حوالوں سے مسلمانوں کی جمعیت کو سمجھا جاتا ہے، ہر حصہ ان میں سے ایک حوالے کی وضاحت و نمائندگی کرتا ہے۔

پہلے حصے میں مخصوص عقائد پر مبنی یا مقناطیسی قیادت کے گرد منظّم مذہبی جمعیتوں کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارے میں مواد پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح اس حصے میں برادری *(community) کی تعریف عقائد و اعمال کی تخصیص کے حوالے سے کی گئی ہے۔ یہاں جن گروہوں کا ذکر ہے ان میں مثال کے طور پر اہل تشیع، صوفی، لوئی فرخان اور پانچ فیصد والوں کی فرقہ وارانہ تحریکیں اور سنی دارالاسلام شامل ہیں۔

دوسرے حصے میں امریکا کے متعدد بڑے بڑے شہری علاقوں میں بسنے والے مختلف اور متنوع گروہوں کا ایک طائرانہ جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تیسرے حصے میں مختلف نسلوں کے حامل لوگوں کی مساجد کا بیان ہے اور جس طرح دنیا کے مختلف حصوں سے آ کر امریکا میں بسنے والے یہاں زندگی گزار رہے ہیں اس کا ذکر ہے۔ ان میں البانوی، ترک، پاکستانی، یمنی، ایرانی، لبنانی اور افریقی امریکیوں جیسے گروپ شامل ہیں۔ ان گروپوں کے لیے برادری کی اصطلاح کسی خاص مسجد یا مرکز کے حوالہ سے استعمال کی گئی ہے جو کسی مخصوص نسلی یا قومی شناخت کو پیش کرتے ہوں۔

ہر حصے کے مضامین میں دو موضوعات مشترک ہیں۔ ایک موضوع کا تعلق نئی ثقافت قبول کرنے کے عمل سے اور ان دشواریوں سے ہے جو امریکی ماحول سے مطابقت پیدا کرنے کے سلسلے میں مختلف برادریوں کو پیش آتی ہیں۔ اور دوسرے موضوع کا تعلق اس کشمکش سے ہے جو اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ایک طرف تو اسلام پسند لوگ ''ایک امت'' کے تصور پر زور دیتے ہیں اور دوسری طرف مقامی نسلی اور قومی تشخص کی خصوصیات ان گروہوں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔

امریکا میں بسنے والے مسلمانوں کی اکثریت اپنے آپ کو مسلم برادری کے ان مفاہیم میں سے کسی سے باضابطہ طور پر وابستہ نہیں کرتی اور نہ وہ کسی مخصوص مسجد یا اسلامی مرکز کے گرد منظم مذہبی زندگی میں سرگرمی سے حصہ لیتی ہے۔ اس کے باوجود وہ مسلمان ہونے کو اپنی شناخت سمجھتی ہے۔ امریکی ماحول میں اسلام کے خلاف جس تعصب سے اس اکثریت کا

* کمیونٹی کے لیے برادری کا لفظ اس کتاب میں استعمال کیا گیا ہے کیونکہ یہ خاص معنوی وسعت رکھتا ہے مثلاً اہل قلم کی برادری، مومن برادری، طلبہ برادری وغیرہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واسطہ پڑتا ہے اس کو وہ محسوس کرتی ہے اور مخصوص موقعوں مثلاً عیدین یا مسلمانوں کے دوسرے تہواروں کو وہ اپنے ہم مذہبوں یا اپنے ہم وطنوں کے ساتھ مل کر مناتی ہے۔ ان میں سے زیادہ تر لوگ بس اس ہی حد تک اس کتاب میں مذکور مخصوص گروہوں یا جمعیتوں کے ارکان سے ملتے ہیں۔

اس مجموعے میں جتنے مضامین شامل ہیں وہ خاص طور پر اسی کتاب کے لئے لکھوائے گئے ہیں بجز سچا دینا بلگیے اور نورالدین کے ان تین مقالات کے جو انہوں نے میساچوسیٹس میں ایمہرسٹ کے مقام پر اپریل ۱۹۸۹ء میں میساچوسیٹس یونیورسٹی کی "مسلمانان امریکا کانفرنس" میں پڑھے[1]۔ اس کانفرنس کے وسائل قومی وقف Endowment برائے بشریات، محکمہ تعلیم، عربین امریکن آئل کمپنی، موبل آئل کارپوریشن اور فائیو کالج انکارپوریٹڈ نے مہیا کیے تھے۔ ان تینوں مقالوں میں پیش کیے گئے خیالات ونظریات مقالہ نویسوں کے اپنے تھے اور وقف کا ان سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

یونیورسٹی آف میساچوسیٹس کے شعبہء تاریخ کے ڈیوڈ ساون اور ایلس آ ئزر اور الِف اسکول آف تھیالوجی کی سلویا روبک نے اس سلسلے میں جو تکنیکی معاونت فراہم کی، اس کے لئے وہ تینوں خصوصی شکریے کے مستحق ہیں۔

توضیح

[1] اس کانفرنس کی کارروائی (اس جلد میں شامل تینوں مضامین کے بغیر) The Muslims of America کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ اس کی مدیرہ ای ووِن یازبک حداد تھیں (نیویارک: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۱ء)۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نوٹ

اُردو متن کو آسان فہم بنانے کے لیے حواشی فٹ نوٹس کی صورت میں دیئے گئے ہیں۔ متن میں ''حالیہ'' یا ''ان دنوں'' وغیرہ کے الفاظ سے مراد وہ دور ہے جب متعلقہ مقالہ لکھا گیا تھا جس کا اُردو ترجمہ زیرِنظر ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شمالی امریکا میں مسلم برادریاں

تعارف

امریکا میں مسلم برادریوں کو اس ملک کے ثقافتی تقاضوں کے باوجود نہ صرف آہستہ آہستہ نمودار ہونے والا ایک احساسِ تشخص بلکہ خود مذہب اسلام سے روزافزوں آگہی اور اس کے ساتھ تطابق بھی حاصل ہوا ہے۔ ان کی تاریخ گزشتہ ایک صدی پر مشتمل مختلف گروہوں کے آبادکاروں کے تجربات کے علاوہ ان مختلف طریقوں کا بھی احاطہ کیے ہوئے ہے جن میں افریقی امریکیوں* کی ایک بڑی تعداد نے اپنی پہچان مسلمان کی حیثیت سے کرائی ہے۔ یہ مقالات اپنے قارئین کو امریکا میں مقیم مختلف اسلامی براوریوں سے متعارف کراتے ہیں، جن میں باہر سے آ کر آباد ہونے والے بھی ہیں اور مقامی بھی۔ سنی بھی ہیں اور شیعہ بھی۔ سوادِاعظم (mainline) بھی ہیں اور فرقہ پرست بھی، جن میں سے بعض کے ارکان بہت خوش حال اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں جب کہ دوسرے مسلمان معاشی لحاظ سے سخت جدوجہد میں مشغول ہیں۔ اس مجموعے میں شامل مضامین ان طریقوں کا تجزیہ پیش کرتے ہیں

---

* افریقی امریکی سے مراد امریکا کے سیاہ فام یا نیگرو مسلمان ہیں۔ یہ دونوں اصطلاحیں ''نیگرو'' اور ''سیاہ فام'' نسلی امتیاز اور تعصب کی آئینہ دار تھیں اور اب استعمال نہیں ہوتیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جن کے ذریعے آباد کار اور افریقی امریکی مسلمان دونوں ہی ایک ایسے معاشرے میں اپنی ثقافتی، نسلی اور مذہبی پہچان رکھنے میں مشغول ہیں جن میں مذکورہ حوالوں سے تشخص عموماً بہت دشوار ہوتا ہے اور جن میں اسلام کے تعلق سے تعصب اور غلط فہمیاں بہت شدت سے اور ایک طویل مدت سے موجود ہیں۔

اس ملک میں ابتدائی مسلم آباد کاروں نے انیسویں صدی کے اواخر میں بالخصوص مشرقِ وسطیٰ سے آنا شروع کیا۔ ان میں عام طور سے نوجوان افراد شامل تھے جن کا امریکا میں بس جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا بلکہ انھیں امید تھی کہ وہ اس ملک میں کافی روپیہ کما کر اپنے گھروں اور خاندانوں کو مستحکم بنانے کے لئے اپنے وطن واپس چلے جائیں گے، لیکن امریکا میں روزگار کے مواقع بڑی مشکل سے دستیاب تھے اور آخر کار یہ لوگ باہر سے آئے ہوئے مزدور، خوانچہ فروش اور معمولی تاجر بن کر رہ گئے۔ ان میں سے بعض لوگوں نے راس، شمالی ڈکوٹا اور دوسری ایسی ہی جگہوں پر مستقل آباد ہونے کا فیصلہ کیا جنھیں اولین مسلم آباد کار اپنا گھر بنا چکے تھے۔ دوسرے لوگ سی ایٹل جیسے علاقوں میں مزدوروں کے ایسے گروہوں میں کم اُجرت پانے والے مزدور بن کر رہ گئے جو ریل کی پٹریوں پر کام کرتے تھے۔ جس طرح نئے ملک میں ان کی دولت کمانے کی امید بے سود ثابت ہوئی اسی طرح ان کی اکثریت کے لئے گھر لوٹ جانے کا خواب بھی بکھر گیا۔

جوں جوں مسلمان اس ملک کے مختلف حصوں میں آباد ہوتے گئے انھوں نے کریانے کی معمولی دکانوں، کافی ہاؤس اور ریستوران جیسے مستقل تجارتی مراکز قائم کرنا شروع کر دیئے۔ ان میں بعض لوگوں نے امریکی کارخانوں اور فیکٹریوں میں کام کرنے کو اپنے لیے چُن لیا جیسے مشی گن کے شہر ڈیربورن میں فورڈ موٹر کمپنی اور میسا چوسیٹس کے شہر کوئنسی میں بحری جہاز بنانے کی صنعت میں ملازمت۔ تو پھر اس میں کیا تعجب کہ یہ لوگ امریکی ثقافت کے سیاق و سباق میں باہمی رفاقت کے لئے ایک دوسری کی جانب دیکھنے لگے۔ ان لوگوں نے آپس میں سماجی رابطے اور ایک نسلی تشخص قائم کرنے کے لیے خود کو منظّم کرنا شروع کیا اور اس عمل میں وہ لوگ رقص، مذہبی تہوار اور مشرقِ وسطیٰ کے رسم ورواج جیسی ثقافتی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتے رہے۔ اپنا تشخص قائم رکھنے کی بعض لوگوں کی اس کوشش میں ان کے ان مذہبی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجتماعات نے ایک اہم کردار ادا کیا جو اسلامی عقیدے کے بنیادی عناصر کی تعمیل میں منعقد کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ ان آبادکاروں کی اولین نسل کی اکثریت اپنے مشرق وسطیٰ کے دورانِ قیام مسجدوں میں مستقل حاضری نہیں دیتی تھی اور ان کی اکثریت مذہبی تعلیمات کے لحاظ سے غیر تعلیم یافتہ تھی تاہم انھیں یہ احساس ہو گیا کہ امریکا میں اپنا باہمی سماجی ارتباط قائم رکھنے کے لیے انھیں اپنے اسلامی تشخص کو سامنے لانا پڑے گا۔

جن مسلمانوں نے بیسویں صدی کی ابتدا میں اپنے مذہب پر عمل کرنے کے لئے ایک دوسرے کے قریب آنا چاہا انھیں تربیت یافتہ قیادت کی کمی بڑی شدت کے ساتھ محسوس ہوئی۔ وہ اپنی رہنمائی اور نمازوں کی امامت کے لئے اپنی برادری کے چند تعلیم یافتہ ارکان کی جانب دیکھتے رہے اور بارہا ایسا ہوا کہ وہ لوگ جنھیں ابتدا میں اسلامی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے کوئی دلچسپی نہ تھی جب وہ نئی جگہ آباد ہو کر اپنے اہل خانہ کے ہمراہ رہنے لگے تو ان کے خیالات میں تبدیلی آنے لگی اور وہ اپنے بچوں کی مذہبی تعلیم میں پوری دلچسپی لینے لگے۔

جلد ہی اسلامی احکام پر عمل اور اس عمل کو باقاعدگی سے جاری رکھنے کے لئے ایک مناسب ماحول کی فراہمی میں مسلمانوں کی دلچسپی اتنی سنجیدہ شکل اختیار کر گئی کہ متعدد برادریوں نے اپنے اپنے علاقے میں مسجد تعمیر کرنے کی اہمیت پر غور کرنا شروع کر دیا۔ ادارہ سازی کی اس تحریک کا اور دوسری مذہبی برادریوں کی عبادت گاہوں کی طرح اپنی عبادت گاہیں قائم کرنے کا مقصد مسلمانوں میں امریکی ماحول میں اپنے مذہب کا جواز پیش کرنے کی ایک کوشش تھا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح جو گرجا گھروں اور کنیسوں کی صورت میں اپنے مرکز رکھتے تھے، جلد ہی وہ کچھ امریکی رسوم اس جگہ میں شامل کرنے میں کامیاب ہو گئے جسے وہ تنظیم مسجد کہتے تھے۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ مذہب اسلام کو دیدہ و دانستہ مغربی رنگ دے رہے تھے یا اس کے پیروکاروں کو مذہبی تسلط سے آزاد کرانے کا ماحول پیدا کر رہے تھے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سوائے ان چند چیزوں کے جو انھیں اس ثقافت سے ملی تھیں، ان کے پاس کوئی ایسا نمونہ نہیں تھا جس کے مطابق وہ عمل کر سکتے۔ مساجد یا اسلامی مراکز کے طور پر کام آنے والی عمارتوں کی تعمیر ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۰ء کے عشروں میں شروع ہوئی۔ ۱۹۵۲ء تک بیس سے زیادہ ایسی مسجدیں تعمیر ہو گئیں جو فیڈریشن آف اسلامک ایسوسی ایشنز آف امریکا کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشکیل میں شامل ہوگئیں۔

اس کے ساتھ بیسویں صدی کے ابتدائی دنوں میں جب آباد کار ایسے طریقے تلاش کررہے تھے جن کے ذریعے وہ اپنے تشخص کا ادعا کرسکیں اس وقت متعدد افریقی امریکی اسلام کے ساتھ اپنی شناخت قائم کرنے کا دعویٰ کرتے ہوئے اس ملک میں کسی نہ کسی ایک فرقے یا علیٰحدگی پسند گروہ کی جانب کھنچتے جارہے تھے۔ جنوب میں کپاس کے کھیتوں سے شمال کی اقلیتی بستیوں کی طرف ہجرت کرنے میں انھیں بنیادی طور پر معیشت اور عدل نے آمادہ کیا۔ معیشت نے ان معنوں میں کہ بہت سے ایسے گروہ جو مسلم تشخص کے ساتھ اپنے کسی نہ کسی قسم کے رابطے کے دعویدار تھے انھوں نے سیاہ فام لوگوں کے لئے معاشی ترقی کے واسطے پلیٹ فارم مہیا کیے۔ اور عدل نے ان معنوں میں کہ امریکا میں روزافزوں نسل پرستی کے خلاف ردعمل ظاہر کرنے میں انھوں نے اسلامی مساوات کی تعلیم کو خصوصی طور پر پُرکشش محسوس کیا۔ یہ آمادگی انھیں ایک ایسی تاریخ اور ثقافت اور ایسے عوام کے ساتھ اپنے تشخص اور نسلی تعلق کی بنا پر بھی ہوئی جن سے وہ اپنی غلامی کے تجربات کی روشنی میں علیٰحدہ ہوئے تھے۔ اسی طرح انھیں اسلام کی طرف رغبت عیسائیت کو رد کرنے سے بھی ہوئی جس کے بارے میں انھیں یقین تھا کہ اس نے ان کی غلامی کے لئے نظریاتی جواز پیدا کیا تھا۔ تاہم یہ لوگ [حضرت] عیسیٰ کی عبادت میں بھی مشغول رہے جنھیں نیلی آنکھوں اور ملائم بالوں والے ایک سفید فام مرد کی شکل میں پیش کیا جاتا تھا۔

نوبل ڈریو علی کی مورش امریکن سائنس ٹیمپل اور ایلیجاہ محمد کی نیشن آف اسلام جیسی تحریکوں نے ایسی کمزور عبارتوں کے ذریعہ جنھیں اسلامی عقائد وعبادات کا نام دیا گیا افریقی نسل کے امریکیوں کو سیاہ نسل کے تشخص کی توثیق کے اور سفید فام لوگوں کے جبرو استبداد کے مقابلے میں ان کی ترقی کے راستے دکھائے۔ اس قسم کی تحریکوں سے دوسرے ایسے افریقی امریکی گروہوں کا ایک سلسلہ ابھرا جو اسلام کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار کرتے تھے۔ اسی طرح کچھ فرقہ پرست گروہ مثلاً انصار اللہ اور فائیو پرسینٹرز اور دوسرے سنی گروہ مثلاً دارالاسلام، شمالی امریکا کی اسلامک پارٹی، اسلامک برادر ہڈ انکارپوریٹڈ اور حنفی تحریک بھی سامنے آئے۔ تارکین وطن مسلمانوں کے ساتھ ان گروہوں کا تعلق بہت معمولی رہا حالانکہ ابھی کچھ ہی دنوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلے ان کے درمیان گفت وشنید اور تعاون کی مزید کوششیں کی گئی ہیں۔ ۱۹۷۵ء کے بعد وارث دین نے اپنے باپ ایلیجاہ محمد کی فرقہ وارانہ، نسلی اور علیحدگی پسند تعلیمات کو رفتہ رفتہ نیشن آف اسلام کی شکل دے دی تاکہ وہ سنی مسلمانوں کی راسخ الاعتقادی کے قریب تر آسکے۔ وارث دین کے پیروکاروں اور سنی مسلمانوں کے درمیان روابط بڑے پُرخلوص رہے ہیں تاہم ان دونوں کے درمیان اب تک مکمل انضمام اور وحدت پیدا نہیں ہوسکی ہے۔

بیسویں صدی کے درمیانی حصہ کے بعد سے امریکا میں آباد ہونے والے مسلمانوں کی تعداد اور وہ حالات بھی بدل چکے ہیں جن میں انہوں نے نقلِ مکانی کی، بڑی تبدیلیاں آچکی ہیں۔ ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کے عشروں میں مشرقِ وسطٰی سے آنے والے مسلمان بنیادی طور پر عرب سوشلزم اور قومیت سے وابستہ اور سیکولر رویے کے حامل تھے۔ انھوں نے امریکا میں جو تنظیمیں قائم کیں ان کا زور مذہب اسلام سے زیادہ مشرق وسطٰی کی عرب ثقافت اور سیاست پر تھا۔ لنڈن جانسن کے عہد صدارت میں ترک وطن سے متعلق قوانین میں تبدیلیوں کی وجہ سے کوٹے کا طریقہ بدل گیا اور ایشیا سے تارکین وطن کو آنے کی اجازت ملی، یوں حالات بڑے ڈرامائی انداز میں تبدیل ہو گئے۔ دنیا کے بہت سے علاقوں سے اور خصوصاً جنوب مشرقی ایشیا سے سند یافتہ لوگ آنے لگے اور انھوں نے اُس علاقے کی اس صورت حال میں خاصا اضافہ کیا جسے قحط الرجال (brain drain) کہتے ہیں۔

تعلیم یافتہ اور مختلف پیشوں سے وابستہ تارکین وطن مسلمانوں کے اس نئے گروہ کی آمد اور امریکا میں اسلام کی ترقی میں دلچسپی لینے والے مختلف عرب ممالک کی جانب سے رقوم کی فراہمی کے ساتھ تعمیر مساجد کی ایک دوسری لہر ۱۹۷۰ء کے عشرے میں ابھری جو اب تک جاری ہے اور سمندر پار سے امداد رک جانے کے باوجود اس میں ہر لحاظ سے اضافے کے آثار نمایاں ہیں۔

مسلمان اپنے عقیدے کو ایک خارجی اور مرئی علامت کے ذریعہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں جیسے کسی مسجد کی تعمیر جو عبادت کے لئے ایک باضابطہ ماحول مہیا کرنے کے علاوہ مسلمانوں کے معاشرتی اجتماع کے ایک مرکز کا فریضہ بھی انجام دیتی ہے۔ کسی مسجد کی تعمیر میں متعدد نکات پیدا ہوتے ہیں مثلاً اس عمارت کے صحیح مقاصد کیا ہیں؟ اگر بینک سے رقم قرض

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لینے میں اسلامی نقطۂ نظر سے ممنوعہ سود کا مسئلہ حائل ہے تو تعمیر مسجد کے لئے سرمائے کی فراہمی کس طرح کی جائے؟ مسجد میں آنے کے لئے مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے موزوں لباس کیا ہے؟ مسجد کی انتظامیہ کو کس طرح منظّم کیا جائے تاکہ مختلف فرقوں اور نسلوں کے لوگوں کے لئے اور ان کی امتیازی ثقافتی ترجیحات کے لئے اس مسجد میں گنجائش پیدا ہو سکے؟ یہ اور ایسے ہی بہت سے اور مسائل کا احاطہ آگے آنے والے مضامین میں کیا گیا ہے۔ ایسے قابل غور مسائل کے باوجود اسلامی عمارتوں کی تعمیر اور نئی تنظیموں کی تشکیل کی رفتار بڑھتی ہی رہی ہے۔ ۱۹۹۲ء تک شمالی امریکا میں مسجدوں، اسکولوں، عوامی مرکزوں، اشاعت گھروں اور ذرائع ابلاغ کے پروگراموں سے متعلق اداروں سمیت دو ہزار تین سو سے زیادہ اسلامی ادارے وجود میں آچکے تھے۔

اس ملک میں آنے والے اولین تارکین وطن کی انگریزی زبان کی صلاحیت بڑی محدود تھی اس وجہ سے، اور اس کے بعد ہونے والے سلسلہ وار ترک وطن کی وجہ سے بھی، جس میں بہت سی نسلوں کے لوگ مثلاً عرب، البانوی، تاتاری، روسی، ترک، کاکیشیائی، یوگوسلاوی اور متعدد دوسرے لوگ اپنے ہم وطنوں کے ساتھ رہنے کے لئے امریکا آگئے، شروع شروع کی مسجد برادریوں (mosque communities) کا رجحان نسلی اتحاد کی طرف مائل رہا۔ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں ترک وطن قوانین میں تبدیلی کے ساتھ نئے تارکین وطن دنیا کی دوسری جگہوں سے بھی آنے لگے جن کی وجہ سے تنوع میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس صورت حال نے مختلف النوع امریکی مسلم معاشرے میں اس مشکل کام کو اور زیادہ پیچیدہ کر دیا کہ اسلامی تشخص کی وحدت کے لئے کوئی بنیاد تلاش کی جائے۔

بیسویں صدی کے نصف آخر میں امریکا میں مسلمانوں کی زندگی کے رُخ اور کردار کا تعین کرنے میں بہت سے عوامل کارفرما رہے ہیں۔ بیسویں صدی کے چھٹے عشرے میں ایسے بہت سے طلباء کی امریکا میں ریل پیل رہی جو مصر اور پاکستان کے اسلامی نظریات کے پابند تھے۔ مسلم معاشرے کو اسلامی رنگ میں رنگنے میں ان طلباء کا اثر بڑا نمایاں رہا۔ مصر کی اخوان المسلمین اور برصغیر پاک و ہند کی جماعت اسلامی جیسی تنظیموں کی نمائندگی کرتے ہوئے ان طلباء نے امریکا کے مسلم معاشرے میں پھیلے ہوئے نظریات سے ایک قطعی مختلف تصور پیش

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا، یعنی امت کا وہ تصور جو سید قطب اور مولانا مودودی[1] نے پیش کیا تھا۔ برادری کی جو تعریف ان طلباء کے ذہنوں میں تھی اس کے مقابلے میں وہ اس صورت حال کو دیکھ کر بہت پریشان اور مایوس ہوئے جو امریکا کی مسجدوں اور مختلف مسلم گروہوں میں انھیں نظر آتی تھی۔ اس کے علاوہ اور غالباً اس سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ ان کا نظریۂ حیات نہ صرف اس صورت حال سے مختلف تھا جو انھیں امریکا میں نظر آرہی تھی بلکہ یہ اس صورت حال کا بھی ردعمل تھا جو پورے عالم اسلام میں مسلم معاشرے کو (سیکولر) سانچے میں ڈھالنے اور مغربی طرز پر استوار کرنے کے عمل کے نتیجے میں وقوع پذیر ہو رہی تھی۔ لہٰذا ان طلباء نے مثالیاتی (idealistic) برادریوں کی تشکیل کا تجربہ کرنے اور بعض اوقات امریکا میں مسلمانوں پر پڑنے والے مغربی اثرات پر اپنا ردعمل نافذ کرنے کی کوشش کی۔

ایک طرف تو یہاں مقامی برادریاں ان تعلیم یافتہ اور اسلامی رنگ میں ڈوبے ہوئے اور موثر طور پر اپنے خیالات پیش کرنے والے طلباء سے سیکھنے کی متمنی تھیں لیکن دوسری طرف انھیں یہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ بعض باتیں جو انھیں بتائی جارہی تھیں وہ نہ صرف ان کے اپنے میلان طبع سے بعید تھیں بلکہ امریکی سیاق و سباق میں ان کا اثر الٹا بھی پڑسکتا تھا۔ یہ کشمکش طلباء اور مقامی گروہوں کے درمیان اور حال میں آنے والے تارکین وطن، جو قدیم اسلامی نظریہ کے داعی ہیں، اور ان لوگوں کے درمیان جاری ہے جو اس ملک میں زیادہ عرصے سے رہ رہے ہیں اور خیالات کی تبدیلی سے مطمئن ہیں۔

دوسری حقیقت جس نے امریکی مسلمانوں کی زندگی پر بڑے گہرے اثرات چھوڑے ہیں وہ تیل سے مالا مال ممالک اور دولت مند مسلمان افراد کی وہ دلچسپی ہے جو وہ دنیا کے مختلف ملکوں میں بطور اقلیت رہنے والے مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں لیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ۱۹۷۰ء کے عشرے کی ابتدا سے اس ملک میں مسجدوں اور اسلامی مرکزوں کی تعمیر کے لئے چندوں اور اعانتوں کی خطیر رقوم آئیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ان اعانتوں کو وصول کرنے والوں کے فکر و عمل پر عطیات دینے والوں کے زبردست اثرات پڑے۔

ایسی مساجد یا مراکز کو جاری رکھنے یا نئے سرے سے قائم کرنے کے لئے جو واضح طور پر نسلی ہیں بعض مسلمان گروہوں کے ایک مکمل معاشرے کے نظریئے سے دست بردار ہونے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے فیصلے میں بہت سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ پہلا عامل تو تعداد کا ہے۔ جب کوئی گروہ چھوٹا ہوتا ہے اور قریب قریب رہتا ہے تو اس کے لئے ایسے طریقے تلاش کرنا ضروری ہوتا ہے جن میں وہ لوگ بلا کسی امتیاز کے مل جل کر عبادت کریں اور جب عرب یا پاکستانی یا سلاوی یا ایسے ہی لوگ کافی تعداد میں ایک جگہ رہتے ہیں تو ایسے لوگوں کا ایک عجیب وغریب ازدحام نظر آتا ہے جو ایک مخصوص زبان یا ثقافتی گروہ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ دوسرا عامل نسلی ہے۔ جب کبھی اس ملک میں پہلے سے رہنے والے مسلمانوں کے والدین یا ایسے دوسرے اعزا کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو انگریزی زبان سے نابلد ہوتے ہیں تو ایک ایسی وحدت کے لئے بڑا مضبوط تقاضا ہونے لگتا ہے جس میں لوگ اپنی زبان بولنے اور اپنے رسم و رواج پر عمل کرنے میں زیادہ آسانی محسوس کریں۔ اسی طرح یہ بھی ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں سے آنے والے مختلف گروہوں میں واضح ثقافتی بلکہ مذہبی اختلافات ہوتے ہیں لہٰذا ان میں سے بہت سے لوگ اپنی مذہبی تقریبات کو مسجد کے اندر چھٹی کی طرح مناتے ہیں۔ ایسے سوالات جیسے نماز کے دوران ٹوپی پہننا ضروری ہے یا نہیں یا کوئی عورت کسی مسجد کی مجلس عاملہ کی رُکن منتخب ہو سکتی ہے یا نہیں، نسلی لحاظ سے مختلف گروہوں کے درمیان احساس وحدت پر گہرے اثرات ڈالتے ہیں۔

ایک دوسرے کی ثقافت کو قبول کرنے میں جو کھچاؤ ہوتا ہے وہ امریکا میں مختلف مسلمانوں کے درمیان موجود ہے۔ وہ کون سا ورثہ ہے جو بچوں کو دیا جائے؟ انھیں ایک بیگانہ معاشرے میں بطور مسلمان زندہ رہنے کی تربیت دینا مقصود ہے یا انھیں ان امریکیوں کے ساتھ مدغم ہو جانے کی تربیت دی جائے جو مسلمان ہیں؟ یہ اور ایسے ہی بہت سے مسائل جو اس کتاب میں زیر غور آئیں گے اور ایسے فیصلے پر اثر انداز ہوں گے کہ کیا اسلام کی مثالی وحدت کو فرقہ وارانہ اور نسلی اختلافات سے بالا رکھا جائے یا اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ اسلامی معاشرہ ایسے مختلف لوگوں، گروہوں اور نظریات سے مل کر بنتا ہے جنھیں اپنی انفرادیت قائم رکھنے کی اجازت دینی چاہیے۔

تارکین وطن اور افریقی امریکی مسلمانوں کے درمیان رشتہ اس ملک میں اب بھی ایک اہم مسئلہ بنا ہوا ہے۔ بیسویں صدی کے دوران سمندر پار سے آئے ہوئے مسلمانوں نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افریقی امریکیوں سے قربت حاصل کرنے کی چند قابل لحاظ کوششیں کی ہیں۔ پاکستان کی احمدیہ* مشنری تحریک نے ۱۹۰۰ء کی ابتدا سے افریقی نژاد امریکیوں کو بڑی سرگرمیوں کے ساتھ اپنے گروہ میں شامل کیا ہے۔ ڈبلو ڈی فرد نے جس کا صحیح نسلی تشخص اب تک نہیں ہو سکا ہے (وہ یا تو ترک تھا یا ایرانی) ایلیجاہ محمد کے تحت نیشن آف اسلام کی ابتدا کے لئے بڑا موثر کام کیا۔ اس مجموعہ میں متعدد مضامین ایسے ہیں جو افریقی امریکیوں کے مسلم گروہ پر نیشن آف اسلام کے نظریہ کے ابتدائی اور جاری اثرات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں پاکستان میں قائم تبلیغی جماعت** نے امریکا کے بعض شہری علاقوں میں بڑے وسیع پیمانے پر کام کیا ہے۔

افریقی امریکیوں کی مسلم برادری نے اپنے طور پر تارکین وطن مسلمانوں پر کئی لحاظ سے اثرات ڈالے ہیں۔ افریقی امریکی، آبادکار مسلمانوں کی اسلامی قوانین اور رسم و رواج کی جانب سے لاپرواہی مثلاً شراب اور لحم خنزیر سے تیار کردہ اشیاء کے استعمال سے اجتناب نہ کرنے پر معترض ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ تارکین وطن کی نسلی خصوصیت کے نظریات کی پابندی پر بھی معترض ہوتے ہیں۔ کئی بار ایسا ہوا کہ افریقی امریکیوں کو ابتداءً اسلام کی جانب اس کے نصب العین کی وجہ سے کشش محسوس ہوئی لیکن پھر انھیں یہ دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی کہ اس نصب العین کو ہمیشہ عملی جامہ نہیں پہنایا جاتا۔ افریقی امریکی لوگ اسلامی نام اختیار کرنے اور رکھنے پر بھی اصرار کرتے ہیں۔ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں سمندر پار سے آئے ہوئے طلباء یہ دیکھ کر بھونچکے رہ گئے کہ بہت سے آبادکار مسلمانوں نے اپنے ناموں کو انگریزی شکل دے دی ہے یا بعض نے کچھ زیادہ ہی امریکی لہجہ دینے کے لئے اپنے ناموں کو ترک کر دیا۔ اس کے برعکس افریقی امریکیوں کو اس بات پر بڑا اصرار رہا کہ مسلمان ہونے کا مطلب وہ تشخص اختیار کرنا ہے جو نئے نام کے ساتھ آتا ہے اور یہ کہ امریکی ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی شخص یہودی عیسائی اکثریت کے ارکان کی طرح نظر آنے لگے یا ان

---

* پاکستان میں آئینی اور قانونی طور پر احمدی (قادیانی) غیر مسلم قرار دیے جا چکے ہیں۔

** تبلیغی جماعت برعظیم جنوبی ایشیا کی آزادی سے پہلے ہندوستان میں قائم ہوئی تھی۔ اس کے موسس مولانا الیاس تھے۔ اب بھی بستی نظام الدین [دہلی] میں بنگلہ والی مسجد اس جماعت کا صدر مقام ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کی طرح بولنے لگے۔

بعض معاملات میں تارکین وطن نے افریقی امریکی مسلمانوں اور خاص طور سے شہر کے اقلیتی علاقوں میں رہنے والے افریقی امریکی مسلمانوں کے بارے میں بڑے تجسس کا اظہار کیا ہے۔ روچسٹر اور لاس اینجلس جیسی جگہ میں انہوں نے افریقی امریکی برادری تک رسائی کے لئے ٹھوس کوششیں کی ہیں مگر افریقی امریکی اور آبادکار مسلمانوں کے درمیان یکجائی بہت کم ہوئی ہے اگرچہ اس ملک میں بہت سی مسجدیں دنوں گروہوں کی ضرورتیں پوری کرتی ہیں۔ بہرحال بحیثیت مجموعی آبادکاروں اور افریقی امریکی برادری کے درمیان کسی بھی معاملے میں حتیٰ کہ عبادت یا تعطیلات اور تقریبات میں حصہ لینے میں بہت کم رابطہ ہوا ہے اور اب تک یہ رابطہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ جیسا کہ کرسٹائن کولارس نے نیویارک کی ہڈسن ویلی میں دونوں گروہوں کے حوالے سے بتایا ہے کہ ایک طرف تو آبادکاروں کی پہلی اور دوسری نسل وہ کچھ بننے کی کوشش کر رہی ہے جس کے معنی ہیں امریکی بننا (اور نظر آنا) اور دوسری طرف افریقی امریکی مسلمانوں کی پہلی اور دوسری نسل کے لوگ مسلمانوں کی حیثیت سے ایک نئے تشخص سے ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بہت سے افریقی امریکی مستقل یہ سوچ رہے ہیں کہ کیا اس غیر واضح صورت حال کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نوآبادکار مسلم بہن بھائی انھیں اپنے گروہ میں خوش آمدید کہنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ یہ سوال کرتے ہیں بعض نوآبادکار لباس اور اسلامی تشخص کے دوسرے مظاہر کے معاملے میں خود ان کے مقابلے میں کم دلچسپی کیوں لیتے ہیں اور اسی کے ساتھ افریقی امریکی مسلمان اس صورت حال پر آزردہ بھی ہوتے ہیں کہ انھیں مسلمان آبادکار اپنی برادری کا حصہ محض اِس لیے نہیں سمجھتے کہ وہ عربی نہیں جانتے یا ثقافتی رسم و رواج تک رسائی کا حق انھیں حاصل نہیں ہے۔ دوسری جانب تارکین وطن مسلمان یہ سوال کرتے ہیں کہ بعض افریقی امریکی گروہ، خاص طور سے فرقہ وارانہ تحریکیں یا فرخان کی نیشن آف اسلام، اسلامی ہیں بھی یا نہیں۔ اس مجموعے میں شامل متعدد مقالوں سے افریقی امریکیوں کی اس آزردگی کا احساس ہوتا ہے جو انھیں اس وقت محسوس ہوتی ہے جب آبادکار مسلمان انھیں ''صحیح'' مسلمان تسلیم نہیں کرتے یا جب وہ تارکین وطن افراد کی تنظیموں مثلاً اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکا (آئی ایس این اے) کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان پر اپنا حکم تو چلاتی ہیں لیکن انھیں بلا روک ٹوک شرکت کی اجازت نہیں ہے۔

امریکا میں نوآبادکار مسلمانوں کو جن مسئلوں کا سامنا ہے انھیں میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ بعض راسخ العقیدہ گروہ اسلامی تشخص کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان راستوں سے منحرف ہو گئے ہیں جنھیں اس راسخ الاعتقادی کی روح سمجھا جاتا ہے اور بعض صورتوں میں تو چند اسلامی اصطلاحات استعمال کرنے کے علاوہ اسلام سے وہ بہت کم ہی رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ بعض افریقی امریکی گروہوں (مثال کے طور پر نیشن آف اسلام اور فائیو پرسینٹرز) میں نسل پرستی ان کے عقیدے کا مسلمہ حصہ ہے۔ اُس کو تسلیم کرنا مسلمانوں کے لئے دشوار ہے جو اسلام کے مساواتِ انسانی کے اصولوں پر یقین رکھتے ہیں۔ ان افریقی امریکی گروہوں کا تعلق بعض ایسے مسائل اور نکات سے ہوتا ہے جو نوآبادکاروں کی دلچسپی کے مسائل سے مختلف ہیں۔ مقامی مسلمان اکثر ایسے نظریات کی تشکیل چاہتے ہیں جو اُن کے معاشی اور معاشرتی مسائل کو حل کر سکیں جن کا اُن کو امریکا میں سامنا ہے جب کہ سمندر پار کے ممالک مثلاً فلسطین، کشمیر، بوسینیا وغیرہ سے تعلق رکھنے والوں کو بین الاقوامی سیاسی معاملات سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔ افریقی امریکی تحریکیں اکثر اپنے ایسے امتیازی اوصاف پر زور دیتی ہیں جو امریکی کلچر کے پس منظر میں اُبھرے ہیں۔ ایک ایسے ملک میں مساوات حاصل کرنے کی طویل جدوجہد کے نتیجے میں جس نے انھیں مسلسل دوسرے درجے کے شہری کی حیثیت دی ہے۔ دوسری جانب نوآبادکاروں کا رجحان اسلام، عیسائیت اور یہودیت کی غالب تعلیمات کے درمیان مماثلت پر زور دینے کی طرف رہتا ہے۔ چونکہ ان لوگوں کی خواہش عام طور سے یہ ہوتی ہے کہ انھیں مساوی شہری کے طور پر تسلیم کر لیا جائے لٰہذا یہ اپنے عقائد کے ان عناصر کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں جن میں گروہی اتحاد پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور جو امریکی معاشرے میں بھرپور شرکت کے لئے دروازے وا کر دیتے ہیں۔

امریکا میں مختلف مسلم برادریوں کے بارے میں اس تحقیق سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی اتحاد کی منزل کے حصول میں، اس نظریئے کی مضبوطی کے باوجود، بڑی دشواریاں ہیں۔ مذاہب کے اکثر طلباء اور خاص طور سے ماہرین عمرانیات اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ثقافت یقیناً مذہب کا ایک جزو ہے۔ اس ملک میں بہت سی برادریوں کے لئے اولین اہمیت کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسئلہ یہ ہے کہ ایسا کس طرح کیا جائے کہ اسلامی وحدت کے تصور پر مفاہمت بھی نہ کی جائے اور کسی نہ کسی درجے کے نسلی تشخص اور ثقافتی تعلق کو بھی برقرار رکھا جائے۔ وہ ایسے طریقوں کے لئے جدوجہد کرتے ہیں جن میں ایک ایسی اسلامی ثقافت کی تخلیق ہو سکے جو لازماً ''مقامی'' نہ ہو یعنی جس کی زیب و زینت دنیا کے کسی مخصوص جغرافیائی علاقے (مثلاً عرب، پاکستان یا ایران) کی ثقافت سے نہ ہوتی ہو۔ ران کیلی نے بطور مثال یہ بیان کیا ہے ''لاس اینجلس میں مسلمانوں کی غیر معمولی علاقائی، ثقافتی اور نسلی رنگارنگی فرقہ وارانہ اتحاد کے لئے ایک رکاوٹ ہے''۔ بعض لوگوں کے نزدیک کرنے کا کام یہ ہے کہ ثقافتی لحاظ سے ایک ایسے ہمہ جہتی اسلام کو تسلیم کرلیا جائے جس میں اسلامی وحدت کے ساتھ کسی حد تک نسلی اور ثقافتی تشخص کو بھی تسلیم کیا جائے۔ بعض معاملات میں شیعوں کے علاوہ تمام نظریاتی مسائل میں مسلمان عام طور سے متفق الخیال ہیں لیکن اسلام بنیادی طور پر ایک پختہ عقیدے کا مذہب ہے جس میں مختلف جغرافیائی علاقوں میں فقہ کے چاروں مکاتب فکر کی تعلیمات کے مطابق معمولی اختلافات نمودار ہو گئے ہیں۔ امریکا میں بعض مسلمان یہ سوال اٹھا رہے ہیں کہ ایک غیر ثقافیانہ (deculturalized) اسلام صحیح معنوں میں کیا ہوگا اور یہ کہ یہ منزل اتنی اہم ہے یا نہیں کہ اس کے لئے مختلف نسلی اور ثقافتی تعبیرات کی قربانی کے لئے معقول جواز بن سکے۔

اس مجموعے میں جو سوالات اٹھائے گئے ہیں ان میں ایک دوسرے کی ثقافت کو قبول کرنے کے معاملات سے دلچسپی کا مسئلہ شامل ہے۔ دوسری اور تیسری نسل کے مسلمانوں نے نمایاں طور پر امریکی ثقافت کو اختیار کرلیا ہے اُن کے سامنے یہ مسئلہ اور سوال ہے کہ وہ اُن مطالبوں اور چیلنجوں کا مقابلہ اُن نئے آبادکار مسلمانوں کی موجودگی میں کس انداز میں کریں گے جو نسبتاً زیادہ راسخ العقیدہ اور ماضی سے وابستہ ہیں اور پھر اسلامی خطوط پر تربیت یافتہ اور زیادہ ضابطہ پرست امام کی موجودگی کا بھی مسئلہ ہے۔ امریکا میں ابھرنے والی اور امریکی رنگ میں رنگی ہوئی ایک مسلم قیادت کی کمی کی وجہ سے غیر تربیت یافتہ اور غیر ماہر ائمہ کا جو استعمال ہونے لگا ہے اس کی بنا پر بعض لوگ اب یہ سوچنے لگے ہیں کہ اس ملک میں ایسے ائمہ کو زیادہ تعداد میں لانا ضروری ہے جن کی تربیت سمندر پار کے ملکوں میں ہوئی ہو۔ کسی دوسرے ملک میں نشوونما پانے والی قیادت اور ایک ایسی نمو پذیر برادری، جس نے امریکی حقائق سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطابقت پیدا کر لی ہے کے درمیان کش مکش بہت شدید ہو سکتی ہے۔

سمندر پار سے آئے ہوئے بعض اماموں کو بیرونی ممالک سے رقوم ملتی ہیں اور وہ اُن کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں لہٰذا وہ ان کے مفاد کے مطابق تبلیغ و تلقین کرتے ہیں۔ امریکا کے مسلمان کے لئے بعض اوقات غیر ملکی اماموں کو یہ بتانا مشکل ہوتا ہے کہ وہ ایک مخصوص تفہیم (understanding) والے امریکی مسلمان ہیں جو اس اسلام سے مختلف ہے جو سعودی عرب یا دوسرے اسلامی ملکوں کے ماحول میں اُبھرا ہے۔ یہ صورت حال اسلام کی واحد تشریح (جسے بعض لوگ عرب اسلام کہنا پسند کریں گے) اور اس ہمہ جہتی اسلام کے اعتراف و احترام کے درمیان جو اس ملک میں واقعی ایک صداقت معلوم ہوتی ہے انتخاب کے مسئلے کو نمایاں طور پر پیش کرتی ہے۔ اگر بعد والی صورت حال کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد کے لئے کس حد تک رکاوٹ ہے؟ امریکی مسلمانوں کے حقیقی مسائل کو سمجھنے میں بعض بیرونی ممالک سے آئے ہوئے ائمہ کو جو دشواریاں پیش آتی ہیں انھیں اس مجموعے کے کئی مضامین میں پیش کیا گیا ہے۔

برادری کی تعمیر میں ایک مسئلہ جس کی نشان دہی ان مقالہ نگاروں میں سے بہتوں نے کی ہے وہ طبقہ واری اور معاشی اختلافات کی حقیقت ہے جو کسی حد تک خود تارکین وطن کے درمیان موجود ہے۔ ابتدائی تارکین وطن میں زیادہ تعداد دیہی علاقوں سے آئی تھی۔ یہ لوگ کم تعلیم یافتہ اور معاشی لحاظ سے کم خوش حال تھے۔ اس کے برعکس پچھلے کچھ برسوں میں آنے والے آبادکاروں کا معاملہ یہ ہے کہ ان کی اکثریت اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اعلیٰ سطح کی پیشہ ورانہ حیثیت کے حامل افراد پر مشتمل ہے۔ معاشی اور طبقہ واری امتیازات آبادکاروں اور افریقی امریکیوں کے درمیان کچھ زیادہ ہی واضح ہیں جو بعض صورتوں میں ان سیاہ فام لوگوں کی محرومی کو نمایاں کرتے ہیں جو امریکی سیاق و سباق میں ہونے والے مسلسل معاشی (اور معاشرتی بھی) کمتری کا جواب اسلام کو سمجھتے ہیں۔

متعدد مقالات میں سنی شیعہ تعلقات کے معاملے پر اور ساتھ ہی اس کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے جسے بعض اوقات شیعہ خود کو، عبدالعزیز سچادینا کے الفاظ میں، ''اقلیت کے اندر اقلیت'' قرار دیتے ہیں۔ لیکن شیعہ برادری کو ابھی کچھ دنوں سے امریکا میں اسلام کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیاق و سباق میں اپنی علیحدہ شناخت کا اور، بطور خاص ایران اور لبنان کے واقعات کی بنا پر، امریکی عوام کی جانب سے شیعوں کے علیحدہ تشخص کے ادراک کا تجربہ ہوا ہے۔ یہ صورت حال اس حد تک یقیناً افسوس ناک ہے جس حد تک امریکی ذہن انھیں انتہا پسندی اور تشدد کے ساتھ وابستہ کرنے لگا ہے۔ شیعہ برادری میں نمودار ہونے والی ایک دلچسپی کا تعلق ان افریقی امریکیوں کی تعداد میں اضافے سے ہے جو شیعہ عقیدہ اختیار کرتے جارہے ہیں اور ان لوگوں میں شامل ہو رہے ہیں۔ اس جانب متعدد مقالہ نگاروں نے حوالہ دیا ہے۔

امریکا میں رہائش کی وجہ سے نو آبادکار مسلمانوں اور اُن کے گروہوں میں کافی تبدیلیاں آ چکی ہیں۔ ان میں سے بعض تبدیلیاں اجتماعی معاملات میں عورتوں کی شمولیت کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئی ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں عورتیں شاذ و نادر ہی مسجدوں میں حاضری دیتی ہیں، ان کی کارروائیوں میں حصہ لینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگرچہ امریکا میں مسجدوں کی تنظیم میں آبادکار مسلم خواتین کی شرکت ان کے اپنے آبائی ملک کے رواج کے مطابق کم و بیش ہوتی رہتی ہے، بعض صورتوں میں تنظیم سازی اور اسے چلانے میں ان خواتین کی شرکت واقعی حقیقی اور اہم رہی ہے۔ بعض برادریوں میں ان کے کام کا انداز وہی ہوتا ہے جو گرجا گھروں میں کئی نسلوں سے عورتیں کر رہی ہیں مثلاً بیکری کی اشیاء فروخت کے لیے تیار کرنا، بازار چلانا اور لنچ اور ڈنر کے انتظامات کرنا۔ بہرحال اپنی عیسائی بہنوں کی طرح بعض مسلم خواتین مسجد کی تنظیموں میں قیادت کے فرائض بھی سنبھال رہی ہیں اور بعض مسلم برادریاں خصوصی طور پر عورتوں کے گروپ بنانے میں سرگرمی کا مظاہرہ بھی کر رہی ہیں۔ یونیورسٹیوں کی اقامت گاہوں میں رہنے والی بعض مسلم خواتین اسلام کو بہتر طور پر سمجھنے میں غیر مسلم امریکیوں کی مدد کر رہی ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سی دوسری خواتین بچوں کو دینی تعلیم دے رہی ہیں یا عورتوں کے لباس پر مباحثے کر رہی ہیں۔

ان مقالات میں اور دوسرے موضوعات بھی سامنے آئے ہیں جن میں مختلف عقائد کے لوگوں میں ابلاغ و افہام کے سلسلے میں انجام دی جانے والی مسلم قائدین کی متعدد کوششیں؛ صوفی گروہ کا امریکا میں دوسرے اسلامی گروہوں سے رشتہ؛ نظریات اور واقعات کے ذریعے متعین ہونے والے سیاسی اختلافات؛ اسلامی دنیا کے دوسرے حصوں سے آنے والی رقوم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ذرائع؛ اور مسلمان نوجوانوں کو ایسے کاموں کے لئے تیار کرنے کی کوشش جن سے وہ اجتماعی کاموں میں دلچسپی لیں اور ایسا ماحول پیدا کریں جس میں معمر لوگ تنہائی، اکتاہٹ یا علیحدگی محسوس نہ کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مجموعے کے تمام مضامین میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ امریکا میں رہنے والے مسلمانوں کو سرگرم عمل رکھنے والی چیز یہ ہے کہ وہ امریکی معاشرے اور ثقافت کے طویل اور مسلسل تعصب اور غلط فہمی کے ماحول میں اپنی شناخت قائم رکھیں اور اپنا کردار ادا کریں۔ نیشن آف اسلام اور عرب امریکیوں پر حکومتی نگرانی اور بین الاقوامی واقعات کے نتیجے میں مسجدوں اور افراد پر حالیہ زبانی اور جسمانی حملوں جیسی باتوں سے لے کر روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے معمولی معمولی فرقہ وارانہ اختلافات تک سے مسلمانوں کو ان حقائق کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایک اجنبی اور عموماً مخالفانہ ماحول میں اپنے عقیدوں اور اصولوں کے ساتھ زندہ رہنے کے لئے کیسی کیسی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔

امریکا میں مسلمانوں کے اندر اس حقیقت کا احساس بڑھتا جا رہا ہے کہ وہ تعمیر معاشرہ کے کام میں مشغول ہیں۔ ابتدا میں وہ صرف ایسے مسلمانوں کی تلاش پر قانع رہتے تھے جن کے ساتھ وہ امریکا میں مسلمان کے طور پر رہنے کی دشواریوں پر تبادلہ خیال کر سکیں۔ جس مخالفانہ ماحول کا انھیں تجربہ ہو رہا تھا اس میں یہ انجمنیں ان کے لئے سکون کا ایک ماحول مہیا کرتی تھیں۔ لیکن اب انھیں اس بات کا احساس ہونے لگا ہے کہ صرف یہ حقیقت کہ بحیثیت مسلمان ان کی ایک مشترک شناخت ہے اس بات کے لئے کافی نہیں ہے کہ اس سے خود بخود ایک برادری بن جائے گی۔ یہ امریکا کا ایک انوکھا اور کثیر الجہتی مسئلہ ہے جس کا حل معلوم کرنا آسان نہیں ہے کہ وہ کیا چیز ہے جو امریکی مسلمانوں کو مشترک رکھ سکتی ہے۔ اس سوال کی کنجی یہاں پائے جانے والے اختلافات کو سمجھنے اور اُن کی نشان دہی میں پوشیدہ ہے۔ یہاں حال میں آنے والے اور تیسری چوتھی نسل کے آبادکاروں کے درمیان اختلاف ہے، تارکین وطن اور امریکا کے پیدائشی مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہے، دیہی اور شہری لوگوں کے درمیان اختلاف ہے، کارکن اور ماہرانہ پیشوں سے متعلق لوگوں کے درمیان اختلاف ہے۔ یہاں طلباء برادری اور ان لوگوں کے درمیان اختلاف ہے جنھوں نے امریکا میں مستقل بس جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ چیز زیادہ واضح طور پر اس وقت نظر آتی ہے جب آباد ہو جانے والوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بچے بڑے ہوتے ہیں اور ان کا مطمح نظر صرف امریکا ہوتا ہے جب کہ اس کے برعکس طلباء اور حال میں آنے والے آبادکاروں کی دلچسپی بیرونی ممالک سے قائم رہتی ہے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ دنیا کے مختلف ملکوں اور خطوں سے آئے ہوئے لوگوں کے درمیان ان کے اپنے واضح ثقافتی اختلافات بھی نظر آتے ہیں۔

بیان کردہ امتیازات کی روشنی میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان آج ایک برادری کی تخلیق کے لیے خود کو کس طرح منظم کر رہے ہیں اور مشترک چیزوں کو کتنی اہمیت دیتے ہیں۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ تعلیمی نظام کے ذریعہ، جس میں اتوار اِسکول اور عام اِسکول دونوں ہی شامل ہوں، اسلامی قدروں اور نصب العین کو قائم رکھنے پر زور دیا جائے۔ بہت سے مسلمان یہ محسوس کرتے ہیں کہ انھیں خود اپنے اسکولوں کی تنظیم بلکہ تعمیر کرنی چاہیے تاکہ ان کے بچوں کو مکمل طور پر اسلامی تعلیم دی جاسکے اور انھیں امریکی معاشرے کے اثرات اور ممکنہ خطرات سے بچایا جاسکے۔ تاہم اگر ایسے اسکولوں کی اہمیت پر اتفاق رائے ہو تو بھی اس بات پر اتفاق مشکل ہی سے ہوتا ہے کہ صحیح اسلامی تعلیم کے اجزاء ترکیبی کیا ہیں۔ اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اپنے بچوں کے لئے مذہبی بنیاد پر اسکول قائم کرنے کی خواہش آبادکار مسلمانوں کے بجائے افریقی امریکیوں میں زیادہ پائی جاتی ہے۔

اسلامی برادری تشکیل دینے کے لئے متعدد دوسرے ذرائع کو بھی بڑی اہمیت دی جارہی ہے۔ انگریزی زبان میں ایسی بہت سی کتابیں لکھی جارہی ہیں جو عالمگیر عقائد اور بنیادوں پر مبنی ایک غیرنسلی اسلام کی تائید کرتی ہیں۔ ایسے سالانہ اجلاس منعقد ہوتے ہیں جن میں شریک ہوکر لوگ اپنے اپنے خیالات اور تجربات ایک دوسرے تک پہنچاتے ہیں۔ اس قسم کا گروہی تجربہ (group experience) جماعتی (communal) تشخص کی شکل میں بڑا طاقت ور ثابت ہوا ہے جس کا زور شرکاء میں تنوع کے باوجود اتحاد پر رہتا ہے۔ بہت سے ایسے ملکوں کے لوگ جہاں گروہی اور نسلی اختلافات بہت کم ہیں اپنے سابقہ تجربات کو دہرانے کے لئے اسلامی تعطیلات کے دنوں میں مشترک کھانوں اور جشن کا اہتمام کرتے ہیں۔ مشترک کھانوں میں شرکت سے لوگوں کے ذہنوں میں امریکی معاشرے کے حوالے سے ایک توسیع شدہ خاندان کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ یہ احساس مسلمان بچوں کے لئے زیادہ اہمیت کا حامل ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنھیں اسلامی قدروں پر مبنی ایک معاشرے میں اپنی شرکت کا تجربہ ہوتا ہے۔
نئی مسجدوں اور مرکزوں کے شرکاء اپنی تنظیم نسلی بنیادوں کے بجائے اس انداز میں کر رہے ہیں جو ان کے اپنے شعور کی حد تک زیادہ اسلامی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اسی ملک میں حال میں آنے والے آبادکاروں کی تعلیم انگریزی میں ہوئی ہے اور وہ دوسرے علاقوں کے مسلمانوں سے تبادلہ خیال کر سکتے ہیں (بہرحال اس میں کچھ نمایاں مستثنیات بھی ہیں مثلاً ڈیربورن اور مشی گن میں یمنی اور شیعہ لبنانی) اس طرح زیادہ تعداد میں کثیر الجماعتی اسلامی مراکز کے قیام کا نتیجہ ۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء کے عشروں میں غلبہ حاصل کرنے والے ایک ایسے نظریئے کی شکل میں ظاہر ہوا جس میں اسلامی اخوت کی گرفت رنگ اور نسل کے تمام امتیازات سے بلند نظر آتی ہے۔ اس حقیقت پر، کہ مختلف (نسلی یا فقہی) گروہوں کی بجائے اجتماعی بنیادوں پر مسجدوں کا قیام ایک دشوار امر ہے، آگے چل کر بحث کی جائے گی۔
یہ غالباً ناگزیر ہے کہ امریکا کی مسلمان برادریاں کسی نہ کسی حد تک امریکی ماحول سے مطابقت پیدا کر لیں گی۔ زیرِ نظر مقالات سے یہ واضح ہو جائے گا کہ مسلمان درحقیقت اس قسم کی مطابقت کی ضرورت کا احساس بھی کر رہے ہیں اور اس کے لئے قابل حصول ذرائع بھی تلاش کر رہے ہیں لیکن اس کے ساتھ اپنے اس فہم و شعور پر بھی قائم ہیں کہ مسلمان ہونے کا کیا مطلب ہے۔ جیسا کہ مانٹریال میں مسلمانوں کے بارے میں شیلا میکڈونف نے لکھا ہے ''یہ تسلیم کر لینے کے لئے تمام وجوہ موجود ہیں کہ اس شہر کے مسلمان جس قوت حیات کا مظاہرہ کر رہے ہیں وہ اس خاص ماحول میں مسلم وجود کی نئی شکلوں کو جنم دیں گی۔'' اب یہ بات بالکل واضح ہے کہ امریکا میں مسلمانوں کے وجود کو دوسرے شہری جس طرح تسلیم کریں گے اس سے وہ صورت حال یقیناً واضح ہو جائے گی جس میں مسلمان امریکی معاشرے اور اسلام کی ایک وسیع تر برادری میں خود اپنی شناخت کریں گے۔ امریکا کے رہنے والے مسلمانوں میں اور ان کے مختلف گروہوں میں جو نسلی، ثقافتی، معاشرتی اور معاشی امتیازات نظر آتے ہیں وہ یا تو ایک مجموعی وحدت کے طور پر ان کی شناخت کو تقسیم کر دیں گے یا ان کی مجموعی زندگی کے لئے صحت مند، قدرتی اور تخلیقی عناصر ثابت ہوں گے۔ مسلمانوں کے درمیان جاری بحث مباحثے کے لئے یہ موضوع اس وقت تک قائم رہے گا جب تک مسلمان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امریکی ماحول میں اپنی شناخت کو آگے بڑھاتے رہیں گے۔

نوٹ

۱۔ یہ موضوع اسلامی احیاء کی ترقی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ اسلامی تشخص ایک چیز ہے جو امت کے لئے ایک مرکزی رابطے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسماعیل الفاروقی مرحوم کو اس چیز پر زور دینے کی وجہ سے جسے وہ نصب العینِ امت (ummatic ideal) قرار دیتے تھے اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکا کی دعوت میں ایک نمایاں مقام حاصل تھا۔ آج تحریک احیاء کے مسلمان (Revivalist Muslims) ایک ایسی برادری کے لئے دعوت دے رہے ہیں جو ایمان کے ایک مشترک رشتے میں زبان اور جغرفیائی وحدتوں کو پرو دے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلا حصہ

مذہبی برادریاں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱

اقلیت در اقلیت، شمالی امریکا میں اہل تشیع کا معاملہ

عبدالعزیز سچادینا

مسلم برادریوں کے عمومی مطالعے کے سیاق وسباق میں، شمالی امریکا میں ''اقلیت در اقلیت'' کا سوال خاص اہمیت رکھتا ہے۔ باہر سے آ کر امریکا میں بسنے والے مسلمانوں کا یہ خیال رہا ہے کہ امریکا میں مسلم اقلیت کے تشخص کو امریکا کی غیر مسلم اکثریت سے خطرہ ہے چنانچہ ان مسلمانوں نے اپنی بیشتر توجہ امریکا میں اپنے اجتماعی تشخص کی بقا پر مرکوز رکھی ہے اور اس وجہ سے ایسے اختلافی معاملات میں الجھنے سے گریز کیا جن سے مغرب کے ماحول میں، مسلمانوں کی صفوں میں پھوٹ (dissensions) نظر آئے۔ اس معاملے میں، کہ امت مسلمہ کے اندرونی اختلافات زیادہ منظر عام پر نہ آئیں، اہل سنت والجماعت ذرا زیادہ ہی حساس ہیں چنانچہ وہ اپنے میزبان ملکوں پر ہمیشہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی تعلیمات کے تحت مسلمان ایک ملت واحدہ* ہیں، خاص طور سے ایسی اسلامی تعلیمات جنھیں مسلمانوں

* اسلامی تعلیمات کے تحت مسلمان واقعی ایک اُمت ہیں اور فقہی اختلافات اس وحدت کو متاثر نہیں کرتے۔ بیسویں صدی کے پانچویں چھٹے عشرے تک یہ وحدت جنوبی ایشیا میں بڑی حد تک برقرار تھی۔ موجودہ فرقہ وارانہ فضا حالیہ چیز ہے، جس کے اسباب پر بحث کا یہ موقع نہیں۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سوادِ اعظم نے محفوظ رکھا ہے۔

یہ شاید کسی حد تک انھیں کوششوں کا نتیجہ ہے کہ مغرب میں بالعموم اور شمالی امریکا میں بالخصوص مسلم آبادی کو ایک اکائی تصور کیا جاتا ہے حالانکہ امریکا میں رہنے والے مسلمانوں میں حتیٰ کہ عربوں میں بھی، تنوّع کا اظہار قومیت اور ثقافت سے لے کر مسلمانوں کے مختلف مکاتب کی صورتوں میں ہوتا ہے۔ چنانچہ قومی، ثقافتی اور فرقہ وارانہ وابستگی کا اثر سنّیوں اور شیعوں دونوں پر ہوتا ہے۔[1] علاوہ ازیں آبادکار مسلم برادریوں کے درمیان مذہبی اختلافات کی پیچیدگیاں نہ صرف غیر مسلم مبصروں کے لئے بلکہ ان مسلمانوں کے لئے بھی ناقابل فہم رہی ہیں جن کا امریکا آنے سے پہلے اپنے اپنے ملکوں میں صرف ایک ہی اسلامی مکتب فکر سے واسطہ رہا اور وہ صرف اسی سے واقف تھے۔ صرف چند غیر معمولی صورتوں۔ مثلاً عراق، لبنان، پاکستان، ہندوستان، میں مسلم اکثریتوں نے اپنے درمیان دوسرے اقلیتی مسلم گروہوں کی موجودگی کو تسلیم کیا ہے، جب کہ بعض علاقوں، مثلاً سعودی عرب، میں یہ بات حکومت کے مفاد میں رہی ہے کہ اُن کی حدود میں ایک غیر فرقہ وارانہ مسلم معاشرے کا تاثر قائم رہے۔

مشرق وسطیٰ کی متعدد حکومتوں نے اسلامی مراکز اور اسی طرح کی دوسری تنظیموں کے قیام کے لئے انتہائی مطلوب مالی وسائل مہیا کر کے امریکا میں آباد سنی آبادی پر خاصا رسوخ حاصل کر لیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ شمالی امریکا میں مسلم اقلیت کا جداگانہ تشخص برقرار رہے۔ لیکن ان کوششوں سے بسا اوقات وہ کوششیں چھپ جاتی ہیں جو نہایت فعال شیعہ مسلم اقلیت، شیعوں کی جداگانہ اسلامی شناخت برقرار رکھنے کے لیے شیعہ مرکزوں اور تنظیموں کے ذریعے کر رہی ہے۔ اس تقصیر میں علم و دانش سے منسلک طبقہ بھی شریک ہے کیونکہ ماضی قریب تک صورت حال یہ تھی کہ کانفرنسوں اور مطالعاتی نشستوں میں امریکا کے ماحول میں مسلم شیعہ برادری کے بارے میں حقائق کا ذکر اور ان کے بارے میں معلومات کی فراہمی کا اہتمام بہت کم تھا۔[2]

صرف بیسویں صدی کی آخری دو دہائیوں یا اُس کے قریبی زمانے سے ہی شمالی امریکا میں شیعوں کو نمایاں طور پر تسلیم کیا جانے لگا ہے۔ اس کے اسباب میں ۱۹۷۹ء میں ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی اور اس کے بعد ۱۹۸۳ء میں لبنان پر اسرائیلی حملے کے بعد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہاں شیعہ سرگرمیاں اور بیروت میں ایک شیعہ گروہ کے ہاتھوں دوسو اکتالیس امریکی بحری فوجیوں کا قتل شامل ہیں۔ ایران اور لبنان کے ان واقعات کی وجہ سے اور پھر ایران عراق کی آپس کی جنگ کی وجہ سے، جسے مغربی پریس اور قوم پرست عرب دونوں ہی نے شیعہ سنی جنگ یا ایران عرب جنگ ظاہر کیا، شیعوں کے بارے میں جو تصور ابھرا وہ منفی نوعیت کا تھا اور اس طرح شیعوں کے اسلامی مقاصد کے حصول کی لگن کو، ان کی اسلامی امنگوں کو اور ان کے مطالبات عدل و انصاف کو ٹھیک طرح سے نہ تو سمجھا گیا اور نہ انھیں تسلیم کیا گیا۔

شیعوں کا سب سے بڑا ذیلی گروپ تو اثنا عشریوں (یعنی بارہ اماموں کے ماننے والوں) کا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رحلت: ۶۳۲ء) کے ورثاء نرینہ میں بارہ امام ایسے تھے جنھیں مسلم امہ کی امامت کا استحقاق حاصل تھا۔ ان اہل تشیع کا عقیدہ ہے کہ بارہویں امام دسویں صدی عیسوی میں غائب ہو گئے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ آخری زمانے میں وہ ان کے مسیحا اور نجات دہندہ کے طور پر دوبارہ نمودار ہوں گے اور مہدی کہلائیں گے اور زمین پر عدل و انصاف پر مبنی حکومت قائم کریں گے۔ مہدی موعود کے ظہور سے پہلے یہ شیعہ اپنے علماء (مجتہدین یا آیت اللہ) کی روحانی اور دنیوی دونوں طرح کی امامت تسلیم کرتے ہیں۔ اس مضمون کا تعلق اسی گروہ سے ہے جسے بعض اوقات فرقہ امامیہ کہا جاتا ہے اور بعض اوقات صرف شیعہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔[۳]

ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ شیعہ آبادکاروں نے کب شمالی امریکا آنا اور یہاں مستقل سکونت اختیار کرنا شروع کیا۔ نہ ہمیں ان اولین آنے والوں کے حالات زندگی کے بارے میں کچھ زیادہ معلوم ہے۔ تارکین وطن سے متعلق سرکاری دستاویزات سے بھی کچھ زیادہ مدد نہیں ملتی کیونکہ اس میں فرقہ وارانہ وابستگی کے بارے میں کوئی اندراج نہیں۔ ہمیں شمالی امریکا میں آباد خاندانوں کے پاس سے بھی کوئی ایسے دستاویزی مآخذ نہیں ملے جن میں انھوں نے اپنے فرقے کا پس منظر مرتب کیا ہو اور اس میں اندراج کرتے رہے ہوں۔ اس براعظم (امریکا) میں شیعوں کی تاریخ کا لکھا جانا ابھی باقی ہے۔

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں جس تعداد میں مسلمان باہر سے آکر شمالی امریکا میں مستقل بس گئے اس تعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ مفروضہ معقول معلوم ہوتا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ ہندوستان اور لبنان سے کچھ شیعہ خاندان بیسویں صدی کے وسط سے پہلے آ کر یہاں بس گئے ہوں گے۔ اگر چہ امریکی منظر نامے میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ہنر مند پیشہ ور شیعہ متوسط طبقے کا ظہور نسبتہً ماضی قریب کی بات ہے۔[۴] مثلاً حیدرآباد (دکن: ہندوستان) سے آ کر ٹورنٹو میں بسنے والے کچھ خاندانوں کی دوسری اور تیسری پشت کے لوگوں سے زبانی معلوم ہوا ہے کہ اس زمانے میں (یعنی بیسویں صدی کے وسط سے پہلے) نواسہء رسول (ﷺ) اور شیعوں کے تیسرے امام حسین ابن علی [رضی اللہ تعالیٰ عنہ] کا یوم شہادت ہر سال منایا جاتا تھا۔[۵] اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں وہاں کسی نہ کسی نوعیت کی شیعہ آبادی ضرور موجود رہی ہو گی۔ یہ بھی اغلب معلوم ہوتا ہے کہ اس فرقے سے تعلق رکھنے والے وہ تمام افراد جو ان سالانہ مذہبی اجتماعات میں شامل ہو سکتے ہوں گے وہ شامل ہونے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہوں گے (یہاں اس سلسلے میں عبد المعبود انصاری کی تحقیق کی بنا پر یہ بتلانا ضروری ہے کہ ایران سے آ کر امریکا میں بسنے والوں میں مذہبی یگانگت اور شناخت کا احساس ابھی حال ہی میں پیدا ہوا ہے یعنی بالصراحت ۱۹۷۸ء اور ۱۹۷۹ء کے انقلاب ایران کے بعد سے)۔[۶]

مسلم اسٹوڈنٹس ایسوی ایشن کے فارسی بولنے والوں کا گروہ انقلاب ایران کے زمانے میں معرض وجود میں آیا۔ اس کے بعد سے شیعہ طلباء کے اور گروپ بھی قائم ہوئے جن میں عراق، لبنان اور خلیج فارس سے آنے والے شیعہ عربوں کے گروپ بھی شامل ہیں۔ ان گروپوں کی تنظیمیں بھی مسلم اسٹوڈنٹس ایسوی ایشن کے فارسی بولنے والے گروہ کی طرح، یونیورسٹیوں میں امور طلبہ کے انتظامی دفاتر کے حوالے سے قائم ہیں۔ یہ تنظیمیں زیادہ تر شیعہ طلباء اور ان کے قریب ترین رشتے داروں کی مذہبی ضروریات کا خیال رکھتی ہیں۔ باہر سے آ کر امریکا میں بسنے والے عام شیعہ خاندانوں کے معاملات میں یہ تنظیمیں بہت کم دلچسپی لیتی ہیں۔ ان طلباء میں سے متعدد نے اپنی ذاتی یا سیاسی اغراض کی خاطر امریکا میں مستقل سکونت اختیار کرنا پسند کیا ہے۔ کچھ تو ایرانی انقلاب کی وجہ سے اور کچھ ایران عراق جنگ کے بعد کی بگڑتی ہوئی معاشی صورت حال کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ ایرانی طلباء اپنے وطن واپس نہیں گئے۔ ان طلباء میں سے کچھ، خصوصاً فارسی بولنے والے گروپ کے ممبروں نے امریکی عورتوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے شادیاں کرلی ہیں جن کے لئے ایران واپس جاکر رہنا دشوار ہوگا کیونکہ انقلاب ایران کے بعد ''ایرانی معاشرے کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے'' کے پروگرام کے تحت، جدید معاشرے میں مسلمان عورت کا جو کردار متعین ہوا ہے، اس کے تحت اخلاقی ضابطوں کی پابندی مشکل کام ہے۔ شیعہ طلباء کی مختلف تنظیموں کے حالات مختلف اور دلچسپ ہیں، لیکن ہمارے اس مطالعے کا زیادہ تعلق تو شمالی امریکا کے ماحول میں تارک وطن شیعہ برادریوں سے ہے۔

یہ بات یقینی ہے کہ ۱۹۵۰ء سے شروع ہونے والی دہائی میں کینیڈا اور امریکا کے بعض بڑے بڑے شہروں میں شیعہ خاندانوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ موجود تھے۔ شیعوں کے مذہبی رہنماؤں نے جو یادداشتیں تحریر کی ہیں ان سے ہمیں ان خاندانوں کی موجودگی کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں جو ماہ محرم کی سالانہ مذہبی رسومات میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ اور بھی شیعہ موجود رہے ہوں گے جو ان سالانہ جلسوں جلوسوں میں شریک نہ ہوتے ہوں۔ ہمیں ان تارکین وطن شیعوں کے بارے میں جو کچھ معلوم ہے اس کو اور ایران سے (اور ذرا کم تعداد میں) عراق اور لبنان سے نو وارد شیعوں کے بارے میں جو اعداد و شمار موجود ہیں ان کو مدنظر رکھا جائے تو یہ اندازہ معقول معلوم ہوتا ہے کہ شمالی امریکا کی کل مسلم آبادی میں شیعوں کا تناسب کم از کم تیس فیصد ہوگا۔

اس ملک میں شیعوں کی عملی زندگی میں شیعہ برادری کے روایتی مذہبی نظام کو بڑا دخل ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا رسول اللہ [صلی اللہ علیہ وسلّم] کے خاندان سے تعلق رکھنے والے اماموں کو بلا شرکت غیرے مسلم اُمّہ کا لیڈر سمجھا جاتا ہے۔ بارہویں امام ''مہدی'' کی غیرموجودگی میں مذہبی علماء اور فقہا کو (جنھیں مجتہد کہا جاتا ہے) اپنے پیروکاروں کی روحانی اور معاشرتی سرگرمیوں کی رہنمائی کے لئے امام مہدی کے نائبین اور ترجمان کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ انیسویں صدی سے پوری دنیا کی اثنا عشری برادری نے زیادہ تر عراق اور ایران میں شیعوں کی مقدس شہروں میں مرتکز شیعہ مجتہدین کی مرکزی قیادت کو تسلیم کیا ہوا ہے۔[7] مذہبی قیادت کا یہ ادارہ نہایت طاقت ور اور حد درجہ مرتکز (centralized) بااختیار ادارہ (مقتدرہ) بن گیا ہے جسے کبھی مرجع التقلید اور کبھی صرف مرجعیہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ تکنیکی اعتبار سے اس کا مطلب ہے ''امامیہ برادری کا سب سے زیادہ بااختیار فقہی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادارہ جس کے فتاویٰ پر وہ سب عمل کرتے ہیں جو اس کی سند کو تسلیم کرتے ہیں اور جو اپنے مذہبی اعمال کو اس کے فتاویٰ کے مطابق رکھنے کا عہد کرتے ہیں''۔ بارہویں امام کے نظروں سے غائب ہو جانے کے بعد سے اس ادارے نے شیعوں کی زندگی کے مذہبی اور اخلاقی پہلوؤں سے متعلق معاملات میں وحدت کا شعور بھی دیا ہے اور رہنمائی بھی کی ہے۔ مرجعیہ کا ادارہ سرکاری کنٹرول سے بالکل آزاد رہا ہے کیونکہ اس کا مکمل انحصار شیعوں کی جانب سے مرجع التقلید کے زیر اہتمام مذہبی اداروں کے انتظام وانصرام کے لئے ادا کردہ خمس (پانچواں حصہ۔ایک مذہبی ٹیکس) کی آمدنی پر ہے۔ مرجع التقلید یہ فیصلہ کرتا ہے کہ شیعوں کے مختلف مذہبی منصوبوں میں سے ہر منصوبے کے لئے خمس کی آمدنی کا کتنا حصہ مختص کیا جائے۔

شمالی امریکا میں خمس کی آمدنی سے اسلامی مراکز کی تعمیر کا خرچ پورا کیا جاتا ہے اور ایسے مذہبی مبلغین، ذاکرین اور اساتذہ کو تنخواہیں دی جاتی ہیں جو اہلِ تشیع سے وصول ہونے والی دوسری آمدنیوں مثلاً سالانہ واجبات سے ادا نہیں کی جاسکتیں۔ شیعہ مراکز کے بیرونی مداخلت سے آزاد رہنے کا اہم سبب یہی خمس ہے۔ مزید برآں چونکہ مبلغین کو تنخواہیں خمس کی آمدنی سے ملتی ہیں لہٰذا وہ مذہبی رہنماؤں اور استادوں کی حیثیت سے اپنی خودمختاری کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی اپنی برادری کی خدمت زیادہ آزادی سے کر سکتے ہیں۔

شمالی امریکا کے شیعوں کے لئے یہ بات خاص طور پر اہم ہے کہ مرجع التقلید کی آزاد نوعیت اور شیعوں کی مذہبی تنظیم کے تحت اپنے وسائل اور اپنے انتظامات نے شیعہ برادری کے لئے اپنے معاملات کو مشرق وسطیٰ کی یا کہیں اور کی حکومت کی مداخلت کے بغیر آزادانہ انداز میں چلانا ممکن بنا دیا ہے۔ اس طرح شیعہ مراکز کو ان مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا جن کا سامنا سعودی عرب یا لیبیا کی حکومتوں کی مدد سے چلنے والے اسلامی مراکز کو کرنا پڑتا ہے۔ بہت حد تک یہ آزادی، شروع شروع میں امریکا آنے والے شیعوں کی اور ان کی اپنے مذہبی ورثے سے لگن کی مرہون منت ہے۔ ایک اجنبی ماحول میں اپنے تشخص کی بقا کے لئے جو ادارے ضروری ہیں ان کو چلانے کی کوششوں کا محرک شروع شروع میں آنے والوں کا اپنے مذہبی ورثے کو بعد کی نسلوں تک منتقل کرنے کا جذبہ ہی رہا ہے۔ چونکہ مرجع التقلید

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اپنے مالی اور مذہبی نائبین (وکلاء) کا تقرر برادری کے قابل اعتماد ممبروں میں سے کیا ہے اس سے اُن میں یہ اعتماد پیدا ہوا ہے کہ وہ اپنی روحانی فلاح کی خاطر چندہ دیں اور اسی سے یہ ترغیب بھی پیدا ہوئی ہے کہ اسلامی مراکز کی تعمیر جیسے بڑے کاموں کی ابتدا کی جائے اور شمالی امریکا میں شیعوں کی مستحکم اور پائیدار خوش حالی کے لئے ضروری مذہبی تعلیم کی سہولتیں مہیا کی جائیں۔

بہر حال ابھی تک دنیا کے مختلف علاقوں سے آنے والے مختلف شیعہ گروہوں کے لئے ایک متحد جمعیت کی تشکیل ممکن نہیں ہوسکی ہے اور بنیادی مذہبی رویوں کی تشکیل پر ثقافتی اختلافات سے پیدا ہونے والے مسائل کا اثر نمایاں رہا ہے۔ انفرادی گروہوں میں اندرونی اتحاد پیدا کرنے اور برقرار رکھنے میں مذہبی وابستگی کی بہ نسبت مشترکہ زبان اور قومی رشتے عموماً زیادہ موثر عوامل نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مرکزی قیادت تلے شیعہ فرقوں کے وفاق کی تمام کوششیں عموماً غیر مؤثر رہی ہیں۔ ان کوششوں میں سے ایک کوشش مشرقی افریقہ کے ایشیائی نژاد شیعہ تارکین وطن کی اس تنظیم کی شکل میں سامنے آئی ہے جس کا نام نارتھ امریکن شیعہ اثنا عشری مسلم کمیونٹیز (ناسمکو NASIMCO) ہے۔ کوئی سترہ جماعتیں اور چھ ہزار افراد اس تنظیم کے ممبر ہیں۔ اس تنظیم کا صدر دفتر ٹورنٹو میں ہے اور اس کے مقاصد میں ایران اور عراق کے مراکز علم وفقہ سے مسلسل رابطوں کے ذریعے ضروری مذہبی رہنمائی حاصل کر کے اپنے ممبروں تک پہنچانا اور ممبر تنظیموں کو ان کے ترقیاتی منصوبوں کے سلسلے میں مالی اعانت فراہم کرنا شامل ہیں۔ ناسمکو جن منصوبوں کے لئے مالی اعانت مہیا کرتی ہے اس کے وسائل انفرادی عطیات سے مہیا ہوتے ہیں یا مذہبی ٹیکس خمس کے اس حصے سے جو مرجع التقلید ناسمکو کے لئے مختص کرتا ہے۔ ماضیٔ قریب کے چند برسوں میں مشرقی افریقہ سے آنے والے شیعوں کے علاوہ دوسرے علاقوں سے تعلق رکھنے والے شیعہ بھی ناسمکو کے رکن بن گئے ہیں تاکہ ناسمکو کے مالی اور مذہبی وسائل سے استفادہ کر سکیں۔

اگرچہ شمالی امریکا میں بسنے والے مسلمانوں کی عام زبان انگریزی ہے تاہم مذہبی رسوم شرکاء کی مقامی زبان میں ادا کی جاتی ہیں جس سے محرم کی مجالس میں ثقافتی علاقائیت کی شہادت ملتی ہے۔ انہی ثقافتی اختلافات کی وجہ سے ایک نئی شمالی امریکی اسلامی برادری کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظریئے پر کام کرنے والی قیادت کے لئے ابھی تک یہ ممکن نہیں ہو سکا کہ اپنے ممبروں کی زندگیوں کی رہنمائی کے لئے ایک مشترکہ ایجنڈا وضع کر سکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف لسانی اور ثقافتی پس منظروں کی اہمیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور شیعوں میں دین اسلام کی آفاقیت کی جگہ ''علاقائیت'' اور ''اختصاصیت'' نے لے لی ہے۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ آفاقی دین اسلام سے بنیادی وابستگی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ باہر سے آنے والے ذاکر اور مبلغ ہیں۔ چونکہ انھیں انگریزی زبان پر کافی عبور نہیں ہوتا اس لئے وہ تعلیم و تبلیغ اپنی اپنی مقامی زبانوں میں کرتے ہیں۔ ایرانی شیعہ فارسی زبان بولنے والے ذاکروں کو سنتے ہیں جب کہ برصغیر پاک و ہند سے آنے والے شیعوں کی مذہبی کارروائیاں اُردو زبان میں ہوتی ہیں۔ اگرچہ شیعہ برادری کے رہنماؤں نے اپنے اپنے گروپوں کے انتظامی امور کے لئے انگریزی زبان اختیار کر لی ہے لیکن تبلیغ و تدریس کے لئے دوسری زبانوں کے استعمال سے برادری میں واضح طور پر دو طرح کی قیادت پیدا ہو گئی ہے اور دونوں کے مابین مفادات کے تصادم کی کیفیت بہت نمایاں ہے۔ مغربی معاشرتی اور سیاسی ماحول میں اس قسم کے تضادات اسلامی جمعیتوں کی فلاح و بہبود کو خطرے میں ڈال دیتے ہیں۔

مثال کے طور پر مغربی طرز زندگی اختیار کرنے کے بارے میں رویوں میں سخت اختلافات ہیں۔ شیعہ فرقے کے جو رہنما شمالی امریکا کے ماحول میں پلے بڑھے ہیں وہ امریکی ماحول سے ہم آہنگ ہونے کے بارے میں آبادکاروں کے مسائل کو تو خوب سمجھتے ہیں لیکن عام طور پر اسلامی روایتوں کے ماخذوں کے بارے میں ان کا علم اتنا نہیں ہوتا کہ وہ ان مسائل کا حل بھی فراہم کر سکیں۔ دوسری طرف دوسرے ملکوں سے امریکا میں بلائے گئے مذہبی رہنماؤں کو دینی روایتوں پر تو پورا پورا عبور ہوتا ہے لیکن امریکی ماحول میں شیعہ مومنوں کو درپیش مسائل کے بارے میں ان کی فہم بہت ناقص ہوتی ہے۔ اس صورت حال کی وجہ سے شیعہ فرقے کے بڑی عمر کے ارکان کے لئے دین اسلام میں نوجوان نسل کی دلچسپی کو برقرار رکھنا بے حد مشکل ہو گیا ہے۔ شیعہ مذہبی رہنماؤں نے مسائل کے جو حل اب تک پیش کیے ہیں انھیں عارضی اور عبوری تو کہا جا سکتا ہے لیکن وہ ایسے قطعی نہیں کہ ان سے مستقبل میں شیعوں کی مذہبی وفاداری اور روحانی طمانیت کو برقرار رکھا جا سکے۔ مقامی طور پر تربیت یافتہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن اسلامی روایت سے پوری طرح باخبر مذہبی رہنماؤں کی عدم موجودگی کو غیر مذہبی ماحول میں شیعہ برادری کی بقا کو سب سے اہم اور توجہ طلب مسئلہ قرار دیا گیا ہے۔

بین الاقوامی سیاسی واقعات فعال شیعیت کے مذہبی نقطۂ نظر پر واضح طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بلا شبہ اس سلسلے کا سب سے اہم سیاسی واقعہ تو انقلاب ایران ہے جسے مغربی۔ امریکی ثقافتی سامراج (استعماریت) کے خلاف اسلامی رو عمل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے بالعموم شیعوں میں دینی جذبہ اور احساس تفاخر بیدار ہوا ہے اور اس نے ان سنی حلقوں کو بھی متاثر کیا ہے جنھوں نے انقلاب ایران کو غیر فرقہ وارانہ نظر سے دیکھا ہے۔[8] جہاں تک انقلاب ایران کو مغربی قوتوں کی ''ثقافتی سامراجیت'' کا توڑ سمجھا گیا ہے اس کا اثر شمالی امریکا میں بسنے والی شیعہ آبادی پر بے حد وحساب ہوا ہے۔[9] پروپیگنڈے کے ذریعے مشرق وسطیٰ کی متعدد عرب حکومتوں کی شمالی امریکا میں امام خمینی اور شیعیت دونوں کو نظروں سے گرانے کی متحدہ کوشش کے باوجود امام خمینی کے بارے میں ایک کامیاب شخص کے تاثر سے مسلمانوں میں ایک غیر مذہبی لادینی (secular-atheistic) کلچر میں اپنی شناخت محفوظ رکھنے کا ایک نیا حوصلہ پیدا ہوا ہے۔ یہ حوصلہ شیعوں اور سنیوں دونوں کی نوجوان نسلوں میں مذہبی آگہی اور ''حیات نو'' کے رویوں کی صورت میں نظر آتا ہے۔ شیعہ تنظیموں میں بہت سے نوجوان مردوں اور عورتوں نے اسلامی ضابطۂ حیات کے مطابق زندگی گزارنا شروع کر دیا ہے اور سنی ارباب اختیار کو چیلنج کیا ہے کہ انھیں (یعنی شیعوں کو) بھی مستند مسلمان اور ایسے لیڈر کا پیروکار سمجھا جائے جو ان کی (یعنی شیعوں کی) نظر میں ساری دنیا کے اسلامی لیڈروں کے مقابلے میں زیادہ سچا مسلمان ہے۔ اسلام کی جو تعبیر سنی عرب کرتے ہیں اور جس سے عرب مسلم حکومتوں کو جواز بھی ملتا ہے اور ان کی تائید بھی ہوتی ہے، اس سے شمالی امریکا میں بسنے والے افریقی نژاد مسلمان مطمئن نہیں۔ اس کے مقابلے میں شیعیت کو امام خمینی نے جس قسم کی فعال قیادت فراہم کی ہے اس سے شمالی امریکا میں بسنے والے افریقی نژاد مسلمان اس حد تک متاثر ہوئے ہیں کہ گزشتہ دس برسوں میں شمالی امریکا کے بہت سے افریقی نژاد مسلمانوں نے اپنا مسلک بدل دیا ہے۔ بالکل صحیح اعداد و شمار تو دستیاب نہیں ہیں لیکن افریقی امریکی شیعہ مراکز کی تعداد میں مسلسل اضافہ اس بات کا غماز ہے کہ مسلک بدلنے والوں کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاہم شمالی امریکا کے شیعوں میں ایران کی پرجوش حمایت کو ایران عراق جنگ نے دھچکا پہنچایا ہے اور اُن مختلف مراجع التقلید کے نہایت واضح باہمی اختلافِ رائے نے، جن کے مقلد اور پیروکار کینیڈا اور امریکا میں آباد ہیں، اتحاد کو نقصان پہنچایا ہے۔ ان اختلافات کا زیادہ تر تعلق شیعہ قیادت سے اور اس بات سے ہے کہ کیا نجات دہندہ امام مہدی کی واپسی تک شیعہ ریاست میں شیعہ قیادت کو سیاسی اقتدار بھی حاصل ہونا چاہیے۔ بعض شیعہ علما، جیسے عراق کے نامساعد معاشرتی و سیاسی ماحول میں رہنے والے مرحوم مرجع آیت اللہ خوئی نے کسی عالم کے سیاست میں ملوث ہونے کو ملت اسلامیہ کی روحانی بہبود کے لئے نقصان دہ قرار دیا ہے اور ایک جدید ریاست میں امام خمینی کے ولایت للفقیہ کے نظریئے کی مخالفت کی ہے۔ اس حقیقت سے کہ اس ''سرپرستی'' کو ایران کی ریاست جدید کے آئین میں شامل کر دیا گیا ہے دنیا کے دوسرے حصوں میں رہنے والے شیعوں کے لئے اس نظریئے کو قبول کرنے کے راستے میں مزید پیچیدگیاں پیدا ہوگئی ہیں اور آیت اللہ خمینی کے اس نظریئے سے ہمدردی رکھنے والے سرکردہ با اختیار شیعہ لیڈر بھی اس بارے میں سوالات اٹھانے لگے ہیں کہ کیا شیعوں کو ایک نئی قسم کی فعال مذہبی امامت کی ضرورت ہے۔ انقلاب ایران کے قومیت سے منسلک مضمرات کے باعث عربی بولنے والے شیعوں نے متعدد دوسرے عرب مراجع التقلید کو تسلیم کر لیا ہے اور اتحاد و یگانگت کے نام پر آیت اللہ خمینی کو پورے عالم شیعیت کا واحد مرجع تسلیم نہیں کیا۔ اس طرح مرجع التقلید کے ادارے کی مرکزیت ٹوٹ گئی ہے جس سے شمالی امریکا میں بسنے والے شیعہ مختلف گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ بہر حال یہ بات طے ہے کہ انقلاب ایران کی حمایت کے معاملے میں تمام شیعہ متحد و متفق ہیں چاہے ان کا مرجع التقلید کوئی بھی ہو۔

خواہ اختصار ہی سے ہو لیکن اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ امریکا اور کینیڈا میں شیعہ برادریوں نے اپنے ممبروں کی فلاح و بہبود کے لئے کچھ اہم ادارے قائم کیے ہیں۔ نیویارک، واشنگٹن، لاس اینجلس، شکاگو، وینکوور، ایڈمنٹن اور ٹورنٹو جیسے بڑے بڑے شہروں میں شیعی مراکز قائم کرنے کے علاوہ ان مراکز کے تعاون سے اتوار کے اتوار مذہبی تعلیم دینے والے اسکولوں کا ایک نہایت مستعد اور مفید نظام بھی شیعوں نے قائم کر لیا ہے۔ اسلامی اخلاقی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

و مذہبی تعلیم کے تسلسل کی ضمانت کے طور پر اسکولوں کے اس نظام کی اہمیت [حضرت] امام حسین ابن علی کی شہادت کی یاد میں ہفتہ وار اور سالانہ مجالس کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔

بلاشبہ یہ یادگاری مجالس نوجوانوں میں مذہبی تعلیم کے فروغ کا سب سے بہتر ذریعہ رہی ہیں، لیکن چونکہ ان مجالس کا انداز روایتی اور قدامت پسندانہ ہوتا ہے، اس لیے ان سے مغرب میں مسلمان عورتوں کے کردار اور امریکی ماحول میں پلنے بڑھنے والے شیعہ نوجوانوں کے مسائل کو مطلوبہ توجہ نہیں ملتی۔ اہل تشیع میں سے کچھ لوگ روایتی طور طریقوں کی اصلاح کا مطالبہ کر رہے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ طور طریقے مخصوص کلچر کی پیداوار ہیں اور بنیادی طور پر اسلامی نہیں ہیں۔ ان لوگوں کا مطالبہ ہے کہ اسلام کی اساسی تعلیمات کی تجدید اور احیائے نو کی جائے۔ ان کے نزدیک اسلام کی اصلی اور اساسی تعلیمات کا تقاضا یہ ہے کہ برادری کے مستقبل کو زیادہ روشن بنانے کے سلسلے میں عورتوں اور نوجوانوں کی شرکت کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے تاکہ وہ زیادہ فعال اور سرگرم کردار ادا کر سکیں، اور یہ بات مذہبی تنظیم کا حصہ بن سکے۔

ان اصلاحی اقدام کو وضع کرنے کے سلسلے میں کبھی کبھی **مرجع التقلید** سے رہنمائی کی درخواست کی جاتی ہے۔ چونکہ **مرجع** کو قرآن کی اساسی تعلیمات اور اسلام کے مذہبی و اخلاقی قانون کا پورا پورا علم ہوتا ہے اس لئے وہ مسائل کے حل کی تلاش و تجویز کے سلسلے میں مغرب میں اپنے مقلدین کے مقابلے میں کہیں زیادہ ترقی پسند رہے ہیں۔ مثال کے طور پر مسجدوں میں عورتیں پردے کے پیچھے بیٹھتی ہیں اور خطیب کا خطبہ سن تو سکتی ہیں لیکن اسے خطبہ دیتے دیکھ نہیں سکتیں۔ اس سلسلے میں یہ تجویز سامنے آئی کہ محدود دائرے کا ٹیلی ویژن لگا دیا جائے تاکہ عورتیں پردے کے پیچھے بیٹھ کر خطبہ سن بھی سکیں اور خطیب کو خطبہ دیتے دیکھ بھی سکیں۔ شمالی امریکا کے بعض شیعی مراکز نے اس تجویز کی مخالفت کی چنانچہ **مرجع التقلید** کا فتویٰ مانگا گیا۔ **مرجع** نے فتویٰ دیا کہ مذہبی مقصد کے لئے محدود سرکٹ ٹیلی ویژن کا استعمال جائز ہی نہیں بلکہ قابل تعریف ہے۔

شمالی امریکا کی شیعہ آبادی کی تشویش کا ایک بہت بڑا سبب بڑوں کے اجتماعات میں مسلم نوجوانوں اور نوبالغوں کی عدم شمولیت ہے۔ اس کا ایک حل جو بار بار تجویز کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ خطبہ اس زبان میں جسے بڑے عام طور سے بولتے ہیں یا خطیب کی زبان میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیئے جانے کے بجائے انگریزی میں دیا جائے۔ لیکن اس میں ایک دشواری تو یہ ہے کہ معمرلوگ جس زبان سے اپنی پیدائش کے وقت سے مانوس ہیں اسے چھوڑنا نہیں چاہتے اور دوسری دشواری ایسے ذاکروں اور مبلغوں کا فقدان ہے جو انگریزی زبان کے استعمال پر پورا عبور رکھتے ہوں۔

دوسری دشواری کا حل یہ نکالا گیا ہے کہ حال ہی میں مدینہ (نیویارک) میں دینی مدرسے کی قسم کا ایک ادارہ قائم کیا گیا ہے جہاں نئی نسل کے مقامی خطیبوں کو تربیت دی جاتی ہے۔ اس دینی مدرسے کے دو حصے ہیں: طلباء کے لئے جامعه ولی العصر اور طالبات کے لئے مدرسہ خدیجته الکبریٰ۔ طلباء اور طالبات ہائی اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس دینی مدرسے میں چار سال کا نصاب شروع کرتے ہیں۔ اسلامی اسکول کے اساتذہ قم (ایران) اور نجف (عراق) جیسے شیعی علوم کے مراکز کے سند یافتہ ہوتے ہیں لہٰذا وہ عربی، اسلامی دینیات اور اسلامی فقہ سمیت تمام روایتی اسلامی علوم اپنے طلباء اور طالبات کو ویسے ہی پڑھا سکتے ہیں جیسے یہ علوم عراق و ایران کے دینی مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں۔ اس دینی درسگاہ کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہاں طالبات کو بھی وہ تعلیم دی جاتی ہے جو پہلے روایتاً صرف طلباء تک محدود تھی۔ اس دینی درسگاہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد یہاں کے سند یافتہ طلباء اسلامی مراکز میں پیش امام اور خطیب اور طلباء طالبات کمیونٹی اسکولوں میں اساتذہ بننے کے اہل ہوں گے۔ ان میں سے کچھ ایران یا عراق میں شیعی علوم کے مراکز میں مزید تعلیم جاری رکھنے کا فیصلہ کر سکتے ہیں جہاں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ اس دینی درسگاہ میں اساتذہ مقرر ہونے کے اہل ہوں گے۔ اس درسگاہ کا قیام شمالی امریکا میں شیعہ تعلیمات و شناخت برقرار رکھنے کی طرف ایک بہت اہم قدم ہے۔ اگرچہ اس پروگرام کی کامیابی اور مستقبل میں شیعوں کی قیادت کے لئے اس کے مضمر امکانات کا اندازہ لگانا فی الحال قبل از وقت ہوگا۔

یہاں جن مسائل کا ذکر کیا گیا ہے ان کے باوجود شمالی امریکا کی وسیع تر مسلم اقلیتی آبادی میں شیعہ برادری ایک نسبتاً چھوٹی اقلیت کی حیثیت سے اپنا جداگانہ تشخص برقرار رکھنے میں نمایاں حد تک کامیاب رہی ہے۔ اس کامیابی کے اسباب میں دو باتیں خاص طور پر اہم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ کہ امریکا اور کینیڈا میں شیعہ برادریاں غیر ملکی مسلم حکومتوں یا ان کی ایجنسیوں کے ہر قسم کے کنٹرول سے آزاد رہی ہیں اور دوسرے یہ کہ شہادت امام حسینؓ کی یاد میں ہر سال منعقد کی جانے والی مجالس اور اسلام کے بنیادی ارکان جیسے نماز، روزہ اور حج کی پابندی کی روایات متحرک وتوانا ہیں۔ ان مذہبی رسوم کی وجہ سے عبادت اور دینی گفتگو کے لئے شیعہ برادریوں کے ممبروں کو یکجا ہونے اور ایک دوسرے سے ملنے کا موقع ملتا ہے۔ انھیں کے ذریعہ شیعہ مذہبی رہنماؤں کے لئے اصلاحات پر عملدرآمد کروانا اور مثبت رویّے پیدا کرنا ممکن ہوا ہے۔ ہمہ گیر قسم کے کثیر الجہاتی (pluralistic) معاشرے کے چیلنجوں میں گھری ہوئی اقلیتی شیعہ برادری اپنے جداگانہ تشخص کو منوانے اور برقرار رکھنے کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ اس جدوجہد میں مذکورہ عوامل نہایت اہم ہیں۔

حواشی

۱۔ سنی برادری کے حوالے سے ''قدامت پرستانہ'' وہابی عقائد اور شریعت کی نہایت کٹر پابندی کا یا صوفیوں کے عقائد اور طور طریق کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ اور شیعوں کے حوالے سے پابندی شریعت کی طرف مائل مستعلی اسماعیلیت وغیرہ کا یا غیر شرعی خفیہ پن کی طرف مائل نزاری اسماعیلیت کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ مثلاً ایڈمنٹن (کینیڈا) میں البرٹا یونیورسٹی میں ۱۷ / تا ۲۱ / مئی ۱۹۸۰ء کو شمالی امریکا میں اسلام کے موضوع پر ایک سمپوزیم ہوا تھا۔ اس کی روداد میں شمالی امریکا میں موجود اثنا عشری شیعہ برادری کے بارے میں کسی معلومات کا اندراج نہ ہونا قابل توجہ ہے حالانکہ اس وقت تک اس گروپ کا ذکر انقلاب ایران کی وجہ سے بین الاقوامی سیاست میں بار بار ہونے لگا تھا۔

۳۔ اثنا عشریوں کے علاوہ اہل تشیع کے دوسرے فرقے اسماعیلیہ اور زیدیہ ہیں لیکن انہیں اس مضمون میں شامل بحث نہیں کیا گیا ہے۔ اسماعیلیہ کی مزید دو شاخیں نزاری (آغا خانی) اور مستعلی (بوہرہ) ہیں (آغا خانی فرقہ پر مزید معلومات کے لئے دیکھیے عظیم نانجی کا مضمون *"The Nizari Ismaili Muslim Community in North America: Background and Development."* ۔ یہ مضمون جریدہ *The Muslim Community in North*

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

America میں چھپا تھا جس کے مدیران ارل ایچ وا، بہاء ابولبان اور ریگولا بی قریشی تھے (یہ جریدہ ایڈمنٹن میں البرٹا یونیورسٹی پریس سے ۱۹۸۳ء میں چھپا تھا، صفحات ۱۴۹ تا ۱۶۴)

۴۔ عبدالمعبود انصاری، Iranian Immigrants in the United States: A Case Study of Dual Marginality (مل ووڈ، نیویارک: ایسوسی ایٹڈ فیکلٹی پریس، ۱۹۸۸ء)۔ اس مضمون میں ایرانی تارکین وطن کی امریکا اور کینیڈا میں آمد کے نمونوں (patterns) پر بحث کی گئی ہے۔ ان نمونوں کا اطلاق جتنا ایرانی تارکین وطن پر ہوتا ہے کم وبیش اتنا ہی تیسری دنیا کے دوسرے ممالک کے تعلیم یافتہ متوسط طبقے کے امریکا اور کینیڈا آنے والے تارکین وطن پر بھی ہوتا ہے۔

۵۔ شہادت امام حسینؓ اور اس کی یاد میں منائی جانے والی رسوم کے بارے میں دیکھیے محمود ایوب کی Redemptive Suffering in Islam: A study of the Devotional Aspects of "Ashura" in Twelver Shi'ism (دی ہیگ: موٹن پبلشرز، ۱۹۷۸ء)

۶۔ انصاری۔ Iranian Immigrants, صفحات ۱۱۶ تا ۱۲۱۔

۷۔ شیعہ دینی علماء کی نظریاتی اساس کے لئے دیکھیے میری (عبدالعزیز سچادینا کی) کتاب Islamic Messianism: The Idea of the Mahdi in Twelver Shi'ism (البانی: اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک پریس، ۱۹۸۱ء)۔ نائبین کی قیادت اور ان کے اختیارات کے بارے میں دیکھیے میری ہی کتاب The Just Ruler in Shi'ite Islam: The Comprehensive Authority of the Jurist in Imamite Jurisprudence (نیویارک: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۸ء)

۸۔ شام کے سنی مسلمانوں پر انقلاب ایران کے اثرات کے بارے میں دیکھیے ای وون حداد کا مضمون "The Impact of the Islamic Revolution in Iran on the Syrian Muslims of Montreal" مشمولہ The Muslim Community in North America صفحات ۱۶۵ تا ۱۸۱۔

۹۔ یہ ترکیب ننکی آر کڈی نے اپنے مضمون "Islamic Revival as Third Worldism" میں استعمال کی ہے جو Le Cuisier et le philosophe: hommage a Maxime Rodinson Etudies d ethnographie historique du Proche-Orient, J. P. Digard (صفحات ۲۷۵ تا ۲۸۱) میں چھپا تھا جس میں اس نے ان معاشرتی طبقات کے بارے میں بحث کی ہے جن کے لئے "تیسری دنیا کے تصور" (Third Worldism) میں اپیل ہے۔ اس کی یہ بھی رائے ہے کہ اسلامی احیاء بھی "تیسری دنیا کے عقیدے" کی وہ شکل ہے جس میں ایسے مائل بہ تشدد لوگوں کے لئے کشش ہے جن کی حیثیت معاشرتی ومعاشی درجہ بندی میں کمزور ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۲

اسلام کا سورج مغرب سے طلوع ہوگا
دورِ آخر میں منسٹر فرخان اور دی نیشن آف اسلام

میاس گارڈل

''نیشن آف اسلام'' کے بارے میں اتنی غلط فہمیاں اور غلط معلومات پھیلا دی گئی ہیں کہ امریکا کے کسی اور مذہب کے گرد شاید ہی اتنی گہری دھند ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس بحث میں نسل اور مذہب کا خلط مبحث ہو گیا ہے جس سے اس مذہب کو اینگلو امریکی کلچر کا دوہرا مخالف سمجھا جانے لگا ہے، کیونکہ ایک تو اس کے پیروکار سیاہ فام ہیں اور دوسرے ان کا مذہب اسلام ہے۔ نیشن آف اسلام کے موجودہ رہنما لوئی فرخان محمد کے بارے میں بھی طرح طرح کا تاثر دیا جاتا ہے مثلاً یہ کہ وہ ایک جذبات انگیز خطیب ہے، نفرتوں کا سوداگر ہے، ایک ایسا نسل پرست ہے جسے سیاہ فاموں سے محبت اور سفید فاموں سے نفرت ہے، سامی الاصل لوگوں (بالخصوص یہودیوں) کا دشمن ہے اور وہ ایک سیاہ ہٹلر ہے۔ ذرائع ابلاغ بھی نیشن آف اسلام سے متعلق تضادات کو اچھال کر مزا لیتے ہیں۔ مثلاً خلیج کی جنگ میں نیشن آف اسلام نے امریکا کے مقابلے میں صدام حسین کی مدد کی تھی، انھیں لیبیا سے امداد ملتی ہے اور یہ کہ نیشن آف اسلام عنقریب سفید فام امریکا کو تباہ کرنے والی ہے۔ معدودے چند قابل ذکر مستثنیات کے علاوہ،[۲] نیشن آف اسلام پر اب تک جتنے مضامین چھپے ہیں وہ یا تو ثانوی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حوالوں پر یا ان معلومات پر مبنی ہیں جو ایف بی آئی نے بلاواسطہ یا بالواسطہ فراہم کی ہیں۔ یہ مضمون اسی خلط مبحث سے شروع ہوتا ہے۔ اس مضمون کا مقصد چند تاریخی وضاحتوں کے بعد فرخان کی قیادت میں نیشن آف اسلام کی حقیقی کیفیت اور حالت کو پیش کرنا ہے اور پھر چند متنازعہ پہلوؤں پر بحث کرنے کے بعد ایسی معلومات فراہم کرنا ہے جن سے قاری کے لیے نیشن آف اسلام کی ایک بہتر اور مکمل تر تفہیم ممکن ہو سکے گی اور آگے جو سرخیاں آئیں گی اُن کی تاویل آسان ہو سکے گی۔

دیکھو، مجھے نظر آ رہا ہے پیغمبر ایلیجاہ

مقام ڈیٹرائٹ، سال ۱۹۳۱ء۔ صرف اسی ایک عشرے میں امریکا کے جنوبی علاقوں سے آ کر اس شہر میں بسنے والے افریقی امریکیوں کی آبادی ڈرامائی انداز میں ۶۱۱ فیصد بڑھ گئی۔ ان نوواردوں میں ایک جوان پول (Poole) کنبہ بھی تھا جو ایلیجاہ پول، اس کی بیوی کلارا پول اور ان کے آٹھ میں سے پہلے پانچ بچوں پر مشتمل تھا۔[۳] ایلیجاہ جارجیا کے ایک کاشتکار اور بپتسمی فرقہ کے عیسائی پادری کا بیٹا تھا۔ وہ بہتر مستقبل کی تلاش میں شمالی صنعتی علاقے کی طرف آیا تھا۔ عظیم کساد بازاری کا پہلا سال ایلیجاہ نے بے روزگاری میں گزارا، اس دوران میں اس نے سنا کہ خدا کا کوئی پیغمبر ایک ایسا پیغام دے رہا ہے جو صرف سیاہ فاموں کے لیے ہے۔ اس پیغمبر کے مختلف نام تھے مثلاً ڈبلو ڈی فرد (W.D. Fard) یا ماسٹر فرد محمد*۔ یہ پیغمبر اپنے سیاہ فام سامعین سے کہتا تھا کہ تم ایسے نام نہاد حبشی نہیں ہو، انسانی معاشرے کے پست ترین لوگ بلکہ کرۂ ارض کے اولین اور اس کے سابق فرمانروا ہو؛ تمھیں ''کا کیشیا کے غاروں میں رہنے والے لوگ'' چرا کر ''شمالی امریکا کے ویرانے'' میں لے آئے اور غلامی کی لعنت میں مبتلا کر دیا۔[۴] خدا نے، جس کا اسمِ ذات اللہ ہے، بالآخر اپنے گم شدہ لوگوں کو پا لیا ہے اور انھیں دو مرحلوں میں ان کے اصلی وطن (جنت) واپس بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔ پہلا مرحلہ تیاری

---

* غالباً یہ نام فرد ہی تھا، بجائے فرڈ کے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے ثقافتی نوعیت کا تھا یعنی اس مرحلے میں افریقی امریکیوں کو اپنا ابتدائی طرز زندگی دوبارہ اپنانا تھا، انھیں اپنی اصل زبان ''عربی'' کو دوبارہ سیکھنا تھا؛ انھیں روحانی صحت کے لیے مضر غذا کو چھوڑ کر اپنی ابتدائی غذا اختیار کرنی تھی، جس میں انھیں دن میں صرف ایک بار کھانا کھانے پر اکتفا کرنا تھا۔ اور یہ کہ انھیں اپنے ناموں کے آخری اجزاء اپنے سابقہ آقاؤں کو واپس کر کے اپنے اصلی اسلامی نام دوبارہ رکھنے ہوں گے۔ ان کے نئے نام ان کی ذہنی آزادی کی علامت ہوں گے۔[۵] اس طرح اسلامی ثقافت دوبارہ اپنا لینے سے پہلا مرحلہ ختم اور جسمانی طور پر مکہ واپسی کا دوسرا مرحلہ شروع ہو جائے گا۔

ایلیجاہ پول کو یہ پیغام اتنا دلچسپ لگا کہ وہ فرد کا لیکچر سننے کے لیے ٹیمپل ہال گیا۔ نیشن آف اسلام کی تحریر شدہ تاریخ کے مطابق ایلیجاہ نے فوراً پہچان لیا کہ پُراسرار خطیب حقیقت میں ''کیا'' تھا۔ پیغمبر سے بات کرتے ہوئے ایلیجاہ پول نے کہا ''میں جانتا ہوں تم کون ہو؟ تم خود خدا ہو'' فرد نے سرگوشی میں جواب دیا ''تم ٹھیک کہتے ہو لیکن ابھی اس راز کو فاش نہ کرو کیونکہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔''[۶] اس لمحے سے دونوں میں جو رشتہ قائم ہوا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ نو مہینوں تک، فرد ایلیجاہ کے پاس روزانہ جاتا رہا اور اسے رموز کائنات سمجھا کر اس میں فراستِ خداوندی بیدار کرتا رہا تا کہ ایلیجاہ کا کردار اتنا قوی اور توانا ہو جائے کہ وہ دور آخر میں (through the Latter Days) کرۂ ارض کی قوم اول (Original People) کی رہبری کر سکے۔ انتہائی صیغہ ءراز میں فرد نے اپنے مرید (disciple) ایلیجاہ کو اپنا پیغمبر مقرر کیا اور اسے اس کا نام ''ایلیجاہ محمد'' عطا کیا۔

۱۹۳۳-۳۴ء میں جب فرد اتنے ہی پُراسرار انداز میں غائب ہو گیا جتنے پُراسرار انداز میں وہ نمودار ہوا تھا تو اس کے پیغمبر ایلیجاہ نے اس سربستہ راز[۷] سے پردہ اٹھا کر اعلان کر دیا کہ ''ماسٹر فرد پیغمبر نہیں بلکہ خود سیاہ فام خدا تھا؛ افریقی امریکیوں کا تعلق کرۂ ارض پر بسنے والی نسلِ اول سے ہے، اور کرۂ ارض کے حقیقی مالک وہی ہیں، کائنات کی ہر شے سیاہ ذہن کی تخلیق ہے جس میں سفید آدمی بھی داخل ہے جو نہ صحیح معنوں میں انسان ہیں اور نہ راست خدا کی تخلیق ہیں بلکہ ان کو یعقوب نامی ایک سیاہ فام اور بے حد فاضل سائنسداں نے اختراع کیا تھا جو خدا کے عطا کردہ ان اسلامی حالات سے غیر مطمئن تھا جو ایشیا میں موجود تھے۔ ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دنوں پورا کرۂ ارض ایشیا کہلاتا تھا۔ چنانچہ حسد کے زہریلے جذبے سے مغلوب ہو کر یعقوب جزیرۂ پاٹموس، (Patmos) چلا گیا اور وہاں اس نے ایک پیچیدہ جینیاتی (genetic) نظام وضع کیا اور اس کے ذریعے آہستہ آہستہ روئے ارض کی قوم اول میں سے خیر کا ملکوتی عنصر بالکل خارج کر دیا۔ اس طرح ایک خالصتاً شر پسند سفید فام نسل وجود میں آئی۔ اس کے لیے پہلے اس نے دوسو سال میں سیاہ فام نسل میں سے بھوری نسل اور پھر اگلے دوسو سال میں بھوری سے سرخ نسل پیدا کی۔ مزید اگلے دوسو سال میں اس نے زرد نسل اور آخر کار اگلے دو سو سال میں اس نے سفید فام نسل پیدا کی۔ سفید فام نسل خالصتاً نسل شیطانی تھی جو نہ صحیح عمل کر سکتی تھی نہ خیر کے جذبے کے ساتھ سوچ سکتی تھی، نہ شائستگی سے رہ سکتی تھی، نہ اسلام کے قوانین کی تعمیل کر سکتی تھی۔ خدائے ہمہ داں نے شیطانِ سفید فام کو روئے زمین پر حکمرانی کے لیے چھ ہزار سال کی مہلت دی اور اس دوران میں قوم اول کو سلا دیا۔ عصر جدید، تاریخ عالم کا دور آخر ہے اور اس دور کی تمام خرابیاں مثلاً مفلسی، استبداد، غلامی، استعمار پسندی، جنگ وجدل، وبائیں، مفلوک الحال علاقوں کی زندگی، بیروزگاری اور ناانصافی اس نظامِ شر کی پیداوار ہیں جو عصر حاضر میں قائم اور رائج ہے۔ سفید فام بنیاد پرست عیسائی دعویٰ کرتے ہیں کہ کائنات کی عمر چھ ہزار سال ہے۔ دراصل ان کا ذہن اتنا ہی محدود ہے جتنا سفید فام نسل کی بالادستی۔ چونکہ انھیں چھ ہزار سال پہلے پیدا کیا گیا تھا اور دنیا میں بالادستی بھی انھیں چھ ہزار سال ہی کے لیے دی گئی تھی لہٰذا اب ان کا وقت ختم ہو چکا ہے۔

بدی کے دور کا خاتمہ ۱۵۵۵ء میں شروع ہوا جب جان ہاکنز نامی شیطان جیسس نامی غلام بردار بحری جہاز میں افریقہ کے ساحل پر وارد ہوا۔ اس نے بارہویں قبیلے والوں کو اغوا کر لیا جس کے سردار امام شہباز (Shabazz) تھے اور جنھیں صحیفوں میں ابراہیم کہا گیا ہے۔ اغوا شدہ لوگوں کو وہ مویشیوں کی طرح شمالی امریکا کے ویرانے میں لے آیا اور وہاں انھیں غلامی کی زندگی گزارنے کو چھوڑ دیا۔ شمالی امریکا کا ویرانہ گویا بدی کا ایک قلعہ تھا جہاں اغوا شدہ لوگوں کو اپنی قسمت میں لکھا ہوا فرض پورا کرنا تھا جسے ادا کرنے کے لیے انھیں خدا نے ٹروجنوں (باشندگان ٹرائے) کی سی قوت و توانائی عطا کر دی تھی۔ کتاب پیدائش (Genesis) کے باب ۱۵ کی آیات ۱۳ اور ۱۴ میں خدا نے امام شہباز سے کہا، ''تیرا تخم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیارِ غیر میں اجنبی ہوگا۔ اغوا کرنے والے تجھ پر چار سو سال تک مظالم ڈھائیں گے، پھر میں مظالم ڈھانے والوں کا محاسبہ کروں گا، اس کے بعد تو مال و دولت کے ساتھ وہاں سے نکلے گا۔" غلامی کے چار سو سال پورے ہو چکے ہیں۔ خدا خود ماسٹر فرد محمد کی شکل میں اپنی قوم میں نمودار ہو چکا ہے۔ اس نے اپنی قوم کے ایک فرد کو اپنے پیغمبر کے طور پر تیار کر دیا ہے اور اس کے سپرد قوم کے ذہنی احیاء کا کام کیا ہے۔ جب سوکھی ہڈیوں میں خدا روح پھونکے گا تو وہ زندہ ہو جائیں گی، تب سیاہ فام نسل کو اپنے ملکوتی ہونے کا شعور ہوگا۔ وہ بابل سے نکل آئیں گے اور اسے غضب خداوندی سے تباہ ہونے کے لیے چھوڑ دیں گے۔ یہ روئے زمین پر آخری معرکہء خیر و شر کی تمہید ہوگی۔ جلد ہی خدا روئے زمین کو شیاطین کے وجود سے پاک کردے گا اور اسے سیاہ فاموں کی جنت میں بدل دے گا، جہاں آزادی، انصاف، مساوات کی حکمرانی ہوگی اور یہی اسلام (یعنی آزادی اور انصاف، مساوات) کے فروغ کا دور ہوگا۔

اس پیغام میں امریکا میں آزاد شدہ سیاہ فام آبادی کے مرکزی مسئلے یعنی ان کی شناخت کے مسئلے کا مثبت حل پیش کیا گیا ہے۔ یعنی اگر وہ افریقی ہو کر بھی افریقی نہیں اور امریکی ہو کر بھی امریکی نہیں تو پھر کیا ہیں؟ اس سوال کے مختلف غیر مذہبی جوابات سیاہ فام قوم پرستوں نے دیئے ہیں لیکن مکمل اتفاق رائے ان میں سے کسی پر بھی نہیں ہو سکا۔ اس بحث کی شدت، کہ ان لوگوں کو حبشی، رنگدار، سیاہ فام، حبشی سیکسنز (Negro-Saxons)، اینگلو افریقی، یورو افریقی، افرو امریکی اور تازہ ترین افریقی امریکی کہا جائے یا نہیں، اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ یہ مسئلہ کتنا الجھا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں اب سیاہ فام مذہبی قوم پرستوں نے ایک سوال اور اٹھا دیا ہے یعنی کیوں؟ آخر انھیں غلامی کے طوفان سے کیوں گزرنا پڑا؟ کیا ان غیر معمولی آلام و مصائب کے کوئی معنی تھے؟ ان سوالوں کے جوابات کی تفاصیل میں اختلافات ہیں لیکن ساخت اور موضوع کے اعتبار سے یہ سب ایک سے ہیں۔ افریقی امریکی خدا کی منتخب قوم ہیں۔ اس قوم کا تعلق بنی نوع انسان کے قدیم باشندوں سے ہے، تاریخ سے پہلے کے دور میں وہ خدا کی حکمرانی تلے تھے جس سے ان کا ایک معاہدہ تھا۔ سیاہ فام لوگ تہذیب و تمدن کے بانی تھے، وہ علوم و فنون پر مکمل عبور رکھتے تھے جس کا منہ بولتا ثبوت اہرام مصر ہیں۔ کسی وجہ سے، عام خیال کے مطابق آباؤ اجداد کے گناہوں اور نافرمانی کی وجہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، وہ دنیا میں اپنی بالادستی کھو بیٹھے۔ لیکن زمانے کی گردش دائروں میں جاری رہتی ہے جو ایک دفعہ ہو چکا ہے وہ پھر ہوگا۔ سفید فاموں کی بالادستی اگرچہ شر پر مبنی ہے لیکن زرد فاموں کی طاعت خداوندی سے پہلے اس سے بھی سبق سیکھنا چاہیے۔ بعد اور ''آخرت'' (جو اس سیاق و سباق میں ایک ٹھوس زمینی تصور ہے) دنیا میں، تاریخ کی گردش سیاہ فام لوگوں کو وہی حیثیت دلا دے گی جو ابتدائے آفرینش میں انھیں حاصل تھی۔ گویا غلامی ایک طرح سے آگ کا وہ بپتسمہ ہے جس میں سے گزر کر مستقبل کے رہنماؤں کو قوت و توانائی حاصل ہوتی ہے۔

تشخص کے بارے میں غیر مذہبی تصورات دو محوراتی (bipolar) (سیاہ فام/سفید فام) ہیں لیکن اس کے بجائے مذکورہ طرز فکر (جسے بعض علماء نے مسیحیت کے حوالے سے حبشیت کہا ہے) کی بنا پر سیاہ فام مذہبی قوم پرستوں نے اپنے تشخص کے بارے میں خود اپنے نظریات وضع کر لیے ہیں جن سے قوم کی وہ مقدس اور آسمانی اہمیت و عظمت ظاہر ہوتی ہے جو ان کے ذہن میں ہے۔ چنانچہ ہمیں بہت سے مذہبی گروہ ایسے نظر آتے ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سیاہ فام لوگ حبشہ سے تعلق رکھتے ہیں،[۸] یہودی ہیں،[۹] مُور (بربر و عرب کی مخلوط نسل) ہیں "یا بلالی" ہیں۔ عزت مآب ایلیجاہ محمد کا یہ استدلال کہ افریقی امریکیوں کا تعلق اولین سیاہ فام ''ایشیائی'' اسلامی قوم سے ہے، اس روایت کا حصہ ہے۔

نسلوں کی ابتدا اور تاریخ کے سفر کی وضاحت کے سلسلے میں نیشن آف اسلام کی اُن تعلیمات اور نظریات کے بارے میں جو دیو مالا اور داستان کے عناصر رکھتے ہیں قاری کو مذہبی بیانوں اور بیانیہ پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیے۔ ہر تفصیل پر یقین رکھنا ضروری نہیں ہے۔ اصل چیز الفاظ نہیں بلکہ معانی اور معانی پر مبنی عقائد ہیں۔ الفاظ محض لباس ہیں جب کہ معانی جسم اور عقائد روح ہیں۔ چنانچہ نیشن آف اسلام والوں کے عقائد یہ ہیں کہ ذات باری سے سب سے پہلے وجود میں آنے والی سیاہ فام نسل تھی اور کاکیشیائی (سفید فام) تاریخی اعتبار سے بہت بعد میں آئے جو سیاہ فاموں سے نکلے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ سفید فاموں کی بالادستی طویل المدت مشیت ایزدی کے خلاف ہے جسے موجودہ نظام عالم کو نظام عدل سے بدلنا ہے۔ ان بنیادی عقائد کی تبلیغ و تلقین کرتے وقت رزمیہ داستانوں کا سہارا ضرور لیا جاتا ہے لیکن اُس کی لفظی اور لغوی تاویل نہیں کی جاتی ہے۔ مثلاً ایک داستان میں منسٹر فرخان نے کہا کہ شروع

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شروع میں سفید فام آدمی زمین پر چوپایوں کی طرح چلتا تھا اور انسان کتوں سے اختلاط کرتا تھا۔ یہ کہہ کر فرخان نے سامعین سے پوچھا "کیا تمھیں معلوم ہے کہ [سفید فام] انسان کا سب سے گہرا دوست کون ہے؟ کیا تم ہو؟ نہیں! وہ کتا ہے جس سے اس کا معاشقہ بھی ہوا تھا"۔[۱۲] سنجیدہ بات سمجھانے کے لیے مزاح استعمال کرتے ہوئے تفریحی انداز میں پیغام دیا گیا ہے۔

نیشن آف اسلام محض مابعد الطبیعیاتی (metaphysical) فرار ہی نہیں ڈھونڈتی بلکہ وہ عملی تقوے کی تبلیغ بھی کرتی ہے۔ اس کے عبوری پروگرام کے مقاصد دو ہیں۔ اول یہ کہ سفید فاموں کے شیطانی معاشرے میں، سیاہ فاموں کو عملاً محفوظ اور زندہ رکھا جائے اور دوسرے یہ کہ سفید فاموں کے شیطانی معاشرے کو اس کے انجام تک پہنچانے کا عمل شروع کیا جائے۔ نیشن آف اسلام کے نزدیک امریکا بابل کی مانند ہے جسے بہرحال تباہ ہونا ہے اس لیے بابل (امریکا) میں مدغم ہونے کا تصور پاگل پن سے کم نہیں۔ اس سلسلے میں معقول طریق کار صرف ایک ہے جسے باب مکاشفہ (۱۸:۴) میں واضح طور پر یوں بیان کیا گیا ہے "میرے بچو! تم اس (بابل:امریکا) میں سے نکل آؤ تاکہ تم اس کے گناہوں میں حصہ دار نہ بنو اور ان پر جو طاعون (بربادی) نازل ہونے والا ہے تم اس سے محفوظ رہو" مختصراً۔ اس پروگرام کو علیحدگی کا پروگرام کہا جا سکتا ہے۔ ایک ایسا پروگرام جو افریقی امریکیوں کو ان کی جدوجہدِ آزادی میں بندھنوں سے آزاد کرتا ہے۔ نیشن آف اسلام نے مطالبہ کیا کہ سیاہ فام غلاموں نے عرصہء دراز تک سفید فام آقاؤں کی جو خدمت مفت کی تھی اس کے عوض انھیں "زرعی اعتبار سے زرخیز" اور "معدنی وسائل سے مالا مال" علاقے میں ایک "جداگانہ، خودمختار (سیاہ فاموں کی) ریاست" قائم کرنے دی جائے۔[۱۳] ایلیجاہ محمد نے افریقی امریکیوں سے کہا "تم اپنے معاشی وسائل یکجا کرو، اور بنیادی سہولتوں کا جداگانہ نظام قائم کرو"۔[۱۴] برسوں کی کوشش اور محنت کے بعد نیشن آف اسلام نے مختلف شعبوں میں کاروباری ادارے قائم کیے اور اس طرح "سیاہ فام برادری کی سب سے زیادہ طاقت ور اور منظم معاشی قوت" بننے میں کامیاب ہوگئی۔[۱۵] "جدید تعلیم" کو سیاہ فاموں کی ترقی کی کنجی قرار دیتے ہوئے، نیشن آف اسلام نے "جامعات اسلام" کے نام سے اپنے علیحدہ اسکول قائم کیے۔[۱۶]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیاہ فاموں کی غیر سیاہ فاموں میں شادی بیاہ کو ناپسندیدہ قرار دیتے ہوئے نیشن آف اسلام نے سیاہ فاموں کو سیاہ فاموں ہی سے شادی بیاہ کرنے کی تلقین کی اور تعلیم، تفریح اور روزگار کے مواقع بھی سیاہ فام کمیونٹی کے اندر ہی مہیا کیے۔ ستاروں اور دھاریوں والے جھنڈے کو سیاہ فاموں کی غلامی، ان پر ظلم و ستم اور ان کی موت،[۱۷] کی نشانی قرار دیتے ہوئے نیشن آف اسلام نے ترکی کے قومی جھنڈے سے ملتا جلتا (سرخ زمین اور سفید ستارہ و ہلال والا) جھنڈا اپنا لیا۔[۱۸] اکثر آزاد قوموں کی اپنی باوردی فوجیں، ہوتی ہیں، چنانچہ نیشن آف اسلام نے بھی خالصۃً مردانہ، باوردی فوج ''ثمر اسلام'' (Fruit of Islam) کے نام سے قائم کی اور اس کے سپرد اندرونی بدعنوانیوں اور بیرونی دشمنوں سے حفاظت اور مدافعت کا کام کیا۔[۱۹] جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے، اس فوج کو اسلامی تعلیمات کا ایسا پھل تصور کیا جاتا تھا، جس میں افریقی امریکیوں کی نشاۃ ثانیہ کے بیج موجود تھے۔

مذکورہ نظریوں اور کارروائیوں نے غیر سیاہ فام لوگوں کو بھی اپنی طرف متوجہ کیا۔ ان میں وہ امریکی سرکاری ایجنٹ بھی شامل تھے جن کا کام امریکا کو اس کے اپنے داخلی مخالفین سے محفوظ رکھنا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران، نیشن آف اسلام کے بارے میں عام تاثر یہ تھا کہ وہ جاپانیوں کی حامی ہے۔[۲۰] اور اس وقت سے ایف بی آئی نے بھی اس پر نظر رکھنی شروع کر دی تھی۔ ۱۹۵۹ء میں ایف بی آئی کی معمول کی خاموش نگرانی سرگرم جوابی جاسوسی میں بدل گئی۔ اس سال، امریکی ذرائع ابلاغ میں نیشن آف اسلام کا جیسے دھماکہ سا ہو گیا۔ امریکا کے بڑے مؤقر جریدوں مثلاً ٹائم، یو ایس نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ، سیٹرڈے ایوننگ پوسٹ وغیرہ میں مضامین کثرت سے چھپے۔ اس اچانک دھماکے پر تبصرہ کرتے ہوئے نیشن آف اسلام کا دفاع کرنے والے برنارڈ کشمیر نے لکھا ''۱۹۵۹ء میں سفید فام پریس نے، گویا کسی کے اشارے پر پیغمبر محمد اور نیشن آف اسلام پر شدید حملے شروع کر دیے... سفید فام امریکی پریس میں تو مضامین کا جیسے سیلاب امڈ آیا۔ پریس نے مضامین کا انبار لگا دیا۔ یہ مضامین سطحی بھی تھے، جعلی بھی اور زہریلے بھی.... انھوں نے عوام کو دھوکہ دینے کی سازش کی.... ورنہ کسی بڑے آرکسٹرا میں شامل تمام فنکار اتفاقاً ایک ہی دھن نہیں بجانے لگتے۔''[۲۱]

برنارڈ کشمیر سچ کہہ رہا تھا۔ ایف بی آئی، واقعی آرکسٹرا کی کنڈکٹر تھی جس نے اپنے الفاظ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ایک پروگرام شروع کیا تھا" جس کا مقصد سفید فام اور سیاہ فام عوام کو قومی سطح پر نیشن آف اسلام کی تنظیم اور اس کی نسل پرستی اور نفرت پھیلانے والی تعلیمات کے قابل نفریں پہلوؤں سے آگاہ کرنا تھا۔ [۲۲] اس پروگرام کے ساتھ ساتھ نیشن آف اسلام کی قیادت کے بارے میں شکوک پیدا کر کے اس پر سے اعتبار اٹھا دینے کی کوششیں بھی جاری رہیں۔ ۱۹۶۲ء میں ایف بی آئی نے نیشن آف اسلام کے اس وقت کے نمائندے میلکم ایکس (جونیئر) اور پیغمبر کے درمیان کشیدگی دریافت کی۔ چنانچہ ایف بی آئی نے "کشیدگی کی اس خلیج کو نہایت تیزی سے بڑھانے اور میلکم ایکس (جونیئر) کو نیشن آف اسلام سے خارج کروانے" کا پروگرام بنایا۔ [۲۳] اس پروگرام کو شکاگو کے خصوصی ایجنٹ انچارج (SAC) نے اور آگے بڑھایا۔ نیشن آف اسلام کے اندرونی تنازعات کو ہوا دینے کے جو پروگرام بھی ایف بی آئی نے بنائے تھے ان میں ایلیجاہ محمد اور میلکم ایکس جونیئر کے درمیان کشیدگی بڑھانے کا پروگرام سب سے نمایاں تھا۔ [۲۴] اور کسی حد تک میلکم ایکس کے قتل کے پس پردہ ایف بی آئی کا یہ پروگرام بھی تھا۔ ایف بی آئی کے مطابق "نفرت پھیلانے والے سیاہ فام گروپوں" کے خلاف جوابی جاسوسی کے ایک وسیع اور منظم پروگرام پر تو پہلے سے عمل ہو رہا تھا، ۱۹۶۷ء میں نیشن آف اسلام میں پھوٹ ڈلوانے کا پروگرام بھی اس وسیع تر اور زیادہ منظم جوابی جاسوسی کے پروگرام کا حصہ بن گیا۔ مقصد یہ بتایا گیا کہ "نفرت پھیلانے والی سیاہ فام قوم پرست تنظیموں اور گروہوں کے لیڈروں، ترجمانوں، ممبروں اور حامیوں کا پردہ چاک کر کے ان میں پھوٹ ڈلوا کر، ان کو گمراہ کر کے، ان کا اعتبار زائل کروا کے ان کی سرگرمیوں کو بے اثر بنا دیا جائے..." [۲۵] مارچ ۱۹۶۸ء میں طویل المیعاد اغراض و مقاصد شامل کر کے اس پروگرام کو مزید وسعت دی گئی، مثلاً جارحیت پسند سیاہ فام قوم پرست گروہوں کو متحد نہ ہونے دیا جائے جو "امریکا میں 'حقیقی' ماؤ۔ماؤ (Mau Mau) 'یا حقیقی سیاہ فام انقلاب کی طرف پہلا قدم ہو سکتا تھا اور کسی ایسے سیاہ فام ہادی و مسیحا کو ابھرنے نہ دیا جائے جو سیاہ فاموں کو متحد کر کے ان میں بجلی کی سی لہر دوڑا دے"۔ [۲۶] ان مقاصد کے حصول کی خاطر ایف بی آئی نے نیشن آف اسلام کے چاروں طرف مخبروں کا جال بچھا دیا۔ ان مخبروں کے ذریعے اور مائکروفونوں اور اسی قسم کے دیگر آلات کے ذریعے ایف بی آئی نے نیشن آف اسلام کے بارے میں خفیہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معلومات جمع کیں اور انھیں نیشن آف اسلام کی تباہی کے لیے استعمال کیا۔ ایف بی آئی کے ایجنٹوں کے سپرد دوسرے اور کاموں کے علاوہ مسلسل گمنام خطوط لکھنا، اپنے وفادار صحافیوں کو ایسی معلومات بہم پہنچانا جن سے نیشن آف اسلام کی تذلیل وتحقیر ہو، نیشن آف اسلام کے اندر پھوٹ ڈلوانا، نیشن آف اسلام اور بلیک پینتھر پارٹی کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کروانا اور اسی طرح کی دوسری کارروائیاں کرنا شامل تھا۔

بہر حال ایف بی آئی کا پروگرام ناکام رہا۔ شکاگو کے خصوصی ایجنٹ انچارج نے شکایتاً کہا کہ سالہا سال سے ایف بی آئی نیشن آف اسلام کے خلاف جوابی جاسوسی کا پروگرام چلا رہی ہے۔ ان کوششوں کے باوجود نہ تو نیشن آف اسلام میں ایلیجاہ محمد کی قیادت کو کسی چیلنج کا سامنا ہے نہ تنظیم کی رکنیت کم ہوئی ہے اور نہ اس کے مالی وسائل کم ہوئے ہیں۔[۲۷] ایف بی آئی کو تو یہ اندازہ بھی نہ ہو سکا کہ اس کی کارروائیوں سے نیشن آف اسلام کے عقیدہ معاد (موت اور حیات بعد ممات) کو تقویت پہنچ رہی تھی۔ جب ایلیجاہ محمد اور اس کے پیروکاروں کو قید کیا گیا،[۲۸] جب مقامی پولیس نے نیشن آف اسلام کی عبادت گاہوں پر حملے کیے،[۲۹] جب ایف بی آئی نے ذرائع ابلاغ کے توسط سے نیشن آف اسلام کے خلاف مہمیں چلائیں یا جب نیشن آف اسلام کو ایف بی آئی کی کارروائیوں اور پروگراموں کا علم دوہرے ایجنٹوں کے توسط سے ہو گیا،[۳۰] تو نیشن آف اسلام کو کسی قسم کا تعجب نہیں ہوا کیونکہ ان کے نزدیک ایف بی آئی آخری دور کی شر کی ان قوتوں میں سے محض ایک قوت تھی جن کے بارے میں یقین تھا کہ وہ آخری دنوں میں ایسی حرکتیں کریں گی۔ سختیوں کی ان تمام کوششوں نے یہی ثابت کیا کہ ایلیجاہ صحیح تھا اور یہ کہ سفید فام آدمی واقعی شیطان ہے۔ غرضیکہ ایف بی آئی کی کارروائیوں سے نیشن آف اسلام کو تقویت ملی اور وہ امریکا میں سب سے بڑی سیاہ فام قوم پرست تنظیم بن گئی اور اس کا یہ ڈھانچا ۱۹۷۵ء تک کم وبیش ہر تغیر سے ناآشنا رہا۔

موت اور حیات بعدِ ممات

سرکاری طبی دستاویزات کے مطابق، ایلیجاہ محمد حرکت قلب بند ہونے سے ۲۵ رفروری ۱۹۷۵ء

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو فوت ہوگئے[۳۱] اور اُن کے بیٹے ویلس ڈی محمد (پیدائش ۳۰/اکتوبر ۱۹۳۳ء) ان کے جانشین ہوئے جو بعد میں امام وارث دین محمد کہلائے۔ شکاگو میں سیاہ فاموں کے نجات دہندہ ڈبلو ڈی فرد کے یوم پیدائش کی تقریبات کے سلسلے میں جمع ہونے والے بیس ہزار معتقدین نے وارث دین محمد کی امامت قبول کرنے کا اعلان کیا۔ ویلس محمد نے حیرت انگیز پھرتی سے نیشن آف اسلام کے عقائد کو راسخ العقیدہ اسلام کے سنی عقائد کے مطابق ڈھالنا شروع کر دیا۔ ان کارروائیوں کا مفصل ذکر کسی اور جگہ کیا گیا ہے،[۳۲] لہٰذا یہاں اس عمل کے صرف چیدہ چیدہ پہلو بیان کیے جا رہے ہیں۔ امام محمد نے اعلان کیا کہ ڈبلو ڈی فرد خدا نہیں بلکہ "جادوگر ڈاکٹر" تھا،[۳۳] جسے ابلیس نے افریقی امریکیوں کو گمراہ کرنے کے لیے بھیجا تھا۔[۳۴] پیغمبر کا مقام ایلیجاہ محمد کی جگہ اسلام کے آخری پیغمبر ختم الانبیا حضرت محمد ابن عبداللہ [ﷺ] کو دیا گیا، معاشی سلطنت توڑ دی گئی اور ثمر اسلام نامی فوج کو منتشر کر دیا گیا۔ قومیت کے بعض پہلوؤں کو برقرار رہنے دیا گیا لیکن عارضی طور پر، نسبتاً دھیمے انداز میں اور زیادہ صحیح اسلامی شکل میں، مثلاً افریقی امریکی اب بھی مسلمان تھے لیکن اب وہ نیشن آف اسلام کے ممبر کی حیثیت سے مسلمان نہیں تھے بلکہ وہ بلالی مسلمان تھے۔ وہ اپنی ابتدا اور پیدائش کے اعتبار سے وجودِ خداوندی کا حصہ نہیں تھے بلکہ تاریخی طور پر بلال ابن رباح (بلالؓ حبشی) سے تعلق رکھتے تھے۔ بلال ابن رباح [رضی اللہ تعالیٰ عنہ] مکہ کے اُمیہ بن خلف کے حبشی غلام تھے۔ وہ محمد ابن عبداللہ [ﷺ] کی رسالت پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے تھے، انھیں [حضرت] ابوبکرؓ نے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ آزاد ہونے کے بعد بلالؓ حبشی رسول اللہ [ﷺ] کے قریبی صحابہ میں شامل ہو گئے۔ [حضرت] بلالؓ خوش الحان شخص تھے اور انھیں اسلام کا سب سے پہلا مؤذن مقرر کیا گیا۔ سیاہ فاموں کے لیے یہ امر بہت اہم ہے کہ ایک سیاہ فام شخص یعنی [حضرت] بلال حبشیؓ مقربین رسول [ﷺ] میں سے تھے اور اسلام کے موذن اول کی حیثیت سے مسلمانوں کو اللہ کی طرف بلانے کا کام ان کے سپرد تھا،[۳۵] امریکی معاشرے اور امریکی مذہب (عیسائیت) میں نسل پرستی پر تنقید جاری رہی لیکن نسبتاً دھیمے لہجے میں۔ خدا کی تصویریں غیر اسلامی ہیں۔ عبادت گاہوں کو ان تمام سفید فاموں کی تصاویر ہٹانے پر قائل کرنے کے لیے (جن کو الوہی درجہ دے دیا گیا تھا) ایک کمیٹی بنا دی گئی۔[۳۶]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علیحدہ علاقے میں جداگانہ ریاست بنانے کی خواہش اب ''مدینۃ الجدید''، (New Medinah) کے قیام کی خواہش میں بدل گئی، یعنی آمانی (Amish) فرقے سے ملتی جلتی کمیونٹی جو معاشرے میں شامل بھی ہو اور اپنی آزادانہ حیثیت بھی قائم رکھے۔[۳۷]

قومیت کے سابقہ تصور اور نظریہ کے دوسرے پہلوؤں یعنی ایک طرف افریقی امریکی الوہیت اور دوسری طرف کا کیشیائی ابلیسیت کو ختم کر دیا گیا۔ رنگ و نسل سے بالاتر خدا کی اطاعت میں سیاہ فاموں اور سفید فاموں کو بھائی بھائی بنا دیا گیا اور سفید فاموں کو بھی ممبر بننے کی اجازت دے دی گئی۔[۳۸] نیشن آف اسلام کا نام بدل کر پہلے ''دی ورلڈ کمیونٹی آف اسلام ان دی ویسٹ (WCI)'' (مغرب میں اسلام کی عالمی جمعیت) اور پھر ''دی امریکن مسلم مشن'' (AMM) (امریکی مسلم مشن) رکھا گیا۔ اور مسلم مشن نے امریکا پر تنقید کی جگہ حب الوطنی کو دے دی۔ امام محمد نے امریکا سے وفاداری کے دعوے اور امریکی جمہوریہ کے بانیوں سے اپنا رشتہ جوڑنے کے سلسلے میں سنجیدہ کوشش کی۔ اُن کا کہنا ہے ''ریاست ہائے متحدہ امریکا کا دستور اساساً ایک قرآنی دستاویز ہے۔ اس میں جو اصول قلم بند ہیں وہ وہی ہیں جنھیں چودہ سو سال پہلے محمد رسول اللہ [ﷺ] نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا''۔[۳۹] نیشن آف اسلام کو راسخ العقیدہ اسلام کے سنّی ڈھانچے میں ڈھالنے کے ''آخری مرحلے'' میں امام محمد نے اپنے پیروکاروں کو تنظیم ختم کرنے اور امریکن مسلم مشن کا نام بھی ترک کر دینے کی تلقین کی۔ امام محمد نے کہا ''ماضی میں ہم پر سیاہ فام قوم پرستی کا نشہ چڑھا ہوا تھا۔ ہمیں اس نشہ کو اُتارنا ہوگا کیونکہ یہ اسلامی معاشرے کی کشادہ دلی اور جمہوریت پسندی کے خلاف ہے''۔[۴۰]

نیشن آف اسلام کو روایتی اسلام کے سنی ڈھانچے میں ڈھالنے کی کوشش سے تحریک کے اتحاد کو یقیناً نقصان پہنچا۔ بہت سے مسلمانوں کو تو ایسا لگا جیسے ان کے نظریات کی دنیا میں بھونچال آ گیا ہے۔ بہت سوں نے نیشن آف اسلام کو اس احساس کے ساتھ چھوڑ دیا جیسے ان سے بے وفائی کی گئی ہو۔ وہ لاابالی اور (قانون شکن) زندگی بسر کرنے کے لیے پھر سڑکوں پر آ گئے۔ چنانچہ جب منسٹر فرخان نے نیشن آف اسلام کی تشکیل نو کا اعلان کیا تو بہت سوں نے اس کا خیر مقدم کیا۔

منسٹر لوئی فرخان محمد غلامی کے نام ولکاٹ کے ساتھ برونکس، نیویارک میں ۱۱ مئی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ اُن کی ماں کا تعلق جزائر غرب الہند کے ایک مشرقی علاقے سینٹ کٹس سے تھا۔ وہ مارکس گاروے کی تحریک کی حاشیہ بردار تھی۔ لوئی ولکاٹ کے ہاتھ میں پانچ برس کی عمر میں وائلن تھما دیا گیا اور اس نے بہت جلد اپنے آپ کو خداداد صلاحیتوں کا حامل موسیقار ثابت کر دیا۔ اس نے نوعمری میں بوسٹن کالج کے آرکسٹرا کے ساتھ امریکا کا دورہ کیا۔ جزائر غرب الہند میں رائج موسیقی (جس میں جاز کی سی تال پر طنزیہ اور اکثر برجستہ گیت گائے جاتے ہیں) اس نے بعد میں دریافت کی۔ اپنی خداداد فنکارانہ اور غنائی صلاحیتوں کا شعور بھی اس کو بعد میں ہوا۔ ۱۹۵۵ میں جب لوئی ولکاٹ شکاگو کے ایک شبینہ کلب بلیو اینجل میں کام کر رہا تھا۔ تو اسے ایجاہ محمد کا لیکچر سننے کی دعوت ملی۔ اس سال وہ ہارلم کی مسجد میں شامل ہو گیا جس کا امام مالکم ایکس تھا۔ مالکم ایکس نے لوئی ولکاٹ سے کہا کہ تیس دن کے اندر وہ یا تو موسیقی کو چھوڑ دے یا اسلام کو۔ فرخان کا کہنا ہے کہ اس نے موسیقی چھوڑنے کا فیصلہ تو فوراً کر لیا تھا لیکن مزید سوچ بچار کے لیے اس نے تیس دن کے عرصے کو موسیقی کے مظاہروں کے آخری سلسلے کے طور پر استعمال کیا۔ رات کو اُس نے سامعین کے سامنے موسیقی کے اونچے سُروں پر اپنے شاندار عبور کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ اسے اس وقت یہ معلوم نہ تھا کہ سامعین میں ایک بہت اہم اور بااثر مینجر بھی موجود تھا۔

شو کے بعد مینجر ڈریسنگ روم میں لوئی کے پاس آیا، اور اسے ایک نہایت نفع بخش معاہدے کی پیش کش کی جس پر اگلے ہی روز دستخط کرنا ضروری تھا۔ لوئی نے اس پیش کش میں کشش محسوس کی لیکن جب وہ سویا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ ''دو دروازے ہیں: ایک دروازے پر لکھا تھا 'کامیابی' میں نے اس دروازے سے جھانک کر دیکھا تو مجھ کو ہیرے جواہرات اور سونا نظر آیا جس کا مطلب تھا کہ میں اگر اس دروازے سے داخل ہوں تو مجھ کو مال و دولت ملے گی۔ دوسرے دروازے پر لکھا تھا 'اسلام' اس پر سیاہ پردہ پڑا ہوا تھا۔ خواب میں، میں نے اپنے لیے وہ دروازہ چنا جس پر 'اسلام' لکھا ہوا تھا۔''[۱۴] سیاہ پردے کے پیچھے والے دروازے سے گزر کر فرخان کو کامیابی کا راستہ ملا تو سہی لیکن راستے میں جگہ جگہ رکاوٹیں اور آزمائشیں بھی ملیں۔ نیشن آف اسلام کی تنظیم میں اس نے بڑی تیزی سے ترقی کی۔ پہلے اس نے ''ثمر اسلام'' میں بطور نائب کام کیا۔ پھر وہ ہارلم کی ایک مسجد میں مددگار امام مقرر کیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا اور پھر وہ ''ثمر اسلام'' میں کپتان اور اس کے بعد بوسٹن کی ایک مسجد کا امام ہو گیا۔ میلکم ایکس کے قتل کے بعد منسٹر فرخان کو ہارلم مسجد کی تنظیم نو کا نازک کام ملا۔ (میلکم ایکس کے قتل کا الزام مسلمانوں پر عائد کیا گیا تھا)۔ بعد میں فرخان نیشن آف اسلام کا قومی مندوب مقرر ہو گیا۔ میلکم ایکس کی طرح فرخان بھی فن خطابت کا بادشاہ ہے اور اس کی شخصیت میں سحر اور اعجاز (charisma) ہے۔[۴۲] اس کے خطبے نہایت اعلیٰ پائے کے ہوتے ہیں، جن میں وہ اپنے پرانے پیشے (موسیقی) کی ہنرمندی کو بخوبی استعمال کرتا ہے۔ وہ فن کار خطیب ہے، وہ تفریح مہیا کرتا ہے اور وقتی کامیڈین تو نظر آتا ہے لیکن اس کا پیغام سنجیدہ ہے۔ اس کی تقریروں کا ڈھانچا موسیقی کی کلاسیکی کمپوزیشن کی طرح کا ہوتا ہے۔ فرخان اپنی تقریر کو موضوع کے تعارف سے شروع کرتا ہے جسے وہ اونچے نیچے سروں میں طرح طرح کی شکلوں میں پیش کرتا ہے پھر آہستہ آہستہ ڈرامائی انداز میں نقطۂ عروج کی طرف بڑھتا ہے۔ وہ تمام حربے استعمال کرتا ہے اور جب اس کی تقریر ختم ہوتی ہے تو سامعین میں جوش و خروش اور ماندگی و تکان کے ملے جلے احساسات بیک وقت موجود ہوتے ہیں۔

جب ایلیجاہ محمد کے انتقال کا اعلان ہوا تو بہت سے مبصروں نے پیش گوئی کی تھی کہ اس کا جانشین فرخان محمد ہوگا۔ نیشن آف اسلام میں جانشینی کے سلسلے میں کشمکش کا اندیشہ تھا لیکن یہ اندیشہ اس وقت ختم ہو گیا جب فرخان محمد نے ولیس (بعد میں وارث) ڈی محمد سے اپنی وفاداری کا اعلان کیا اور کہا کہ ''مشیت ایزدی'' کے مطابق قیادت سنبھالنے کی تربیت وارث محمد ہی کو ملی ہے۔[۴۳] منسٹر فرخان کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ نیا لیڈر (وارث محمد) اسے پسند نہیں کرتا۔ اس کا تبادلہ ہارلم سے شکاگو کے مغرب میں ایک ''چھوٹی سی گندی جگہ'' کر دیا گیا اور اس کو اسی کے ایک سابقہ نائب کا ماتحت مقرر کر دیا گیا۔[۴۴] جب وارث محمد تحریک کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے منصوبے کو عملی جامہ پہنا رہے تھے، فرخان محمد کو جزائر غرب الہند اور افریقہ کے دوروں پر لیکچر دینے کے لیے بھیج دیا گیا۔ جب فرخان محمد کو مسلم ممالک میں بھی مفلوک الحال علاقے اور نسلی تعصبات نظر آئے تو اسے ''سیاہ فام لوگوں کے لیے مختص پیغام کی ضرورت'' کا ادراک ہوا۔[۴۵] فرخان محمد نے کہا ''ایلیجاہ محمد کا ارادہ کبھی روایتی اسلام کی مکمل پیروی کا نہیں تھا۔'' اس وقت سے اس نے وارث محمد کی اختیار کردہ سمت پر تنقید شروع کر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دی۔ فرخان نے بتایا[۴] کہ اس نے وارث محمد کی تعلیمات پر تنقید کیوں کی تھی۔ ۸ رنومبر ۱۹۷۷ء کو اپنی ایک تقریر میں منسٹر فرخان نے باضابطہ اعلان کیا کہ وہ ''عزت مآب ایلیجاہ محمد کے فراہم کردہ پلیٹ فارم پر'' نیشن آف اسلام کو دوبارہ منظم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔[۷]

اگرچہ سیاہ فام اتحاد اور اسلامی اتحاد کے نام پر فرخان محمد نے خود وارث محمد پر سفید فام امریکا کا شعبدہ باز آلۂ کار ہونے کا الزام نہیں لگایا لیکن دوسرے ''برادر'' (تحریک کے دوسرے ارکان) اتنے مصلحت اندیش نہ تھے چنانچہ برادر فریڈرک ایکس نے کہا ''ولیس (وارث) عہد حاضر کا ایب سیلم (Absalom) ہے، جس نے اپنے والد کے خلاف بغاوت کر کے [حضرت] داؤد کی قائم کردہ سلطنت کو تباہ کر دیا تھا۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ ایب سیلم کا کیا حشر ہوا تھا[۸]...'' واقعات کی رَو کو نہ صرف صحیفوں اور مقدس کتابوں کے حوالے سے پیش کیا گیا بلکہ ایلیجاہ محمد کی پیش گوئیوں پر زیادہ زور دیا گیا۔ ستمبر ۱۹۷۴ء میں رینڈال کے جزیرے میں چالیس ہزار افریقی امریکیوں سے خطاب کے بعد، منسٹر فرخان محمد نے توصیف پیمبر (ایلیجاہ) میں کہا ''ایسا لگتا تھا کہ جیسے ہم نیو یارک شہر کو اسلام کے لیے فتح کرنے والے تھے''، فرخان نے بتایا ''ایلیجاہ محمد نے سر جھکا لیا، وہ بے حد غمزدہ نظر آیا، اور اس نے (فرخان سے) کہا ''برادر جلد وہ وقت آنے والا ہے جب تم مسجد میں جاؤ گے اور اپنے علاوہ کسی اور مومن کو وہاں موجود نہ پاؤ گے''۔[۳۹] اس وقت فرخان محمد کے لیے اس جملے کی پوری معنویت کو سمجھنا ممکن نہ تھا لیکن صرف ڈیڑھ سال سے بھی کم عرصے میں یہ ہوا کہ اس مسجد میں، جہاں وہ امام رہ چکا تھا، اسے ناپسندیدہ شخص قرار دے دیا گیا اور جس منبر سے وہ خطبہ دیا کرتا تھا اس پر ''غیر مومنوں'' نے قبضہ کر لیا۔ تب فرخان کو احساس ہوا کہ پیغمبر (ایلیجاہ) نے کیوں بوسٹن اور ہارلم کی مسجدوں کی تنظیم و تعمیر نو کا مشکل کام اس کے سپرد کیا تھا اور فی الوقت اس سے کیا توقعات وابستہ ہیں:

''نیو یارک میں مسجد کی تعمیر، اور بوسٹن میں مسجد کی تعمیر نو تیاری کے مراحل میں تھے۔ اب ایلیجاہ وفات پا چکا ہے اور اس کا بیٹا وارث محمد برسراقتدار ہے۔ نیشن آف اسلام بالکل ایک نئی سمت مڑ گئی ہے، لوگ مایوس ہیں، برہم ہیں، تلخ ہیں؛ کیونکہ ہر وہ چیز جس کے لیے انھوں نے مصیبتیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٹھائی تھیں، قربانیاں دی تھیں، معدوم ہو چکی ہے؛ اس پس منظر میں، میں آیا ہوں تاکہ ایلیجاہ کے کام کی تعمیر نو کروں۔ میرا مطلب مسجد کی تعمیر نو سے نہیں بلکہ مقصد اور مشن کی تعمیر نو سے ہے۔ اور اب ہم یہاں موجود ہیں۔ سب حمد و ثنا اللہ ہی کے لیے ہے"۔ [۵۰]

عہد مسیحا شروع ہو چکا ہے

فرخان محمد کے اس دعوے کی تائید کہ وہ ایلیجاہ محمد کا جائز وارث ہے ایک نئے نظریئے سے کی جاتی ہے جس نے معادیات (موت، آخرت، روح کی آخری منزل کے بارے میں عقائد) کو ڈرامائی انداز میں نمایاں کر دیا ہے۔ پیغمبر (ایلیجاہ) کی وفات پر جو اعلان ہوا تھا اس میں شک و شبہ کی گنجائش تو پہلے سے موجود تھی۔ جب ایک رشتے دار کو موت کی اطلاع دی گئی تو اس نے کہا" ہم جو ایمان والے ہیں... اس وقت تک کوئی بات نہیں مانیں گے جب تک کہ ہم اس کا جسد خاکی نہ دیکھ لیں۔" [۵۱] سسٹر طائنیطا محمد (جو آج کل نیشن آف اسلام کی ممتاز ماہر دینیات ہیں) بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے ۲۵ فروری ۱۹۷۵ء کو حالت خواب میں دیکھا کہ" جس بنچ پر عزت مآب ایلیجاہ محمد کا جنازہ، احرام میں لپٹا ہوا رکھا تھا وہ اس پر سیدھے بیٹھ گئے۔ جب میں نے انھیں اس طرح بیٹھے دیکھا تو میں نے کئی بار با آواز بلند کہا 'وہ مرے نہیں ہیں!' [۵۲] پیغمبر خدا (ایلیجاہ) زندہ ہیں۔ اب اس کی دیگر پیشین گوئیوں کی صحیح تعبیر کی جا سکتی ہے۔"

پیغمبر ایلیجاہ کی بیوی کلارا محمد، کا انتقال ۱۹۷۲ء میں ہوا تھا۔ اس کے تھوڑے دن بعد ایلیجاہ محمد نے ایک لیکچر دیا اور کہا" ایک عظیم پیغمبر تھے جن کی بیوی وفات پا گئیں۔ اس کے تین سال بعد انجام آ گیا"۔ [۵۳] سامعین کو اس وقت صحیح اندازہ نہ ہو سکا کہ ایلیجاہ محمد کا اشارہ کس طرف تھا۔ وہ سمجھے کہ شاید تین سال میں قیامت آ جائے گی۔ لیکن اب نیشن آف اسلام کو معلوم ہوا کہ ایلیجاہ نے اپنی مذکورہ پیشین گوئی میں جس پیغمبر کی طرف اشارہ کیا تھا وہ پیغمبر محمد [ﷺ] تھے جن کی بیوی [حضرت] خدیجہؓ کے انتقال کے تین سال بعد مکی دور ختم ہو گیا۔ پیغمبر محمد [ﷺ] کو اپنے قتل کی ایک سازش کا پتا چلا، چنانچہ وہ مکے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے مدینے ہجرت کر گئے۔* پھر مدنی دور شروع ہوا اور مدینے میں ایک آزاد اسلامی قوم وجود میں آئی۔ فرخان کا عقیدہ ہے کہ ''اگرچہ بظاہر ایسا لگا تھا کہ ایلیجاہ مر گئے ہیں لیکن دراصل وہ اپنے دشمنوں کی، اس کو قتل کرنے کی سازش سے بچ نکلے تھے اور ہجرت کر گئے تھے اور اس طرح ایک جدید مدنی عہد شروع ہو گیا تھا جو نیشن آف اسلام کی آزادی کا دور ہے۔''[۵۶] یہاں سے نیشن آف اسلام کے ایک نئے عقیدے کی ابتدا ہوتی ہے جس کی ایک دلچسپ نظیر تاریخ میں موجود ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، ڈبلو ڈی فرد نے اپنے آپ کو پیغمبر کی حیثیت سے پیش کیا تھا اور ایلیجا محمد اس کا وفادار حواری بن گیا تھا۔ جب ڈبلو ڈی فرد غائب ہو گیا تو فرد اور ایلیجاہ کے درمیان پیغمبر اور حواری کا رشتہ بدل کر خدا اور پیغمبر کا ہو گیا یعنی فرد خدا بن گیا اور ایلیجاہ اس کا پیغمبر۔ اور اب ایلیجاہ غائب ہو گیا اور اس کو مسیح تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اب ایلیجاہ اور فرخان کا رشتہ پیغمبر اور حواری سے بدل کر مسیح اور پیغمبر کا ہو گیا ہے یعنی ایلیجاہ مسیح بن گیا ہے اور فرخان پیغمبر یعنی اس کا سب سے بڑا گواہ۔ فرخان کہتا ہے ''میرے نظام عقائد کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ مسیح زندہ ہے، وہ دنیا میں موجود ہے، خدا کی قوت میرے ساتھ امریکا میں موجود ہے۔ میرا کام یہ ہے کہ میں اس کی سند تقرر (commission) کا علم عام کروں۔ یہودی جو مسیح کے منتظر ہیں، اور مسلمان جو مہدی کا انتظار کر رہے ہیں، اُن سے کہوں کہ ایلیجاہ پیغمبر خدا نہیں مسیح موعود ہیں جن کی ساری دنیا منتظر تھی اور یہ کہ امریکا میں، میں اور میرا کام اس بات کے گواہ ہیں کہ عہد مسیحا درحقیقت شروع ہو چکا ہے''۔[۵۵]

امام ولیس (وارث) محمد کے پیروکار فرخان پر الزام لگاتے ہیں کہ جب وہ یہ کہتا ہے کہ ایلیجاہ زندہ ہے تو وہ جان بوجھ کر جھوٹ بول رہا ہوتا ہے۔ وہ (وارث کے پیروکار) اس (فرخان) سے ثبوت مانگتے ہیں۔ کیا وہ (فرخان) اس (ایلیجاہ) سے ملا تھا؟ کیا اس (فرخان) نے اس (ایلیجاہ) سے بات کی تھی؟ سات سال تک تو فرخان اپنی تائید میں صحیفوں پر مبنی دلائل

---

* مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی ہجرت اپنی زندگی کے تحفظ کے لیے نہیں تھی بلکہ آپ اسلامی ریاست کے قیام کے لیے مدینہ منورہ (یثرب) تشریف لے گئے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیتا رہا پھر اسے کشف ہوا جس سے اس کے قول کی صداقت کی توثیق ہو گئی۔
۱۷ ستمبر ۱۹۸۵ء کو مسٹر فرخان میکسیکو کے ایک چھوٹے سے خاموش گاؤں ٹیپوزلان (Tepotzlan) میں تھا۔ پاس ہی پہاڑی کی چوٹی پر ایزٹک (Aztec) کا معبد تھا۔ وہاں اس نے مکاشفہ کے عالم میں دیکھا کہ وہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ ایزٹک ٹیمپل تک گیا۔ جب وہ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچا تو اس نے پرواز کرتی ہوئی ایک ایسی شے کو دیکھا جس کی شناخت نہیں ہو سکتی (یعنی UFO)۔ فرخان کو فوراً اس لمحے کی اہمیت کا وجدان ہوا۔ نیشن آف اسلام کی تکوینیات (علم کائنات) کے مطابق خدا بنی نوع انسان کی نگرانی ایک بڑے تعمیر شدہ سیارے سے کرتا ہے جس کا نام مادر طیارہ (Mother Plane) ہے۔ بائبل میں اس کا نام عزیقیل کا پہیہ (Ezekiel's Wheel) ہے۔ اس میں ایک بالکل نئی تہذیب ہے اور متعدد نسبتاً چھوٹے چھوٹے پہیے کی شکل کے خلائی طیارے ہیں جو بموں سے لدے ہوئے ہیں اور جنھیں آخری معرکہ میں تہذیب قدیم کو تباہ کرنے کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ فرخان کو اس مدور طیارے سے آواز دے کر بلایا گیا اور زیادہ نزدیک آنے کو کہا گیا۔ جب وہ نزدیک پہنچا تو روشنی کی ایک کرن نے اس کو طیارے کے اندر پہنچا دیا۔ پھر وہ طیارہ پرواز کر گیا۔ خدا کا پائلٹ مادر طیارے پر اتر گیا جو ”آسمان میں ایک شہر کی مانند ہے“۔ فرخان کو ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا جو خالی تھا لیکن اس کی چھت میں ایک اسپیکر نصب تھا۔ اسپیکر سے فرخان کو ایلیجاہ کی مانوس آواز سنائی دی۔ ایلیجاہ نے فرخان کو (فرخان۔ عربی لفظ سند خداوندی عطا کی اور عہد متاخرہ میں خدا کے مقبول بندوں کی رہنمائی کا فرض اس کے سپرد کیا۔

فرخان بیان کرتا ہے کہ ”جب اس نے مجھ سے بات کرنی شروع کی تو مجھے ایسا لگا جیسے میرے سر میں لپٹی ہوئی تحریر کھلتی چلی جا رہی ہے“۔ گول لپٹی ہوئی تحریر میں خدا کا کلام خط شکستہ میں لکھا ہوا تھا۔ فرخان مزید کہتا ہے:

> ”[گول لپٹی تحریر] کو میرے اندر داخل کیا جا رہا تھا۔ یہ اب وہاں موجود ہے، اور مجھے معلوم ہے کہ وہ میرے باطن کا حصہ ہے، اور صحیح حالات میں میرے اندر سے وہ وہ باتیں نکلتی آئیں گی جن کا میں نے پہلے کبھی وہم و گمان بھی نہ کیا ہوگا۔ لیکن اگر تم مجھ سے سوال کرو گے تو میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

> جواب دوں گا۔ اگر تم روشنی کے ساتھ واپس آ ؤ گے، جسے تم روشنی سمجھتے ہو تو خدا مجھے اس پر مزید روشنی ڈالنے کی استطاعت عطا کرے گا جسے تم پہلے سے جانتے ہو۔ کیونکہ میرے باطن میں کوئی چیز داخل کر دی گئی ہے جو صرف میرے موجودہ گرد و پیش کے لوگوں کے لیے نہیں، بلکہ ... پوری دنیا کے لیے ہے۔"[56]

یہ مکاشفہ فرخان کو پیغمبر اور اس کے الفاظ کو کلام خدا کا درجہ دیتا ہے۔ فرخان کے اردگرد ایک عملہ موجود رہتا ہے جو ہمہ وقت اس کے ملفوظات اور اقوال کو قلم بند کرتا رہتا ہے۔ اور ان ملفوظات کی تاویل اور تعبیر وسیع پیمانے پر کی جاتی ہے (اور انھیں نص کا درجہ حاصل ہے) المہدی (ماسٹر فرد محمد) اور مسیح موعود (ایلیجاہ محمد) دونوں کی دنیا میں موجودگی سے واقعی عہد مسیح کا آغاز ہو چکا ہے۔ یہی وہ وقت ہے جب پیشین گوئی پوری ہو رہی ہے۔ فرخان لیزارس (Lazarus) (افریقی امریکی) کے مقبرے پر کھڑا اسے زندگی کی طرف واپس بلا رہا ہے۔ وہ چار درندوں میں گھرا ہوا میمنہ ہے لیکن درندے میمنے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ امریکا میں کھڑا یہ اعلان کر رہا ہے کہ مسیح موعود سیاہ فام ہے، جو

> آسمانی صحیفوں میں درج پیشین گوئی کے مطابق اقتدار میں واپس آئے گا، اور تم اسے آسمان کے بادلوں میں قوت عظیم سے لیس آتا دیکھو گے۔ بادلوں میں نہیں طیاروں میں، کیونکہ بادلوں سے مراد طیارے ہیں۔ اس کے پاس اپنے دشمنوں سے نمٹنے کی طاقت ہوگی۔ اس کے دشمنوں میں مغربی دنیا بالعموم اور امریکا بالخصوص شامل ہیں۔ غضب خداوندی نازل ہونے والا ہے۔ ایک طالب علم کی حیثیت سے میرا (فرخان کا) کام صرف یہ ہے کہ میں امریکا کو متنبہ کردوں کہ اگر وہ اپنے موجودہ راستے پر چلتا رہا تو تباہی اس کا مقدر ہے۔[57]

دنیا میں آخری معرکہء خیر و شر کے لیے الٹی گنتی [خاتمے کی] شروع ہو چکی ہے۔ زلزلے، سیلاب، قحط، وبائیں، جنگیں اور فاقہ کشی، یہ سب اُس دردِ زہ کی علامات ہیں جو ایک نئے عہد کی پیدائش کے وقت ہو رہا ہے۔ نیشن آف اسلام کی رائے میں موجودہ نظام عالم کی فوری تباہی کی ہدایات مادر طیارہ سے جاری ہو رہی ہیں۔ بڑے بڑے شیاطین کا ایک مرکزی گروہ جانتا ہے کہ غضب خداوندی بیرونی خلا کی طرف سے آ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انجانی اڑتی اشیاء [اُڑن طشتریوں] کے بارے میں معلومات کو صیغہء راز میں رکھا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلا کو مسلح کرنے اور علم فلکیات (astrology) کو فروغ دینے پر اربوں ڈالر خرچ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیے جا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ''اسٹریٹجک ڈیفنس انی شیئیٹو (دفاعی حکمتِ عملی کی اولیت) کے لیے خطیر رقم مختص کی جاتی ہے حالانکہ جوہری اسلحے کی تخفیف کا عمل جاری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جنگ ستارگان (Star Wars) کا مقصد کبھی سوویت یونین کے دنیوی میزائلوں کی مزاحمت نہ تھا بلکہ اس کا مقصد عقوبت ایزدی کے مقدس میزائلوں کے خلاف شیطانی ڈھال حاصل کرنا تھا۔

۱۹۸۶ء میں جب خلائی شٹل چیلنجر کو خلا میں بھیجا جا رہا تھا تو اس کا واضح مقصد بابل کو تباہی سے بچانے کے لیے جاسوسی کرنا تھا۔ لیکن شیطان منصوبے بناتا ہے تو اللہ بھی منصوبے بناتا ہے۔ چیلنجر فضا میں بلند ہونے کے ۷۲ سیکنڈ بعد ہی دھماکے سے اڑ گئی۔ یہ کوئی اتفاق نہیں تھا بلکہ اس کا حوالہ قرآن کی ۷۲ ویں سورۃ میں موجود ہے، جہاں اس واقعے کو بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ کا نام ہے سورۃ ''جن''، یعنی شیطان، اور اس کی آیات ۸ اور ۹ کا مفہوم ہے:

(جس جن نے قرآن سن لیا تھا اپنے ساتھیوں سے کہا) ''اور ہم نے آسمان ٹٹولا تو اس کو مضبوط چوکیداروں اور انگاروں سے بھرا ہوا پایا۔ اور یہ کہ پہلے ہم وہاں بہت سے مقامات میں خبریں سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے، اب کوئی سننا چاہے تو اپنے لیے انگارا تیار پائے''۔

ٹیکنالوجی یا فوج کے ذریعے خدا کو چیلنج کرنے کی تمام شیطانی کوششوں کا مقدر ناکامی ہے لیکن سفید فام نسل کے لیے بچنے کا ایک اور راستہ ہے۔ ایک چھوٹا سا لیکن حقیقی امکان اس بات کا ہے کہ سفید فام نسل بچ جائے۔ اس امکان کا تعلق اس نظریے سے ہے جسے حال ہی میں وضع کیا گیا ہے۔ جیسا کہ تمام مذاہب میں ہوتا ہے نظریے اور عمل کے تضاد سے اثبات عدل الٰہی کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے جس کا حل تلاش کرنا ضروری ہے۔ اگر ذات باری سیاہ فام ہے اور اگر اس کا اپنے سیاہ فام لوگوں سے میثاق ہے تو پھر اس نے سیاہ فاموں کو سفید فام بالادستی کے بوجھ تلے کیوں پسنے دیا؟ ان کے لیے غلامی کی اکھاڑ پچھاڑ میں سے گزرنا کیوں ضروری ہوا؟ چھ ہزار سالہ دورِ استبداد کے معنی امکانی طور پر کیا ہو سکتے ہیں؟ ان سوالات پر غور و فکر کے بعد نئی نیشن آف اسلام مندرجہ ذیل جوابات پر پہنچتی ہے۔[۵۸]

تخلیق کائنات کے عمل میں خدا نے مثبت اور منفی دونوں کو پیدا کیا۔ یہ ثنویت (دوئیت) چھوٹے سے چھوٹے ذرے سے لے کر بڑے سے بڑے سیارے تک تمام تخلیق شدہ چیزوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں موجود ہے۔ خیر و شر کی یہ آمیزش روئے زمین پر بسنے والی پہلی قوم میں بھی موجود تھی۔ ان کی تخلیق تو خدائی جوہر سے عمل میں آئی تھی لیکن استعاراتی طور پر وہ جس سیارے پر نمودار ہوئے تھے، اسی کی مانند انھیں کامل و مکمل نہیں پیدا کیا گیا تھا۔ سیارے کی حرکت میں ایک طرح کی لڑکھڑاہٹ ہے۔ خالق نے اس لڑکھڑاہٹ کا ازالہ اس طرح کیا کہ سیارہ کو ایک ایسے قانون کے تحت کر دیا جس سے حرکت سے پیدا شدہ رگڑ کا اثر کم ہو جائے۔ اگر سیارہ حکم عدولی کرے گا تو وہ اپنے کو تباہ کرے گا۔ سیاہ فام آدمی کی فطرت میں لڑکھڑاہٹ کا مطلب ہے کہ وہ بدی کر سکتا ہے۔ اس کے ازالے کی شکل یہ ہے کہ بنی نوع انسان کی نسل اول کو اسلام کے تابع کر دیا گیا ہے۔ دنیا کے تمدن اول میں ہم آہنگی مکمل نہ تھی۔ یہ شر کی قوت کو کمزور سمجھنے کا رجحان تھا جس سے اسلام کی ضرورت کی اہمیت کو پوری طرح سمجھا نہ جاتا تھا۔ اس طرح بنی نوع انسان کی حرکت میں رگڑ یا مزاحمت پیدا ہوئی۔

خدا نے، جس کا مقصد تکمیلِ نوعِ انسانی ہے، اپنی ہمہ دانی اور علمِ کُل میں ایک تجربہ کرنے، یعنی روئے زمین پر بنی نوع انسان کی پہلی نسل کو یہ سکھانے کا فیصلہ کیا کہ اس میں خیر و شر دونوں طرح کے اعمال کی صلاحیت ہے۔ خود آگہی سے سیاہ فام لوگ اپنے اندر کی خیر کی صلاحیت کو مزید فروغ دے کر اپنے اندر صفات الٰہیہ پیدا کر سکتے ہیں لیکن اس سے پہلے انھیں شر پر غلبے کا طریقہ سیکھنا ہوگا۔ یعقوب، جس نے یہ سمجھا کہ اس نے ابلیس کو وضع کر کے خدا سے بغاوت کی ہے، دراصل مشیت ایزدی بجا لا رہا تھا۔ اس نے تو صرف یہ کیا تھا کہ سیاہ فام آدمی کے اندر سے شر کو نکال کر خالصتاً شر کے جوہر سے انسان سے ملتی جلتی شکل کی ایک مخلوق وضع کر دی تھی۔ اگرچہ قدیم نیشن آف اسلام کے نظریہ اور بشریاتی تصورات کے مطابق سفید فام اور غیر سفید فام نسلوں کے درمیان خلیج ناقابل عبور تھی لیکن اب ان دونوں میں ایک قدر مشترک ہے۔ سفید فاموں کی تخلیق سیاہ فاموں سے ہوئی اور سیاہ فاموں کی تخلیق ذات خداوندی سے ہوئی۔ اس طرح، چاہے بلاواسطہ ہی سہی، سفید فاموں کو مخلوق کا درجہ تو ملا اور اس طرح ان کے لیے نجات کا ایک راستہ بھی کھل گیا۔

فرخان نے اپنے سامعین سے کہا ''تم شیطان کی اصلاح نہیں کر سکتے، سارے نبیوں نے کوشش کی اور ناکام رہے، لہٰذا شیطان کو مار ڈالنا ضروری ہے''۔[۵۹] حقیقت کے بارے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نیشن آف اسلام کی تفہیم کی بنیادی شرط نظریات کی اولیت ہے۔ نیشن آف اسلام بھی اپنے طریقے کے مطابق اسی نتیجے پر پہنچی جس پر مائیکل فوکالٹ پہنچا تھا جب اس نے پرانی کہاوت ''جسم روح کا قید خانہ ہے'' کو الٹ کر نمایاں طور پر مختلف یہ مقولہ بنا دیا تھا کہ ''روح جسم کا قید خانہ هے''۔[۶۰] سیاہ فام، خودی کے بارے میں غلط قسم کے وجودیاتی تصورات کے اسیر ہیں۔ خودی کے انھیں غلط تصورات کا نتیجہ ہے کہ سیاہ فام اپنے آپ کو نسلوں کی درجہ بندی میں سب سے نچلے درجے کا سمجھتے ہیں۔ جب وہ اپنے بارے میں ان تصورات کو بدلیں گے اور اپنی حقیقت کو سمجھ لیں گے، تو گردوپیش کی حقیقت بھی اس بدلے ہوئے تصور کے مطابق خودبخود بدل جائے گی۔

اسی طرح سفید فام آدمی جسمانی نہیں بلکہ ذہنی طور پر شیطان ہے۔ سیاہ فاموں اور سفید فاموں کو اب حیاتیاتی سطح سے نفسیاتی سطح پر منتقل کر دیا گیا ہے جس میں مختلف رنگ اب مختلف رویوں اور مختلف طرز ہائے عمل کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اب شیطان کو ختم کرنے کے لیے سفید فاموں کو جسمانی طور پر ہلاک کرنا ضروری نہیں۔ فرخان نے اپنے لیکچر میں آگے چل کر کہا ''سفید فام کا رنگ مسئلہ نہیں بلکہ مسئلہ سفید فام کا ذھن ہے، سفید فام کے ذہن میں جو سفید فامی بالادستی کا تصور گھس گیا ہے اس کو تباہ کرنے کی ضرورت ہے''۔[۶۱] گزشتہ چھ ہزار برسوں میں دنیا میں سفید فاموں کی بالادستی رہی ہے اور سفید فام ہی سیاہ فاموں کو کرۂ ارض پر نسل اول کے بارے میں سکھاتے پڑھاتے رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ سیاہ فام پر انھیں کی اپنی باطنی صلاحیتِ شر غالب رہی ہے جس سے ان کی حرکت میں لڑکھڑاہٹ آ گئی ہے، جو اتنی تباہ کن ہے کہ نہ انھیں اسلام کی طرف پلٹنے دیتی ہے نہ رحمت خداوندی کو آواز دینے دیتی ہے۔ جب سیاہ فام بچا لیے جائیں گے تو پھر وہ اپنے اندر کے شیطان کو دوبارہ کبھی کھلا نہیں چھوڑیں گے، چنانچہ آخرت واقعی بہشت ہوگی۔ زرد رنگ کے آلات تعلیم کا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ اب انھیں ترک کیا جا سکتا ہے۔ خدا نے اپنے رحم و کرم سے مسیحا کی شکل میں ایک موقع دیا ہے کہ وہ ''آرمیگڈون''* کے آخری طبیعی معرکہ خیر وشر کو بچا لے۔ سفید فاموں کو

* قوموں کے آخری اور فیصلہ کن معرکہ کا ذکر انجیل مقدس میں آیا ہے۔ اب کسی بھی معرکہ خیر وشر کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صرف یہ کرنا ہوگا کہ وہ اپنے مبداءِ شر اور ماضی کی پوری تاریخ میں جو شر انھوں نے پھیلائے ہیں ان کی مذمت کریں اور اپنے نجات دہندہ (مسیحا) ایلیجاہ محمد کی خدمت میں نذرانہءِ عقیدت پیش کریں۔

بہرحال فرخان کو اس بات کی زیادہ امید نہیں کہ سفید فاموں کی موجودہ قیادت اپنی بالادستی سے از خود دست بردار ہونے پر مائل ہو جائے گی۔ فرخان کا کہنا ہے کہ ''بدقسمتی سے فرمانروایان عالم اپنا اقتدار کھونے (کے اندیشے) پر اتنے برہم ہیں کہ انھیں نئی عالمی حقیقت کی ذرہ برابر پروا نہیں ہے۔ اگر ان کے ہاتھ سے اقتدار جاتا ہے تو وہ اپنے ساتھ دنیا کو بھی لے ڈوبیں گے''۔[۶۲] نیشن آف اسلام کے نظریۂ معادیات (حیات بعد ممات کے بارے میں عقیدہ) کے مطابق، آرمیگڈون کا آخری اور فیصلہ کن معرکہءِ خیر و شر شروع ہو چکا ہے اور اگر شیطان نے خودکشی نہ کر لی اور اپنے سفید فام آلۂ کار کو مشیت ایزدی کے سامنے جھکنے نہ دیا تو اس معرکے کا طبعی (جسمانی) مرحلہ شروع ہو جائے گا۔

نیشن آف اسلام کے رویّے پر الہامی تناظر غالب ہے جو متعدد معاملات میں اس کے فکری تضاد و تصادم کا سبب ہے۔ الگ عنوانات کے تحت ذیل میں ان موضوعات پر بحث کی جائے گی ''نیشن آف اسلام کا رشتہ روایتی مسلم برادری سے''، ''نیشن آف اسلام کی مبینہ یہودی دشمنی اور انتہا پسند سفید فاموں سے نیشن آف اسلام کا تعاون'' اور آخر میں ''جدید سیاہ فام امریکی کمیونٹی میں نیشن آف اسلام کے کردار کا تصور''۔

''ہم جلد دیکھ لیں گے کہ گمراہ کون ہے''

نیشن آف اسلام اور راسخ العقیدہ اسلام

اسلام رواداری کا مذہب ہے، جس کی وسیع حدود دینی عقیدے کے مختلف میلانات اور اس کی مختلف تعبیروں پر محیط ہیں۔ اس وسیع المشربی کے باوجود ''نیشن آف اسلام'' راسخ العقیدہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نقطۂ نگاہ سے کافر کی تعریف میں آ جائے گی۔ سی ایرک لنکن نے پرانی نیشن آف اسلام کے بارے میں لکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا کہ ''یہ اسلام تو نہ تھی لیکن اسے اسلام کا چربہ کہا جا سکتا ہے''۔ [۶۳] جس سے ویلس (وارث) محمد کے اختیار کردہ طریق عمل کی منطق ظاہر ہوتی ہے۔ نیشن آف اسلام دراصل اسلام کی سیاہ فام دریافت نو کا ایک اہم جزو ہے۔ اسلام کا تعلق افریقی امریکی تاریخ سے خاصا طویل لیکن کسی حد تک غیر مرئی ہے۔ آزاد طالع آزماؤں کی ایک چھوٹی سی تعداد کے علاوہ، افریقی مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت کو نئی دنیا (شمالی امریکا) میں غلاموں کی حیثیت میں لایا گیا۔ آسٹن کا تخمینہ ہے کہ شمالی امریکا آنے والے غلاموں میں دس سے پندرہ فیصد مسلمان تھے۔ [۶۴]

گنی چنی چند مثالوں [۶۵] کو چھوڑ کر، غیر مسلموں کے ملک میں اسلام بحیثیت ایک منظم مذہب کے زیادہ عرصے تک نہ چل سکا۔ ۱۹۳۰ء سے شروع ہونے والی دہائی کے دوران میں طلوع اسلام کو ''اسلام کی بھولی بسری یاد'' سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ لنکن کا خیال ہے، [۶۶] بلکہ اس کو افریقہ کی دریافت نو کا ایک منطقی نتیجہ کہا جا سکتا ہے۔ جب سیاہ فاموں نے امریکا آنے سے پہلے کی اپنی تاریخ کا مطالعہ شروع کیا تو ان کا واسطہ اسلام سے پڑا۔ اگر مطالعہ کرنے والا بے تعصب ہوتا، جیسے ڈبلو ای بلائیڈن اور بشپ ٹرنر، تو وہ سیاہ فام عیسائی قوم پرستوں کی طرح اسلام کے بارے میں غالباً مثبت رائے ہی قائم کرتا۔ [۶۷] اسلام میں انھیں ایک ایسا طاقت ور مذہب نظر آتا جو روایتاً یورپی توسیع پسندی اور بالادستی کے خلاف تھا۔ گویا اس طرح ''اسلام'' سیاہ فاموں کی وحدت و اتحاد اور مزاحمت کا ذریعہ بن سکتا تھا جیسا کہ وہ نیشن آف اسلام کے لیے بنا۔

پہلے مرحلے میں مزاحمت کا عنصر سب سے اہم واحد مقصد تھا۔ ان کا عقیدہ اسلامی کم اور عیسائی کٹر عقیدے سے انکار زیادہ تھا۔ قرآن کے مطالعے اور مسلم علماء دین سے روز افزوں مکالمے کے ذریعے اسلام کے بارے میں علم کا اضافہ ہوا۔ جب پیغمبر ایلیجاہ نے دنیائے فانی سے رحلت کی تو اس کے بیٹے ویلس (وارث) نے اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے عمل کو جاری رکھا اور غیر راسخ آزاد خیال باقیات کو تنظیم سے خارج کر دیا۔ فرخان، ایلیجاہ محمد کے قائم کردہ عقیدے کی نمایاں خصوصیات برقرار رکھنے کا حامی تھا، چنانچہ وہ ویلس (وارث) محمد سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الگ ہو گیا اور اس نے پرانی نیشن آف اسلام کو دوبارہ قائم کیا جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ تاہم منسٹر فرخان کی تحریک پر کی جانے والی روایتی تنقیدوں سے فرخان لاعلم ہے نہ غیرمتاثر۔ بنیاد پرست اسلامی قوموں اور تنظیموں سے نیشن آف اسلام کے رابطوں کا وسیع جال پھیلا ہوا ہے۔ اس تعاون سے پیدا ہونے والی نیشن آف اسلام کی تبدیلی کا ارتقاء دو خطوط پر ہوا ہے:

۱۔ خارجی اعتبار سے، نیشن آف اسلام کا بیرونی دکھاوا راسخ العقیدگی سے قریب آ گیا ہے۔ نیشن آف اسلام کے ارکان اب اسلامی مناسک وعبادات مثلاً روزے، نماز کی پوری پوری پابندی کرتے ہیں اور جب وہ مسلم ممالک میں سفر کرتے ہیں تو وہاں کی مقامی آبادی سے مختلف نظر نہیں آتے۔ امریکا میں آج کل عبادت کی دو اقسام ہیں: سیاہ فام کمیونٹی کے کھلے اجتماعات کی شکل ویسی ہی ہے جیسی کہ گرجا گھروں میں ہوتی ہے، یعنی سامعین بنچوں پر بیٹھتے ہیں، خطبہ سنتے ہیں اور چندہ دیتے ہیں۔ اس طرح نیشن آف اسلام اپنے گردوپیش کے سیاہ فام کلچر سے علیحدگی سے بچتی ہے کیونکہ وہ سیاہ فام کمیونٹی کے اندر رہنا چاہتی ہے۔ نوواردوں کو بدیسی ساز وسامان اور آداب و رسوم میں اجنبیت نہیں بلکہ مانوسیت محسوس ہونی چاہیے۔ ممبروں کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ مسجد میں باجماعت نمازیں ادا کریں اور جمعہ کا خطبہ بھی سنیں۔ نیشن آف اسلام کا قومی صدر دفتر شکاگو کے جنوب میں واقع ہے۔ اسی میں مسجد مریم بھی ہے جس کی تزئین وآرائش روایتی انداز میں ہوئی ہے۔ مسجد پہلی منزل پر ہے اور اس کے اوپر کھلے اجتماعات کے لیے ہال ہے۔ نماز جمعہ کی امامت عموماً افریقہ سے آیا ہوا کوئی مہمان امام کرتا ہے جس کا انداز اور اسلوب روایتی اور مُسلّمہ ہوتا ہے۔ فرخان نے اس بیرونی اسلامیت کو ایلجاہ محمد کی مرضی اور وصیت کے مطابق ہونے کا اعلان کیا۔ فرخان کے مطابق ایلجاہ کو معلوم تھا کہ کون سی بات کس وقت کرنی ہے۔ چنانچہ اس ظاہری شکل کو اس نے خود متعارف نہیں کروایا بلکہ اس کا اجراء خود اپنے چنے ہوئے جانشین کے لیے چھوڑ دیا۔[۲۸]

۲۔ داخلی اعتبار سے، عقائد کے اختلافات کا دفاع نہایت عمدہ اور شائستہ دینی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استدلال سے کیا جاتا ہے۔ عقائد دینی کے بارے میں نیشن آف اسلام کی تعبیر اور اسلام کی روایتی تعبیر میں اختلافات کی خلیج ناقابل عبور ہے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کی اصلاح ضروری ہے۔ اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے فرخان اپنے الہامی تناظر کے بھروسے پر اعتماد کے ساتھ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ نیشن آف اسلام صحیح راستے پر ہے اور یہ کہ جو لوگ راسخ العقیدہ مسلمان کہلاتے ہیں وہ راہ خدا سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اگر انھیں روئے زمین پر آرمیگڈون کے آخری معرکۂ حق و باطل میں اپنی بقا درکار ہے تو انھیں لازم ہے کہ وہ توبہ کریں اور ایلیجاہ کی افضل و برتر رشد وہدایت کی پیروی کریں۔

مسٹر فرخان کے مطابق، خدا مختلف ادوار میں لوگوں میں سے اپنے پیغمبر چنتا ہے۔ پیغمبر لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچاتا ہے تاکہ وہ اپنے فکر و عمل کو رضائے خداوندی کے مطابق ڈھال کر اس کی اطاعت کریں۔ اس پیغام کا تعلق اُس دور کے مخصوص حالات سے ہوتا ہے جس میں لوگ رہ رہے ہوں۔ دنیا ہر وقت تغیر پذیر ہے۔ زمانہ بدلتا ہے تو مذہب کو بھی بدلنا ہوتا ہے۔ اگر وقت کے عام ارتقا کے ساتھ ساتھ مذہب ارتقا پذیر نہ ہو تو اس میں ہدایت دینے اور ترقی کی راہ پر چلانے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے بلکہ مذہب ترقی کی راہ کا روڑا اور استبداد کا ایک ذریعہ بن جاتا ہے۔ فرخان کا کہنا ہے کہ روایتی اسلامی ممالک میں بعینہٖ یہی ہوا ہے یعنی جب عرب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ محمد ابن عبداللہ [ﷺ] پر نازل ہونے والی وحی کی تعبیر ہر زمانے کے لیے ہے تو وہ ذات باری کو عقل و فہم سے ماورا سمجھتے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ کو نہیں معلوم کہ اس نے جو دنیا پیدا کی ہے وہ تغیر پذیر ہے اور ہر وقت بدلتی رہتی ہے۔ یہ عربوں کی جامد ناقص تفہیم قرآن ہی کا نتیجہ ہے۔ وہ مسلم ممالک جو کبھی دنیا میں پیش پیش تھے اب ساکن و جامد ہو گئے ہیں۔ یہ سب الوہی تاریخ میں، الہامی صحیفوں میں اور احادیث میں لکھا ہے۔ پیغمبر اور رسول خدا محمد [ﷺ] نے دو حدیثوں میں اس زمانے کا ذکر کیا ہے جس میں ہم رہ رہے ہیں۔ ایک حدیث میں تو دور متاخرہ کا ذکر ہے جب مغرب میں اسلام کا سورج طلوع ہوگا۔ دوسری حدیث میں ان مخصوص لوگوں کا ذکر ہے جن کو مغرب میں طلوع اسلام کا ذریعہ بننے کا اعزاز حاصل ہوگا۔ محمد [ابن عبداللہ ﷺ] نے کہا " میں نے اپنے جنت میں داخل ہونے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے پہلے بلالؓ کے جنت میں داخل ہوتے ہوئے اس کے قدموں کی چاپ سنی''۔فرخان کہتا ہے کہ ''اس حدیث کی تعبیر واضح ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ 'اپنے ذاتی قدموں' کے حوالے سے بات نہیں کر رہے تھے کیونکہ وہ تو سفید فام تھے، وہ عرب تھے۔ دراصل وہ یہ کہہ رہے تھے کہ جس عقیدے سے عرب دنیا منحرف ہوگئی ہے اس کی طرف سیاہ فام لوگ ہی عرب دنیا کو واپس لائیں گے اور جس جنت کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اور رسول خدا محمد ابن عبداللہ [ﷺ] نے اپنی احادیث میں مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے سیاہ فام ہی اس جنت کی جانب عرب دنیا کی رہنمائی کریں گے۔''[۱۹]

عہد ابلیسی میں نسل پرستی ہر مذہب میں سرایت کر گئی ہے۔ ان میں اسلام بھی شامل ہے۔ اس نسل پرستی سے، نجات کا وہ راستہ جو خدا نے دکھایا تھا ذہنی طور پر بند ہو جاتا ہے۔ جیسی آرزو مسیح موعود کی واپسی کے بارے میں عیسائیوں کی ہے، ویسی ہی تمنا ظہور مہدی کے بارے میں مسلمانوں کی* ہے۔ دونوں پر نسل پرستی کا لبادہ ہے۔ ان سب کو یہ توقع ہے کہ آنے والا سفید فام ہوگا۔ فرخان، جسے یقین ہے کہ اس آرزو کی جڑیں نفسیات میں بہت گہری ہیں، مسیح اور مہدی کے انتظار کرنے والے عیسائیوں اور مسلمانوں دونوں سے پوچھتا ہے کہ ''کیا تمہاری پوشیدہ یا غالب نسل پرستی تمھیں اپنی نجات قبول کرنے سے بھی روک دے گی؟ یہ ساری دنیا کی سب سے بڑی آزمائش ہے۔ کیا تم سیاہ فام مہدی یا مسیح کو قبول کر سکتے ہو؟ اگر نہیں، تو پھر جب یہ دنیا ختم ہوگی تو اس کے ساتھ تم بھی ختم ہو جاؤ گے۔''[۲۰]

ایک طرف تو اس دعوے کی حمایت میں کہ نیشن آف اسلام کی تعبیر ہی اسلام کی صحیح تعبیر ہے یہ دلیل دی جا رہی ہے کہ مہدی اور مسیح افریقی امریکیوں میں پلے بڑھے اور نیشن آف اسلام کے بانی بنے اور دوسری طرف اس دعوے کی صداقت کی توثیق آسمانی صحیفوں کی تفسیر کے حوالے سے بھی کی جاتی ہے۔

نیشن آف اسلام دو قرآنوں کے وجود پر یقین رکھتی ہے ایک ظاہر اور خارجی اور

---

* عام مسلمانوں کے بارے میں یہ بیان درست نہیں۔ انتظارِ مہدی و مسیح کرنے والے مسلمانوں کے ذہن کے کسی گوشے میں بھی رنگت یا نسل کا سوال نہیں اٹھتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا پوشیدہ اور مخفی۔ آخرالذکر یعنی پوشیدہ اور مخفی قرآن ہی زیادہ اہم ہے جس کو صرف علم الاعداد کی مدد سے تجزیہ کر کے ہی پڑھا جا سکتا ہے اور اس کے لیے وحی الٰہی کے ریاضیاتی رموز (رمزی نظام) کا استعمال ضروری ہے۔[۱] بنی نوع انسان کی نسل اول کو سلانے سے پہلے خدا نے اس کوڈ کو اہرام مصر میں رکھ دیا تھا۔ اس کلید کو دور متاخرہ میں پیشین گوئی پوری ہوتے وقت تک غیر دریافت شدہ حالت میں رہنا تھا، عزت مآب ایلیجاہ محمد کی وفات کے ساتھ ہی آخری مرحلہ شروع ہو گیا۔ اسی سال قرآنی کوڈ دریافت ہوا۔[۲] تحقیق و تجسس کے جن مراحل کو طے کر کے وہ کوڈ دریافت کیا گیا انھیں ظاہر کیے بغیر حاصل کو ظاہر کیا جا سکتا ہے: وہ کوڈ انیس (۱۹) ہے۔ ''اسلام ریاضی ہے اور ریاضی اسلام ہے۔''[۳] مذکورہ قرآنی کوڈ اور رشاد خلیفہ اور میکسیکی صوفی روڈالفو بینا وائڈس کے کام سے استفادہ کر کے سسٹر طائنیطا محمد نے نیشن آف اسلام کے اختیار کردہ طریق تفسیر کی وضاحت مندرجہ ذیل انداز میں کی ہے:

عزت مآب ایلیجاہ محمد کی ''موت'' ایک المناک خبر تھی جس نے نیشن آف اسلام کی بنیادیں ہلا دیں۔ اس ڈرامے کو قرآن میں بیان کیا گیا ہے جس کے خفیہ معانی کو صحیح طور پر صرف قرآنی کوڈ استعمال کر کے ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر سنہ ۱۹۷۵ء میں ۱۹ کو الگ کر دیا جائے تو ۷۵ کا عدد باقی رہ جاتا ہے جو قرآن کی سورہ ۷۵ (القیامتہ) کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کی آیات ۷ تا ۱۲ = ۱۹) کا مفہوم یہ ہے کہ ''جب آنکھیں چندھیا جائیں گی اور چاند گہنا جائے گا اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں گے، اس دن انسان کہے گا کہ (اب میں) کہاں بھاگ جاؤں؟ بے شک کہیں پناہ نہیں۔ اس روز پروردگار ہی کے پاس ٹھکانا ہو گا۔'' اس کا مطلب واضح ہے۔ ایمان والوں کی قوت ادراک چندھیا گئی تھی گویا مخمصے میں پڑ گئی تھی۔ وہ سمجھنے لگے کہ پیغمبر (ایلیجاہ) مر گیا۔ لیکن یہ تو ایسے ہی تھا جیسے چاند گہنا جائے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اسے حیات نو ملی اور وہ واصل بالحق ہوا، وہی حق جو اس کی موت چاہنے والے دشمنوں سے اس کے لیے جائے پناہ تھا اور جو سچے ایمان والوں کا مرجع ہے اور جس کی رضا حاصل کر کے ایمان والے اطمینان سے رہ سکتے ہیں۔ لیکن اس واقعے سے اور بھی بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔ ۱۹۷۵ء کے اعداد کو اس طرح تقسیم کیجیے کہ درمیان کے دو ہندسے مل کر ایک عدد بن جائیں اور سروں کے دونوں ہندسے مل کر دوسرے دو اعداد بن جائیں یعنی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵/۷/۹۷/۱۔ اب آپ سورۃ ۹۷ (القدر) کی آیت ۱ تا ۵ پڑھیے ''ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کرنا شروع کیا۔ اور تمھیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں روح (الامین) اور فرشتے ہر کام (کے انتظام) کے لیے اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں۔ یہ (رات) طلوع صبح تک (امان اور) سلامتی ہے'' گویا جب نازل ہونے والے فرشتوں نے ایلیجاہ کو نجات دلائی تو وہ وقت شیطان کی حکمرانی کے چھ ہزار سال ختم ہونے اور نئے نظام عالم کی ابتدا کا اعلان تھا۔ ۱۹۷۵ء میں الازہر یونیورسٹی کو قائم ہوئے پورے ایک ہزار سال ہو گئے تھے۔ ''ہزار'' ایلیجاہ کی تعلیمات سے مطابقت رکھتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ زمین ۳۹۰ سال جلتی رہے گی اور ۶۱۰ سال ٹھنڈی ہوتی رہے گی۔ گویا زمین کے گرم ہونے اور پھر ٹھنڈی ہونے کی مدت ایک ہزار سال ہے۔ اب اگر ان ہندسوں یعنی (۰ + ۱ + ۶ + ۰ + ۹ + ۳) جمع کریں تو حاصل جمع (۱۹) ہوگا [عیسوی] سال جس میں پیغمبر محمد [ﷺ] کو پہلی وحی وصول ہوئی وہ ۶۱۰ تھا۔ ۶۱۰/۳۹۰ کے اعداد میں سے دونوں صفر کو ہٹا دیجیے اور (۳۹) کے ہندسے کو پلٹ کر (۹۳) کر دیجیے پھر (۹۳) میں (۶۱) کو جمع کر دیجیے تو حاصل جمع (۱۵۴) ہوگا جو ان خطبات کی تعداد ہے جو ماسٹر فرد محمد نے دیے تھے۔ پھر ۱۵۴ کے دو حصے کیجئے (۴ + ۱۵) ان دونوں کا حاصل (۱۹) ہے۔ ایلیجاہ محمد کی رحلت کے سال ۱۹۷۵ء میں سے ۱۹ کو الگ کر دیجیے تو باقی رہا ۷۵ اب اس کو الٹ دیجیے تو بنا ۵۷۔ یہ ۱۹ کا تین گنا ہے ۱۹x۳۔ اس کے علاوہ (۵۷+۵۷)=۱۱۴۔ یہ قرآن شریف میں شامل سورتوں کی تعداد ہے اور یہ تعداد ۱۹ کا چھ گنا ہے۔ ۵۷ کے آگے ایک صفر لگا دیجیے تو بنا ۵۷۰ جو پیغمبر محمد ابن عبداللہ [ﷺ] کا سال ولادت ہے۔ خود ۵۷۰ کا عدد ۱۹ کا تیس گنا ہے (۱۹x۳۰)۔ اب یہ ۱۹۳۰ء وہ سال ہے جب ماسٹر فرد نے پہلی مرتبہ خود کو ظاہر کرنا پسند کیا۔

انیس کے عدد پر مبنی اعدادی طریقے سے تفسیر کی مندرجہ بالا جھلک محض سرسری سی ہے۔ اسی کوڈ سے نیشن آف اسلام کے دینی ستونوں مثلاً ماسٹر فرد اور ایلیجاہ محمد کی صحیح شخصیتوں یا پہیوں کے کام (the work of the Wheel) کی تصدیق کی جاتی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نیشن آف اسلام قرآن کے انگریزی ترجمے کے استعمال سے نہیں ہچکچاتی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگرچہ نیشن آف اسلام کے علماء عربی کا مطالعہ خود کرتے ہیں، لیکن محمد ابن عبداللہ [ﷺ] کی زبان عربی کا جاننا پوشیدہ پیامات خداوندی کو سمجھنے کے لیے شرط نہیں۔ کوڈ کے توسط سے صحیفۂ آسمانی کو سمجھنے کی کلید کو ہر زبان میں منتقل کر دیا جاتا ہے اور اس کو ریاضی کی آفاقی زبان میں لکھا جاتا ہے کیونکہ پیام خداوندی کا تعلق ہم سب سے ہے:

> ''اپنی حکمت مطلق و کامل سے، خداوند بزرگ و برتر اپنی شناخت کو باطل کی حکمرانی میں رہنے والوں کے سامنے مختلف طریقوں اور ذریعوں سے ظاہر کرتا ہے۔ وہ دنیا کی مختلف مذہبی جمعیتوں پر مختلف زبانوں اور بولیوں میں خود کو ظاہر کرتا ہے لیکن سب کے بین السطور ایک مشترک کوڈ ہوتا ہے تاکہ کل کوئی یہ عذر پیش نہ کر سکے کہ وہ پیغام یا پیغام بر کو سمجھ نہ پایا تھا''۔[۲۴]

یہ کوڈ سواد اعظم کے مسلمانوں کی ان کوششوں کے خلاف ایک اضافی دلیل بن جاتا ہے جو وہ یہ ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں کہ اسلام اور قرآن کی جائز تعبیر صرف اور صرف ان کی تعبیر ہے۔ راسخ العقیدہ مسلمانوں کے پاس قرآن تو ہے لیکن تفہیم قران کی کلید نہیں ہے۔ منسٹر فرخان کا کہنا ہے کہ مسلمانوں اور ان کے قرآن کی مثال ایسی ہے جیسے گدھے پر سونا لدا ہو۔ گدھا سونے کی صحیح قدر و منزلت سے ناواقفیت کے باعث اپنے اوپر لدے ہوئے سونے کو بوجھ سمجھنے لگتا ہے۔[۲۵] خدا نے اپنی وحی کے ذریعے قرآن میں جس کوڈ کو اس لیے رکھا تھا کہ ساری دنیا کو اس کا علم ہو جائے، روایتی مسلمان اس کوڈ کی اہمیت کے منکر ہیں۔ اس لیے قرآن پاک میں محفوظ کلام الٰہی کے ان الفاظ سے ایسے لوگوں کو دائرہ اسلام سے خارج کیا جا سکتا ہے'' اے اہل کتاب تم خدا کی آیتوں سے کیوں انکار کرتے ہو''۔[۲۶]

یہودی، نازی اور نیشن آف اسلام

فرخان کے بیانات کی وجہ سے پریس میں اکثر اس کے خلاف لکھا جاتا رہا ہے۔ اس کی بات سمجھنے کے لیے اس کے مذہبی سیاق و سباق کو مدنظر رکھنا ضروری ہے لیکن ایسا شاید ہی کبھی کیا جاتا ہو۔ غالباً فرخان کی مبینہ یہود دشمنی کے موضوع پر سب سے زیادہ لکھا گیا ہے۔ جب ۱۹۸۴ء کی صدارتی مہم میں فرخان نے جیسی جیکسن کی حمایت کرنے کا فیصلہ کیا تو شروع میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سارے معاملات ٹھیک ٹھاک چلتے رہے۔ بہت سے مسلمانوں نے ووٹ ڈالنے کے لیے پہلی بار خود کو رجسٹرڈ کروایا۔[۷۷] شام کے ساتھ فرخان کے تعلقات نے گرفتار امریکی پائلٹ لیفٹننٹ گولڈمین کو رہائی دلانے میں جیکسن کی مدد کی[۷۸] اور جیکسن کو جب موت کی متعدد دھمکیاں ملیں تو ثمر اسلام والوں نے اس کی حفاظت کا حلف اٹھایا۔[۷۹] واشنگٹن پوسٹ کے سیاہ فام صحافی ملٹن کولمین[۸۰] کے ساتھ ایک گفتگو میں جیکسن نے یہودیوں اور نیویارک کے لیے سخت تنقیدی الفاظ (Hymies/Hymietown) استعمال کر دیئے تو کامیابی اس کے حریف کو حاصل ہوگئی۔ واضح رہے کہ یہ گفتگو اشاعت کے لیے نہیں تھی۔

اس سلسلے میں جیکسن نے جو کچھ معذرت کی وہ بھی فرخان کے غیر مصالحانہ بیانوں کے بوجھ تلے دب گئی۔ ریڈیو سے ایک تقریر نشر کرتے ہوئے اس نے کولمین کو غدار کہا۔ اگرچہ اس نے یہ بھی کہا کہ کولمین کو فی الوقت ''جانی نقصان'' نہیں پہنچے گا، تاہم اسے تنبیہ کی کہ ''ہم جلد ہی ایک دن تمھیں سزائے موت دیں گے، تم پوچھتے ہو کب؟ وہ وقت بھی آنے والا ہے جب اس ملک میں ہم برسراقتدار آئیں گے۔ اور ایسا دن دور نہیں ہے۔''[۸۱] یہ محض ایک خطیبانہ بیان ہے جس میں معاد (ممات اور حیات بعد ممات) کے عقیدے کے بارے میں نیشن آف اسلام کی تعلیمات کی طرف اشارہ ہے اور اس کے معنی لغوی اور غیر مذہبی طریقے سے اخذ نہیں کرنے چاہئیں۔ اگر اس کے بیانات کو دنیوی سیاق سباق میں سمجھنا ہے تو پھر سیاہ فام معاشرے کی عمرانی لسانیات کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ گمپرز نے واضح کیا ہے ''سیاہ فام سیاسی خطابت'' میں ''قتل کرنا'' محض ایک استعارہ ہے۔[۸۲] فرخان کے درج بالا بیان کا مطلب سیدھے سادھے الفاظ میں یہ ہوگا کہ کولمین کو ''بے اثر اور بے عزت بنا دیا جائے گا''۔ جب بعد میں فرخان نے کولمین سے ملنا چاہا اور اس وقت اپنے بیان کی وضاحت کی تو اس وضاحت سے بھی اس تعبیر کو تقویت ملتی ہے۔ فرخان نے کہا کہ میں نے کبھی رپورٹر (کولمین) کو دھمکی نہیں دی۔ میرا مطلب تو یہ تھا کہ اس پر اتنا ''معاشرتی دباؤ ڈالا جائے'' کہ وہ ''سیاہ فام برادری میں اچھوت بن کر رہ جائے۔''[۸۳]

اسی ریڈیو تقریر ہی میں فرخان کے کچھ دوسرے بیانات سے اور تنازع اُٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ یہودی ناقدوں نے فرخان کو ہٹلر کہا تھا۔ اس کے جواب میں فرخان نے کہا کہ ''ہٹلر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک عظیم آدمی تھا۔ وہ میرے لیے بحیثیت سیاہ فام کے عظیم نہیں تھا بلکہ بحیثیت جرمن کے وہ ایک عظیم جرمن تھا۔ اس نے پہلی جنگ عظیم کی ہزیمت خوردہ قوم کو اس کی شکست کی خاکستر سے اٹھا کر دوبارہ کھڑا کر دیا تھا۔ ہٹلر نے یہودیوں پر جو مظالم ڈھائے مجھے ان پر فخر نہیں" اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے فرخان نے کہا "لیکن میرا مقابلہ اپنے بدطینت قاتلوں سے مت کرو۔"[۸۴] ذرائع ابلاغ نے اپنی ساری توجہ لفظ "عظیم" پر مرکوز رکھی اور فرخان نے اپنے آپ کو ہٹلر کی مشابہت سے دور رکھنے کی جو کوشش کی تھی اسے یکسر نظر انداز کر دیا۔ ذرائع ابلاغ نے فرخان کے مذکورہ بیان کی مذمت اس قسم کی بڑی بڑی سرخیاں قائم کر کے کی۔ "جیکسن پال (جیکسن کا دوست یعنی فرخان) کا سلام ہٹلر کے نام"۔ جیکسن پال [دوست] کہتا ہے "ہٹلر عظیم تھا۔"[۸۵] فرخان نے کہا کہ اسے معلوم ہے کہ یہودیوں کو اس بات میں دلچسپی کیوں ہے کہ دوسرے لوگ ہٹلر کے بارے میں کیا کہتے ہیں کیونکہ "یہ ممکن ہے کہ لوگ جس انداز میں ہٹلر کو دیکھتے ہوں اسی انداز میں وہ کشتگان ہٹلر کو بھی دیکھتے ہوں" فرخان کی کوشش یہ تھی کہ جس طرح یہودیوں کا قتل عام ہٹلر کے ہاتھوں دنیا کی نظروں میں تھا ویسے ہی سیاہ فاموں کا قتل عام سفید فاموں کے ہاتھ دنیا کی نظروں میں آ جائے۔ اس نے کہا "یہودی حساس ہیں کیونکہ انھوں نے ظلم سہا ہے لیکن ہم سب حساس ہیں کیونکہ ہم نے بھی مظالم سہے ہیں.... ہم سیاہ فام بھی اپنے نقصانات کو دیکھتے ہیں۔ محتاط تخمینوں کے مطابق دس کروڑ سیاہ فام موت کے گھاٹ اتر گئے۔ ہمارے لیے کون آنسو بہائے گا؟"[۸۶] اس کے علاوہ الہامی تناظر بھی حاوی رہتا ہے۔ اگر سفید فام دنیا (جس میں یہودی شامل ہیں) روئے زمین پر پہلی انسانی نسل پر ڈھائے گئے مظالم کو تسلیم نہیں کرتی تو پھر آرمیگڈون کا آخری جسمانی معرکہء حق و باطل ناگزیر ہے:

> "اگر میں یہودی النسل ہوتا تو میں کہتا 'نہیں، دوبارہ ہرگز نہیں'۔ میں ہٹلر کو دوبارہ ابھرتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتا۔ میں یہودیوں سے کہتا ہوں کہ تم خدا سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ 'نہیں، دوبارہ ہرگز نہیں' کیونکہ ہم (انسان) اقتدار الٰہی پر کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم کسی دوسرے ہٹلر کو دوبارہ ابھرنے سے روک دیں لیکن اگر مشیت خداوندی ہم سب کے لیے تنور کی تیاری کا حکم دے دے تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ اگر آپ توریت پڑھیں (جیسے کہ میں پڑھتا ہوں) اگر آپ انجیل پڑھیں (جیسے کہ میں پڑھتا ہوں) اگر آپ قرآن پڑھیں (جیسے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں پڑھتا ہوں) تو (آپ دیکھیں گے کہ) خدا نے نوح کے زمانے میں تباہی کے لیے پانی کا وعدہ کیا تھا لیکن موجودہ دنیا کی بربادی کے لیے اس نے آگ کے بپتسمہ (غسل آتشیں) کا وعدہ کیا ہے کیونکہ یہ دنیا بالکل درہم برہم ہے۔ آپ خدا سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ نہیں، دوبارہ ہرگز نہیں۔ اگر ہم صراط مستقیم اختیار نہیں کرتے (اور وہ بھی جلد از جلد) تو پھر وہ (خدا) ہم سب کو جلتی بھٹی میں جھونک دے گا۔''[۸۷]

فرخان پر دوسرا الزام یہ لگا کہ اس نے یہودیت کو ''گندی نالی کا مذہب'' اور ''گندا مذہب'' کہا ہے۔[۸۸] لیکن فرخان کا اشارہ بجائے خود [یہودی] مذہب کی طرف نہ تھا۔ فرخان کا اشارہ مذہب کے غلط استعمال اور مذہب کے نام پر استبداد واستحصال کر کے دنیوی طاقت و دولت جمع کرنے کی انسانی عادت کی طرف تھا اور یہ عادت صرف یہودی مذہب والوں تک محدود نہیں بلکہ دنیا کے دوسرے تمام مذاہب کے ماننے والوں میں بھی موجود ہے مثلاً عیسائیت، بدھ مت، ہندومت اور اسلام۔ البتہ لگتا یہ ہے کہ صرف یہودی اتنے حساس اور چوکنے تھے کہ وہ سیاہ فاموں کی طرف سے اٹھنے والی غضب ناک پکار کی طرف توجہ دے پائے۔ فرخان نے کہا تھا'' خدا کے نام کے پیچھے چھپنا، عیسیٰ [علیہ السلام] کے نام کے پیچھے چھپنا، محمد [ﷺ] کے نام کے پیچھے چھپنا ہماری غلیظ حرکت ہے، ہم خدا کے نام پر ایک دوسرے کو مار رہے ہیں، تباہ کر رہے ہیں... خدا کے نام پر دھوکا دے رہے ہیں، چوری کر رہے ہیں، دغا دے رہے ہیں... یہ غلیظ مذہب ہے۔''[۸۹]

اس تنازع کے پیچھے مذہب اور تشخص کا مسئلہ ہے۔ فرخان یہودیوں اور یہودیت کے بارے میں جتنے بیانات دیتا ہے انھیں فرخان کی مذہبی تعلیمات کے سیاق و سباق میں دیکھنا چاہیے۔ نیشن آف اسلام کو ایک طرح سے سیاہ فام صیہونیت کہہ سکتے ہیں، جو ارض موعود کی مذہبی امید دلاتی ہے۔ اس عقیدے (کہ سیاہ فام لوگ اللہ کے خاص مقرب بندے اور میثاق الٰہی کے سچے محافظ ہیں) کا مطلب یہ ہے کہ انجیل میں درج بڑے کردار ہونے کا دعویٰ دو پارٹیاں کر رہی ہیں اور ان دونوں میں مقابلہ ہے۔ فرخان نے کہا'' یہودی مجھے اس لیے ناپسند کرتے ہیں کہ میں اُن کے بارے میں یہ کہتا ہوں کہ وہ خدا کے مقرب نہیں ہیں۔''[۹۰] فرخان نے پُرزور طریقے سے کہا'' میں سامی نسل کا مخالف نہیں ہوں۔ میں تو محض عالم دین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(theologian) ہوں، میں نے تو یہودیوں سے صرف یہ کہا تھا تم جھوٹے اور مکار ہو، تم مقربین خدا نہیں ہو۔ میں نے کہا تھا کہ جن سیاہ فام لوگوں نے سماوی صحیفوں کے مندرجات کے مطابق چار سو سال تک اذیتیں برداشت کی ہیں اللہ ان کے پاس آئے گا اور انھیں ایک ذہنی موت سے اٹھائے گا۔"[۹۱] نیشن آف اسلام کے ترجمان جریدے کا نام "فائنل کال" (آخری منادی) ہے۔ اس میں Original Hebrew Israelite Nation (اصل عبرانی اسرائیلی قوم) کے ارکان مضامین لکھتے رہتے ہیں، اس تعاون سے بھی فرخان کے مذکورہ بالا نقطہ نظر کو تقویت ملتی ہے۔[۹۲] فرخان کی جو مخالفت سفید فام یہودی کمیونٹی اور اہم امریکی ذرائع ابلاغ کی طرف سے ہوتی ہے اس سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ فرخان سچ کہہ رہا ہے۔ ذرائع ابلاغ والے عہد جدید کے صحائف نویس ہیں اور یہودی عہد جدید کے منافق ہیں اور یہ دونوں مل کر عہد جدید کے "نجات دہندہ" کو صلیب پر چڑھانے کی کوشش زور و شور سے کر رہے ہیں۔[۹۳]

بعض ذرائع ابلاغ نے نیشن آف اسلام کی جانب سے یہودیت کی مخالفت کا مطلب نکالا ہے کہ نیشن آف اسلام ایک قسم کی نازیت یا فسطائیت ہے۔ اس دلیل کی تائید میں نیشن آف اسلام اور دائیں بازو کے متعدد سفید فام انتہا پسندوں کے درمیان تعلقات کو زور و شور سے پیش کیا جاتا ہے۔ "برٹش نیشنل فرنٹ" (برطانوی قومی محاذ) کے ایک رسالے کا نام "نیشنلزم تو ڈے" (قومیت عصر حاضر میں) ہے۔ اس میں نیشن آف اسلام کے ترجمان ولی عبدالمحمد کا ایک باتصویر مضمون چھپا جس میں برٹش نیشنل فرنٹ نے منسٹر فرخان کو سلام پیش کیا۔[۹۴] اپنی ایک مہم کے دوران برٹش نیشنل فرنٹ نے پوسٹر چھپوائے جن میں فرخان کی تصویر تھی اور اس کے نیچے یہ الفاظ درج تھے "لوئی فرخان۔ وہ اپنی قوم کے لیے بولتا ہے اور ہم اپنی قوم کے لیے۔"[۹۵] فرخان نے "کلکس کلان" (K K K) کے لیڈر ٹام میزگر سے چندہ بھی قبول کیا[۹۶]۔ دسمبر ۱۹۹۰ء میں لاروشے کے مقام پر ہونے والی کانفرنس میں نیشن آف اسلام کے نمائندے عبدالعلیم محمد نے بھی تقریر کی۔[۹۷] جنوری ۱۹۹۱ء میں جرمن جدید نازی گروپوں کے ساتھ نیشن آف اسلام بھی بغداد میں جنگ خلیج میں صدام حسین کو اپنی حمایت کا یقین دلانے کے لیے موجود تھی[۹۸]۔ اس قسم کی رپورٹوں کی بنا پر اخبار نویسوں کو یقین ہو گیا ہے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی بنیاد پرستوں اور جدید نازیوں کے ''نئے اتحاد'' میں نیشن آف اسلام بھی شامل ہے[۹۹] بلکہ وہ تو لیبیا، جدید نازیوں، اور نیشن آف اسلام کے ایک ''نئے محور'' (Axis) کی بات بھی کرتے ہیں۔[۱۰۰] اگرچہ اس قسم کے رابطے تو یقیناً ہوتے رہے ہیں، لیکن ان کی نوعیت کیا ہے؟ اس کا تجزیہ نہیں کیا گیا۔ اس ''نظریۂ اتحاد'' کی بنیاد نیشن آف اسلام کے مذہبی محرکات کی ناقص تفہیم پر ہے۔ نیشن آف اسلام اور سفید فام انتہا پسند قوم پرستی کے تعلق کو نیشن آف اسلام کے دینی تناظر میں دیکھنا ضروری ہے۔

نیشن آف اسلام اور مذکورہ سفید فام انتہا پسند قوم پرستوں کے تعلق کے بارے میں ایک راست سوال کا جواب دیتے ہوئے فرخان نے بلاواسطہ رابطوں سے تو انکار کیا تھا لیکن ایک گونہ باہمی مفاہمت کی تصدیق کر دی تھی۔ فرخان نے کہا تھا:

> ''میں ان میں سے کسی سے یا ان کے کسی لیڈر سے نہیں ملا۔ میں نے ان کو کوئی مراسلہ نہیں لکھا۔ نہ مجھے ان کی طرف سے کوئی مراسلہ ملا (لیکن) چونکہ وہ بھی (سفید فاموں اور سیاہ فاموں کے) ادغام کو اپنی نسل وقوم کی تباہی سمجھتے ہیں اور چونکہ میں بھی ایلجاہ محمد اور اس کے منصوبے کے حامی کی حیثیت سے ادغام کے حق میں نہیں بلکہ علیحدگی کے حق میں ہوں، اس لیے ان کا خیال ہے کہ ہم دونوں کا مفاد مشترک ہے۔ تاہم میرے اور کے کے کے یا اس جیسے اور گروپوں (جن کا آپ نام لے رہے ہیں) کے درمیان کوئی ربط ضبط نہیں ہے لیکن میں یہ بتلانا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے دل میں ہر اس سفید فام شخص کے لیے تعظیم ہے، جو اپنی نسل کو سفید فام رکھنا چاہتا ہے کیونکہ میں اپنی نسل کو سیاہ فام رکھنا چاہتا ہوں''۔[۱۰۱]

اس قسم کے استدلال کی نظیریں تاریخ میں بھی ملتی ہیں مثلاً میلکم ایکس اور مارکس گاروی کے خیالات میں۔ میلکم ایکس نے بار بار اعتراف کیا تھا کہ اسے اعلانیہ سفید فام نسل پرست، (بھیڑیا) ڈھکے چھپے سفید فام نسل پرست (لومڑی) سے زیادہ پسند ہے۔[۱۰۲] مارکس گاروے کا خیال تھا کہ کلکس کلان (کے کے کے) والے، ''سفید فام منافقوں کے تمام گروپوں کے مجموعے'' سے زیادہ، اپنی نسل کے ''بہتر دوست'' تھے۔ گاروے دیانت اور انصاف کو پسند کرتا تھا۔ اس کو یقین تھا کہ، ''سفید فام دراصل کلان کا آدمی ہے ... اور اس میں کذب وافترا سے کوئی فائدہ نہیں۔''[۱۰۳] اس دلیل کی تہ میں سفید فام کی باطنی صفات کے بارے میں ایک یقین ہے جو میلکم، گاروے اور فرخان میں مشترک ہے۔ منسٹر فرخان ایک طرف تو ''ہمیشہ سیاہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فام کمیونٹی کی مدافعت'' کا عہد کرتا ہے لیکن دوسری طرف وہ سیاہ فاموں پر سفید فاموں کے حملوں کو معمول کا طرزِ عمل بھی قرار دیتا ہے، کیونکہ اس کے نزدیک ایسا کرنا ''سفید فاموں کا فطری'' میلان ہے۔[۱۰۴]

نسلی عصبیت و مخالفت اُس دور کی علامت بن گئی ہے جس میں ہم سانس لے رہے ہیں۔ آخری معرکہ (حق و باطل) سے پہلے کے عبوری دور میں قوموں کو ایک دوسرے سے الگ رہنا ہے۔ جیسا کہ انجیل میں درج ہے ''اس روز ہر شخص اپنی اپنی سمت جائے گا اور اپنے اپنے زیتون اور انجیر کے درختوں تلے پناہ پائے گا۔'' مسٹر فرخان کا کہنا ہے،[۱۰۵] کہ نیشنل فرنٹ کی زیرِ ہدایت کیا جانے والا نسلی تشدد ''ایک ڈرامے کا حصہ ہے، اسی عالمی ڈرامے کا جس کی پیشین گوئی نبیوں نے کی تھی۔'' اب نسلِ اول کے اپنے ذہنی خوابِ غفلت سے بیدار ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ ان کے لیے لازم ہے کہ وہ سفید فاموں کی فطرتِ بد کا ادراک کریں اور بابل سے باہر نکل آئیں تاکہ عقوبت خداوندی کا آخری مرحلہ شروع ہو سکے۔ وقت آنے پر کو کلس کلان اور نیشنل فرنٹ دونوں ہی کے افراد مٹا دیے جائیں گے لیکن فی الحال ان کی ایک افادیت ضرور ہے۔ تعلیمی اور تدریسی اعتبار سے کھلم کھلا شیطانوں کے کردار میں وہ بالکل موزوں ہیں۔ اور اگرچہ فرخان یہ کہتا ہے کہ ''میں اپنے لوگوں کے خلاف ان کے تشدد کو پسند نہیں کرتا'' تاہم اس کا عقیدہ ہے کہ یہ سفید فاموں کا تشدد پیشین گوئی کے مطابق ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ''سیاہ فاموں پر سفید فاموں کے تشدد سے وہ پیشین گوئی پوری ہو رہی ہے کہ سیاہ فام اتنے تنگ آ جائیں کہ وہ یہاں نہ رہ سکیں''۔[۱۰۶] یہی الہامی تناظر فرخان کی طرف سے صدام حسین کی حمایت کا جواز بھی مہیا کرتا ہے۔ نیشن آف اسلام کے عقیدۂ معاد کے مطابق آخری معرکہ حق و باطل مغربی ایشیا میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مابین، سفید فاموں اور غیر سفید فاموں کے مابین آویزش سے شروع ہو گا۔ فرخان کو توقع تھی کہ قیامت اب آیا ہی چاہتی ہے چنانچہ اس نے اِس بات کا اعلان کر دیا تھا، لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہ اعلان اس نے ذرا قبل از وقت کر دیا۔ اس نے کہا ''معرکۂ آرمیگڈون (آخری معرکہ حق و باطل) یہی ہے''۔[۱۰۷]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امریکا کو انتباہ

عراق کی سیکولر بعث پارٹی اور نیشن آف اسلام کے درمیان ایک اور قدر مشترک بھی ہے۔ ان دونوں کا تصور نسل نامیاتی (organic) ہے یعنی یہ کہ ایک نسل سے تعلق رکھنے والوں کی سوچ، ان کے رویے اور ان کے عمل میں ہم آہنگی ہوگی۔ نسل کے متعلق اس نظریئے کا مآخذ انیسویں صدی کے ان نظریوں میں تلاش کیا جا سکتا ہے جو ''نسل'' پر مرکوز تھے۔ یہاں ''نسل'' کا لفظ عہد جدید کے حیاتیاتی معنی میں نہیں بلکہ جرمن زبان کے لفظ ''فوک''(Volk) کے معنی میں استعمال کیا جا رہا ہے جس کے معنی ہیں جداگانہ اور ممیز ''شخصیات''، جن میں سے ہر ایک تکمیل انسانیت کے عمل میں اپنا اپنا جداگانہ کردار ادا کرتی ہے۔ کلاسیکی سیاہ فام قوم پرستوں مثلاً الیگزینڈر کرمیل، ڈبلو ای بلائیڈن اور ڈبلو ای بی ڈیو بوائے، پر وان ہرڈر، شلیر میکر، وان ٹریشے اور گوئی زوٹ کے اثر کو موسز نے نوٹ کیا ہے۔[۱۰۸] نامیاتی نظریہ سیاہ فام قوم پرستی میں غلامی سے رہائی پانے سے لے کر مارکس گارے کے زمانے تک غالب رہا اور اسی نظریئے کو نیشن آف اسلام نے اپنا لیا۔ اس نظریئے کی کلاسیکی شکل کے مطابق، خلقی نسل (organic race) کا ڈھانچہ ویسا ہی ہوتا ہے، جیسا کہ تحکم پسندانہ مجموعے کا، جس میں ایک سربراہ باقی سب پر حکمرانی کرتا ہے۔ تاریخ کے متعلق نظریہ یہ ہے کہ وہ دائروں میں گردش کرتی رہتی ہے، جس کے تحت مختلف نسلیں عالمی قائد اور رہنما کے طور پر یکے بعد دیگرے ابھرتی رہتی ہیں۔ اس میں یہ مفہوم مضمر ہے کہ مختص کمتر حیثیت کو توامرِ واقعہ پر قبول کر لیا گیا ہے لیکن اس اذیت سے نکلنے کا ایک عملی راستہ بھی مقرر کر دیا گیا ہے۔ مسٹر فرخان کے انقلابی علیٰحدگی پسند زور خطابت کے باوجود اس کے تجویز کردہ لائحہ عمل کے تجزیئے سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیشن آف اسلام ایک ایسے نظریئے کی حامی ہے جس پر گردوپیش کی ثقافت میں ڈھل جانا نہ صرف شامل بلکہ غالب ہے۔ اسے خودتمدنی کے ایک منصوبے کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے جو اگر کامیاب ہو گیا تو سیاہ فام برادری کلیتہً روایتی متوسط طبقے کے معیاروں میں سما جائے گی۔

فرخان کہتا ہے، کہ ''وہ ایک 'انحطاط پذیر تہذیب' کے دور میں رہ رہا ہے جس میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

'معاشرے کے انتشار' اور 'معاشرتی نظم کی شکست و ریخت' کی تمام علامات موجود ہیں۔"[109] اگر امریکی حکومت اپنی پالیسیاں نہیں بدلتی اور اگر امریکی عوام اپنی مکمل اصلاح نہیں کرتے تو امریکا کا زوال دور نہیں ہے اور اسے خدا تباہ کر دے گا۔" فرخان کے نزدیک موجودہ سیاہ فام کمیونٹی کے موجودہ معیار اور اولین مقدس (آسمانی) تہذیب کے اعلیٰ معیار میں فرق بہت زیادہ ہے۔ فرخان کہتا ہے کہ "افریقی امریکی امریکا میں 'مجرمانہ زندگی' گزار رہے ہیں ایک نہایت 'ظالمانہ اور وحشیانہ زندگی'۔ اگرچہ ہم میں حیرت انگیز مسلمان بننے کی صلاحیت موجود ہے لیکن ہماری حالت ایسی ہے کہ کوئی مہذب معاشرہ ہمیں اپنے اندر شامل کرنے کو تیار نہیں"۔[110] وہ سیاہ فام نوجوانوں کے اخلاق کی مذمت کرتے ہوئے کہتا ہے "تمہاری کھوپڑیوں میں چرس، تمہاری رگوں میں حشیش، تمہاری ناکوں میں کوکین اتنی بھری ہوئی ہے اور سوشل پارٹیوں میں تم ایک دوسرے کا جنسی تعاقب اس بری طرح کرتے ہو کہ جیسے تم 'جدید روم' (a modern Rome) کی تعمیر کر رہے ہو"۔ روایتی سیاسی طریقوں سے سیاہ فاموں میں تغیر و تبدیلی کی امید رکھنا عبث ہے۔ فرخان کہتا ہے "کوئی سیاست داں کسی کو نہیں بچا سکتا۔ سیاست داں کا کاروبار نجات دلانا نہیں ہے۔ سیاست داں تو غنڈے ہیں، کوئی فاحشہ تمہیں نہیں بچا سکتی"۔[111]

سیاہ فاموں کے لیے واحد راہ نجات نیشن آف اسلام کی رہنمائی میں "نسلی ترقی" کی راہ پر چلنا ہے۔ جہاں تک پرانی نیشن آف اسلام کا تعلق ہے، اس نے جو عبوری معاشرتی پروگرام دیا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاشرے نے تنظیم (نیشن آف اسلام) کی صلاحیتوں کو تسلیم کر لیا ہے۔ جب واشنگٹن کے ایک پسماندہ علاقے سے (جہاں سیاہ فام رہتے تھے) "ثمر اسلام" نے منشیات کا کاروبار کرنے والوں کو نکال باہر کرنے کی مہم چلائی تو ثمر اسلام کا نام "نشہ شکن" (Dopebusters) پڑ گیا۔[112] جن بہت سے مسلمانوں کو اعزازات سے نوازا گیا مسٹر ڈان محمد ان میں سے ایک ہیں۔ ان کے ذمے امریکا کے مشرقی ساحل پر نیشن آف اسلام کی سرگرمیوں میں رابطہ قائم کرنے کا کام ہے۔[113] "ایک سیاہ فام معیشت قائم کرنے" اور سیاہ فاموں کو "خود کفیل" بنانے کی غرض سے ایک پروگرام شروع کیا گیا ہے جو People organized and working for Power

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Economic Rebirth کا مخفف ہے یعنی ''معاشی احیائے نو کی خاطر منظم و مشغول عوام'' کے نام سے شروع کیا گیا جس کا مقصد ''امریکا میں سیاہ فاموں کو ان کی پہلے جیسی صنعتی و تجارتی عظمت دوبارہ واپس دلوانا تھا''۔[۱۱۴] معاشی ایمپائر کی تشکیل نو کی خاطر مختلف شعبوں مثلاً شیمپو اور جسم کی دیکھ بھال سے متعلق مصنوعات، مچھلیوں کی درآمدات، ریستوران، بینک وغیرہ میں کاروباری ادارے قائم ہونا شروع ہو گئے ہیں،[۱۱۵] لیکن نیشن آف اسلام اپنی سابقہ معاشی قوت سے اب بھی بہت دور ہے۔

نیشن آف اسلام کے ممبر روایتی اقدار، مثلاً خدا، قوم، جوہری (میاں بیوی اور بچوں پر مشتمل) کے حق میں بولتے ہوئے اپنے آپ کو ایک ایسا اخلاقی سورما سمجھتے ہیں جو انحطاط کے اژدہے کا قلع قمع کرنے پر مامور ہے۔ فرخان کہتا ہے ''خدا نے ہم (انحطاط پذیر برادری) میں سے ایک گروہ پیدا کیا اور ہمیں زندگی بخشی۔ ہم ایلیجاہ محمد کے گواہ ہیں، ہم صاحب کردار ہیں، تیز اور منظم ہیں۔ ہم تمباکو نوشی نہیں کرتے، ہم شراب نہیں پیتے اور منشیات استعمال نہیں کرتے۔ اس طرح ہم اپنے خاندان کو تقویت پہنچاتے ہیں۔''[۱۱۶] اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسٹر فرخان کی نظر میں صرف سیاہ فام ہی سیاہ فاموں کی دیکھ بھال کر سکتے ہیں، کیونکہ صرف سیاہ فاموں کے دل میں سیاہ فاموں کا درد ہوتا ہے۔ وہ فطرتاً فرشتہ خصلت ہیں اور اگر انھیں ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو ان کا طرز عمل بھی فرشتوں ہی جیسا ہوگا۔ اگر ان پر سفید فام معاشرے کا اثر نہ ہو تو ملکوتی سیاہ فام نوع انسانی میں وہی اتحاد دوبارہ پیدا کر سکتے ہیں جو ابتدائے آفرینش میں ان میں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امریکا کے معاشرتی مسائل کا واحد حل دونوں کی ایک دوسرے سے علیحدگی ہے۔

فرخان نے امریکی کانگریس اور امریکی صدر سے کہا کہ ''آپ افریقی امریکیوں کے بارے میں پریشان ہونا چھوڑ دیجیے، ہمارے سیاہ فام بھائیوں کو قید سے رہا کر دیجیے، اپنے خستہ حالوں کو ہمارے سپرد کر دیجیے...، انھیں مجھ کو دے دیجیے۔ میرے لوگوں کو جانے دیجیے۔''[۱۱۷] ''ہم سزا یافتہ مجرم کی اصلاح کر سکتے ہیں، آپ نہیں کر سکتے۔ ہم منشیات کے عادی لوگوں کی اصلاح کرتے ہیں، آپ نہیں کرتے۔ ہم شرابیوں اور بدکرداروں کی اصلاح کرتے ہیں، آپ نہیں۔ ہم مفلسوں کو اپناتے ہیں اور انھیں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل بنا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر ان کی زندگی کو پر امید بناتے ہیں۔ آپ ایسا نہیں کرتے۔ آپ کے مسئلے کا حل ہمارے پاس موجود ہے"۔[۱۸]

دوسری صورت فوری تباہی ہے۔" خدا خود امریکا سے ناراض ہے۔[۱۹] اس لیے اس نے مسیح کو بھیجا ہے تاکہ وہ دنیا کا جائزہ لے، اپنا فیصلہ دے اور ایمان والوں کو جنت موعود اپنی رہنمائی میں لے جائے":

> "اور میں نے ایک نئی جنت اور ایک نئی زمین کو دیکھا، کیونکہ پہلی جنت اور پہلی زمین تو گزر چکی تھیں... اور میں نے مقدس شہر 'یروشلم جدید' کو دیکھا کہ وہ جنت سے، خدا کے پاس سے اس طرح نیچے آرہا ہے جیسے کوئی دلہن بن ٹھن کر اپنے خاوند کے پاس جاتی ہے: پھر میں نے آسمانوں سے اٹھتی ہوئی ایک بلند آواز سنی جو کہہ رہی تھی ... خدا خود ان کے پاس ہوگا اور ان کا خدا ہوگا۔ اور خدا ان کی آنکھوں کے سارے آنسو پونچھ ڈالے گا اور پھر نہ موت ہوگی، نہ غم ہوگا، نہ گریہ وزاری ہوگی؛ نہ درد و کرب ہوگا، کیونکہ یہ ساری چیزیں تو اب ماضی کا قصہ بن چکی ہوں گی۔ اور پھر وہ جو تخت پر بیٹھا تھا اس نے کہا 'دیکھو! میں نے اب ہر چیز کو نیا بنا دیا'۔"[۲۰]

حواشی

۱۔ جس زمانے میں نیشن آف اسلام کی قیادت الیجاہ محمد کے ہاتھوں میں تھی اس وقت ان لوگوں کے بارے میں لکھنے والوں میں سندی ایرک لنکن کو سب سے بڑی سند سمجھا جاتا تھا۔ اس نے چونکہ ان کے لیے "سیاہ فام مسلم" کی اصطلاح استعمال کی تھی اس لیے ان کا نام "سیاہ مسلم" پڑ گیا لیکن چونکہ اس کے ممبران خود اپنا صحیح نام "نیشن آف اسلام" سمجھتے ہیں لہٰذا اس مضمون میں ان کے لیے یہی نام استعمال کیا گیا ہے۔

۲۔ سی ایرک لنکن نے جو مقالہ لکھا، اس کا عنوان تھا The Black Muslims in America (بوسٹن: بیکن پریس، ۱۹۶۱ء۔ ۱۹۷۳ء میں اس پر نظر ثانی ہوئی)۔ نائجیریا کے رہنے والے ای ای ایزن اودوم کے مقالے کا عنوان تھا Black Nationalism (شکاگو: یونیورسٹی آف شکاگو پریس، ۱۹۶۲ء)۔ منسٹر فرخان کی زیر قیادت نیشن آف اسلام کے بارے میں تاحال کوئی جریدہ یا تحقیقی مقالہ (monograph) تو دستیاب نہیں البتہ متعدد گرانقدر مضامین ضرور چھپے ہیں مثلاً بالخصوص لارنس ایچ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مامیہ کا مضمون "From Black Muslim to Bilalian: The Evolution of a Movement," *Journal for the Scientific Study of Religion,* جلد ۲، شمارہ ۲ (جون ۱۹۸۲ء) اور "Minister Louis Farrakhan and the Final Call: Schism in the Muslim Movement", *The Muslim Community in North America* زیرادارت: ارل ایچ وا، بہاابولبان اور ریگولا بی قریشی (ایڈمنٹن: یونیورسٹی آف البرٹا پریس، ۱۹۸۳ء)۔

۳۔ ایلیجاہ پول ۷راکتوبر ۱۸۹۷ء کو جارجیا کے شہر سینڈرس ویل میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے کلارا سے شادی جارجیا کے مقام کورڈیل میں ۱۹۱۹ء میں کی تھی (کلارا ایوانز کی بیٹی تھی اور ۲رنومبر ۱۸۹۹ء کو جارجیا میں پیدا ہوئی تھی)

۴۔ اس ابتدائی دور میں، نیشن آف اسلام کے لیے دیکھئے ایرڈ مین ڈی بینان "The Voodoo Cult Among Negro Migrants in Detroit", *American Journal of Sociology* ۴۳، نمبر ۶ (مئی ۱۹۳۸ء) اور ڈبلو ڈی فرد کے اسباق نمبر ا اور نمبر ۲۔ پیغمبر خدا کی عرفیتیں تو اور بہت سی تھیں لیکن نیشن آف اسلام والے اسے اکثر اوقات جن ناموں سے پکارتے تھے وہ یہی تھیں۔

۵۔ شروع میں طریقہ یہ تھا کہ مذہب تبدیل کرنے والے سے اپنے اصلی نام کے لیے ایک تحریری درخواست لی جاتی تھی۔ اس کے اصلی نام کی تصدیق خدا (فرد محمد) خود کرتا تھا اور وہی درخواست کنندہ کو وہ نام دیتا تھا۔ لیکن بعد میں اُس نے نیشن آف اسلام کے ممبروں کو ان کے اصلی اسلامی نام بتانے کے معاملے میں قدرے سخت برتی شروع کردی اور دور غلامی میں کھو جانے والے نام کے آخری حصے کی علامت کے طور پر معروف ''ایکس'' کو اختیار کرلیا گیا۔ ایکس خدا کی پراسراریت کی علامت بھی تھی اور سیاہ فام شخص میں خفتہ اور نیشن آف اسلام میں ظاہر مقدس اور آسانی فطرت کی علامت بھی۔ جوں جوں ماننے والوں کی تعداد بڑھنے لگی، تو ایک ہی نام کے کئی آدمیوں میں تمیز کرنے کے لیے نام کے ساتھ ایک عدد کا اضافہ کیا جانے لگا مثلاً، جیمس ایکس کے نام کے کئی آدمی ایک ہی مسجد میں آتے تھے تو انھیں جیمس ایکس، جیمس ٹو ایکس، جیمس تھری ایکس وغیرہ تاریخ وار پکارا جانے لگا، (تاریخ سے مراد رکنیت کی درخواست دینے کی تاریخ)

۶۔ محمد یونیورسٹی آف اسلام، *Year Book No. 2*، ۱۹۷۳ء صفحات ۲۴ و مابعد۔

۷۔ یہ ایلیجاہ محمد کی *Message to the Blackman* (فلاڈیلفیا: حلیمس پبلی کیشنز، ۱۹۶۵ء) پر مبنی ہے۔ *The Fall of America* (شکاگو: Muhammad's Temple of Islam No.2 ۱۹۷۳ء) اور *Our Saviour Has Arrived* (شکاگو: Muhammad's

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Temple of Islam No. 2، ۱۹۷۴ء) اور "Mr. Muhammad Speaks"
(۱۹۶۶ء تا ۱۹۷۵ء میں پیغمبر ایلجاہ کے مضامین۔)

۸۔ ان میں ہم پاتے ہیں تمام رستافیرین (Rastafarian) میلانات، افریقی روایت پرست چرچ، اور ایتھوپیا اور ابی سینیا کے مختلف چرچ۔

۹۔ ایسے متعدد "سیاہ فام عبرانی فرقے" ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اصلی یہودی اور صحیفوں میں مذکور ممتاز کردار سیاہ فام تھے۔ صنعتی شمالی امریکا، کے ان کے مضبوط گڑھ کے علاوہ ان کے اجتماعات جزائر غرب الہند (Caribbean) اور اسرائیل میں ہیں۔ وطن موعود میں سیاہ فام عبرانی زیادہ تر ریاست ہائے متحدہ امریکا خصوصاً نیویارک سے نقل مکانی کر کے گئے (سیاہ فام عبرانیوں کو ایتھوپیا کے فلاحوں (Falashas) کے ساتھ خلط ملط نہ کیا جائے) اور اپنے وطن میں اب اذیت اور نسل پرستی کا شکار ہیں۔ بہت سے (سفید فام) یہودی سیاہ فام تارکین وطن کے عبرانی تشخص کو تسلیم نہیں کرتے، لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے وہ امریکا میں دوسرے درجے کے شہری تھے اور اب وہ اسرائیل میں دوسرے درجے کے شہری ہیں۔

۱۰۔ یہ دعویٰ کرنے والے، کہ اسلام افریقی امریکیوں کا فطری مذہب ہے، کئی سیاہ فام قوم پرست مذاہب تھے۔ نیشن آف اسلام ان میں سب سے پہلی نہیں تھی۔ اس کی ایک اہم پیش رو مورش سائنس ٹیمپل آف امریکا تھی جس کی بنیاد نوبل ڈریو علی (پہلے ٹموتھی ڈریو) نے ۱۹۱۳ء میں رکھی تھی۔ ان کا دعویٰ ہے کہ سیاہ فام لوگ مورش (مراکش کے بربر اور عرب کی مخلوط نسل) ہیں اور یہ کہ وہ قدیم ایشیائی موابی (Moabite) قوم کے جانشین ہیں جو مکے کی حکمران تھی اور یورپی غلبے سے پہلے ایشیاء، افریقہ اور امریکا میں بستی تھی۔ تصوف اور معرفت کے زیر اثر نوبل ڈریو علی نے ایک "قرآن" تصنیف کیا اور اسے اپنے مسلک کے صحیفہ کی حیثیت دی۔ مورش مذہب کا عروج ۱۹۲۰ء کے عشرے تک تھا جو اس کے پیغمبر کے انتقال کے ساتھ ۱۹۲۹ء میں ختم ہوگیا۔ اس کے بعد یہ تحریک مختلف تحریکوں میں بٹ گئی جن میں سے ایک فرقے کی سربراہی اسے ملی جس کے بارے میں عقیدہ تھا کہ وہ نوبل ڈریو علی کا نیا جنم تھا اور دوسرے فرقے کا سربراہ ایک شیخ تھا، جو علی سے روحانی ہدایت حاصل کرتا تھا۔

۱۱۔ یہ تصور امام ولیس (بعد میں وارث) دین محمد کا وضع کردہ تھا جس سے نیشن آف اسلام کی ایک بڑی جماعت کو روایتی اسلام کی جانب لے جانے کے عمل کے دوران میں کام لیا گیا۔

۱۲۔ لوئی فرخان، "The Origin of the White Race: The Making of the Devil" ۲۳/اپریل ۱۹۸۹ء کو شکاگو کی مسجد مریم میں دیا گیا ایک خطبہ۔

۱۳۔ محمد، *Message to the Blackman* ص ۱۶۱۔

۱۴۔ ایضاً ص ۱۷۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۵۔ لنکن، The Black Muslims in America ۱۹۷۳ء کا ایڈیشن ص ۹۷۔
۱۶۔ محمد، The Fall of America ص ۹۷، ۱۹۳۴ء میں سرکاری محکمہ تعلیم سے ایک اختلاف کے باعث، ان اسکولوں کو نجی اسکولوں کے طور پر اجازت دی گئی ہے۔
۱۷۔ دیکھئے محمد Message to Blackman ص ۲۳۷ تا ۲۴۰۔
۱۸۔ ایلیجاہ The Flag of Islam (شکاگو: محمد کا ٹیمپل آف اسلام نمبر ۲، ۱۹۷۴ء)۔
۱۹۔ یہ مسلح نہیں ہوتے لیکن مارشل آرٹ پر عبور حاصل کرتے ہیں۔ اس کا زنانہ حصہ Muslim Girls Training - General Civilization Class (ایم جی ٹی۔ جی سی سی) کہلاتا ہے۔ اس کی سرگرمیاں لڑکیوں کو تعلیم اور نظم وضبط کی تربیت دینے تک محدود رہتی ہیں۔ لڑکیوں سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ نیشن آف اسلام کے خارجی دفاع میں حصہ لیں۔
۲۰۔ ایف بی آئی کی فائلیں، 9/1/43، 100-6582-45 اور 11/9/43، 100-6582-151۔
۲۱۔ برنارڈ کشمیر، This is the One: Messenger Muhammad We Need not Look for Another (فینکس: ٹروتھ پبلیکیشنز، ۱۹۷۱ء ص ۳۹ تا ۴۰)
۲۲۔ ایف بی آئی فائل (?)-100-448006 شکاگو فائل 100-36535 ڈیلی بی، 4/22/68۔
۲۳۔ ایف بی آئی فائل 105-24822-133 مراسلہ جے ایف بلانڈ بنام سی ڈبلو سلیوان 2/7/64۔
۲۴۔ ایف بی آئی فائل 100-448006-626، اسپیشل ایجنٹ شکاگو بنام ڈائریکٹر 1/22/69۔
۲۵۔ ایف بی آئی فائل (?)-100-448006 ڈائریکٹر، ایف بی آئی بنام اسپیشل ایجنٹ شکاگو، البانی، 8/25/67۔
۲۶۔ ایف بی آئی فائل 3/4/68، 100-48006-17۔
۲۷۔ ایف بی آئی فائل 100-448006، شکاگو فائل 4/22/68، 157-2209۔
۲۸۔ ایلیجاہ محمد کو کئی بار گرفتار کیا گیا، لیکن دوسری جنگ عظیم میں فوجی بھرتی کے لیے اپنے آپ کو رجسٹر نہ کروانے کی وجہ سے وہ صرف ایک بار جیل خانے گیا۔ ۱۹۴۲ء میں وہ گرفتار ہوا۔ اسے پانچ سال کی سزا ہوئی لیکن ۱۹۴۶ء میں اسے پیرول پر رہا کر دیا گیا۔ ایف بی آئی فائل 105-248-22-25، 8/9/57۔
۲۹۔ ایسا ہی بار ہوا۔ قابل ذکر لاس اینجلس میں ۱۹۶۲ء میں اور نیویارک میں ۱۹۷۲ء میں جب خون خرابہ ہوا (ملاحظہ ہو Muhammad, Message to the Blackman ص ۲۱۶ تا ۲۲۷ نیویارک ٹائمز | ۵/اپریل ۱۹۷۲ء | "Mr Muhammad Speaks" | ۲۸/اپریل ۱۹۷۲ء |)۔
۳۰۔ ایف بی آئی کے بعض مخبر نیشن آف اسلام کی مخبری کرتے کرتے نیشن آف اسلام میں شامل ہو گئے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اپنے افسروں کے خلاف ہو گئے (فرخان، انٹرویو ۱۸رمئی ۱۹۸۹ء)

۳۱۔ ریاست الی نوائے کی طبی سندِ وفات نمبر ۶۰۵۴۰۸ مورخہ ۲۵رفروری ۱۹۷۵ء، موت کے اسباب تھے "گھٹن کی وجہ سے حرکت قلب بند ہو جانا اور خون کی شریان کا بہت زیادہ دبیز ہو جانا۔"

۳۲۔ سی ایرک لنکن، "The American Muslim Mission in the Context of American Social History"، مطبوعہ The Muslim Community in North America، زیر ادارت وا، ابولبان اور قریشی؛ اور "The Muslim Mission in the Context of American Social History" مطبوعہ African American Religious Studies تدوین، جی ولمور (ڈرہم، نارتھ کیرولینا: ڈیوک یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۹ء)؛ مَیاس گارڈل، "Religios nationalism och nationalistisk religion: om den senaste utvecklingen inom politisk islam i det svarta USA," Svensk Religionshistorisk Arsskrift، نمبر ۳(۱۹۸۸)۔

۳۳۔ سڈنی آر شریف The African American (Bilalian) Image in Crisis (جرسی سٹی، نیو جرسی: نیو مائنڈ پروڈکشنز، ۱۹۸۵ء) ص ۹۵۔

۳۴۔ ایضاً، ص ۷۱۔

۳۵۔ روایتی اسلام میں بیان کردہ بلالؓ ابن رباح کے حالات کے لیے دیکھئے، محمد عبدالرؤف، Bilal Ibn Rabah (ٹاکوما پارک، میری لینڈ: امریکی ٹرسٹ پبلی کیشنز، ۱۹۷۷ء)۔

۳۶۔ شریف، The African American Image، ص ۱۱۵، Muslim Journal (۲۰رراگست، ۱۹۸۷ء، ۴رستمبر ۱۹۸۷ء)۔

۳۷۔ برادر لقمان، گفتگو، ۲۸راگست ۱۹۸۷ء اور برادر عبداللہ، گفتگو، ۳۰راگست ۱۹۸۷ء۔

۳۸۔ وارث ڈی محمد (وارث الدین ویلس)، Challenges That Face Man Today (شکاگو: ڈبلو ڈی محمد پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء) ص ۱۵۰ "Mr Muhammad Speaks" ۲۵رجولائی ۱۹۷۵ء)۔

۳۹۔ شریف، The African American Image، ص ۱۱۸۔

۴۰۔ وارث ڈی محمد Focus on Al-Islam (شکاگو: زکوٰۃ پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء) ص ۸۲۔

۴۱۔ فرخان، انٹرویو، ۱۱رمئی ۱۹۸۹ء۔

۴۲۔ Charisma کا لفظ یہاں تصوف کی صفت باطنہ کے اس ویبریائی معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ یہاں اسے ایک سماجی عمل، فرد اور گروہ کے درمیان ایک جدلیاتی منطقی تعلق سمجھنا چاہیے، جس کا نتیجہ ایسی قیادت کی شکل میں نکلتا ہے جسے مافوق البشری صفات کا حامل تصور کیا جاتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۳۔ *Chicago Daily Defender* (۷۲ رفروری ۱۹۷۵ء)۔

۴۴۔ فرخان، انٹرویو، ۱۸ رمئی ۱۹۸۹ء۔

۴۵۔ فرخان سے کارلوس رسل کا انٹرویو، *Chicago Daily Defender* آخر ہفتہ چھپنے والا بڑا ایڈیشن (۱۱ رفروری ۱۹۸۷ء)۔

۴۶۔ فرخان، انٹرویو ۱۸ رمئی ۱۹۸۹ء۔

۴۷۔ *Chicago Daily Defender* آخرِ ہفتہ چھپنے والا بڑا ایڈیشن (۳ ردسمبر ۱۹۷۷ء)۔

۴۸۔ برادر فریڈرکس ایکس، گفتگو ۱۲ رمئی ۱۹۸۹ء۔

۴۹۔ فرخان انٹرویو، ۱۱ رمئی ۱۹۸۹ء۔

۵۰۔ ایضاً۔

۵۱۔ *Chicago Daily Defender* (۲۶ رفروری ۱۹۷۵ء)۔

۵۲۔ طانتیلا محمد، *The Comer by Night* (شکاگو: آنریبل ایلیجاہ محمد ایجوکیشنل فاؤنڈیشن، ۱۹۸۶ء) ص ۸۴۔

۵۳۔ فرخان، انٹرویو، ۱۱ رمئی ۱۹۸۹ء۔

۵۴۔ ایضاً۔

۵۵۔ ایضاً۔

۵۶۔ فرخان، انٹرویو، ۱۸ رمئی ۱۹۸۹ء۔

۵۷۔ ایضاً

۵۸۔ آنے والے بیان کے ماخذ ہیں "ایضاً" اور شکاگو کی مسجد مریم میں کی گئی اس کی تقاریر "The Origin of the White Race: The Making of the Devil" (۲۳ راپریل ۱۹۸۹ء) اور "The Dawn - A New Beginning" (فروری ۱۹۸۹ء)

۵۹۔ فرخان، "The Origin of the White Race"

۶۰۔ مائیکل فوکالٹ، *Discipline and Punish: The Birth of the Prison* (ہارمنڈس ورتھ: پینگوئن بکس، ۱۹۷۹ء، پہلی اشاعت ۱۹۷۷ء) ص ۳۰۔

۶۱۔ فرخان، "The Origin of the White Race"۔

۶۲۔ فرخان، انٹرویو، ۱۱ رمئی ۱۹۸۹ء۔

۶۳۔ لنکن "The American Muslim Mission in the Context of American Social History" ص ۲۲۴۔

۶۴۔ ایلین ڈی آسٹن، *African Muslim in Antebellum America* (نیویارک: گارلینڈ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پبلشنگ، ۱۹۷۴ء)۲۹ تا ۳۶۔

۶۵۔ جیسا کہ جزائر سیالپو اور سینٹ سائمن میں ہوا، جہاں ۱۹۴۰ء میں محققین کی ایک ٹیم نے مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے اجتماعات میں منحرفین کو دریافت کیا دیکھئے *Drums and Shadows* جارجیاز رائٹرز پروجیکٹ (نیویارک: ڈبل ڈے اینکر بکس، ۱۹۷۲ء: پہلی اشاعت ۱۹۴۰ء) اور البرٹ جے ریوبو، *Slave Religion* (اوکسفرڈ: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۸ء)۔

۶۶۔ لنکن، "The American Muslim Mission in the Context of American Social History" ص ۲۱۹۔۲۲۱ اور "The Muslim Mission in the Context of American Social History" ص ۳۴۴ تا ۳۴۵۔

۶۷۔ بشپ ٹرنر نے مغربی افریقہ میں مسلمان اساتذہ کی تعریف کی (ایڈون ایس ریڈکی، *Black Exodus* | نیوہیون، کنیکٹی کٹ اور لندن: ییل یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۹ء | ص ۴۴) اور بلائیڈن نے بار بار افریقیوں کے بارے میں دونوں مذہبوں (عیسائیت اور اسلام) کے رویوں کے اختلاف کا ذکر کیا ہے: ''حبشی کا واسطہ عیسائیت سے بحیثیت غلام پڑا اور اگر وہ عیسائیت کا پیرو بنا بھی تو دور دور سے؛ اس کے برعکس محمدیت Mohammedanism (اسلام) سے اس کا واسطہ بحیثیت انسان (اور اکثر بحیثیت لیڈر) پڑا'' (ایڈورڈ ڈبلو بلائیڈن *Christianity, Islam and the Negro Race* | ایڈنبرا: ایڈنبرا یونیورسٹی پریس ۱۹۶۷ء، پہلی اشاعت ۱۸۸۷ء | ص ۲۳۱)۔ افریقہ میں استعماری قوتوں نے عیسائیت کی جو شکل پھیلائی بلائیڈن اس پر سخت نکتہ چینی کرتا ہے۔ اس کے نزدیک حملہ آوروں اور مقامی باشندوں کے درمیان عدم مساوات اسی وجہ سے مستقل و مستحکم ہوگئی۔ وہ نہایت چبھتے ہوئے لہجے میں کہتا ہے ''اسلام نسل، رنگ یا قومیت پر مبنی تمام امتیازات کو ختم کر دیتا ہے'' (بلائیڈن کا اقتباس ہولس لنچ نے دیا ہے، ایڈورڈ ولمٹ بلائیڈن، *Pan Negro Patroit* | لندن: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۷ء | ص ۷۴)۔

۶۸۔ فرخان، انٹرویو، ۱۸ مئی ۱۹۸۹ء۔

۶۹۔ فرخان، انٹرویو، ۱۱ مئی ۱۹۸۹۔

۷۰۔ ایضاً۔

۷۱۔ خانیطا محمد، *The Comer by Night* ص ۸۱۔

۷۲۔ ایضاً ص ۱۶، ۱۷ اور ۸۱۔

۷۳۔ ایضاً ص ۷۸۔

۷۴۔ ایضاً ص ۷۲، ۷۳۔

۷۵۔ فرخان، گفتگو ۱۹ مئی، ۱۹۸۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۷۶۔ قرآن پاک سورۃ ۳، آیت ۷۰۔ (ترجمہ وتفسیر یوسف علی [اسلامک پروپگیشن سینٹر انٹرنیشنل، ۱۹۴۶ء)

۷۷۔ Chicago Defender (۱۱رفروری ۱۹۴۸ء) یہ ایک نئی حکمت عملی تھی، پرانی نیشن آف اسلام شیطانی نظام انتخاب میں ہر قسم کی شرکت کی مذمت کرتی تھی۔ پرانی نیشن آف اسلام کے رویئے کے بارے میں دیکھئے ای محمد *Message to the Blackman* ص ۲۱۸۔

۷۸۔ Chicago Defender (۳رجنوری ۱۹۸۴ء) نیوز ویک (۱۶رجنوری ۱۹۸۴ء)۔

۷۹۔ Chicago Defender (۲۷رفروری ۱۹۸۴ء)۔

۸۰۔ Washington Post (۱۱رفروری ۱۹۸۴ء: ۲۲رفروری ۱۹۸۴ء)۔

۸۱۔ Washington Post (۳راپریل ۱۹۸۴ء: ۴راپریل ۱۹۸۴ء)۔

۸۲۔ جان گمپرز، *Discourse Strategies* (کیمبرج: کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۲ء) ص ۱۸۷ تا ۲۰۲۔

۸۳۔ Washington Post (۶راپریل ۱۹۸۴ء)۔

۸۴۔ ایضاً (۱۲راپریل ۱۹۸۴ء)۔

۸۵۔ ذرائع ابلاغ کے تاثرات، کے لیے دیکھئے جیف روبی، "The Rainbow in 1984: The Jackson - Farrakhan" اور *The Honorable Louis Farrakhan: A Minister for Progress"* (نیو یارک: نیوالائنس پروڈکشنز، ۱۹۸۶ء؛ اشاعت اول ۱۹۸۵ء) ص ۳۳۔ سی این این پر لیری کنگ کو انٹرویو دیتے ہوئے فرخان نے کہا "عظیم ایک ایسا اسم صفت ہے جس کے ساتھ کوئی اخلاقی وصف وابستہ نہیں۔ میکسیکو کا ۱۹۸۵ء کا زلزلہ بھی عظیم تھا اور شیطان بھی عظیم ہے۔"

www.KitaboSunnat.com

۸۶۔ لوئی فرخان، "A Time of Danger: The Signs of the Fall of America" ۲۹ر مارچ ۱۹۸۹ء کو میری لینڈ یونیورسٹی میں کی گئی ایک تقریر۔

۸۷۔ ایضاً۔

۸۸۔ Chicago Defender (۲۸رجون ۱۹۸۴ء)، فرخان، ایضاً۔

۸۹۔ فرخان، ایضاً۔

۹۰۔ لوئی فرخان، "Power at Last ... Forever" ۲۲رجولائی ۱۹۸۵ء کو واشنگٹن (ضلع کولمبیا) میں کی گئی ایک تقریر۔

۹۱۔ لوئی فرخان، "The Crucifision of Jesus: The Destruction of Black Leadership" ۲۶ر مارچ ۱۹۸۹ء کو شکاگو کی مسجد مریم میں کی گئی ایک تقریر۔

۹۲۔ *Final Call* (۱۱رمئی ۱۹۸۹ء)۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۳۔ فرخان، "The Crucifixion of Jesus: The Destruction of Black Leadership"

۹۴۔ *Searchlight* (دسمبر ۱۹۸۹ء)۔

۹۵۔ *Searchlight* (دسمبر ۱۹۸۶ء)۔

۹۶۔ *Searchlight* (دسمبر ۱۹۸۶ء)۔

۹۷۔ *In These Times* (۳۰ر جنوری ۱۹۹۱ء)۔

۹۸۔ *Dagens Nyheter* (۲ر فروری ۱۹۹۱ء)۔

۹۹۔ ایضاً۔

۱۰۰۔ *Searchlight* (ستمبر ۱۹۸۷ء)۔

۱۰۱۔ فرخان، انٹرویو، ۱۸رمئی ۱۹۸۹ء۔

۱۰۲۔ میلکم ایکس، "God's Judgement of White America" مشمولہ *The End of White World Supremacy* مدیر، بی کریم (نیویارک: سیور بکس ۱۹۷۱ء، ۱۹۶۳ء کی تقریر کی اشاعت ثانی) ص ۱۲۳۔

۱۰۳۔ مارکس گاروے، "*The Philosophy and Opinions II The Philosophy and Opinions by Marcus Garvey*" یا *Africa for the Africans* مدیرا ایمی گاروے (ڈوور، میساچوسیٹس: دی میجارٹی پریس، ۱۹۲۵ء، اشاعت ثانی ۱۹۸۶ء) ص ۷۱۔

۱۰۴۔ فرخان، انٹرویو، ۱۸رمئی ۱۹۸۹ء۔

۱۰۵۔ ایضاً۔

۱۰۶۔ ایضاً۔

۱۰۷۔ *In These Times* (۶ر فروری ۱۹۹۱ء)۔

۱۰۸۔ ولسن جے موزز، *The Golden Age of Black Nationalism* (نیویارک اور اوکسفرڈ: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۸ء) ص ۲۱ تا ۲۲، ۴۸ تا ۵۰، ۱۳۳ تا ۱۳۵۔

۱۰۹۔ فرخان، "A Time of Danger: The Signs of Fall of America"

۱۱۰۔ فرخان، انٹرویو ۱۱رمئی ۱۹۸۹ء۔

۱۱۱۔ فرخان، "The Crucifixion of Jesus: The Destruction of Black Leadership"

۱۱۲۔ دیکھیے *Final Call* (۳۱ر جولائی ۱۹۸۹ء)۔ جب واشنگٹن کی مسجد کے امام ڈاکٹر علیم محمد نے کانگریس کی رکنیت کے لیے انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا تو وہ بھی سیاست کی جانب نیشن آف اسلام کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رویّے میں تبدیلی کا ایک نیا مظہر تھا۔*Final Call* [۳۱ رمئی ۱۹۹۰ء]۔

۱۱۳۔ منسٹر ڈان محمد، انٹرویو، ۸ رجون ۱۹۸۹ء

۱۱۴۔ Nation of Islam Power Proclamation

۱۱۵۔ دیکھئے *Final Call* خصوصی ایڈیشن ۵، شمارہ ۱۳۔

۱۱۶۔ فرخان، انٹرویو، ۱۸ رمئی ۱۹۸۹ء۔

۱۱۷۔ فرخان، "The Origin of the White Race: The Making of The Devil".

۱۱۸۔ فرخان، انٹرویو ۱۸ رمئی ۱۹۸۹ء

۱۱۹۔ لوئی فرخان، "*Warning to the Government of America*" (شکاگو: آنریبل ایلجاہ محمد ایجوکیشنل فاؤنڈیشن، ۱۹۸۳ء) ص ۲۶۔

۱۲۰۔ Revelations ۲۱:۱ تا ۵۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۳

شہری مسلمان، تحریک دارالاسلام کی تشکیل

آر ایم مختار کرٹس

روایتی اسلام کی جانب ابتدائی کشش

تقریباً چالیس سال پہلے رجب محمود، اسحٰق عبدالشہید، یحییٰ عبدالکریم، حسن عبدالحمید، سلیمان عبدالہادی، لقمان عبدالعلیم اور چند دوسروں نے نیویارک میں افریقی امریکی نومسلموں کا ایک غیر منظم سا گروہ بنا لیا تھا۔[1] ۱۹۴۰ء سے شروع ہونے والی دہائی کے آخر میں اور ۱۹۵۰ء سے شروع ہونے والی دہائی کے شروع میں علاقہ نیویارک میں رہنے والے بہت سے افریقی امریکیوں کی طرح ان لوگوں نے بھی یا تو مسلمان تارکین وطن سے رابطے کی وجہ سے یا جاز موسیقی کے ذریعے اسلام قبول کیا تھا کیونکہ اس زمانے میں ہارلم میں بسنے والے بہت سے موسیقار مسلمان تھے۔[2] یہ نومسلم یا تو ان ریستورانوں میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے جنھیں جزائر غرب الہند سے آنے والے مسلمان چلا رہے تھے یا ان کلبوں میں ملتے تھے جہاں یا تو مسلمان تفریح مہیا کرتے تھے یا جو بھی اسلام سے متاثر رہ چکے تھے جیسے ڈاکوٹا اسٹیٹن، چارلی پارکر اور جان کولٹرین۔

فارغ اوقات میں جب یہ نومسلم ایک دوسرے سے ملتے تو وہ اکثر دارالاسلام (ایسا علاقہ جہاں مسلمان بلا خوف و خطر شعائر اسلام کے مطابق اپنی زندگی بسر کر سکیں) کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضرورت پر اظہار خیال کرتے۔[۳] یہ ان کی جانب سے امریکیوں کی اس نسل پرستی اور علیحدگی پسندی کا جواب تھا جو چودہ سالہ سیاہ فام ایمٹ ٹل کے بلا جواز اذیت ناک قتل اور مارٹن لوتھر کنگ اور میلکم ایکس جیسے سیاہ فام لیڈروں کی روز افزوں مقبولیت کی وجہ سے قومی شعور اس کا حصہ بن کر اور نمایاں ہو کر سامنے آ گیا تھا۔[۴] سفید فاموں کی طرف سے سیاہ فاموں کے گرجا گھروں اور ان کی رہائش گاہوں پر بم پھینکے جانے، افریقی امریکیوں کو اذیتیں دے کر بلا جواز ہلاک کر دیے جانے اور سیاہ فاموں اور سفید فاموں کے درمیان میل جول کی مخالفت کیے جانے کی اپنی تمام حرکتوں سے سفید فام یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ ان کے نزدیک سیاہ فام اتنے گھٹیا تھے کہ نہ ان سے سماجی یا سیاسی روابط ممکن تھے اور نہ ان کے کوئی حقوق تھے، جن کا سفید فام احترام کرتے''۔[۵]

سیاہ فاموں کی جانب سے نسلی تعصب کا ردعمل یہ ہوا کہ بہت سے سیاہ فام نوجوان غیر امریکی یا روایت شکن تشخص اور نظریہ حیات اپنانے پر مجبور ہو گئے، مثلاً وہ عیسائیت ہی سے بیزار اور منحرف ہو گئے۔[۶] سیاہ فاموں نے محسوس کیا'' سفید فام یہ سمجھتے ہیں کہ عیسائیت صرف ان کی میراث ہے، ساری مسیحی دنیا میں علیحدگی پسندی موجود ہے اور یہ کہ عیسائی نیگرو، عیسائیت کا ایک گھٹیا سیاہ حصہ ہیں۔[۷] مارٹن لوتھر کنگ جونیئر نے واشنگٹن کے قومی پریس کلب میں تقریر کرتے ہوئے کہا'' کتنے شرم کی بات ہے کہ امریکا میں چرچ سب سے زیادہ علیحدگی پسند ادارہ ہے۔''[۸] ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے افریقی امریکی کسی نہ کسی قسم کی سیاہ فام قومیت کی طرف راغب ہو گئے جن کے ابتدائی محرکین ان دنوں میلکم ایکس اور عزت مآب ایلیجاہ محمد جیسے نیشن آف اسلام کے لیڈر تھے۔

اگرچہ ڈاکٹر کنگ شہری حقوق کی تحریک کو شروع کرنے اور اسے سیاسی اعتبار سے پرجوش اور سرگرم بنانے میں کافی کامیاب رہے تھے لیکن ان کے قتل کے بعد سیاہ فام قوم پرستوں اور بہت سے دوسرے لوگوں نے بھی ان کے عدم تشدد کے فلسفے کو مسترد کر دیا۔ بہت سے سفید فاموں کی حقیقی دنیا کی طرح اکثر سیاہ فاموں کی حقیقی دنیا میں بھی ظلم اور جارحیت کا جواب عدم تشدد سے دینے کا مطلب کمزوری اور اطاعت قبول کر لینا ہے اور امریکا کی خارجی اور داخلی دونوں پالیسیاں اس کلیے کا عملی مظہر ہیں۔[۹] عدم تشدد کے بارے میں مارٹن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوتھر کنگ کے موقف کے مقابلے میں میلکم ایکس کے خیالات افریقی امریکی کمیونٹی میں زیادہ مقبول تھے:

''دوسرا گال ہرگز سامنے نہ کرو جب تک تم یہ نہ دیکھ لو کہ سفید فام آدمی نے بھی اپنا گال تمھارے سامنے کر دیا ہے۔ جس دن سفید فام اپنا گال تمھارے سامنے کرے اس دن تم بھی اپنا گال اس کے سامنے کر دو۔ اگر مارٹن لوتھر کنگ سفید فاموں کو بھی اپنا دوسرا گال تمھارے سامنے کرنے کی تلقین کر رہا ہوتا تو میں کہتا کہ ہاں، تمھارے لیے دوسرا گال سامنے کرنے کی تلقین جائز تھی۔ میں صرف اس یک طرفہ طرزِ عمل کے خلاف ہوں۔ تم بس اسے دوطرفہ بنا دو۔ اگر میں عدم تشدد پر عمل کروں تو پھر وہ (سفید فام) بھی عدم تشدد پر عمل کریں لیکن جب تک وہ عدم تشدد پر عمل پیرا نہیں ہوتے تم کسی کو عدم تشدد کی تلقین نہ کرنے دو: نہیں: عقل سے کام لو۔''۔۔۔ اخلاقیات پر مبنی تدبیریں صرف اس وقت کامیاب ہوسکتی ہیں جب تمھارا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑے جو اخلاقی اعتبار سے بااصول ہوں یا تمہارا سامنا ایسے نظام سے ہو جس میں اخلاقی اصول کارفرما ہوں''۔[11]

سُنّی اسلام قبول کرنے والے نیو یارک کے نومسلموں اور پھر بعد میں ان کے ساتھ شامل ہونے والوں کے قوم پرستی کے فلسفے ویسے ہی تھے جیسے میلکم ایکس کے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگ سماج دشمن گروہوں کے ممبر رہ چکے تھے۔ بعض قید خانوں میں بھی زندگی گزار آئے تھے' کچھ میٹرک پاس کر چکے تھے لیکن میلکم ایکس اور دوسرے افریقی امریکیوں کی طرح انھیں بھی نہ حکومت پر اعتماد تھا نہ عیسائیت پر۔ لیکن میلکم ایکس کی طرح ان نومسلموں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ ایک طاقت ور اور نمو پذیرانہ افریقی امریکی کمیونٹی کے لیے ان کے نزدیک جو اوصاف واطوار ضروری ہیں اسلام ان سب کی نہایت غیر مبہم انداز میں تصدیق کرتا ہے۔ ان اوصاف میں ایک وصف ذمہ دارانہ مردانگی کا بھی ہے۔ اسلام میں مردانگی کا تصور نسوانیت کے تصور سے بالکل مختلف ہے اور مردانگی کے مذہبی تصور میں اپنے دفاع کا حق، اپنی عزتِ نفس کی حفاظت کا حق اور اپنے خاندان کی سربراہی کا حق شامل ہے۔ اپنے دفاع اور عزتِ نفس کی حفاظت کے بارے میں قرآن پاک کی متعدد آیات اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی متعدد احادیث معروف بھی ہیں اور واضح بھی، مثلاً ''اور جب ان (ایمان والوں) پر ظلم ڈھایا جاتا ہے تو وہ سر جھکانے کے بجائے خود اپنا دفاع بھی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں…"[۱۲]" اللہ نے تمہاری جان و مال اور عزت کو واجب الاحترام بنایا ہے…"[۱۳]

مزید برآں نیشن آف اسلام نے میلکم ایکس کے زیر ہدایت ایک سیاہ فام دفاعی فوج ترتیب دی جس کا نام فروٹ آف اسلام (ثمر اسلام) تھا اور اس کے سپرد نسل پرستوں اور سیاہ فام مخالفین دونوں سے سیاہ فام کمیونٹی کو محفوظ رکھنے کا کام تھا۔ جن علاقوں میں فروٹ آف اسلام کی شاخ قائم تھی ان علاقوں اور اس کے مضافات میں رہنے والے افریقی امریکی اگر فروٹ آف اسلام سے ڈرتے نہیں تھے تو بھی اس کی عزت ضرور کرتے تھے۔ اس کمیونٹی کے لوگ سیاہ فام مسلمانوں سے تعلق رکھنے والی عورتوں کی نہ بے عزتی کرتے نہ ان سے چھیڑ چھاڑ کرتے کیونکہ سیاہ فام مسلمان ایک پالیسی کے طور پر جسمانی سزا کے ذریعے انتقام لیتے تھے۔ یہ سیاہ فام مسلمانوں کی طرف سے اس بے حرمتی اور تذلیل وتحقیر کا جواب تھا جو امریکا میں سیاہ فام عورتوں سے بالعموم روا رکھی گئی تھی۔ ان کی ایک کتاب میں لکھا ہے "جب تک ہم اپنی عورتوں سے محبت اور ان کی عزت کرنا نہیں سیکھیں گے اس وقت تک ہم روئے زمین پر موزوں اور تسلیم شدہ قوم نہیں بنیں گے۔ جب تک تم اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کرو گے اس وقت تک تمھارے ساتھ یہاں رہنے والے سفید فام لوگ تمھاری حیثیت کو تسلیم نہیں کریں گے"۔[۱۴] بعد ازاں روایتی اسلام قبول کرنے والے ان نومسلموں نے ان دونوں باتوں کو تسلیم کر لیا یعنی ایک تو یہ کہ اپنے خاندانوں کی حفاظت کے لیے فروٹ آف اسلام جیسی تنظیم ضروری ہے اور دوسرے یہ کہ اسلام ایسی تنظیم کی اجازت دیتا ہے بشرطیکہ وہ تنظیم مُسلّمہ شرعی احکام کی پابند رہے۔

اگرچہ سنی نومسلموں نے ایلیجاہ محمد کی مرتب کردہ دینیات کو تو قبول نہیں کیا لیکن انھوں نے دوسرے افریقی امریکیوں کی طرح ایلیجاہ محمد اور میلکم ایکس کے اس نقطۂ نظر کو سراہا کہ افریقی امریکیوں کو اپنی کمیونٹی کے معاملات خود کنٹرول کرنے ہوں گے۔[۱۵] اسی طرح اس تصور کو بھی ساری سیاہ فام کمیونٹی میں قبول عام کا درجہ ملا کہ ان کے جسمانی نقوش خوبصورت ہیں اور یہ کہ سیاہ فاموں کو اپنی مادر وطن افریقہ پر فخر کرنا چاہیے۔ عیسائی خطابت میں اس قسم کے خیالات سیاہ فام قوم پرستی ابھرنے سے پہلے مفقود تھے۔

۱۹۵۰ء کے عشرے میں سیاہ فام قوم پرستوں نے سفید فام عیسائیوں کی بنائی ہوئی اُس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تصویر کو یکسر مسترد کر دیا جس کے مطابق حضرت عیسیٰ [علیہ السلام] سفید فام تھے اور ان کا ناک نقشہ یورپی باشندوں کا سا تھا۔ سفید فام لوگوں کا عقیدہ تھا کہ ان کے ذہن میں حضرت عیسیٰ [علیہ السلام] کی جو تصویر ہے اسے تائید خداوندی حاصل ہے اور اس لیے انھیں غیر سفید فام نسلوں سے برتر و افضل محسوس کرنے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ سفید فاموں کا یہ عقیدہ بھی عیسائیت سے سیاہ فاموں کی بیزاری کی ایک اور وجہ بن گیا۔[۱۶] عیسائیت کے اس تصور کے مقابلے میں کہ ایک سفید فام خدا کا بیٹا اور مظہر ہے، اسلام اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر زور دیتا ہے اور مظہر پرستی کو مسترد کرتا ہے۔[۱۷] عیسائیت اور اسلام کے مابین عقائد کے اس بدیہی تضاد سے افریقی امریکی نومسلم متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ افریقی امریکیوں کے نزدیک اسلام میں کشش کی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ اسلام نسل پرستی کو سختی سے مسترد کرتا ہے۔ ''(اے لوگو) ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا؛ پھر ہم نے تمہاری قومیں اور قبیلے بنا دیے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو؛ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت و شرف والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے''۔[۱۸]

پہلا ''دارالاسلام''

۱۹۴۰ء کے عشرے کے آخر اور ۱۹۵۰ء کے عشرے کے اوائل میں نیویارک میں سنی مسلمانوں کی اگر واحد نہیں تو سب سے بڑی زیر استعمال مسجد اسلامک مشن آف امریکا انکارپوریٹڈ کی مسجد تھی جو بروکلین میں ۱۴۳ اسٹیٹ اسٹریٹ پر واقع تھی۔[۱۹] اس کی ابتدا ایک ویسٹ انڈین داؤد فیصل نے کی تھی۔ اس کے ساتھ کچھ یمنی ملاح بھی شامل تھے۔ شیخ داؤد اس کے ڈائریکٹر تھے اور ایک پاکستانی، مقبول الٰہی اس کے عالم دین تھے۔ اسلامک مشن کی خاص بات اسلام کے متعلق تدریسی سلسلہ اور جمعہ کی باجماعت نماز تھی۔

دار الاسلام کی تشکیل کا فوری محرک شیخ داؤد سے عدم اطمینان تھا۔ بعض نومسلموں کا تاثر یہ تھا کہ شیخ داؤد کو اس بات کی ضرورت سے زیادہ فکر رہتی ہے کہ ''امریکا والے اسے قبول کر لیں''۔ وہ لوگ شیخ داؤد کو ایک ایسا ایجنٹ سمجھتے تھے جو صورت حال کو علیٰ حالہ برقرار رکھنا چاہتا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ شیخ داؤد انھیں حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور انھیں مسلمان بھی بس واجبی سا سمجھتا ہے۔ ان افریقی امریکیوں نے شیخ داؤد اور مسجد کی انتظامیہ پر الزام لگایا کہ ''جن مقامی باشندوں کے درمیان انھوں نے مستقل سکونت اختیار کی ان کی ضروریات کا انھیں یا تو علم ہی نہیں ہے یا احساس نہیں ہے''۔[۲۰] ان لوگوں کا خیال تھا کہ شیخ داؤد فیصل اپنا زیادہ وقت یا تو قید خانوں میں بند مسلمانوں سے ملنے میں یا نکاح کروانے یا اس قسم کے ایسے دوسرے کاموں میں صرف کرتا ہے جن کا افریقی امریکیوں کی مدد سے بہت کم تعلق تھا جب کہ ان کی خواہش تھی کہ شیخ داؤد ''نیویارک کی پکی آبادیوں اور اس کے جھگی پاڑوں میں رہنے والے غریب اور پامال لوگوں کی فلاح وبہبود پر زیادہ سے زیادہ توانائیاں مرکوز کرے''۔[۲۱] یہ بات ظاہر تھی کہ شیخ داؤد کا ایسی تحریک چلانے کا کوئی ارادہ نہ تھا جو مغربی معاشرے کو چیلنج کرے یا مغربی معاشرے سے آزاد ہونے کی کوشش کرے جب کہ افریقی امریکیوں کی منزل یہی تھی۔

دارالاسلام تحریک کے ترجمان جریدے کا نام الجهاد الاكبر تھا۔ اس جریدے میں ۱۹۷۰ء سے شروع ہونے والی دہائی میں ''دارالاسلام تحریک'' کے زیرعنوان متعدد مضامین شائع ہوئے۔ جن کے مطابق دارالاسلام تحریک کے تصور کی بنا ۱۹۶۲ء میں رجب محمود، اسحٰق عبدالشہید اور یحییٰ عبدالکریم نے ڈالی تھی۔[۲۲] نومسلم اب بھی اسٹیٹ اسٹریٹ (نیویارک) والی مسجد جاتے لیکن وہاں جمعہ کی باجماعت نماز کے علاوہ دوسری نمازیں پڑھتے؛ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد وہ لوگ وہاں جمع ہوتے۔ انہوں نے دارالاسلام مساجد کی حیثیت دوسری مسجدوں کو دے دی۔ پہلی دارالاسلام مسجد بروکلین میں اٹلانٹک ایونیو میں نمبر ۱۹۶۴ پر ۱۹۶۲ء میں قائم ہوئی۔ مسجد کا پہلا امام رجب محمود تھا۔ یحییٰ عبدالکریم شعبۂ تبلیغ کا امیر تھا۔[۲۳] بیعت کی ایک شکل بھی وضع کی گئی اور اکثر نے وہ بیعت کی۔[۲۴] دارالاسلام بیعت کے الفاظ یہ تھے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ اکبر۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ۔ اللہ کے آخری نبی اور رسول کا پیروکار ہونے کی حیثیت سے میں اپنے آپ کو شریعت سے (اور جو اس بیعت میں شریک ہیں ان سے) خود کو وابستہ کرتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو، اپنی محبت کو، اپنی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوت کو، اپنی دولت کو، اپنی جان کو، اپنی صلاحیتوں کو اسلام کے لیے وقف کرتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو اس مجلس (امامت) کے تابع بھی کرتا ہوں جس کا فرض احکام شرعی کے مطابق (اسلامی معاشرہ) قائم کرنا، اسے فروغ دینا، اس کا دفاع کرنا اور اس پر حکومت کرنا ہے۔ آمین۔[۲۵]

۱۹۶۳ء کے موسم گرما کے ایک عشائیے میں موجود چالیس سے پچاس مسلمان بھائیوں* میں سے تقریباً سب ہی نے یا تو پہلی مرتبہ بیعت کی یا اپنی پچھلی بیعت کی تجدید کی اور یگانگت و یکجہتی کی علامت کے طور پر ان سب نے اپنے سامنے میز پر پھیلے ہوئے دسترخوان پر اپنے اپنے دستخط ثبت کیے۔

جماعت کی تعداد میں اضافے کی وجہ سے بھی اور اٹلانٹک ایونیو والی مسجد کا کرایہ نامہ ختم ہو جانے کی وجہ سے بھی ڈاؤ ننگ اسٹریٹ پر مسجد کے لیے نئی جگہ حاصل کی گئی۔ جریدہ الجہاد الاکبر نے لکھا کہ اس موقع پر ''شخصیتوں کے تصادم، مذہبی غلط فہمیوں، خواہشات نفسانی اور علم کے ناجائز استعمال'' سے پیدا ہونے والے ''اندرونی خلفشار'' کے باعث برادری کے قدم لڑکھڑا گئے۔[۲۶] اس کا مطلب یہ تھا کہ اختلافات نہایت شدید تھے مثلاً بعض نے نکاح کے علاوہ بھی جنسی تعلقات قائم کیے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ بعض ایسے اعمال جنھیں اسلام میں ناجائز سمجھا جاتا ہے، جائز ہیں، مثال کے طور پر ۱۹۶۸ء تک اس گروہ کے کافی لوگوں کا خیال تھا کہ بھنگ رچرس پینا ممنوع نہیں کیونکہ ایک تو قرآن کے انگریزی ترجموں میں انھیں نام لے کر ممنوع قرار نہیں دیا گیا اور دوسرے قرآن کے ابتدائی دور کی نازل شدہ آیات میں منشیات کو قطعاً حرام قرار نہیں دیا گیا تھا۔ ''یہ لوگ آپ سے خمر (منشیات) اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں، ان سے کہہ دیجیے کہ ان میں نقصانات بہت زیادہ ہیں اور فوائد کم ہیں، لیکن ان کے نقصانات ان کے فوائد سے کہیں زیادہ ہیں'' اور ''نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ اور انتظار کرو تا آنکہ (تمھارے ہوش و حواس ٹھکانے آ جائیں اور) تم اپنے کہے کو سمجھنے لگو''۔[۲۷] دار الاسلام سے منسلک بعض نومسلموں نے اس کا یہ مطلب لیا کہ بھنگ رچرس پینے کی اجازت ہے یا جیسا کہ اسلام کے ابتدائی دور کے

* بھائی (brothers) افریقی امریکی مسلمانوں کا ایک دوسرے کے لیے تخاطب کا اظہار ہے۔ یہ اُن کے دینی رشتے کی قوت کو بھی پیش کرتا ہے۔ یہ قرآنِ حکیم کے اس فرمان کے مطابق ہے کہ ''مسلمان آپس میں بھائی ہیں''۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں نے شراب کو بتدریج چھوڑا تھا اسی طرح وہ (یعنی دار الاسلام کے نومسلم) بھی شراب کو بتدریج چھوڑ سکتے ہیں۔ متانت و سنجیدگی کے بارے میں نومسلموں کا نظم و ضبط سے عاری رویہ، جو ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی خصلت کے متضاد ہے، اور ان کے مالی وسائل میں عدم استحکام تنظیم کی رفتار میں ترقی کے لیے رکاوٹ بنے رہے۔ چنانچہ بہت سے نومسلم نہ برادری کے تابع رہے نہ اسلام کے بنیادی اصولوں کے پابند۔

۱۹۶۵ء میں ڈاؤننگ اسٹریٹ والی مسجد کا کرایہ نامہ ختم ہونے کے بعد دارالاسلام گروپ نے مشرقی نیویارک میں براؤنزویل میں لیوونیا کے نزدیک سارا ٹوگا ایوینیو کے نمبر ۷۷۷ کو اجتماع گاہ کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ لیکن یہاں گروپ میں پھوٹ پڑ گئی اور ''دار الاسلام اول'' کا دور ختم ہوا۔ برادرانِ دار الاسلام الگ الگ راستوں پر چل پڑے اور انھوں نے آپس میں ملنا جلنا بند کر دیا۔ یحییٰ نے گروپ کے خاتمے کو ''آفت ناگہانی''[۲۸] سے تعبیر کیا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاؤننگ اسٹریٹ کی مسجد میں پیدا ہونے والے مسائل کے تسلسل، واضح مقاصد کے فقدان اور انھیں حاصل کرنے کے لیے کسی مؤثر تنظیم کی عدم موجودگی اور اسلام کے بنیادی اصولوں سے انحراف نے مل جل کر گروپ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس افراتفری کے بعد یحییٰ اپنے کچھ وفادار ساتھیوں کے گروپ لیڈر کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آیا۔ اس علاقے کے مسلمان سارا ٹوگا ایوینیو والے فلیٹ کو اگست ۱۹۷۲ء تک کام کاج سے فارغ وقت میں غیر رسمی میل جول کے لیے استعمال کرتے رہے۔

دوسرے دار الاسلام کی جانب سفر: سیاق وسباق

امریکا میں عام لوگ جو اسلام کی تاریخ اور دینیات سے واقف نہیں ہیں تمام افریقی امریکی مسلمانوں کو ''سیاہ فام مسلم'' سمجھتے ہیں۔ ''سیاہ فام مسلم'' کی اصطلاح کو، جسے ایلیجاہ محمد نے نیشن آف اسلام کے ممبروں کے لیے وضع کیا تھا اور جس کی قیادت آج کل لوئی فرخان کے ہاتھوں میں ہے۔[۲۹] سی ایرک لنکن نے تمام افریقی امریکی مسلمانوں کے لیے استعمال کر کے اسے عام مقبولیت دلا دی۔ سُنّی مسلمان نیشن آف اسلام سے بیزار ہیں اور خود کو اس کا پیروکار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سمجھے جانے پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ اس غلط شناخت سے بچنے کے لیے ۱۹۶۷ء میں شیخ داؤد نے اعلان کیا کہ "اسلامی مشن سے وابستہ تمام مسلمان اپنے پاس سنی مسلمان ہونے کا شناختی کارڈ رکھا کریں اور جو ایسا نہیں کرنا چاہتے وہ آئندہ اسٹیٹ اسٹریٹ والی مسجد میں نہ آئیں"۔ اس کی نیت نیک رہی ہوگی لیکن اس کے بہت سے سامعین کو اس کا یہ فیصلہ سرپرستانہ اور متکبرانہ محسوس ہوا۔ ان کے خیال میں افریقی امریکیوں کو یہ حکم دینا کہ وہ سنی مسلمان ہونے کا شناختی کارڈ اپنے پاس رکھیں تاکہ ان میں اور دوسرے سیاہ فاموں میں تمیز رہے، بجائے خود سرپرستانہ عمل تھا۔ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر تمام عربوں اور پاکستانیوں کو بھی ایسا حکم دینے کا تو شیخ داؤد کو اختیار ہی نہیں تھا۔

دارالاسلام کی پہلی برادری کے منتشر ہو جانے کے بعد سے افریقی امریکی مسلمانوں میں مایوسی کا جو احساس پیدا ہوا تھا اسے شیخ داؤد کے فیصلے نے اور گہرا کر دیا۔ انھیں یہ محسوس ہوا کہ اسلامی مشن کے نظم ونسق میں تو ان کا کوئی دخل نہیں لیکن ان پر حکم ایسے چلایا جاتا ہے جیسے وہ غلام ہوں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی ایک ناکام خواہش یہ تھی کہ افریقی امریکیوں کی ضرورتوں کو کسی خارجی مداخلت کے بغیر پورا کیا جائے اور نیشن آف اسلام کا کوئی متبادل پیش کیا جائے۔ انھیں یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ امریکی معاشرے اور اس کی اخلاقیات، یا عدم اخلاقیات، میں واقعتاً رائج ذات پات اور رنگ ونسل کے امتیازات کے نظاموں کا کوئی متبادل پیش نہیں کیا گیا۔ افریقی امریکی مسلمان تو اپنے لیے ایسی اسلامی برادری قائم کرنا چاہتے تھے جس کی سرگرمیوں کا محور ایک ایسی مسجد ہو جو چوبیس گھنٹے کھلی رہے اور جہاں وہ جب چاہیں جا کر نماز پڑھ سکیں۔

افریقی امریکی مسلمانوں کی مایوسیوں اور اپنے مقاصد حاصل کرنے میں ان کی ناکامیوں کو مدِنظر رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً ۱۹۶۷ء تک "سیاہ فام قوت" کا نعرہ افریقی امریکی برادری میں عام ہو چکا تھا۔ اس کا مفہوم مختلف لوگوں کے ذہنوں میں مختلف تھا لیکن عام طور سے اس کے حامیوں کے ذہنوں میں اس کا تاثر اگر جارحانہ اور جنگ جویانہ نہیں تو متشددانہ ضرور تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سیاہ فام لوگ اپنے معاملات اور اپنی تقدیر کو اپنے ہاتھ میں لیں۔ اپنے مفادات کی حفاظت خود کریں اور اپنے دشمنوں کے خلاف مزاحمت کریں۔ طلباء کی عدم تشدد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رابطہ کمیٹی کا سربراہ ہونے کے باوجود سٹو کلے کارمائیکل نے ''سیاہ فام قوت'' کے نظریے کو خوب پھیلایا۔ اس نے اپنے حامیوں کے ایک گروہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''جب آپ 'سیاہ فام قوت' کی بات کرتے ہیں تو آپ اس ملک کے گھٹنے ٹیکنے کی بات کرتے ہیں۔ جب آپ 'سیاہ فام قوت' کی بات کرتے ہیں تو آپ ایک ایسی تحریک چلانے کی بات کرتے ہیں جو ہر اس چیز کو منہدم کر دے جسے مغربی تہذیب نے تخلیق کیا ہے۔ جب آپ 'سیاہ فام قوت' کی بات کرتے ہیں تو آپ وہیں سے شروع کرنے کی بات کرتے ہیں جہاں میلکم ایکس نے چھوڑا تھا۔ جب آپ 'سیاہ فام قوت' کی بات کرتے ہیں تو آپ یہ کہتے ہیں کہ سیاہ فام آدمی کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے جو بھی کرنا پڑے وہ کرے۔۔۔ ہم اپنی بقا کے لیے لڑ رہے ہیں۔''[۳۱]

۱۹۶۷ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکا کی تاریخ کے بدترین نسلی فسادات رونما ہوئے جن میں چالیس سے زیادہ بلوے اور سو سے زیادہ چھوٹے موٹے حادثات اور جھڑپیں ہوئی۔ اوٹو کرنر کی سربراہی میں شہری فسادات پر قومی مشاورتی کمیشن نے اُن فسادات اور واردات کا جائزہ لیا اور مارچ ۱۹۶۸ء میں اپنی رپورٹ امریکی صدر لنڈن بی جانسن کو پیش کی۔ رپورٹ میں جو نتائج اخذ کیے گئے تھے ان میں یہ بات شامل تھی کہ ریاست ہائے متحدہ امریکا دو معاشروں کی جانب بڑھ رہا ہے، ایک سفید فام اور دوسرا سیاہ فام۔ دونوں ایک دوسرے سے جدا اور دونوں غیر مساوی۔' سفید فام نسل پرستی، فسادات کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب تھی اور یہ کہ تقریباً نصف فسادات سیاہ فاموں پر پولیس کے تشدّد کی وجہ سے ہوئے۔[۳۲]

۱۹۶۷ء تک سیاہ فاموں نے اپنی حفاظت آپ کرنے کی خاطر متعدد گروپ بنا لیے تھے تاکہ پولیس کی کارروائیوں پر نظر رکھیں، اور اگر ضرورت پڑے تو پولیس کی مزاحمت کریں اور مجموعی طور پر سیاہ فام برادریوں کی حفاظت کریں۔ ان سیاہ فام برادریوں میں سب سے زیادہ نمایاں تین گروہ تھے: ایک کا نام: ''بلیک پینتھر'' (Black Panther) یعنی کالے تیندوے تھا، دوسرے کا نام ''دی ڈیکنس آف لاؤنڈس کاؤنٹی ان الاباما (The Deacons of Lowndes County in Alabama) یعنی'' الاباما میں لاؤنڈس کاؤنٹی کے چھوٹے پادری'' تھا اور تیسرے کا نام سمبا واچوکا (Simba Wachuka) تھا جو سواحلی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں ببر شیر کے بچے۔ ان گروہوں کو عام طور پر اس امریکی تنظیم کی فوج کہا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتا تھا جس کا سربراہ ''ران کارنیگا'' تھا۔[۴۳] یہ تینوں گروہ نیشن آف اسلام کی ذیلی فوج فروٹ آف اسلام کی طرز پر بنائے گئے تھے لہٰذا جب افریقی امریکیوں نے خود مختار دارالاسلام کے احیا کی دوبارہ کوشش کی تو اس کی محرک نہ صرف اسلام سے ان کی عقیدت تھی بلکہ افریقی امریکی قومیت کا شعور بھی محرکات میں شامل تھا جسے اُس زمانے میں بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ جب شیخ داؤد نے تحکمانہ انداز میں ان سے کہا کہ وہ سُنّی مسلمان ہونے کا شناختی کارڈ اپنے پاس رکھا کریں تو ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہوکر چھلک پڑا۔

مسجد دارالاسلام

نئی اسلامی برادری کی تشکیل میں ناکامی کے باوجود سیاہ فام مسلمان جمعہ کی نماز کے لیے اسلامی مشن کی مسجد ہی میں جاتے رہے۔ شیخ داؤد کے ۱۹۶۷ء کے اعلان کے بعد پہلی مرتبہ (سیاہ فام) نومسلموں نے نماز جمعہ کے لیے اپنی علیحدہ جماعت بنائی۔ یہ ایک واضح اعلان آزادی تھا۔ گویا نومسلموں نے مسجد کے سوادِ اعظم کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ ''ان کی اس کارروائی کا مفہوم یہ تھا کہ وہ اسلامی مشن کے اس دعوے کو تسلیم نہیں کرتے کہ مشن پوری مقامی مسلم کمیونٹی کے لیے نماز جمعہ کی جماعت ترتیب دینے کا مجاز تھا۔ ان کی رائے میں مسجد (دارالاسلام) ہر ایک کی دینی ضروریات کی تکمیل میں ناکام رہی تھی۔ چنانچہ یحییٰ عبدالکریم سمیت پانچ سات (سیاہ فام نومسلم) بھائی بروکلین میں لیوس ایوینیو پر واقع ایک چھوٹے سے فلیٹ میں نماز ادا کرنے لگے یہ ایک معمولی سی جگہ تھی جہاں کرایہ داروں کے لیے غسل خانہ اور باورچی خانہ مشترک تھا۔ اس بار لوگوں نے اسلامی کمیونٹی تشکیل دینے کا پختہ عزم کر رکھا تھا۔ سب کا مشترکہ مقصد اطاعت قرآن اور اتباع رسولؐ تھا۔ اس میں کسی سمجھوتے یا مفاہمت کی کوئی گنجائش نہ تھی؛ یاد رکھیئے، ہم سب قانون شکن گروہوں سے آئے ہیں اور مفاہمت نہ کرنے کے عمل اور اُس کے نتائج سے خوب واقف ہیں''۔[۴۴]

جب لیوس ایوینیو والے فلیٹ میں جمعہ کی جماعت کے لیے جگہ ناکافی ہوئی تو بلال عبدالرحمٰن نے بروکلین ضلع اوشن ہل کے میں سارٹوگا اسٹریٹ پر بلاک ۱۰۰ میں اپنا چار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیڈرومز والا فلیٹ پیش کر دیا۔ دو ماہ بعد یہ جگہ بھی کم پڑ گئی تو پھر جمعہ کی جماعت کے لیے ان لوگوں کو بروکلین ہی میں ایک اور جگہ یعنی ۲۴۰ سمپٹر اسٹریٹ منتقل ہونا پڑا۔ جمیل عبدالرحمٰن کے پانچ کمروں کے اپارٹمنٹ کے دو کمرے مسجد کے طور پر استعمال کئے جانے لگے۔ ۱۹۶۸ء میں یحییٰ کو امام منتخب کر لیا گیا۔ ہر لحاظ سے یہی وہ موقع تھا جہاں سے دوسرے دارالاسلام نے ''اپنے سفر کا آغاز کیا''۔ یہ اپارٹمنٹ نماز کے لیے چوبیس گھنٹے کھلا رہتا تھا۔ اسلام اور ابتدائی عربی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ سیاہ فام نومسلم بھائی اسے اپنا مذہبی فرض سمجھتے تھے کہ روزانہ پانچ نمازوں میں سے کم از کم دو نمازیں مسجد میں باجماعت ادا کریں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شخص مذہب سے اپنی عقیدت کی بنا پر یا مسجد میں ضرورت کے طور پر رہنا چاہتا تو اس کی نہ صرف اجازت تھی بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔

تحریک دارالاسلام کی ابتدا

اُسی سال امریکی حکومت سے جھڑپ نے نیویارک کے سیاہ فام مسلمانوں کو دوسری افریقی امریکی برادریوں سے تعاون کرنے اور اپنی علیٰحدہ پولیس فورس منظم کرنے پر مجبور کر دیا۔ جھگڑا اس وقت شروع ہوا جب ایف بی آئی کے چار سفید فام ایجنٹ ایک ایسی گاڑی میں جس پر کوئی شناختی نشان نہ تھا، بروکلین کے براؤنز ویل علاقے میں آئے۔ ان میں سے تین ایک اپارٹمنٹ میں گھس گئے۔ پانچ چھ سُنّی مسلمانوں نے انھیں دیکھ لیا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ وہی تین سفید فام اشخاص ایک سُنّی مسلمان کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگائے اور پاؤں میں بیڑی ڈالے عمارت سے باہر نکل رہے ہیں تو انھوں نے گرفتار کرنے والے اہلکاروں سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ اتنے میں زیرحراست آدمی بھاگ نکلا۔

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ علاقہ ایف بی آئی کے ایجنٹوں، پولیس والوں اور سادہ لباس میں ملبوس جاسوسوں سے بھر گیا۔ کچھ ایجنٹ مسجد پر بھی پہنچے۔ مسجد پر تعینات محافظ نے ان ایجنٹوں سے کہا کہ مسلمانوں کے مسلّمہ طریقے کے مطابق وہ مسجد میں داخل ہونے پہلے اپنے جوتے اتار دیں۔ ایف بی آئی کا جو ایجنٹ مسجد کے دربان کے سب سے قریب تھا وہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس انداز میں جھکا جیسے وہ جوتے اتارنے جا رہا ہے لیکن جوتے اتارنے کے بجائے اس نے پستول نکال لیا اور دربان کو گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد ایف بی آئی کے ایجنٹوں نے مسجد کی بے حرمتی کرتے ہوئے اس بنیاد پر تلاشی لی کہ وہ فرار ہونے والے شخص کو تلاش کر رہے ہیں۔ مسلم کمیونٹی اس پر سخت برافروختہ ہوئی۔ امام یحییٰ نے اپنے اخبار الجہاد الاکبر میں اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے وضاحت کی کہ ان کے خیال میں ایف بی آئی کے ایجنٹوں نے مسجد کا اُسی طرح احترام کیوں نہیں کیا، جس طرح وہ لوگ سفید فاموں کے چرچ کا کرتے ہیں۔ امام یحییٰ نے لکھا:

> پولیس اور فیڈرل اہلکاروں نے مسجد کی بے حرمتی کی تھی اور اس اشتعال کے باعث ہنگامہ برپا ہوا تھا ۔۔۔ ہم پر حملے کی بنیادی وجہ مسلمانوں اور مسجد کی حرمت کے بارے میں اور مسلمانوں سے تعلقات استوار رکھنے کے صحیح طریقے کے بارے میں وفاقی حکومت کی لاعلمی تھی لیکن یہ واحد وجہ نہ تھی، صرف جزوی وجہ تھی۔ انھوں نے مسجد پر حملہ اس مفروضے کی بنا پر کیا کہ وہ ایک ایسے مفرور کی تلاش میں تھے جو فوج میں جبری بھرتی سے بھاگ آیا تھا اور جو مبینہ طور پر مسلمان تھا۔ ان کا الزام یہ تھا کہ ہم نے اس (مفرور) کو مسجد میں چھپا رکھا ہے اور وہ چاہتے تھے کہ اس ''مبینہ مسلم'' کو پکڑ لیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔
> دیانتداری کی بات تو یہ ہے کہ اس سارے جھگڑے کی جڑ نسلی تعصب ہے۔ ان (برسراقتدار سفید فاموں) میں سے اکثر لوگ سیاہ فاموں کو سیاہ فام کے علاوہ کچھ نہیں سمجھتے [یعنی وہ سیاہ فام جس کی تصویر انھوں (سفید فاموں) نے اپنے ذہنوں میں بٹھالی ہے] جب وہ سفید فام کسی امریکی سیاہ فام کو دیکھتے ہیں تو انھیں اس کے مذہب یا کردار سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ انھیں تو صرف یہ نظر آتا ہے کہ وہ سیاہ فام ہے اور انھیں وہ ہمیشہ کی طرح معاشرے کا غلام نظر آتا ہے۔ وہ آدمی بذات خود کیا ہے، اس کی طرف ان کی نظر نہیں جاتی (میری ذاتی رائے یہ ہے کہ) اس لیے انھوں نے مسجد کی حرمت کو نظر انداز کر دیا۔[۳۵]

سفید فاموں اور سرکاری ایجنٹوں کے بارے میں امام یحییٰ کا یہ تاثر جسٹس ٹینی کے وہ الفاظ یاد دلاتا ہے جو کچھ پہلے مذکور ہوئے، اس نے کہا تھا کہ چونکہ سیاہ فاموں کو ''ادنیٰ درجے کی مخلوق سمجھا جاتا ہے اس لیے ان (سیاہ فاموں) کے کوئی حقوق ایسے نہیں جن کا احترام سفید فام کے لیے ضروری ہو''۔

اگرچہ مسلمانوں کے ایک وفد نے ایف بی آئی کے علاقائی سربراہ سے ملاقات کی تاکہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جھگڑا نمٹ جائے لیکن اس واقعے سے مسلمانوں کی اس تحریک کو مزید تقویت ملی کہ ایک قومی دارالاسلام وفاق قائم کیا جائے۔ مختلف شہروں کو وفود بھیجے گئے تاکہ وہ وہاں جا کر وہاں کے مسلمانوں کو تحریک (دارالاسلام) میں شامل ہونے کی طرف راغب کر سکیں۔ توثیق زبانی طور پر بھی ہو سکتی تھی اور بعض اوقات محض مصافحہ سے۔[۳۷] پہلے امام مطوف عبدالشہید کی سربراہی میں کلیولینڈ کی ریاست تحریک میں شامل ہوئی، اس کے بعد دوسرے نمبر پر امام علی احمد کی سربراہی میں فلاڈیلفیا کی ریاست شامل ہوئی۔ تحریک میں نیویارک کے ساتھ شامل ہونے والی یہ سب سے بڑی برادریاں تھیں۔

اگست ۱۹۷۲ء میں اس (نومسلم سیاہ فام) برادری نے بروکلین میں ۵۲ ہرکیمر پلیس کو اپنی مسجد بنا لیا۔ یہ جگہ امام یحییٰ کے بچپن کے دوست بین بانو سے حاصل کی گئی تھی۔ مسجد کا نام ''یٰسین'' رکھا گیا جو عربی کے دو حروف ''یا'' اور ''سین'' پر مشتمل ہے۔ یہ قرآن پاک کی ۳۶ ویں سورۃ کا نام بھی ہے اور اس سورۃ کی پہلی آیت بھی، اس سورۃ کی ایک آیت نومسلموں کو خاص طور پر اپنے حسب حال لگی۔ ان کے نزدیک اس آیت کا تعلق براہ راست ان سے، ان کے خاندانوں سے اور ان کے افریقی امریکی بھائیوں سے تھا۔ اس آیت کا مفہوم ''[یہ قرآن حکیم نازل کیا گیا] تاکہ آپ ان لوگوں کو متنبہ کر سکیں جن کے آباؤ اجداد کو متنبہ نہیں کیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ غافل ہیں''۔[۳۷] مسجد کا نام ''مسجد یٰسین'' اس لیے رکھا گیا کہ جیسے سورۃ یٰسین قرآن کا دل ہے اسی طرح اس مسجد کو بھی تحریک دارالاسلام کا دل بننا ہے جو اسلام کا پیغام بالخصوص سیاہ فاموں تک پہنچائے گی کیونکہ سیاہ فام ہی وہ لوگ تھے جن کے آباؤ اجداد کو پہلے متنبہ نہیں کیا گیا تھا۔

ہرکیمر پلیس منتقل ہونے کے بعد برادری اور زیادہ منظم ہو گئی۔ ذمہ داروں کو مختلف نئے تشکیل شدہ شعبے (ministry positions) یعنی دعوۃ (تبلیغ)، دفاع، ابلاغ عامہ، ثقافت، تعلیم، صحت عامہ، فلاح و بہبود اور سررشتہ استقبال (پروٹوکول) تفویض کر دیئے گئے۔

شعبہء دفاع اور اس کی نیم عسکری تنظیم ''رعد'' بہت اہم تھیں۔ رعد، دوسری شدت پسند تنظیموں کی عسکری دفاعی تنظیموں کی طرح تھی مثلاً فروٹ آف اسلام، بلیک پینتھر اور آرمی آف دی یو ایس آر گنائزیشن۔ یہ سب کسی نہ کسی طور متشدد سرگرمیوں میں شریک تھیں۔ تمام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نوجوان مردوں کے لیے دفاع کی تربیت لازمی تھی۔ ان میں سے بہترین کو رعد کے لیے چن لیا جاتا تھا۔ رعد کے ممبروں کے سپرد مختلف قسم کے فرائض کیے جاتے تھے مثلاً باڈی گارڈ کے فرائض، عمارتوں اور عورتوں کی حفاظت کے فرائض، عورتوں کی بے حرمتی کرنے والوں کو سزا دینے کے فرائض اور برادری کے قاعدے قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینے کے فرائض وغیرہ۔ رعد کے ممبروں سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ ساتھیوں کے سامنے اپنے قول وفعل سے قابل تقلید مثال قائم کریں گے؛ اللہ اور اس کے غضب سے وہ دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ ڈریں گے اور بلا چون و چرا احکام سنتے ہی ان کی تعمیل کریں گے۔[۳۸] مسجد یٰسین کی انتظامیہ کو یقین تھا کہ رعد ایک فورس کی حیثیت سے اپنی طرح کی دوسری تنظیموں سے نہ صرف اس لیے افضل تھی کہ اس کے ارکان اپنے کام میں ماہر تھے بلکہ اس لیے بھی کہ ان کا نظم و ضبط بہتر تھا اور ان کے اخلاقی معیار برتر تھے۔ تحریک دار الاسلام کے بانی اپنے مقاصد میں سے ایک مقصد حاصل کرنے میں تو کامیاب ہو گئے تھے۔

۱۹۷۰ء کی دہائی کے اوائل تک مساجد سے منسلک کم از کم اکتیس سُنّی مسلم برادری تنظیمیں تحریک دارالاسلام سے الحاق کر چکی تھیں۔ وہ زیادہ تر مشرقی ساحل پر واقع شہروں اور بڑے میٹروپولیٹن علاقوں میں موجود تھیں۔[۳۹] دارالاسلام ۱۹۷۵ء تک ریاست ہائے متحدہ امریکا میں سنی مسلمانوں کا سب سے بڑا منظم گروہ تھا۔ ۱۹۷۵ء میں وارث دین محمد نے یہ اعلان کر کے کہ نیشن آف اسلام کا مذہب و مسلک وہی ہو گا جو اہل سنت و الجماعت کا مذہب و مسلک ہے، سنی مسلمانوں کی تعداد میں ایک لاکھ افراد کا اضافہ کر دیا۔[۴۰] ہر کمیونٹی کا اپنا امام تھا چنانچہ تحریک دارالاسلام کا امام یحییٰ عبد الکریم تھا۔ ایک اور کمیونٹی کے الحاق کے بعد دارالاسلام تحریک نے بھی مسجد یٰسین کی طرح مختلف مساجد اور مرکز قائم کر دیے۔ وفاق کو باضابطہ شکل دینے کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میثاق مدینہ کی طرح کا ایک معاہدۂ اطاعت مرتب کیا گیا۔[۴۱] یہ معاہدہ اور اس سے پہلے ذکر شدہ عہدنامے کی پابندی ساری زندگی کے لیے ضروری تھی اور ان کی نوعیت ان بیعتوں کے مماثل سمجھی جاتی تھی جو مسلمانوں نے رسول اکرم [صلی اللہ علیہ وسلم] اور خلفائے راشدین سے کی تھیں۔ اگرچہ ان بیعتوں کا نفاذ محض ترغیبی تھا لیکن ان کی تعمیل بہت سنجیدگی سے کی جاتی تھی اور ان کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلاف ورزی کو منافقت کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔[۴۲] [معاہدے کو اس باب کے ضمیمہ میں نقل کر دیا گیا ہے]

اسلامی تعلیم

امام یحییٰ نے اسلامی مشن کے حافظ مقبول الٰہی کے زیر نگرانی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۹ء تک ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری سے اکتساب علم کیا جو پاکستان کے ایک صوفی شیخ تھے اور سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے۔[۴۳] جب ۱۹۶۰ء کی دہائی کے آخر تک تحریک دارالاسلام ترقی کی راہ پر چل پڑی تو امام یحییٰ نے بھی درس دینا شروع کیا اور اپنے درس کا نام رکھا درس شیخ، اور یہ نام واقعی مناسب تھا۔ اس میں امام یحییٰ وہ پڑھاتے تھے جو انھوں نے ڈاکٹر فضل الرحمٰن سے خود پڑھا تھا اور جو انھوں نے تصوف کی مختلف کتابوں سے سیکھا تھا مثلاً کشف المحجوب، عوارف المعارف، فتوح الغیب اور قصص الاولیا۔[۴۴]

شیخ کے درس میں شامل ہونا کسی بھی طالب علم کے لیے معراج سے کم نہ تھا۔ اس درس میں صرف وہ طلباء شامل ہو سکتے تھے جن کی سفارش ان کے امام یا درس شیخ میں پہلے سے شامل کسی ایسے طالب علم نے کی ہو جسے امام یحییٰ نے خود منتخب کیا ہو۔ یہ درس ہر جمعرات اور اتوار کو ہوتا تھا۔ درس میں شامل ہونے والے متعلّم کے لیے ضروری تھا کہ وہ نیلے رنگ کی جلّابیہ پہنے (جلابیہ ایک ڈھیلے قسم کا چوغہ ہے جس کی لمبائی کندھوں سے تقریباً ٹخنوں تک پہنچتی ہے) پانچ سال کی تدریس کے بعد اگر متعلّم کا معیارِ علم قابل قبول سمجھا جاتا تو پھر اس کا نام سلسلہ صوفیہ میں شمولیت کے لیے بھیجا جا سکتا تھا۔ اگر وہ منظور ہو جاتا تو پھر اسے کسی اور جگہ دو سال کسی عارف و سالک کی زیرنگرانی گزارنے ہوتے تھے۔ یہ معلوم نہیں کہ کوئی اس درجے تک پہنچ پایا یا نہیں۔

اس درسِ منہاج میں دو نصاب شامل تھے: ایک معرفت اللہ اور دوسرا اسلام۔ اس کے بعد بالترتیب ملائکہ، کتب، رُسُل، عقوبت قبر، تقدیر و قدر تھے۔ عقوبتِ قبر کے علاوہ باقی سب اسلام کے بنیادی عقائد کے مطابق ہیں۔[۴۵] طلباء ان کلاسوں میں اور درس شیخ میں ساتھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ شامل ہو سکتے تھے۔

فلاڈیلفیا کی کمیونٹی نے تعلیم کے میدان میں بہت اثر و رسوخ حاصل کر لیا۔ انھوں نے تعارفی کورس کے لیے جو متن ترتیب دیا اس کا نام مبادی الاسلام تھا۔ وہ اتنا مقبول ہوا کہ تحریک میں شامل بہت سی دوسری مساجد نے بھی اسی متن کو اپنے یہاں رائج کر لیا۔[۴۶] اس کلاس کے بعد کی دو کلاسوں کے نام مبادیات اول اور مبادیات دوم تھے۔ ان کو بھی دوسری برادریوں نے اپنا لیا۔ پہلی کلاس میں اساتذہ ''دی ریلیجن آف اسلام'' اور ''دی ٹینٹس (Tenets) آف اسلام'' اور دوسری کلاس میں ''اور تجنس اینڈ ڈیولپمنٹ آف اسلامک انسٹی ٹیوشنز'' اور ''اسلامک لا اینڈ کانسٹی ٹیوشن'' نامی کتابوں کے اقتباسات استعمال کرتے۔[۴۷] تعلیم و تدریس کے طریقے غیر روایتی تھے۔ ''مبادی'' نام کے تعارفی کورس کے علاوہ کسی اور کلاس میں اساتذہ بالعموم درسی متن کا نام طلباء کو نہیں بتاتے تھے۔ کلاسوں کا نظم روایتی اسلامی تدریس کا تھا جس میں استاد فرشِ مسجد پر بیٹھ جاتا اور شاگرد اس کے گرد حلقے کی شکل میں بیٹھ جاتے۔ کلاس کا محور استاد ہوتا جو زیر استعمال متن کے اقتباسات پر مبنی اپنی یادداشتیں کلاس کو لکھواتا جاتا۔ شاگردوں سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ استاد کی زبان سے نکلے ہوئے جملوں کو لکھ لے گا اور پھر انھیں حفظ کرے گا۔ اساتذہ وہی ہوتے تھے جو اس درجے میں پہلے تعلیم حاصل کر کے فارغ التحصیل ہو چکے ہوتے۔

قومی اخلاق: پاکیزگی، آزادی اور خواصیت*

دارالاسلام کی تحریک میلکم ایکس کے عہد اور اس کے مخصوص اندازِ خطابت کی پیداوار تھی اِس لیے دارالاسلام والوں کی طرف سے جو مضامین بھی شائع ہوتے تھے ان میں سے اکثر میں نسلی تعصب سے گریز اور پرہیز کا درس ہوتا، مثلاً

* یہ elitism کا ترجمہ ہے۔ یعنی نظریۂ حکمرانیٔ خواص، اشراف۔ خواص کے اقتدار کا نظریہ۔ یہاں مراد پیدائشی طبقۂ خواص نہیں، بلکہ اعلیٰ ذہن، علم رکھنے والا طبقہ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دارالاسلام تحریک اور کمیونٹی کو معلوم ہو گیا ہے کہ امریکا میں اللہ تعالیٰ کی سب زیادہ اطاعت کرنے والے لوگ یا تو سیاہ فام ہیں یا ہندوستانی یا ہسپانوی زبان بولنے والے۔۔۔[۴۸]

محمود، عبدالشہید اور عبدالکریم کو اسلام سے ان کی محبت نے اور ان لوگوں کی محبت نے متحرک کیا تھا جن میں ان کی پیدائش اور پرورش ہوئی تھی۔ انھیں معلوم تھا کہ غرباء اور مساکین کے ساتھ اسلام کا بہت گہرا رشتہ ہے۔ انھیں ادراک تھا کہ اسلام میں اس بات کی بے پناہ قوت ہے کہ نیویارک کے غریب اور پسماندہ علاقوں اور وہاں کی کچی آبادیوں میں بسنے والوں کے حالاتِ زندگی کو بہتر بنا دے۔[۴۹]

حقیقت یہ ہے کہ ''مقامی باشندوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے'' کوئی خاص لائحہ عمل نہ تھا بجز اس کے کہ دارالاسلام تحریک میں شامل رہ کر شعائر اسلام کی پابندی کی جائے اور اس طرح (جیسا کہ ''دارالا سلام تحریک'' والے مضمون میں درج تھا) رحمت خداوندی مومنوں پر نازل ہو۔ ''دارالا سلام تحریک [کے بانیوں] نے لوگوں کے دلوں کو بدلنے کی کوشش کی تا کہ اللہ تعالیٰ ان (عوام) کی حالت کو بدل دے''۔[۵۰]

مغرب کے لوگ دار الا سلام تحریک کو بنیاد پرستانہ قرار دیں گے کیونکہ اس کے پیروکار مسجد میں نماز پڑھنے، عورتوں کو احکام قرآنی کے مطابق مستور رکھنے اور کبائر (کبیرہ گناہوں) سے بچنے پر بڑا زور دیتے ہیں۔ کبائر میں اسلامی اصول توحید کی خلاف ورزی مثلاً شرک،[۵۱] زنا اور کذب وافترا شامل ہیں۔[۵۲] ایک اور وصف جو تحریک دار الا سلام اور دوسرے روایتی مسلمان گروہوں میں مشترک تھا وہ سیاست سے کنارہ کشی تھا۔[۵۳] بہرحال سیاست سے کنارہ کشی ایک وسیع تر مقصد کا حصہ تھا یعنی غیر مسلموں سے دوستی نہ کی جائے اور ان کی محتاجی نہ رہے، اور پھر ان مسلمانوں سے بھی فاصلہ رکھا جائے جو اس قسم کے [یعنی غیر مسلموں سے سیاسی] تعلقات رکھتے ہوں۔ [سیاست سے] عدم تعلق کے موضوع کی وضاحت امام یحییٰ نے اپنے ایک وعظ میں یوں کی تھی ''اے لوگو جو ایمان لائے، یہود ونصاریٰ کو اپنا دوست نہ بنانا'' (قرآن سورۃ ۵: آیت ۵۱)۔[۵۴]

مزید برآں مسلمانوں کو ایسے مسلمان مردوں اور عورتوں سے دور دور رہنا چاہیے جو غیر مسلموں سے ملتے جلتے ہوں یا ان جیسا لباس پہنتے ہوں۔ گویا دار الا سلام تحریک کے ممبروں کے نزدیک مسلمان کی ظاہری شکل وشباہت بھی احکام دینی کی پابندی اور نتیجتاً

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنتِ رسولؐ کی اتباع کا ایک اہم پیمانہ تھی۔[۵۵] [دارالاسلام تحریک کے] ممبر اکثر یہ حدیث سنایا کرتے کہ "جو شخص جن لوگوں کی نقل کرتا ہے وہ انھیں میں سے ہے"۔[۵۶] اس سے ذرا کم تواتر کے ساتھ وہ اس روایت کا حوالہ دیتے جس کے مطابق ڈاڑھی مونچھ منڈوانا فسق و فجور میں شامل ہے۔[۵۷] چنانچہ جو ملکی یا غیر ملکی مسلمان مرد اپنے پیشے یا اپنی ثقافت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی خاطر ڈاڑھی نہ رکھتے یا جو عورتیں اپنا سر نہ ڈھانپتی انھیں خدا کا نافرمان سمجھا جاتا اور ان کے متعلق تاثر یہ تھا کہ انھیں اللہ اور اس کے احکام کی نسبت غیر مسلموں کے طور طریقوں اور رسوم و رواج سے زیادہ محبت ہے۔[۵۸]

دارالاسلام تحریک کے کچھ با اثر ممبر کالج جانے والے "بھائیوں" سے بھی عناد رکھتے تھے۔ ان کے متعلق تاثر یہ تھا کہ وہ دشمنوں کے بہت قریب ہیں لہٰذا ان پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کے طور طریقوں اور طرز گفتگو کے متعلق خیال یہی تھا کہ وہ سفید فاموں کے سے ہیں، وہ کبھی جیل نہیں گئے، ان کی خاندانی زندگی مستحکم ہے، وہ تعلیم یافتہ اور "کامیاب" سفید فاموں کے ساتھ آسانی سے گھل مل جاتے ہیں۔ جب نسبتاً بڑی عمر کے ارکانِ تحریک دارالاسلام آپس میں گفتگو کرتے تو وہ کالج کے نوجوان تعلیم یافتہ بھائیوں کو حقارت کے ساتھ "چھوکرے" (young boys) کہتے تھے۔[۵۹] دارالاسلام کے ایک سابق رکن نے ماضی کو یاد کرتے ہوئے کہا کہ "ان [نوجوانوں] سے [بڑی عمر کے لوگ] جلتے تھے۔ دارالاسلام تحریک کے (نسبتاً بڑی عمر کے) ممبر اپنے رویئے کو قابل اعتراض نہیں سمجھتے تھے کیونکہ ان کا ایمان تھا کہ ایک نہ ایک دن اللہ تعالیٰ ضرور ایک نئی اسلامی ریاست کو وجود میں لائے گا اور اس ریاست پر غلبہ اور تسلط بذات خود ان کا، یا دارالاسلام کے معتبر ممبروں کا، یا انھیں جیسے مسلمانوں کا ہوگا۔[۶۰]

جن مسلمانوں کے پاس مغربی درسگاہوں کی اسناد تھیں یا جو مسلمان ماہر پیشہ ور تھے خصوصاً تارکین وطن، ان کو دارالاسلام تحریک والے مسلمان "انکل ٹام" کہتے تھے اور ان کے بارے میں وہ سمجھتے تھے کہ وہ مغرب کی نقالی کرتے ہیں اور اس طرح مغرب کی تائید و توصیف حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے متعلق یہ تاثر بھی تھا کہ وہ بعض شرعی احکام کی خلاف ورزی کر کے ظہور اسلام سے پہلے کے دور جاہلیت کی طرف پلٹ رہے ہیں۔ ان کی نافرمانیوں کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست میں مردوں کا ڈاڑھی نہ رکھنا، عورتوں کا اسلامی شعار کے مطابق ملبوس نہ ہونا اور والدین کا اپنی بیٹیوں کو سر نہ ڈھانپنے پر مجبور کرنا شامل تھا۔ دوسری خلاف ورزیوں میں سودی قرض لینا، شراب پینا یا بیچنا اور غیر مسلم مردوں اور عورتوں سے میل جول رکھنا شامل تھا۔ دارالاسلام تحریک کے ممبروں کا یہ خیال بھی تھا کہ اکثر غیر ملکی مسلمان، امریکی حکومت سے بہت زیادہ خوف زدہ تھے اور اس کی ضرورت سے زیادہ تعظیم کرتے تھے۔

اس کے برعکس بہت سے مسلمان تارکین وطن اور امریکا میں پیدا ہونے والے ان کے بچوں کا خیال تھا کہ سیاہ فام لوگ اگر تعلیم حاصل کرنے کے نااہل نہیں تھے تو احمق ضرور تھے، قابل نفرین تھے اور اگر مسلمان تھے بھی تو بہت معمولی درجے کے۔ چنانچہ مسلمانوں کے ان دونوں گروہوں (سیاہ فاموں اور تارکین وطن) کے مابین چپقلش کی فضا تھی اور دونوں گروہوں کے درمیان باہمی ربط وضبط بالکل واجبی سا تھا۔

صوفیانہ اختتام

۱۹۸۰ء میں مسجد یٰسین ہرکیمر پلیس سے وان سقلان منتقل ہوگئی۔ دو سال بعد گروپ نے ایک ہنگامہ خیز رخ اختیار کرلیا۔ امام یحیٰی نے اعلان کیا کہ دار الاسلام تحریک کا علیحدہ وجود ختم ہو چکا ہے اور وہ تحریک، شیخ مبارک علی جیلانی ہاشمی کے زیر قیادت ایک ''بین الاقوامی جماعت الفقراء'' کا جزو بن گئی ہے۔[61] یحیٰی اپنے اختیارات اور اپنی قیادت سے دست بردار ہو گئے۔ ان کے سابق پیروکار اب اپنے آپ کو ''صوفی'' سمجھتے ہیں جن کے اخلاق اور احکام عمل ایسے ہیں جن کی کوئی نظیر سابقہ دار الاسلام تحریک کے دور میں نہیں ملتی۔ دار الاسلام تحریک کے بہت سے ممبروں نے جیلانی کی امامت کو تسلیم نہیں کیا۔ ان میں اٹلانٹا میں بسنے والی کمیونٹی بھی تھی جس کے سربراہ امام جمیل عبداللہ الامین تھے۔ ان کا پرانا نام ایچ ریپ براؤن تھا اور یہ سٹوکلی کارمائیکل کے بعد طلباء کی غیر متشدد رابطہ کمیٹی کے چیئرمین رہ چکے تھے۔ [دار الاسلام تحریک کے] دوسرے جن لوگوں نے امام جیلانی کی امامت کو تسلیم نہیں کیا انھیں اپنا سفر ازسرِنو شروع کرنا پڑا۔ انھوں نے ایک اور وفاق قائم کیا جس کی رکنیت پرانی دارالاسلام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحریک کی رکنیت کے نصف سے ذرا زیادہ رہی ہوگی۔ اس نئے گروپ کا کوئی باضابطہ نام نہیں ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو محض جماعت یا قومی جماعت کہتے ہیں۔ جمیل اس کے رہبر، امیر یا امام ہیں اور اس گروہ کے ممبروں اور سابقہ دار الاسلام تحریک کے ممبروں کے درمیان شاید ہی کوئی قدر مشترک ہو۔ وان سقلان پر واقع مسجد یٰسین میں نماز کی ادائیگی بند کر دی گئی اور اس کی عمارت ۱۹۸۰ء سے شروع ہونے والی دہائی کے وسط میں فروخت کر دی گئی۔

اختتامیہ

دار الاسلام تحریک کے ممبروں کو اسلام نے دنیا اور عقبیٰ دونوں میں سزا و جزا کے نظم کے ساتھ ایک واضح، الہامی نظامِ اقدار دیا۔ اس میں روزانہ کے ایسے معمولات بھی شامل تھے جو ایک باعمل مسلمان کو دوسروں سے ممیز و منفرد کرتے تھے۔ مومن کو اسلام کے اصول توحید سمجھنے کے لیے شارح ومفسر ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ نہ اسے یہ فکر تھی کہ قرآن کے نازل شدہ متن میں کبھی بھی کسی قسم کے تغیر و تبدل کا امکان ہے (اور یہی بجائے خود قرآن پاک کے کلام الٰہی ہونے کا بین ثبوت تھا)۔ رہا دوسرا ستونِ اسلام یعنی سنت رسولؐ، تو وہ بھی ناقابل تغیر تھی اور جو تفصیل سے احادیث نبوی کے ترجموں میں موجود تھی۔

اسلام کے بنیادی احکام کی سادگی اور سیاہ فاموں، خصوصاً سفید فاموں کے غلبے سے پاک اپنی جداگانہ ثقافت اور سیاست کے خواہش مند سیاہ فاموں، کی امنگوں سے مطابقت نے اسلام اور دار الاسلام تحریک کو [سیاہ فاموں کے لیے] بہت پُرکشش بنا دیا۔ نومسلموں میں وہ بہت سی صفات موجود تھیں جنھیں میلکم ایکس کی ذات سے منسوب کیا جاتا تھا مثلاً، اپنی حفاظت آپ کرنے کے لیے ہمہ وقت مستعدی، روایتی ضابطہء اخلاق کی پابندی اور ایک مثالی مضبوط افریقی امریکی مردانگی۔ ان اوصاف کا مظاہرہ اسلامی مشن سے علیٰحدہ اپنی جداگانہ مسجد کے قیام کی کوشش اور اسلامی مشن میں واپس نہ جانے کے فیصلے میں، ایف بی آئی کے ایجنٹوں کی جانب سے مسجد کی بے حرمتی کے بارے میں امام یحیٰی کے بیان میں اور ایف بی آئی والے واقعے کے بعد تحریک کی تشکیل وتعمیر میں ہوا۔ نومسلم عورتوں نے غیر ہمدردانہ ماحول کے باوجود

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایتی اخلاقی اقدار اور اسلامی لباس کو نہ چھوڑا جس سے ان کے کردار کی مضبوطی کا اظہار ہوتا ہے۔

معاشرتی پیمانے پر امید تو یہی تھی کہ مسلم آبادیاں اپنے سیاسی، عدالتی، اقتصادی اور دفاعی نظام کے ساتھ خود مختار اور خود کفیل بن جائیں گی اور آخری ممکنہ امید بھی یہی تھی کہ دارالاسلام تحریک کے علمبردار اور پیروکار ایک خود مختار ریاست قائم کر لیں گے۔ ایسی بلند توقعات میں کسی ناکامی کے خلاف ان کا یہ شعور کافی تھا کہ اسلامی ریاست اتنی ضروری نہیں جتنا اسلامی نظریۂ حیات ضروری ہے۔ یہ وہ اصول تھا جو پہلے [مولانا] فضل الرحمان انصاری نے امام یحییٰ کو اور پھر امام یحییٰ نے اپنے جمعرات اور اتوار کے درس میں اپنے شاگردوں کو سکھلایا۔

تصوف سے وابستگی کی مہم کا مقصد یہ تھا کہ ''دل کو بدلا جائے'' اور اس تبدیلی قلب سے فیوض و برکات حاصل کی جائیں، لیکن یہ عمل زیادہ تر داخلی اور باطنی تھا۔ تصوف سماجی ردّوبدل کا محرک اس طرح بنتا ہے کہ صوفی، معاندانہ معاشرے میں اپنا تناظر (نظریہء حیات) بدل کر باطنی یا ماورائی حقیقتیں دریافت کر کے طمانیت قلب حاصل کرے۔ ایسی صورت میں سیاسی اقتدار اور مالی امور کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔ بہت سے صوفیاء کا نظریہء حیات یہ ہوتا ہے کہ دنیوی ظلم و استبداد پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنے کے بجائے دنیوی ظلم و استبداد کے باوجود زندہ رہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

جن رکاوٹوں نے دارالاسلام کی تحریک کا راستہ روکا اور آخرکار اس کے اختتام و انتشار پر منتج ہوئیں ان کا پتا چلانے کے لیے تو مزید تحقیق و جستجو کی ضرورت ہے مگر تنگ نظر سادہ لوح عصبیت یقیناً اس کے متعدد عوامل میں شامل تھی۔ غیر مسلموں کے علاوہ ان مسلمانوں پر بھی بھروسا نہ کرنے کی وجہ سے، جو دارالاسلام تحریک والوں کی رائے کے مطابق شکل وصورت یا طور وطریق میں ''دشمن'' کے بہت قریب تھے، تحریک نے اپنے وسائل کو بہت محدود کر لیا تھا۔ ایسا کرنا غیر ارادی نہ تھا بلکہ ''خود کفالت'' ان کے نظریہء حیات کا ایک حصہ تھی۔ عدم اعتماد کے عوامل میں گلی کوچوں کے سیاہ فاموں کی ثقافت سے اجتناب کو جتنا دخل تھا اتنا ہی دخل اسلامی اقدار کی پابندی کی خواہش کو بھی تھا۔ جس نوعیت کا اسلامی طرزِ حیات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحریکِ دارالاسلام کے قائدین اور پالیسی سازوں کے ذہنوں میں نقش تھا وہ بطور ایک تکملہ کے افریقی امریکی طرز حیات کا ایک متضاد عنصر بن گیا۔

اگر چہ اعتبار و انحصار کے لیے بیعت کی ضرورت تو تھی لیکن یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اس کا اثر منفی تو مرتب نہیں ہوا، مزید تحقیق و تجسّس کی ضرورت ہے کیونکہ اس امکان پر بلال فلپس یوں بحث کرتا ہے:

> قبل از وقت بیعت سے قائدین و اراکین کے اندر موجود تنگ نظری اور انتہا پسندی کو تقویت ملنے کا امکان ہے اور آخر کار وہ خواص کا ایک محدود گروہ بن جائے گا۔ اور اگر ایک دفعہ ایسا گروہ بن جائے تو پھر یہ غیر ممبروں سے استفادے کا اہل نہیں رہتا کیونکہ غیر ممبروں کو ''بیرونی'' اور ''غیر'' سمجھا جاتا ہے اور انھیں غیر معتبر تصور کیا جاتا ہے۔ آخر کار۔۔۔[بدخواہ قوتیں] کوئی انحرافی نظریہ شامل کر دیں گی جو عام پیرو کاروں کی تنگ نظری کے باعث جلد پھیل جائے گا اور اس کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام کے نام پر مسلمانوں ہی کو ظلم و ستم کا نشانہ بنانا شروع کر دیں۔[۶۲]

دارالاسلام تحریک سے وابستگی کا ذاتی عہد نامہ بڑا جامع تھا اور اگر اس کی لغوی تعبیر کی جائے تو وہ گویا زندگی بھر کا اقرار نامہ تھا۔ یہ بات قابل قیاس ہے کہ ''احکام شریعت کے مطابق'' والے الفاظ کے عملی اطلاق نے دار الاسلام تحریک کے ممبروں کی انفرادی زندگیوں اور اجتماعی زندگی میں پیچیدگیاں پیدا کر دی ہوں، کیونکہ ابھی تک ارباب فکر و دانش کوئی ایسا لائحہ عمل نہیں تیار کر سکے جو روایتی اسلامی علماء کے نزدیک بھی مستند ہو اور جس پر افریقی امریکی ثقافت یا مغربی ثقافت کے ماحول میں عمل پیرا بھی ہوا جا سکے۔

بہرحال ریاست ہائے متحدہ امریکا کی تاریخ میں دارالاسلام تحریک اور اسے شروع کرنے والے خاندانوں کی موجودگی کو مذکورہ سمت میں پیش قدمی کی پہلی کوشش ضرور کہا جا سکتا ہے۔ تحریک دار الاسلام یقیناً سچے سنی مسلمانوں کی ایک ایسی تنظیم تھی جس کی اکثریت افریقی امریکیوں پر مشتمل تھی جنھوں نے بہت سے اسلامی احکام کی پابندی از خود اختیار کر لی تھی۔ ان احکام میں عفت و عصمت اور خاندان کی حفاظت جیسے اصول شامل تھے۔ اور یہ سب کچھ وہ ایک ایسے معاشرے میں کر رہے تھے جو ان اقدار اور اصولوں کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حواشی

ہینوور کالج فیکلٹی ڈیویلپمنٹ کمیٹی فار دی مائنر ریسرچ گرانٹ کا دلی شکریہ جس نے اس مقالے کی ابتدائی تحقیق کو ممکن بنایا۔ شکریہ فلاڈیلفیا کے شیخ سید عبدالہادی کا کہ انھوں نے وقت اور اپنے کتب خانے تک رسائی عنایت کی۔ شکریہ ڈینس جانسن کا کہ انھوں نے اس مقالے کو پورا پڑھا اور شکریہ انڈیانا یونیورسٹی کے ایس اے جیکسن کا جنھوں نے اس مقالے پر نظر ثانی کی اور بہت سے مفید مشورے دیئے۔ بہرحال تمام کوتاہیوں اور خامیوں کا ذمہ دار میں خود ہوں۔

۱۔ یہاں عربی ناموں کو انگریزی میں لکھنے کے طریقے کی وضاحت کی گئی ہے۔

۲۔ روئے اوٹلی "New World: A-Coming" (۱۹۴۳ء کے ری پرنٹ ایڈیشن، نیویارک: آرنو پریس اور دی نیو یارک ٹائمز، ۱۹۶۸ء) ص ۵۶۔

۳۔ دارالاسلام حوالہ ہے اس ''خطۂ زمین کی طرف جہاں مسلمان اسلامی قانون کے مطابق رہتے ہیں''۔ یہ ضد ہے دارالحرب ''جنگ کا ملک'' کی جس میں غیر مسلم حکومتوں اور ان کی اخلاقی اقدار کا غلبہ ہوتا ہے۔

۴۔ ملاحظہ ہو جارج اے ڈیوس اور او فریڈ ڈونالڈسن کی (Blacks in the United States: A Geographic Perspective) (بوسٹن: ہوٹن مفلن، ۱۹۷۵ء) ص ۱۱۲۔ رہائشی اور تعلیمی زمینوں کے استعمال کے نمونے اس ملک میں (سیاہ فاموں کے برخلاف) مقامی ذات پات کے نظام کی بہت عام مثالیں ہیں۔ برٹرام کیرن The Negro Personality (نیویارک: اسپرنگر، ۱۹۵۸ء) ص ۱ تا ۷ اور باب ۲۔ ''امریکی ذات پات کا نظام''۔ برٹرام ڈوائل The Etiquette of Race Relations in the South: A Study in Social Control (شکاگو: یونیورسٹی پریس، ۱۹۳۷ء)۔

۵۔ یہ امریکی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس راجر بروک ٹینی کے الفاظ ہیں جنھیں فرینک بی لیتھم نے اپنی کتاب، The Dred Scott Decision, March 6, 1857: Slavery and the Supreme Court's "Self-Inflicted Wound" (نیویارک: فرینکلن واٹس، ۱۹۶۸ء) ص ۳۰ پر نقل کیا ہے۔

۶۔ نعیم اکبر Vision for Black Men (نیش ولے: ونسٹن۔ ڈیرک، ۱۹۹۱ء) ص ۶۹ تا ۷۳: جارج بریٹمین: The Last Year of Malcolm X: The Evolution of a Revolutionary (نیویارک: شوکن بکس، ۱۹۶۷ء)، ص ۵۶ اور ۱۴۷۔

۷۔ سائمن بوکر، Black Man's America (انگل ووڈ کلفس، نیو جرسی: پرینٹس۔ ہال، ۱۹۶۴ء)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ص ۱۰۸ تا ۱۰۹۔

۸۔ ایضاً ص ۱۱۶ تا ۱۱۷۔

۹۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ افریقی امریکی برادری میں جوابی کارروائی کے طور پر عدم تشدد کو وہی حیثیت دی جاتی ہے اور اسی طرح اس سے نفرت کی جاتی ہے جس طرح ہم جنس پرستی سے۔ دیکھئے چارلس ای سلبر مین: Criminal Violence, Criminal Justice (نیویارک: ونٹیج بکس، ۱۹۷۸ء) ص ۵۲۳ تا ۵۳۰۔

۱۰۔ بروس پیری، مدونہ Malcolm X: The Last Speeches (نیویارک: پاتھ فائنڈر، ۱۹۸۹ء) ص ۱۴۹۔

۱۱۔ جارج بریٹمین، مدونہ By Any Means Neccessary: Speeches, Interviews and a Letter by Malcolm X (نیویارک: پاتھ فائنڈر، ۱۹۷۰ء) ص ۴۳۔

۱۲۔ قرآن پاک ۴۲:۳۹۔

۱۳۔ صحیح [محمد ابن اسماعیل] البخاری (بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۹۵۸) ۸:۱۸۔

۱۴۔ ایلیجاہ محمد، Message to the Blackman (شکاگو: محمد س ٹیمپل نمبر ۲، ۱۹۶۵ء) ص ۵۸ تا ۶۱۔

۱۵۔ نیشن آف اسلام کی دینیات کے بارے میں دیکھئے ظفر الحق انصاری کا مضمون "Aspects of Black Muslim Theology," Studia Islamica 53 (فصل بہار، ۱۹۸۱ء) ص ۱۳۷ تا ۱۷۶۔

۱۶۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں اور ۱۹۷۰ء کی دہائی کی ابتدا میں ایک عام رائے؛ دیکھئے ہارڈنگ "Black Power and the American Christ"۔

۱۷۔ قرآن پاک ۲:۲۵۵؛ ۴۲:۱۱؛ ۱۱۲۔

۱۸۔ قرآن پاک ۴۹:۱۳۔

۱۹۔ دیکھئے اکبر محمد، "Muslims in the United States" مشمولہ Islamic Impact مدیر ای وون یاز بک حداد (سیراکیوز، نیویارک: سیراکیوز یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۴ء) ص ۲۰۸ تا ۲۱۰۔

۲۰۔ "Darul-Islam-Movement" مضامین ۱ اور ۲۔ اس مضمون کے تین ایڈیشن ہیں؛ سب کا عنوان "Dar-ul-Islam Movement" ہے۔ مضامین ۱ اور ۲ یکساں ہیں اور ان کا ذیلی عنوان ہے "The Real Muslims Stand Up!" یہ مضامین ابتدائی تحریک کی ایک مختصر اور ہمدردانہ تاریخ ہے۔ اس کے آخر میں ایک صفحے کا عنوان: ''میثاق مدینہ'' ہے۔ یہ ایک مسجد کو وفاق میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شامل کرنے کے سلسلے میں دارالاسلام کا معاہدہ ہے۔
مضمون نمبر ۱ الجہاد الاکبر کے جولائی ۱۹۷۴ء ایڈیشن سے لیا گیا ہے۔ مضمون نمبر ۲ بغیر نمبر اور تاریخ کا ایک آٹھ صفحہ پر مشتمل اندراج ہے جو ظاہری طور پر کسی خاص طباعت سے لیا گیا ہے۔ تیسرا مضمون، پہلے اور دوسرے مضامین کی ایک ادارت شدہ صورت ہے جو یحییٰ عبدالکریم سے ایک انٹرویو پر ختم ہوتا ہے۔ ان کا حوالہ مضمون ۱، ۲ اور ۳ کے طور پر دیا جائے گا الجہاد الاکبر کی آخری اشاعت ۱۹۸۰ء کے بہار میں ہوئی تھی۔

۲۱۔ ایضاً۔

۲۲۔ ایضاً۔

۲۳۔ مضمون ۳، ص ۹

۲۴۔ اس کی مثال رسول [صلی اللہ علیہ وسلم] کی حیات مبارکہ میں العقبہ اور الرضوان نامی دو بیعتیں اور ان [رسولؐ] کے بعد چاروں خلفاء سے کی گئی بیعتیں ہیں۔ دیکھیے عبدالمالک ابن ہشام *The Life of Muhammad: A Translation of Ibn Ishaq's Sirat Rasul Allah* انگریزی ترجمہ الفریڈ گلام، (نیویارک: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۵ء) ص ۱۹۸ تا ۲۰۵۔ پہلی دو بیعتوں کے لیے (دیکھیے قرآن ۶۰: ۱۲) اور الرضوان اور ابوبکر کے لیے دیکھیے بالترتیب ص ۵۰۳ تا ۵۰۴ اور ص ۶۸۶ تا ۶۸۷۔

۲۵۔ "Dar-ul-Islam Movement" تمام مضامین۔

۲۶۔ "Dar-ul-Islam Movement" مضامین ۱ اور ۲۔

۲۷۔ قرآن ۲: ۲۱۹ اور ۴: ۴۳ امتناع شراب کے بارے میں آیتیں ہیں ۵: ۹۰ تا ۹۱۔

۲۸۔ مضمون ۳، ص ۹۔

۲۹۔ ایرک سی لنکن *The Black Muslims in America* (بوسٹن: بیکن پریس، ۱۹۶۱ء)۔ امریکی لوگ ایک مسلمان کو عام طور سے ایک غیر ملکی اور خاص طور سے عرب سمجھتے ہیں۔ لہٰذا عام مسلمانوں کے لیے *Moslem* کا غلط استعمال اور ایلیجاہ محمد کے ماننے والوں اور سُنّی افریقی امریکیوں کے لیے *Muslim* کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

۳۰۔ ایلٹن ہارنسبائی جونیئر، *Chronology of African - American History: Significant Events and People from 1619 to the Present* (ڈیٹرائٹ: گیل ریسرچ، ۱۹۹۱ء) ص ۱۲۷۔

۳۱۔ جی رابرٹس، "From 'Freedom High' to 'Black Power'" (دی نیویارک ٹائمز میگزین (۲۵ ستمبر ۱۹۶۶ء) ص ۶ منقولہ جیمس ہیسکنز *Profiles in Black Power*

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(نیو یارک: ڈبل ڈے، ۱۹۷۲ء) ص ۱۹۳۔

۳۲۔ بریڈ فورڈ چیمبرز، مدیر Chronicles of Negro Protest (نیو یارک: پیرنٹس میگزین پریس، ۱۹۶۸ء) ص ۳۰۰ تا ۳۰۱۔

۳۳۔ بلیک پینتھرز ایک افریقی امریکی جنگجو تنظیم تھی جسے ہوئی پی نیوٹن اور ایلرج کلیور نے ۱۹۶۶ء میں قائم کیا تھا۔ اس کے ارکان اپنے اور سیاہ فام برادری کے دفاع کے لیے، اگر ضروری ہو تو، پولیس سے کھلم کھلا تصادم پر یقین رکھتے تھے۔ ان کے خاتمے کے لیے دیکھئے باب ۹: "The Only Good Panther", *Racial Matters: "The F.B.I's Secret Files on Black America 1960-1972* (نیو یارک: دی فری پریس، ۱۹۸۹) از کینتھ او ریلی۔

ران ندیبز-تھا ایوریٹ۔ کرینگا نے افریقی امریکی کلچر اور سیاہ قومیت پر زور دیتے ہوئے امریکی تنظیم ۱۹۶۰ء کی دہائی کے وسط میں قائم کی تھی۔ وہ افریقی امریکی ہالیڈے کوانزا کا بانی بھی تھا۔

۳۴۔ بلال عبدالرحمٰن انٹرویو۔

۳۵۔ مضمون ۳، ص ۹۔

۳۶۔ ایضاً۔

۳۷۔ قرآن ۳۶:۱ یٰسین کو قرآن کا دل کہنے والی حدیث ''صحیح'' کے معیارات پر پوری نہیں اترتی۔ ملاحظہ ہو اسمٰعیل ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (بیروت: دارالاندلس، ۱۹۸۳ء) ۵:۵۹۸۔

۳۸۔ قرآن۔ ۲:۱۵۰، ۲:۲۸۵، ۲:۲۷ و مابعد، ۵:۴۴، ۶:۷۶، ۷:۱۰ تا ۱۰۔

۳۹۔ دارالاسلام مساجد نیو یارک، میساچوسیٹس نیو جرسی، اوہیو، پنسلوانیا، میری لینڈ، ورجینیا، واشنگٹن ڈی سی، نارتھ کیرولینا، ساؤتھ کیرولینا، الاباما، جارجیا، مشی گن، الی نوائے، کولوریڈو، اونٹاریو، ٹرینیڈاڈ، دی ویسٹ انڈیز اور الاسکا میں قائم تھیں۔

۴۰۔ بارنسبائی: Chronology of African-American Histroy ص ۱۱۱۔ افریقی امریکی مسلم مشن کے امام وارث دین کو پیدائش کے وقت ویلس ڈیلینی فرد کے نام پر نام دیا گیا تھا۔ فرد نے اس وقت کے ایلجاہ پول کو اسلام کی بنیاد کی تبلیغ کی۔ ۱۹۳۴ء میں فرد کے غائب ہو جانے کے بعد نیشن آف اسلام نے کہا کہ وہ اپنی ذات میں خدا اور اللہ تھا اگرچہ اس کی ظاہری شکل و شباہت سیاہ یا حبشیوں کی سی نہیں تھی، سفید فاموں کو ''شیطان'' کہا جاتا تھا۔

میلکم ایکس کی طرح ویلس بھی ساتواں بچہ تھا۔ یہ ان دونوں کے خاندانوں کے لیے اہم بات تھی۔ ویلس کے بارے میں اس کی پیدائش کے وقت ہی سے توقع تھی کہ وہ اپنے والد کا جانشین بنے گا۔ سی ایرک لنکن کہتا ہے کہ ''قیادت سنبھالنے کے ساتھ ہی 'مکمل راسخ العقیدگی' اور سیاہ فام قومیت کے تصور کا قطعی خاتمہ، ویلس کا 'مقصد منتہٰی' بن گیا۔'' وارث دین کے بارے میں زیڈ انصاری نے کہا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ" لوئی فرخان کی غیر معمولی قائدانہ صلاحیت نے اس (وارث دین) کے اثرات اور پیروکاروں کو کم کر دیا ("W. D. Muhammad: The Making of a 'Black Muslim' Leader" مشمولہ American Journal of Islamic Social Sciences 2 | دسمبر ۱۹۸۵ء |: ۲۴۵ تا ۲۶۲۔

۴۱۔ ڈبلیو منٹگمری واٹ، Muhammad at Medina (نیویارک: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۶ء) ص ۲۲۱ تا ۲۲۵۔ ابن ہشام "The Life of Muhammad" میں ص ۲۳۱ تا ۲۳۴۔

۴۲۔ اسلام میں نفاق انگریزی اصطلاح میں نفاق کے عام مفہوم سے مختلف ہے۔ انگریزی اصطلاح پر اس کے معنی ہیں کہنا کچھ اور کرنا کچھ۔ منافق وہ ہے جو شعوری طور پر اسلامی توحید اور رسالت پر ایمان کا جھوٹا دعوی کرتا ہے۔

۴۳۔ طریقت (لفظی معنی" راستہ" یا" انداز"): ایک مذہبی نظام ہے جس کے پیروکار باطنی اور اندرونی انداز میں خدا کی پیروی پر زور دیتے ہیں۔

۴۴۔ امام الامین عبداللطیف اور شیخ سید عبدالہادی کے ساتھ انٹرویو (۱۹۹۱ء)۔ علی ابن عثمان الجلیابی الہجویری، Kashf al-Mahjub، انگریزی ترجمہ: رینالڈ نکلسن (لیڈن: ای جے برل، ۱۹۱۱ء؛ اشاعت ثانی؛ لندن: لوزاک، ۱۹۳۶ء، ۱۹۵۹ء، ۱۹۶۷ء؛ لاہور: اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۶ء)۔ عمر ابن محمد السہروردی، 'Awarif al-Ma'rif، انگریزی ترجمہ: ایچ ولبرفورس (لاہور: شیخ محمد اشرف، ۱۹۷۳ء)۔ عبدالقادر الجیلانی، Futuh al-Ghaib ترجمہ آفتاب الدین احمد (لاہور: شیخ محمد اشرف، | ۱۹۷۲ء، ۱۹۶۷ء |۔ محمد ابن ابراہیم فریدالدین Tadhkirat al-Awliya 'Memoirs of the Saints, of Muhammad ibn Ibrahim Farid al-Deen انگریزی ترجمہ؛ رینالڈ نکلسن (لندن: لوزاک، ۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۷ء)۔

۴۵۔ مسلم ابن الحجاج ابن مسلم القشیری نیشاپوری Sahih Muslim، انگریزی ترجمہ۔ عبدالحامد صدیقی (اکیڈمی آف اسلامک ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، تاریخ درج نہیں)، ۱:۱ تا ۲: Sahih Muslim، تدوین محمد فواد عبدالباقی (داراحیاء الکتب العربیہ، عیسیٰ البابی الحلبی، ۱۹۵۵ء) ۱:۲۸ تا ۲۹۔

۴۶۔ محمد ابن | عبدالوہاب | سلیمان التمیمی، ترجمہ: احمد جلال اور محمد غالی (ریاض، سعودی عرب: ریاست ادارۃ البحوث العلمیہ والافتاء والدعوۃ والارشاد، تاریخ درج نہیں)

۴۷۔ احمد غلواش، The Religion of Islam (سپریم کونسل فار اسلامک افیئرز، ۱۹۶۶ء) علی موسیٰ رضا مہاجر، The Tenets of Islam (لاہور: شیخ محمد اشرف، | ۱۹۶۹ء |) امیر حسن صدیقی، Origins and Development of Islamic Institutions (کراچی: جمعیت الفلاح | ۱۹۶۲ء |)۔ ابوالاعلیٰ مودودی، The Islamic Law and Constitution

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(کراچی: جماعت اسلامی پبلی کیشنز [۱۹۵۵ء])۔

۴۸۔ "Dar-ul-Islam is a Community"۔مشمولہ *Islamic News* اسپیشل انیورسری ایڈیشن، تاریخ درج نہیں۔ فلاڈیلفیا مسجد نے اسے شائع کیا۔ اس نے الجہاد الاکبر کے اس مضمون کو اور دوسرے مضامین کو دوبارہ شائع کیا۔

۴۹۔ ''دارالاسلام موومنٹ''، تمام مضامین۔

۵۰۔ ایضاً

۵۱۔ صحیح البخاری ۹:۴۔ ہر قسم کے اصنام، تعویذات، بزرگان دین، ان کی تصویروں حتیٰ کہ خود رسول اللہ [صلی اللہ علیہ وسلم] کی تصاویر کی پرستش یا ان سے مدد مانگنے کو شرک سمجھا جاتا ہے۔ دوسرے کبیرہ گناہوں میں والدین کی نافرمانی اور قتل شامل ہیں۔ غیر مسلموں کے مقابلے میں اپنے دفاع اور اعلان شدہ جنگ میں قتل کرنے کے علاوہ صرف قتل عمد، الحاد، مرد کے ساتھ ہم جنس پرستی اور خارج از نکاح جنسی تعلقات کی سزاؤں کے طور پر انسانی جان لینے کی اجازت ہے۔

۵۲۔ صحیح البخاری، ۳:۲۲۴ تا ۲۲۵ قرآن ۲۵:۶۸۔

۵۳۔ رفیق زکریا اس خود عائد کردہ نظریے پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں ''جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں ۔۔۔ وہاں بنیاد پرستوں کا رویہ بالکل واضح ہے۔ انھیں دوسرے درجے کے شہری کے طور پر زندگی گزارنے اور سیاست اور انتظامیہ میں حصہ نہ لینے کا طریقہ سیکھ لینا چاہیے''۔ *The Struggle Within Islam* (نیویارک: پینگوئن بکس، ۱۹۸۸)۔ص ۲۷۔

۵۴۔ یحییٰ اے کریم، ''کافروں کو دوست نہ بناؤ'' الجہاد الاکبر (بہار ۱۴۰۰ ہجری، ۱۹۸۰ء) ۱۳ تا ۱۴ اور ۲۳ تا ۲۶۔

۵۵۔ کتاب اقتدا الصراط المستقیم مخالفت اصحاب الجحیم میں ابن تیمیہ نے بڑے پرزور انداز میں یہ بات کہی ہے کہ مسلمانوں کے لیے دوسروں کی نقالی ممنوع ہے۔ ملاحظہ ہو احمد ذکی حماد *Islamic Law* (انڈیانا پولس: امریکن ٹرسٹ پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء)، ص ۲۴۔ مسلم عقیدے کے مطابق پیغمبر اسلام [صلی اللہ علیہ وسلم] کے اعمال و احکام کی خلاف ورزی کو شدید انداز میں رد کیا گیا ہے۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو۔ قرآن، ۴:۸۰، ۴۸:۱۷۔

۵۶۔ ''من تشبہ بقوم فھو منھم''۔ احمد ابن حنبل کی المسند اور ابوداؤد سلیمان السجستانی کی السنن سے منقولہ حدیث۔ انگریزی ترجمہ: فضل الکریم مشمولہ *al-Hadis [A Translation and Revision of al-Mishkat al-Masabih by Muhammad ibn Abd Allah al-Khatib al-Tibrizi]* (لاہور: محمد اشرف، تاریخ ندارد)۔

۵۷۔ صحیح البخاری، ۹:۱۹۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۸۔ ڈاڑھی رکھنے کے سلسلے میں احکام: صحیح البخاری ۷:۲۰۶، عورتوں کے لباس پر قرآنی احکام: ۲۴:۳۱، ۳۳:۵۹۔

۵۹۔ ''چھوکرا'' [young boy] عامیانہ اصطلاح ہے جس کے مفہوم کا تعلق ''ناتجربہ کاری'' سے ہے خواہ یہ کسی خاص میدان میں ہو یا کم عمری کی بنا پر ہو۔ یہاں اس اصطلاح کا حوالہ کسی کی اصل عمر کے مقابلے میں اس کی عملی زندگی کی کم عمری سے ہے۔

۶۰۔ قرآن، ۲۴:۵۵ مومنوں کی سیاسی بالادستی کا وعدہ بیان کرتا ہے۔

۶۱۔ فقراء، جمع ہے فقیر کی جس کے لغوی معنی غریب اور مفلس کے ہیں۔ تصوف کی یہ ایک مقبول عام اصطلاح ہے صوفیاء کے لیے جو اپنے رب کے مقابلے میں فقیر ہوتے ہیں۔ یہ مفہوم قرآن پاک کی ایک آیت سے لیا گیا ہے (الفاطر ۳۵:۱۵)

۶۲۔ تفسیر سورۃ الحجرات (ریاض: انٹرنیشنل اسلامک پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۸ء)، ص ۸۸۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۴

عصرِ حاضر کی امریکی اسلامی روحانیت میں روایت اور جدّت

باوامحی الدین کا حلقہ ارادت

گسیلا وب

تعارف

اس مطالعہ کا مقصد امریکا میں رونما ہونے والی اسلامی تحریکوں کے تاریخی ارتقاء پر روشنی ڈالنا اور ایک ایسی جہت کو اجاگر کرنا ہے جس کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے، یعنی اسلام کی وہ ''جہت تصوف'' جو عصر رواں کے امریکی سیاق وسباق میں نمو پذیر ہوئی۔ یہ امر باعث حیرت ہے کہ امریکا میں تصوف کے موضوع پر عملی تحقیق وجستجو نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس صورت حال کو تین عوامل کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے۔

اول یہ کہ امریکا میں اسلام کا مطالعہ ایک موضوع کے طور پر ابھی نیا نیا ہے اور عام طور پر اس ملک میں دین اسلام کی ترویج وترقی سے لوگ ناواقف ہیں۔ بیشتر امریکی اسلام سے مراد امریکا سے باہر پیدا ہونے والے مسلمانوں اور ان کے خاندانوں کے مذہب سے لیتے ہیں،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور وہ نہیں مانتے کہ امریکی مسلم کسی نہ کسی طور اسلامی برادری کا جزو بن گئے ہیں۔

دوسرا عنصر یہ ہے کہ امریکا میں صوفیوں کا حلقہ اس زمانے میں پیدا ہوا جب ۱۹۶۰ء سے شروع ہونے والی دہائی میں ''ادیانِ مشرق'' میں دلچسپی اور ان ادیان کے پیروکاروں کی ایک معتد بہ تعداد پیدا ہو گئی اور عالموں، ''مذہب کے مخالفوں'' ('anticult' groups) اور روایتی مسلمانوں میں یہ شک پیدا ہوا کہ شاید امریکی صوفی گروہ محض ''جوابی ثقافت'' (counter culture) یا نئے دور کے ایک مذہبی مظہر ہیں۔

تیسرا عنصر، عصر حاضر کے مطالعاتِ اسلامی میں ''ولی اللہ'' (خدا کا دوست) کے کردار کی طرف توجہ کا فقدان ہے۔ اس عنصر پر سیر حاصل بحث جیمس مارس نے اپنے اس مضمون میں کی ہے جس کا عنوان ہے ''تحریری احادیث اور مقبول عام روحانیت کے مابین اسلامی تصوف کے مقام کا تعین''۔[1] جیمس مارس کہتا ہے کہ ماضی قریب تک یہ حال تھا کہ ''یہ نکتہ عالم اسلام کے تقریباً ہر حصے میں عامتہ الناس کی مذہبی اور عقیدت مندانہ زندگی کا 'نکتہء مرکزی' ہوا کرتا تھا۔'' وہ تصوف کے موضوع پر ''کلاسیکی'' ادب کے تاریخی ارتقا پر، غور وفکر کے فقدان پر اظہار رائے کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ یہ ادب زبانی روایات کے بعد اور زبانی روایات کی روشنی میں پیدا ہوا، نہ کہ اس کے برعکس۔ اسی طرح ان (زبانی اور تحریری) روایات اور عامتہ الناس مسلمانوں اور علماء کی انفرادی اور اجتماعی ہر قسم کی زندگیوں میں ان کے عملی استعمال کے مابین رشتوں پر بہت کم کام ہوا ہے۔[2] اس صورت حال کا، اور اسی طرح ''نئے مذہبی گروہوں'' کی صورت حال کا مطلب یہ ہوا کہ علماء میں بھی اور خود روایتی مذہبی اداروں کے اپنے اندر بھی ''عوامی مذہب'' کی حیثیت کے بارے میں کسی واضح اتفاق رائے کا فقدان ہے۔ ''عوامی مذہب'' کے بارے میں کوئی رائے دینا اس قسم کی بحثوں میں الجھے بغیر ممکن نہیں کہ ''مستند'' مذہب کیا ہے؟ ''روایتی'' مذہب کیا ہے؟ ''روحانیت'' (برعکس ''تصوف'') کیا ہے؟ قدامت پسندی کیا ہے؟ اور یہ کہ ان اصطلاحات کی تعریف کون کر رہا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ امریکا کی ایک جاندار اور کامیاب اسلامی کمیونٹی کے اس مطالعے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مذکورہ بالا قسم کے سوالات و معاملات پر مزید غور وفکر کے لیے مواد مہیا کر دیا جائے۔

یہ مضمون بیسویں صدی کے سری لنکا کے صوفی بزرگ باوا محی الدین اور ۱۹۷۱ء میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فلاڈیلفیا کے اوور بروک حصے میں ان کے قائم کردہ حلقہ ارادت [۳] کا ایک طرح سے تعارف ہے۔ باوامحی الدین کے حلقہ ارادت میں تقریباً ایک ہزار مرید شامل ہیں، جن میں سے بعض لوگ تو مسجد کے احاطے ہی میں رہتے ہیں، جسے باوامحی الدین کے مریدوں نے خود ان کی رحلت سے صرف دو سال پہلے ۱۹۸۴ء میں تعمیر کیا تھا۔ اس حلقہ ارادت میں، طرح طرح کے لوگ شامل ہیں، جن کے نسلی اور ثقافتی پس منظر، عمریں اور پیشے، سب ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ان میں کچھ تو امریکا سے باہر پیدا ہونے والے ''پیدائشی مسلمان'' ہیں اور کچھ وہ ہیں جو پہلے یہودی، عیسائی یا لادین تھے۔ [۴] یہ حلقہ ارادت اپنے آغاز سے مختلف مرحلوں سے گزرا ہے۔ پہلے تو اسے ایک ''اسلامی'' جمعیت کے طور پر نہ اس حلقے کے مرید پہچانتے تھے اور نہ دوسرے لوگ۔ جبکہ آج یہ حال ہے کہ بدیہی طور پہ ایک ترقی پذیر جمعیت ہے۔ اب اس حلقے کے تحت پنج وقتہ باجماعت نمازوں، تلاوت اور تجوید قرآن، عربی زبان کی تعلیم و تدریس کا بندوبست ہے۔ اجتماعی اسلامی زندگی کے مختلف شعائر (مثلاً بچے کی پیدائش، شادی، موت سے متعلق رسوم) کے علاوہ اس حلقے کے بانی باوامحی الدین مرحوم کی کتابوں اور ویڈیو ٹیپس پر ان کی باضابطہ گفتگو کی تشہیر و تبلیغ کا باقاعدہ انتظام ہے۔ اس حلقے کے نمودار ہونے اور اس کے مسلسل قائم رہنے سے بہت سے معاشرتی اور مذہبی سوالات پیدا ہوگئے ہیں۔

جن سوالات پر اس مقالے میں توجہ مرکوز کی گئی ہے ان میں یہ باتیں شامل ہیں کہ روحانیت کے بارے میں روایتی نظریات اور باوامحی الدین کے نظریئے میں کیا رشتہ ہے؟ باوامحی الدین سلسلۂ قادریہ سے اپنے تعلق کے دعوے دار ہیں۔ تصوف کے روایتی سلسلوں اور بطورِ خاص سلسلہ قادریہ، کے مذہبی اور فلسفیانہ تناظر اور باوامحی الدین کے ''دینیاتی اور فلسفیانہ تناظر'' میں کیا رشتہ ہے؟ باوامحی الدین کس طرح بنیادی اسلامی عقائد وعمل کو جاری رکھتے ہیں؟ باوامحی الدین قرآن، حدیث اور دیگر اسلامی ماخذوں کو کس طرح کام میں لاتے ہیں؟ وہ اپنے تخیل کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے کس انداز کی زبان اور کون سا اسلوب استعمال کرتے ہیں؟ جو زبان اور تصورات وہ استعمال کرتے ہیں وہ کس حد تک ان کے اپنے ثقافتی اور تاریخی پس منظر کے آئینہ دار ہیں، اور کس حد تک وہ امریکی گردوپیش سے متاثر ہوتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں؟ کس حد تک باوا محی الدین کا کردار ایک صوفی شیخ کے روایتی کردار کے مطابق ہے؟ وہ کون سے طریقے ہیں جن کے ذریعے باوا محی الدین کی تعلیمات پر ان کے حلقہ ارادت میں عمل کیا جاتا ہے؟ اور آخری سوال یہ کہ کیا باوا محی الدین اور ان کا حلقہ ارادت اپنے عمل سے ''روایت'' کو محفوظ اور قائم رکھتے ہیں یا وہ روایتی اقدار و اعمال سے الگ راستہ نکال لیتے ہیں؟

ان سوالوں کے جواب معلوم کرنے کے لیے ہمیں باوا محی الدین کی تصانیف و تعلیمات کے نظریاتی پہلوؤں اور باوا محی الدین اور ان کے مریدوں نے جو ''ادارے'' یا ثقافتی اشکال استعمال کیں (مثلاً ذات باری کی ماہیت، تخلیق کائنات، انسان، وحی، پیرو مرید کا رشتہ وغیرہ) ان دونوں کے درمیان تعلق کو تلاش کرنا ہوگا۔[۵] لہٰذا اس باب کا مقصد دوگانہ ہے: ایک تو یہ کہ باوا محی الدین کے نظریۂ تصوف کے چند موٹے موٹے عناصر یعنی ان کے تصور توحید (خدا کی وحدانیت اور مطلقیت)، تصور قطب (''محور'') اور تصور شیخ (استاد، آقا) کو اجاگر کیا جائے پھر اس مخصوص حلقۂ ارادت میں باوا محی الدین کی روحانی تعلیم و تربیت کی تلقین و نفاذ جن ثقافتی شکلوں کے ذریعے کی جاتی ہے انھیں متعارف کرایا جائے۔ اس تعارف میں باوا محی الدین کی تعلیمات اور ان کے روحانی طریقوں کا تاریخی ترتیب سے ارتقا شامل ہے۔ یہ جمعیت جن طریقوں پر عمل کرتی ہے ان سے متعلق سوال تاریخ ادیان اور بشریات، دونوں کے حوالے سے پیدا ہوتے ہیں۔ سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ، باوا محی الدین کے مرید جو مذہبی طور طریقے استعمال کرتے ہیں وہ کس حد تک روایتی اسلامی ارکان دین (پنج وقتہ نمازیں، رمضان کے روزے، زکوٰۃ، حج اور عید میلاد النبی کی تقریب) کی عکاسی کرتے ہیں؟ اور کس حد تک اس حلقے کے طور طریقے ''صوفیانہ'' اسلام کے روایتی عناصر (یعنی ذکر اذکار، آٹھویں صدی عیسوی میں سلسلۂ قادریہ کے بانی بغداد کے شیخ عبدالقادر الجیلانی کے عرس، باوا محی الدین کے یوم وفات پر شب بیداری اور اسمائے حسنہ کی تسبیحات) کی عکاسی کرتے ہیں؟ باوا محی الدین کی جمعیت کے طریقوں کے بارے میں دوسرا سوال یہ ہے کہ باوا محی الدین جو درس دیتے تھے ان کی نوعیت کیا ہے (مثلاً خیالی داستانیں، مقبول عام مقولے، علامتی حکایتیں، شاعری، گیت یا ناصحانہ اور واعظانہ نثر) اور ان کا تعلق روایتی یا جنوبی ایشیائی مسلم روحانیت سے کیا ہے؟ تیسرا سوال یہ ہے کہ اجتماعی زندگی کی جمالیاتی جہت میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظریۂ تقدیس کیسے منعکس ہوتا ہے یعنی موسیقی کے ذریعے، مقدس جگہوں سے، فن تعمیر کے نمونوں میں، آرائشی فنون سے، کتابوں سے یا لباس سے؟ اور یہ ثقافتی شکلیں کس حد تک اس ''امریکی'' کلچر کا مظہر ہیں جس میں یہ کمیونٹی آباد ہے؟ چوتھا اور آخری سوال یہ ہے کہ کمیونٹی کی مروجہ تعلیم کے حوالے سے باوا محی الدین کی تعلیمات اور اسلامی اقدار کو بچوں اور کمیونٹی کے نئے ممبروں تک کیسے منتقل کیا جاتا ہے اور باوا محی الدین کی وفات کے بعد سے اعانت، مشوروں اور روحانی رشد و ہدایت کا کیا طریقہ رائج ہے۔

تحقیق اور اس مقالہ کی تیاری کے سلسلے میں دو طریقے استعمال کئے گئے ہیں۔ ایک فیلڈ ریسرچ یعنی فلاڈیلفیا میں کمیونٹی کی مسجد اور اس تعلیمی کمپلیکس میں جا کر کمیونٹی کے ممبروں سے بات چیت کے ذریعے، اور دوسرے باوا محی الدین کے مواعظ کے جائزے کے ذریعے، تاکہ روحانی رشد و ہدایت کے جو طریقے وہ استعمال کرتے تھے ان کا تعلق صوفیانہ تربیت کے روایتی طریقوں سے معلوم کیا جا سکے خواہ وہ طریقے کلاسیکی ہوں یا مقبول عام۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ اندازہ بھی لگایا جا سکے کہ آیا وقت کے ساتھ ساتھ، نظریاتی اعتبار سے یا عملی طور پر کمیونٹی کے طرزِ فکر و عمل میں کوئی تبدیلی تو رونما نہیں ہوئی؟ اس مقالے کی تیاری میں اس بات سے بھی بہت مدد ملی کہ باوا محی الدین اپنے ''باطنی'' یا ''سرّی'' اسلام کو غیر معمولی حد تک عیاں رکھتے تھے اور اس بات سے بھی کہ دستاویزات کو محفوظ رکھنے والے حلقہ ارادت کے ارکان نے باوا محی الدین کی تعلیمات کے تحریری مجموعوں کو اور ان کے مواعظ کے آڈیو اور ویڈیو ٹیپس کو عوام تک پہنچانے میں حد درجہ اعانت و تعاون سے کام لیا۔ اگرچہ باوا محی الدین جو مواعظ زبانی دیا کرتے تھے ان کی زبان تامل تھی جس میں کہیں کہیں انگریزی اور عربی کی بھی آمیزش ہوتی تھی، تاہم ان مواعظ کا ترجمہ مواعظ کے ختم ہوتے ہی امریکا اور سری لنکا کے مترجموں کی ایک جماعت فوراً کر دیا کرتی تھی اور جیسا کہ ویڈیو ٹیپس سے ظاہر ہوتا ہے، یہ مترجم واقعتاً وعظ کے دوران باوا محی الدین کے پہلو ہی میں بیٹھے رہتے تھے۔ ان تراجم پر برابر نظر ثانی ہوتی رہتی ہے تاکہ اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اسے دور کیا جا سکے۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ، اگرچہ باوا محی الدین کی تعلیمات میں توحید کی وحدت الوجودی[6] تعبیر میں ''روایتی'' اختلافات موجود ہیں تاہم ان تعلیمات کی تلقین واضح طور پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام کے قائم اور مُسلمہ حدود کے اندر ہے۔ لہٰذا باوا محی الدین کے حلقہ ارادت کا ابھرنا اور قائم رہنا، امریکا میں اسلام کی تبلیغ کے عمل کے نامیاتی اور متحرک پہلوؤں کا جیتا جاگتا اور منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ اس حلقہ ارادت نے عصر حاضر میں ایک ایسی مثال قائم کی ہے جس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تصوف کے روایتی کردار نے تبلیغ اسلام میں کیسے مدد کی ہے۔ سب سے آخر میں، اس گروپ کے طرز عمل اور اس کے فروغ سے اسلامی صوفیانہ تعلیمات کی ''عوامی'' اور ''کلاسیکی'' صورتوں کے درمیان رشتے کے سوال پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

تاریخی ارتقا

باوا محی الدین کے قریبی ارادت منداس بات پر متفق ہیں کہ باوا کی تعلیمات اس ''زبانی تبلیغ'' کا تسلسل ہیں جو تجلیءِ الٰہی کی پہلی نمود سے شروع ہوئی۔ اس ''زبانی تلقین'' کا نفس حقیقی لا الہ الاّ اللہ تھا، یعنی کلاسیکی صوفیاء زبان میں ''نہیں کوئی حقیقت بجز حقیقت رّبانی کے'' اور ''یااللہ! صرف تو ہی حقیقت ہے، صرف تو ہی حق ہے''۔ باوا محی الدین کی تعلیمات اور ان کے مریدوں کے اپنے بیانات میں جو ایک تعبیراتی موضوع نمایاں ہے اور جو باوا صاحب کے مریدوں کے مباحثوں ''جلسوں'' اور متعلقہ لٹریچر سے ابھر کر سامنے آتا ہے وہ ''وجود'' کے ظاہری ''طریقوں'' سے باطنی ''طریقوں'' کی طرف ''سفر'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ موخرالذکر ''سفر'' بجائے خود حق سے وصال کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ یہ ''سفر'' ہمیں جماعت کے تاریخی ارتقا کے علاوہ فرد کے وجود کی مابعد الطبیعیاتی اور آفاقی ''سطحوں'' پر بھی نظر آتا ہے۔

امریکا میں ایک معلم دین کے طور پر باوا محی الدین کے ابھرنے اور ان کے حلقہ ارادت کے پھیلنے کی تاریخ کو آپ دین اسلام کی ایک نسبتاً کم واضح اور خفی تقلید سے ایک زیادہ واضح اور غیر مشتبہ صورت کی طرف سفر سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اگرچہ اس مضمون میں زیادہ ذکر تو باوا محی الدین کے امریکا میں حلقہ ارادت ہی کے بارے میں ہوگا، لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی پیش نظر رکھنی ضروری ہے کہ باوا امریکا آنے سے بہت پہلے سری لنکا میں ایک نہایت معروف روحانی پیشوا اور مرشد کی حیثیت سے مشہور ہو چکے تھے۔ ہمارے علم کے مطابق باوا محی الدین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بطور معلم دین ابھرنے کی داستان ۱۹۴۰ء کی دہائی سے شروع ہوتی ہے۔ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ سری لنکا کے شمالی علاقے میں تامل ہندوؤں کا ایک چھوٹا سا جتھا یاترا (زیارت) کے لیے جا رہا تھا کہ اس نے اس جہاں نورد درویش کو جنگل سے نکلتے دیکھا۔ انھیں محسوس ہوا کہ باوا محی الدین ایک خدا رسیدہ بزرگ ہیں۔ چنانچہ انھوں نے باوا صاحب سے درخواست کی کہ وہ ان کے گرو بن جائیں۔ باوا صاحب نے یہ منظور کر لیا اور اگلے تین سال تک ایک خانہ بدوش درویش کی زندگی گزارنے کے بعد انھوں نے نہایت محدود طریقے پر رُشد و ہدایت کا آغاز کیا۔ ان کی تعلیمات کا زور عدل و انصاف اور عقل و دانش جیسی ''غیر معمولی صفات'' کے فروغ پر ہوتا تھا۔ اپنے حلقہ ارادت میں سب سے پہلے شامل ہونے والے سامعین کو جب وہ درس دیتے تو اپنی تعلیمات کی وضاحت کے لیے ''پرانوں'' (ہندوؤں کی مقدس کتاب) سے قصے بیان کرتے۔ وہ اپنی تقریروں میں تشبیہات و استعارات بھی ایسے ہی استعمال کرتے جن سے ان کے سامعین پہلے سے مانوس ہوتے۔ باوا صاحب نے اپنی اس خصوصیت کو زندگی بھر اور اپنی سیر و سیاحت کے دوران بھی برقرار رکھا۔ لوگ انھیں سوامی یا گرو یا باوا کے القاب سے پکارتے۔ ان کے حلقہ ارادت میں جافنا کے مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا گروہ بھی شامل ہو گیا۔ ان کے مرید کہتے ہیں کہ باوا صاحب کی ابتدائی سرگرمیوں میں ''آسیب دور کرنا، بھوت پریت بھگانا اور لوگوں کی زندگیوں کو منفی اثر رکھنے والی قوتوں سے نجات دلانا'' شامل تھا۔[8] جوں جوں باوا صاحب کے مریدوں کی تعداد بڑھتی گئی انھوں نے اپنے وعظوں اور درسوں میں قرآن، حدیث اور حدیث قدسی[9] کا استعمال زیادہ کر دیا۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی کے آخر تک باوا صاحب کی سرگرمیاں شمالی سری لنکا تک محدود رہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی کی تفصیلات بہت کم ظاہر کیں بس وہ یہی کہتے رہے کہ انھوں نے کوئی رسمی یا دینی تعلیم حاصل نہیں کی ہے۔ کولمبو میں کچھ مسلمان ایسے تھے جن کی دینی تربیت تصوف پر مبنی ''روایتی'' اسلامی انداز میں ہوئی تھی۔ انھوں نے بھی باقاعدہ جافنا آنا جانا شروع کر دیا۔ انھوں نے یہ محسوس کیا کہ باوا صاحب ایک ایسے مُرشد ہیں جنھیں تائیدِ غیبی حاصل ہے اور غالباً وہ ''اولیاء اللہ''[10] میں شامل ہیں۔ لوگ باوا صاحب کو قطب ماننے لگے جو تصوف کی روایت کے مطابق طریقت، حقیقت اور معرفت کے مدارج میں سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے (اس کا ذکر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ تفصیل سے بعد میں آئے گا)۔ دریں اثنا ۱۹۵۵ء میں باوا صاحب نے جافنا میں من کمبان کے نزدیک ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس واقعے سے باوا صاحب کی تعلیمات اور دین اسلام کا تعلق پہلی بار کھل کر سامنے آیا اور اگرچہ باوا صاحب اب بھی اپنے وعظ وتذکیر میں برابر یہی کہتے رہے کہ ''نسل، رنگ یا مذہب'' کی بنا پر کس قسم کی تفریق وتمیز صحیح نہیں ہے اور یہ کہ اس مسجد میں تمام مذاہب کے پیروکار اس وقت تک عبادت کر سکتے ہیں جب تک غیر مسلم پنج وقتہ نمازوں کی حرمت کو برقرار رکھیں،[۱۱] علاوہ ازیں ۱۹۶۷ء میں مسلمانوں کے ایک حلقے نے باوا صاحب کے مواعظ سننے اور ان پر غور وخوض کرنے کے لیے کولبو میں ''سراندیپ صوفی اسٹڈی سرکل'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی جس کے اجلاس آج تک باقاعدگی سے ہوتے ہیں۔

فلاڈیلفیا کا حلقۂ ارادت

فلاڈیلفیا میں باوا صاحب کے مریدوں سے گفتگو کرنے اور باوا صاحب کے ۱۹۶۴ء سے ۱۹۸۶ء (سال وفات) تک دیئے گئے وعظ سننے سے آپ کو دو چیزیں واضح طور پر نظر آتی ہیں۔ ایک بغداد کے ''حلیم الطبع'' حنبلی مسلک کے پیرومرشد حضرت عبدالقادر الجیلانی (وفات ۱۱۶۶ء) سے روحانی نسبت اور دوسرے ذکر خفی[۱۲] سے ذکر بالجہر کی طرف سفر اور اس کے بعد عبادت کی اسلامی شکلوں کے بارے میں باضابطہ تعلیم وتدریس۔ یہ بھی پتا چلتا ہے کہ باوا صاحب کے مریدوں کی ایک معتدبہ تعداد باوا صاحب کے اس عمل کو ''ظہورِ حق'' کے عمل کے مماثل قرار دیتی ہے، یعنی ایک طرح کا ''عمل انعکاس'' یا ذات حق کی ''خفی'' طلب یا خواہش شہود (مثلاً ''میں ایک گنج مخفی تھا اور میں نے چاہا کہ مجھے جانا جائے'')،[۱۳] گویا ''عالم اشکال میں ذات حق کا خارجی شہود''۔

۱۹۷۱ء میں باوا صاحب کی امریکا آمد فلاڈیلفیا کی ایک نوعمر خاتون کی درخواست پر ہوئی۔ اپنی ''واردات قلبی'' کے باعث اس خاتون کو ایک روحانی مرشد کی تلاش ہوئی۔ انھوں نے باوا صاحب کا ذکر ایک ایشیائی گریجویٹ طالب علم سے سنا جو فلاڈیلفیا میں تعلیم حاصل کر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہا تھا۔ چنانچہ وہ خاتون ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۱ء تک باوا صاحب سے خط و کتابت کرتی رہیں۔ آخر کار باوا صاحب نے امریکا آنے کی درخواست قبول کر لی اور ۱۱؍اکتوبر ۱۹۷۱ء کو وہ امریکا پہنچ گئے۔ باوا صاحب کے ابتدائی مرید بتاتے ہیں کہ اُن دنوں میں باوا صاحب مغربی فلا ڈیلفیا میں ایک چھوٹے سے گھر میں رہتے تھے، وہ مرشد و معلم تو تھے لیکن اس زمانے میں ان کے ہاں کوئی رسمی باضابطہ روحانی اعمال نہ تھے۔ باوا صاحب کے اس دور کے بہت سے مرید اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کا تعلق ۱۹۶۰ء کی دہائی کی اس نسل سے ہے جو امریکا میں ''تلاش حق'' میں سرگرداں تھی۔ اس ابتدائی دور کے بارے میں ان لوگوں کو یہ باتیں خاص طور پر یاد ہیں کہ باوا صاحب فلا ڈیلفیا میں اپنا بیشتر وقت خدمتِ خلق میں صرف کرتے تھے مثلاً فلا ڈیلفیا کے اپنے پندرہ سالہ دوران قیام میں، سوائے چند ان لمحات کے جو وہ بیت الخلاء میں گزارتے تھے، شاید ہی کوئی لمحہ انھوں نے اپنی ذات پر صرف کیا ہوگا۔ یہی حال لوگوں سے ان کی محبت کا تھا۔ ان کی ذات ''جس کا مسکن عشق ہے وہ حق میں اور حق اس میں رہتا ہے'' کی مکمل تصویر تھی۔ اس طرح وہ اپنا وقت لوگوں کو رُشد و ہدایت کا سبق دینے یا انھیں مالی مدد دینے میں صرف کرتے تھے۔ بہت سی ایسی روایات بھی سننے میں آتی ہیں جن کے مطابق وہ لوگوں کے نفوس کو پاک صاف کرتے اور انھیں منشیات سے نجات دلاتے تھے۔ اس زمانے میں باوا صاحب کی بیشتر تعلیمات محض ''ہمہ وقت ذکر الٰہی'' تک محدود تھیں اور بعض وقت وہ اپنے مریدوں کو مشورہ دیتے کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھتے رہا کرو۔ ''منتر یا یوگا'' کے طور پر نہیں بلکہ یادِ الٰہی کو ہر دم تازہ رکھنے کے ایک وسیلے کے طور پر۔ باوا صاحب کے حلقہ ارادت میں شروع شروع میں جو امریکی باشندے شامل ہوئے ان میں سے اکثر کا کہنا ہے کہ ہمارے ذہن میں تو یہ بات تھی ہی نہیں کہ یادِالٰہی کو تازہ رکھنے کے لیے جو الفاظ انھیں بتائے گئے ہیں (یعنی لا الٰہ الا اللہ) ان کا کوئی تعلق دین اسلام سے بھی ہے۔ باوا صاحب کے بہت سے امریکی مریدوں نے مجھے بتایا ہے کہ اب جب کہ ہم ماضی پر نظر ڈالتے ہیں، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ (باوا صاحب کی تعلیمات میں) جو زبان استعمال کی گئی اور جو تصورات استعمال کیے گئے ان کا تمام تر تعلق قرآن، حدیث اور تصوف سے تھا لیکن اس وقت (بجز ان چند کے جو صوفی لٹریچر سے واقف تھے) ان لوگوں کو یہ آگہی نہ تھی۔ باوا صاحب کے ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرید کا کہنا ہے، کہ جب پانچ سال گزر گئے تو باوا صاحب نے ہمیں بتایا کہ ''یہی اسلام ہے''۔ باوا صاحب کے مریدوں کا بلا استثناء یہ کہنا ہے، کہ یہ باوا صاحب کے ''عمل میں عشق''، اور ان کی معلمانہ صلاحیت کا اعجاز تھا کہ ان کے مریدوں میں ان سے محبت وعقیدت اور لگن پیدا ہوئی۔ باوا صاحب کے طریقِ تعلیم کی ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ ہمیں وہ باتیں بتلاتے تھے جن کی ہمیں ضرورت تھی، جو ہم سننا چاہتے تھے اور پھر وہ ان باتوں کو ایسے طریقے سے بتلاتے تھے کہ ہم ان سے استفادہ کر سکتے تھے۔

باوا صاحب کے امریکی حلقہ ارادت میں، باوا صاحب کی تعلیمات اور شعائر کے مابین تعلق ۱۹۷۶ء میں زیادہ واضح ہوا۔ جب انہوں نے ۱۱/اگست ۱۹۷۶ء کو ساڑھے چار بجے صبح اپنے مریدوں کو اپنے پاس بلایا اور ذکر الٰہی کا زیادہ منضبط طریقہ سکھایا (یہ وہی جگہ تھی جہاں اب اوور بروک، فلا ڈیلفیا میں جماعت کا دفتر قائم ہے)۔ باوا صاحب کے ان مواعظ کے ٹیپ اب بھی وقتاً فوقتاً چلائے جاتے ہیں تاکہ سننے والے باوا صاحب کی تعلیمات کے ابتدائی اصلی زمانے اور گردوپیش سے متعارف ہوسکیں یا اپنے تعارف کی تجدید کرسکیں اور ان کے فیوض و برکات میں شامل ہوسکیں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر سال اگست کے مہینے میں، انھیں تاریخوں میں، جب باوا صاحب نے وہ مواعظ دیئے تھے، صبح چھ بجے وہ ٹیپ دوبارہ چلائے جاتے ہیں۔ جو تعلیمات دی گئیں وہ یہ تھیں:

۱۔ اندرونی طہارت اور پاکیزگی کے لیے جسم کی ظاہری اور علامتی صفائی کرنا۔

۲۔ دل میں یہ کہہ کر نیت کرنا کہ ''میں عبادت کی نیت کرتا ہوں''۔

۳۔ مقررہ نمازیں پڑھنا اور قرآنی آیات کی تلاوت کرنا: یعنی تعوذ وتسمیہ، پھر قرآن کی پہلی سورۃ، سورۃ الفاتحہ اور تین چھوٹی چھوٹی قرآنی سورتیں مثلاً سورۃ اخلاص، سورۃ فلق اور سورۃ الناس پڑھنا۔

۴۔ ''ذکر الٰہی'' پر توجہ مرکوز رکھنا۔ اس کا طریقہ یہ تھا (اور آج کل بھی، منجملہ دیگر طریقوں کے، یہ طریقہ مروج ہے) کہ زیروبم کے انداز میں پہلے لا الٰہ کہتے ہوئے بائیں نتھنے سے جسم کی منفی توانائی سانس کے ذریعہ خارج کی جائے پھر الا اللہ کہتے ہوئے دائیں نتھنے سے سانس کے ذریعے مثبت توانائی جسم میں داخل کی جائے۔[۱۴] ذکر الٰہی سے متعلق

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باوا صاحب کے مواعظ کے ویڈیو ٹیپ میں آج بھی دیکھا اور سنا جا سکتا ہے کہ لا الہٰ کی تکرار آہستہ آہستہ کم ہوتی چلی جاتی ہے حتیٰ کہ مکمل سکون کی منزل آ جاتی ہے۔ بقول ایک رکن حلقہ کے ''ایک روز ہم بھی 'سکون' کی کیفیت میں پہنچ جائیں گے''۔

۵۔ ''ذکر'' کے بعد سلام بھی باوا صاحب کے نزدیک اس عمل کا جزو لا ینفک تھا یعنی دوسرے فرد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنا اور اس طرح ''یگانگت'' اور ''طمانیت'' کی نیت کو اس کے منطقی نتیجے تک پہنچانا۔ مردوں کے لیے مردوں کو اور عورتوں کے لیے عورتوں کو سلام کرنا ضروری تھا۔ عورتوں کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ نماز پڑھتے وقت اپنے سروں کو ڈھانپ کر رکھیں۔ اس طرح بعض شعائر اسلامی کی روایات قائم ہو گئیں اور امریکی حلقہ ارادت میں اِس خاموش ذکرِ سحر گاہی کا طریقہ ۱۹۷۶ء سے ۱۹۷۸ء تک جاری رہا۔[۱۵]

''ذکر اللہ'' یا ذکر خموش کی مثال باوا صاحب نے شعور کی باریک بین اور انتہائی صحیح زبان میں اس طرح دی ہے کہ ''اس کی دھار چاقو کی دھار جیسی تیز ہے، مکمل توجہ کے ساتھ۔ مذکورۂ بالا طریقے سے سانس یوں زیر و بم کے ساتھ اندر لیا اور باہر نکالا جائے کہ اِس منزل پر پہنچ کر آدمی اپنے وجود کو بھی کھو بیٹھے'' دراصل اس نکتے کا تعلق تصوف کے اس معروف اصول سے ہے کہ خودی، انا اور نفس کو ''ختم ہو جانا چاہیے قبل اس کے کہ تم خود فنا ہو''۔ ''انسان کو کلیتہً اپنی توجہ ایمان اور یقین کے ساتھ ایک اور صرف ایک نکتے پر مرتکز کرنا ہوگی... تمام حواس اور محسوسات بے حس ہو جائیں گے... قلب ذات باری پر کلیتہً مرتکز ہو جائے گا... ذکر خاک و آتش یا آب و باد اور خلا کے ذریعے نہیں ہوتا... ذکر مذہب، نسل (یا ذات پات) کے توسط سے نہیں کیا جا سکتا...'' ایک معروف حدیث قدسی[۱۶] کی طرف اشارہ کرتے ہوئے باوا صاحب بیان کرتے ہیں کہ اس ذکر الٰہی میں جب کیفیت یہ ہوتی ہے کہ خالق و مخلوق اور مخلوق و خالق ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں۔ جب کیفیت یہ ہوتی ہے کہ انسان فنا سے پہلے فنا ہو جاتا ہے تو وہ ذات باری کو اس کی نظر سے دیکھتا ہے، ذات باری سے اسی کی زبان سے مخاطب ہوتا ہے اور ذات باری سے اس کے دل کے توسط سے گفتگو کرتا ہے۔[۱۷] باوا صاحب حق سے ہم آہنگی اور متصل ہونے کی جو زبان استعمال کرتے ہیں اور اپنے اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عقیدے کو حدیث قدسی کے ذریعے استحکام بخشتے ہیں۔ اس سے وہ بایزید بسطامی، منصور حلاج اور ابن عربی جیسے صوفیاء کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ یہ وہ صوفیاء ہیں جن کے والہانہ اور سرمستی میں ڈوبے ہوئے کلمات اور جن کی تعلیمات اسلامی روایت کا تاریخی جزو لاینفک ہیں اگرچہ یہ جزو متنازع فیہ بھی ہے۔[۱۸]

باوا صاحب امریکا سے سری لنکا اور پھر امریکا آتے جاتے رہے، سری لنکا میں باوا صاحب نے عربی زبان میں باضابطہ نمازوں کا طریقہ رائج کیا۔ باوا صاحب کے بہت سے امریکی مرید ان کے ساتھ امریکا سے سری لنکا آتے جاتے رہے تاکہ وہ سری لنکا میں بھی باوا صاحب کی معیت میں ''گہرہائے دانش و فراست'' حاصل کرتے رہیں۔ اگر باوا صاحب کے ٹیپ شدہ مواعظ کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۹۷۴ء کے ابتدائی زمانے میں بھی ذکر کی مختلف اقسام کی ماہیت اور اسباب پر بحث کر رہے تھے۔ ان کی تعلیمات ایسے رخ پر بڑھتی ہوئی نظر آتی ہیں جس میں توحید و اتحاد کی اصطلاحات میں معاشرتی اور اجتماعی مفہوم شامل ہے۔ باوا صاحب نے سحر گاہی ذکرِ جلی کا سلسلہ شروع کر دیا۔[۱۹] سری لنکا، میں باوا صاحب نے اپنے سلسلۂ مواعظ میں ذکر کی بڑی بڑی اقسام کی اہمیت پر بحث کی: ذکر جلی کے متعلق انھوں نے کہا کہ یہ انسان پر ذات باری کا فضل و کرم ہے۔ یہ رب کی نعمت و رحمت ہے جو عالم رنگ و بو میں بسنے والے انسان کے بشری تقاضوں کی تسکین کے لیے ضروری تھی: ''جو دنیا اور خواہشات نفسانی اور تمناؤں میں رہتے ہیں'' اور ''ان کی سطح دنیوی ارادے کی سطح ہوتی ہے''۔[۲۰] اس وعظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلوٰۃ و دعا کے بھی مختلف ''مدارج'' ہیں جو مختلف اشخاص کے اپنی اپنی صلاحیتوں اور حیثیتوں کے مطابق ہوتے ہیں۔[۲۱] باوا صاحب ذکر پر بحث کرتے ہیں تو گویا وہ صلوٰۃ و عقیدت کی زبان میں مسلم دینیات مرتب کرتے ہیں:

> ''اس کو سمجھنا اور صحیح طریقے سے ادا کرنا خیر ہے۔۔۔/ جو لوگ یہ ذکر کرتے ہیں ان کی جزا ذات باری خود ہے۔۔۔/ کوئی رحمت یا نعمت نہیں بجز ذات باری کے۔۔۔/ کوئی عشق نہیں بجز عشق الٰہی کے۔۔۔/ کوئی ربوبیت نہیں بجز ربوبیتِ رب کے۔۔۔/ کوئی نیت نہیں بجز نیتِ ربانی کے۔۔۔/ کوئی عبادت نہیں بجز عبادت الٰہی کے۔۔۔/ کوئی عظمت نہیں بجز عظمت خداوندی کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۔۔۔/کوئی آرزو نہیں بجز آرزو برائے خالق کائنات کے۔۔۔/کوئی سعادت نہیں بجز سعادت الٰہی کے۔۔۔/کوئی محبت کوئی حمد و ثناء نہیں بجز حمد و ثنائے الٰہی کے/ ہر شے اسی کی عظمت کا نشان ہے، اسی کا قصہ ہے''۲۲

باوا صاحب اپنے مواعظ کو اکثر برجستہ اشعار پر ختم کرتے تھے، منقولہ بالا وعظ میں بھی انھوں نے اختتام ایک برجستہ نظم پر کیا ہے، جس میں انھوں نے اپنی تعلیمات کو شعری انداز میں قلم بند کیا ہے۔ ان اشعار میں انھوں نے تین بجے صبح اٹھنے کے حسن کو اجاگر کیا ہے، اور کہا ہے کہ ''یہ وقت وہ ہوتا ہے جب آپ پرندوں کی چہچہاہٹ اور (کائنات میں) اس کی بازگشت سن سکتے ہیں''، یہ وقت وہ ہوتا ہے ''جب فرشتے اور اولیاء اللہ اور اقطاب و انبیا اور ذرات وجود وغیرہ۔۔۔سب کے سب۔۔۔کیا پرندے، کیا سانپ، کیا مینڈک، کیا مچھلیاں، سب مصروف عبادت ہوتے ہیں۔ آؤ اور تم بھی ذات واحد کی عبادت کرو''۔

''ذکر جلی'' کے ساتھ ساتھ باوا صاحب نے اسمائے حسنٰی اور دوسرے کلمات متبرک کی تسبیح تینتیس (۳۳) بار، ننانوے (۹۹) بار اور سو (۱۰۰) بار پڑھنی شروع کر دی۔۲۳ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ذکر الٰہی کے معمول کو بھی باوا صاحب کے مریدوں کے نظام الاوقات کے مطابق ڈھال لیا گیا ہے، مثلاً اس کا دورانیہ ایک سے لے کر تین گھنٹے تک ہو سکتا ہے۔ یہ ذکر فجر کی نماز سے پہلے بھی کیا جا سکتا ہے اور بعد میں بھی۔

۱۹۸۱ء میں باوا صاحب نے امریکا میں روزانہ باجماعت نماز پنجگانہ کا طریقہ رائج کیا اور باجماعت نماز کی امامت کے لیے پیش امام کی موجودگی کو ضروری قرار دیا۔ اس پیش امام کا اسلامی روایت کے مطابق تربیت یافتہ ہونا ضروری تھا تاکہ نماز میں تلاوت کلام پاک صحیح طریقے سے ہو سکے، نماز کی امامت باقاعدہ ہو سکے اور ہر نماز سے پہلے اذان دی جا سکے۔ نماز پنجگانہ کی اہمیت پر مختلف اور متعدد مواعظ ہیں جن میں نماز پنجگانہ کی ظاہری اہمیت کے ساتھ ساتھ باطنی اہمیت بھی واضح کی گئی ہے اور علمی اور مابعد الطبیعیاتی دونوں اعتبار سے پانچوں نمازوں کے اوقات کا تعلق روحانی سفر کے مختلف ''مدارج'' سے قائم کیا گیا ہے۔۲۴

۱۹۸۲ء میں باوا صاحب نے فلاڈیلفیا میں ایک مسجد تعمیر کرنے کے بارے میں بات چیت شروع کی۔ اس کے بارے میں انھوں نے کہا کہ ''جافنا (سری لنکا) کی مسجد کی طرح

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس مسجد کا نام بھی بیت اللہ ہوگا، جہاں ایک طرف ہر رنگ و نسل اور ہر مذہب کے لوگ عبادت کر سکیں گے بجز ان اوقات کے جو باجماعت نماز کے لیے مخصوص ہیں اور دوسری طرف نماز باجماعت خالصتاً شریعت اسلامی اور سنت نبویؐ کے مطابق ادا کی جائے گی تا کہ اسلامی دنیا کے کسی بھی حصے سے تعلق رکھنے والے مسلمان یہاں عبادت کرنے میں آسانی محسوس کریں''۔نمازیں حنفی مذہب کے مطابق ادا کی جائیں گی۔ مسجد چھ ماہ میں بن کر تیار ہوگئی۔ تعمیرِ مسجد کا تقریباً سارا کام مریدوں نے خود کیا[۲۵] اور اس کا نقشہ سری لنکا میں جافنا کی مسجد کے نقشے کے نمونے پر باوا نے خود تیار کیا۔[۲۶]

باوا کی تعلیمات کے مدارج کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں شروع شروع میں زیادہ توجہ فرد کے باطنی شعوری تجربے کی طرف تھی۔ مثلاً، پہلے کلمے کلمۂ طیبہ کے انقلابی عملی مضمرات کو اجاگر کیا گیا یعنی یہ کہ صرف اور صرف اللہ کی ذات ہی واحد حق ہے، گویا یہ تھی ابتدائی منزل۔ پھر آہستہ آہستہ بتدریج باوا صاحب کی تعلیمات میں زیادہ زور اجتماعی عبادات کے زیادہ خارجی، باضابطہ اور روایتی اسلامی مظاہر پر ہونے لگا۔ اجتماعی پہلو پر زیادہ توجہ کی تعبیر یہ کی جاتی ہے کہ یہ توحید کی ''خود تکمیلی'' کی ایک شکل ہے یعنی وحدانیت ذات باری کے تصور میں ایسا محیر العقول اجتماعِ ضدّین ہے جو سب پر حاوی ہے اور پھر بھی اس میں نسل، طبقہ یا مذہب کی بنا پر کوئی تفریق و تمیز نہیں۔ مسلم کمیونٹی کے متعلق ایک تصور یہ بھی ہے کہ وہ ایک ایسی جولانگاہ ہے جس میں نفس امارہ کی تربیت اور تطہیر اس طرح کی جا سکتی ہے کہ اللہ کے اسمائے حُسنیٰ، اور صفات کا اظہار اور نمود اِس دُنیا میں بھی ممکن ہو سکے۔ باوا صاحب فرماتے ہیں کہ مسجد میں اجتماع کا مطلب طمانیت، یگانگت اور محبت کی کیفیت ہے اور یہی کیفیت دراصل ''اسلام'' ہے۔[۲۷] اور یہ کہ ایمان و اسلام کی یہ وحدت خود ذات باری کی وحدانیت کی مظہر ہے۔

توحید

باوا صاحب کی روحانیت نظری، فکری ہونے کے ساتھ ساتھ انسان کے جذبۂ عبودت اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والہانہ پن کا احاطہ کرتی ہے۔ دراصل باوا صاحب کا وحدت الوجود کا مابعد الطبیعیاتی فلسفہ نہایت پُر پیچ اور دقیق ہے،[۲۸] جسے وہ روایتی (قرون وسطیٰ کے نو افلاطونی) علمی اور آفاقی ڈھانچے میں پیش کرتے ہیں۔ اس ڈھانچے میں ذات واحد جوش میں آ کر متعدد مظاہر میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ ڈھانچے میں وجود کے مختلف مدارج ہیں جن کے ایک سرے پر ذات باری کا جلوۂ تاباں اور دوسری طرف بنیادی عناصر ہیں۔ بایں ہمہ باوا کی تعلیمات ہمیشہ عقیدت مندانہ اعمال اور قلندرانہ طرز زندگی سے منسلک رہتی ہیں۔ باوا نے ان تعلیمات کو اجتماعی اور انفرادی دونوں حالتوں میں روزمرہ کی زندگی میں ضم کر دیا۔

ذات باری کی وحدت اور ماورائیت پر باوا صاحب کی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے کائنات اور مخلوقات کی ابتدا اور اس کی ماہیت سے متعلق ان کے مباحث و مواعظ کو سمجھنا ہوگا۔ وجود کی آفرینش کو، تخلیق سے متعلق ابن سینا،[۲۹] ابن عربی کے اس تکوینی معیار کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے جس کے مطابق مخلوقات اللہ تعالیٰ کے اس عمل تعقل سے وجود میں آئیں جس میں ''اس نے چاہا کہ وہ جانا جائے'' (واضح طور پر یہ ایک معروف حدیث قدسی کی طرف اشارہ ہے) اور جب اس نے چاہا کہ وہ جانا جائے تو اس وقت پہلی صدائے بازگشت یا گونج پیدا ہوئی یا پہلا عکس نمودار ہوا۔ جب ذات باری نے اپنے کو جاننا شروع کیا تو مخلوقات کے نظام وجود میں آئے۔ ذات باری کی یہ تفہیم مابعد الطبیعیاتی اعتبار سے، نسلی ارتقا کے اعتبار سے اور علمی اعتبار سے، غرض ہر اعتبار سے تخلیق انسانی کا مبدا اور مقصد ہے۔ اگرچہ تمام دوسری مخلوقات جبلی طور پر اپنے خالق کی عبادت کرتی ہیں لیکن ذات باری کی تفہیم کا شرف صرف انسان کو حاصل ہے (چنانچہ خالق و مخلوق کے درمیان وہ مکالمہ جس میں انسان اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ انسان کی تعریف کرتا ہے)۔[۳۰] ذات باری کا سب سے پہلا ظہور ''تاریخی اعتبار'' سے نور محمدی [صلّی اللہ وعلیہ وسلّم] کی شکل میں ہوا۔ وہ محمد [صلّی اللہ و علیہ وسلّم] جو ازلی بھی ہے اور ابدی بھی، وہ محمد [صلّی اللہ و علیہ وسلّم] جو باطنی ہے، وہ محمد [صلّی اللہ و علیہ وسلّم] جو کلمۂ الٰہی ہیں، وہ محمد [صلّی اللہ و علیہ وسلّم] جو ''پہلی گونج'' ہیں، وہی جن کے توسل سے اور جن میں تمام اشیاء کا وجود ہے۔[۳۱] یہ وحدانیت کی ''مابعد الطبیعیاتی سطح'' ہے جو تائید خداوندی، جمال الٰہی، اور ننانوے (۹۹) اسمائے حسنیٰ سے متعلق

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باوا صاحب کی تعلیمات سے منسلک ہیں۔ اس کی بہت سے نظیریں تصوف کے کلاسیکی اساتذہ کے ہاں موجود ہیں مثلاً ابن عربی کا درجہ ''واحدیہ''۔ [۳۲]

باوا صاحب اسم ''محمدؐ'' کے ''میموں'' کے بارے میں صوفیانہ نظریات کو استعمال کرتے ہیں۔ وہ ''احد'' میں ''میم'' نہ ہونے اور ''احمد'' میں ''میم'' کے ہونے [۳۳] کی ترکیبی رمزیت کو بھی استعمال کرتے ہیں جو صوفیاء کے یہاں معروف ایک حدیث قدسی پر مبنی ہے یعنی ''میں احمد ہوں بلا میم کے'' یعنی ''احد'' یا ایک۔ [۳۴] باوا صاحب تامل زبان میں بھی اس قسم کی لفظی ترکیبیں استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً تامل زبان میں ''مکم'' کا مطلب ہے ''رخ'' یا چہرہ اور ''اکم'' کا مطلب ہے ''دل''؛ چنانچہ باوا صاحب کہتے تھے کہ ''محمدؐ'' دل کا جمال ہے جو چہرے میں منعکس ہوتا ہے۔ [۳۵] اس قسم کی لفظی تاویل سے باوا صاحب ''محمدؐ'' کی ''باطنی حقیقت'' بیان کرتے ہیں یعنی یہ کہ اگرچہ ''محمدؐ'' علت ازلی کے معلول (یا خالق حقیقی کی مخلوق) ہیں پھر بھی وہ مابعد الطبیعیاتی اعتبار سے ذات باری کے بہت نزدیک ہیں، [۳۶] اسی سبب سے ''نور محمدی'' یا ''باطن محمدی'' ہی کی شکل میں پہلی بار وجود باری کا عکس یا چہرہ نظر آیا تھا۔ ذات محمدی کو سمجھنے کے لیے علیت (یا علت و معلول کے تعلق) کی جہت کو سمجھنا ضروری ہے۔ باوا صاحب کے نزدیک علیت کی اس جہت کا عکس اس حدیث قدسی میں صاف نظر آتا ہے جس میں کہا گیا: ''محمد [صلّی اللہ وعلیہ وسلّم]! تم نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا'' جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ محمد [صلّی اللہ وعلیہ وسلّم] کی داخلی/باطنی حقیقت اس شخص کی بھی کیفیت ہے جس کی رسائی حکمت تک ہوگئی ہو، جو واصل باللہ ہوگیا ہو یعنی جس نے ذات باری سے ازلی اور اساسی وصل حاصل کر لیا ہو اور اس طرح اس کا ''چہرہ'' ذات باری کا خارجی، یا مرئی عکس اور اسمائے حسنیٰ اور صفات باری کا مظہر ہوگیا۔ علاوہ ازیں باوا صاحب کے نزدیک شریعت کی اصل روح یہ ہے کہ ذات باری کے اسماء و صفات روزمرہ زندگی کی جزئیات میں مجسم کارفرما نظر آئیں۔ [۳۷] یعنی اس دنیا میں انسان زندگی ایسے گزارے کہ اس کی زندگی میں ذات باری کے اسماء و صفات کی عملی جھلک نظر آئے۔

یہاں یہ کہنا ضروری ہے کہ ذات باری یا ذات محمدی سے متعلق (باوا صاحب کی مذکورہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح بلا چون و چرا قبول نہیں کر لی جاتی تھی۔* خصوصاً بہت سے مسلمان ملاقاتی تو اس قسم کی تشریح و توضیح سے یا تو واقف ہی نہ تھے یا وہ اسے بالکل رد کر دیتے تھے۔ مریدوں اور ملنے والوں کے ساتھ سوال و جواب کے ایک اجلاس کے ٹیپ میں یہ نظر آتا ہے کہ جب باوا صاحب نے ذاتِ باری اور ذاتِ محمدی کی ماہیت و نوعیت کو اپنے مخصوص انداز میں بیان کیا تو اجلاس میں شامل ایک نو وارد کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اسلامی عقیدہ و عمل کی ''باطنی'' جہت کی یہ تشریح باوا صاحب کی زبانی سن کر اس کو خاصی تشویش ہوئی کہ ''ظاہری'' یا ''خارجی'' عبادات کا ادا کرنا ضروری نہیں۔ اس نے اپنا سوال باوا سے پوچھتے وقت عربی میں لمبی لمبی قرآنی آیات بھی پڑھیں۔ باوا صاحب کا جواب ذرا تند و تیز تھا اور ''باطنی'' (inner) قرآن کے لامحدود ہونے پر ایک وعظ تھا۔ انھوں نے کہا:

> ''قرآن محض تعمیل حکم نہیں ہے۔ یہ اللہ کا رحمٰن ہے.... کوئی شخص قرآن کا بارگراں اٹھانے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ ساری دنیا میں کوئی شخص ایک حرف ''الف'' تک زبان سے ادا نہیں کر سکتا.... حقیقت محمدیؐ ذاتِ باری کا چہرہ ہے.... کوئی شخص تلاوت قرآن کی تکمیل نہیں کر سکتا... (معروف احادیث نبویؐ کے حوالے سے) اگر تمام سمندر روشنائی بن جائے اور تمام درخت قلم بن جائیں،... تو بھی قرآن مکمل نہ ہو پائے گا۔ اے محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] آپ کے بغیر کچھ بھی تخلیق نہیں کیا جاتا... اللہ احد ہے۔ سب کچھ اسی کا ہے۔ تمھارا کیا ہے؟... جب یہ نکتہ سمجھ میں آ جائے تب ہی تم ایمان کی دولت پالو گے''۔[۳۸]

ہمیں باوا صاحب کی تعلیمات میں مبداء وجود کے مابعد الطبیعیاتی مدارج ویسے ہی نظر آتے ہیں جیسے انسان کی کیفیات میں۔ اللہ۔ محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] نور محمد کا درجہ وہ ہی ہے جو ''انسان کامل'' میں منعکس نظر آتا ہے۔ ''تمام مخلوق میں نظر آنے والی وحدانیت کا نام اسلام ہے۔ ازل اور ابد دونوں ہی کے لیے اسلام وحدانیت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اسلام نبی [آخرالزماں] محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کے توسل سے نور محمدیؐ کے توسل سے، احمد کے توسل سے اس وقت... نازل ہوا جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم نہ

---

* یہ تصوف کے عام موضوعات ہیں اور وحدت الوجودی صوفیوں کے افکار و عقائد کا انحصار انہیں پر ہے۔ باوا صاحب کے حوالے سے گسیلا وب نے سلیقہ سے ان کا اظہار کیا ہے۔ لیکن یہ عقائد (جیسا کہ مضمون میں بھی کہا گیا ہے) شدید نزاع کا باعث رہے ہیں اور ان صوفیہ کی تکفیر بھی کی گئی ہے۔ ان خیالات کی زد میں نظر بظاہر اللہ کی وحدت آ جاتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتے تو میں کچھ خلق نہ کرتا .... نہ تب نہ اب،... ایک انسان صادق۔ یا یوں کہیے کہ آدمی کی صحیح صورت کا وجود اس وقت عمل پذیر ہوتا ہے جب حکمت جگمگاتی ہے۔ دل منور ہو جاتا ہے اور چہرے میں جمال رخ بن کر دمکتا ہے، اور وہی کیف محمدی (یا درجہ محمدی) ہے"[۳۹] یہ "اللہ۔محمد" یہ انسان میں ربانی وجود کا مظہر۔ اللہ اُس آدمی کے ذریعہ بولتا ہے جو ذکر میں مصروف رہتا ہے۔فرد میں کوئی چیز ایسی ہے جو مبدا سے جڑ جانے کے لیے واپس آتی ہے۔[۴۰]

یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ "نظریاتی" تعلیمات ہمیں باوا صاحب کے عقیدت مندانہ لٹریچر، مثلاً باوا صاحب کے مریدوں کے یکجا کردہ اسمائے حسنٰی پر باوا صاحب کے مراقبوں میں ملتی ہیں۔[۴۱] گویا فرد و جمعیت میں صفاتِ خداوندی کا ظہور نہ صرف "اللہ۔محمد" کی کیفیت کا ظہور ہے، بلکہ مبداء خلق کی طرف واپسی کا مظہر بھی ہے۔"ہمیں وہی کام کرنے چاہئیں جن سے اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش کی صفات ظاہر ہوں"۔ "صفات خداوندی اختیار کرنا اور اللہ کا کام کرنا ہی قرآن (باطن) ہے"۔[۴۲] گویا اس طرح دینیات کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی رحمت مبداء ہے، قرانِ باطن طریقت ہے اور محمدیؐ حقیقت وحسن اصل مبداء توحید کی طرف مراجعت ہے۔

باوا صاحب کے حلقے کے لوگوں میں اس "حکمت" کی تعلیم کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے جاتے ہیں ہم باوا صاحب کے مواعظ کا ذکر کر چکے ہیں جو اکثر و بیشتر باوا صاحب کے جوابات ہوتے تھے ان سوالوں کے، جو اُن کے مریدوں کے اجلاسوں میں ان کے مرید یا ملنے والے پوچھا کرتے تھے۔ اس قسم کے اجلاس آج کل بھی باقاعدہ ہو رہے ہیں جن میں باوا صاحب کے مرید شامل ہوتے ہیں اور مل جُل کر باوا صاحب کی تعلیمات کو سمجھنے اور ایک دوسرے کو یا نئے مریدوں کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ باوا صاحب کے مواعظ کی جو تشریح وتوضیح ہوتی ہے اس کے متعلق تصور یہی ہے کہ یہ ایک جہت ہے "فریضۃٌ من اللہ" کی، "اللہ کی رحمت" کی اور "نور محمدیؐ" کی۔ لہٰذا واقعی یہ حصہ ہے "ابلاغ کلام اللہ" کا۔ باوا صاحب اپنی تعلیمات کو اکثر علامتی انداز میں مثلاً قصے کہانیوں کے ذریعے، شعروشاعری کے ذریعہ یا تمثیلوں کے ذریعے لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ ان تماثیل میں اکثر شیخ عبدالقادر الجیلانی، اویس قرنی القرنی۔[۴۳] فاطمہ [رضی اللہ تعالیٰ عنہا]، علی [کرم اللہ وجہہ]، موسیٰ [علیہ السلام] اور

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

[حضرت] جبریلؑ کا ذکر ہوتا ہے۔ اور اس طرح آفاقی درجہ بندی میں حضرت محمد [ﷺ] کے مقابلے میں [حضرت] جبریلؑ کا کیا رتبہ ہے اسے بار بار اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد [ﷺ] [حضرت] جبریلؑ کی زبان سے بیان کرواتے ہیں۔ ایک دلچسپ قصہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ [حضرت] جبریلؑ قرآن کی ایک سورۃ لے کر رسول [ﷺ] کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اس وقت گھر پر تشریف نہیں رکھتے تھے لیکن [بی بی] فاطمہ وہاں موجود تھیں۔ انھوں نے حضرت جبریل کا استقبال ان الفاظ سے کیا "السلام علیکم، میرے والد کے چھوٹے بھائی"۔ حضرت جبریلؑ کو یہ طرز تخاطب اچھا نہیں لگا، کیونکہ وہ خود کو زیادہ "معمر" سمجھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے [بی بی] فاطمہؓ کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ جب رسول [ﷺ] گھر واپس تشریف لائے تو [بی بی] فاطمہؓ نے ان سے دریافت کیا کہ آپ دونوں میں (عمر کے اعتبار سے) کون بڑا ہے۔ اس کا جواب رسول خدا [ﷺ] نے [حضرت] جبریلؑ کو مخاطب کر کے دیا اور کہا کہ نور محمدی (یعنی اللہ تعالیٰ کی ازلی گونج) فرشتۂ وحی [حضرت] جبریلؑ سے بھی پہلے موجود تھی۔

عید میلاد النبی کی تقریبات ہر سال یکم تا ۱۲ ربیع الاول منعقد ہوتی ہیں جن میں رسول اللہ [ﷺ] کی ولادت باسعادت کا ذکر ہوتا ہے۔ ان محفلوں میں کی جانے والی تقریروں کے ذریعے بھی "حکمت کی تعلیم" دی جاتی ہے، دعائیں مانگی جاتی ہیں، نعتیں پڑھی جاتی ہیں، محمد [ﷺ] پر صلوٰۃ و سلام بھیجا جاتا ہے۔ سیرۃ النبیؐ کی مستند اور مروج کتابوں سے اقتباسات پڑھے جاتے ہیں، اور یہ سب عربی زبان میں ہوتا ہے۔ میلاد کی محفلوں کے جائز ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں آراء مختلف ہیں۔ ان کے جواز کے بارے میں باوا صاحب کے خیالات کو ایک پمفلٹ کی شکل میں ۱۹۹۱ء کی محافل میلاد میں بانٹا گیا۔ اس پمفلٹ میں باوا صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت انبیاء اور اولیا کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور اللہ کی رحمت کی حمد و ثناء میں تقریبیں منعقد کرنا یقیناً ایک قابل تعریف عمل ہے۔[۴۴]

قُطُب

قطب کا تصور ہمیں باوا صاحب کے فلسفیانہ اور ناصحانہ مواعظ میں اور ان کی علامتی کہانیوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ملتا ہے۔ ان کہانیوں کے کرداروں میں انبیاء اور اولیاء بھی ہیں اور جنگلوں اور صحراؤں میں بسنے والی بے شمار مخلوقات بھی۔ یہ سب ''حصول حکمت'' اور ''حصولِ انسانیت کامل'' کے ''نفسیاتی تجزیاتی'' پہلو پر اپنی اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں۔ باوا کی تعلیمات کی اس جہت کا مقام، روایت کے تناظر میں، متعین کرنے کے لیے صرف تصوف پر بآسانی دستیاب کتابوں کا حوالہ دینا کافی ہے، مثلاً المحاسبی، ہجویری، غزالی، ابن عربی، ان سب کے یہاں پیرومرشد کی نگرانی میں تجزیہ نفسی (خودنگہی) کے ابتدائی رجحانات نظر آتے ہیں۔ اس عمل میں کیفیات و مقامات مختلف ہیں جن کی منزل آخر قرآنی اصطلاحات میں معادیاتی حوالے مثلاً یوم آخر، یوم قیامت اور فنا وغیرہ کے تجربات[۴۵] وغیرہ ہیں، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے ''ہم نے وہ پردہ ہٹا دیا جو تمہارے آگے پڑا ہوا تھا، اور آج تمہاری نگاہ خوب تیز ہے'' (سورۃ ق: آیت ۲۲)۔

''قطب'' کے لغوی معنی ہیں محور ارضی کا ایک سرا، یا تمام کونوں کے مبداء کا ایک واحد نقطہ۔ صوفیاء جب اس لفظ کو استعمال کرتے ہیں تو ان کی مراد مدارج صوفیاء کے زینے کی سب سے اونچی سیڑھی پر ''متمکن ولی اللہ'' سے ہوتی ہے۔ ان مدارج کے متعین کیے جانے کا سب سے پہلا سراغ ہمیں ترمذی (متوفی ۹۳۴ء) [دیگر کتب میں ترمذی سنِ وفات ۸۹۲ یا ۸۹۳ لکھا ہے] کے یہاں ملتا ہے۔[۴۶] کبھی کبھی قطب کو غوث (مددگار) کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے اور اسے روحانی توانائی کا ''مرکز'' سمجھا جاتا ہے۔ باوامحی الدین نے ''قطب'' کا لفظ مختلف معنوں میں استعمال کیا ہے لیکن وہ تمام معانی مابعد الطبیعیاتی اعتبار سے ''حقیقت اساسی'' کے تابع ہیں۔ اگر ہم داخلیت، خارجیت اور کاملیت کے معیارات استعمال کریں تو قطب کے بھی تین معانی یا تین مدارج ہیں۔ پہلی سطح ذاتِ باری کے انعکاس کی ہے۔ ذات باری ایک گنجینہ مخفی تھی جو ایک تجلی کے طور پر نورِ محمدیؐ کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ اب وہ ''قدرت الٰہی'' ہے جس کا ''شارح'' خود قادر مطلق ہے۔ اس کو بعض اوقات حکمت الٰہیہ یا تجزیاتی حکمت الٰہیہ بھی کہتے ہیں اور یہ وہ حکمت ہے جو اپنی شرح خود کرتی ہے۔[۴۷] باوا صاحب کی روحانی نفسیات میں یہ ایک ارتقائی ''درجہ'' ہے۔ انسان کے اندر نیچے سے اوپر تک شعور کے چھ مدارج طے کرنے کی صلاحیت ہے جن میں ''قطب'' سب سے اونچا اور آخری یعنی چھٹا درجہ ہے۔ ''یہ وہ حکمت ہے جو حقیقت خداوندی کی شرح کرتی ہے۔ یہ وہ قوت ہے جو مدفون

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صداقتوں کو حیات نو بخشتی ہے۔[۴۸] پس قطبیت سے مراد وہ استطاعت ہے جو تفریق و تجزیہ کرتی ہے، جو صداقت کو دریافت کرتی ہے اور جو ماہیت اشیاء کا ''دقیق'' علم رکھتی ہے۔ قطبیت علم خداوندی اور علم انسانی کی سطح مشترک ہے اور اس کا طریق عمل اس سے ملتا جلتا ہے جو حضرت شہاب الدین سہروردی نے دسویں فرشتہ عقل کی فہم و فراست کے بارے میں بیان کیا ہے،[۴۹] اور یہ ذات باری کے متعلق تفرید شدہ اور تخصیص شدہ علم ہے (یعنی انسان کا علم ذات باری کے متعلق، اپنے متعلق اور کون و مکان کے متعلق بلکہ اس سے بھی اہم، خدا کا علم خدا کے بارے میں، خود اپنے بارے میں اور کائنات کے بارے میں انسان کے ذریعے) جس کے توسط سے انسان کی سمجھ میں یہ آ جاتا ہے، کہ کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے، کوئی حقیقت نہیں بجز حقیقت ربانی کے۔ وہ استعداد ہے جس کے توسط سے سزا و جزا کا تصور واضح ہو سکتا ہے اور جس کے ذریعے انسان خود اپنی سزا و جزا کا فیصلہ کرنے کے قابل بنتا ہے۔

بہرحال قطب کی ''روحانی حقیقت'' کو اولیاء و اقطاب کی شکل میں خارجی روپ بھی مل گیا ہے۔ ان میں عبدالقادر الجیلانی بھی شامل ہیں، جن کا لقب محی الدین (دین کی احیائے نو کرنے والا) ہے۔ وہ بارھویں صدی عیسوی میں بغداد میں واعظ اور مبلغ دین تھے۔[۵۰] تمام دنیا میں اور خصوصاً برِعظیم جنوبی ایشیا میں وہ اولیاء اللہ میں شاید سب سے زیادہ مقبول اور معزز ہیں۔[۵۱] باوا صاحب کو جیلانی سلسلے سے روحانی نسبت کا دعویٰ تھا، تاہم سلسلۂ قادریہ سے ان کے باقاعدہ منسلک ہونے کی ہمیں کوئی شہادت نہیں ملتی۔ پھر بھی، باوا صاحب اور ان کے مریدوں کے لیے شیخ عبدالقادر الجیلانی کی ذات ایک خاص طرح کی روحانیت کا عملی نمونہ ہے۔ یہ روحانیت عبدالقادر الجیلانی کی زندگی اور ان کی تعلیمات کے ان پہلوؤں سے اجاگر ہوتی ہے جن پر وہ خصوصی طور پر زور دیا کرتے تھے۔ مثلاً شیخ عبدالقادر الجیلانی کی طرف سے جو روایت ہم تک پہنچی ہے اور جس سے باوا بھی اتفاق کرتے ہیں، وہ دنیا کی ظاہری چمک سے قلندرانہ بے اعتنائی ہے (یہ بات غور طلب ہے کہ دنیا کی پُر فریبی اور انسان کی خود فریبی کو بیان کرتے وقت باوا محی الدین ہندی زبان کا لفظ مایا استعمال کرتے ہیں بجائے عربی لفظ ''غرور'' کے)۔[۵۲] صلوٰۃ القلب، یا صلوٰۃ باطن پر بھی باوا محی الدین کے جو مواعظ ہیں ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں شیخ عبدالقادر الجیلانی کے مباحث کا عکس نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر جب وہ یہ کہتے ہیں کہ صلوٰۃ القلب (صلوٰۃ باطن) تطہیر قلب کرتی ہے تو وہ ایک حدیث کی طرف اشارہ کر رہے ہوتے ہیں جس میں رسول اللہ [صلی اللہ علیہ وسلم] نے فرمایا: ''انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جو اگر پاک ہو جائے تو پورا جسم پاک ہو جاتا ہے اور ناپاک رہے تو پورا جسم ناپاک رہتا ہے۔ وہ لوتھڑا دل ہے''۔[۵۳] جب باوا محی الدین کہتے ہیں کہ دل ہی ذکر صادقہ کا ماخذ ہے تو ان کے اس قول میں عبدالقادر الجیلانی (اور دیگر صوفیا) کے زبان و بیان کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ بالخصوص عبدالقادر جیلانی ''دل'' کو مسجد کے مماثل قرار دیتے ہیں: ''اس کی مسجد دل ہے؛ اس کی جماعت انسانی کی باطنی قوتوں کا اجتماع ہے؛ یہ روح کی زبان سے اللہ کے اسمائے حسنیٰ کا ورد کرتا ہے۔ اس کا امام 'الشوق فی الفوار' (شوقِ قلب) ہے۔ اس کا قبلہ 'احدیۃ' ہے اور روح و قلب مسلسل حالت صلوٰۃ میں ہیں''۔[۵۴]

باوا محی الدین کے مواعظ کا زیادہ زور انسانی عمل ''تجزیہ'' یا عمل تمیز پر ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ ''عضو روحانی'' جس کے ذریعے قطب حکمت درخشاں کی باتیں کرتا ہے وہ (ذہن و عقل نہیں بلکہ) قلب ونظر ہے اور (اگر باوا صاحب کا اور سلسلہ قادریہ سے منسلک پاک و ہند کے دوسرے لوگوں کا پسندیدہ استعارہ استعمال کیا جائے تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ) قلب ہی وہ اصلی اور گہری جڑ ہے، جو روحِ انسانی کی گہرائیوں میں دور دور تک پھیلی ہوئی ہے جس سے ''آب مصفا پھوٹتا رہتا ہے اور جس کا سرچشمہ نہ صرف ''گہرا'' ہے بلکہ وہ کبھی خشک نہیں ہوتا اور اپنی تجدید اور احیا خود کرتا رہتا ہے۔

محی الدین عبدالقادر الجیلانی سے باوا محی الدین کے مریدوں کی خصوصی عقیدت کو صبح کے باآواز بلند ذکر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً یہ مرید اقطاب کو پکارتے وقت کہتے ہیں: ''اے فرمانروائے اول محی الدین عرش الٰہی، اے مسند الٰہی کی تمکنت، اللہ کی رحمت کے مخاطب، خدا کی طرف سے امن کا سایہ اور اے ولی محی الدین!''[۵۵] (اگر کسی کو باوا محی الدین اور ان کی اس حقیقت کے درمیان جو عبدالقادر الجیلانی اور قلب یعنی مسند علم میں مضمر ہے کوئی مطابقت نظر آئے تو یہ تاثر صحیح ہوگا)۔ ہر سال پہلی ربیع الثانی سے گیارہویں ربیع الثانی تک عبدالقادر جیلانی کے عرس کی تقریبات بھی میلاد القطب کی شکل میں منائی جاتی ہیں۔ باوا محی الدین کی برسی کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلا دن شیخ عبدالقادر الجیلانی کی برسی کا آخری دن مشترک ہے، جس سے یہ مفہوم اخذ کیا جاتا ہے کہ دونوں ''محی الدینوں'' کے وظائف بھی مشترک تھے۔ عید میلاد النبی [صلّی اللہ علیہ وسلّم] کی تقریبات کی طرح شیخ عبدالقادر جیلانی کے عرس کی تقریبوں میں بھی ہر شام ان کے حق میں دعائیں ہوتی ہیں، ان کی شان میں نظمیں پڑھی جاتی ہیں، ان کے بارے میں قصے کہانیاں سنائی جاتی ہیں (کچھ انگریزی لیکن زیادہ تر عربی زبان میں)، رسول اللہ [صلّی اللہ علیہ وسلّم] پر کثرت سے درود و سلام اور شاہ عبدالقادر الجیلانی کے حق میں سلام بھیجا جاتا ہے۔ کہانیوں میں وہ کہانی اکثر شامل کی جاتی ہے جس میں عبدالقادر الجیلانی کی بے باکی، حق گوئی اور صداقت پسندی کی بدولت ان کے قافلے کو لوٹنے والے ڈاکو تائب ہو گئے تھے اور انھوں نے نیکی کا راستہ اختیار کر لیا تھا۔ نظموں میں شامل ایک نظم باوا محی الدین نے مریدوں کو خود سکھائی تھی (ٹیپ نمبر ۵ بابت نظم اور گیت) گیت کے مطلع کا مفہوم ہے ''وہ جس نے بغداد پر حکمرانی کی''۔ ان سب سے ظاہر ہے کہ سالانہ عرس کی رسوم اور دعاؤں کا رخ قطب ''اول'' کی طرف ہوتا ہے جو ہمہ وقت احیائے دین کے کام میں مصروف ہے۔ احیائے دین کا عمل انبیاء، اقطاب اور اولیاء اللہ کے وسیلے سے دنیا میں جاری و ساری ہے اور یہ عمل دور حاضر میں باوا محی الدین کی معرفت جاری ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عبدالقادر الجیلانی کی تعظیم و تکریم بھی ایک حد تک ہی جائز ہے لیکن باوا صاحب کے اس گیت سے مجموعی تاثر یہ ملتا ہے کہ وہ اس کے بولوں کے ذریعے ''قلب کو پگھلانا'' چاہتے ہیں جو ایک روایتی محاورہ ہے جسے صوفیہ اکثر استعمال کرتے ہیں اور جس سے مراد ہے کہ ''انا'' اور ہر وہ شے فنا کی جائے جو انسان کو انسان سے اور انسان کو خدا سے جدا کرتی ہے۔ باوا محی الدین نے اپنے انھیں اشعار میں بغداد کے بارھویں صدی کے ولی اللہ، شیخ عبدالقادر الجیلانی سے جو تضرع اور التجا کی ہے اس میں بھی دانستہ ابہام نظر آتا ہے۔ آیا باوا محی الدین کا مخاطب محی الدین قطب کی تاریخی شخصیت ہے یا باوا محی الدین کا مخاطب بغداد کے شہر باطن کا لازوال فرماں روا ہے؟ بظاہر تو یہی نظر آتا ہے کہ باوا محی الدین کا خطاب دونوں سے ہے:

> ''اے وہ نور جس کا ظہور اس دنیا میں ہوا.... اے وہ جو اس دنیا میں بارھویں صدی سے پہلے آیا (شیخ عبدالقادر جیلانی ۱۰۸۸ء میں پیدا ہوئے اور ۱۱۶۶ء میں انھوں نے وفات پائی) جو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کو متحد کرنے آیا... اے وہ شخص زریں.... اے وہ جس کی بغداد پر حکمرانی ہے.... جب میں اپنے پگھلے ہوئے دل کے ساتھ فریاد کرتا ہوں۔ اے وہ جو اس کیفیت سے بخوبی آگاہ ہے۔ ہم پر کرم کیجئے.... آپ تو پوری کائنات کے قطب ہیں... اے وہ شہد، وہ ثمر جس کی ماہیت ہمارا دل ہی سمجھ سکتا ہے... آپ کہتے ہیں کہ آپ مالدیپ گئے تھے... ہماری حفاظت کیجئے اور ہم پر کرم کیجئے... تاکہ ہمارے دل آپ کی کرم گستری کی صدائے بازگشت سے گونجتے رہیں... افسوس اس دل پر ... جو اس وقت مضطرب ہے۔ اے ذات عالی ... آ اور غریبوں، مفلسوں کو مصائب سے نجات دلا۔ اے وہ جو شہد کی طرح شیریں ہے تو ہی ہمارے گردوپیش کی تاریکی کو دور کر سکتا ہے.... اے ذات عالی! ہمیں ایمان کا وہ درجہ نصیب فرما.... تاکہ ہم دیدار الٰہی کی جلوہ گری سے فیض یاب ہو سکیں.... ہمیں آپ کی کرم گستری کی حاجت ہے.... اے وہ جس کی بغداد پر حکمرانی ہے''۔[۵۶]

یہ بات ظاہر ہے کہ بغداد سے مراد قلعہء انسانی یا انسان کی آخری جائے پناہ ہے جس میں تخت پر قلب متمکن ہے۔ قلب جس میں تمام کائنات کا علم جمع ہے (یعنی وہ علم جو دنیا اور افراد کی اساسی جہتوں پر بھی حاوی ہے اور روحانی آفاق پر بھی محیط ہے)۔ اسی طرح اپنے بہت سے مواعظ میں باوا ''قطب: جزائر مالدیپ میں'' والی کہانی کو تمثیل کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر شخص میں ایسی ''حکمت خداوندی'' ودیعت کی گئی ہے جس کی مدد سے وہ تجزیہ کر سکتا ہے، وجود کی تمام کھاڑیوں اور لامحدود ذخار سمندروں میں سفر کر سکتا ہے۔ اپنی کیفیت کا تجزیہ کر کے اس کو روشن کر سکتا ہے۔ اپنی خامیوں کو دور کر سکتا ہے، اپنی ترقی کی راہیں متعین کر سکتا ہے۔ قطب اپنے اندر کی بدروحوں، پریوں اور بتوں سے بھی لڑتا اور انھیں ختم کرتا ہے۔[۵۷] یہاں اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اسی قسم کی دانشمندی سے پُر کہانیوں، سبق آموز قصوں اور قطب کی تمثیلی داستانوں کے ذریعے بچوں سمیت پوری جماعت کی مسلسل تعلیم و تربیت کا کام لیا جاتا ہے۔ ہر ہفتے مریدوں کے بچوں کے ساتھ باقاعدہ اجلاس ہوتے ہیں (جن کی تدریس و ہدایت باری باری ایک ہفتے کوئی ایک ایسا مرد اور دوسرے ہفتے کوئی ایک ایسی عورت کرتی ہے جو باوا کے قریب تھے)۔ ان قصوں، کہانیوں، تمثیلوں اور داستانوں سے سالانہ تقریبات میں، مثلاً امریکا میں باوا کی آمد کی سالگرہ کے موقع پر، تعلیم کا کام بھی لیا جاتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ

ایک موضوع جس کا ذکر تصوف کی تاریخ میں اکثر آتا ہے وہ شیخ (پیرومرشد)، کی ہدایت کی پابندی کی ضرورت کا موضوع ہے۔ ایک خالصتاً متقی شیخ کے متعلق تصور یہ ہے کہ وہ رسول اللہ [صلّی اللہ علیہ وسلّم] کا جانشین ہوتا ہے، جو اپنے لطف وکرم، علم وفضل اور اختیار وسند کی بنا پر اپنے مریدوں کو سلوکِ روحانی کی منزلیں صحیح سمت میں طے کرواتا ہے۔ کسی سلسلۂ تصوف میں شامل ہونے کا روایتی مطلب یہی ہوتا ہے کہ مرید اپنے پیر کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے جس کی پابندی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لازم ہوتی ہے اور یہ رشتہ مرنے کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔[۵۸] تصوف کی کتابوں میں جگہ جگہ جعلی پیروں سے بھی خبردار رہنے کی تنبیہ کی گئی ہے جو پیر ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن دراصل ہوتے نہیں۔[۵۹] ''سچے پیر'' کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ''طبیب قلب'' ہوتا ہے جو اپنے مرید کو اس کی ابتدائی ازلی کیفیت یعنی واصل باللہ (یوم میثاق)[۶۰] والی کیفیت تک پہنچنے میں مدد دیتا ہے اور ایسا ہونا صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب تربیت نفس کی جائے اور اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کی جائیں۔ بہرحال ہر شیخ کا اپنا اپنا منفرد انداز ہوتا ہے، مخصوص تصور ہوتا ہے۔ اسی طرح مریدوں کا اپنے پیروں کی تعلیمات و ہدایات کو خود اپنے اندر جذب کرنے کا طریقہ بھی الگ الگ ہوتا ہے۔ پیروں اور مریدوں کے انھیں امتیازات اور خصوصیات کے باعث تصوف کے مختلف سلسلے ایک دوسرے سے علیٰحدہ اور ممتاز ہوتے ہیں۔

باوامحی الدین کے نزدیک ایک سچے اور حقیقی شیخ کے لیے ضروری ہے کہ اس نے باطنی اعتبار سے انسانِ کامل کا درجہ حاصل کرلیا ہو۔[۶۱] باوا صاحب کی اپنی تعلیمات سے اور ان کے رتبے اور عمل کے بارے میں ان کے مریدوں کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ باوا صاحب نے ''فنائے ذات'' کا درجہ حاصل کرلیا تھا اور وہ ''قطب محی الدین'' کی اصل حقیقت سے اس حد تک ہم کنار ہو چکے تھے کہ انھیں ''شارح'' اور ''ہادی'' الی اللہ کہا جا سکتا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب رہا یہ سوال کہ باوا صاحب کے نزدیک ان کے اپنے مریدوں سے ان کے رشتوں کی نوعیت کیا تھی، ان کے اپنے متعدد شائع شدہ مواعظ ایک ''سچا'' پیر تلاش کرنے اور پانے کی اہمیت کے بارے میں ہیں۔ ان مواعظ کی تحریک ایک تو اس وجہ سے ہوئی کہ باوا محی الدین کے اپنے آبائی وطن سری لنکا میں بہت سے لوگ شیخ اور مرشد ہونے کے ''دعویدار'' تھے۔ دوسری وجہ اس کی یہ تھی کہ خود امریکا میں ۱۹۶۰ء کی دہائی کے آخر اور ۱۹۷۰ء کے دہائی کے آغاز میں ''شیخ نما'' صورتیں کثرت سے نمودار ہو گئی تھیں۔ باوا صاحب کے نزدیک یہ وہ لوگ تھے جو ''چار ہزار کھرب (400 trillion)، دس ہزار قوتیں، معجزے، روحانی ٹوٹکے، دعائیں، منتر اور جادو ٹونے'' سکھانے والے استاد تھے۔ باوا صاحب ان استادوں اور ماریجوانا، افیم اور شراب استعمال کرنے والے ان استادوں کے درمیان فرق کرتے ہیں جو بھوت پریت، ذہن، عناصر خمسہ اور ''علل و معلول'' کے بارے میں تعلیم دیتے تھے۔ جبکہ اس کے برعکس ''باپ کی طرح'' کا کردار ادا کرنے والے ''شیخ کامل'' تھے۔[۶۲]

> ایک طریقہ وہ ہے جیسے کوئی باپ اپنی اولاد کی پرورش کرتا ہے.... باپ بیٹوں کے درمیان محبت کا یہ رشتہ ایک بہت، بہت، بہت قیمتی مطالعہ ہے.... لیکن اِس کا کوئی رشتہ روحانی معاملات و واردات سے نہیں.... باپ بچوں کی تربیت کرتا ہے تاکہ بچوں میں اُس کی سی صفات پیدا ہو جائیں، باپ اپنے بچوں کی تربیت کرتا ہے تاکہ ان کے اعمال اُس کے اعمال جیسے ہو جائیں۔
> باپ اپنے بچوں کی سب سے ابتدائی تربیت کرتا ہے.... باپ اپنے بچوں کو صبر و تحمل اور رواداری کی تعلیم دیتا ہے.... باپ اپنے بچوں کو اپنے تجربات تفصیل سے بتلاتا ہے.... باپ یہ حسن اپنے بچوں میں منتقل کرتا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت کرتا ہے۔ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں باپ کا عمل کبھی ختم نہیں ہوتا۔ جب تک باپ اپنے خالق حقیقی سے نہیں جا ملتا وہ اپنے بچوں سے وابستہ رہتا ہے حتیٰ کہ انھیں بھی اپنے ساتھ لے جا کر خالق حقیقی سے ملوا دیتا ہے۔ باپ کی تعلیم تمھیں خالق حقیقی سے ملواتی ہے، جب کہ گرو کی تعلیم تمھیں زمین اور مایا سے ملنا سکھلاتی ہے.... یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں.... تمھیں چاہیے کہ تم اپنے باپ کی صفات اپنے اندر پیدا کرو۔ اس کے ان اعمال، اقوال، اطوار، عادات کی پیروی کرو جو وہ اپنے بچوں کو سکھلاتا ہے۔[۶۳]

اپنے بعض دیگر مواعظ میں باوا صاحب نے بتایا ہے کہ شیخ کامل کیسے اپنے مریدوں تک حکمت و فراست منتقل کرتا ہے۔ وہ اس کی مثال یوں دیتے ہیں جیسے کوئی شخص

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''صحرائے عالم[۶۴] کے مسافروں کو سایہ اور راحت فراہم کرے''۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب کوئی شیخ کامل اپنے مریدوں تک حکمت و فراست منتقل کرتا ہے تو اس عمل سے وہ اپنے مریدوں کو بعض رجحانات، افعال اور افکار سے پاک صاف بھی کر دیتا ہے۔[۶۵] شیخ کامل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو صبر و تحمل، رواداری، سکون، ہمدردی اور طمانیت[۶۶] کی تعلیم دے اور وہ اپنے مرید کے ہاتھ میں ایسی ''شمشیر حکمت و دانائی'' دے جس سے مرید جنگ کا ہر میدان مطلوبہ طریقوں سے جیت سکے۔[۶۷] (اب واقعی صورت حال یہ ہے کہ، بچوں کے جو تعلیمی اجلاس ہوتے ہیں اور ان میں جو گیت گائے جاتے ہیں ان میں سے ایک گیت میں ''صبر و شکر اور توکل و حمد'' جیسے اوصاف حسنہ کی تلقین شامل ہے۔)

باوا محی الدین ''شفقت پدری'' کا تصور اپنے مریدوں تک پہنچانے کے لیے جو ایک نہایت قابل ذکر طریقہ استعمال کرتے ہیں وہ ماں کے بچہ پالنے کی اور خصوصاً ماں کی چھاتی سے بچے کے دودھ پینے کی تصویر ہے۔[۶۸] یہی استعارہ باوا صاحب اس وقت استعمال کرتے ہیں جب وہ اپنے مواعظ میں ذکر خفی کے دوران مرید کے طریقے اور رویئے کا ذکر کرتے ہیں:

> باپ کی چھاتی کے دو حصے ہوتے ہیں، چھاتی کے ایک حصے سے وہ حکمت و فراست کا دودھ پلاتا ہے اور دوسرے سے شفقت و محبت.... جو بھی بھوکا ہے اسے تلاش کر کے اس جگہ آنا چاہیے جہاں اس کی بھوک مٹ سکے۔ سرِ پستان تو ہر ایک کے لیے برابر ہے۔ کسی کے لیے چھوٹا کسی کے لیے بڑا نہیں۔ تمھیں کتنا دودھ ملے گا اس کا انحصار اس پر ہے کہ تم دودھ پیتے کیسے ہو۔ اگر تمھیں مطلوبہ مقدار میں دودھ نہیں ملتا تو قصور غالباً تمھاری توجہ یا کوشش میں کمی بیشی کا ہے۔ اگر تمھاری پوری توجہ دودھ پینے پر نہیں بلکہ دودھ پیتے وقت تم ادھر اُدھر دیکھ رہے ہو تو تم پورا دودھ نہیں پی سکو گے۔ پھر تمھیں یہ سوچ سوچ کر حسد نہیں کرنا چاہیے کہ ''وہ تو خوب دودھ پی رہی ہے، اور مجھے جتنا دودھ ملنا چاہیے وہ نہیں مل رہا ہے''۔ جس طرح بچہ اپنی ماں کا دودھ اتنی نرمی سے پیتا ہے کہ دودھ پینے سے نہ خود اسے تکلیف ہوتی ہے نہ دودھ پلانے میں اس کی ماں کو تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح جب تم اپنے باپ (شیخ کامل) سے (حکمت و شفقت کا) دودھ پیو تو نرمی سے پیو۔ اگر تم نرمی سے پیو گے تو دودھ بھی آسانی سے تمھارے حلق میں اترتا جائے گا۔[۶۹]

اسی طرح کی ایک اور تصویر ''شیخ بطور مادر'' کی وہ ہے جس میں باوا صاحب شیخ کے حفاظتی کردار کی نقشہ کشی کرتے ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''ایک بندریا جہاں بھی جاتی ہے اپنے بچے کو اپنی چھاتی سے چمٹائے رہتی ہے...اگر خطرہ سنگین ہوتو وہ ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے پیڑ پر چھلانگیں لگاتے ہوئے اپنے بچے کو کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیتی ہے۔ بچہ اس وقت تک محفوظ رہتا ہے جب تک وہ اپنی ماں کو نہیں چھوڑتا....اسی طرح، اگر تم قلب شیخ سے چمٹے رہے تو خطرے کی صورت میں وہ اچھل کود کر تمھیں اس سے دور لے جائے گا....ہر چیز کا انحصار اس بات پر ہے کہ تم اپنے شیخ سے کس طرح چمٹے ہوئے ہو....اسی طرح، اگر ... تم ایمان، یقین اور پختگی کے ساتھ شیخ کو پکڑے رہے تو تم گرو گے نہیں....ایسی پختہ گرفت حاصل کرنے کے لیے محبت، ہمدردی، صبر، رواداری، سکون اور مساوات کی صفات پیدا کرنا ضروری ہے اور ایسا طرزِ عمل پیدا کرنا اور ایسے اعمال کرنا ضروری ہے جن میں مذکورہ صفات کا عکس ہو۔ ایسی پختہ گرفت حاصل کرنا اور سکون و اطمینان کی مذکورہ ومطلوبہ کیفیت حاصل کرنا یقیناً مشکل کام ہیں۔ کسی بچے کے لیے تو آسان ہے کہ وہ اپنے سر پر مٹی ڈال لے یا کھیل کھیل میں کیچڑ یا ریت میں لوٹیں لگائے، لیکن اس کی ماں کے لیے اسے نہلانا اور صاف ستھرا کرنا مشکل کام ہے.... شیخ کی مشکلات ماں سے سوگنا زیادہ ہیں۔ تم ہر وقت آلائشوں میں، گناہوں میں، آگ میں، جہنم میں لوٹتے پھرتے ہو۔ شیخ کے لیے یہ بڑا دشوار کام ہے کہ جب تم خود کو گندا کرلو تو وہ لے جاکر تمھیں غسل دے۔ جن مشکلات سے شیخ گزرتا ہے تمھیں تو اس کا تجربہ نہیں ہوتا۔ لیکن یہ بات تو تمہارے لیے مشکل نہیں ہوگی کہ جس طرح بندریا کا بچہ اپنی ماں سے چمٹا رہتا ہے اسی طرح تم اپنے شیخ سے چمٹنے کی کوشش کرو''۔[۲۲]

باوا محی الدین میں اپنی حکمت وفراست کو دوسروں میں منتقل کرنے، اپنے مریدوں کی حفاظت کرنے، ان کی نگرانی کرنے اور ان میں اوصاف حسنہ پیدا کرنے کی جو خوبیاں تھیں، اُن کی وفات کے بعد اُن کے ارادت مندوں نے اُن کو آگے بڑھایا اور اسے ادارے کی شکل دے دی۔ ان اداروں کے بارے میں تاثر یہ ہے کہ یہ شیخ کی عبادات اور ان کے معمولات ہیں جو دراصل استعارے اور علامات ہیں ''اعمال باطنہ'' کے، جن کی ایک خارجی سماجی جہت بھی ہے۔ جب آپ وہ اعمال کرتے ہیں تو ''وحدت اسلام'' ظہور میں آتی ہے۔ مثلاً باوا صاحب اپنے مریدوں کے لیے کھانا پکاتے تھے۔ ان کے مریدین آج بھی بڑی محبت سے اس بات کو یاد کرتے ہیں کہ کس طرح اس عاجزانہ کام کے ذریعے باوا صاحب نے خدمت حق اور خدمت خلق کی صفات کی تلقین وترویج کی۔ بلکہ باوا صاحب نے حلقے کے ممبروں کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھانا پکانا بھی سکھایا۔ باوا صاحب کے کھانا پکانے کی ترکیبوں کو ایک کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے جس کا نام ہے The Tasty Economical Cookbook (لذیذ اور باکفایت کھانے پکانے کی کتاب)۔ اس ترکیبوں سے پچاس سے دو سو آدمیوں تک کے لیے کھانا تیار کیا جا سکتا ہے۔ کتاب کے شروع میں ایک تعارف ہے جس میں خوردونوش کے مابعدالطبیعیاتی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس تعارف میں صرف یہی نہیں بتایا گیا کہ کھانے میں کیا حلال ہے اور کیا حرام بلکہ بعض غذاؤں اور مصالحوں کی تاثیر بھی بتلائی گئی ہے۔ اس کتاب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان غذاؤں اور مصالحوں کی تاثیر کس طرح کھانے والوں کے کردار، رویے اور صحت کا جزو بن جاتی ہے۔ طباخی (کھانا پکانے) کو ''روایتی اور قدیم'' علم کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ غذا اور طباخی کو استعاروں کے طور پر بھی استعمال کیا گیا ہے، مثلاً غذا سے مراد دنیا کی وہ اشیاء ہیں جن کی طرف لوگ کشش محسوس کرتے ہیں اور انھیں اپنے استعمال میں لے آتے ہیں خواہ ان کے اثرات اچھے ہوں یا برے۔ بعض بہت بڑے بڑے روحانی بزرگوں کی طرح باوا محی الدین بھی لوگوں سے کہتے تھے، کہ گوشت نہ کھانا بہتر ہے۔ باوا صاحب کا یہ بھی کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے [حضرت] محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کو ذبیحے کے سلسلے میں جو قواعد وضوابط بتائے گئے ان کا مقصد یہی تھا کہ جانوروں کا ذبیحہ مشکل ہو جائے اور کم سے کم تعداد میں جانور ذبح ہوں۔ باوا صاحب کا کہنا تھا کہ انسان کے اندر جو ''جانور'' ہے اس کو ذبح کرنا زیادہ مشکل ہے۔[۱] علاوہ ازیں، باوا صاحب کے مرید یہ بھی بتلاتے ہیں کہ باوا صاحب کتنی تاکید کیا کرتے تھے کہ لوگوں کو کھانا پکانا سیکھنا چاہیے تاکہ لوگ ایک دوسرے کی دیکھ بھال کر سکیں، کم تر معاشی وسائل والوں کی مدد کر سکیں اور اجتماعی طور پر ایک دوسرے سے تعاون کر سکیں۔ ''حلقۂ ارادت'' کی عمارت کی پہلی منزل پر باورچی خانہ اب بھی موجود ہے اور اس کی حیثیت عمارت کے ''نیم متبرک'' حصے کی سی ہے۔ کھانے پکانے کا ''فریضہ'' حلقہ کے رُکن باری باری ادا کرتے ہیں اور اکثر کھانا پکانے کے دوران کھانا پکانے کے بارے میں باوا محی الدین کے مقولات و مواعظ کے ٹیپ سنائے جاتے ہیں۔ مسجد میں ہونے والی تقریبات اور حلقہ ارادت کی سرگرمیوں میں حصہ لینے والوں کے لیے وہ کھانے دستیاب ہیں جو باوا محی الدین نے اپنی زندگی میں خود پکائے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک اور استعارہ جو باوامحی الدین اپنے مریدوں میں صفات حسنہ (قدوسی صفات) پیدا کرنے کے سلسلے میں استعمال کرتے تھے وہ کھیتی باڑی سے متعلق تھا یعنی زمین صاف کرنے، کنواں کھودنے، زمین سے پانی نکالنے اور اسے محفوظ رکھنے کا عمل؛ پھر باغ لگانے کا عمل (باغ سے مراد قلب ہے) انھوں نے اپنے مریدوں سے کہا کہ زمین خریدو تاکہ وہاں ممبروں کے لیے قبرستان بنایا جا سکے اور کھیتی باڑی کی جا سکے اور اس طرح افراد ایک دوسرے سے تعاون کرنے، آپس میں اتفاق اتحاد برقرار رکھنے، معاشی طور پر پس ماندہ اور کمزور لوگوں کی دیکھ بھال کرنے کی خوبیاں سیکھیں اور وہاں مرنے والے ممبروں کو اسلامی طریق و رواج کے مطابق دفن کیا جا سکے۔ چنانچہ پنسلوانیا کے علاقے کوٹس ویل میں زمین خریدی گئی۔ وہاں اب ایک پھلتا پھولتا زرعی فارم ہے۔ وہاں باقاعدہ اجتماعی ''کام کے دن'' اور ''ذکر کے دن'' مقرر ہیں۔ وہاں اب بچوں کا موسم گرما کا کیمپ منعقد ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہاں باوامحی الدین مدفون ہیں۔ باوا صاحب کے مریدوں نے روایتی اسلامی طرز تعمیر کے مطابق باوا صاحب کا مزار تعمیر کروایا ہے۔ یہ سادہ سا ایک کمرہ ہے جس کی دیواروں پر سفید پلستر کیا گیا ہے۔ اس میں ایک گنبد ہے اور اس کا فرش سبز رنگ کے سنگ مرمر کا ہے۔ وہ مخصوص حصہ جہاں باوا صاحب علیہ الرحمۃ کا جسد خاکی دفن ہے اس پر گہرے سبز (مونگیا) رنگ کی چادر پڑی رہتی ہے جس پر قرآنی آیات سنہرے تاروں سے خوشخط کڑھی ہوئی ہیں۔ ہر سال ربیع الثانی کے مہینے میں باوا صاحب کے عرس کی تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔ مزار کو انفرادی دعا اور مراقبے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ گویا یہ ایک طرح کا مرکزی نقطہ ہے، ایک طرح کا سرچشمہ ہے جس کے اردگرد انفرادی اور اجتماعی کھیتی باڑی (روحانی) مسلسل ہوتی رہتی ہے۔

حقیقت میں جس جگہ کو سب سے متبرک سمجھا جاتا ہے اس پر مزید کام ابھی باقی ہے۔ یوں تو مسجد یقیناً سب سے زیادہ متبرک مقام ہے جہاں نہ صرف باوا صاحب کے مرید، بلکہ اس شہر میں رہنے والے اور فلاڈیلفیا کے دوسرے علاقوں سے، بیرون ملک سے کام یا سیاحت کی غرض سے آنے والے ایسے مسلمان بھی جو تصوف کا رجحان نہیں رکھتے، نماز پڑھنے کے لیے آتے ہیں۔ بہرحال، یہ بات بھی واضح ہے کہ باوا صاحب کا کمرہ اور ان کا وہ پلنگ بھی، بہت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متبرک ہے جس پر بیٹھ کر انھوں نے اپنے بہت سے مواعظ بیان کیے، دن رات لوگوں کی رہنمائی کی اور انھیں مشورے دیے حتیٰ کہ انھوں نے ان دنوں میں بھی وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری رکھا جب وہ سانس کی شدید تکلیف میں مبتلا تھے۔ باوا صاحب کے کمرے میں ان کے پلنگ کے نزدیک اب بھی ان کے مرید جمع ہوتے ہیں، باوا صاحب کے اقوالِ دانش پر تبادلہ خیال کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو اپنے تجربات اور خوابوں سے آگاہ کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کی اخلاقی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور باوا صاحب کو یاد کرتے ہیں۔ بعض لوگ اس کمرے میں مراقبہ بھی کرتے ہیں۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اکثر مرید باوا صاحب کے تکیے کو چومتے ہیں۔ میلاد کے زمانے میں عورتیں اور بچے خاص طور پر اس کمرے میں جمع ہو جاتے ہیں کیونکہ ان دنوں میں مرد نعت خوانوں کے زیر استعمال جگہ کو عورتیں استعمال نہیں کر سکتیں۔ اس کمرے کے استعمال میں سال بہ سال جس جس طریقے سے فرق آتا جا رہا ہے اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ شیخ کے قرب کے لیے عورتوں مردوں کی کوئی قید نہ تھی۔ بس یہ ضروری تھا کہ عورتیں شرم و حیا کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے شریعت کے مطابق روایتی لباس پہنیں یعنی یہ کہ عورت کا سر ڈھکا رہے اور صاف ستھرے ڈھیلے ڈھالے کپڑے ایسے ہوں جن سے عورت کا جسم، اس کے بازو اور اس کی ٹانگیں چھپی رہیں۔ باوا صاحب کے کمرے کا رنگ سفید ہے لیکن اس کی تزئین سبز رنگ کی ہے۔ ان کی سبز رنگ کی کرسی، پلنگ اور ان کے فن پارے (مثلاً ان کی کہانیوں سے متعلق تصویر کشی، اور اللہ، نور، محمد [صلّی اللہ علیہ وسلّم] کی حقیقتوں کی علامتی حرف کشی) یہ تمام چیزیں توجہ کی مستحق ہیں۔ کیونکہ یہ سب تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانے کا وسیلہ بنتی ہیں۔ باوا صاحب کے کمرے میں ایک بڑا سا ٹیلی ویژن سیٹ اور ایک ویڈیو ٹیپ ریکارڈر رپلیئر بھی رکھا ہوا ہے۔ انہیں کے ذریعے باوا صاحب کے مواعظ ٹیپ کیے گئے تھے اور انہیں کے ذریعے آج تک انھیں دیکھا اور سُنا جا رہا ہے۔ جیسی سہولت سے باوا صاحب اور ان کے ابتدائی مریدوں نے ویڈیو اور آڈیو ٹیکنالوجی کو استعمال کیا وہ ان امریکی مریدوں کے سماجی اور تاریخی پس منظر کو واضح طور پر ظاہر کرتی ہے۔ جب میں مسجد کے کمپلیکس میں پہلی بار گئی اور وہاں میں نے باوا صاحب کے استراحت اور ملاقات کے کمروں میں ابلاغ کے ان جدید آلات کو دیکھا تو مجھے خاصی الجھن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی۔ میرے نزدیک اس (innovation) کا سبب عصر حاضر کا امریکی اثر تھا۔[۲۷] تاہم، اگر کوئی باوا صاحب کے مواعظ کو سنے اور دیکھے گا اور ان کے مریدوں کی روز مرہ زندگی کے معمولات کا مطالعہ کرے گا، تو اسے باوا صاحب کے اس طریقہء تعلیم اور ان سے پہلے مقبول صوفی معلمین کے طریقہء تعلیم میں مماثلت نظر آئے گی کیونکہ قدیم صوفیا بھی اسلامی روحانی تعلیمات اور اقدار دوسرے تک پہنچانے کے لیے مقامی بولی اور مقامی ثقافتی طریقوں ہی کو استعمال کیا کرتے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ باوا کے مرید جب ٹیپوں کو دیکھتے ہیں۔۔۔ خواہ باوا وہاں خاموش ذکر کی تعلیم دیتے ہوئے نظر آئیں یا بچوں سے باتیں کرتے ہوئے۔۔۔ تو ان لوگوں کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ ٹیپ دراصل اسی حقیقی ابتدائی پکار کی صدائے بازگشت ہے جو ایام رفتہ میں انبیاء، اولیا اور اقطاب نے اپنی تعلیمات کے ذریعے دوسروں تک پہنچائی اور پھیلائی تھی لہٰذا جماعت کی زندگی میں جن اسلامی (اور صوفیانہ) عقائد، معمولات اور اداروں کی تلقین کی جاتی ہے باوا محی الدین کے حلقہ ارادت، میں شامل مریدوں کو ایسا لگتا ہے جیسے وہ ان کے درمیان خود موجود ہیں اور زندہ ہیں۔

آبادیاتی رجحانات، اور مستقبل کی جہات

اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے، کہ باوا محی الدین کے حلقہء ارادت میں شامل مریدوں کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے۔ ان کی کوئی باضابطہ مردم شماری نہیں ہوئی ہے۔ بہت سے لوگ باضابطہ رکن کی حیثیت سے اپنا اندراج کروائے بغیر حلقہ ارادت کے اجلاسوں میں شامل ہوتے ہیں اور مسجد کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں۔ اندازہ یہ ہے، کہ اگرچہ، باوا صاحب کی وفات کے فوراً بعد مریدوں کی تعداد میں قدرے کمی واقع ہوئی تھی،[۲۳] لیکن بعد میں یہ تعداد پھر وہیں آ گئی جہاں پہلے تھی بلکہ شاید اس سے بھی بڑھ گئی، یہ اضافہ غالباً امریکا سے باہر پیدا ہونے والے ان مسلمانوں یا ان امریکی مسلمانوں یا ان امریکی، افریقی مسلمانوں کی وجہ سے ہوا[۲۴] جو مسجد میں جمعہ کی باجماعت نماز میں تو شامل ہوتے ہیں لیکن باوا صاحب اور ان کی تعلیمات سے متعلق جلسوں اور سرگرمیوں میں حصہ نہیں لیتے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حلقۂ ارادت اور فلاڈیلفیا اور بیرون امریکا کی اسلامی تنظیموں کے درمیان متعدد سطحوں پر رابطہ ہوتا رہتا ہے۔ سب سے پہلے، تو یہی ہے کہ ''مسجد کے اجتماعات'' میں شامل ہونے والے ممبروں میں سے جن لوگوں کی تربیت روایتی اسلامی طریقوں کے مطابق ہو چکی ہے وہ باوا صاحب کے حلقے کے لیے اثاثہ بن گئے ہیں اور وہ لوگ اسلامی علوم کے بارے میں مزید واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ یہ عین ممکن ہے، کہ ہر ماہ جس وقت باوا صاحب کی تعلیمات کے سلسلے میں طے شدہ باقاعدہ اجلاس ہو رہا ہو اسی وقت (اسلامی فقہ) پر مخصوص لیکچر کوئی مقامی پروفیسر دے رہا ہو۔ دوسری بات، یہ کہ گزشتہ سال باوا کے مریدوں اور علاقے کی دوسری مسلم آبادیوں کے درمیان میل جول اس لیے بھی بڑھ گیا ہے کہ اب باوا صاحب کی مسجد کے قائدین (جو باوا صاحب کے مرید ہیں) فلاڈیلفیا کی دوسری تمام مسجدوں کے پیش اماموں کے اجلاسوں میں شریک ہوتے ہیں۔ اور پھر تیسری بات، یہ ہے کہ اسلامی ملکوں اور اسلامی تعلیمی اداروں کے نمائندے باوا صاحب کی مسجد میں آتے ہیں اور انھوں نے باوا محی الدین کے حلقہء ارادت کے اغراض و مقاصد اور اس کی تعلیمات کو سمجھنے میں دلچسپی ظاہر کی ہے۔

وسیع تر اسلامی برادری سے باوا محی الدین کے حلقہ ارادت کے میل جول کی وجہ سے حلقہ میں انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر حلقے کے مستقبل کے بارے میں غور و فکر شروع ہو گیا ہے اور اِس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس موضوع پر کہ ''ایمان اسلام'' کے بارے میں باوا محی الدین کے مخصوص تصور کو کیسے جاری رکھا جائے، آراء مختلف ہیں اور ان اختلافات کے بارے میں دوستانہ ماحول میں بحث و مباحثہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ باوا صاحب کے مرید، اُن کے مواعظ کا مطالعہ کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک باوا صاحب کے مواعظ ہی اساسی ذریعۂ رشد و ہدایت ہیں۔ ان مریدوں کا کہنا ہے کہ اگر کبھی حلقہ ارادت میں کسی تبدیلی کی کوئی تجویز آئی بھی تو باوا صاحب کی تعلیمات اور ان کے معمولات وہ منہاج یا پیمانہ ہوں گے جس سے مجوزہ تبدیلی کو ناپا جائے گا۔ درحقیقت جماعت اور مسجد کے جاری معمولات کے بارے میں باوا بہت سے مواعظ اور احکام چھوڑ گئے ہیں۔ مثال کے طور پر جماعت کی تاریخ کے بالکل ابتدائی ایام میں ہی باوا صاحب نے تنظیم کو چلانے کا نظم ترتیب دے دیا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۷۲ء میں انھوں نے ایک بورڈ آف ڈائریکٹرز اور ایک ایگزیکٹو کمیٹی قائم کی تھی۔ ان کے قواعد وضوابط بھی لکھ دیئے گئے تھے۔ ایگزیکٹو کمیٹی کے ممبر (تعمیر مسجد سمیت) حلقے کی پالیسیوں پر رائے شماری کریں گے۔ فلاڈیلفیا کا حلقہ ارادت تنظیم کا جغرافیائی مرکز رہے گا اور سرانڈیپ صوفی اسٹڈی سرکل اس کی ایک ''شریک تنظیم'' (sister organization) ہوگی۔ جیسے جیسے شاخوں میں اضافہ ہوگا،[۷۵] شاخ کا اپنا اپنا صدر، سیکریٹری اور خزانچی ہوگا اور ان تینوں کو بلحاظ عہدہ حلقے کی ایگزیکٹو کمیٹی کے اجلاس میں ووٹ دینے کا حق حاصل ہوگا۔ انہی پالیسیوں پر آج تک عمل ہو رہا ہے۔

باوا محی الدین نے متعدد ایسی ہدایات بھی دی ہیں جو علاقے کی آبادی کے بدلتے ہوئے اجزائے ترکیبی (مثلاً مریدوں کی عمروں اور ان کی تعداد میں اضافے) کی روشنی میں خصوصی اہمیت اختیار کر گئی ہیں۔ مثلاً انھوں نے تدفین کے بارے میں خصوصی ہدایات دیں اور عورتوں اور مردوں کے لیے الگ الگ زنانہ/مردانہ کمیٹیاں قائم کیں جن کا کام تدفین کے عمل کو روایتی اسلامی طریق و رواج کے مطابق رکھنا تھا۔

اگرچہ باوا محی الدین نے کوئی خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا جو اُن کے بعد شیخ کے مرتبہ پر فائز ہو لیکن نماز جمعہ کی امامت کے لیے اور جماعت کی دیگر مذہبی رسوم وضروریات کے لیے دو امام ضرور مقرر کر دیئے تھے۔ باوا نے مسجد کے نظم وضبط اور ادب آداب کے بارے میں بہت سی ہدایات چھوڑی ہیں۔ اسی طرح انھوں نے اماموں کے فرائض اور وظائف کے بارے میں بھی بہت سے احکام چھوڑے ہیں جن میں جمعہ کے خطبے کے بارے میں ہدایات بھی شامل ہیں۔ مثلاً باوا صاحب کا کہنا تھا کہ جمعہ کے خطبے اور نماز میں صحیح تجوید کی پابندی امام کے لیے بہت ضروری ہے اور یہ کہ جمعہ کے خطبوں کو لوگوں کو مرعوب کرنے کے لیے نہیں بلکہ ان کے ''دلوں کو پگھلانے'' (نرم کرنے) کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے۔

باوا محی الدین کے حلقۂ ارادت کا قیام اور اس کا تسلسل اس امر کا زندہ ثبوت ہے کہ عصرِ حاضر کے امریکی ماحول میں اسلامی عقائد کی تلقین وتبلیغ کا عمل جاری وساری ہے۔ باوا صاحب اسلام کے ان عظیم صوفیاء اور مشائخ کی صف میں شامل ہیں جو اسلام کے پیغام کو جزیرہ نمائے عرب کے جغرافیائی اور ثقافتی گردوپیش سے بہت دور کے علاقوں تک لے گئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باوا صاحب کے ملفوظات میں وہ عناصر بھی شامل تھے جنھیں روایتاً صوفی معلموں اور مرشدوں سے منسوب کیا جاتا ہے یعنی: (۱) کلمہ طیبہ، لا الٰہ الا اللہ، کے داخلی یا باطنی معانی کے بارے میں تعلیمات: (۲) ترک دنیا، یعنی ہر اس چیز کو چھوڑ دینا جو انسان کو اپنے خالق سے جدا کرتی ہے: (۳) علم حکمتِ الٰہیہ اور دانشِ خداوندی کی روشنی میں علم و آگہی کے ذریعے اپنی ذات کا ایسا دقیق تجزیہ کہ انسان اپنے اعمال کے محرکات کو سمجھ سکے اور پھر اس فہم کی روشنی میں ضرورت کے مطابق اپنے اعمال وافعال کی اصلاح کر سکے: (۴) صحیح طرز عمل کے بارے میں تعلیمات (شریعت) یعنی صفاتِ خداوندی کا ''اظہار'' تاکہ توحید الٰہ کی باطنی حقیقت ظاہر ہو جائے اور انسان کا ''وصل'' دوبارہ ازلی ذات واحد سے ہو جائے۔ بایں ہمہ اگرچہ باوا صاحب کی تعلیمات کی بنیادوں میں ''کلاسیکی'' ''عالمانہ (learned)'' تصوف کی فلسفیانہ جھلک نظر آتی ہے لیکن باوا صاحب کا طریق رشد و ہدایت بطور شیخ (پیرومرشد) صف اول کے مقبول صوفیا اور ہر دلعزیز اولیاء کا تھا جو قصے کہانیوں، الہامی گیتوں، عملی دانش، انفرادی روحانی مشوروں اور مثالی طرز عمل (ادب آداب) کے ذریعے ''عامتہ الناس'' سے بات کرتے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ انھیں اپنے مریدوں، اپنے چاہنے والوں اور اپنے پیروکاروں سے اتنی گہری اور دیرپا محبت، عزت اور عقیدت ملتی تھی جو ان (صوفیاء) کے گزر جانے کے بعد بھی برقرار رہتی تھی۔[۷۶]

باوا صاحب کے حلقہ ارادت کو بھی اسی قسم کے بحرانوں سے نمٹنا ہوگا جن کا سامنا تمام مذہبی حلقوں کو اس وقت کرنا پڑتا ہے جب ان کا معجز نما بانی و ہادی اس دنیا سے گزر جاتا ہے۔ اس قسم کے بحرانوں کے چند اجزائے ترکیبی یہ ہیں: حلقے میں نئے ممبروں کی شمولیت جن کا براہ راست واسطہ معلم و ہادی سے اس کی زندگی میں نہیں رہا؛ ابتدائی تعلیمات کی مختلف تشریحات اور اقتدار کی کش مکش کا آغاز۔ باوا صاحب کے متعدد مواعظ میں ''افتراق'' و ''انتشار'' کی طرف انسان کے انفرادی اور اجتماعی میلان کا ذکر ہے۔ ان مواعظ میں باوا صاحب نے اتفاق و اتحاد کی کیفیت ہی کو سچا اسلام قرار دیا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور حلقے کی توسیع سے پیدا ہونے والے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے باوا صاحب کے مرید باوا صاحب کے انہی مواعظ کی طرف رجوع کریں گے اور وہیں سے راہ ہدایت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل کریں گے۔ باوا محی الدین کا کہنا ہے:

اسلام کے دائرہ میں رہنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے عمل میں نیکی، انکسار، ہمدردی، طمانیت اور علم ہو اور اللہ کی تین ہزار صفاتِ حسنہ ہوں۔ خوشی ہو یا غم، اسلام ہر حال میں خدا کی وحدانیت اور اس کی عطا کردہ طمانیت اور مساوات پر محیط رہتا ہے۔ اگر ایک بھوکا ہے، تو سب بھوکے ہیں۔ اگر ایک غمگین ہے۔ تو سب غمگین ہیں۔ اگر ایک خوش ہے، تو سب خوش ہیں۔ اس حالت اسلام میں اگر ہمارا کسی سے عصر کی نماز کے بعد جھگڑا ہو جائے تو ہم پر لازم ہے کہ مغرب کی نماز سے پہلے پہلے صلح کر لیں اور اس سے بغل گیر ہو جائیں... ہماری زندگی کے ہر لمحے میں ہماری یہی نیت رہے اور اگر ہم اپنی صفات و حرکات میں اپنے خالق حقیقی کا رنگ اختیار کر سکیں تو سچے مومنوں کی زندگیوں کے لیے یہی حالتِ اسلام ہے۔[۷۷]

وہ تمام لوگ جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ سب ایک ہی شے کے متلاشی ہیں؛ لہٰذا ہمیں نسل، مسلک، ذات پات کے تفرقوں میں نہیں الجھنا چاہیے کیونکہ جہاں کہیں بھی تفرقے ہوں گے وہاں ہمیں خدا نظر نہیں آئے گا۔ خدا تو وہیں نظر آئے گا جہاں تفرقے نہیں ہوں گے.... خدائی سکون اور طمانیت کی حالت اختیار کرو اور دنیا کو امن و امان دینے کی کوشش کرو۔ توحید الٰہی کی کیفیت میں رہو اور پھر دنیا میں یگانگت قائم کرو۔[۷۸]

حواشی

میں باوا محی الدین کے حلقۂ ارادت کے ان بہت سے ممبروں کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جنھوں نے مجھے وقت دیا، اور باوا کے بارے میں اپنی معلومات اور یادوں میں شریک کیا۔ میں سیٹن ہال یونیورسٹی کی ریسرچ اور فیکلٹی ڈیولپمنٹ کونسل کی بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس منصوبے میں میری مدد کی۔

۱۔ جیمس موریں، "Situating Islamic Mysticism: Between Written Traditions and Popular Spirituality" رابرٹ ہریرا کی مدوّنہ کتاب *Mystics of the Book: Themes and Typologies* (نیو یارک: پیٹر لینگ پبلشنگ، ۱۹۹۲ء) میں شامل۔

۲۔ ایضاً، موریں نے (تصوف) کے متعدد نمونوں کی تاریخی اور نظریاتی اہمیت پر بحث کی ہے۔ یہ نمونے وہ ہیں جن کا ذکر اسلامی تصوف کے مطالعہ جات میں پیوست ہے۔ اس سلسلے میں سٹیون کیٹز کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مضمون "The 'Conservative' Character of Mysticism" مشمولہ سٹیون کیٹز "Mysticism and Religious Traditions" (نیویارک: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۳ء)، ص ۴۳ تا ۶۱ بھی دیکھیے۔

۳۔ باوامحی الدین کے امریکی مریدوں کے لیے فلاڈیلفیا صدر مقام بن گیا۔ اس سے پہلے باوا کا ایک بڑا حلقہ ارادت سری لنکا میں قائم ہو چکا تھا جس کا مرکز کولمبو میں صوفی سراندیپ گروپ کی شکل میں موجود تھا۔ امریکی حلقہ ارادت کے وجود میں آجانے کے بعد بھی باوامحی الدین دونوں مراکز (امریکا اور سری لنکا) کا دورہ کرتے رہے۔

۴۔ امریکا میں باوامحی الدین کے اولین مریدین امریکی باشندے تھے۔ باوا صاحب سری لنکا سے امریکا آئے تو ان کے ساتھ سری لنکا کے کچھ باشندے بھی امریکا آگئے تھے۔ باوا کے مریدوں کی جماعت میں، اور خصوصاً مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے والوں میں، یہ تنوع روز افزوں ہے۔

۵۔ یعنی، باوامحی الدین کی تعلیمات میں دینیات اور فلسفہ سے متعلق جتنے اہم سوالات ہیں اتنا ہی اہم ان تعلیمات کو اسلامی انسانیات (humanities) اور بشری علوم کی روشنی میں دیکھنے کا سوال ہے۔ اسلامی انسانیات سے مراد ''معاشرے میں رچی بسی اور وقت کے ساتھ بدلتی ہوئی اشکال کی عمودی اور افقی ترتیب ہے۔ مثلاً ادارے، رسوم و رواج، واہمے اور قصے، شاعری، موسیقی، رچی بسی اقدار اور توقعات... انھیں اشکال کے توسط سے مخصوص مسلمان خاندانوں یا مقامی سماجی گروپوں میں روحانی تعلیمات منتقل ہوتی ہیں'' (جیمس موریس، "Situating Islamic Mysticism")۔ جیمس موریس کے طریق فکر کی ہم آہنگی میں میری رائے یہ ہے کہ اگر صرف ''تصوف'' کے خیالات اور نظریات کو پیش کر دیا جائے اور ان ''انسانی طریقوں'' کو نہ سمجھا جائے جن کے توسط سے ان تعلیمات کی تلقین و تبلیغ کی جاتی ہے اور لوگوں میں انھیں درجہء قبولیت ملتا ہے تو بجائے خود ان تعلیمات کی شکل مسخ ہو جائے گی اور ان کا صحیح جائزہ نہ لیا جا سکے گا۔

۶۔ وحدت الوجود بارہویں صدی عیسوی کے آخری اور تیرہویں صدی کی ابتدا کے، اندلس میں نظریہ تصوف کے مشہور شارح ''ابن عربیؒ'' کے فلسفہ تصوف کا ایک جزو ہے۔ ابن عربی کا کہنا تھا کہ تمام مخلوقات ذات باری کی ''تجلیات'' یا ''مظاہر'' ہیں۔ ابن عربی کی تحریریں ضخیم بھی ہیں اور پیچیدہ بھی۔ مسلم اور غیر مسلم دونوں ہی علماء نے ابن عربی کی تحریروں کی مختلف تعبیریں کی ہیں۔ اس سوال پر بحث جاری ہے کہ کیا ابن عربی کے اس ''موحدانہ'' نظریہء حقیقت سے اس روایتی نظریے پر زد نہیں پڑتی جس کے تحت ذات باری کی نوعیت ''اساساً ماورائی (radically transcendent)'' ہے۔ ابن عربی کے عمدہ مختصر تعارف کے لیے دیکھیے این میری شمل کا مقالہ "Mystical Dimensions of Islam" (چیپل ہل: یونیورسٹی آف نارتھ کیرولینا پریس، ۱۹۷۵ء) ص

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۶۳ تا ۲۷۴۔

۷۔ ولیم چِٹک "Ibn Arabi and His School" مشمولہ ایس، ایچ، نصر *Islamic Spirituality, Manifestations* (نیو یارک: کراس روڈز پریس، ۱۹۹۱ء) ص ۴۹ و مابعد۔

۸۔ جس مرید نے ماضی کی تاریخ کے اس حصے پر روشنی ڈالی اس نے یہ نکتہ بھی بیان کیا کہ آج کل کی زبان میں ہم ان (بدروحوں، بھوتوں پریتوں) کو دماغی امراض یا نفسیاتی بیماریاں کہتے ہیں اور ہم ان بھوتوں پریتوں (یعنی خدشات، بندھن اور محبتیں (attachments) اور وہ چیزیں جو ہمیں ہمارے ماضی سے جوڑے رکھتی ہیں اور وہ تمام چیزیں جو "حقیقی" نہیں ہیں) سے اب بھی "نفسیاتی تجزیوں" کے ذریعے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ باوا کے بہت سے مریدوں کا خیال ہے کہ باوا صاحب کے امریکا آنے سے بھوت پریت کے بارے میں روایتی تصورات اور عہد جدید کے نفسیاتی تجزیات پر مبنی امراض ذہنی کی تفہیم (سوجھ بوجھ) میں ایک بامعنی ملاپ کی شکل پیدا ہوگئی ہے۔

۹۔ احادیث سے مراد محمد رسول اللہ [صلّی اللہ وعلیہ وسلّم] کے اقوال وافعال ہیں۔ مسلمانوں کے لیے تمام شعبہ ہائے زندگی میں انفرادی اور اجتماعی دونوں طور پر (قران پاک کے ساتھ) احادیث مستند اساسی ماخذ ہدایت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ احادیث نبویؐ میں احادیث قدسی وہ احادیث ہیں جو ذات باری سے منسوب ہیں یعنی حدیث قدسی وہ حدیث ہے جس میں اللہ خود صیغہ واحد متکلم میں کلام کرتا ہے۔ احادیث قدسی کا نہایت اونچا مرتبہ قرآن پاک اور دیگر احادیث کے درمیان ہے* (یعنی قرآن پاک کے بعد اور دیگر احادیث سے پہلے) دیکھیے ایس ایچ نصر *Islamic Spirituality: Foundations* (نیو یارک: کراس روڈز پریس، ۱۹۸۹ء) ص ۹۷ و مابعد۔

۱۰۔ اسلامی تصوف میں اولیاء اللہ کے مختلف درجوں اور ان کے ناموں کی تاریخ بہت پرانی ہے جو تستری (متوفی ۸۹۶ء) اور ترمذی (متوفی ۹۳۲ء) سے شروع ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں دیکھیے اے، شمل *Mystical Dimensions* ص ۵۶ تا ۵۷۔

۱۱۔ حلقے (fellowship) کی آڈیو ریکارڈنگز، اے آر ایس 6802-01-1968 "توحید" "موت قبل موت" اے آر ایس 6400-01-A, 1964۔ "محی الدین عبدالقادر جیلانی" "ذکر" "پانچ فرد"۔

۱۲۔ "ذکر" کے معنی ہیں یاد کرنا: اصطلاحاً اس سے مراد ہے اللہ کے نام کا صوفیانہ ورد۔ اس کے بہت سے طریقے ہیں لیکن سب کا مقصد یہ ہے کہ کلمہ طیبہ "لا الہ الا اللہ" کے باطنی معنی ورد کرنے والے کی روح میں جذب ہو جائیں۔

* حدیث قدسی میں نفس مضمون اللہ تعالیٰ کا بیان کیا ہوا ہوتا ہے اور الفاظ حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہوتے ہیں اور قرآن حکیم میں مضمون اور الفاظ دونوں اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۳۔ احادیث قدسی میں یہ ایک نہایت مقبول حدیث ہے جس سے صوفیاء ''ہمہ از اوست "how the many originated from the One" کے نظریئے کی تشریح کرتے ہیں۔

۱۴۔ ''بائیں'' (نتھنے) کی نسبت ''منفی'' قطب اور کلمہ طیبہ کے پہلے جزو (لا الہ) سے اور ''دائیں'' (نتھنے) کی نسبت ''مثبت'' قطب اور کلمہ طیبہ کے دوسرے جز (الا اللہ) سے ہے۔ یہ ایک ایسا نکتہ ہے جو سلسلہ قادریہ کی مقامی شاعری میں بار بار ملتا ہے۔ دیکھئے میری شمل، *"As Through A Veil, Mystical Poetry in Islam"* (نیویارک: کولمبیا یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۲ء) ص ۱۴۳۔ میری شمل نے ایک اور استعارے کا ذکر بھی کیا جو برصغیر کی مقامی شاعری میں استعمال ہوتا ہے یعنی ذکر ایک گہری جڑ ہے جو سرچشمہ آب ہے اور جس سے نکلتا پانی ''دل میں'' الوہی پودے کی آبیاری کرتا ہے۔ یہ وہ موضوع ہے جسے باوا محی الدین نے کثرت سے استعمال کیا ہے: دیکھئے باوا محی الدین کی تحریر "Come to the Secret Garden" (فلاڈیلفیا: فیلوشپ پریس، ۱۹۸۵ء)۔ نوٹ کیجئے ''اللہ ھُو'' میں لمبا ''ہُو'' جس کے متعلق باوا محی الدین نے تشریح کی ہے کہ ''یہ گونج کی آواز ہے'' انھوں نے یہ بات اپنے ایک وعظ میں کہی جس کا ٹیپ ۱۹۹۱ء کے موالید القطب کے موقع پر آخری دن چلایا گیا تھا۔

۱۵۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۰ء کے دوران میں مشرق وسطیٰ کے واقعات نے باوا صاحب میں یہ تحریک پیدا کی کہ وہ سرگرمی سے خط و کتابت شروع کریں۔ چنانچہ انھوں نے خمینی، بیگن، سادات اور کارٹر کو خطوط لکھے اور متعدد علاقائی مسائل کے پُر امن تصفیے کی کوشش کی۔ باوا صاحب نے اپنے مریدوں کو بھی تلقین کی کہ وہ متحد ہو کر اپنے اپنے طور پر فکری اور سیاسی اعتبار سے امن اور ''خیر سگالی'' کو فروغ دیں۔

۱۶۔ ولیم گراہم *Divine Word and Prophetic Word in Early Islam* (دی ہیگ: موٹن اینڈ کمپنی، ۱۹۷۷ء)۔

۱۷۔ اے آر ایس ۵۰۔ ۰۴۔ ۷۴، ''ذکر کیسے کرنا چاہیے'' ۲۱ر اپریل ۱۹۷۴ء سری لنکا۔ یہ بھی ایک مقبول عام حدیث قدسی کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ نے فرمایا... (جب میرا بندہ میرے قریب آتا ہے)... تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ (ماخوذ ڈبلو گراہم *Divine Word and Prophetic Word in Early Islam* ص ۱۷۳)۔

۱۸۔ جیسے تصور توحید کے بارے میں آراء کا اختلاف ہے کہ بعض ''قدامت پسند'' (راسخ العقیدہ) مسلمانوں کو ''وحدت الوجود'' کے نظریئے میں ''نظام فطرت'' سے ذات باری کی بیشل ماورائیت کا نظریہ مجروح

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا نظر آتا ہے اسی طرح اسلامی دینیات میں انسان کے واصل باللہ ہونے کے روحانی تجربے کا دعویٰ بھی متنازعہ فیہ رہا ہے۔ تاریخ اسلام میں بایزید بسطامی، منصور الحلاج، اور ابن عربی ان بزرگوں میں شامل ہیں جن کے روحانی ''مقولات'' میں واصل باللہ ہونے کے روحانی تجربے کا ذکر ملتا ہے۔ دیکھیے کارل ارنسٹ *Words of Ecstasy in Sufism* (البانی: اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک پریس، ۱۹۸۵ء) ص ۱ تا ۱۶؛ کارل ارنسٹ کا کہنا ہے کہ اسلام کے صوفیا کیف و مستی میں جو ذو معنی اور مبہم کلمات زبان سے ادا کرتے ہیں ان کا مفہوم سمجھنے کے لیے اس سیاق وسباق کو مدنظر رکھنا ضروری ہے جس میں ان کی صوفیانہ زبان نے پرورش پائی۔

۱۹۔ اے آر ایس ۵۰۔ ۴۰۴۷ ڈی؛ اس ٹیپ کا لیبل ہے ''ذکر جلالی''۔

۲۰۔ اے آر ایس ۵۰۔ ۴۰۴۷ ڈی

۲۱۔ یہ تعلیم ہمیں ابن عربی کے اس نقطۂ نظر کی یاد دلاتی ہے جس کا اظہار انھوں نے اپنی تصنیف ''ترجمان الاشراق'' میں کیا ہے یعنی جسم اور جذبات شعور ذاتِ باری کے حصول کے ذرائع ہیں۔ ''روح جسم سے محبت کرتی ہے کیونکہ روح کا تمام شعور حق، روح کے جسم میں مقید ہونے کے باعث ہے اور روح جسم کو اطاعت حق کے لیے استعمال کرتی ہے۔ دیکھیے ''ترجمان الاشراق'' ترجمہ و ادارت نکلسن (لندن: تھیوسوفیکل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۱۱ء)، ص ۱۲۶۔

۲۲۔ اے آر ایس ۵۰۔ ۴۰۴۷ ڈی۔

۲۳۔ اے پی ٹی ۱۰۔ ۴۰۰۹ ''شیخ ایم آر باوا محی الدین کی مسجد میں شب قدر کے بعد کی صبح کا ذکر''۔

۲۴۔ یہ وعظ ۱۹۷۴ء کا ہے اور یہ سری لنکا میں دیا گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ باوا محی الدین کے سری لنکا کے مریدوں نے بھی اسلامی طریق عمل (Islamic practice) کو اپنا لیا تھا اور وہ اس سے بخوبی واقف تھے بلکہ درحقیقت جافنا میں ایک مسجد بھی موجود تھی۔ اے آر ایس ۵۰۔ ۴۰۴۷، ۱۹۷۴ء حصہ دوم ''ذکر کی اہمیت''۔

۲۵۔ میکائل ڈی شیفر، "Mosque Was a Labor of the Heart" مشمولہ *Philadelphia Inquirer* (۶ر ستمبر ۱۹۸۴ء) مزید دیکھیے ایمی لن، "The New American Muslims" مشمولہ *Philadelphia Inquirer* (۱۰ر جولائی ۱۹۸۸ء)۔

۲۶۔ باوا محی الدین کی ''جمالیات بطور تعلیمات'' پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔ داخلیت سے خارجیت کی طرف حرکت کا مطلب ''مکان'' کے اعتبار سے کسی حد تک اکائی سے تعدد کی طرف حرکت بھی ہے۔ (یہ نکتہ بجائے خود ایک مستقل موضوع ہے۔) شروع شروع میں ''متبرک جگہ'' صرف باوا صاحب کے کمرے تک محدود تھی یعنی ان کے پلنگ کے اردگرد کا حصہ یا نچلی منزل پر نسبتاً بڑا کمرہ جہاں اجتماعات ہوا کرتے تھے، باوا صاحب جس وقت وعظ فرمایا کرتے تھے اس جگہ پر مرد، عورتیں، بچے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سب کے سب ''شیخ کی موجودگی میں'' یکجا جمع رہتے تھے اور یہی طریقہ آج تک رائج ہے یعنی ''اجتماعات'' ہیں جہاں سب مرید مل جل کر باوا صاحب کی تعلیمات کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے ہیں اور ان کے بارے میں علم حاصل کرتے ہیں۔ البتہ جب باجماعت نماز کا وقت آتا ہے تو مسلمہ روایتی طریقے کے مطابق مرد الگ ہو جاتے ہیں عورتیں الگ ہو جاتی ہیں اور دونوں کے درمیان پردہ حائل ہو جاتا ہے۔ میلاد کی تقریبوں میں سیرۃ النبیؐ کے بارے میں کتابوں سے پڑھا جاتا ہے۔ یہ تقاریب نہ مسجد میں ہوتی ہیں نہ باوا مرحوم کے کمرے میں بلکہ یہ ان کمروں میں ہوتی ہیں جہاں تعلیم دی جاتی ہے۔ ان کمروں میں مرد اور بچے تو بیٹھ سکتے ہیں لیکن عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ یا تو ہال کمرے میں بیٹھیں یا باوا مرحوم کے کمرے میں۔ وہاں کلوزڈ سرکٹ ٹیلی ویژن کی سہولت مہیا ہوتی ہے جس پر عورتیں تقریب کو دیکھ سکتی ہیں اور اس طرح میلاد کی تقریبوں میں شامل ہو سکتی ہیں۔ دوسری طرف بڑے کمرے میں جو میلاد پڑھا جاتا ہے اسے بھی ٹی وی پر دکھلایا جاتا ہے لیکن بڑے کمرے میں مرد اور عورتیں ساتھ ساتھ بیٹھتے ہیں۔ جگہ کے استعمال اور ادائے رسوم کے سلسلے میں ایک نئی بات جو دیکھنے میں آرہی ہے وہ یہ ہے کہ باوا محی الدین اور ان کی تعلیمات پر مبنی اجلاسوں، میلادوں اور ذکر میں غیر امریکی مسلمان کم نظر آتے ہیں۔

۲۷۔ اے پی ٹی ۰۶۔۸۴۰۴ (اپریل ۱۹۸۴ء) ''اسلام میں عشق و توحید'' اور ''اسلام میں نماز باجماعت۔''

۲۸۔ دیکھیے حاشیہ نمبر ۶ اور حاشیہ نمبر ۱۸۔

۲۹۔ ابن سینا (لاطینی مغرب میں Avicenna) گیارہویں صدی کے نوافلاطونی مسلم فلسفی تھے جنھوں نے اپنے بعد کے اسلامی فلسفے اور تصوف کو متاثر کیا۔ ابن سینا کے فلسفہء وجود میں ذات باری کی ماورائیت پر بڑا زور ہے۔ ان کی آفاقیت تمام مخلوقات کے اپنے خالق حقیقی سے تعلق کی تصدیق کرتی ہے۔ دیکھیے ایس ایچ نصر، *Three Muslim Sages* (دیلمار، نیویارک: کاروان بکس، ۱۹۷۶ء)

۳۰۔ اے آر ایس ۰۶۔۸۶۰۶، جون ۱۹۸۶ء ''انسان کے جمال صادق کی تلاش'' بہت سی احادیث کے ساتھ بشمول حضرت جبرئیل اور بی بی فاطمہؓ، حضرت علیؓ اور خضر نبیؑ''۔

۳۱۔ متعدد احادیث کو اس موضوع سے متعلق سمجھا جاتا ہے، مثلاً ''پہلی چیز جو خدا نے پیدا کی وہ نور تھا''۔ ''پہلی چیز جو خدا نے پیدا کی وہ میرا نور تھا''۔ ''آدم ابھی خاک و آب کے درمیان میں تھے کہ میں نبی تھا''۔ ''اے محمد! [صلی اللہ علیہ وسلم] اگر تمھاری خاطر منظور نہ ہوتی تو میں کون و مکاں کو پیدا نہ کرتا''۔

۳۲۔ ابن عربی کی تحریروں میں وجود کی جس سطح کو ''الواحدیہ'' سے منسوب کیا جاتا ہے اسے بعض اوقات ''اسمائے الٰہیہ'' بھی کہا جاتا ہے ''الواحدیہ'' ''الاحدیہ'' کی ضد ہے۔ دیکھیے ٹی ایزوتسو، A

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Comparative Study of the Key Philosophical Concepts in Sufism and Taoism (ٹوکیو: کیو انسٹی ٹیوٹ آف کلچرل اینڈ لنگوسٹک اسٹڈیز، ۱۹۶۶ء)
مزید ملاحظہ ہو این میری شمل، As Through a Veil ص ۱۹۵۔

۳۳۔ محمدؐ اور احمدؐ دونوں عربی لفظ ''حمد'' سے مشتق ہیں جس کے معنی ہیں تعریف کرنا۔ ''احمد'' کو بعض اوقات رسول اللہ [صلی اللہ علیہ وسلم] کے پراسرار نام کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

۳۴۔ این میری شمل As Through a Veil ۱۹۴۔

۳۵۔ باوا محی الدین Islam and World Peace (فلاڈیلفیا: فیلوشپ پریس، ۱۹۸۷ء) ص ۱۵۱۔ یعنی ''محمدؐ'' کے ''اندرونی معنی'' بتلانے کے لیے لفظوں کا کھیل کھیلا جاتا ہے۔ نور محمدؐ ذات باری کا پہلا خارجی مظہر ہے گویا ذات باری کے ''جلوے'' کی علامت ہے۔ تصوف کی کتابوں میں قلب باطنی (inner) ''تخت الٰہی'' ہے۔ جہاں فرد بشر ذات باری کا گہرا شعور محسوس کر سکتا ہے۔ ''اللہ سے کلام کا ذریعہ قلب ہے۔ یہ نظریہ تستری کے زمانہ سے مختلف اکابر صوفیا کا مخصوص موضوع ہے اور [حضرت] عبدالقادر الجیلانی کی تعلیمات میں بھی پایا جاتا ہے۔

۳۶۔ تصوف کے ادب عالیہ اور عوامی ادب، دونوں میں ''احمد بلا میم'' کی روایت تیرہویں صدی عیسوی سے چلی آ رہی ہے۔ روایتیں ہمیشہ اللہ اور محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کے درمیان علت و معلول کی وحدانی کیفیت کی طرف اشارہ کرتی ہیں یعنی یہ کہ ''اللہ۔ احد'' اور ''احمد۔ محمد کے درمیان صرف ''میم'' کا حجاب ہے دیکھیے این میری شمل Mystical Dimensions of Islam ص ۱۹۴ تا ۲۰۴۔

۳۷۔ اسلامی ''شریعت (laws)'': باوا صاحب نے شریعت کے مطابق طرز عمل کی جو تعریف کی ہے اس کے لیے دیکھیے ٹیپ ''اے آر ایس ۲۲۔ ۸۶۰۵'' جس کا عنوان ہے ''کنیکٹی کٹ سے آنے والے دو پروفیسروں کے ساتھ انٹرویو''۔ جب باوا صاحب سے شریعت کے بارے میں ان کا تصور معلوم کیا گیا تو انھوں نے ایک سو اٹھائیس ایسے گنوا دیے جن کی اسلامی شریعت متقاضی ہے۔

۳۸۔ اے آر ایس ۰۳۔ ۷۵۰۸ (اگست ۱۹۷۵ء)، ''امام۔ اسلام''۔

۳۹۔ باوا محی الدین Islam and World Peace ص ۱۰۲۔ ''صحیح بیعت'' کو کثیر الجہتی معنی میں سمجھنا چاہیے تصوف کی کتابوں میں بعض اوقات اس کیفیت کو یوم میثاق (سورۃ ۷، آیت ۱۷۱) والی کیفیت کی تجدید نو تصور کیا جاتا ہے [یعنی اللہ تعالیٰ نے روز ازل انسان سے اپنے رب ہونے کا اقرار لیا تھا]

۴۰۔ باوا محی الدین اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسمائے حسنیٰ (فلاڈیلفیا: فیلوشپ پریس ۱۹۷۹ء) صفحہ ۱۹۶۔ ''اسمائے محمدؐ'' کی زیادہ مکمل فہرست کے لیے دیکھیے ص ۱۳۶۔

۴۱۔ ایضاً۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسمائے حسنیٰ پر گہرے غور و فکر (مراقبوں) کے بعد باوا صاحب کی تعلیمات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور [بی بی] فاطمہؓ، [حضرت] جبریلؑ اور حضرت علیؓ سے متعلق احادیث آتی ہیں۔ دوسرے متون میں یہ مابعد الطبیعیات تعلیمات دوسری اسلامی مثالی بزرگ ہستیوں (مثلاً [حضرت] ابوبکرؓ، [حضرت] عمرؓ، اور الغزالی وغیرہ) سے متعلق واقعات کے توسط سے دی جاتی ہیں۔

۴۲۔ ایضاً ص ۱۴۵۔

۴۳۔ صوفی روایات میں اویس [قرنی] سے متعلق بہت سے قصے مشہور ہیں۔ ان کے بارے میں قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ عہد رسالتؐ میں یمن میں رہا کرتے تھے۔ وہ رسول اللہ [صلی اللہ علیہ وسلم] سے کبھی نہیں ملے لیکن ان کے زہد وتقویٰ اور رسول اللہ [صلی اللہ علیہ وسلم] سے ان کے عشق وعقیدت کا خود رسول اللہ [صلی اللہ علیہ وسلم] کو علم تھا۔ بعد میں آنے والے صوفیوں کے لیے اویس [قرنی] ایسے غیبی ہدایت یافتہ صوفی کی مثال بن گئے جو رسول اللہ [صلی اللہ علیہ وسلم] سے ذاتی طور پر نہ مل سکنے کے باوجود تائید وہدایات اور فضل الٰہی سے سرفراز ہوئے۔ چنانچہ باوا محی الدین اویس [قرنی] کے بارے میں متعدد دلچسپ اور دلگداز قصے سناتے ہیں اور اشیاء کی ''باطنی'' حقیقت کا شعور حاصل کرنے کے لیے اویسی طریقے کی مکمل تائید کرتے ہیں۔ دیکھیے ٹیپ ''اے آر ایس ۰۳۔۷۵۰۸ (۲۳ راگست ۱۹۷۵ء)'' ایمان۔ اسلام۔ باوا دو آدمیوں کو اپنے ساتھ حج پر لے جاتے ہیں۔ وہ شخص جسے زیارت رسول [صلی اللہ علیہ وسلم] نصیب ہوئی''۔

۴۴۔ باوا کا طریق تعلیم یہ تھا کہ وہ شعائر اسلامی کو بتدریج زیادہ واضح کر کے ان پر عمل کی تلقین کرتے تھے۔ وہ یہ بھی تاکید کرتے تھے کہ مختلف مریدوں کے درمیان ان کے ذاتی فہم وشعور اور ثقافتی پس منظر کی وجہ سے جو امتیازات پیدا ہوں ان کے بارے میں رواداری کا رویہ اختیار کیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ باوا صاحب مرحوم کی شخصیت سے متعلق تقریبات میں مختلف افراد کی شمولیت کے انداز میں ''تنوع'' پیدا ہو گیا۔

۴۵۔ الاخرۃ، یوم القیامتہ اور فنا۔ ''معاد'' کے بارے میں یہ ساری اصطلاحات قرآن پاک میں وارد ہیں۔ ان سے مراد بالترتیب یہ ہے: آخرۃ (انجام ہستی) یوم القیامتہ (وہ دن جب ساری مخلوق کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا) فنا (بجز ذات باری کے ہر شے کا معدوم ہو جانا)۔ تصوف کی کتابوں میں ان اصطلاحات سے مراد فرد و بشر میں انا کی فنا یا نفس امارہ کی فنا بھی لی جاتی ہے۔

۴۶۔ این میری شمل، Mystical Dimensions of Islam ص ۵۷۔

۴۷۔ باوا محی الدین، اسماء الحسنی ص ۲۰۱۔

۴۸۔ ایضاً۔

۴۹۔ شہاب الدین یحییٰ سہروردی، الشیخ الاشراق، ''فلسفہ تجلی کے استاذ'' (متوفی ۱۱۹۱ء)۔ ان کے نظریات میں ایک نظریہ ہبوط آدم کے بارے میں بھی تھا یعنی ''وجود'' کیسے ''حقیقت کامل'' سے جدا ہو کر مختلف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''ملکوتی'' مدارج نور میں سے گزرتا ہوا دسویں ملکوتی درجہء آگہی پر (جو انسانیت کی معراج کا نمونہ ہے) پہنچا اور علمی اعتبار سے جس کا وظیفہ وہی ہے جو جبریل اور خضر کا ہے یعنی فرد بشر میں تفریدی قدرت خداوندی کا وہ مظہر جس کے توسط سے واقعات، متون، کیفیات، اشخاص کی دقیق تفہیم کی تشریح ہوتی ہے اور جس سے خود آگہی بھی حاصل ہوتی ہے؛ دیکھئے گسیلاوب "The Human/Angelic Relation in the Philosophies of Suhrawardi and Ibn Arabi" (پی ایچ ڈی کا مقالہ: ٹیمپل یونیورسٹی، ۱۹۸۹ء) ص ۴۷ تا ۸۴۔

۵۰۔ یہ عربی لفظ محی الدین سے بنا ہے اور اسی پر محی الدین کا نام مبنی ہے۔

۵۱۔ این میری شمل، *Mystical Dimensions of Islam* ص ۲۴۷۔

۵۲۔ یہ ایک قرآنی اصطلاح ہے جس میں اشارہ انسان کی ''تہہ در تہہ خود فریبی کی طرف ہے'' انسان کا ضمیر طویل عرصے تک مخصوص مفادات کی عادت ڈال کر اور جھوٹے خداؤں کی مسلسل پرستش کرتے کرتے اتنا پراگندہ ہو جاتا ہے کہ پاک ناپاک اور ناپاک پاک لگنے لگتا ہے (فضل الرحمن، *Major Themes of the Quran* | شکاگو: ببلیوتھیکا اسلامکا، ۱۹۸۰ء | ص ۱۰۷)

۵۳۔ باوا محی الدین *Islam and World Peace* ص ۵۹، ۶۸۔ باوا: ''اس قلب کی گہرائی میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جس میں اٹھارہ ہزار کائناتیں، آسمان اور سلطنت خداوندی موجود ہیں....وہاں ملائکہ، موجودات سماوی، انبیاء اور ضیاہائے الوہی خالق حقیقی کے سامنے سجدہ کرتے ہیں....انسانی قلب کے اس خون کے لوتھڑے میں اتنی دانش و آگہی ہوتی ہے کہ عرش الٰہی کو دریافت کر سکتا ہے۔''... قلب انسانی میں ایک چھوٹا سا لوتھڑا ہے گوشت کا جو اللہ کی عبادت کرتا ہے، اُس کا دیدار کرتا ہے، اُسے سنتا ہے، اس سے دعا کرتا ہے....سچے مومن کا یہی تخت ہے''۔

۵۴۔ منقول در ایس ایچ نصر: *Islamic Spirituality, Foundations* ص ۱۱۴۔

۵۵۔ اسے ''ذکر صبح گاہی'' کے ترجمے کے اس ہینڈ آؤٹ میں دیکھا جا سکتا ہے جسے باوا صاحب کے حلقے نے جاری کیا تھا۔

۵۶۔ ٹیپ پانچ گیت، ''وہ جو بغداد پر فرمانروائی کرتا ہے''۔

۵۷۔ اے آر ایس ۰۹۔ ۲۰۲۷: فروری ۷۷ء، ''قطب جزائر مالدیپ میں'' باوا صاحب کے بہت سے مرید روحوں، بھوتوں پریتوں اور بتوں کی تعبیر اس طور کرتے ہیں جس سے ''روحانیت'' اور ''نفسیاتی تجزیہ'' یکجا ہو جاتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں تکمیل خودی اور ''اسلام'' کی حقیقی توحید و طمانیت کے راستے میں جو عوامل رکاوٹ پیدا کرتے ہیں وہ ماضی سے وابستگیاں ہیں، خدشات اور اندیشے ہیں، نفس کی پرکاریاں اور خواہشیں ہیں اور جھوٹے خدا ہیں۔

۵۸۔ ایس ایچ نصر، *Sufi Essays* (نیویارک: شاکن بکس، ۱۹۷۷ء) ص ۵۹۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۹۔ ڈیلوس چٹک *The Sufi Path of Love* (نیویارک: اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک پریس، ۱۹۸۳ء) ص ۱۲۰ تا ۱۲۱۔

۶۰۔ یہ قرآن کی سورۃ ۷، آیت ۱۷۱ کی جانب حوالہ اور اس کی صوفیانہ تشریح ہے۔

۶۱۔ "مرد کامل (perfected)" یا "مرد حق (realised)": دیکھیے باوا محی الدین Sheikh and Disciple (فلا ڈیلفیا: فیلوشپ پریس، ۱۹۸۳ء)

۶۲۔ باوا محی الدین *God, His Prophets and His Children* (فلا ڈیلفیا: فیلو شپ پریس، ۱۹۷۸ء) ص ۱۶ تا ۱۷۔

۶۳۔ ایضاً ص ۱۷ تا ۱۸

۶۴۔ باوا محی الدین *Sheikh and Disciple* ص ۱۱۔

۶۵۔ ایضاً ص ۱۸۔

۶۶۔ ایضاً ص ۲۳۔

۶۷۔ ایضاً ص ۲۵۔

۶۸۔ ایضاً ص ۱ڈ و مابعد۔

۶۹۔ ایضاً ص ۵۲۔

۷۰۔ ایضاً ص ۸۵ تا ۸۸۔

۷۱۔ باوا محی الدین، اسماء الحسنیٰ (قربان کے بارے میں) ۱۸۲ تا ۱۸۳۔

۷۲۔ امریکا میں اسلامی گروہوں کے ارتقا پر بحث کرتے ہوئے میں نے "بدعت" کا لفظ دانستہ اس کے ابہام ہی کی وجہ سے استعمال کیا ہے۔ جو لوگ عربی زبان پر عبور نہیں رکھتے، انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ عربی اصطلاح "بدعت" کا ایک منفی پہلو بھی ہے جو مستند شرعی طریقوں میں غیر مسلمہ تبدیلیوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے لیکن امریکا میں جو انگریزی مستعمل ہے اس میں اس اصطلاح کے ایک مثبت معنی ہیں۔

۷۳۔ ایک مرید نے باوا کا قول نقل کیا "جو لوگ میرے حلقہ ارادت میں میرے لیے، کھانے پینے کے لیے، ملنے جلنے کے لیے آتے ہیں وہ چلے جائیں گے لیکن جو اللہ کے لیے آتے ہیں وہ رہ جائیں گے۔"

۷۴۔ باوا کے اکثر ابتدائی مرید افریقی امریکی تھے۔ باوا صاحب بالحاظ "نسل، مذہب، طبقہ، ذات پات" "اتحاد و یگانگت" کی تاکید کیا کرتے تھے۔ چنانچہ متعدد شادیاں مختلف نسلوں کے درمیان ہوئیں۔

۷۵۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی میں باوا صاحب کو بہت سے عوامی جلسوں میں تقریر کے لیے بلایا گیا۔ ہوتا یہ تھا کہ جو لوگ باوا کو اپنا پیر تسلیم کرتے تھے بالعموم وہ لوگ فلا ڈیلفیا منتقل ہو جایا کرتے تھے اور جو فلا ڈیلفیا منتقل نہیں ہو سکتے تھے وہ اپنے ہاں حلقہء ارادت کی شاخیں قائم کر لیا کرتے تھے۔ جب بہت سے مرید

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فلاڈیلفیا سے باہر کے علاقوں میں منتقل ہو گئے (خصوصاً باوامحی الدین کے انتقال کے بعد) تو پھر ان علاقوں میں بھی حلقے کی شاخیں قائم ہو گئیں۔ بوسٹن، کنیکٹی کٹ، نیویارک، پنسلوانیا، کینن ساس، انیوا، مشی گن، وسکانسن، کیلی فورنیا، کینیڈا، انگلینڈ، نائیجیریا اور سری لنکا میں شاخیں قائم ہیں۔ ہر شاخ میں ممبر مریدوں کی تعداد سات سے اٹھارہ تک ہے۔

۷۶۔ بلاشبہ تعظیم و تکریم اور عقیدت کا اظہار ''مزار'' سے بھی کیا جاتا ہے۔''مزار'' اسلامی گروپ کا ایک نہایت اہم حصہ ہے۔

۷۷۔ باوامحی الدین Islam and World Peace ص ۹۳۔

۷۸۔ ایضاً ص ۷۳ تا ۹ ۳۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۵

پانچ فیصد والے، خداؤں اور زمینوں کی نوخیز* قوم

یوسف نورالدین

تنظیمی ڈھانچہ اور ترقی

فائیو پرسینٹرز (پانچ فیصد والے) ایک چھوٹا سا گروہ ہے جو ۱۹۶۴ء میں کلیرنس ''پڈ نگ'' ۱۳۔ ایکس کی قیادت میں نیشن آف اسلام سے کٹ کر خود ایک گروپ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ یہ نام ان کے اس عقیدے سے ماخوذ ہے کہ انسانیت کے صرف پانچ فیصد لوگ ایسے ہیں جو متقیانہ ''اسلامی'' زندگی گزارتے ہیں اور اس طرح ان لوگوں نے اس سیاہ فام انسان کی جو ''خدا'' یا ''اللہ'' ہے ''سچی ربانی صفت'' کو آشکارا کر دیا ہے۔ دراصل ایلیجاہ محمد کی ''تعلیمات'' کے اسباق کو نیویارک کے شہری علاقے میں ۱۹۶۰ء کی دہائی کی نوجوان نسل میں نیشن آف اسلام نے نہیں بلکہ'' فائیو پرسینٹرز '' نے پھیلایا تھا اور اسے مقبول بنایا تھا۔ اب پچیس سال گزر جانے کے بعد، اس پانچ فیصد والی قوم یعنی'' فائیو پرسینٹرز نیشن یا نیشن آف گاڈز اینڈ ارتھس'' (جس نام سے وہ اب زیادہ مشہور ہیں) کو کافی ترقی ہوئی ہے۔ ایک خاص قسم کی

---

* نوخیز قوم Teenage Nation کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاصر موسیقی میں بہت سے گیت فائیو پرسینٹرز کے نظریات کا براہ راست حوالہ دیتے ہیں یا اس کی جانب ایک مغبوط اشارہ کرتے ہیں۔

فائیو پرسینٹ نیشن کے صحیح سائز کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ نیویارک شہر اس تحریک کا مرکز ہے، اس کی ابتدا ہارلم سے ہوئی تھی اور بہت جلد یہ دور دراز کے علاقوں تک پھیل گئی تاہم اس تنظیم کے بندھن بہت ڈھیلے ہیں اور اس کے کسی باضابطہ ممبر اور محض دلچسپی رکھنے والے کسی ہمدرد میں امتیاز کرنا بہت مشکل ہے۔ اس تنظیم کا عددی اندازہ کرنا اس لیے اور بھی پیچیدہ ہے کہ ایسے فروعی نسلی گروہ موجود ہیں جنھوں نے یکساں نوعیت کے نظریات کو اختیار کر رکھا ہے؛ ایسا ہی ایک گروہ جنوبی برانکس میں ''زولونیشن'' کے نام سے موجود ہے، بہرحال یہ بات یقیناً صحیح ہے کہ شہری علاقے میں فائیو پرسینٹرز کی تعداد ہزاروں میں نہیں بلکہ لاکھوں میں ہے۔ نیویارک شہر میں عددی نہیں تو وصفی طور پر ان کے اثرات کا فیصلہ بار بار دہرائے جانے والے ایک بیان سے کیا جا سکتا ہے، جسے سن ستر (۷۰) کی دہائی میں وضع کیا گیا تھا کہ ''براؤنس وائل والے تقریباً سب ہی متقی ہیں''۔ غالباً یہ بیان اپنی تشخیص میں صحیح اور اپنے مضمرات میں ناپسندیدہ ہے۔ مرکزی بروکلین کی بے قاعدہ طور پر پھیلی ہوئی براؤنس وائل کی کچی آبادی میں فائیو پرسینٹرز کا متقیانہ نظریہ سیاہ فام نوجوانوں کے ذیلی کلچر کا ایک مؤثر، قابل نفوذ اور امکانی طور پر قومی جزو بن گیا ہے۔ براؤنس وائل کی خصوصیت، ہارلم سے بھی زیادہ، اس کی اپنی ابتری اور زوال ہے۔ سیاہ فام برتری کے نظریئے کے لیے یہ ایک بڑا زرخیز ماحول ہے جو اوہام باطل اور خام خیالی سے پاک نوجوانوں کو براہ راست مخاطب کرتا ہے۔ اگر شہری غربت اور انحطاط کا چکر بلا روک ٹوک چلتا رہا تو ہو سکتا ہے کہ اندرون شہر کے باشندے بھی فائیو پرسینٹرز سے متاثر ہو جائیں۔

امریکا کے بقیہ تمام حصوں میں فائیو پرسینٹرز کی تعداد اور جغرافیائی تقسیم صرف قیاس پر مبنی ہے۔ ہارلم میں اپنے اولین صدر مقام سے نکل کر یہ تحریک دور دراز کے علاقوں میں پھیل گئی اور نیویارک کے تعزیری اصلاحی اداروں سے ہوتی ہوئی یہ تحریک مشرقی ساحل (ایسٹ کوسٹ) کے گرد اور پھر مغربی ساحل (ویسٹ کوسٹ) کے گرد بھی اثر ونفوذ حاصل کرتی گئی۔ [ستر (۷۰) کی دہائی کے وسط میں نیو انگلینڈ کے ایک نسبتاً چھوٹے سے شہر اسپرنگ فیلڈ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میساچوسیٹس کی رہنے والی میری ایک واقف کار نے اپنے علاقے میں فائیو پرسینٹرز کے اثرات کی خبر مجھے (حقارت کے ساتھ) سنائی تھی]۔ سیاہ فام امریکا پر اس تحریک کے اثرات کی ایک نشان دہی عشرہ ۱۹۷۰ء کے وسط کی ایک مقبول عام فلم "The Watts Stax Festival" سے بھی ہوتی ہے۔ اس فلم کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے میں فائیو پرسینٹرز کے لباس میں لاس اینجلس، کے ایک کردار کامیڈین رچرڈ پریئر کو پیش کیا گیا ہے جو گلی بازاروں میں استعمال ہونے والی زبان میں اپنی خطابت کے جوہر دکھاتا ہے، گوروں کی ''چالبازیوں'' پر لعن طعن کرتا ہے، اور سور کے گوشت کے استعمال اور ایسی ہی دوسری برائیوں کے مضر اثرات بیان کرتا ہے۔ یوں فائیو پرسینٹرز کی باقاعدہ تنظیمیں تو ابھی دو سال (۱۹۸۷۔۸۸ء) سے لاس اینجلس اور سان ڈیگو جیسے مغربی ساحل کے شہروں میں قائم ہونا شروع ہوئی ہیں ورنہ اس کے نظریاتی اثرات، اس کی شاندار اصطلاحات اور اس کا دم بخود کر دینے والا خطیبانہ انداز تو کسی نہ کسی شکل میں اندرون شہر کے افریقی، امریکی زندگی کے تجربات کا ایک مانوس اور مضبوط جزو پہلے ہی سے بن چکا تھا۔

اکیس سال (۱۹۶۷۔۱۹۸۸ء) تک ایڈم کلیٹن پاول بولیوارڈ کے کونے پر اور ہارلم میں ۱۲۶۔ اسٹریٹ پر فائیو پرسینٹ نیشن کا صدر دفتر قائم تھا۔ (فائیو پرسینٹرز مین ہٹن اور بطور خاص ہارلم کو ''مکہ''۔ بروکلین کو ''مدینہ'' اور دوسرے اضلاع کو بھی اس قسم کے توصیفی ناموں سے یاد کرتے ہیں)۔ ہارلم ''مکہ'' میں صدر دفتر اینٹ کی بنی ہوئی ایک دومنزلہ عمارت تھی جس پر سیاہ رنگ کیا ہوا تھا اور داخلی دروازے کے اوپر بھاری سنہری حروف میں ''اللہ'' اور اس کے برابر قدرے چھوٹے حروف میں سنہرے روغن سے ''سیاہ آدمی اللہ ہے'' کے الفاظ کندہ تھے۔ ''مکہ'' ہارلم کے ان صدر دفاتر میں اسباق تیار کیے جاتے تھے اور قائدین اس وقت تک ان اسباق کو پڑھتے تھے جب تک وہ پوری طرح ان پر حاوی نہ ہو جائیں۔ اس طرح وہ اس نظریے کے بڑے لسان، تیز فہم اور پوری طرح تربیت یافتہ مبلغ بن جاتے، فائیو پرسینٹ والے سیاسی طور پر اتنے طاقت ور تھے کہ وہ نوعمروں کی ایک حقیقی تنظیم کی طرح اپنے جلسوں اور دوسری سرگرمیوں کے لیے سرکاری اداروں کی سہولیات حاصل کر لیتے تھے۔ شہری اداروں کی جانب سے انھیں یہ منظوری اس لیے مل گئی تھی کہ ان کی تعداد اچھی خاصی تھی اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان میں توڑ پھوڑ کی بھی اتنی صلاحیت تھی کہ وہ ادارے انھیں نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ جیسا کہ گلیوں میں لڑائی جھگڑا کرنے والے گروہوں اور ''سماجی کلبوں'' کے معاملے میں ہوتا ہے جن سے فائیو پرسینٹ والے بھی بڑی مشابہت رکھتے تھے، سماجی کارکن اور شہری اداروں کے افسران فائیو پرسینٹ والوں کو نظر انداز کر کے ان سے لڑائی کرنے کے بجائے ان سے تعاون کرتے اور تعمیری مقاصد کے لیے ان کی صلاحیت کو استعمال کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ کم از کم ۱۹۸۸ء تک تو یہی پالیسی جاری رہی، جب نیویارک کی بلدیہ نے ''مکہ'' میں اللہ اسکول کی پٹہ داری کو منسوخ کر دیا۔[1]

تنظیم کے اعتبار سے فائیو پرسینٹرز نے ابلاغ کا ایک سادہ لیکن بہت مضبوط اور مؤثر نظام قائم کیا۔ مکہ کا اللہ اسکول صدر دفتر تھا جہاں سے اسباق تقسیم کیے جاتے تھے۔ مدینہ (بروکلین)، حجاز (کوئنس) اور پیلان (دی برانکس) کے اسکول بھی اسباق کی نشر و اشاعت کا کام کرتے رہے ہیں۔[2] یہ اسکول ممبروں کے لیے جلسوں کے انعقاد کی جگہ کے طور پر بھی کام آتے ہیں، لیکن ان میں غیر ممبروں کا داخلہ ممنوع ہے۔ مہینے میں ایک بار ہر ضلع کے ممبران مقامی سرکاری اسکول کی عمارتوں یا پبلک پارکوں میں جلسے کرتے ہیں جنھیں پارلیمنٹ کہا جاتا ہے۔ پارلیمنٹ کے ان اجلاسوں میں عام آدمیوں کو بھی داخلے کی اجازت ہوتی ہے اور یہ نیشن کے کسی بھی ممبر کو ایک ایسا فورم مہیا کرتے ہیں جہاں سے وہ پوری اسمبلی کو خطاب کر سکتا ہے۔ ایسی کسی پارلیمنٹ میں سیکڑوں نوخیز جمع ہو سکتے ہیں۔

حالیہ برسوں میں، فائیو پرسینٹرز نے عوام تک اپنی بات پہنچانے کے لیے طباعتی اور برقی ذرائع ابلاغ کا سہارا لیا ہے۔ ایک مخصوص قسم کی موسیقی (rap music) کی صنعت پر فائیو پرسینٹرز کا قبضہ ہے۔ اس موسیقی کے معروف فنکار مثلاً ریکم، بگ ڈیڈی کین اور لیکم شیباز فائیو پرسینٹرز کے پرچم اور گیت کے ساتھ اپنے البم ریکارڈ کروا رہے ہیں جو اپنے سامعین کو فائیو پرسینٹرز کے اسباق پڑھاتے ہیں۔[3] اپنے خیالات کی اشاعت کے لیے فائیو پرسینٹرز نے ریڈیو پر ٹاک شو سے بھی فائدہ اُٹھایا ہے، جن کے ذریعہ وہ اپنے خیالات کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ڈبلیو ڈبلیو آر ایل نیویارک میں سیاہ فام رجحان کا ایک اے ایم ریڈیو اسٹیشن ہے جس نے اپنا سارا وقت مذہبی نشریات کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ اس کی نشریات مذہبی موسیقی یا مختلف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تنظیموں کے براہ راست یا ٹیپ شدہ خطبات پر مشتمل ہوتی ہیں۔ لیکن ہفتے میں دوبار رات کے دو بجے جو بھی جاگ رہا ہو اور سن رہا ہو اسے فائیو پرسینٹ والے زور زور سے اپنے گیت سناتے ہیں یہ ٹاک شو اور موسیقی وغیرہ تحریک کے ارتقاء کا قدرتی ذریعہ ہیں۔

یہ غالبًا، ایک عجیب بات ہے، کہ فائیو پرسینٹرز صحافت کی طرف بھی مائل ہو گئے ہیں۔ گزشتہ چند برسوں میں انھوں نے دو رسالے شائع کیے ہیں۔ ایک کا نام تھا Behold The SUN OF MAN ۔ یہ بنیادی طور پر ایک خبر نامہ تھا جو ۱۹۸۵ء کے لگ بھگ شائع ہوا لیکن اس کی زندگی بہت مختصر تھی۔ جون ۱۹۸۷ء میں The WORD کے نام سے سولہ صفحے کا ایک پندرہ روزہ عوامی دلچسپی کا اخبار اشاعت پذیر ہوا (اس "WORD" کا لفظ جو عام بول چال میں کسی سامع کی طرف سے مقرر کے بیان کی صداقت، معقولیت اور باریکی کی تصدیق کرتا ہے اور ان کی اہمیت کا اظہار کرتا ہے۔) اس اخبار کی قیمت ایک ڈالر ہے، لیکن اپنی طباعت اور اشاعت کے مسائل کی وجہ سے یہ آسانی سے دستیاب نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ گھٹیا ٹائپ اور روشنائی کے استعمال کی وجہ سے بھی اس اخبار کی اشاعت بہت متاثر ہوئی ہے۔ کوئی ایسا قاری ہی اپنی آنکھ پر بہت زور ڈال کر یہ اخبار پڑھے گا جسے اس نظریہ سے دیوانگی کی حد تک تعلق ہو۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کیونکہ اخبار ہر لحاظ سے بڑا جاندار، معلومات سے لبریز اور تحقیق و تجسس سے پر ہوتا ہے۔ خبروں اور مضامین کا حصہ بھی بڑا بھرپور ہوتا ہے۔

اخبار کا آخری صفحہ اکثر و بیشتر عقائد اور تحریکی پروگرام سے متعلق کسی بیان کے لیے وقف ہوتا ہے جو ہمیں Muhammad Speaks کے آخری صفحہ کی یاد دلاتا ہے۔ ہم کیا پڑھاتے ہیں (What We Teach) کے زیر عنوان حسب ذیل نو نکات کا اندراج ہوتا ہے۔

۱۔ ہم یہ پڑھاتے ہیں کہ سیاہ فام لوگ ہی کرۂ زمین کے اصلی باشندے ہیں۔

۲۔ ہم یہ پڑھاتے ہیں کہ سیاہ فام لوگ تہذیب کے مُربی اور ماں باپ ہیں۔

۳۔ ہم یہ پڑھاتے ہیں کہ اعلیٰ ریاضی کی سائنس کائنات کے ساتھ انسان کے رشتوں کو سمجھنے کی کلید ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ ہم اسلام کو مذہب کے طور پر نہیں بلکہ زندگی کے فطری راستے کے طور پر پڑھاتے ہیں۔

۵۔ ہم یہ پڑھاتے ہیں کہ تعلیم کو اس طرح مرتب کیا جائے کہ بحیثیت انسان وہ ہمیں خودکفیل بننے کے لائق بنا دے۔

۶۔ ہم یہ پڑھاتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے شخص کو اپنے علم کے مطابق پڑھائے۔

۷۔ ہم یہ پڑھاتے ہیں کہ سیاہ فام آدمی خدا ہے اور اس کا اصلی نام اللہ ہے۔ (Arm Leg Leg Arm Head)

۸۔ ہم یہ پڑھاتے ہیں کہ ہمارے بچے مستقبل کے ساتھ ہمارے رابطے کا ذریعہ ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ ان کی تربیت کی جائے، ان کا احترام کیا جائے، ان سے محبت کی جائے، ان کی حفاظت کی جائے اور انھیں تعلیم دی جائے۔

۹۔ ہم یہ پڑھاتے ہیں کہ متحدہ سیاہ فام خاندان نیشن [آف اسلام] عمارت کی تعمیر کے لیے بہت اہم ہے۔"

''ہم کیا حاصل کریں گے'' کے عنوان کے تحت حسب ذیل تین نکات کی تعریف بڑی وضاحت کے ساتھ کی گئی ہے (۱) نیشنل (قومی) شعور یعنی سیاہ فام قومی شعور (۲) معاشرتی کنٹرول اور (۳) امن۔

دی ورڈ کے ابتدائی شماروں میں تحریک کی ایک طویل تاریخ تین قسطوں میں چھاپی گئی تھی جس کا زیادہ زور تحریک کے بانی کلیرنس پڈنگ کی سوانح عمری پر تھا۔ اُسے فائیو پرسینٹرز اللہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ د اس سوانح عمری کے مطابق کلیرنس۔ ۱۳ایکس (۱۹۲۹ء تا ۱۹۶۴ء) ورجینیا میں ڈینوائل کے مقام پر پیدا ہوا، اس کا نام کلیرنس اسمتھ رکھا گیا تھا۔ ''پڈنگ'' کی عرفیت اُسے اس کی ماں نے دی تھی جو اس کے بچپن میں اسے پیار سے پٹ (Put) کہا کرتی تھی (بعض دوسرے لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ اسے یہ نام اس لیے ملا کہ وہ بہت عمدہ اور فصیح البیان مقرر تھا۔ اس کا لہجہ اتنا شیریں تھا کہ لوگ اس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو پڈنگ کی طرح نگل جاتے تھے)۔ اپنے بچپن ہی میں اسے نسلی تعصب اور امتیاز کے عجیب وغریب واقعات کا تجربہ ہوا جو جنوب کے علیحدہ کیے ہوئے علاقے میں پیش آتے تھے۔ ایسے ہی ایک واقعے نے جس میں اس کے باپ کی ایک گورے سے بڑی سخت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹوٹو میں میں ہوئی تھی، اس پر بڑا اثر ڈالا۔

۱۹۴۶ء میں وہ اپنے خاندان والوں کے ساتھ ہارلم منتقل ہو گیا جہاں اس کی شادی ہوگئی۔ ۱۹۵۰ء وہ میں فوج میں شامل ہو گیا اور کوریا کی جنگ میں حصہ لیا۔ جن دنوں وہ کوریا میں تھا، اس کی بیوی نیشن آف اسلام میں شامل ہوگئی۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے بھی نیشن کی تعلیمات کو قبول کر لیا اور ہارلم میں ٹمپل (عبادت گاہ) نمبر ۷ کا ممبر بن گیا جو ان دنوں منسٹر میلکم ایکس کے تحت تھا۔ چونکہ اس نے فوجی ملازمت کے دوران میں کراٹے سیکھ لیا تھا لہٰذا پہلے تو اس نے عسکری فنون (مارشل آرٹس) کے اُستاد (انسٹرکٹر) کے طور پر خود کو نمایاں کیا، اور جلد ہی وہ فوجی تربیت کے اس یونٹ میں لیفٹیننٹ کے عہدے پر فائز ہو گیا جسے فروٹ آف اسلام کہتے تھے۔ اس کے بعد بہت جلد وہ اپنے اسباق یاد کرنے کی صلاحیت کی بنا پر مشہور ہو گیا۔ اپنی سحر انگیز گفتگو کی وجہ سے اسٹوڈنٹ منسٹر کے عہدے پر اس کی ترقی ہو گئی۔ اس موقع پر ایلیجاہ محمد نے ذاتی طور پر اسے مبارک باد دی تھی جس نے صرف اس سے ملنے کے لیے نیویارک کا سفر کیا تھا۔

۱۹۶۰ء کے عشرے کی ابتدا میں اسے نیشن آف اسلام میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا جب اس نے ڈبلیو ڈی فرد کے اللہ ہونے کے نظریئے پر پہلے تو شک کیا، اور پھر اسے یکسر مسترد کر دیا۔ اس نے ڈبلیو ڈی فرد کے خدا نہ ہونے کی یہ دلیل پیش کی کہ نیشن آف اسلام کی تعلیمات میں یہ بتایا گیا ہے کہ ابتدائی انسان یا سیاہ فام انسان خدا تھا جب کہ فرد اپنی ظاہری شکل و شباہت کے اعتبار سے سیاہ فام نہیں تھا۔ اس نے نیشن آف اسلام کے اسباق کی تشریح نئے سرے سے کی اور کہا کہ فرد نہیں بلکہ تمام سیاہ فام لوگ بحیثیت مجموعی خدا تھے۔ ۱۹۶۳ء میں اسے تنبیہ کی گئی اور فروٹ آف اسلام کے کیپٹن جوزف نے اسے حکم دیا کہ وہ تبلیغ کرنا بند کر دے۔ یہی وہ سال تھا جب منسٹر میلکم ایکس کو کینیڈی کے قتل کے سلسلے میں اپنی رائے کے اظہار کی بنا پر معطل کر دیا گیا۔ یہ ٹمپل نمبر ۷ بلکہ بحیثیت مجموعی پورے نیشن آف اسلام کے لیے بڑے ہنگاموں اور شورش کے دن تھے۔ نیشن آف اسلام کے ارباب اقتدار کے ساتھ اس کے اختلافات، جس کے پس منظر میں قیادت کا مسئلہ بھی تھا، زیادہ سے زیادہ ناقابل مصالحت ہوتے گئے حتیٰ کہ کلیرنس ۱۳ ایکس نے نیشن آف اسلام کو چھوڑ دیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹمپل کے بعض اور بھائی بھی اس کے ساتھ ہی نیشن آف اسلام سے علیحدہ ہو گئے، جس میں سب سے نمایاں وہ تھا جو بعد میں جسٹس کے نام سے مشہور ہوا۔ جسٹس کو اپنا دستِ راست بنا کر کلیرنس ۱۳۔ایکس نے گلیوں میں تبلیغ کرنے اور ان سیاہ فام نوجوانوں کو تعلیم دینے اور منظم کرنے کا فیصلہ کیا جن تک نیشن آف اسلام کبھی پہنچی ہی نہیں تھی۔ کلیرنس اور جسٹس نے مل کر وہ نظام وضع کیا جسے ''اعلیٰ حروف تہجی'' اور ''اعلیٰ ریاضی'' کا نظام کہتے ہیں اور اس نظام کو نیشن آف اسلام کے اسباق کی نئی تشریح کے ساتھ نو (۹) نوجوانوں کے ایک گروہ میں متعارف کروایا۔ ان نوجوانوں کو ''اول نو پیدا''[۲۶] (First Nine Born)۔کہا جانے لگا۔ جب یہ اول نو پیدا پوری طرح علم حاصل کر چکے تو اللہ (کلیرنس ۱۳۔ایکس) نے اُن سے کہا کہ ان میں سے ہر ایک خود دس نوجوانوں کو تعلیم دے۔ اس طریقے سے سیکڑوں نوجوان تحریک میں داخل کر لیے گئے جنھیں ''اللہ کی نیشن آف فائیو پرسینٹ'' کہا جاتا تھا۔

۱۹۶۷ء میں، جو نیویارک میں نسلی فسادات کے لحاظ سے بڑا مشہور سال ہوا، لنڈسے (Lindsay) کی انتظامیہ نے مزید تشدد کی روک تھام کی کوششوں کے سلسلے میں سیاہ فام معاشرے کے صحیح لیڈروں تک پہنچنے کے لیے ایک ٹاسک فورس تشکیل دی۔ کلیرنس بھی معاشرے کے ان لیڈروں میں شامل تھا جن سے ٹاسک فورس نے رابطہ قائم کیا۔ اس گفت وشنید میں نیویارک اربن لیگ نے میئر کی ٹاسک فورس کی معاونت کی۔ فائیو پرسینٹرز کے لیے ایک عمارت حاصل کی گئی، جس کا نام شروع میں ''نیویارک اربن لیگ اسٹریٹ اکیڈمی'' رکھا گیا لیکن بالآخر اسے ''مکہ کا اللہ اسکول'' کہا جانے لگا۔

۱۲رجون ۱۹۶۹ء کی رات کو ایسٹ ہارلم میں چند نامعلوم قاتلوں نے سات گولیاں مار کر کلیرنس کو ہلاک کر دیا۔ پولیس کے ایک ترجمان نے اپنے بیان میں جو اخبارات میں شائع ہوا تھا یہ الزام لگایا کہ اس قتل کے پیچھے نیشن آف اسلام کا ہاتھ ہے کیونکہ وہ علیحدہ ہو جانے والے اپنے حریف گروپ کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ مسٹر لوئی فرخان نے، جو اس وقت ہارلم میں ''محمد کے ٹمپل نمبر ۷'' کا لیڈر تھا، سختی کے ساتھ اس الزام کی تردید کی اور کہا کہ ''سفید فام قوت کی تنظیم'' دونوں گروہوں کے درمیان کشیدگی کو ہوا دینے کے درپے ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کو تباہ کر دیں۔ اس قتل کا مسئلہ کبھی حل نہیں ہوا بلکہ قاتلوں کی شناخت کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلسلے میں قیاس آرائیاں اب بھی جاری ہیں۔ اپنے لیڈر کی موت کے بعد، فائیو پرسینٹ نیشن کو شروع میں انتشار کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ کوئی شخص کلیرنس کی جگہ لینے کے لیے آگے نہیں بڑھا ۱۹۷۱ء میں اس گروہ نے اجتماعی قیادت کے تحت اپنی تنظیم نو کی اور یہ ''دکھانے اور ثابت کرنے'' کے لیے کہ ''اللہ'' اس وقت تک نہیں مرسکتا جب تک اس کی تعلیمات زندہ ہیں، اس گروپ نے متعدد سرگرمیاں شروع کر دیں۔

نظریہ

فائیو پرسینٹ نیشن کے نظریہ کی بنیاد نیشن آف اسلام کے وہ اسباق ہیں جن کی از سرِ نو تاویل کی گئی تھی۔ نیشن آف اسلام کی تعلیمات اس کے ممبروں کے سامنے سوال و جواب کے انداز میں پیش کی گئیں۔ تمام سوال و جواب کے ان مجموعوں کو اسباق کا نام دیا گیا۔ اسباق کے متعدد مجموعوں میں، جو تقریباً سو سوالات پر مشتمل ہوتے تھے، نیشن آف اسلام کی تعلیمات کا لب لباب پیش کیا جاتا تھا۔ پہلے دس سوال و جواب ''طلباء کے داخلے کا سبق'' کہلاتے تھے جو طلباء کو اپنے ایکس (اضافی نام) کا اضافہ کرنے کی اجازت دیتا تھا۔ اس سے علامتی طور پر طالب علم کا پرانا غلامانہ نام بدل جاتا تھا اور وہ نیشن آف اسلام کا بھرپور ممبر بن جاتا تھا۔ جوں جوں کوئی ممبر نیشن آف اسلام کے عہدوں میں آگے بڑھتا جاتا اسے اور زیادہ دشوار اسباق پر مہارت حاصل کرنے کے لیے کہا جاتا تھا۔ نیشن آف اسلام کے ''طلباء کے داخلہ کا سبق'' اس طرح شروع ہوتا تھا:

۱۔ ابتدائی آدمی کون ہے؟ ابتدائی آدمی سیاہ فام ایشیائی ہے، کرۂ ارض کا خالق، مالک اور جوہر ہے، تہذیب کا باپ اور کائنات کا خدا ہے۔

۲۔ رنگین آدمی کون ہے؟ رنگین آدمی کاکیشیائی (سفید فام)، یا یعقوب کا اختراع کردہ شیطان اور کرۂ ارض کا اسکنک [ایک بدبودار اور گھناؤنا جانور] ہے۔

۳۔ شمالی امریکا کے بیابان میں اور پورے کرۂ ارض پر ابتدائی قوم کی آبادی کتنی ہے؟ شمالی امریکا کے بیابان کی آبادی سترہ ملین ہے اور دو ملین انڈین ہیں۔ یہ آبادی مل کر انیس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱۹) ملین (ایک کروڑ نوے لاکھ) بنتی ہے؛ پورے کرۂ ارض پر آبادی چار ارب چالیس کروڑ ہے۔[۸]

اپنا ''ایکس'' حاصل کرنے کے بعد نیشن آف اسلام کے ممبر متعدد دوسرے اسباق کے مجموعے یاد کرنے میں لگ جاتے تھے جن میں گم شدہ باز یافتہ (Lost-Found) سبق نمبر ۱ (چودہ سوالوں پر مشتمل) اور گم شدہ باز یافت کا سبق نمبر ۲ (چالیس سوال پر مشتمل) شامل تھا۔

گم شدہ، بازیافتہ اسباق کا سبق نمبر ۲ کائنات کے ایک قدرتی نظریے کی تعلیم دیتا ہے جس میں حیات بعد از موت کا اور کسی ''سری خدا''[۹] کے وجود سے انکار کیا گیا ہے۔ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کی واحد ممکن صورت ''دماغی موت'' ہے (جہل اور وہم) وہ لوگ جو کسی ''سری خدا'' پر ایمان رکھتے ہیں وہ دماغی طور پر مر چکے ہیں۔ انسان خود ''خدا'' (god) ہے؛ اس شیطان (سفید فام آدمی) نے پچاسی (۸۵) فیصد انسانیت کو ایسا بہکا دیا ہے کہ وہ ایک ایسے خدا (god) پر ایمان رکھنے لگی ہے جسے وہ دیکھ نہیں سکتی۔ اور یہ اس نے اس لیے کیا ہے تاکہ وہ ''ان لوگوں کو اپنا غلام بنالے... انھیں لوٹ لے اور خود عیش وعشرت میں زندگی گزارے''۔

یہ تشریح تین اہم سوالوں کے ایک سلسلے کی طرف رہنمائی کرتی ہے جس سے فائیو پرسینٹرز خود اپنے بارے میں نتیجہ نکالتے ہیں:

۱۴۔ پچاسی فیصد کون ہیں؟ غیر مہذب لوگ، زہر کھانے والے، دماغی موت اور طاقت کے غلام، وہ لوگ جو یہ نہیں جانتے کہ زندہ خدا کون ہے، نہ وہ اس دنیا میں اس کی اصلیت سے واقف ہیں اور وہ لوگ جو ایک سمت میں عبادت کرتے ہیں لیکن صحیح سمت میں رہنمائی کرنے سے قاصر ہیں۔

۱۵۔ دس فیصد کون ہیں؟ غریبوں کو غلام بنانے والے دولت مند۔ جو غریبوں کو ایمان لانے کے لیے جھوٹ سکھاتے ہیں یعنی یہ کہ قادر مطلق، سچا اور زندہ خدا ایک ایسا آسیب ہے جسے مادی آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا؛ بصورت دیگر یہ غریبوں کا خون چوسنے والوں کے طور پر مشہور ہیں۔

۱۶۔ پانچ فیصد کون ہیں؟ یہ غریب متقی اساتذہ ہیں جو دس فیصد کی تعلیمات پر یقین نہیں رکھتے اور پورے دانش مند ہیں اور جانتے ہیں کہ زندہ خدا کون ہے؟ اور وہ یہ سکھاتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ زندہ خدا انسان کا بیٹا ہے، حاکم مطلق ہے یا ایشیا کا سیاہ فام انسان ہے، اور وہ کرۂ ارض کے تمام انسانی خاندانوں کو آزادی، عدل اور مساوات سکھاتا ہے۔ بصورت دیگر یہ مہذب لوگوں کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ انہیں مسلمان اور مسلمان بیٹے بھی کہا جاتا ہے۔''

یہ عقائد فائیو پرسینٹرز کے تشخص اور نظریئے کا لب لباب ہیں۔ انھیں یقین ہے کہ انسانیت کے پچاسی فیصد لوگ برائیوں اور بداخلاقیوں میں ملوث ہونے کی وجہ سے اور اپنی خودآگہی (self-knowlege) کی کمی کی وجہ سے خود اپنی تباہی کے درپے ہیں۔ اس طرح وہ خود کو تباہ کرنے والے پچاسی فیصد کو ''تباہی کی طاقت'' بھی کہتے ہیں یعنی وہ جو اپنی حماقت سے خود اپنی ربانی قوتوں، اپنی تخلیقی صلاحیتوں، اپنی لیاقت اور توانائی کو برباد کر لیتے ہیں۔ وہ صرف اپنی انفرادی قوت کو تباہ نہیں کرتے بلکہ پوری نسل کی مجموعی قوت بھی تباہ کر دیتے ہیں۔ (۱۹۸۹ء کے ایک بہت مقبول ریکارڈ میں جس کا عنوان ''خودتباہی'' ہے سیاہ فام نوجوانوں کو مخاطب کر کے ایک تنبیہی پیغام دیا گیا ہے) فائیو پرسینٹرز کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ انسانیت کے دس فیصد لوگوں کے پاس علم اور قوت ہے لیکن وہ اسے پچاسی فیصد کو دھوکا دینے اور ان کا استحصال کرنے کے لیے بیوقوفی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ اس صف میں وہ ''سفید شیطان'' کے علاوہ راسخ العقیدہ مسلمانوں کو بھی شامل کرتے ہیں'' جو یہ سکھاتے ہیں کہ اللہ بھوت پریت اور آسیب (spook) ہے'' اور ان عیسائی پادریوں کو بھی اسی زمرے رکھتے ہیں کیونکہ وہ ''غریبوں سے جھوٹ بولتے ہیں''۔ آخری بات یہ کہ یہ لوگ خود کو ان پانچ فیصد میں شمار کرتے ہیں جو خودشناسی (بحیثیت ایک نسل کے اپنی عظیم کامیابی کے لیے اپنی خدائی اور لامحدود قوت کے علم) کے مالک ہیں اور جو اپنے علم کو سیاہ فام انسان کے غیر استعمال شدہ وسائل یا کم استعمال شدہ قوت کی گرہ کو کھولنے کے لیے تخلیقی طور استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ لہذا یہ لوگ اپنا حوالہ ''تعمیر کی قوتوں'' کے طور پر بھی دیتے ہیں۔ مزید برآں، ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ جب ایک بار کوئی شخص اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کا خزانہ کھود کر برآمد کر لیتا ہے اور اپنی اندرونی قوتوں پر قابو پالیتا ہے تو وہ خدا ہو جاتا ہے، اس مفہوم میں کہ وہ اپنی تقدیر کا خالق بن جاتا ہے (یہ تصور ان نظریات سے ہم آہنگ ہے جنھیں انسانیت پسندانہ ماہرین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نفسیات، مثلاً ابراہم میسلو نے تحقیق ذات (self-actualization) اور ماورائے ذات تحصیل خودآگاہی (transpersonal self-realization) جیسی اصطلاحات کے ذریعہ بیان کیا ہے)۔" بہت سے ممبران خود کو فائیو پرسینٹرز کہنے کے بجائے خدا کہتے ہیں۔ فائیو پرسنٹر وہ ہے جو حقیقتاً ایک ''نوزائیدہ'' ہے یا وہ ہے جس نے ابھی علم حاصل کرنا شروع کیا ہے لیکن اب تک اس کا اطلاق نہیں کیا ہے۔ خدا وہ ہے جو خود منقلب علم (self-transformative) کا اطلاق کرسکتا ہے، یا ان لوگوں کی اپنی بولی میں یہ دکھا سکتا ہے اور ثابت کرسکتا ہے کہ وہ خدا ہے۔ اپنی مبینہ الوہیت (professed divinity) کے مطابق یہ لوگ ربانی یا متقیانہ نام اختیار کرلیتے ہیں مثلاً ''عالم گیر خدا اللہ''، ''پیدا شدہ اسلام''، ''اللہ قادر مطلق''، ''الوہی خدا''، ''تفہیم اللہ''، ''خدا اللہ ذہن''، ''ہمیشہ کے لیے اللہ'' وغیرہ۔ وہ ان ناموں کو اپنی قمیصوں پر چمکیلے حروف میں لکھوالیتے ہیں بلکہ اس کے لیے قانونی جواز حاصل کرنے کی خاطر وہ عدالتی کارروائیوں سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

ایک شعبہ جس میں تمام فائیو پرسینٹرز یا خداؤں نے قابل ذکر مہارت یا تحقیق ذات کا مظاہرہ کیا ہے وہ مؤثر طور پر اپنی بات پہنچانے کی صلاحیت کا شعبہ ہے۔ بحیثیت خوش گفتار شخص کے ان کے کسی رکن کا کوئی جواب نہیں ہے۔ فائیو پرسینٹرز اندرون شہر کے افریقی امریکی محاوروں اور بولیوں کے جو فصیح اور مبہوت اور مسحور کردینے والے جملے بولتے ہیں اُن سے تحریک نوجوانوں کے لیے دل کش بن جاتی ہے۔ سیاہ فاموں کے لہجے کی قوت کو استعمال کرتے ہوئے وہ دنیا کو سمجھنے کے لیے منطق اور فکر کے نئے گوشے یا ''اصلی راستے'' کھولتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک فائیو پرسینٹر "Knowledge" کے لفظ کو اس طرح توڑے گا (یا اس کا تجزیہ کرے گا) جیسے "know" (جاننا) اور "ledge" (چھجا یا کگر)۔ اس طرح لفظ "Knowledge" کے معنی ہوئے "know the ledge" (چھجے کو جانو) (یہی ذات کی کگر ہے) کوئی شخص جو اپنی ذات کا علم رکھتا ہے وہ اپنی قوتوں کو بھی جانتا ہے اور اپنی حدود کو بھی۔ اسے معلوم ہے کہ وہ کتنی دور جا سکتا ہے۔ معرفتِ ذات سے محروم شخص اپنی حدود و قیود سے واقف نہیں ہوتا لہٰذا وہ مختلف چیزوں مثلاً منشیات اور دواؤں کا استعمال کثرت سے کرے گا اور اس طرح وہ چھجے (حدود) سے باہر نکل جائے گا اور نقطۂ اختتام تک پہنچ جائے گا۔[۱۲]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح وہ یعنی فائیو پرسینٹرز آپ کے لیے لفظ "Wisdom" کے معنی میں نئی بصیرت فراہم کر سکتا ہے۔ "Wisdom" (عقل مندی) ایک "Wise" (عاقلانہ) لفظ ہے جسے ایک "wise person" (عاقل شخص) استعمال کرتا ہے۔ اگر آپ لفظ "Wisdom" کو توڑیں تو نتیجہ برآمد ہوگا "wise the dome" (عقل مند + گنبد) یا "wides the dome" (گنبد کو وسیع کرتا ہے)۔ اب آپ پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ "dome" (گنبد) دماغ یا ذہن ہے یعنی "wisdom wisens the dome" (دانائی گنبد کو جلا بخشتی ہے) اور ("it widens the dome" یہ ذہن کو وسیع کرتی ہے)۔ [۱۳]

الفاظ کے مخفی حقائق کو ظاہر کرنے کے لیے انھیں سرنامیہ* (Acronyms) کی طرح بھی توڑا جا سکتا ہے۔ فائیو پرسینٹرز لفظ "Man" کے مخفی معنی بتا کر یہ ثابت کرتے ہیں کہ سیاہ فام آدمی اللہ کی صفات رکھتا ہے "Man" سرنامیہ ہے (My + Almighty + Name) کا یعنی میرا + قادر مطلق + نام) کا۔ اسی طرح انسانی الوہی رشتہ "Allah" کے لفظ سے پردہ ہٹانے سے بھی ظاہر ہوتا ہے یعنی (Arm + Leg + Leg + Arm + Head) "Allah"۔

جب فائیو پرسینٹرز کی گفتگو کی تیز رفتاری میں اس قسم کے درجنوں نئے نئے تصورات یکے بعد دیگر آپ کے سامنے آنے لگتے ہیں تو یہ سلسلہ آپ کے ذہن کو وسیع کرنے کا ایک تجربہ بن جاتا ہے۔ یہ ایک دوسری دنیا کی سیر ہوتی ہے جہاں منطق کے عام مفاہیم اور کلیے معطل ہو جاتے ہیں اور کلیتاً ایک نیا قاعدہ اطلاق پذیر ہو جاتا ہے۔ اس دنیا کی زمین کے مناظر ان دیو مالائی طریقوں سے جونیشن آف اسلام کے اسباق اور ان الوہی علوم سے آشکارا ہوتے ہیں جنھیں کلیرنس ۱۳۔ ایکس نے تخلیق کیا ہے۔

ان الوہی سائنسی علوم کو اعلیٰ حروف تہجی اور اعلیٰ ریاضی کہہ سکتے ہیں۔ اعلیٰ حروف تہجی وہ طریقہ ہے جس میں ہر حرف کو ایک پوشیدہ معنی دیے جاتے ہیں۔ "A" قائم مقام ہے

---

* وہ لفظ جو الفاظ کے ابتدائی حروف کو جوڑ کر بنایا جائے جیسے Cow۔ کوآپریٹو کمپنی آف رائٹرز کے لیے، Radar, Radio detection and ranging کے لیے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"Allah" (اللہ) کا "B" کا مطلب "Be" (ہونا) یا "Born" (پیدا شدہ) ہوتا ہے۔ "C" کے معنی "See" (دیکھو)، علیٰ ہذا القیاس "X" تک جو نا معلوم ہے۔ "Y" کا مطلب ہے "Why" (کیوں) اور یہ (کیوں) وہ سوال ہے جو پچاسی فیصد والے بہت کرتے ہیں اور "Z" قائم مقام ہے "Zig Zag Zig" (ٹیڑھا میڑھا) کا۔ ہر حرف کے مخفی معنی سے کوئی نصیحت یا حکایت وابستہ ہوتی ہے۔ اعلیٰ ریاضی ایک مطابقت پذیر عددی نظام ہے۔ اعلیٰ حروف تہجی اور اعلیٰ ریاضی فائیو پرسینٹرز کی معنوی ضلع جگت یا فہمیاتی کھیل (semantic word play) کے تعمیری پتھر ہیں مثال کے طور پر، اعلیٰ حروف تہجی میں صرف "F" قائم مقام ہے "Father" کا فائیو پرسینٹرز کی منطق کے مطابق:

اگر تم لفظ "Father" کو توڑو (یعنی اس کا تجزیہ کرو) تو تم پاؤ گے "fat+her"۔ اب کوئی شخص کسی مرد یا عورت کو fat[ten] کر سکتا ہے۔ میں ایک مرد کو موٹا کر سکتا ہوں اور میں ایک عورت کو موٹا کر سکتا ہوں۔ جب میں کہتا ہوں کہ میں کسی مرد کو موٹا کر سکتا ہوں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ میں اسے اس کی ذات کے بارے میں صحیح علم دے سکتا ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ میں اسے موٹا کر رہا ہوں، اسے یہ دکھلانے کے لیے اور اس پر یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ قادر مطلق سچا اور زندہ خدا ہے۔ جب میں ایک عورت کو موٹا کرتا ہوں تو میں اسے ایک بچہ عطا کر سکتا ہوں۔ آپ یہ دیکھیے کہ میں ایک بچہ ایک دن میں بنا سکتا ہوں لیکن عورت کو مجھے وہ بچہ واپس کرنے میں نو مہینے لگیں گے۔ جوں ہی تم اپنا بیج کسی عورت میں بوتے ہو تو حقیقی معنوں میں بچہ اسی وقت پیدا ہو چکا ہوتا ہے۔ لیکن وہ نو ماہ بعد ہی واپس کرے گی۔ دیکھیے، کہ یہ بات ظاہر اور ثابت کرتی ہے کہ سیاہ فام مرد کائنات کی غالب قوت ہے۔ [۱۴]

جنسیت سے قطع نظر، اس قسم کی تشریح میں ایک بڑی عجیب اور چکر دار منطق پائی جاتی ہے جو بیک وقت بے معنی بھی ہوتی ہے اور بہت بامعنی بھی۔ کوسلر، نے تخلیقی صلاحیت کے موضوع پر اپنے ایک رسالے میں اس قسم کی فکر کو دو بزمی (bisociation) لکھا ہے: ایک وقوفی (cognitive) ماہر نفسیات ڈی بونو نے اسے جنبی فکر (lateral thinking) کہا ہے۔ [۱۵] ان دونوں نے بڑے پرزور انداز میں یہ بات کہی ہے کہ اس قسم کی فکر معمول کی منطق یا عمودی فکر میں گرفتار کرنے والی پرانی عادتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے، ابتدائی نظریات کی تخلیق کا موقع فراہم کرتی ہے اور بصیرت، دریافت اور تخلیقی صلاحیت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے عمل کے سلسلے میں یہی فکر ایک کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ اس قسم کی بصیرت کی ایک مثال اعلیٰ حروف تہجی کے حرف "U" کے لفظی کھیل میں ملتی ہے۔ یہ حرف قائم مقام ہے "You" (تم) کا۔ "Universe" (کائنات) کا اور "Understanding" (قوت تمیز) کا۔ اب اگر آپ "universe" کے لفظ کے تجزیہ کریں تو نتیجہ برآمد ہوگا 'U' 'N' Iverses" [یعنی You and I converse" (میں اور تم بات کرتے ہیں) اعلیٰ ترین ذہانت حاصل کرنے کے لیے''۔ ان تمام باتوں کا ادراک اور اندرونی بصیرت (Insight) یہ ہے کہ کائنات کی تعریف، معاشرتی گفتگو اور مشترکہ فہم کے ذریعے کی جاتی ہے یعنی ہر ثقافت کو اپنے عالمی منظر اور صداقت کی تعریف وضع کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ ادراک علم کی عمرانیات میں رائج نظریات کے مشابہ ہے۔[۱۶]

نیشن آف اسلام کے اسباق اور اعلیٰ حروف تہجی کے درمیان لفظی کھیل کی ایک اعلیٰ مثال حروف "K" کی تعریف میں ملے گی جو قائم مقام ہے "Knowledge" (علم) کا، "King" (بادشاہ) کا اور "Kingdom" (سلطنت) کا۔ "For surely I'll be the King of my Kingdom" (کیونکہ یقیناً میں اپنی سلطنت کا بادشاہ بنوں گا)۔ کرۂ زمین صحیح معنوں میں میری سلطنت ہے لیکن میں نے اسے چھ ہزار سال کے لیے شیطان کو دے دیا ہے۔ اب اگر آپ لفظ "King" کا تجزیہ کریں گے تو یہ ہوگا "King I Now God" جس کا مطلب یہ ہے کہ "I am the King who now acknowledges myself as being God" (میں وہ بادشاہ ہوں جو خود کو بحیثیت خدا تسلیم کرتا ہے)۔[۱۷]

اعلیٰ حروف تہجی کا تجزیہ کرنے میں بھی فائیو پرسینٹرز اعلیٰ ریاضی کا استعمال کرتے ہیں۔ اعلیٰ ریاضی میں: ''ایک کا مطلب ہے علم؛ دو کا مطلب ہے حکمت؛ تین کا مطلب ہے ذہانت؛ چار کا مطلب ہے ثقافت؛ پانچ کا مطلب ہے قوت؛ چھ کا مطلب ہے مساوات؛ سات کا مطلب ہے خدا؛ آٹھ کا مطلب ہے آباد کرو۔ برباد کرو؛ نو کا مطلب ہے پیدا شدہ اور دس کا مطلب ہے علم۔ رمزیہ''۔[۱۸] چنانچہ "K" جو انگریزی حروف تہجی کا گیارھواں حرف ہے اسے بھی "1-1" یا ''علم۔علم'' کی شکل میں توڑا جاتا ہے کیونکہ ''علم۔علم'' کا درجہ اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بادشاہ (King) کا ہے جس کے علم (Knowledge) کو تسلیم (Acknowledge) کر لیا جاتا ہے۔ اس منطق کے مطابق حکمت (Wisdom) جمع علم (Knowledge) یا دو جمع ایک کا نتیجہ ہوگا تین، جو مساوی ہے ذہانت (Understanding) کے جس کی مطابقت "U" سے بھی ہے جو اعلیٰ حروف تہجی (انگریزی) کا اکیسواں حرف ہے۔ حرف تہجی کا ایک بنیادی پتھر "I" یا "Islam" بھی ہے جو ''نواں'' درجہ یا ''پیدا شدہ درجہ'' ہے۔ جب کوئی شخص حالت اسلام میں پیدا ہوتا ہے تو وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ "*I* Self-Lord *A*m *M*aster" یا یہ کہ "*I* *S*urely *L*ove *A*llah and *M*athematics" (میں یقیناً اللہ اور ریاضی سے محبت کرتا ہوں۔)

فائیو پرسینٹرز کا عالمی تناظر (worldview) ابتدائی قومیت (یعنی ایک غیر ترقی یافتہ قومی نظریہ جو ایک ترقی یافتہ قومی نظریئے کے پیش رو کے طور پر کام کرتا ہے) کی ایک مثال قائم کرتا ہے۔ (یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اخبار "*The Word*" میں سیاسی تجزیہ ایک ترقی یافتہ قومی نظریئے کی جانب تیز رفتار سفر کا مظاہرہ کرتا ہے)۔ قومیت کی جانب تشویق و تحریک اعلیٰ حروف تہجی کے چودھویں زینے (N) پر بہت واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے، "*N*ow" or "*N*ation" (اب یا قوم):

> ''اب (Now) وقت ہے سیاہ فام انسان کے جاگنے اور اسلام کے تحقق (realization) میں آنے کا جو اس کی سچی اور نیک ذات ہے، جو اس کی سچی فطرت اور سچی قوم ہے۔ چودہ (Fourteen) مماثل ہے "Knowledge-Culture Degree" (علم اور ثقافت کا زینہ) کے، یعنی جب کوئی شخص اپنی ثقافت کو پہچان لیتا ہے تو وہ اپنی قوت کو دیکھنے کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ اور قوت سچائی ہے اور سچائی روشنی۔ قبل اس کے کہ کوئی شخص روشنی کو دیکھ سکے اسے سوچ تلاش کرنا ضروری ہے اور قبل اس کے کہ ہم اپنی روشنی کو جلائیں ہمیں اپنا سوچ تلاش کرنا ضروری ہے۔ ہمیں اپنی ثقافت کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔[19]

اس ثقافتی قومیت کا نظریہ جو مذہب میں ملے گا، یا مذہب کے ذریعے اسے ظاہر کیا جائے گا اسے قوی دلائل کے ساتھ حروف تہجی کے چوتھے زینے یا 'ثقافتی زینے' میں نافذ کیا جائے گا۔ وہ ہے "*D*" یا "Divine" (الوہی) جو 'واحد ثقافت کا تقدس ہے اور وہ الوہی ثقافت ہے اسلام'۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جینیوا اسمدھرمین نے Talkin and Testifyin: The Language of Black America میں لکھا ہے:

...سیاہ فام گفتگو محض مشروبات کی میز کے گرد کی گپ شپ نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک عملی تحریک ہے جو بیک وقت دنیا اور زندگی کی بابت سیکھنے کے لیے ایک باضابطہ عمل بھی ہے اور حلقے کی منظوری اور شناخت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ بھی۔ حالانکہ کسی بظاہر عام گفت وشنید میں بھی بولنے والے کو اس بات کا پورا شعور رہتا ہے کہ اس کی شخصیت کو دیکھا جا رہا ہے اور اس کا مرتبہ داؤ پر لگا ہوا ہے... کیونکہ مقرر کے لیے ضروری ہے کہ وہ خیرہ کن اور پرلطف انداز میں نظر آئے سیاہ فام مقررین بڑے رنگا رنگ، ڈرامائی اور دلکش نظر آتے ہیں۔ مقررین اور موسیقار" کیسے ملے خدا" کی علامت بن جاتے ہیں۔[۴۰]

فائیو پرسینٹرز کا گلیوں والا علم (Streetology) یعنی سڑک کے گوشوں میں ان کے فلسفیانہ مکالموں کا انداز ایک ایسی "سیاہ فام گفتگو" کا منتخب اور چیدہ اظہار ہوتا ہے جسے جینیوا اسمدھرمین نے تفصیلاً بیان کیا ہے۔ جب فائیو پرسینٹرز اہم معاملات یا نازک امتیازات پر مذہباً غیر منقلب لوگوں کا یا آپس میں خود ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے ہیں تو اس وقت بڑی اختلافی گفتگو اور مکالمے ہوتے ہیں۔ سڑک کے کنارے ہونے والے ان بحث مباحثوں کو سننے کے لیے، ایک پرانی روایت کے مطابق جس کا سلسلہ افلاطون تک پہنچتا ہے، نوجوانوں کی ایک بھیڑ بطور تماشائی کے اکٹھی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اسمدھرمین نے بتایا ہے، یہ مقررین اپنے طرز ادائیگی میں بڑے فنکار اور چرب زبان ہوتے ہیں۔ اس فنکاری کو تحریری شکل میں پیش کرنا تو مشکل ہے کیونکہ اس میں لہجے کی غنائیت، زیروبم اور برجستگی کی مہارتوں کو پیش نہیں کیا جا سکتا۔ لحن اور برجستگی عوامی تقریر کی خوبیوں کا تعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

اسمدھرمین نے یہ اشارہ دیا ہے کہ سیاہ فام انگریزی گفتگو کے انداز کی جڑیں مغربی افریقہ کی گفتگو کی ثقافتی روایتوں میں پیوست ہیں۔ قومی اعتبار سے سیاہ فام انگریزی کے ورثے کا اظہار قواعد اور محاورے میں دینی اور سیکولر روایت کے اتحاد اور ملاوٹ سے ہوتا ہے، جن کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ روایتی افریقی عالمی تناظر کے تسلسل میں موجود ہیں۔ اسمدھرمین نے زبان کے متعدد طریقوں، خطیبانہ تراکیب اور پُرمعنی رسوم کا بھی مشاہدہ کیا ہے۔ فائیو پرسینٹرز کی عوامی خطابت اس طریقے کی نمائندگی کرتی ہے جسے اسمدھرمین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے ''علامتی وضاحت یا معنی خیزی'' (signification) کا نام دیا ہے۔

علامتی مفہوم ... توہین کے اس لفظی فن کی جانب اشارہ ہے جس میں کوئی مقرر ... مزاحیہ انداز میں سامع کو نیچا دکھاتا ہے، اس سے بحث مباحثہ کرتا ہے، اس کی خصلت غیر متوقع اور... فی البدیہہ زبانی تعجب کے اظہار سے ظاہر ہوتی ہے ... یہ نازک ہے... اور اس میں حسب ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں: فریب، بسیار گوئی؛ استعاراتی تخیل؛ مزاحیہ، طنزیہ اور حاضر بیانی اور آواز؛ معلم صفت لیکن وعظ گوئی کا شوقین نہیں۔ اشارہ اس شخص یا ان اشخاص کی طرف جو عام طور سے حالات کے سیاق وسباق میں موجود ہیں، ایہام، ضلع جگت، معنوی یا منطقی لحاظ سے غیر متوقع معانی لے آنا۔

علامتی معنی خیزی مختصر بذلہ سنجی بھی ہوسکتی ہے، چند منتشر بیانات کا سلسلہ بھی یا کسی ایک نکتے پر بڑی مربوط گفتگو بھی۔ یہ مذکورہ خصوصیات میں سے کسی ایک یا سب کا اظہار کرسکتی ہے۔[۲۱] اسمدھرمین یہ بھی کہتا ہے کہ''... علامتی مفہوم بازی کی ایک دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ ... بھاری بھرکم ہوسکتی ہے یعنی کسی وقوفی (cognitive) پیغام کا ابلاغ غیر تبلیغی انداز میں ... سننے والے تک پہنچا دینے کا عمل''۔[۲۲]

فائیو پرسینٹرز کے گلی کوچوں میں خطاب کے طریقوں میں مذکورہ بالا تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں، اگرچہ توہین وتنقیص کا نشانہ عموماً سامعین میں موجود سیاہ فام افراد کے بجائے سفید فام بنتے ہیں۔ بہرحال، اس امتیاز کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ سیاہ فام بالکل بچ جاتے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس طنزومزاح کا نشانہ زیادہ تر ''غیر مہذب'' پچاسی فیصد کے ممبران ہی بنتے ہیں۔ فائیو پرسینٹرز گفتگو کے ذریعے یہ دانشمندانہ پیغام پہنچانا چاہتے ہیں کہ سیاہ فام لوگ دس فیصد کے ظلم وستم کا شکار ہیں ان دس فیصد کو وہ ''غریبوں کے دولت مند غلام ساز (the rich slave-makers of the poor)'' کہتے ہیں۔ اور وہ ان پچاسی فیصد کو بالکل تنہا کر دینے کے بجائے انھیں پانچ فیصد کے نظریات سے ہم آہنگ کر دینا چاہتے ہیں۔ استعاروں میں دینی اور سیکولر کا میل ملاپ جسے فائیو پرسینٹرز کام میں لاتے ہیں وہ صرف روایتی افریقی نقطہء نظر ہی کی نہیں بلکہ لاکھوں دیسی روایتوں کی بھی نمائندگی کرتا ہے۔[۲۳] اس ثقافتی ابتدائی قومیت یا مذہبی ابتدائی قومیت کے متبرک استعارے درحقیقت موجودہ معاشرتی ڈھانچے کا ایک ابتدائی درجہ دار اور نسلی تجزیہ پیش کرتے ہیں۔ ٹین پرسینٹرز (دس فیصد والوں)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی اصطلاح فائیو پرسینٹرز سفید فام یا سیاہ فام کے حوالے سے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ ''غریبوں کے دولت مند غلام ساز'' یا ''غریبوں کا خون چوسنے والے'' وہ لوگ ہوتے ہیں جنھیں ایک زیادہ ترقی یافتہ قوم پرست نظریئے میں ''سفید فام استعماری یا نوآبادیاتی سیاہ فام بورژوائی'' کہا جا سکتا ہے۔

فائیو پرسینٹرز کے نظریات کی ایک اور خصوصیت تصوف یا اس روحانی سائنس کا تخلیقی تصرف ہے جسے ''حروف ہجا'' (Hurufa-i-jay-Hurufa-Ab-jay) ''حروف ابجد'' کہتے ہیں۔ عربی حروف تہجی کے ہر ہر حرف کے مخفی معانی کی تشریح کی اس سائنس کو فائیو پرسینٹرز نے اس لیے اپنے اعلیٰ حروف تہجی کے مطابق اپنا لیا ہے تاکہ وہ اسے ان رومی حروف کے مطابق بنا سکیں جو انگریزی زبان میں استعمال ہو سکے۔ مثلاً، عربی حروف ابجد کے پہلے حرف کے مخفی معنی آدم یا پہلے انسان کے طور پر لیے جاتے ہیں اور اس تشریح کو ایک روحانی سبق سے منطبق کیا جاتا ہے۔ اس طرح فائیو پرسینٹرز نے اپنے اعلےٰ حروف تہجی میں تمام حروف پر ایک روحانی (اور سیاسی) سبق اور تشریح کا حاشیہ چڑھا لیا ہے۔ حروف ہجا کی اس روحانی سائنس کا سراغ ہمیں یہودی علم الاسرار میں بھی ملتا ہے جسے Path of Letters کہتے ہیں۔ اسی طرح اعلیٰ ریاضی کا جواب بھی، جو ایک مخفی شماریاتی نظام ہے ہمیں تصوف اور یہودی علم الاسرار میں اور ریاضی کے اس فلسفیانہ نظام میں بھی ملتا ہے جسے فیثاغورث نے بڑی ترقی دی ہے۔

ان تمام مخفی نظاموں میں — یہودی علم الاسرار میں حروف ابجد میں، اعلیٰ حروف ہجا میں، اعلیٰ ریاضی میں اور فیثاغورث کے علم الاعداد میں — بنیادی مقدمات یہ ہیں کہ روحانی حروف یا اعداد حقیقت کے اولین عناصر یا اہم اصولوں کی تشکیل کرتے ہیں۔ لٰہذا یہ روحانی علم، حکمت اور تفہیم کی کلید ہیں۔ ان کلیدوں کو استعمال کر کے انسان جوہر (ایٹم) اور اس کے اجزاء کے مطالعہ کے ذریعے طبیعی کائنات کے رازوں کے قفل کھول سکتا ہے لٰہذا مختلف مخفی نظاموں کے طلباء اکثر ان کا حوالہ روحانی سائنسوں کے طور پر دیتے ہیں۔ نیشن آف اسلام میں، جس کے افراد نظریہ عملیت کو سب سے برتر فلسفہ مانتے تھے، کوئی بھی ممبر جو مخفی رازوں کی تلاش میں نیشن کے اسباق یا مخفی نظاموں کا بہت گہرا مطالعہ کرتا تھا'' سائنس داں'' کہلاتا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ یہ اصطلاح وہ تھی جو ایک جانب متعلقہ شخص کی معلومات کے لیے بیک وقت خوف اور احترام کے لیے بھی اور دوسری جانب اس قسم کے رویوں کو سنک اور دیوانہ پن کہہ کر مسترد کر دینے کے لیے بھی استعمال ہوتی تھی۔ جب نیشن آف اسلام کے ممبروں سے فائیو پرسینٹرز کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے، تو ان کا جواب عام طور سے یہ ہوتا ہے، ''ارے، وہ تو سائنسداں ہیں!''۔ خود فائیو پرسینٹرز سے اگر ان کے اور نیشن آف اسلام کے درمیان فرق کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو وہ اس خصوصیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان کا بھی عام جواب یہی ہوتا ہے ''ہم اسباق کو سائنسی بنیادوں پر پرکھتے ہیں جب کہ وہ ایسا نہیں کرتے''۔ ایک طریقہ جس سے وہ سائنسی بنیادوں پر پرکھتے ہیں وہ ''دکھانے اور ثابت کرنے کا ہے''۔

> کوئی شخص بھی کہہ سکتا ہے کہ ''میں ہوں ایشیائی سیاہ فام انسان، میں ہوں خالق، مالک، تہذیب کا لب لباب اور کائنات کا خدا''۔ یہ بات تو کوئی سفید فام بھی کہہ سکتا ہے لیکن اس کے یہ کہہ دینے سے وہ اصلی اور اولین انسان نہیں بن جاتا... اس کے لیے ضروری ہے کہ تم دکھاؤ اور ثابت کرو کیونکہ علم اور حکمت سچائی ہے لیکن تفہیم ثبوت ہے اور بغیر ثبوت کے سچائی کوئی چیز نہیں۔ [۲۲]

کسی تصور یا سبق کو ''دکھانے اور ثابت کرنے'' میں فائیو پرسینٹرز اسے اسی طرح ''ٹکڑے ٹکڑے'' کرتے ہیں جس طرح اعلیٰ حروف تہجی کے ''ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں''۔

یہ معلوم کرنے کے لیے کہ یہ'' دکھانے اور ثابت کرنے'' والی بات آخر ہے کیا، ہمیں خود ایک ''خدا'' (God) کے منہ سے سننا چاہیے۔ حسب ذیل اقتباس ایک انٹرویو کا ہے جو میں نے ۱۹۷۷ء میں ایک طویل القامت، سیاہ رنگ کے سترہ سالہ نوجوان مخلص اللہ سے (Sincere Allah) سے لیا تھا اور وہ بڑی روانی اور اعتماد کے ساتھ بات کرتا تھا۔ فائیو پرسینٹرز کی گفتگو کا متن جب ٹیپ سے کاغذ پر منتقل کیا جاتا ہے تو یہ اپنے لحن کی اصل خوبصورتی اور آہنگ کھو بیٹھتا ہے اسی لیے یہ آنکھ سے زیادہ کان کو بھلا معلوم ہوتا ہے یعنی اس کا لطف پڑھنے سے زیادہ سننے میں ہے۔ انتہائی موثر گفتگو جب پڑھی جاتی ہے تو بالکل بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسی لیے قاری سے [یہاں] درخواست ہے کہ وہ تحریک کی دعوت کو بہتر طریقے سے سمجھنے کی کوشش کرے۔

مخلص اللہ سے پوچھا گیا کہ یہ گروہ خود کو فائیو پرسینٹرز کیوں کہتا ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مخلص اللہ: دیکھیے، فائیو پرسینٹرز وہ ہے جو کمال حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ آپ جانتے ہیں، کہ کسی شخص کو حروف تہجی میں ''ا سے ۱۰ تک'' (یعنی طالب علم کے داخلے کا سبق ''ا سے ۱۰ تک'') جانا پڑتا ہے۔ جب وہ یہ سفر پورا کر لیتا ہے تب ہی وہ کہہ سکتا ہے کہ وہ خدا ہے۔ کیونکہ اس وقت وہ دکھلا سکتا ہے اور ثابت کر سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ وہ فائیو پرسینٹر ہے تو گویا وہ یہ کہتا ہے کہ وہ کمال حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ میں فائیو پرسینٹر نہیں ہوں۔ میں تو خدا ہوں، کیونکہ فائیو پرسینٹر تو وہ ہوتا ہے جو کمال حاصل کرنے کے مرحلے میں ہوتا ہے۔ میں تو پہلے ہی کمال حاصل کر چکا ہوں۔ جس وقت کوئی شخص حقیقت سے معاملہ کرتا ہے تو گویا وہ کاملیت سے معاملہ کر رہا ہوتا ہے۔ فائیو پرسینٹرز... وہ ایک نوزائیدہ کی طرح کوشش میں مشغول ہیں [نوزائیدہ اور بچے کا مطلب وہ لوگ ہیں جو فائیو پرسینٹرز کے عقائد کو ابھی سیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں] اور میں بتاؤں؛ آپ ان لوگوں سے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ''ثابت کرو کہ تم خدا ہو''۔ وہ ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ وہ تو ابھی سیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ ہے فرق فائیو پرسینٹرز اور خدا کے درمیان۔

انٹرویو کرنے والا: اور ایٹی فائیو پرسینٹرز (پچاسی فیصد والوں) اور ٹین پرسینٹرز (دس فیصد والوں) کے بارے میں خیال کیا ہے؟

مخلص اللہ: اچھا، ہاں، وہ پچاسی فیصد والے... یہ وہ لوگ ہیں جنھیں ہم کبھی قوت تعمیر کہتے تھے اور اب ہم انھیں قوت تخریب کہتے ہیں کیونکہ، تم جانتے ہو، جب ایک بار انسان اپنے سبق میں آگے بڑھنے لگتا ہے تو وہ پوری طرح سمجھنے لگتا ہے۔ پہلے جب ہم انھیں قوت تعمیر کہتے تھے، دیکھو میں ایک قوت تعمیر ہوں کیونکہ، تم جانتے ہو کہ میں اپنی قوت کی تعمیر کرنا چاہتا ہوں۔ ایٹی فائیو پرسینٹرز (پچاسی فیصد والے) یا قوت تخریب وہ شخص ہے جو اپنی قوت کو تباہ کر لیتا ہے۔ روز بروز زیادہ سے زیادہ تباہ کرتا ہے۔ کوکین کی تجارت کر کے، منشیات کا کاروبار کر کے۔ تم جانتے ہو کہ وہ باسکٹ بال اور جوا کھیلنے پر تو وقت صرف کرے گا لیکن اپنی کتابوں کو یا اپنی ذات کو نہیں پڑھنا چاہتا۔ اسی کو ہم قوت تخریب کہتے ہیں۔ دیکھو، اسے خدا بننے کا موقع مل جاتا ہے لیکن وہ بننا نہیں چاہتا۔ وہ تو بس تیز رفتار زندگی کو پسند کرتا ہے۔ وہ دولت کمانا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے ''فائیو پرسینٹرز بننے یا خدا ہونے سے ہمیں کیا ملتا ہے اس سے ہماری جیب میں کیا آتا ہے؟ تو پھر میں یہ کیوں بنوں؟ تو اس طرح، تمھیں معلوم ہے کہ، وہ تیز رفتار اور ہنگامہ خیز زندگی ہی گزارنا چاہتا ہے۔

اور اب ایک ٹین پرسینٹر کے بارے میں۔ انہیں معلوم ہے کہ سچا اور زندہ خدا کیا ہے؟ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ یہ پڑھاتے ہیں کہ سچا اور زندہ خدا ایک آسیب ہے، ایک بھوت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ میرے علاقے میں بہت سے (ٹین پرسینٹرز) ہیں اور جب وہ فائیو پرسینٹرز کو دیکھتے ہیں یا خداؤں کو چھوٹے بچوں کے سامنے حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ بچے کے سر میں پن چبھونے لگتے ہیں۔ وہ بچے سے کہیں گے ''یہ چور ہے۔ اس نے میری کوئی چیز چرائی تھی۔ یہ کوئی خدا ودانہیں ہے۔ یہ تو جیل جا چکا ہے''۔ جیسے، میں جیل جا چکا ہوں لہٰذا وہ لوگ میری تذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہمارے رہائشی بلاک میں جا کر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ خدا نہیں ہے کیونکہ اس نے ہماری یہ چیز چرائی تھی، اس کی وہ چیز چرائی تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ کبھی میں چوری کرتا تھا، کیونکہ میں خود کو نہیں جانتا تھا۔ لیکن اب جب کہ میں نے خود کو جان لیا ہے تو میں نے وہ سب کام چھوڑ دیئے ہیں۔ کیونکہ تم جانتے ہو آدمی اپنی غلطیوں ہی سے سیکھتا ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ ان تمام ٹین پرسینٹرز کی طرح پوپ پال بھی ایک تہائی معمار ہے۔ یہ اسی طرح ہے [جیسے نیشن آف اسلام کے گم شدہ، بازیافتہ سبق نمبر ایک میں] جب شیطان کو تہذیب سکھانے کے لیے موسیٰؑ یورپ کے غاروں میں گئے تو وہ یہودی تھا۔ موسیٰؑ نے انھیں (یہودیوں کو) علم کا صرف ایک تہائی دیا۔ [نیشن آف اسلام کے سبق کے مطابق موسیٰؑ آئے اور انھوں نے وحشی سفید شیطانوں کو تعلیم دی جنھیں ارض مقدس سے یورپ کے غاروں میں پھینک دیا گیا تھا۔ ان کی تعلیم یہ تھی کہ ایک مہذب زندگی کیسے گزاری جائے، ساتھ ہی انھیں کچھ فراموش کردہ بُری چالیں (evil tricknology) بھی سکھائیں]... ایک معمار کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ اسے ایک تہائی ملے گا، ٹھیک ہے ناں؟ اب تم یہ دیکھو کہ تمام چیزیں مل کر تین سو ساٹھ ڈگری ہیں۔ ایک سو بیس ڈگری علم، ایک سو بیس ڈگری حکمت اور ایک سو بیس فہم۔ یہ سب مل کر ہوئے تین سو ساٹھ ڈگری۔ ٹھیک ہے؟ گویا یہ مکمل صداقت ہے۔ لیکن ایک معمار کے پاس اس تینتیس فیصد کا صرف ایک تہائی ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کی دنیا میں تمھیں صرف ایک آدمی ایسا ملے گا جس کے پاس ۳۳ ۱/۳ فیصد ہے اور وہ آدمی پوپ پال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام صدر اس کے پاس جاتے ہیں... آج وہ دنیا کا فرمانروا ہے... حقیقت یہ ہے کہ صدر کو حکم اسی سے ملتا ہے لیکن یہ (صدر لوگ) آپ کو یہ بات معلوم نہیں ہونے دیتے۔

سنی مسلمانوں کو جو بات سب سے زیادہ ناگوار گزرتی ہے وہ فائیو پرسینٹرز کا یہ دعویٰ ہے کہ سیاہ فام خدا ہے۔ مخلص اللہ نے اس معاملے کو، نیشن آف اسلام کے طالب علم کے داخلے کے سبق، جسے فائیو پرسینٹرز [سوال] 'ایک سے دس تک'' یا ''درجہ ایک سے دس تک'' کہتے ہیں، کے ذریعے دیا:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مخلص اللہ: ایک سے دس تک؟ پہلا درجہ کہتا ہے'' اولین انسان کون ہے؟ ابتدائی انسان ایشیائی سیاہ فام انسان ہے جو کرۂ ارض کا خالق ہے، مالک ہے، لُب لباب ہے، تہذیب کا باپ ہے اور کائنات کا خدا ہے۔'' اولین انسان کون ہے کا سوال ہم اس وجہ سے کرتے ہیں کہ ابتدائی کے معنی پہلا ہوتا ہے۔ سیاہ کا مطلب ہے غالب، ٹھیک ہے؟ وہ کہتے ہیں ایشیائی۔ ایشیائی کے معنی ہیں دماغ اور جسم۔ خالق: جو کچھ تم تخلیق کرتے ہو، جو تمھاری ملکیت ہے۔ ہم زمین کے خالق ہیں لہٰذا ہم زمین کے مالک ہیں۔ ہم نے اس (زمین) پر حکمرانی کے لیے شیطان کو چھ ہزار سال دیئے تھے۔ جب یعقوب، نے شیطان کو بنایا تو انھوں نے اپنے لوگوں کی طرف دیکھا اور کہا'' دیکھو میں ایک ایسی قوم بنانے والا ہوں جو تمھاری قوم پر چھ ہزار سال تک حکمرانی کرے گی۔'' حقیقت یہ ہے کہ اب اسے چھ ہزار سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف انھیں لوگوں پر حکمرانی کر رہا ہے جو اپنی ذات سے واقف نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم نے حکمرانی کے لیے شیطان کو چھ ہزار سال دیئے تھے۔ ٹھیک ہے! یہ حقیقت ہے کہ اب اس کا وقت ختم ہو چکا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ وہ چاند پر جانے کی کوشش کر رہا ہے، چاند پر زندگی تلاش کرنے کے لیے۔ وہ مختلف سیاروں پر جانے کی کوشش کر رہا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اس کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ پھر دوسرا درجہ کہتا ہے '' رنگدار آدمی کون ہے''... رنگدار آدمی کاکیشیا کا سفید فام ہے۔ کرۂ ارض پر یعقوب کے وضع کردہ شیاطین۔ میں'' رنگدار'' کیوں کہتا ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ سفید فام انسان بھیس بدلنے اور مصنوعی رنگ اپنانے میں مختلف رخ اپنا لیتا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ اس کے سنہرے بال ہوں، نیلی آنکھیں ہوں، سنہری مونچھ ہو، چاند جیسی سفید... بہرحال تم جانتے ہو... یوں سمجھو، کہ وہ ایک رنگدار آدمی۔ کافی دن پہلے وہ لوگ ہمیں رنگدار کہتے تھے۔ کیا تمھیں معلوم ہے کہ لوگوں نے محسوس کر لیا وہ کون تھے... کیا تم جانتے ہو کہ سیاہ فام لوگ سیاہ ہونے پر شرمندہ ہوا کرتے تھے۔ جوں ہی میں تمھیں کالا کہوں گا تم مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہو جاؤ گے۔ لیکن اب لوگ جاگ چکے ہیں۔ اب وہ جانتے ہیں کہ سیاہ فام دنیا کی سب سے غالب قوت ہے۔ یہاں، شمالی امریکا کے صحرا و بیابان میں ابتدائی آدمیوں کی آبادی کتنی ہے؟... یہاں شمالی امریکا کے صحرا و بیابان میں مجموعی طور پر سترہ ملین اور ان کے علاوہ دو ملین انڈینز مل کر کل انیس ملین (ایک کروڑ نوے لاکھ) بن جاتے ہیں۔ اور جب لوگ کہتے ہیں کہ کرسٹوفر کولمبس نے، کرۂ زمین کے اس پسماندہ حصے کو دریافت کیا تھا، جو شمالی امریکا تھا۔ اور جب وہ یہاں آیا تو اسے انڈینز ملے، لہٰذا اس نے کچھ دریافت نہیں کیا۔ کیونکہ جب تم کوئی چیز دریافت کرتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہاں اس سے پہلے کوئی نہیں آیا تھا۔ تم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سمجھ گئے نا! لیکن یہ وہ بات ہے جو سفید فام انسان اسکولوں میں پڑھاتا ہے۔
پھر چوتھا درجہ کہتا ہے، ''شمالی امریکا کے صحراو بیابان میں رنگدار آدمیوں کی آبادی کتنی ہے۔صحراو بیابان میں یہ آبادی ایک سو تین ملین (دس کروڑتیس لاکھ) تھی۔
پورے کرۂ ارض پر ابتدائی لوگ چار بلین اور چار سو ملین (چار ارب چالیس کروڑ) تک تھے، یہ چینی، جاپانی یہ سب ابتدائی لوگ ہیں۔ انھیں سیاہ رنگ کی تین کیفیتیں ملیں سیاہ، بادامی اور زرد۔ اس کے علاوہ باقی ساری کیفیتیں وضع کردہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کائنات میں اور کرۂ ارض پر سب سے زیادہ مضبوط قوم ہیں۔ پھر پانچواں درجہ کہتا ہے۔ مربع میل میں کرۂ ارض کا رقبہ کتنا ہے؟ کرۂ ارض کا رقبہ انہتر کروڑ، انیس لاکھ چالیس ہزار (۶۹،۱۹،۴۰،۰۰۰) مربع میل ہے۔ اب جس طریقے سے میں اسے ٹھیک ٹھیک دیکھتا ہوں، صرف ٹھیک ٹھیک دکھانے اور ثابت کرنے کے لیے، اس کی مثال یہ ہے کہ تم مجھے کاغذ کا ایک ٹکڑا دو میں تمھیں اس عدد میں کئی برسوں کے عدد دکھا سکتا ہوں۔ ۶۹،۱۹،۴۰،۰۰۰ مربع میل میں ۱۹۶۰ ہے، ۱۹۶۴ ہے اور ۱۹۴۹ ہے۔ اب میں اس کو اس انداز میں دیکھتا ہوں کہ جب اللہ۔۔علم مساوات کے ذریعے پیدا ہوا، ثقافت میں دوبارہ پیدا ہوا۔ مخفیات میں [یہ اعلیٰ ریاضی کے مطابق عددی تجزیاتی عمل ہے۔علم=۱؛ مساوات =۶؛ نوزائیدہ =۹؛ ثقافت = ۴؛ مخفی علم = ۰(صفر) یعنی =۱۹۶۰ علم منفی نوزائیدہ منفی مساوات منفی مخفی علم] یہ صرف یہ دکھاتا اور ثابت کرتا ہے کہ سال ۱۹۶۴، جب قادر مطلق خدا، اللہ (کلیرنس ۱۳ ایکس)۔ جب وہ عبادت گاہ سے نکلا تو اس نے یہ دکھایا اور ثابت کیا کہ سیاہ فام انسان خدا تھا۔ پھر ۱۹۶۹ء میں جب میسٹر بنڈ سے نے اسے ایک خطیر رقم اور بہت سی کاریں دے کر اسے بچوں کو پڑھانے سے رُکنے کو کہا۔ اس نے کہا ''پڑھانا بند کرو''۔ تب اس نے کہا ''نہیں! خدا کو خریدا یا بیچا نہیں جا سکتا۔'' تب وہ اسے یہاں سے نکال لے گئے۔ انھوں نے یہ طے کیا کہ وہ اسے قتل کر دیں گے اور اس کی ساری تعلیم بند ہو جائے گی۔ اب تم یہ دیکھو، کہ ان لوگوں نے صرف اس کے جسم کو قتل کیا۔ اس کا جسم بچوں کے سامنے ظاہر نہیں ہوا۔ یہ اس کی ذہانت تھی۔

آواز کبھی پرانی یا منسوخ نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ خلقی اور نامیاتی طور پر بڑھتی رہتی ہے۔ ہر نئی نسل پرانے مردہ عوامی محاورات سے چھٹکارا حاصل کرتی رہتی ہے اور ان کی جگہ نئے محاورات اختیار کر لیتی ہے۔ ۱۹۶۶ء میں استقبالیہ کلمہ تھا "Peace B'Allah" (اس کا تلفظ تھا "ba-lah") (پیس باللہ۔ امن ہو اللہ)۔ یہ وہ مخفف تھا جو میں کبھی نہیں سمجھ سکا اگرچہ چند امکانات یہ ہو سکتے ہیں "Peace, By Allah" (امن، بخدا) "Peace

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"Be Allah" (امن ہو خدا) "Peace Brother of Allah" (امن خدا کا بھائی) آج استقبالیہ کلمہ "Peace, God" (امن، خدا)۔ جب ابتدائی فائیو پرسینٹرز میں سے کوئی شخص انتہائی سچا کلمہ اپنی زبان سے ادا کرتا تھا تو اس کے ہم نشین مل جل کر نعرہ لگاتے تھے ''یہ ہوئی بات!''۔ ''یہ تھی بات!''۔ ''وہ گئی!''۔ یہ سارے نعرے یہ ظاہر کرتے تھے جیسے زبان سے ادا کیا گیا کوئی سچ تیزی کے ساتھ نظام کائنات میں اترتا چلا جارہا ہو۔ آج اگر کوئی سنے تو اسے سب کی مشترکہ آواز سنائی دے گی ''لفظ'۔ سن اسی کے عشرے کے دوسرے کلمات یہ تھے ''یہ کوئی معمہ نہیں!'' اور ''آج کی ریاضی کیا ہے؟ [یعنی آج تاریخ کیا ہے؟ جس کا جواب اعلیٰ ریاضی میں دیا جانا ضروری تھا]۔ حتیٰ کہ اعلیٰ حروف تہجی بھی ناقابل تبدیل نہیں ہیں ۱۹۶۶ء میں مثال کے طور پر، "Z" کا مطلب "Zelda Zee" (یعنی کوئی ایسی عورت جو کمزور اور بدعمل ہو کیونکہ اس کے پاس اپنی ذات سے متعلق علم، حکمت یا فہم نہیں ہے)۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے کے آخر میں "Z" کا مطلب تھا "Zig Zag Zig"۔ یعنی ایک سانپ جو اِدھر سے اُدھر مارا مارا پھرتا ہے اور ہمیشہ صحیح راستے سے غلط راستے کی طرف چلتا رہتا ہے''۔ یہ تحریک اب اتنی پھیل چکی ہے کہ بعض ذرائع کے مطابق ہسپانوی زبان جاننے والے بعض فائیو پرسینٹرز نے تحریک کے اسباق کا ترجمہ ہسپانوی میں بھی کر دیا ہے۔

اعلیٰ حروف تہجی میں "H" کے حرف کا مطلب ہے "He" (وہ مرد) یا "Her" (اس عورت کا)۔ اس کا سبق یہ ہے کہ ''اس (مرد یا عورت) کے پاس اتنی قوت ہے کہ وہ تعمیر کردے یا تباہ کردے اور اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ ''اس کے پاس اپنی ذات کا علم ہے یا اپنی ذات کا علم نہیں ہے'' بہرحال اس (مرد) کے پاس اس (عورت) سے زیادہ قوت ہے۔ خداؤں اور زمینوں کی قوم میں (In the Nation of Gods and Earths) مرد خدا ہیں اور عورتیں زمین ہیں۔ جس طرح زمین سورج کے گرد چکر لگاتی ہے اس طرح ایک عورت اپنے مرد کے گرد چکر لگاتی ہے۔ فائیو پرسینٹرز کا امتیازی نشان یا ''عالمگیر پرچم'' ستاروں کی شکل کے ایک دائرے میں "۷" (سات) کا عدد ہے جو ایک ستارے اور ہلال کے اوپر چڑھا ہوا ہے۔ اعلیٰ ریاضی میں سات کاملیت کا عدد ہے اور اللہ کا مفہوم ظاہر کرتا ہے۔ صرف مرد ہی کاملیت حاصل کرسکتا ہے جو سات کے عدد سے ظاہر ہوتی ہے۔ عورت کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عدد ''چھ'' ہے، اور یہ وہ اعلیٰ ترین عدد ہے جو کوئی عورت ہی حاصل کر سکتی ہے۔ عجیب بات ہے کہ اعلیٰ ریاضی میں چھ کا مطلب ہے ''مساوات'' (Equality)۔ بہرحال Equality کا تجزیہ اس طرح ہو سکتا ہے۔ "E-Quality" جو حوالہ ہے "Earth Qualities" یا "bad E-Qualities" کی جانب جو اس بات پر منحصر ہے کہ وہ اپنی مقناطیسیت یا جنسی کشش کی قوت کو کس طرح استعمال کرتے ہیں۔ وہ (عورتیں) اپنی مقناطیسیت کو ایک کے بعد دوسرے مرد کو رجھانے کے لیے استعمال کر سکتی ہیں جس کا مقصد صرف اپنی شہوانی خواہشات کی تسکین ہوتا ہے (جیسے کمزور اور بداعمال Zelda Zee) یا وہ اپنی مقناطیسیت کو بارآوری یا ''خدا کا بچہ'' جنم دینے کے لیے استعمال کر سکتی ہیں۔ بارآوری کے ذریعے وہ اپنی نسوانیت کی تکمیل کرتی ہیں اور سیارۂ زمین کی طرح ہو جاتی ہیں کیونکہ زمین بارآور ہے اور زندگی کو پیدا کرتی ہے۔ عورت کے جسم کا تین چوتھائی حصہ کپڑے سے ضرور ڈھکا ہونا چاہیے بالکل اسی طرح جیسے زمین کا تین چوتھائی حصہ پانی سے ڈھکا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی فائیو پرسینٹرز عورتیں بالکل مسلمان عورتیں نظر آتی ہیں۔ مثلاً وہ خمار (Khimars) یا سرپوش پہنتی ہیں اور ڈھیلے ڈھالے کپڑے استعمال کرتی ہیں۔ حقیقت یہ کہ ایک مرد فائیو پرسینٹر کے برعکس عورت فائیو پرسینٹر ایک ''مسلم'' ہوتی ہے کیونکہ وہ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ اس کا مرد اللہ ہے۔ فائیو پرسینٹر زمینوں کو "Queens" (ملکہ) بھی کہا جاتا ہے (Q) علامت ہے Queen یا Quality (خوبی) کی اور بڑے پاکباز ناموں کی حامل ہوتی ہے جیسے "Queen Star Asia Peace Refinement" اور "Princess Learn Her Earth"۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فائیو پرسینٹ نیشن میں متعدد زمینیں یا ملکائیں ہیں جیسے براؤنس وائل میں غیر شادی شدہ نوخیز (انیس سال سے کم) مائیں بچے جن رہی ہیں جن کے نام پیدائش کے رجسٹر میں "Born Allah" (پیدائشی اللہ) "True God" (سچا خدا) "True Mathematics" (سچی ریاضی) "Always Be Allah" (ہمیشہ رہو اللہ) "Queen Culture Nation" (ملکہ ثقافتی قوم) وغیرہ لکھے جاتے ہیں۔

فائیو پرسینٹرز کے نظریات جوں جوں پختہ سے پختہ تر ہوتے جاتے ہیں، وہ لوگ خود کو نیشن آف اسلام کے مقاصد اور تمناؤں سے قریب تر کرتے جاتے ہیں۔ اگرچہ پرانی نیشن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لوگ انھیں ''سائنس داں'' کہہ کر مسترد کر دیتے ہیں تاہم منسٹر لوئی فرخان نے ۱۹۸۵ء میں ٹڈیسن اسکوائر گارڈن میں پچیس ہزار افراد کے ایک عظیم الشان اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے اپنے ایک اتحادی پیغام میں ان لوگوں کو'' فائیو پرسینٹ نیشن کے خوبصورت بھائیو اور بہنو'' کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ مجمع میں موجود کئی سو فائیو پرسینٹرز نے جواب میں اپنی خوشی کا مظاہرہ کیا تھا۔ بعض فائیو پرسینٹرز اب یہ کہتے ہیں کہ ان میں اور فرخان کی نیشن آف اسلام میں فرق صرف مؤخرالذکر کے لباس کے معاملے میں شدت پسندانہ ضابطے (مثال کے طور پر سوٹ اور بو، ٹائی وغیرہ) کا ہے۔

چونکہ فائیو پرسینٹرز کی ''زمینیں'' (Earths) یعنی عورتیں اپنے سروں کو ڈھانپتی اور ٹخنوں سے نیچے تک کا لمبا لباس پہنتی ہیں، اور چونکہ ان کے ''خدا'' (Gods) یعنی مرد اکثر مسلمانوں والی روایتی ٹوپی پہنتے ہیں لہٰذا فائیو پرسینٹرز کو بعض اوقات غلطی سے سنی مسلمان سمجھ لیا جاتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ''سلام علیکم'' کا جواب فائیو پرسینٹرز "Peace, God" (امن خدا) کہہ کر دیتے ہیں۔ فائیو پرسینٹرز اور سنی مسلمانوں کے درمیان بڑی کشمکش اور تناؤ ہے۔ سنی مسلمانوں کی نظر میں فائیو پرسینٹرز ''شرک'' یا ناقابل معافی گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک کرتے ہیں اور فائیو پرسینٹرز کی نگاہوں میں سنی مسلمان ٹین پرسینٹرز ہیں کیونکہ وہ ''یہ تعلیم دیتے ہیں کہ سچا اور زندہ خدا ایک آسیب ہے (جو دکھائی نہیں دیتا)''۔ چونکہ فائیو پرسینٹرز اسلام کو ایک مذہب کے بجائے محض ایک فطری ''طرز حیات'' قرار دیتے ہیں لہٰذا وہ سنی مسلم (*Sunni Muslim*) کے ٹکڑے اس طرح کرتے ہیں *Soon to be Muslim* (''جلد مسلمان ہونے والے'' یعنی اب تک مسلمان نہیں ہیں اور سیکڑوں فضول رسم و رواج میں مبتلا ہیں)۔ نوجوان مسلمان جو ہائی اسکولوں میں پڑھتے ہیں اکثر فائیو پرسینٹرز سے معمولی معمولی باتوں پر بحث مباحثہ کرتے ہیں اور انھیں برا بھلا کہتے ہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو Nickleheads (پانچ پرسینٹ) کے نام سے پکارتے ہیں اور اپنے روایتی کھیلوں میں ایک دوسرے کا مذاق اڑاتے ہیں، فائیو پرسینٹرز اپنے ایک کھیل میں مزاحیہ انداز میں سوال کرتے ہیں ''ٹین پرسینٹر! تم اب بھی فرش پر غوطہ خوری کر رہے ہو؟ (یعنی کیا تم اب بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبادت میں سجدے کر رہے ہو؟)

بالغ سنی مسلمانوں نے ۱۹۷۷ء کے اس وحشیانہ قتل کو کبھی فراموش نہیں کیا جس میں ایک سنی مسلمان کو بروکلین میں اس کے گھر کے آگے اس کی بیوی بچوں کی نگاہوں کے سامنے قتل کر دیا گیا تھا۔ فائیو پرسینٹرز کے ایک گروہ نے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا، اور کچھ دیر پہلے آپس میں اُن کا جو جھگڑا ہوا تھا اسے سلجھانے کے لیے اسے باہر بلایا اور اس کے سر کے پچھلے حصے میں گولی مار کر اسے قتل کر دیا۔ وہ تلخی اب تک باقی ہے تاہم معمر سنی مسلمان ان گمراہ نوجوانوں کو راہ راست پر لانے کے لیے انھیں نظر انداز کرنا چاہتے ہیں تاکہ سیاہ فام طبقے کے نوجوانوں اور معمر لوگوں میں کوئی جنگ نہ چھڑ جائے جس میں یقیناً جیت کسی بھی فریق کی نہیں ہوگی۔

لیکن اگر کوئی شخص فائیو پرسینٹرز اور سنی مسلمانوں کو ایک اور زاویے سے دیکھے تو اسے دونوں کے درمیان ایک اور رشتہ بھی نظر آئے گا۔ فائیو پرسینٹرز کی تحریک بنیادی طور پر نوجوانوں کی ایک تحریک ہے، اور اس میں کم عمری کا عنصر شامل ہے۔ اس کے ڈھانچے کی تشکیل اس طرح ہوتی ہے کہ اس میں نوجوانوں کے لیے بڑی کشش ہے۔ اگرچہ تیس سے اوپر کی عمر والے بھی کچھ لوگ خود کو فائیو پرسینٹرز کہتے ہیں لیکن ایسا کم ہے بلکہ جوں جوں عمر بڑھتی جاتی ہے یہ تفریق گھٹتی ہوئی نظر آتی ہے اور روحانیت اور سیاسی وابستگی کا زیادہ مظاہرہ نظر آتا ہے۔

آج تیس سال سے زیادہ عمر کے بہت سے سنی مسلمان وہ ہیں جو ساٹھ کے درمیانی اور ستر کے ابتدائی عشروں میں فائیو پرسینٹرز تھے۔ یہ رجحان جاری رہے گا یا نہیں، اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پچھلے عشرے میں سنی مسلمان اپنے فرقہ وارانہ جھگڑوں اور قومیت کے بارے میں اپنی سوچ میں ایک ٹھہراؤ اور ابہام کی بنا پر معاشرے سے کٹ گئے، تاہم منشیات مخالف تحریکوں کے ذریعے پھر کچھ مقبولیت حاصل کر رہے ہیں۔ دوسری جانب ایک قومی اخبار کی اشاعت کے ایک عظیم منصوبے کی ابتدا کر کے فائیو پرسینٹرز نے اپنی تحریک کو زیادہ متحدہ اور پیوستہ اور نظریاتی طور پر زیادہ گنجلک بنا لیا ہے اور اب وہ اعلیٰ تعلیم اور طویل المیعاد منصوبوں پر زیادہ زور اور اہمیت دے رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ میں اب مخلص اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(Sincere Allah) کے اس جملے پر اکثر غور کرتا ہوں کہ ''(سیارۂ زمین کا) لب لباب ہمیشہ بلندی تک پہنچے گا''۔[۲۵]

حواشی

۱۔ "Harlem Landmark Threatened" ۔ دی ورڈ ۱، نمبر ۸ (نومبر ۱۹۸۸ء) ص ۱ (بے نام مضمون) اس مضمون کے ساتھ چھپنے والے ایک ادارتی مضمون میں جس کا عنوان "Allah's Schools Close" (اللہ کے اسکول بند ہو گئے) تھا، گاڈ کلیم نے بتایا کہ چند برسوں میں نیویارک شہر میں چھ اسکول بند ہو گئے۔ چار اسکول بروکلین میں، ایک ایک برانکس اور کوئنس میں، دو اسپرنگ فیلڈ، میساچوسیٹس میں ایک ایک نیو برگ اور بیکن، نیو یارک میں بھی۔

۲۔ نیویارک سٹی، کی پانچویں بلدیہ (borough) اسٹیٹن آئی لینڈ کو نخلستان کہتے ہیں لیکن مجھے اس سلسلے میں کوئی معلومات نہیں ہیں کہ یہاں کبھی کوئی اسکول تھا بھی یا نہیں۔

۳۔ چارلی اہرن "Lakim Gets Busy Dropping Science" دی ستی سن ۶۔ نمبر ۱۷ (۲۶/اپریل ۱۹۸۹ء) ص ۱۳۔ معاصر موسیقی میں فائیو پرسینٹرز کی زیادہ تفصیلی وضاحت کے لیے مضمون کو پڑھیے۔

۴۔ "What We Teach"، دی ورڈ ۱، نمبر ۲ (جولائی ۱۹۸۷ء) ص ۱۲۔ اس اخبار کے ابتدائی شمارے بارہ صفحات کے تھے۔ بعد کے شمارے سولہ صفحات تک بڑھا دیئے گئے تھے۔

۵۔ بیلوڈ اللہ، "The Greatest Story Never Told" ۔ حصہ ۱ تا ۳۔ دی ورڈ ۱۔ نمبر ۲ (جولائی ۱۹۸۷ء) ص ۳: ۱؛ نمبر ۳ (اگست/ستمبر، ۱۹۸۷ء) ص ۶ تا ۷ اور، نمبر ۴ (دسمبر/جنوری ۱۹۸۸ء) ص ۶ تا ۷۔

۶۔ پہلا طالب علم، جس کا متقیانہ نام پہلے کریم تھا لیکن بعد میں اسے بدل کر ''بلیک مسیحا'' کر دیا گیا تھا اسے دوسرے نوجوانوں کو گرویدہ کرنے کی اس کی صلاحیت کی بنا پر منتخب کیا گیا تھا اور اپنے پختہ سیاہ رنگ کی وجہ سے جو یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ ''اصلی سیاہ انسان'' ہے بلیک مسیحا ''فرسٹ نائن بارن اسٹوڈنٹس'' (ابتدائی نو، پیدا شدہ طلباء) کو کلیرنس تک لانے میں کامیاب رہا۔ ان نو طلبا کے متقیانہ نام بسم اللہ، اوہورو (سواحلی زبان میں ''آزادی'')، الجاوا، دیہو، الرحیم، شا۔شا، اوبیکا اور سلام تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فائیو پرسینٹرز کی پہلی نسل کے بہت سے لوگوں نے عربی لہجے کے بگڑے ہوئے نام اپنا لیے، مثلاً شاشا۔ الجاواو غیرہ۔ بعد کی نسل والوں نے خود کو اللہ کہنا شروع کر دیا۔

۷۔ مشہور ہے کہ ایک گمنام مصنف کی کتاب "The Mayor's Man" (جواب دستیاب نہیں ہے) میں فائیو پرسینٹرز کی ابتدائی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ یہ کتاب میئر لِنڈسے کے مددگار (The Mayor's Man) بیری گوتھر کا کردار تفصیل کے ساتھ بیان کرتی ہے۔ گوتھر ٹاسک فورس کا ایک ممبر تھا جسے فائیو پرسینٹرز کے ساتھ کام کرنے پر مامور کیا گیا تھا۔ گوتھر نے اسٹریٹ اکیڈمی کی عمارت کے حصول کے سلسلے میں گفت وشنید کا اہتمام کیا تھا۔

۸۔ نیشن آف اسلام کے طالب علم داخلہ اسباق۔

۹۔ سوال نمبر ۸ میں دریافت کیا گیا ''کون سی چیز بارش، ژالہ باری، برف باری اور زلزلہ پیدا کرتی ہے؟'' اس کے جواب میں تبخیر، ہوائی تقطیر، ماحولیاتی حالات وغیرہ کی بڑی طویل اور تفصیلی فنی بحث کی گئی۔ سوال نمبر ۹ تا ۱۳ میں طلباء کو یہ پڑھایا جاتا ہے کہ مخفی خدا نامی کوئی ایسی چیز نہیں جو پانی برساتی ہو یا ژالہ باری اور برف باری کرتی ہو۔ اور یہ کہ انسان نے کھربوں سال تک ایسے خدا کو تلاش کیا ہے لیکن اس میں اسے اس لیے ناکامی ہوئی کہ ایسے کسی خدا کا وجود ہے ہی نہیں۔

۱۰۔ نیشن آف اسلام کا گم شدہ، بازیافتہ سبق نمبر ۲۔

۱۱۔ رابرٹ ایسا گیالی، The Act of Will پینگوئن ۱۹۷۴ء، ص ۱۱۹ تا ۱۲۲۔

۱۲۔ دو فائیو پرسینٹرز مخلص اللہ اور بادشاہ اللہ سے انٹرویو، ۱۹۷۷ء۔

۱۳۔ ایضاً۔

۱۴۔ ایضاً۔

۱۵۔ آرتھر کوئسلر The Act of Creation میکملن ۱۹۶۴ء، ص ۶۵۷ تا ۶۶۰، ایڈورڈ ڈی بونو، Lateral Thinking۔ ہار پر اینڈ رو، ۱۹۷۰ء، ص ۹ تا ۱۴۔

۱۶۔ ملاحظہ ہو پیٹر برجر اور تھامس لک مین، The Social Construction of Reality ڈبل ڈے، ۱۹۶۶ء۔

۱۷۔ دو فائیو پرسینٹرز مخلص اللہ اور بادشاہ اللہ سے انٹرویو، ۱۹۷۷ء۔

۱۸۔ ایضاً۔

۱۹۔ ایضاً۔

۲۰۔ جینوا اسمدھرمین، Talkin and Testifyin: The Language of Black America۔ وین اسٹیٹ یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۶ء، ص ۸۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۱۔ ایضاً ص ۱۱۸ تا ۱۲۱۔

۲۲۔ ایضاً ص ۱۲۰۔

۲۳۔ ملاحظہ ہو یونینا ٹالمن "Millenarianism" : اور انتھونی ویلس "Nativism and Revivalism" دونوں *International Encyclopedia of the Social Sciences* کرا ویل، کولیئر، میکملن، ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئے۔

۲۴۔ دوفائیو پریسنٹرز مخلص اللہ اور بادشاہ اللہ سے انٹرویو، ۱۹۷۷ء۔

۲۵۔ ایضاً۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا حصہ

ریاست ہائے متحدہ امریکا
کے بڑے بڑے شہری مراکز میں
اسلامی آبادیوں کی پچّی کاری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ٦

لاس اینجلس میں مسلمان

ران کیلی

تعارف

''لاس اینجلس میں مسلمان'' یہ اتنا وسیع موضوع ہے کہ اس پر صرف ایک سطحی نظر ڈالنا خطرناک عمل ہوگا۔ ایسی متنوع اور رنگارنگ برادری کے بارے میں اگر کوئی عمومی بات بھی کہی جائے تو اُس میں بھی استثنا کے پہلو نکل آئیں گے۔ اسلام اور اُس کے متحد کرنے والے عناصر کے باوجود دُنیا کے دور دراز گوشوں اور ملکوں کے مسلمانوں پر مشتمل یہ برادری مختلف ثقافتی پس منظروں کو پیش کرتی ہے۔

یہ سرسری جائزہ برادرانہ جذبہ کے حامل ان مسلمانوں کے لیے جذباتی طور پر بہت نازک ہوگا جو اس صورت حال کی پوری قوت کے ساتھ تردید کرتے ہیں اور اسلام کے پانچ بنیادی ارکان کو اسلامی وحدت کے ایک ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں اور بیرون ملک سے آئے ہوئے مسلمانوں کے ان کی اپنی مساجد میں اعمال وافعال کے اختلاف کو بڑی شائستگی کے ساتھ نظر انداز کرتے ہوئے ساری اہمیت ان عقائد کو دیتے ہیں جو تمام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں میں مشترک ہیں، اور جن میں یہ عقیدہ بھی شامل ہے کہ: ''مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں۔ ہم سب ایک ہی ہیں۔'' اگرچہ اس قسم کے الفاظ دینیات کے لحاظ سے صحیح اور پسندیدہ، ہیں لیکن یہ بات پورے احترام کے ساتھ کہہ دی جانی چاہیے کہ یہ باب زیادہ تر اختلافات کے بارے میں ہے۔

شاید ہی اتنے مختلف نسلی اور ثقافتی وتہذیبی پس منظروں کے مسلمان اپنے دین اور اُس کی اقدار کے ساتھ، ایسی ثقافتی اور نفسیاتی رکاوٹوں کے درمیان کسی ایک جگہ رہنے کے لیے یک جا ہوئے ہوں۔ اور جو کچھ بھی ہو لاس اینجلس میں مسلمانوں کا یہ عظیم الشان اجتماع مسلم تشخص کو چمکانے میں ایک تجرباتی چیلنج، خارجی ثقافتی ساز وسامان سے قطع نظر، اسلام کے انتہائی پاکیزہ معنی کی ایک تلاش اور خود دونوں عقائد اور معاشرتی اتحاد کے خواب کی ایک مسلسل آزمائش کی حیثیت رکھتا ہے۔

مسلم آبادی کا تخمینہ

چونکہ ریاست ہائے متحدہ کی مردم شماری میں مذہب کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا جاتا لہٰذا لاس اینجلس میں مسلمانوں کی موجودہ آبادی کا صحیح تعین کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ کیلیفورنیا میں نسلی بنیادوں پر قائم مشہور مساجد نے مقامی مسلم آبادی کا تخمینہ کچھ تو سروے سے اور کچھ ٹیلی فون ڈائریکٹری میں مسلمان ''معلوم'' ہونے والے ناموں سے اور پھر دوسرے طریقوں سے بھی لگانے کی کوشش کی ہے لیکن اس کا کوئی مفید اور حتمی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ ایک بار ایک پرلطف واقعہ یہ پیش آیا کہ مسلمانوں کے بارے میں اسلامی مرکز کے ایک افسر نے ٹیلی فون پر اعداد وشمار حاصل کرنے کی کوشش کی تو اسے ہر سرکاری افسر نے ایک کے بعد دوسرے محکمے سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔ آخری نوبت یہ آئی کہ ایک سرکاری افسر نے، جسے یہ نہیں معلوم تھا کہ اس سے معلومات کون حاصل کر رہا ہے، اسے یہ مشورہ دیا کہ وہ کیلی فورنیا کے اسلامی مرکز سے رجوع کرے یعنی وہی جگہ جہاں سے معلومات حاصل کرنے کے لیے ٹیلی فون کیا گیا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی مرکز کے ترجمان، ماہر ہیتھاؤٹ (Maher Hathout)، نے تخمینہ لگایا ہے کہ اس علاقے میں پانچ لاکھ مسلمان رہتے ہیں۔ انسانی تعلقات کے بارے میں لاس اینجلس کے کاؤنٹی کمیشن نے اپنی ۱۹۹۱ء کی ایک رپورٹ میں مسلم آبادی کا تخمینہ دو لاکھ کا لگایا ہے۔[1] بہر حال ان کی مجموعی تعداد کچھ بھی ہو مسلم کی اصطلاح، جیسا کہ ان تخمینوں سے ظاہر ہوتا ہے، ایک اضافی اصطلاح ہے جو کسی شخص کے حقیقی مذہبی اعمال افعال سے زیادہ اس کے معاشرتی مذہبی ورثے کے حوالے سے استعمال کی جاتی ہے۔ اکثر محققین اس امر پر متفق ہیں کہ لاس اینجلس میں رہنے والے مسلمانوں کی محض ایک چھوٹی سی تعداد اپنے عقائد پر عمل پیرا اور مقامی مساجد کے سلسلے میں فعال ہے۔ آباد کار مسلمان گروہوں کی غالب اکثریت عرب، پاکستانی، ہندوستانی اور افریقی امریکیوں پر مشتمل ہے۔ اگرچہ ایرانیوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد یہاں موجود ہے، لیکن ان کی غالب اکثریت سیکولر ہے۔[2]

مساجد

لاس اینجلس کے علاقے میں سب سے بڑے اسلامی مراکز، اسلامک سینٹر آف سدرن کیلیفورنیا (I.C.S.C) یعنی ''جنوبی کیلی فورنیا کا اسلامی مرکز'' اور اسلامک سوسائٹی آف آرنج کاؤنٹی ہیں۔ ان دونوں کے فعال ممبروں کی تعداد لگ بھگ ایک ہزار ہے، لیکن مسلم معاشرے میں وسیع بنیادوں پر ان کے اثرات اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ آئی سی ایس سی کا اندازہ یہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی شکل میں دس ہزار مسلمان خاندانوں تک ''رسائی'' رکھتے ہیں۔

سب سے زیادہ فعال، بااثر اور مشہور ترین مسجد آئی سی ایس سی کی مسجد ہے۔ یہ ۱۹۶۱ء میں قائم ہوئی تھی اور اس کے بعد سے اب تک چودہ سال کے اندر ہالی ووڈ ہلز سے بوائل ہائٹس اور وہاں سے اپنی موجودہ جگہ پر منتقل ہوئی ہے۔ اب یہ ورمانٹ ایوینیو پر ایک بیمہ کمپنی کے نئے سرے سے تعمیر شدہ گودام میں واقع ہے۔ یہ مرکز شادی بیاہ، کفن دفن، اور مشاورت کے انتظامات کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں عبادت کا ہفتہ وار پروگرام، سماجی سرگرمیوں اور دوسری خدمات اور زکوٰۃ کی وصولی اور غریبوں میں اس کی تقسیم کا انتظام بھی ہوتا ہے۔ دو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمہ وقتی اسکول بھی چلائے جاتے ہیں۔ ایک مسجد میں قبل از اسکول تعلیم کا اور دوسرا پاساڈینا میں ابتدائی تعلیم کا۔ جز وقتی تعلیمی پروگراموں میں شہر کے پانچ مختلف مقامات پر عربی اور مذہبی تعلیم کے مرکز شامل ہیں۔

اس مسجد کا سب سے زیادہ امتیازی پہلو، اس کی وسیع المشرب سرگرمیاں ہیں۔ اگر ایک طرف یہ امریکا میں روحانی طور پر گمراہ مسلمانوں کی رہنمائی کرتی ہے تو دوسری جانب غیر مسلموں میں اسلام کے بارے میں پھیلے ہوئے منفی اور غلط معلومات اور رویوں کی اصلاح کرنا بھی اس کا مقصد ہے۔ یہ مرکز ہر سنیچر کی صبح آدھے گھنٹے کے ایک ٹیلی ویژن پروگرام کا انتظام کرتا ہے، غیر مسلم مذہبی رہنماؤں کو قومی اور بین الاقوامی امور پر اظہارِ خیال کرنے کے لیے مسجد میں کثیر المذہبی مباحثوں میں مدعو کرتا ہے اور گرجا گھروں، اسکولوں اور معاشرتی انجمنوں کی درخواستوں پر اسلام کے بارے میں گفتگو کرنے کے لیے مقرروں کا انتظام کرتا ہے۔ اسی مرکز جیسی ایک اور تنظیم مسلم پبلک افیئرس کونسل ہے (جو اب تو مرکز سے آزاد ہے لیکن ابتداء میں آئی سی ایس سی کے حصے کے طور پر وجود میں آئی تھی)۔ یہ کونسل پورے امریکا میں سیاسی سرگرمیاں چلاتی ہے۔ اس سلسلے میں یہ مقامی اور بین الاقوامی اداروں میں خطابات کا انتظام کرتی ہے، عوامی ذرائع ابلاغ میں اور کبھی کبھار سیاست دانوں تک بھی اپنی بات پہنچاتی ہے، اور امریکا میں مسلمانوں کو ان کے سیاسی حقوق کے بارے میں مشورے دیتی ہے۔

اتنا اونچا عوامی معیار قائم رکھنے کے لیے، آئی۔ سی۔ ایس۔ سی کو اپنی حیثیت دوسری مسجدوں سے، اور خاص طور پر چھوٹی مسجدوں سے، مختلف رکھنی پڑتی ہے۔ اسلام کے بارے میں وسیع بنیاد پر پھیلے ہوئے منفی تصورات کی وجہ سے اس کی کوشش ہوتی ہے، کہ وہ لوگوں کی کم سے کم توجہ کا مرکز بنے۔ جب کبھی بین الاقوامی کشیدگی کی فضا پیدا ہوتی ہے، تو لوگ اسلام کے لیے مقامی امریکی نفرت اور عناد کے اظہار کے لیے اس مرکز کو قربانی کا بکرا بنا لیتے ہیں، اُلٹے سیدھے ٹیلی فون کرنے لگتے ہیں، نفرت بھرے خطوط لکھتے ہیں اور کبھی کبھی بم کی دھمکی بھی دیتے ہیں۔ جب کبھی مقامی صحافیوں کو کسی بین الاقوامی واقعہ کے بارے میں اسلامی ردعمل معلوم کرنا ہوتا ہے، تو وہ اِسی اسلامی مرکز کے ترجمان سے انٹرویو کے خواستگار ہوتے ہیں۔ ایسے موقع پر بہت سے غیر مسلم لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں گویا یہ مرکز ساری مقامی مسلم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آبادی کی نمائندگی کر رہا ہو۔

بہر حال ایسا نہیں ہے کہ تمام مقامی مسلمان اسلامی مرکز اور اس کے پروگراموں میں شامل ہوتے ہوں۔ اور بالخصوص ایسے مسلمان تو قطعاً شامل نہیں ہوتے جن کے ذہنوں میں اپنے اپنے ملکوں کی روایات کے مطابق اسلام کے پروگراموں پر عمل کرنے کے لیے ایک عمدہ مسجد کا تصور موجود رہتا ہے۔ لاس اینجلس کے مرکز کی شہرت کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ اس کے رہنماؤں کے دعوے کے مطابق، مرکز امریکا کے مخصوص حالات سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے اسلامی رسوم میں معمولی تصرف تو کر لیتا ہے لیکن ان میں کوئی رود بدل نہیں کرتا۔ اس لحاظ سے، یہ امریکا کی ان چند مساجد میں شامل ہے جہاں امریکی پرچم لہرایا جاتا ہے۔ یہاں جمعہ کی نماز کی ''امامت'' سرکاری طور پر مقرر کردہ کوئی شخص نہیں کرتا بلکہ ماہر ہیتھاوٹ یعنی مرکز کے ڈائریکٹر ہی نماز پڑھاتے ہیں جو پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر ہیں۔ ممبروں کی تشویش یہ ہے کہ امام کی اصطلاح امریکا میں انقلابِ ایران کے پس منظر میں ایک منفی مفہوم کی حامل ہے، اور یہ کہ مصر یا سعودی عرب سے آئے ہوئے مذہبی رہنماؤں کی اکثریت بہت معمولی انگریزی جانتی ہے اور انھیں امریکا میں مسلمانوں کو درپیش پیچیدہ مسائل کا صحیح ادراک نہیں ہوتا۔ مزید برآں، آئی سی ایس سی میں عورتوں کو عبادت کے لیے الگ کمروں میں نہیں بٹھایا جاتا، اگرچہ عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مردوں کے پیچھے اپنی صفیں بنائیں اور مسجد کے اندر اپنا سر ڈھانپنے کے لیے کوئی نہ کوئی کپڑا اوڑھیں، لیکن مرکز کے افسر اُن پر سخت پردے کو بطور قانون نافذ نہیں کرتے۔

اِس مرکز سے چالیس میل دور گارڈن گرو میں جو دوسری بڑی تنظیم اسلامک سوسائٹی آف آرنج کاؤنٹی ہے، اُس کی مسجد میں بعض اوقات نمازِ جمعہ میں پندرہ سو سے زیادہ مسلمان شرکت کرتے ہیں۔ ۲۵ سال پہلے قائم ہونے والی اِس سوسائٹی نے ریاست کے سب سے بڑے اسکولوں میں سے ایک اسکول قائم کیا ہے، جس میں آٹھویں گریڈ سے ۳۵۰ ہمہ وقتی طلبا تعلیم پاتے ہیں۔ سوسائٹی اپنا ایک ماہنامہ رسالہ بھی شائع کرتی ہے اور ہر اختتامِ ہفتہ پر ریڈیو پروگرام بھی چلاتی ہے۔ لاس اینجلس اور گارڈن گرو کی ان دو بڑی اسلامی تنظیموں کے علاوہ دوسرے چھوٹے اسلامی مرکز نے اسلام کے بعض زیادہ عملی نوعیت کے مسائل پر، اتفاق

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں کیا۔ مثال کے طور پر حال ہی میں ان دو مساجد نے رمضان کا مہینہ گزرنے کے بعد عید کا چاند نکلنے کی تاریخ پر ایک دوسرے سے اتفاق نہیں کیا۔ لاس اینجلس کے مرکز نے ایک تاریخ کا اعلان کیا اور گارڈن گروو کی مسجد نے دوسری تاریخ کا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے ممبروں نے ایک روزہ اور رکھا۔ چونکہ رمضان روایتاً نیا چاند نمودار ہونے کے بعد ختم ہوتا ہے لہٰذا امریکا میں رہنے والے مسلمانوں کے درمیان اس قسم کا انتشار اور تنازعہ پیدا کیا جا سکتا ہے کہ آیا نئے چاند کو امریکا میں، آنکھوں سے دیکھنا ضروری ہے یا سعودی عرب اور اپنے قدیم وطن میں رویتِ ہلال کو مانا جائے، یا اس کے برعکس سائنسی آلات کے ذریعے طے شدہ وقت کے مطابق اسے تسلیم کیا جا سکتا ہے جس کا تعین مہینوں پہلے سے علم ہیئت کے ذریعہ کرلیا جاتا ہے۔ جہاں تک گارڈن گرو سوسائٹی کا تعلق ہے، تو ان کی قیادت اس وقت تک انتظار کرتی ہے جب تک چاند خود ان کے یہاں نظر نہ آ جائے۔

جنوبی کیلیفورنیا کے اسلامی مرکز کی ایک حالیہ فہرست میں اکتیس مقامی اسلامی مرکزوں، مسجدوں اور تنظیموں کے نام درج ہیں جن سے خط و کتابت کی جاتی ہے۔ آرنج کاؤنٹی سوسائٹی کی فہرستِ مُراسلت میں ایسے بیالیس نام ہیں۔ بعض مساجد ایسی ہیں جن کا دونوں میں سے کسی جگہ اندراج نہیں ہے۔ بہت چھوٹے یا ابتدائی اسلامی مراکز میں صورت حال تیزی کے ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہے، یعنی کبھی ان مراکز یا مسجد کی پٹے داری ختم ہو جاتی ہے اور کبھی نماز کے اجتماع میں شریک ہونے والوں کی تعداد میں نمایاں تبدیلی ہو جاتی ہے (اس کا انحصار خاص طور سے ان طلباء پر ہوتا ہے جو اپنے وطن کو واپس چلے جاتے ہیں)۔ عظیم تر لاس اینجلس کے علاقے میں مقامی امام اور رہنما مسجدوں کی موجودہ تعداد کا تخمینہ تیس اور چالیس کے درمیان کرتے ہیں، تاہم دو افراد ایسے بھی ہیں جن کے خیال میں یہ تعداد پچاس سے زیادہ ہے۔[۳] بلاشبہ تعداد کی زیادتی کا انحصار لفظ مسجد کی وسیع تر تفہیم پر بھی ہے، جس کے مطابق نماز کے لیے مخصوص کسی بھی جگہ کو مسجد کہہ دیا جاتا ہے، درجن بھر سے زیادہ مسجدیں وہ ہیں جو اپنے رہنماؤں کو معاشرتی مسائل پر بحث مباحثے کے لیے مختلف تقریبات اور عشائیہ کے لیکچروں وغیرہ میں بھیجتی رہتی ہیں۔

سود کے لین دین کے خلاف اسلامی احکام کی وجہ سے بہت سی مسجدوں نے سود سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بچنے کے لیے عجیب عجیب طریقے وضع کر رکھے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک اسلامی مرکز نے اس مسئلے کا حل یہ تلاش کیا کہ اس کے ایک دولت مند ممبر نے نقد قیمت پر عمارت خرید کر مرکز کو دے دی اور اس کی بلا سود واپسی مسجد کے شرکاء کے چندوں سے ہوتی رہی۔ دوسرے مراکز کی حتمی رائے یہ ہے کہ امریکی معاشرے میں سودی لین دین جائز ہے، اور اس کی اجازت ہونی چاہیے۔

لاس اینجلس کی اکثر مسجدیں سُنی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتی ہیں، تاہم یہاں کی سات مسجدوں کا تعلق اثنا عشری شیعوں سے ہے (جن میں اروائن میں قائم سات امامیہ (sevener) اسماعیلیوں کی ایک مسجد شامل نہیں ہے)۔ یہ مسجدیں بیل، کڈیہی، پیکور یورا، پومونا، ساؤتھ گیٹ، وائس اور لاس اینجلس کے شہروں یا علاقوں میں قائم ہیں۔ بعض مسجدیں جن کا دعویٰ یہ ہے، کہ وہ سنی شیعہ اختلافات سے بالاتر ہیں ان کا شمار بھی عام طور سے سنی مساجد میں کیا جاتا ہے، جس کی وجہ اور کوئی نہ سہی تو یہ ضرور ہے وہاں شیعہ عقائد کے مطابق (مجالس وغیرہ کے) اجتماعات نہیں ہوتے۔ بعض گروہ جو مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں وہ ہیں جنھیں دوسرے لوگ مسلمان نہیں سمجھتے، لہٰذا انھیں مسجدوں کے عمومی سلسلے میں شامل نہیں کیا جاتا۔ لاس اینجلس میں نیشن آف اسلام اور چینو میں تنظیم احمدیہ اس قسم کے گروہوں کی مثالیں ہیں۔ اس کے علاوہ صوفی تنظیمیں بھی ہیں، جن میں ایرانی آبادکاروں کی برادری میں مذکورہ نوعیت کے تین مراکز شامل ہیں۔ مسلم طلباء کے گروہ، مختلف النوع مقامی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مذہبی پروگراموں کے لیے جمع ہوتے رہتے ہیں۔

باہمی اختلافات

مقامی مسلمانوں کے مضبوط اتحاد کے خواب کی تکمیل میں جو مختلف عناصر مزاحم ہیں ان میں مسلمان خاندانوں کے درمیان ثقافتی، سیاسی اور مذہبی اختلافات اور آبادگار مسلمانوں اور افریقی امریکی مسلمانوں کے درمیان فرق شامل ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمان خاندان پر دباؤ

غیر مسلم ماحول میں مسلمان بچے اپنے ہم عمر بچوں کا بطور خاص ہدف بنتے ہیں۔ عورتیں بھی امریکی دباؤ میں محصور ہیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ آزاد اور خود مختار ہوجائیں۔ مردوں کے روایتی باپ والے اقتدار کے نظام کو مسلسل خطروں کا سامنا ہے۔

دوسرے ملکوں سے آئی ہوئی بہت سی عورتوں (خصوصاً تیسری دنیا کی مسلم اور غیر مسلم عورتوں) کے لیے، یہاں امریکا میں ایک بالکل دوسرے قسم کی عورتوں کے ایسے غیر مذہبی معیارات کو رد کرنا ضروری ہے جو اصل ذاتی آزادی اور خود مختاری اور ہیجان انگیز جنسی ترغیب کو اہمیت دیتے ہیں اور اِس کے لیے قوت اور ہمت کی ضرورت ہے۔ اس ملک میں طلاق کی صورت میں روایتی مسلمان خواتین خود کو غیر مانوس کردار میں پاتی ہیں، جس میں انہیں خاندان کی کفالت کا بار خود اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر وہ عورت اپنا سر ڈھانپنے کے لیے دوپٹہ وغیرہ استعمال کرتی ہے، تو ایک غیر مسلم ماحول میں ملازمت تلاش کرنا دشوار ہوسکتا ہے۔ دوسرے حالات میں، اگر معاشی مجبوری کے تحت عورت سے معاشی طور پر خاندان کی کفالت کے لیے کہا جاتا ہے تو اس کے نتیجے میں روایتی مسلم خاندانوں میں بڑی کشمکش پیدا ہوسکتی ہے۔ یہ صورت حال سربراہ خاندان کی حیثیت سے ان مردوں کے اقتدار کو مجروح کرنے کا باعث بنتی ہے جنھیں کسی وجہ سے ملازمت حاصل کرنے میں دشواری ہورہی ہو۔

زیادہ تر نوآبادکار مسلمان اپنے ملکوں میں بہت مربوط خاندانوں کا حصہ تھے، اور وہاں پدرسری خاندان کی روایتی حدود کے اندر فرد کے کردار اور اس سے قائم توقعات کا علم لوگوں کو بڑے واضح طور پر ہوتا تھا۔ ان مسلمانوں کو، جنھوں نے اپنی ابتدائی زندگی پاکستان، ایران، فلسطین، ملائشیا اور دوسرے مسلم ملکوں میں گزاری ہے، اس قسم کے روایتی کردار کی توقع اپنے بچوں کی طرف سے ہوتی ہے۔ جو لوگ امریکا کے ماحول میں پلے بڑھے ہیں اور یہاں کی لادینی قدروں کا ہدف رہے ہیں ان کے لیے پرانی اور نئی ثقافتوں کے درمیان دباؤ میں توازن برقرار رکھنا انتہائی دشوار ہوسکتا ہے۔

ایک امریکی نومسلم نے ایک بار کہا ”(نوآبادکار ہندوستانیوں اور پاکستانیوں کے) بچے گھروں سے باہر امریکی لباس میں ہوتے ہیں جبکہ گھر میں پہنچتے ہی وہ کرتا پائجامہ کا روایتی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لباس پہن لیتے ہیں۔ پھر وہ پاکستانی قورمہ کھاتے ہیں اور ان کے والدین سمجھتے ہیں کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کے بچے جب گھر سے باہر جاتے ہیں تو وہ ہر لحاظ سے امریکی ہو جاتے ہیں۔'' بچوں اور ان کے والدین کے درمیان تعلقات زیادہ سنگین ہو سکتے ہیں، خاص طور سے ان بچوں کے ساتھ جو عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ زیادہ آزاد ہوتے جاتے ہیں اور قدیم دنیا کے طور طریقوں سے باغی ہو جاتے ہیں۔ لاس اینجلس سے تین گھنٹے کے فاصلے پر شمال میں ایک چھوٹے قصبے میں ایک واقعہ کو بڑی شہرت ملی تھی جس میں ایک یمنی آبادکار نے اپنی بہن کو گولی ماردی تھی کیونکہ اس نے اپنے باپ کے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا تھا کہ وہ امریکی نوجوانوں کی مخصوص سرگرمیوں اور خصوصاً صنف مخالف سے آزادانہ ملاقاتوں سے اجتناب کرے۔ اگرچہ یہ ایک بڑی متشدد مثال تھی لیکن بہت سے یمنی، جو اس واقعے سے واقف تھے، اس قتل کو غلط کہنے کے لیے تیار نہ تھے۔

اختلاف کا ایک مشترک نکتہ یہ ہے کہ بہت سے آبادکار مسلمان والدین اس بات پر اصرار کرتے ہیں ان کے بچے نہ صرف اپنے کسی ہم عقیدہ سے شادی کریں، بلکہ کسی ایسے سے کریں جس کا اصل تعلق انھیں کے قدیم ملک سے ہو۔ اپنے والدین کے ملکوں سے طویل جدائی اور بہت سی مقامی مساجد کی جانب سے لڑکے لڑکیوں کے علیحدہ رہنے پر اصرار کی وجہ سے بعض نوجوان اپنے آپ کو بڑی مشکل صورت حال میں گرفتار پاتے ہیں۔

داؤد عبداللہ ایک امریکی نومسلم اور لومیٹا میں ساؤتھ بے کے اسلامی مرکز کے صدر ہیں۔ انھیں متعدد نوآبادکار مسلمانوں کے اس قسم کے جھگڑوں میں تصفیہ کرانے کی دعوت دی گئی ہے۔ داؤد عبداللہ نے یہ محسوس کیا ہے کہ اکثر نوآبادکار بچے اپنے اسکول اور روز مرہ کی سرگرمیوں کا سارا وقت مختلف پس منظر کے حامل غیر مسلم امریکیوں سے گھل مل کر گزارتے ہیں۔ اب اگر مسلمان مردوں اور عورتوں کو مسجدوں میں باضابطہ طور پر اپنی زندگی کے ہونے والے یا ہونے والی ساتھی سے الگ رکھا جاتا ہے تو پھر اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ بہت سے مسلمان بچے غیر مسلموں سے وابستہ ہو جاتے ہیں اور اپنے مذہب سے باہر شادی کے خواہش مند ہوتے ہیں؟

گزشتہ سال شادی کے سلسلے میں بچوں اور والدین کے اختلافات کے تین واقعات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

داؤد عبداللہ کے پاس لائے گئے۔ ایک معاملے میں ایک مقامی ماہر نفسیات نے اپنے ایک مسلم مریض کے حوالے سے ایک مسجد سے یہ استفسار کیا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ کوئی مسلمان عورت کسی حال میں کسی غیر مسلم مرد سے شادی نہیں کر سکتی جیسا کہ اس عورت کا باپ اصرار کے ساتھ کہہ رہا ہے؟ عبداللہ نے کہا کہ ہاں یہ جائز نہیں لیکن ساتھ ہی اس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس کا آسان حل یہ ہے کہ اس نوجوان عورت کا پسندیدہ امریکی مرد اپنی مرضی سے مسلمان ہو جائے۔ جب لڑکی کے باپ کو اس فیصلے سے آگاہ کیا گیا تو اس نے اسے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ یا تو لڑکی کسی مسلمان سے شادی کرے بلکہ والدین ہی کی طرح کے کسی افغان مسلمان سے شادی کرے یا بصورت دیگر وہ اپنے خاندان سے ہمیشہ کے لیے قطع تعلق کر لے۔

اس قسم کے مسائل کے پیشِ نظر بعض مسجدوں نے ایسے پروگرام وضع کئے ہیں جن میں مسلمان لڑکے اور لڑکیاں کسی معمر شادی شدہ خاتون کی نگرانی میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر سین جرائیل ویلی، کے اسلامی مرکز میں ابتدائی کارروائیوں کے طور پر ایک فارم بھرنا پڑتا ہے جس میں اپنے ہونے والے شریکِ حیات کی خصوصیات اور خصائص درج کیے جاتے ہیں۔

ثقافتی انتشار

تمام دنیا سے آئے ہوئے مسلمان اپنی مذہبی معاشرتی رسوم پر نئے سرے سے غور کر رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ حقیقی اسلامی احکام کو اُن ثقافتی روایات اور اُن کے اظہار سے الگ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جن کا تعلق اُن کے آبائی وطن سے تھا۔ لیکن بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو ان ثقافتی اختلافات کو صحیح اسلامی قدریں سمجھ کر اُن کو اپنی زندگی میں پوری طرح رچائے بسائے ہوئے ہیں۔

ایک مقامی امریکی نومسلم خاتون نے جس کی شادی ایک پاکستانی نژاد امریکی سے ہوئی ہے ایک بار کہا ”بچے اپنے والدین سے باتیں بہت جلدی سیکھ لیتے ہیں۔ میری نند کی ایک بچی جس کی عمر چار سال ہے ایک روز میرے پاس آ کر کہنے لگی ’آنٹی اگر آپ اردو کا ایک لفظ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہر روز سیکھ لیں تو بہت جلدی آپ مسلمان ہو جائیں گی۔' گویا اس بچی نے ثقافت کے ایک پہلو کو اسلام سے وابستہ کر دیا تھا۔ میں سمجھتی ہوں کہ بہت سے بالغ لوگ بھی اسی انداز میں سوچتے ہیں۔'' خود ان امریکی نومسلم خاتون کی اپنی بچی کے معاملے میں بھی کچھ ایسا ہی اختلاف نمودار ہوا۔ ان کے شوہر کا خیال تھا کہ دوسرے پاکستانیوں کی طرح ان کی بچی کے بال بھی شروع میں تین چار بار منڈوا دیئے جائیں پھر اس کے بعد اسے بڑھنے دیا جائے۔ امریکی بیوی نے سوال کیا کہ قرآن میں یہ حکم کہاں درج ہے؟

عملی قسم کے مقامی (بالخصوص امریکی) مسلمانوں کو لاس اینجلس میں مسلمانوں کے اس رجحان کے خلاف عام شکایت ہے کہ وہ اپنے ثقافتی، نسلی اور لسانی خطوط پر آپس میں ایک جتھا یا گروہ بنا لیتے ہیں اور واضح طور پر اپنی ان امتیازی خصوصیات کو اسلام کے متحد کرنے والے عقائد سے زیادہ اہمیت دینے لگتے ہیں۔ امریکی نومسلموں کو اسلام میں اکثر ایک مضبوط، فعال، نظریاتی اور انسان دوستی کے عقیدے کی کشش محسوس ہوتی ہے۔ اس کے برعکس امریکا میں آباد ہو جانے والے مسلمان اپنے عقیدے کے معاملے میں اکثر بڑے غیر متحرک، تنگ نظر اور کاہل ہوتے ہیں۔

اگرچہ اسلامی مراکز کی تعریف ہی یہ ہے کہ، اس کے دروازے تمام مسلمانوں کے لیے کھلے ہوں لیکن ان کے چھوٹے گروہوں میں یہ رجحان عام ہے کہ بڑی اور مختلف النوع مساجد سے الگ ہو کر اپنی مخصوص نسلی جماعت بنا لیں تاکہ وہ اس طرح اپنی مخصوص ثقافتی تعبیر، اپنے لباس، اپنی زبان میں وعظ، سماجی تقریبات میں اپنے ملک کے کھانے اور اپنے مخصوص روحانی عملیات کے مطابق سمجھ میں آنے والے اسلام کو محفوظ رکھ سکیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو بہت سی مساجد ایسی نظر آئیں گی جو ظاہری طور پر تو ایسی تنگ نظری کو مسترد کرتی ہیں بلکہ اپنی انتظامی مجلس میں مختلف پس منظر کے حامل ایک دو افراد کو بطور ممبر نامزد بھی کرتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی نسلی تشخص پر قائم اور اس کے گرد گھومتی نظر آتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک مصری نے ایک مسجد کو چھوڑنے کا فیصلہ صرف اس لیے کیا کہ وہ یہ محسوس کرتا تھا کہ اس مسجد پر سعودی قابض ہیں، لہٰذا مذہبی طور پر وہ بڑی قدامت پسند ہے۔ اس کے بعد اس نے دوسری مسجد میں جانا شروع کیا لیکن وہاں بھی اسے یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ وہاں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فلسطینی سیاست کا غلبہ تھا۔ ایک اور بڑی مسجد میں اسے عربوں اور پاک و ہند کے لوگوں کے ثقافتی امتیازات نظر آئے۔

مسلمان بچے باریک بنے ہوئے ثقافتی جالوں کی گرفت میں آ سکتے ہیں، جہاں وہ اس کیفیت میں ہوں جیسے انھیں مختلف سمتوں میں کھینچا جا رہا ہو۔ آرنج کاؤنٹی کی اسلامک سوسائٹی کے ہمہ وقتی آرنج کریسنٹ اسکول میں بھی چھوٹے بچوں کو باہم متضاد کرداروں کا سامنا ہو سکتا ہے۔ ایک طرف غیر مسلم اساتذہ انھیں سائنس، ریاضی اور انگریزی پڑھاتے ہیں تو دوسری طرف انھیں عربی اور دینیات مسلم اساتذہ پڑھاتے ہیں۔

خود مسلم معاشرے کے متضاد کردار بچوں کے لیے پریشان کن ہو سکتے ہیں۔ ایک مقامی ایرانی خاتون جو اپنے ملک کی اسلامی جمہوریہ کی حامی ہیں ایک روز کہنے لگیں ''میری بیٹی اکثر مجھ سے پوچھتی ہے کہ دوسری مسلم خواتین حجاب کیوں نہیں استعمال کرتیں؟''

> ''اس کے ذہن میں یہ سوال ہے اور یہ بڑا اہم سوال ہے۔ وہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے درمیان فرق کو سمجھتی ہے۔ وہ یہ جانتی ہے کہ یہودی اور عیسائی حجاب استعمال نہیں کرتے لیکن مسلمان ایسا کرتے ہیں لیکن اس کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ بہت سی مسلمان عورتیں حجاب استعمال کیوں نہیں کرتیں؟ یہ بات اس کے ذہن میں مستقل گردش کرتی رہتی ہے لہٰذا میں اسے ایران لے جانے والی ہوں تاکہ وہ اسلام کے بارے میں کچھ زیادہ جان سکے .... لیکن، ہاں! یہ بات بھی ہے کہ اس کے معاملے میں مجھے ایک اور دشواری ہے۔ وہ کہتی ہے 'ممی! جب میں نو سال کی ہو جاؤں گی تو میں حجاب نہیں پہن سکتی (یہ وہ عمر ہوگی جب اس کی ماں کی خواہش ہوگی کہ وہ حجاب استعمال کرے) میں اسکول کیسے جاؤں گی؟ بچے میرا مذاق اڑائیں گے۔'''

سیاسی انتشار

گہرے سیاسی اختلافات نے بہت سے مقامی مسلمانوں کو الگ کر دیا ہے۔ ان اختلافات میں صدیوں پرانی سنی شیعہ فرقہ بندی سے لے کر ایرانی طرز، سعودی اثرات کے تحت بین العرب قوم پرستی یا ایسی ہی دوسری بنیادوں سے وفاداری اور ان سے اپنی اپنی پہچان پر مشتمل اختلافات شامل ہیں۔ مثال کے طور پر عربوں سے یمنیوں کی شدید خصومت کا سبب،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مبینہ طور پر، سعودی عرب میں عارضی طور پر مقیم یمنیوں کے ساتھ ناروا سلوک اور ان دونوں پڑوسی ممالک کے درمیان تکلیف دہ سرحدی تنازع ہیں۔ اسی طرح مقامی ایرانی معاشرے میں، جو شدید قسم کی گروہ بندی کا شکار ہے، خمینی کے حامی مسلمانوں اور متعدد ایرانی آزاد خیالوں (secularists) کے درمیان اختلاف کے واقعات بہت عام ہیں۔

۱۹۸۷ء میں حج کے موقع پر فساد کی وجہ سے سعودی عمال کے ہاتھوں چار سو افراد کے قتل ہو جانے کے بعد ویسٹ ووڈ میں سعودی سفارت خانے کے سامنے ایرانی اثرات کے تحت شیعہ ہر سال مجلس منعقد کر کے مظاہرے کرتے رہے۔ ایرانی انقلاب کے نتیجے میں مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کے متعدد ایرانی ممبروں نے الگ ہو کر فارسی بولنے والے گروہ کی مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن بنالی۔ اسی طرح عراقیوں کی مقامی (امریکی) برادری میں اس بنا پر باہمی شبہات پائے جاتے ہیں کہ یہاں مختلف طبقوں میں صدام حسین کے ایجنٹ داخل کر دیے گئے ہیں۔ انتہا یہ کہ مسجدیں بھی سیاسی شک وشبہات کا شکار ہو سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر کئی سال پہلے ایک افواہ بڑی گرم ہوئی تھی کہ جنوبی کیلی فورنیا کے اسلامی مرکز کے چند قائدین ایک خفیہ جماعت کے ممبر ہیں۔

ان پیش تخمینوں اور اندازوں کے باوجود کہ مسلمان امریکا میں بہت جلد دوسری بڑی مذہبی برادری بن جائیں گے، یہ لوگ اب تک اپنی تعداد کے مطابق سیاسی طور پر مؤثر قوت بننے کے لیے متحد ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اگر امریکا کی صیہونی تنظیموں سے موازنہ کیا جائے تو مسلمان بحیثیت ایک سیاسی قوت کے یہاں اثر انداز ہوتے ہوئے نظر نہیں آتے۔

بین الاقوامی مسلم دنیا میں ایک انتہائی حساس زیریں رو (under current) سعودی عرب کا اثر ہے۔ یہ رجحان، زیادہ خصوصیت کے ساتھ سعودی شہنشاہیت کی بے پناہ دولت، ان کے ذاتی مفادات، ان کی استبدادی حکومت اور ان کے کٹر قدامت پسندانہ فرقے یعنی وہابیت کے مطابق اسلامی عقائد کی تشریح کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ (ایک مقامی افریقی امریکی امام نے، جس نے اسلام کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے سعودی عرب میں چھ سال گزارے تھے، اپنی آنکھوں سے مقامی مسجد کے سامنے ایک میدان میں عوام الناس کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سامنے چالیس آدمیوں کے سر کٹتے ہوئے، سنگ ساری کے ذریعے ایک شخص کو قتل ہوتے، بندوق بردار گروہوں کے سامنے کھڑی متعدد عورتوں کو گولی کا نشانہ بنتے اور بہت سے ہاتھ کٹتے ہوئے دیکھے۔)*

مقامی طور پر، ایسی بین الاقوامی کش مکش کے اثرات کی جھلک بلاواسطہ مسجد کے نظام میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اگرچہ گزشتہ کئی سال سے سعودی حکومت نے یہ پالیسی وضع کر رکھی ہے کہ اپنے زیادہ تر طلباء کو اپنے ہی ملک کی یونیورسٹیوں میں تعلیم دیتے ہیں تاہم لاس اینجلس (اور امریکا کے دوسرے شہروں) کی مسجدوں اور اسلامی تنظیموں کو، سعودی اداروں اور افراد سے مختلف مقدار میں مالی مدد ملی ہے۔ سعودیوں کی نیت کچھ بھی ہو بہت سے مسلمان اس فراخدلانہ امداد کو بنیادی طور پر سیاسی سمجھتے ہیں۔ اگرچہ کسی بھی مسجد کے منتظمین کھلم کھلا سعودی اثرات کا اعتراف نہیں کرتے، لیکن عام لوگوں کے تاثرات یہی ہیں کہ ''سعودی عطیات کے ساتھ شرائط یقیناً وابستہ ہیں''۔ اس سلسلے میں عام طور سے یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ جب سعودی امریکا میں اسلامی تنظیموں کی مالی مدد کرتے ہیں تو وہ یا تو ان پر براہ راست اپنا کنٹرول نافذ کرتے ہیں یا تنظیم کی قیادت میں اپنے وفادار افراد کو شامل کر دیتے ہیں۔ ایک بار ایک مسلمہ اور منتخب مذہبی رہنما کو مبینہ طور پر سعودی اثر کی وجہ سے اس کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا۔ متعدد مقامی مسجدوں پر اس الزام کی چھاپ نظر آتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک ممتاز امام کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ وہ براہ راست سعودی مربیوں کی ملازمت میں ہیں۔ یہ الزام صحیح ہو یا غلط، بہرحال ان امام صاحب کی شہرت مقامی مسلم برادری میں ان سے بھی پہلے پہنچ جاتی ہے۔

ایسے ہی ایک دوسرے معاملے میں ناراض افراد کا ایک گروہ ایک مقامی مسجد سے اس لیے علیحدہ ہو گیا، کہ وہ اسے سعودی سفارت خانے سے قریبی طور پر وابستہ سمجھتا تھا (جس کا ثبوت بعض لوگوں کو مسجد میں سعودی حکومت کے اس پروپیگنڈا سے ملا جو خلیج فارس کی جنگ کی

* ان سزاؤں اور تعزیرات کا تعلق وہابیت سے نہیں بلکہ اسلامی اور قرآنی حدود سے ہے، اور ان پر سارے اسلامی فرقے متفق ہیں، اور مسلمان یہ ایمان رکھتے ہیں کہ ان شدید سزاؤں کی وجہ سے سعودی عرب میں جرائم کی شرح بہت کم ہے۔ ان سزاؤں کو سخت کہنے والے بے خطا اسلامی قانونِ شہادت سے واقف نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیاری کے سلسلے میں کیا جا رہا تھا) یہ ناراض ارکان مرکز سے علیحدہ ہونے کے بعد وہاں سے صرف ایک میل کے فاصلے پر خود اپنا اسلامی مرکز چلانے لگے۔ ایک دوسری اسلامی تنظیم کا منتخب صدر سعودی سفارت خانے سے ایک خط وصول کر کے سخت برہم ہوا جس میں اس سے انتہائی گھٹیا انداز میں مسجد کی مجلسِ منتظمہ کے تمام ممبروں کے رہائشی پتے اور فون نمبر فراہم کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔

خلیج فارس کی جنگ کے دوران زیادہ تر مقامی مسلمان کویت پر صدام کے حملے کے خلاف تھے، لیکن وہ امریکا کی رہنمائی میں عراق پر کسی امکانی حملے کے بھی خلاف تھے۔ بہت سے لوگ سعودی عرب میں امریکی فوج کی موجودگی سے بھی خائف تھے۔ بہت سے مسلمانوں نے امن کے لیے کام کرنے والے غیر مسلموں سے ملاقاتیں شروع کر دیں اور احتجاجی مظاہروں میں شریک ہوئے جہاں تک مقامی اسلامی معاشرے کا تعلق ہے امن کے لیے کام کرنے والے مسلمانوں کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی کہ وہ امکانی جنگ کے خلاف مسجدوں کو ایک متحدہ موقف اختیار کرنے پر آمادہ کر سکیں۔ بہت سے مسلمان کارکنوں کے خیال میں اس کا مرکزی سبب ان مسلم قائدین کی ہچکچاہٹ تھی جو معاشی لحاظ سے سعودیوں کے زیر بار احسان ہونے کی وجہ سے ایسا واضح اور کھلم کھلا موقف اختیار کرنے کے قابل نہیں تھے۔

گزشتہ کئی برسوں کے دوران ہر سعودی تنظیم نے اماموں کی قومی کانفرنسیں اور اجتماعات بھی منعقد کیے ہیں، جن میں سے لاس اینجلس میں منعقد ہونے والے ایک اجتماع میں منتظمین اور ان شیعوں کے درمیان ہاتھا پائی کی نوبت آ گئی جو اس لیے احتجاج کر رہے تھے کہ ان کے خیال میں ان کے عقیدے کو بالکل اہمیت نہیں دی جا رہی تھی۔ ایک مسجد میں ایک مصری کارکن کو مسجد کے منتظمین نے اس وقت پکڑ لیا جب وہ نماز جمعہ کے بعد ایک پمفلٹ تقسیم کر رہا تھا جس میں سعودی حکومت پر خود اپنے ہی شہریوں کے ساتھ اذیت ناک سلوک کرنے کا الزام لگایا گیا تھا۔

کئی سال گزرے، علمی دنیا میں، ایک باوقار مقامی یونیورسٹی کو اس وقت رسوائی کا خطرہ درپیش ہو گیا جب اس یونیورسٹی میں نیر ایسٹرن اسٹڈیز سینٹر کے پروگرام نافذ کرنے کے سلسلے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سعودی مربیوں نے اس شعبے میں کی جانے والی تقریروں کے سلسلے میں نامناسب دباؤ ڈالنے کی کوشش کی۔ ایک اور نازک موقع پر، مقامی جلاوطن ایرانیوں کی جماعت جو ایران کی اسلامی جمہوریہ کی مخالف تھی انھیں شرائط کے تحت ایک یونیورسٹی کی مالی مدد کرنا چاہتی تھی۔

مقامی مسلم اداروں کے پیچھے مالی سیاست کا کھیل غیر معمولی افتراق و انتشار کا سبب بن سکتا ہے۔ لاس اینجلس کے ایک بہت بڑے اسلامی اسکول کے صدر کا یہ دعویٰ ہے کہ اس اسکول کے کنٹرول پر اپنا تسلط جمانے کے لیے گزشتہ بیس سال سے کئی بار سعودی عرب، کویت اور عراق نے ان کی خود مختار تنظیم کی مکمل یا جزئی مالی مدد کی پیش کش کی ہے۔ لیبیا کے سفارت خانے نے، اسکول کے لیے ایک لیبیائی اسلامی تنظیم کی جانب سے ایک لاکھ ڈالر کا چیک جاری کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ اسکول کے منتظم اصولی بنیادوں پر ایسی کسی دستاویز پر دستخط کرنے پر آمادہ نہ ہوئے جس میں اس بات کی ضمانت دی گئی ہو کہ اسکول کبھی لیبیائی حکومت پر تنقید نہیں کرے گا۔ ایرانی تاجروں کے ایک گروہ نے اس اسکول کے صدر کو دس لاکھ ڈالر کی پیش کش کی اگر وہ خفیہ طور پر ان کے سامنے اس بات کا اقرار کر لے کہ وہ شیعہ ہے (حالانکہ وہ نہیں تھا)۔

حالیہ برسوں میں افریقی امریکی مسلمان برادری کی انتہائی کمزور مالی حالت میں سعودی عرب کے مُخیر لوگوں نے خاص طور پر بڑی دلچسپی لی۔ عالمی بنیادوں پر مسلمانوں کے لیے سعودی عرب میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے وظائف جاری کیے جاتے ہیں۔ مکہ میں حج کی ادائیگی کے لیے (زیادہ تر) افریقی امریکی مسلمانوں کو ہوائی جہاز سے آمد و رفت کے لیے تین سو ٹکٹوں کا اہتمام کیا گیا۔ لیکن پھر یہ پروگرام خود افریقی امریکی مسلمانوں کی درخواست پر ختم کر دیا گیا، جنھوں نے محسوس کیا کہ زندگی میں ایک بار ادا کیا جانے والا یہ فریضہ مفت نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس میں اپنی ذاتی محنت سے حاصل کی گئی رقم صرف ہونی چاہیے۔ لاس اینجلس میں افریقی امریکی نسل کے (اب راسخ العقیدہ) مسلمانوں کی مسجد بلال کی جگہ ایک نئی مسجد تعمیر کرنے کے لیے شاہ فہد نے ستّر سے اسّی لاکھ ڈالر کے عطیے کا وعدہ کیا۔ اس کا منصوبہ ریاض کے ایک ماہرِ تعمیر نے بنا دیا ہے۔ مسجد بلال کے قائدین اس افواہ سے چوکنے ہو گئے کہ مسجد کی بنیاد رکھتے وقت جو تقریب ہو گی اس میں اگر سعودی سفارت خانے کے کسی افسر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے تقریر کی تو شیعہ اس کے خلاف مظاہرہ کریں گے۔ بہرحال ایسا کوئی مظاہرہ نہیں ہوا۔

جہاں تک افریقی امریکی قائدین کا تعلق ہے، تو یوں تو اپنی مذہبی اور تعلیمی تنظیموں میں کسی بھی خفیہ نوعیت کے غیر ملکی اثرات کا نام سنتے ہی وہ مشتعل ہو جاتے ہیں لیکن سعودی ہدایا اور تحائف کو وہ بلا جھجک یہ سوچ کر قبول کر لیتے ہیں کہ تیل سے حاصل ہونے والی خطیر مسلم دولت سے اپنی مفلس برادری کے لیے ایک معمولی سا حصہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بہرحال، لاس اینجلس میں افریقی امریکی برادری کی معمولی نوعیت کی مساجد دیکھنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ، جس مالی امداد کا بڑا شہرہ رہا ہے وہ کوئی بہت بھاری بھرکم نہیں رہی ہوگی۔ یہ بات طے ہے کہ یہ امداد افریقی امریکی برادری میں دور دور تک نہیں پہنچی ہے۔

مذہبی انتشار

قرآنی احکام کی تشریح و تفسیر امریکا میں کئی انداز میں کی جاتی ہے۔ وہ خواتین جو مسجدوں میں سر ڈھانپ کر جاتی ہیں، اُن کی قرآنی تعبیر و تفسیر اُن خواتین سے مختلف ہے جو سر ڈھانپے بغیر مسجد میں حاضری دیتی ہیں۔ سنی شیعہ اختلاف تو مذہبی اور سیاسی دونوں نوعیتوں سے نمایاں ہے۔

مذہبی اتحاد میں مختلف النوع ثقافتی طریقے بھی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ ایک افریقی امریکی مسلم لیڈر، ایک پاکستانی دوست سے کمیونٹی کالج میں نماز جلدی ادا کرنے کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے حیرت زدہ ہوگیا۔ اُس کا خیال تھا کہ نماز چند منٹوں میں ادا کی جاسکتی ہے جب کہ اُس کے، پاکستانی دوست کی رائے میں نماز کے لیے خاصے طویل وقت کی ضرورت تھی۔

اسی طرح کا ایک معاملہ اور پیش آیا۔ ایک اسلامی اسکول کے پرنسپل نے شامی مسلمانوں کی ایک تقریب سے اس وقت اٹھ جانے کا فیصلہ کیا، جب اس تقریب میں، جس کے شرکاء کی غالب اکثریت مسلمانوں پر مشتمل تھی، ایک مقامی نیم برہنہ رقاصہ اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کے لیے اچھلتی کودتی داخل ہوئی۔ اگرچہ دولہا دلہن دونوں خاصے مذہبی تھے لیکن وہ اپنے وطن کی رسوم و رواج کے سامنے کسی مذہبی اعتراض کو اہم نہیں سمجھتے تھے۔ بہرحال

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پرنسپل صاحب کا تعلق شام سے نہیں تھا اور وہ ثقافتی یا کسی بھی بنیاد پر اس قسم کے مظاہرے کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

حجاب، شرم و حیاء اور امریکی ماحول میں مسلمان عورتوں کا کردار بھی بڑا متنازعہ موضوع ہے روایتی اقدار اور عمل میں بعض اوقات بڑا فرق نمایاں نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر سین جبرائیل کی ایک مسجد میں ریناحیٔ بھی ان چند خواتین میں شامل تھیں جو ایک تحریری انتخاب کے ذریعہ مسجد کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کی ممبر منتخب ہوگئیں۔ رائے دہندگان کی تعداد زیادہ تر خواتین پر مشتمل تھی۔ وہاں مقیم آبادکار مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے اس انتخاب کی مخالفت کی۔ اِس کے برعکس لورین مرزا نامی ایک مقامی نومسلم خاتون، جنھوں نے شیعہ مذہب اختیار کرلیا تھا، اور ان کی بیٹی نے عوامی اجتماعات میں آتے وقت حجاب کا استعمال شروع کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ان اجتماعات میں جن میں غالب اکثریت پاکستانیوں کی ہوتی ہے شریک خواتین میں کم از ایک تہائی لورین مرزا کی مثال پرعمل کرتی ہیں۔

اگرچہ بہت سے مقامی مسلمان فیشن شو کے تصور ہی کو غیر اخلاقی اور اسلامی احکام کے خلاف سمجھتے ہیں لیکن بعض نوجوان مسلم عورتیں ایسی تقریبوں میں شریک ہونے کے لیے کوئی نہ کوئی جواز تلاش کر لیتی ہیں۔ مثال کے طور پر آرنج کاؤنٹی کی اسلامک سوسائٹی میں عورتوں کی ایک جماعت ہر سال ایک اسلامک فیشن شو منعقد کرتی ہے۔ اس سال اس شو کا نام تھا ''خواتین زیر حجاب'' اگرچہ اس تقریب میں مردوں کا داخلہ ممنوع تھا لیکن دوسری جگہ رہنے والی مسلمان خواتین کو دکھانے کے لیے اس شو کی ویڈیو ٹیپ تیار کی گئی تھی۔

اسی طرح ایک مقامی یونیورسٹی میں پاکستانی طلباء کی انجمن نے پاکستان کے ہفتہ آزادی کی تقریب کے اختتام پر ایک فیشن شو کا انعقاد کروایا تھا۔ مخلوط محفل میں تقریباً تین سو پاکستانی شرکاء کے سامنے پاک و ہند کی دس عورتوں نے فیشن ماڈل کے طور پر اسٹیج کے سامنے پریڈ کی جب کہ اسٹیج کے عقب سے تیز موسیقی کی آواز بلند ہوتی رہی۔ شرکاء میں بہت سی مسلمان خواتین موجود تھیں، لیکن شو میں حصہ لینے والی کوئی ماڈل مسلمان نہیں تھی۔ یہ سوچ کر کہ مسلمان کوئی مصیبت کھڑی نہ کر دیں منتظموں نے سکھ، عیسائی اور ہندو مذہب کی عورتوں کو ماڈل کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طور پر منتخب کیا تھا۔ افریقی امریکی مسلم برادری کے بعض معاشرتی اجتماعات میں مردوں اور عورتوں پر مشتمل بعض ''میانہ رو اور اعتدال پسند قسم کے رقص'' کا پروگرام بھی شامل ہوتا ہے، حالانکہ یہ مسلمانوں کی وسیع البنیاد برادری میں سختی کے ساتھ منع ہے۔ ایرانیوں کے ایک سیکولر گروہ نے ایک مقامی نائٹ کلب میں محرم کے ایام عزا میں ایرانی مقابلہ حسن کا ایک پروگرام منعقد کیا تھا جس میں شریک عورتوں کو غسل کے لباس میں اسٹیج پر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ اگلے سال سینٹ بونا ونچر ہوٹل میں ایک دوسرا ایرانی مقابلہ حسن منعقد ہوا تھا جس کا انتظام ایک ہندو تاجر نے کیا تھا جس کی بیوی ایرانی ہے۔

اپنے اپنے وطن کی مسلم روایتوں کو لاس اینجلس میں متعارف کراتے وقت ایک عجب دشواری ان عورتوں کے معاملے میں پیش آتی ہے جو اپنے سروں کو روایتی انداز میں ڈھانپنا چاہتی ہیں۔ ان کے اپنے وطن میں چونکہ ایسی عورتیں عام طور پر نظر آتی ہیں، لہٰذا وہاں بھیڑ بھاڑ میں وہ بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ لیکن امریکا میں نقاب لگائے ہوئے کسی عورت کا نظارہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے۔ مسلمان مردوں کے برخلاف جو امریکی ثقافت میں خاموشی کے ساتھ گھل مل جاتے ہیں، نقاب استعمال کرنے والی خواتین بہت نمایاں ہوتی ہیں اور انھیں اسلام کے خلاف بین الاقوامی مناقشات اور منفی رجحانات کی وجہ سے آسانی کے ساتھ طنز و استہزا کا ہدف بنا لیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات کسی عورت کے لیے اپنے عقیدے کا اتنا واضح اعلان کرنا بڑی جرأت کا کام ہے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اس خصومت کا اظہار صرف امریکی نہیں کرتے۔ ایک بار ایک ایرانی عورت نے اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ خود اس کے ہم وطن اُسے زیادہ تنگ کرتے ہیں جو معزول شاہ کے حامی تھے۔ یہ لوگ پردہ دار لباس کو اسلامی جمہوریہ کی سیاست سے ہم آہنگ کرتے تھے۔ مقامی ایرانی برادری میں معمر خواتین کو اسلامی لباس استعمال کرنے کی زیادہ آزادی ہے۔ اسے مکمل طور پر ایک مذہبی اظہار فرض کر لیا جاتا ہے۔ لیکن ایران کی سیکولر برادری کی اکثریت نوجوان عورتوں کے باپردہ لباس کو نہ صرف ایک مذہبی بلکہ ایک سیاسی مظہر بھی سمجھتی ہے۔

مذہبی طور پر زیادہ قدامت پسند طبقے میں بین الاقوامی تبلیغی جماعت لاس اینجلس کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوائی اڈے کے نزدیک انگل ووڈ کی مسجد کو اپنا مرکز بناتے ہوئے مقامی اسلامی نظام میں اپنی جگہ پیدا کرتی جا رہی ہے۔ ہر جمعہ کی رات کو یہاں باضابطہ پروگرام منعقد ہوتے ہیں۔ یہ جماعت، جس کی بنیاد پاکستان* میں رکھی گئی تھی، دنیا کے تمام ملکوں کے مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کو اصل عقائد کی طرف واپس لانے، اور جہاں ممکن ہو غیر مسلموں کو تبدیلئ مذہب کی دعوت دینے" کے سلسلے میں تبلیغ کی خاطر دنوں، ہفتوں اور مہینوں کے حساب سے اپنا وقت دیتے ہیں۔ ان کا ایک عام طریقہ تبلیغ یہ ہے کہ کسی ایسے مسلمان کے گھر پر جو کچھ دنوں سے نماز کے لیے مسجد میں نظر نہ آیا ہو یہ لوگ اچانک ایک گروہ کی شکل میں پہنچ جاتے ہیں۔ خاص انداز کے لمبے سفید چغے پگڑی یا ٹوپی میں ملبوس اور پیغمبر محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کی سنت کے مطابق گھنی سیاہ ڈاڑھیاں رکھے ہوئے تبلیغی رضا کار جماعت کی شکل میں سفر کرتے ہیں۔ لاس اینجلس آتے ہی یہ لوگ شہر، ریاست اور ملک کی مساجد میں پھیل جاتے ہیں اور عام طور سے جس اسلامی مرکز میں یہ ٹھہرتے ہیں وہاں فرش پر اپنا بستر بچھا لیتے ہیں اور وہاں جو بھی معمولی سہولت میسر ہو اس کے مطابق وقت گزارتے ہیں۔ تبلیغی جماعت کو سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس کی مذہبی سرگرمیاں بڑی پر جوش اور قدیم خیالات پر مبنی ہیں، اور وہ قرآن اور دوسرے مذہبی احکام کی تفسیر و تشریح ٹھیٹ لغوی انداز میں کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک جاندار اشیاء کی تصویر کشی حرام ہے اور متقی مسلمانوں کے لیے ڈاڑھی رکھنا لازمی ہے۔ اسلام میں عورتوں کا مسئلہ بڑی حساس نوعیت کا حامل ہے اور جب کسی مسجد میں تبلیغی کارکن آئے ہوئے ہوتے ہیں تو وہاں عورتوں کو آنے کی کسی حال میں اجازت نہیں ہوتی۔

لاس اینجلس کی تمام مسجدوں میں تبلیغی سرگرمیوں کی اجازت نہیں ہے۔ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ بعض مسجدوں یا مرکزوں میں تبلیغی کارکنوں کو بڑے ملائم انداز میں اپنا کام کرنے سے روک دیا گیا۔ ایسے موقعوں پر مسجدیں عموماً اپنی انتظامی دشواریوں اور اپنے اسلامی مرکز کے مسائل کا عذر پیش کرتی ہیں۔

---

* تبلیغی جماعت کی بنیاد مولانا الیاسؒ نے ہندوستان میں رکھی تھی اور دلی میں بنگلہ والی مسجد اس کا صدر مقام تھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض کٹر قسم کے قدیم الخیال مسلمانوں کے نزدیک، امریکا میں آبادکار مسلمانوں کی موجودگی بذات خود اسلامی احکام کے منافی ہے۔ اس نقطہ نظر کے مطابق تمام مسلمان آبادکار امریکا اسلام کی خاطر نہیں آئے تھے بلکہ ان کا مقصد مادی اور معاشی ترقی تھا۔ چونکہ امریکا میں دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے ڈاکٹروں اور انجینئروں کو اپنے ملکوں سے زیادہ آسائش مل گئی اس لیے انھوں نے اپنے ملک واپس جا کر اپنے عوام کی خدمت کرنے کے بجائے امریکا ہی میں بس جانے کو ترجیح دی۔ ان تنقید کرنے والوں کا کہنا ہے کہ یہ رویہ کیسے اسلامی کہا جائے گا؟ اس نقطۂ نظر سے بھی کہ شراب کی فراوانی، جنسی بے راہ روی کے مواقع اور زوال پذیر امریکی معاشرے کی ترغیبات کی وجہ سے پاک باز مسلمان کا قدم قدم پر امتحان ہوتا رہتا ہے اور اس صورت حال میں اسلام کے اصول اس ملک میں خطرے میں پڑ جاتے ہیں۔ بعض مسلمان کسی حالت میں بھی امریکا کے تکلیف دہ طریقوں سے سمجھوتہ نہیں کر سکتے، مثلاً اسلام میں سود کی حرمت کی وجہ سے وہ پٹے داری پر مکان نہیں لے سکتے اور حلال گوشت حاصل کرنے کے لیے وہ بڑی سے بڑی تکلیف برداشت کر لیتے ہیں۔ شراب کی حرمت کے بارے میں اسلامی احکام کے باوجود اگر کسی مسلمان کی شراب کی کوئی دکان نظر آتی ہے تو اس سے نہ صرف مذہبی تنظیموں میں بلکہ خود اس گناہ کے مرتکب فرد کے ضمیر میں بھی مزاحمت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ ایک معمر عرب (جو شروع سے امریکا میں مقیم تھا) حج کرنے کے لیے پہلی بار مکے گیا۔ ابھی وہ مکے سے تیس میل دور تھا کہ اس کے امریکی آجر نے اسے ٹیلی فون کر کے کمپنی میں ایک ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے لیے فوراً امریکا واپس آنے کو کہا۔ وہ متقی مسلمان یہ حکم ملتے ہی ششدر رہ گیا اور اپنے پہلے حج سے محروم وہ امریکا واپس چلا گیا۔ ایک سال سے زیادہ مدت تک وہ یہ سوچ سوچ کر تڑپتا رہا کہ اتنی بڑی سزا اسے یقیناً اپنی نوجوانی کی کسی لغزش کی بنا پر ملی ہوگی۔

بہرحال، بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جن کے نزدیک اسلام ایک لچک دار مذہب ہے۔ جس کے اصولوں کو ضرورت کے مطابق ڈھالا جا سکتا ہے۔ یہ افراد خود کو امریکا میں مذہبی مصلح اور رہنما سمجھتے ہیں۔ طویل مدت سے امریکا میں آباد مسلمان اور امریکی نومسلم اس تحریک میں آگے آگے نظر آتے ہیں۔ اگر تنظیمی لحاظ سے دیکھا جائے تو جنوبی کیلیفورنیا کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی مرکز اس کی بہترین مثال ہے۔

لاس اینجلس سینٹر کے ماہر ہیتھاوٹ کا کہنا ہے کہ: ''بعض لوگ ایسے ہیں جو مذہب میں تحریف کرنا اور ان قوانین کو توڑ دینا چاہتے ہیں جنھیں ہم ناقابل تبدیل سمجھتے ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں جو امریکا کو سعودی عرب، پاکستان یا مصر کا چربہ بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن یہاں لوگوں کو ان ترغیبات اور چیلنجوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، جب یہ لوگ دیکھتے ہیں کہ ہم یہاں معاشرے سے ہم آہنگ ہونے کے لیے بعض قاعدوں اور دستوروں کو بدل رہے ہیں، تو یہ ہمیں آزاد خیال کہتے ہیں۔ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ ہم روایتوں پر نہیں بلکہ احکام الٰہی پر عمل کرتے ہیں۔ انسانوں کی بنائی ہوئی روایتیں مقدس (اور ناقابلِ تبدیل) نہیں ہوتیں۔''

آبادکار مسلمانوں اور افریقی امریکی مسلمانوں کے درمیان طبقاتی اور ثقافتی اختلافات

۱۹۷۰ء کے عشرے کے وسط تک آبادکار مسلمانوں اور افریقی امریکی مسلمانوں کا ایک دوسرے سے بہت کم تعلق تھا۔ افریقی امریکیوں میں صحیح العقیدہ مسلمان بہت کم تھے اور ان کی نیشن آف اسلام، غیر سیاہ فام مسلمانوں کو بطور اصول اپنی تنظیم سے الگ رکھتی تھی۔ دوسری طرف، تارکین وطن مسلمان، ایلیجاہ محمد کو ''پیغمبر خدا'' کی حیثیت دینے اور دوسرے عقائد کی وجہ سے نیشن آف اسلام کو غیر اسلامی سمجھتے تھے۔

۱۹۷۰ء کے عشرے میں متعدد افریقی امریکی صحیح الخیال اسلام کی جانب چل کر آئے تاکہ وہ آبادکار مسلمانوں کی نسبتاً زیادہ بڑی برادری میں شامل ہو جائیں جن کی اپنی ثقافتی تاریخ مختلف تھی۔ چنانچہ مسجدوں میں جماعتی عبادت اور مقامی مذہبی لیڈروں کے اتحادی اجلاسوں کی پر لطف باتوں سے ماورا نو آبادکاروں اور افریقی امریکی عوام کے باہمی تعلقات کبھی کبھار کشیدہ بھی ہو سکتے ہیں۔

افریقی امریکی برادری کے برخلاف، جن کی اکثریت عموماً غربت کا شکار ہے اور جو مزدور پیشہ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، تارکین وطن لوگوں کی ایک بڑی تعداد اعلیٰ تعلیم یافتہ پیشوں کی حامل اور تجارت وغیرہ سے تعلق رکھتی ہے۔ بعض تو اپنے ملک کے دولت مند

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ (مسجد السلام کے امام تاج الدین بن شعیب جو گھانا میں پیدا ہوئے تھے اپنی امریکا آمد پر بعض مسلمانوں، نمایاں طور پر نوآبادکار، کو بڑی مسجدوں میں نماز کے وقت قیمتی امریکی لباس میں دیکھ کر حیران رہ گئے)۔ غریب افریقی امریکیوں کی پسماندہ بستیوں میں آبادکاروں (مسلم اور غیر مسلم دونوں) کی کریانے کی دکانیں دیکھ کر مقامی آبادی انھیں معاشی استحصال پسند سمجھتی ہے، جو مقامی آبادی سے کماتے تو ہیں لیکن ان کے یہاں کسی قسم کی سرمایہ کاری نہیں کرتے۔ اگر چہ بہت سے مسلمان لیڈر بڑے اصرار کے ساتھ یہ بات کہتے ہیں کہ ان کی جماعت میں کسی قسم کا نسلی افتراق و اختلاف نہیں ہے، لیکن معاشی لحاظ سے خوش حال نوآبادکار عام طور سے افریقی امریکیوں کو ناپسندیدہ معاشرتی معاشی طبقے سے وابستہ کرتے ہیں۔ جہاں تک افریقی امریکی مسلمانوں کا تعلق ہے، تو ان میں سے بعض لوگ یہ بات بڑے اصرار کے ساتھ کہتے ہیں کہ نسل پرستی کی بیماری کسی مذہبی بندش کی پروا نہیں کرتی اور یہ کہ امریکا میں بہت سے نوآبادکار مسلمانوں کی تربیت میں سفید رنگ کی برتری کا عقیدہ شامل ہے، اور اپنے وطن میں وہ نوآبادیاتی طاقت کے خلاف جو جدوجہد کر رہے تھے اس نفرت کو اپنے ساتھ امریکا میں بھی لائے۔

جہاں تک مذہب کا تعلق ہے، بہت سے آبادکار مسلمان افریقی امریکیوں کو مذہبی عقائد کے سلسلہ میں بڑی حد تک لاعلم سمجھتے ہیں، جن کے خلوص میں کوئی کمی نہیں لیکن جنھیں ہدایت کی ضرورت ہے۔ نیشن آف اسلام کی نسلی تحریک کو گمراہی کی ایک موزوں مثال سمجھا جاتا ہے، اس کے برعکس خود افریقی امریکیوں کا آبادکاروں کے بارے میں یہ خیال ہے کہ وہ الگ تھلگ، طبقاتی تفریق کے قائل، زمانی و مکانی طور پر متغائر اور ضرورت سے زیادہ ہی خود کو ہدایت یافتہ سمجھنے والے ہوتے ہیں۔ قرآن کے پُرجوش قاری ہونے کی بنا پر ان (افریقی امریکی) نومسلموں کا دعویٰ ہے کہ اسلامی عقائد کے بارے میں ان کا علم بہت سے آبادکار مسلمانوں سے زیادہ ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کہ امریکا آنے والے بہت سے لوگ اپنی ثقافت کو اسلامی احکام کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہیں۔ آبادکاروں کی اکثریت کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ وہ اپنے ملک میں انفعالی نفوذ کی بنا پر مسلمان ہیں (یعنی وہ مسلمان خاندان میں پیدا ہوئے لہٰذا مسلمان ہیں)۔ ایک مقامی امام کا کہنا ہے کہ (احکام اسلام کی پابندی میں)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افریقی امریکی بڑے ایمان دار ہیں۔ اگرچہ ایسے افریقی امریکی بھی موجود ہیں جنھوں نے اپنے لیے عرب لباس اختیار کر رکھا ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ اس وقت بہت مشتعل ہوتے ہیں جب وہ عربوں کو صرف اس بنیاد پر مبالغہ آمیز حد تک بے جا تفاخر کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ قرآن عربی میں لکھا جاتا ہے (مثال کے طور پر سینٹرل ویلی کے ایک ممتاز یمنی کے مطابق، لاس اینجلس سے ایک سو بیس میل شمال میں بیکرس فیلڈ کی اصل مسجد افریقی امریکیوں اور عربوں کے درمیان صرف اس اختلاف پر انتشار کا شکار ہوگئی کہ عبادات میں انگریزی کس حد تک استعمال کی جائے۔ اس اختلاف کے نتیجے میں نو آبادکاروں کے ایک گروہ نے علیٰحدہ ہو کر خود اپنی ایک مسجد بنا لی)۔ ایک مشترک مسئلہ مختلف ملکوں سے آئے ہوئے نیک نیت مسلمانوں کے متضاد بیانات ہیں جن کے ذریعہ وہ صحیح مذہبی مراسم کی جانب افریقی امریکیوں کو دعوت دیتے ہیں۔ ایک افریقی امریکی مذہبی رہنما نے تو یہاں تک محسوس کیا کہ وہ اپنے ساتھ افریقی امریکی مسلمانوں کی تصویریں کھینچواتے ہیں تاکہ وہ انھیں اپنی تبلیغی مساعی کے طور پر دکھا کر دولت مند مسلمان ملکوں سے اس بہانے چندہ وصول کرسکیں کہ وہ امریکا میں اسلامی منصوبوں میں مزید اضافہ کریں گے۔ بعد میں ان رہنما نے ہنستے ہوئے ایسے واقعات بھی سنائے جن میں ان نو آبادکار مبلغوں نے اُن کی مسجد کو ٹیلی فون کر کے ان سے مدد کی درخواست کی کیونکہ بعض جارحانہ طرزِ عمل رکھنے والے جنگجو گروہ مثلاً جیوش ڈیفنس لیگ (یہودیوں کی دفاعی لیگ) انھیں دھمکی دے رہے تھے۔

بہت سے آبادکار مسلمانوں کے برخلاف، افریقی امریکی آج بھی ایک جارحیت پسند نظم وضبط کے تصور کی تائید کرتے ہیں۔ یہ رویہ نیشن آف اسلام اور خاص طور سے اس کی فروٹ آف اسلام نامی جوانوں کی تنظیم میں پوری طرح پیوست ہے جو ہر طرح کی فوجی تربیت اور فوجی طرز حیات پر زور دیتے ہیں۔ اگرچہ اب راسخ العقیدہ سُنی اسلام میں آجانے کے بعد افریقی امریکیوں کے اس رویئے میں کافی تبدیلی آگئی ہے، لیکن یہ خیال آج بھی قائم ہے کہ اسلام میں جسمانی اور روحانی دونوں قسم کی قوت کا حصول ضروری اور مطلوب ہے۔

پیغمبر اسلام محمد [صلّی اللہ علیہ وسلّم] کو ایک شریف النفس جنگ جو یا نہ اخلاق کا نمونہ مانتے ہوئے، اسلام کے بارے میں افریقی امریکیوں کا ایک عام تاثر یہ ہے کہ یہ ایک مردانہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تنظیم ہے جو جارحیت پسند تو نہیں ہے لیکن اپنی عزت وقار اور اخلاقی راست بازی کا دفاع ضرور کرتی ہے۔ یہ رویہ زیادہ تر اس تصور سے جنم لیتا ہے کہ افریقی امریکیوں کی وسیع برادری، جو صدیوں کے ظلم و تعدی، نسل پرستی اور امتیازات کا شکار ہے، ایک پُرآشوب سماجی، مادی، اخلاقی اور روحانی ابتری کی کیفیت میں ہے۔ لہٰذا گم شدہ شناخت کی بازیافت کا راستہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی منتشر اور پراگندہ جمعیت کو دوبارہ اس کے پیروں پر کھڑا کرنے کی جدوجہد کریں۔

اس مصنوعی جنگ پرستانہ منظرنامے کی ایک وجہ یہ ہے کہ شہری امریکا کے تشدد زدہ والے قانون شکن علاقوں میں صرف زندہ رہنے کے لیے بھی مسلمانوں کو سنگ دل امریکا کے ادنیٰ عناصر کے خلاف جسمانی اور روحانی ہر لحاظ سے اپنا دفاع کرنے کے لیے گلی گلی کوچے کوچے تیار ہونا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، اس سلسلے میں، مسجد آصف کے امام عبدالعزیز نے تو اپنی زیرنگرانی نوجوانوں کے لیے مخصوص نوعیت کی وردی تیار کروائی ہے اور صرف دفاعی مقاصد کے لیے آتشیں اسلحوں کے استعمال کی تربیت کی جماعتیں بھی قائم کی ہیں۔ اس سلسلے میں افریقی امریکی مسلمانوں کی شہرت مذہب کے معاملے میں بہت آگے تک جاتی ہے۔ سین پیڈرو کے مقام پر ٹرمینل آئیلینڈ کرکشنز انسٹی ٹیوشنز میں ایک مقامی مذہبی رہنما نے ایک موقع پر جو کچھ کہا اس کا مفہوم یہ تھا کہ: ''معاملے کی نوعیت کچھ بھی کیوں نہ ہو، عیسائیوں کے (ایک گال پر تھپڑ کھانے کے بعد دوسرا) گال پیش کر دینے کے برخلاف مسلمانوں سے کوئی نہیں الجھتا، خاص طور سے جیل خانے والے نظام میں''۔ [۵]

یہ تمام باتیں بہت زیادہ اعتدال پسند آبادکار مسلمانوں اور ان افریقی امریکی مسلمانوں کے درمیان، جو سیاسی سماجی منظرنامے پر (جہاں ضروری ہو) خود ہی ''لہریں اٹھاتے ہیں'' اور خود ہی ''حالات کا توازن خراب کرتے ہیں'' ایک اور اہم فرق کی نشان دہی کرتی ہیں۔ افریقی امریکی برادری ہر قسم کی معاشرتی ناانصافیوں کے خلاف بڑا صاف گو اقلیتی گروہ ہے، اور یہ لوگ کسی بھی زیادتی کے خلاف فوراً آواز اٹھاتے ہیں۔ اس کے برعکس آبادکار مسلمان، ایسے غیر جمہوری بلکہ بعض اوقات استبدادی ممالک سے آئے ہیں جہاں کسی معاملے میں صرف اپنی رائے ظاہر کرنے کی پاداش میں نہ صرف وہ رائے ظاہر کرنے والا فرد خود بلکہ اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا پورا خاندان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ، اگر ایک طرف افریقی امریکی برادری کا یہ خاصہ ہے کہ وہ ہر قسم کی ناانصافی کی مذمت پُرزور آواز میں کرتے ہیں، تو دوسری جانب آبادکار مسلمان (خاص طور سے حال میں آئے ہوئے لوگ ان معاملات کے علاوہ جن کا تعلق خود اسلام سے ہو بقیہ تمام معاملات میں) اپنی آواز کو پست رکھتے ہیں۔[۶] آبادکار مسلمان اپنے ملک کے سیاسی سماجی ماحول میں حاصل ہونے والی تربیت کو عموماً امریکا میں بھی باقی رکھتے ہیں۔ ان کے ذہنوں میں ملک بدری، سرکاری دھمکیوں اور محفوظ امریکی معاشرتی معاشی حیثیت کھودینے کا خطرہ ہمیشہ موجود رہتا ہے۔

جیل خانوں کے نظام میں مسلمان مولویوں (chaplain) کی تقرریوں سے قبل ایک بار مشرق وسطیٰ کے بھولے بھالے لوگوں نے ایک عیسائی عرب کو جو لاس اینجلس میں قید کی سزا بھگت رہا تھا یہ عہدہ دلوا دیا۔ جس سے اس عیسائی کو قید خانے میں تحفظ کا موقع مل گیا۔ ہوا یہ کہ افریقی امریکی مسلمانوں کے ایک گروہ نے دیکھا کہ وہ عرب ہے اور یہ سوچتے ہوئے کہ تمام عرب مسلمان ہوتے ہیں، انھوں نے اس سے عربی پڑھانے، اسلامی معاملات میں مشورے دینے اور نماز پڑھانے کے لیے کہا۔ ایک خطرناک ماحول میں عیسائی کو حفاظتی برادری ملی تو اس نے انتہائی مسرت کے ساتھ اپنی قید کا پورا عرصہ (بطور مسلمان مولوی کے) گزار دیا۔

افریقی امریکی مسلم برادری

سیاہ فام برادری میں اسلام کے نفوذ کا جہاں کہیں بیان ہوگا اس میں نیشن آف اسلام کو بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہوگی۔ یہ لاس اینجلس میں سب سے پہلا سرکاری طور پر منظور شدہ (حالانکہ متنازعہ) مسلم گروہ تھا۔ مسلمان آبادکاروں کی آمد سے پانچ سال پہلے ۱۹۵۶ء میں نیشن آف اسلام نے اپنی عبادت گاہ نمبر ۲۷ قائم کر دی تھی۔ اس سال تک پورے امریکا میں صرف دس ایسی عبادت گاہیں تھیں (جنھیں ان دنوں مقامی طور پر ٹمپل کہتے تھے۔) جب کہ ۱۹۷۰ء کے عشرے کے وسط میں نیشن آف اسلام اپنے عروج پر تھی تو یہ تعداد بڑھ کر دو سو سے اوپر ہو چکی تھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبدالکریم حسن، جو آج جنوبی مرکزی لاس اینجلس میں سنی عقیدے کی مسجد بلال کے امام ہیں، نیشن آف اسلام کی تحریک کے بارے میں کسی بھی مقامی فعال مسلم رہنما سے زیادہ گہری معلومات رکھتے ہیں۔ وہ عشرہ ۱۹۵۰ء کے وسط میں مشرقی ساحل پر نیشن آف اسلام میں شریک ہوئے اور وہاں مختلف عہدوں پر فائز رہنے کے بعد انھیں ۱۹۷۱ء میں مغربی علاقائی ڈائریکٹر بنا کر لاس اینجلس بھیج دیا گیا۔ جب وہ لاس اینجلس آئے اس وقت وہاں نیشن آف اسلام کی ایک چھوٹی سی عبادت گاہ تھی۔ ایک سال کے اندر اندر اس کے ارکان کی تعداد ایک ہزار سے اوپر ہوگئی۔ بہت جلد ہی اس علاقے میں تین اور عبادت گاہیں قائم کردی گئیں اور ۱۹۷۰ء کے عشرے کے وسط میں جب لاس اینجلس میں نیشن آف اسلام کے پروگرام اپنے عروج پر تھے تو وہاں پابندی کے ساتھ دو ہزار افراد آتے تھے۔ ۱۹۷۳ء میں تنظیم نے مرکزی ایوینیو میں قدیم ایکس بلڈنگ خریدی جو لاس اینجلس میں افریقی امریکیوں کی ملکیت میں سب سے بڑی عمارت تھی۔ اس تین منزلہ عمارت میں ایک بالکنی اور چھ مین روڈ کی دکانیں (storefront) وغیرہ تھیں۔

۱۹۷۵ء میں ایلجاہ محمد کے انتقال اور اس کے بیٹے اور جانشین وارث دین محمد کے سُنی اسلام اختیار کر لینے کے بعد نیشن آف اسلام کے تمام دوسرے ممبروں کی طرح کریم حسن کو بھی اپنے مذہبی عقائد کا بڑا عمیق جائزہ لینے کا سامنا کرنا پڑا۔ اگلے چند برسوں کے اندر نیشن آف اسلام کے متعدد ممبر وارث دین محمد کی پیروی کرتے ہوئے راسخ العقیدہ اسلام میں شامل ہو گئے، بعض نے تو مسلم جمعیت کو بالکل ہی چھوڑ دیا اور کچھ ایسے تھے جنھوں نے نیشن آف اسلام کے پرانے عقائد پر مبنی ایک نئی تنظیم کی بنا ڈالی۔ ۱۹۸۳ء میں مقامی اداروں کے افسروں نے فیصلہ کیا کہ قدیم ایکس بلڈنگ کا ڈھانچا زلزلے وغیرہ کا سامنا کرنے کے قابل نہیں رہ گیا ہے۔ اس عمارت کا جائزہ لینے کے لیے انجینئروں کی ڈھائی لاکھ ڈالر فیس دینے کا سوال تھا چنانچہ مالی لحاظ سے خستہ حال تنظیم نے سترہ ہزار ڈالر کے خرچ سے اسے گرا دیا۔ فی الحال اس پوری جگہ پر پارکنگ لاٹ بنا ہوا ہے اور ایک طرف ایک عارضی مسجد اس انتظار میں کھڑی ہے کہ مستقل عمارت بنانے کے لیے سعودی امداد کا تیقن ہو جائے۔ قدیم نیشن آف اسلام سے علیحدہ ہونے والا (لوئی فرخان کی قیادت میں) چھوٹا سا گروپ مغربی ایوینیو میں ایک چھوٹی سی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمارت میں (الاسکا سے اوماہا تک) مغربی علاقائی ڈائریکٹر، وزیر محمد کے زیرِ انتظام قائم ہے۔

اگرچہ سنی عقیدے کے افریقی امریکیوں کے کہنے کے مطابق نیشن آف اسلام کے حامیوں کی تعداد بہت معمولی ہے تاہم اس تنظیم کو، خاص طور اس کے قائد لوئی فرخان اور سیاہ فام آبادی میں اس کے معاشرتی سیاسی اثرات کے پیش نظر اس تنظیم کو عوام میں اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ لاس اینجلس میں حال میں پولیس سے نیشن آف اسلام کا مقابلہ بڑی عوامی توجہ کا باعث بنا۔ ۱۹۹۰ء کی ابتدا میں، ایک ٹریفک چالان کے ضمن میں، نیشن آف اسلام کے تیرہ ارکان پچیس پولیس افسروں کے خلاف ہنگاموں میں ملوث ہو گئے۔ ایک مہینے کے اندر اندر پولیس کی گولی سے اولیور بیلی کے مرجانے کا سانحہ پیش آیا۔ خود نیشن آف اسلام کے دعووں کے مطابق، پولیس سیاہ فام افراد کو مسلسل تنگ کر رہی ہے حتیٰ کہ کوئی سیاہ فام اگر کسی گلی میں بچوں کے لیے لوبیا کے سموسے وغیرہ فروخت کرتا ہے تو پولیس افسر غیر قانونی طور پر اس گلی میں گھس کر اس کا وہاں بھی تعاقب کرتے ہیں۔ تاہم اس کے نتیجے میں پولیس افسروں کے ساتھ جو کانفرنسیں ہوئیں ان میں نیشن آف اسلام کے نمائندوں اور افریقی امریکی برادری کے دوسرے فعال ممبروں کی کارکردگی بے نظیر رہی۔

لاس اینجلس میں شیعہ مسلمان

لاس اینجلس کے علاقے میں اثناء عشری شیعوں کی سات مسجدیں تعمیر ہو چکی ہیں جن میں سے ایک ایک پاکستانیوں، لبنانیوں، جنوبی افریقیوں، (پاک وہند کی نسل سے تعلق رکھنے والے)، عراقیوں اور اسلامی جمہوریہ ایران والوں نے اور دو افریقی امریکیوں نے بنائی ہیں۔ شیعہ مسجدوں کے اِس تنوع کے اسباب میں جغرافیائی عوامل اور مختلف النوع ثقافتی اور نسلی روایات کے علاوہ مختلف مذہبی تشریحات اور سیاسی نظریات بالخصوص اسلامی جمہوریۂ ایران کے مذہبی نمونے اور سیاسی مقاصد سے وفاداری شامل ہیں۔ (مثال کے طور پر لبنانی اور پاکستانی شیعوں کے مراکز ایک میل کے فاصلے پر اور ایرانی نژاد اور عراقی نژاد شیعوں کی مسجدوں کے درمیان فاصلہ تقریباً پانچ میل ہے یہ سب مسجدیں ہسپانوی علاقے میں واقع ہیں)۔ اگرچہ شیعہ اتحاد کو ظاہر کرنے کے لیے اکثر شیعہ مساجد میں اجتماعات ایک ہی وقت ہو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتے ہیں، تاہم مسجدوں کے درمیان باہمی تقابل اور تعاون کا انحصار اس وقت کے درپیش مسائل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگرچہ ان تمام مساجد نے صدام حسین کے خلاف احتجاج منظم کرنے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا ہے لیکن شیعہ فقہ کے مطابق (خصوصاً محرم کے دوران میں) ان کا عمل تکنیکی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہوسکتا ہے۔ مثال کے طور پر پوموںا میں، عراقی زیرِ سرپرستی مسجد اہل بیت کی مذہبی کارروائیاں دوسرے شیعہ مراکز کے مقابلے میں بہت ترقی پسندانہ ہیں۔ مسجد اہل بیت میں عورتوں کو عبادت کے لیے الگ کمروں میں نہیں بٹھایا جاتا۔ بعض خواتین تو مخلوط اجتماعات سے خطاب بھی کرتی ہیں اور محرم کے دوران میں اجتماعی روایتی عزاداری دوسرے مراکز کے مقابلے میں خاصی حد تک کم جوش و خروش سے کی جاتی ہے۔

لاس اینجلس کی قدیم ترین شیعہ مسجد (جو امریکا کی قدیم ترین شیعہ مسجدوں میں سے ایک ہے)، کذ یہی میں ہسپانوی نواح میں واقع ہے جس کا نام جعفریہ ہال ہے۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے کے آخر میں مقامی شیعہ برادری کے لوگوں نے شیعوں کے مخصوص مذہبی طور طریقوں پر عمل اور ان کی حفاظت کے لیے گھروں میں ملنا جلنا شروع کیا۔ ان کا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ اپنے پریشان خیال بچوں کو مذہبی تربیت کے لیے سُنیوں کے اسلامی مراکز میں بھیجنے پر مجبور تھے۔ جب ان کی آپس کی ملاقاتیں بڑھنے لگیں، تو اہم مواقع کے لیے شہر میں جگہ جگہ ہال کرائے پر لیے جانے لگے اور شیعوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ ایرانی انقلاب کے دوران شیعوں کے اسلام میں مقامی لوگوں کی دلچسپی میں اضافہ ہونے لگا۔ اب شیعوں کو وسیع بنیادوں پر پورے امریکا کی مخالفت اور شبہات کا سامنا تھا اور انھیں اپنے پروگراموں کے لیے پہلے سے کرایہ پر لیے ہوئے ہال حاصل کرنے میں بھی دشواری ہونے لگی۔ شیعہ رسوم کے لیے سُنیوں کی مسجد میں کی گئی درخواستیں فوراً مسترد کر دی جاتی تھیں، جس کی وجہ عموماً یہ بیان کی جاتی تھی کہ اس سے وسیع تر مسلم برادری میں تفرقہ انگیزی پھیلے گی۔

جعفریہ ہال میں جہاں غالب اکثریت پاکستانیوں کی ہوتی ہے، کربلا میں مزارِ حُسین کی ایک نقل بنا کر رکھی گئی ہے۔ اسی طرح محرم کے دنوں میں مسجد کے اردگرد جلوس کی شکل میں ایک جنازہ بھی گھمایا جاتا ہے۔ مقامی شیعوں کے درمیان پاکستانی بھی امام حسین [رضی اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعالیٰ عنہ] کی شہادت کی یاد میں محرم کے دس دن تک زور شور سے سینہ کوبی کرتے ہیں۔

ایرانی اسلامی انقلاب اور خاص طور سے جبر و تعدی کی شکار دنیا کے لیے عدل عمرانی کے لیے اس کی حمایت سے متاثر ہو کر ایک قلیل تعداد میں افریقی امریکی بھی شیعہ مذہب کی طرف مائل ہونے لگے۔ مسجد الرسول اور مسجد آصف نامی دو مسجدوں سے اس دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔ مسجد آصف جسے امام عبدالعزیز نے قائم کیا تھا، ایک دفتر کی چھوٹی سی عمارت کی دوسری منزل پر درحقیقت ایک کمرہ ہے۔ اس چھوٹی سی مسجد کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی دیواروں پر ایلجاہ محمد، میلکم ایکس اور آیت اللہ خمینی کی تصویریں ٹنگی ہوئی ہیں۔ عبدالعزیز پہلے نیشن آف اسلام اور پھر سنی عقائد کے لوگوں کے ساتھ برسوں کے تعلقات کے بعد شیعہ فقہ میں نئے نئے داخل ہوئے ہیں۔ عراق سے تعلق رکھنے والے ایک مقامی شیعہ امام کی مدد سے عبدالعزیز ایران گئے، اور وہاں انھوں نے جو کچھ دیکھا اس سے وہ بہت متاثر ہوئے، اور ایک افریقی امریکی بستی میں ایک شیعہ تنظیم قائم کرنے کے ارادے سے واپس آئے۔ اب تک یہ جمعیت رفتہ رفتہ پچاس ارکان تک پہنچی ہے اور یہ زیادہ تر علاقے کے بے مقصد زندگی گزارنے والے اور حق رائے دہی سے محروم نوجوانوں کو اپنا ہدف بناتی ہے۔

ایک غریب شہری علاقے میں ایک نئی مسجد کا قیام مختلف دشواریاں پیدا کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس مسجد کی تعمیر کے فوراً بعد ممبروں سے یہ کہا گیا کہ وہ ان نوجوانوں کے ایک گروہ کے خلاف اپنے دفاع کے لیے کھڑے ہو جائیں جو اِس علاقے میں منظم مجرمانہ اور جارحانہ کارروائیوں میں مصروف تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ امام عبدالعزیز اس گروہ کے ایک سے زیادہ ممبروں کو شیعہ بنانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

لاس اینجلس میں ایرانی

لاس اینجلس میں ایرانی برادری میں اسلام کے بارے میں گفتگو ہوتے ہی مذہب کے علاوہ ان کے سیاسی نظریات پر غور و فکر ہونے لگتا ہے۔ زیادہ تر ایرانی (پچھتر ہزار سے پانچ لاکھ، جس کا انحصار اس پر ہے کہ آپ کس سے بات کر رہے ہیں) جن میں مسلمان، یہودی، بہائی، آرمینی اور دوسرے شامل ہیں اپنے وطن میں اسلامی انقلاب کے موقع پر لاس اینجلس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آئے۔ اس حقیقت کے باوجود لاس اینجلس میں سیکولر ذہن کے ایرانی مسلمانوں میں سے زیادہ سے زیادہ دس فیصد تعداد روزانہ اپنے مذہبی احکام پر عمل کرتی ہوگی، اسلام کو اکثر ایک منفی قوت سمجھا جاتا ہے جس کی قیمت مقامی آبادکار اور مہاجروں کو اپنے اَموال، اپنے پیشوں، اپنے طرزِ حیات اور بعض صورتوں میں اپنے وطن میں اپنے پیاروں کی قربانی کی شکل میں ادا کرنی پڑی ہے۔ چنانچہ مقامی ایرانی سیاق و سباق میں اسلام کو سیاست کا موضوع سمجھا جاتا ہے۔

ایرانیوں نے اسلام کو جس غیر معمولی انداز میں سیاسی رنگ دیا ہے اس نے برادری کی بنیاد پر مسجد کی تعمیر کی رفتار کو دھیما کر دیا ہے۔ اگرچہ ایک ایرانی مسجد اور ثقافتی مرکز کی تجویز پیش کی جا چکی ہے لیکن ایرانیوں کے خلاف امریکیوں کی وسیع البنیاد مخالفت کی وجہ سے یہ تجویز اب تک گفت و شنید کے مرحلے سے آگے نہیں بڑھی ہے۔ غالباً اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ، خود مقامی ایرانی برادری میں بہت سے لوگوں کو یہ خوف ہے کہ اس قسم کی مذہبی عمارت ایک مسلسل سیاسی تنازعے کا سبب بنی رہے گی۔

بہرحال مقامی ایرانی برادری میں اسلام مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جنوبی کیلی فورنیا کے علاقے میں ایرانی آبادکاروں میں چند سو افراد ایران کی اسلامی جمہوریہ کے حامی ہیں۔ کئی سال پہلے یہاں اس برادری کا نظام بڑا مضبوط تھا لیکن شخصیتوں کے تصادم، اندرونی سیاست اور مذہبی مسائل میں اختلافات کی وجہ سے اس برادری کے اہم ارکان دو بڑے گروہوں میں بٹ گئے۔

پہلا گروہ۔ دی مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن۔ پرشین اسپیکنگ گروپ۔ ایرانی طلباء اور سابق طلباء کی تنظیم ہے جو مذہبی، سماجی اور سیاسی سرگرمیوں کے لیے گھروں اور مقامی یونیورسٹیوں میں پابندی کے ساتھ اجتماعات منعقد کرتی ہے۔ اس تنظیم کی سب سے اہم تقریب اسلامی جمہوریہ کی سالگرہ کے موقع پر ہوتی ہے، جب امریکا اور دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے مقررین ایرانی انقلاب کی خوبیوں اور اسلامی تحریک کے مستقبل کے ذکر میں تعریف کے پل باندھ دیتے ہیں۔ یہ لوگ خصوصاً ویسٹ ووڈ میں سعودی سفارت خانے کے خلاف اور ایرانی انقلاب کی حمایت میں اجتماعی مظاہرے کرنے میں بڑے فعال رہے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک دوسری اسلامی تنظیم سید مرتضیٰ غسوینی کی قیادت میں کام کر رہی ہے۔ یہ ایک اسلامی رہنما ہیں جو عراق میں پیدا ہوئے تھے۔ وہاں سے بھاگ کر یہ کویت آئے، جہاں ان پر صدام حسین کے ایجنٹوں نے قاتلانہ حملہ کیا لیکن یہ بال بال بچ کر ایرانی انقلاب کے ابتدائی دنوں میں مذہب کے احیاء میں حصہ لینے کے لیے ایران آ گئے۔ یہ بڑی روانی کے ساتھ عربی، فارسی اور انگریزی بولتے ہیں۔ ایران میں انھیں اسلامی قانونی نظام میں ایک جج بنا دیا گیا اور تہران کی ایک مسجد کے قائد بھی ہو گئے۔ لاس اینجلس میں ایرانی طلباء کے ایک گروہ کی دعوت پر اور تہران میں اعلیٰ حکام کی ہمت افزائی سے سید غسوینی ایک اسلامی تعلیمی مرکز قائم کرنے کے لیے امریکا چلے آئے۔ حال ہی میں ان کے گروپ نے ساؤتھ گیٹ کے شہر میں ہسپانوی علاقے میں ایک چھوٹا سا چرچ خرید کر نئے سرے سے اس کی تزئین و آرائش کر کے اسے ایک شیعہ مسجد میں تبدیل کر دیا ہے۔ جب تک یہ عمارت حاصل نہیں کی گئی تھی اس وقت تک ان کی نماز، لیکچر اور بحث مباحثے ان کے گھر پر ہوتے تھے لیکن بعد میں وہاں کچھ غیر ہمدرد قسم کے پڑوسیوں نے پولیس کو بلا کر مقامی علاقائی قوانین کے نفاذ کا مطالبہ کیا۔ ان دنوں جب کبھی بڑے مذہبی اجتماعات ہوتے جن میں زیادہ جگہ کی ضرورت ہوتی تو مقامی پبلک اسکول کے ہال اور ہوٹل استعمال کیے جاتے۔[۸]

اس سال کے شروع میں، رمضان کے مہینے میں یہ گروہ ایک چھوٹے سے اسکول کے ہال میں عبادت کرنے اور اجتماعی کھانے کے لیے اکٹھا ہوا۔ رات کے وقت مرتضیٰ غسوینی نے امام حسین [رضی اللہ تعالیٰ عنہ] اور ان کے مظلوم ساتھیوں کی شہادت کے سلسلے میں مصائب کی شیعہ روایتیں بیان کیں۔ لاس اینجلس میں جب یہ داستان شروع ہوئی، تو اداسی اور افسردگی کی کیفیت میں اضافہ کرنے کے لیے، روشنیاں بجھا دی گئیں تاکہ حاضرین نسبتاً زیادہ سکون کے ساتھ گریہ و بکا کر سکیں۔ سر جھک گئے اور مرد اور عورتیں سب ہی اپنے جذبات کو سسکیوں کے ساتھ ظاہر کرنے لگے۔ کچھ دیر کی آہ و بکا کے بعد تمام مرد ہال کے سامنے دائرہ بنا کر کھڑے ہو گئے اور بڑے تواتر کے ساتھ انھوں نے سینہ پیٹنا (سینہ زنی) شروع کر دیا۔ ساتھ ہی وہ فارسی میں ایک لے کے ساتھ سوز خوانی کر رہے تھے اور اپنے محبوب شہید امام کی عظمت کے نعرے بلند کر رہے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لاس اینجلس میں سید غسوینی کے اہم اجتماعات میں آدھے شرکاء پیدائشی ایرانی ہوتے ہیں اور بقیہ نصف میں اکثریت عراقیوں کی ہوتی ہے۔ عبادات کی رسوم ایک رات عربی میں اور دوسری رات فارسی میں ادا کی جاتی ہیں۔ غسوینی کچھ دیر ایک زبان میں اور پھر دوسری زبان میں بولنے لگتے ہیں اس کے جواب میں حاضرین اپنی ملکی زبان میں تائیدی کلمات بلند کرتے ہیں۔

امریکی معاشرے میں سید غسوینی کی تبلیغی سرگرمیوں کو کامیابی بڑی سست رفتاری سے ہوئی ہے۔ اب تک وہ صرف ایک امریکی نومسلم [شیعہ] کو ایران کے مقدس شہر قم میں مذہبی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دلوانے میں کامیاب ہوئے ہیں اور ایک افریقی امریکی مسلم رہنما کو انھوں نے اتنا متاثر کیا ہے کہ انھوں نے مقامی افریقی امریکی برادری کے لیے ایک چھوٹی سی شیعہ مسجد تعمیر کی ہے۔

سارے مذہبی ایرانی، اسلامی جمہوریہ ایران کے معاشرتی سیاسی اور مذہبی ایجنڈے کو تسلیم نہیں کرتے۔ ایک کم پابند اور زیادہ لچک دار اسلام کی بہت مشہور مثال کیلیفورنیا میں محمد نمازی خواہ کی ہے جو لاس اینجلس کی ایک مقامی یونیورسٹی میں علاج دندان کے پروفیسر ہیں۔ چند سال ہوئے انھوں نے اور ان کے چند دوستوں نے جو اپنے اسلامی عقائد کو قائم رکھنے کے خواہش مند تھے، سین فرنانڈو ویلی میں ان کے مکان پر ہر جمعرات کی رات کو اکٹھا ہو کر تلاوت وغیرہ کا سلسلہ شروع کیا۔ پابندی کے ساتھ ہونے والی اس مذہبی محفل کی خبر بہت جلد لوگوں میں ایک دوسرے کے ذریعے پھیل گئی اور اب، رمضان اور محرم کی اہم راتوں میں، تقریباً تین سو افراد اس عبادت میں شریک ہوتے ہیں اس تعداد کے لیے اُن کا مکان چھوٹا پڑنے لگا ہے۔

ان مذہبی اجتماعات میں شرکت کے لیے کسی پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ لوگ اپنے دوستوں کو اطلاع دیتے ہیں، اور اس طرح نمازی خواہ کے مکان پر تمام شرکاء کو بلا قیمت ڈنر دیا جاتا ہے جس کا انتظام ایک مقامی ایرانی ریستوران کی جانب سے ہوتا ہے۔ ڈنر کے علاوہ تلاوت وغیرہ ہوتی ہے۔ وہ اس بات کا اعلان بڑی پابندی کے ساتھ کر دیتے ہیں کہ ان کا گھر مسجد نہیں ہے اور نہ وہ کوئی مذہبی لیڈر ہیں۔ وہ تو لوگوں کو صرف اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ ان کے یہاں عبادت میں شریک ہوں، اور امریکا آنے میں جو کچھ انھوں نے روحانی طور پر کھودیا ہے اسے وہ دوبارہ حاصل کرلیں۔ جمعرات کو آنے والے شرکاء کی تعداد بہت معقول ہوتی ہے۔ اگرچہ غیر ایرانی تو بہت کم آتے ہیں، لیکن یہ روایتی اسلامی مجمع سے کچھ الگ چیز ہے۔ بعض ضعیف خواتین سر سے پیر تک چادر اوڑھے ہوئے یہاں آتی ہیں، لیکن بعض اوقات یہاں کچھ تجارت پیشہ اور جدید لباس میں ملبوس خواتین بھی اس انداز میں آتی ہیں جیسے ابھی ابھی بازار سے خریداری کر کے آرہی ہوں۔ اور بعض خواتین ایسی بھی آتی ہیں جو رکوع وسجود کے لیے الگ کمرے میں اپنی گون وغیرہ اتار کر نماز میں مشغول ہو جاتی ہیں اور نماز سے فارغ ہو کر دوبارہ گون پہن لیتی ہیں۔ بعض شرکاء، نماز کی روایتی عبادت کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور صرف نمازی خواہ کی تقریر کا انتظار کرتے ہیں۔ جمعرات کی شب کو یہاں آنے والے بہت سے شرکاء کو اسلامی جمہوریہ ایران کی کھلی سیاست سے اپنا قرب ظاہر کیے بغیر اپنے تنزل پذیر اسلامی عقائد کو دوبارہ قوت بخشنے کا موقع ملتا ہے۔ اس شہر کے دوسری جانب بیورلی ہلز میں ڈاکٹر ایف ہرمزی گزشتہ پینتیس سال سے ہر جمعہ کی رات کو اپنے گھر میں قرآنی تعلیم اور مذہبی بحث مباحثے کے لیے اجتماع منعقد کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر ہرمزی کسی زمانے میں جنوبی کیلی فورنیا کے اسلامی مرکز کے بورڈ کے ممبر تھے، لیکن وہاں کے اختلافات سے دل برداشتہ ہو کر انھوں نے عشرہ ۱۹۶۰ء کے وسط میں دی مسلم برادرس آف امریکا کے نام سے خود اپنی سوسائٹی قائم کی۔ گزشتہ کئی برسوں میں اپنے دعوے کے مطابق، انھوں نے ہزار سے زیادہ امریکیوں کو اسلام قبول کرنے میں مدد دی اور وہ ایک حج گروپ کے منتظم رہے جس میں افریقی امریکی مسلم رہنما وارث دین محمد بھی شریک تھے۔

لاس اینجلس کی ایرانی مسلم برادری میں اسلامی تجدید و احیاء کی ایک اور جداگانہ شکل، خصوصاً دانش ور طبقے میں، راہبانہ باطنیت کی صوفیانہ روایات میں لی جانے والی دلچسپی ہے۔ لاس اینجلس میں کم از کم تین جگہوں پر صوفیوں کے باضابطہ اجتماعات ہوتے ہیں۔

پچھلے دنوں عید الاضحیٰ کی تعطیل کے موقع پر، جب روایت پسند مسلمان حضرت ابراہیم [علیہ السلام] کی اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے بارے میں حکم الٰہی کی بجا آوری کی یاد میں دنبہ ذبح کر رہے تھے، ایک مقامی صوفی حلقے نے بربینک میں اپنے مرکز میں ایک مشاہدے کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتظام کیا۔ اویسی شاہ مقصودی سلسلے کی تعلیمات کے تقریباً ایک سو پیروکاروں کا یہ سلسلہ بیالیس صوفی مشائخ کے واسطوں سے ہوتا ہوا پیغمبر اسلام حضرت محمد [صلّی اللہ علیہ وسلّم] تک پہنچا ہے۔ ۱۹۹۰ء میں ایک رپورٹ کے مطابق پوری دنیا سے تین ہزار سے لے کر پانچ ہزار تک افراد اپنے محترم قائد کی سالگرہ کی تقریب منانے لاس اینجلس سے سو میل دور لنکاسٹر کے صحرائی شہر میں اکٹھا ہوئے تھے۔

سفید لباس پہنے ہوئے، مرد کمرے میں بائیں جانب اور عورتیں داہنی جانب ایک فانوس کے نیچے اپنے صوفی قائد کی نیلے رنگ کی ٹرانسپرنسی تصویر کے سامنے کھڑے ہو کر ماورائے ادراک موضوعات پر اپنے محترم روحانی ڈائریکٹر کی تقریر سننے کے لیے اکٹھا ہو گئے۔ بعد میں، جب کمرہ رفتہ رفتہ تاریک کر دیا گیا، تو مقامی لیڈر (پیر) نے اپنے حاضرین کے حلقے میں اپنے حافظہ سے نغمے اور نعتیں ایک خاص لحن میں پڑھنی شروع کر دیں۔ جوں جوں نغمہ خوانی ہوتی رہی سامعین کی محویت بڑھتی گئی۔ لوگ داہنے بائیں جھوم رہے تھے، اور رو رہے تھے اور نعرے بلند کر رہے تھے۔ اس طرح وہ اپنے جذبات کے طوفان کو فرو کر رہے تھے۔ یہ تمام لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے، اور انھیں [اپنے ہاتھوں کو] اپنے سروں سے اوپر اٹھائے ایک خاص لحن میں بلند آواز میں اللہ کے اسمائے حسنیٰ ادا کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ لوگ خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ہلکی روشنیاں پھر تیز ہو گئیں، اور وابستگان حلقہ میں سے پانچ مردوں نے حاضرین کے سامنے چائے اور پیسٹریاں رکھنی شروع کر دیں۔ چائے پیش کرنے اور چائے پینے کے بعد تقریباً پندرہ منٹ کے دوران میں مکمل خاموشی رہی۔ اس کے بعد، مقرر نے کچھ الوداعی کلمات کہے اور حاضرین قربان گاہ کی جانب پیٹھ کیے بغیر واپس مڑ گئے۔ انھیں کاغذ میں لپٹے ہوئے انگور اور کھیرے کے ہدیے دیئے گئے، اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

وہاں سے دس میل سے بھی کم کے فاصلے پر ایک دوسرا ایرانی گروہ، نعمت الٰہی سلسلہ، ایک بالکل مختلف طریقے سے اور زیادہ مراقبے کے ساتھ تصوف پر عمل کرتا ہے۔ امریکا میں کوئی ایک درجن سے بھی زیادہ نعمت الٰہی مراکز میں مشن ہلز پر واقع ''خانقاہ'' مرکز میں ہر جمعرات اور ہفتے کی راتوں کو تیس سے چالیس تک افراد آ جاتے ہیں جن میں چند امریکی بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتے ہیں۔ یہاں وجد پر زیادہ زور نہیں دیا جاتا۔

دلاور کارائیں کی قیادت میں جو پورے امریکا میں اس تنظیم کے ایک ہی شیخ ہیں، ارکان پہلے دیوار سے لگ کر مراقبے میں بیٹھ جاتے ہیں، اور ہلکی روشنی میں ایران کی روایتی موسیقی سنتے ہیں۔ اس کے بعد تقریباً نصف ارکان مکّے کی جانب رخ کرکے روایتی عبادت (نماز) میں مشغول ہو جاتے ہیں اور بقیہ نصف کمرے سے نکل جاتے ہیں۔ پھر ایک اور ٹیپ چلایا جاتا ہے۔ یہ نعمت الٰہی سلسلے کے ایک شیخ جوادنوربخش کا لیکچر ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کے انگریزی ترجمے کا ٹیپ سنایا جاتا ہے۔ آخر میں کبھی کبھی فرش پر مجمع کے سامنے ڈنر لگادیا جاتا ہے۔ شیخ کے افتتاحی اور اختتامی کلمات کے سوا یہ پورا ڈنر مکمل خاموشی میں لگایا اور کھایا جاتا ہے۔ شیخ جوں ہی رخصت ہونے لگتے ہیں، مجمع ان کی تکریم میں کھڑا ہو جاتا ہے اور اظہار عقیدت کرتا ہے۔ اس کے بعد شیخ ایک اور جگہ ایک پردے کے پیچھے ارکان سے ذاتی ملاقاتیں کرتے ہیں۔

چند ایک مستثنیات کو چھوڑ کر جن کی مثالیں ہم نے اوپر دی ہیں، لاس اینجلس میں ایرانیوں کی اکثریت، جو خود کو مسلمان کے حوالے سے پیش کرتی ہے، بطور خاص مذہبی نہیں ہے۔ وہ خود کو اب تک کسی نہ کسی لحاظ سے اسلامی عقائد سے وابستہ سمجھتے ہیں اور شادی اور موت وغیرہ کے مراسم کی ادائیگی میں کسی نہ کسی حد تک مسلم روایات کی پیروی کرتے ہیں۔ بہرحال وہ اپنے فرقے یا تنظیم کی کسی تقریب میں شریک نہیں ہوتے۔ دوسرے لفظوں میں یہ لوگ کسی الگ نظر آنے والی برادری کے رکن نہیں ہیں جیسی امریکا میں ایران کی دوسری اقلیتی برادریاں ہیں (یہودی، بہائی، آرمینی اور دوسرے)۔ اکثر ثقافتی تقریبات اور تعطیلات جن میں یہ لوگ اکٹھا ہو جاتے ہیں مثلاً، نوروز، سیزدہ بدر ان میں ایرانی نسل کے دوسرے مذہبی گروہ بھی شریک ہوتے ہیں، جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ تہوار ایران میں اسلام کی آمد سے پہلے سے رائج ہیں۔ اس لحاظ سے لاس اینجلس میں سیکولر مسلمان (ایرانی) ایران کے ان دوسرے نسلی اور مذہبی گروہوں سے جنھوں نے امریکا کے لیے اپنا وطن چھوڑا بالکل الگ تھلگ ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلم اور غیر مسلم

تارکین وطن مسلمانوں کو جن اذیتوں کا سامنا لازماً کرنا پڑتا ہے ان میں ایک بہت بڑی اذیت یہ ہے کہ عربوں، ایرانیوں، ہندوستانیوں، پاکستانیوں اور بعض دوسرے نسلی گروہوں کو امریکا میں قانوناً اقلیت نہیں سمجھا جاتا حالانکہ سلوک ان کے ساتھ اکثر اقلیتوں ہی والا ہوتا ہے۔ حکومت امریکا کی نظروں میں وہ غالب ثقافت کا حصہ ہیں، لہٰذا وہ کسی اقلیتی مراعات کے مستحق نہیں ہیں۔ لیکن وہ ثقافتی ''اجنبی'' یا ''غیر'' ہونے کے منفی نتائج اب بھی بھگت رہے ہیں۔

ایک مشترک مسئلہ جس کا سامنا امریکا میں مسلمانوں کو کرنا پڑتا ہے وہ ان کے خلاف ذرائع ابلاغ کی یہ مہم ہے کہ مسلمان تشدد پسند ہیں، (اس جدید دور میں بھی) قرون وسطی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اسی نوعیت کے لگے بندھے اور دشمنی بھڑکانے والے منفی الزامات اُن پر لگائے جاتے ہیں۔ امریکی عوام میں، جن کی اکثریت اسلامی عقائد اور پس منظر سے ناواقف ہے، مسلمانوں کے بارے میں خاص نوعیت کا تعصب، اور کبھی کبھار دشمن ہونے کا تصور پایا جاتا ہے۔

یہ رویئے مختلف شکلوں میں نمایاں ہوتے ہیں، جو بعض اوقات وسیع عوامی میدان کارزار تک پہنچ جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ۱۹۹۰ء میں نارتھ رج کا اسلامی مرکز اسی لاس اینجلس کے شہر میں اپنے ہونے والے پڑوسیوں کی پھیلائی ہوئی افواہوں کا شکار ہو گیا۔ اس واقعہ کا آغاز ۱۹۷۰ء کے عشرے کی ابتدا میں ہوا تھا جب سین فرنانڈو ویلی میں رہنے والے پاک و ہند کے دس خاندانوں کو جنوبی کیلی فورنیا کے اسلامی مرکز تک آنے جانے میں پچاس میل کا فاصلہ خاصا زیادہ معلوم ہونے لگا۔ بہت سی دوسری مسجدوں نے جس انداز میں ترقی کی تھی اس مثال پر عمل کرتے ہوئے اسلامی گروہ کے لوگوں نے پہلے اپنے گھروں میں اور بعد میں سپلویڈا میں ایک ممبر کے نرسری اسکول میں نشستیں منعقد کرنی شروع کیں۔ دو سال کے اندر انھوں نے وسائل اکٹھا کر کے نارتھ رج میں ایک پٹرول پمپ کے نزدیک ایک مصروف سڑک کے کونے پر ایک مکان یہ سمجھ کر خرید لیا کہ وہ مناسب جگہ ہے، اور وہاں کسی قسم کی پریشانی بھی نہیں ہوگی۔ لیکن جب انھوں نے اس مکان کو ایک چھوٹی سی مسجد میں تبدیل

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کے لیے سٹی کونسل میں منظوری کی درخواست دی تو وہ درخواست مسترد کر دی گئی۔ شہری ادارے کے مشورے کے بعد مسلمانوں نے تین کمروں کا ایک دوسرا مکان منتخب کیا جو ایک گرجا گھر کے برابر میں برائے فروخت تھا۔ جب اس مکان کو مسجد میں تبدیل کرنے کے لیے درخواست دی گئی تو مسلمانوں کی چھوٹی سی برادری کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ وہاں مخالفت برابر میں واقع چرچ کی جانب سے ہوئی تھی۔ چرچ کے نمائندے نے مجوزہ مسجد کو پڑوس کے لیے "مفاد کا تصادم" قرار دیا تھا۔

آخر کار کافی دوڑ دھوپ اور محنت کے بعد مسلمانوں کی درخواست منظور ہو گئی۔ تاہم اس دس سال میں وہاں مسلمانوں کی برادری کافی بڑھ چکی تھی، اور انھوں نے کسی نئی جگہ کی تلاش شروع کر دی جس پر وہ مسجد کی عمارت روایتی انداز میں تعمیر کر سکیں۔ آخر کار گریناڈا ہلز کے مقام پر ایک خالی جگہ کے بارے میں فیصلہ کیا گیا۔ پچھلے تجربے کی روشنی میں مسجد کی تعمیر کے خوفناک تصور پر پڑوسیوں کی جانب سے مزاحمت کی توقع پر مسلمانوں نے ممکنہ مزاحمتوں کو دور کرنے کے لیے ایک امریکی نژاد مشیر اور لابی ساز کی خدمات حاصل کیں۔ اندیشوں کے مطابق، ایک بار پھر پڑوسیوں نے شکایتوں اور پریشانیوں کے انبار لگا دیئے۔ اس بار انھوں نے علاقے میں ایک نئی عمارت کی تعمیر سے پیدا ہونے والے شور اور آلودگی کو بہانہ بنایا۔ اب اسلامی مرکز کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ ٹریفک اور شور کے مسئلے کے مطالعے کے لیے شہری ادارے کی سفارش کی روشنی میں پانچ ہزار ڈالر پر ایک انجینئرنگ کمپنی کی خدمات حاصل کریں۔ اس مطالعے کے نتیجے میں یہ معلوم ہوا کہ پڑوس پر مجوزہ مسجد کا کوئی ماحولیاتی اثر نہیں ہوگا۔ آخر کار لاس اینجلس کی سٹی کونسل نے تعمیر مسجد کے منصوبے کے منظوری دے دی لیکن اس منظوری کے ساتھ چوالیس (۴۴) شرائط عائد کر دیں۔ اس پورے شہر میں کسی نوعیت کی عبادت گاہ کے لیے عمارت کی تعمیر میں اتنی زیادہ شرائط اس سے پہلے کبھی نہیں لگائی گئی تھیں۔ اس میں ایک شرط یہ بھی شامل تھی کہ مسجد میں ہسپانوی فن تعمیر کی آمیزش کی جائے گی۔

نارتھ رج میں اسلامی مرکز کے صدر محمد محی الدین کے مطابق ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسجد ایک "ہسپانوی گودام" بن کر رہ جائے گی۔ بہرحال اس موقع پر، لاس اینجلس ٹائمز

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ایک رپورٹر نے شہری کونسل کے خفیہ امتیازی سلوک اور ایک روایتی مینار سمیت اپنی پسند کی ایک عبادت گاہ تعمیر کرنے کے سلسلے میں ایک مذہبی اقلیتی گروہ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے پر مبنی ایک مضمون چھاپ دیا۔ اس مضمون کے چھپتے ہی لاس اینجلس کے میئر ٹام بریڈی شہر میں مذہبی آزادی کے دفاع میں شامل ہوگئے اور لاس اینجلس ٹائمز نے مجوزہ اسلامی مرکز کی تائید میں اپنے ابتدائی مضمون کے بعد کئی اور مضامین اور ایک اداریہ شائع کیا۔

مسلمانوں نے جو اس سارے معاملے میں ایک فریق تھے، اپنے دفاع میں اٹھنے والی اس نئی سیاسی لہر پر کسی غیر معمولی مسرت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ صدر محی الدین نے کہا، کہ مینار کا معاملہ کبھی اتنا اہم نہ تھا اور مسلم برادری سے زیادہ اسے اخبار کے رپورٹر نے اہمیت دے دی تھی۔ اپنے عوامی رابطوں میں مسلمانوں نے جلد از جلد اپنے لیے صرف ایک مسجد تعمیر کرنے کی اجازت مانگی، خواہ وہ ہسپانوی طرز کی ہو یا کسی اور طرز کی۔ اپنے اس فیصلے سے انھوں نے بداعتمادی اور شک وشبہات کی اس گرد کو صاف کر دیا جو بڑے مخصوص انداز میں ان کے خلاف اٹھائی جارہی تھی۔ اس طرح انھوں نے خود کو اچھا اور قناعت پسند پڑوسی ثابت کر دیا۔

مسلمانوں کے خلاف بدگمانی، شک وشبہات اور تفریق کا زیادہ افسوس ناک مظاہرہ لاس اینجلس میں متعدد سرکاری ایجنسیوں نے کیا ہے۔ خلیج فارس کی جنگ کے دوران میں مقامی مسلمان اور دوسری اقلیتی جماعتیں اس وقت انتہائی غضب ناک ہوئیں اور بڑے موثر طور پر انھوں نے مقامی ذرائع ابلاغ کو بھی ہشیار کر دیا جب انھوں نے یہ دیکھا کہ ایف بی آئی والے، منتخب عرب امریکیوں سے ملاقاتیں کر کے عراق اور صدام حسین کے ساتھ ان کے درپردہ تعلقات اور ان سے وفاداری کے اور ان لوگوں کی منصوبہ بند دہشت گردی کے ثبوت تلاش کرنے لگے۔ ابتدائی دنوں میں لورین مرزا کو جو ایک بڑی صاف گو شیعہ فعال کارکن اور پاکستانی امریکن فرینڈ شپ لیگ کی ڈائریکٹر ہیں مقامی اخباری رپورٹوں سے یہ معلوم کر کے انتہائی صدمہ ہوا کہ لاس اینجلس کے محکمہ پولیس نے انھیں اور ان کی تنظیم کو (اور متعدد دوسری تنظیموں کو) غیر قانونی نگرانی میں رکھا تھا۔

حال میں ایک بار یوم عاشورہ کے موقع پر صدام حسین کے خلاف ایک احتجاجی جلوس میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افریقی امریکی برادری کی ایک شیعہ مسجد، مسجد الرسول کے امام موجئی نے بڑے غصے کے عالم میں اپنے مسلمان بھائیوں سے کہا کہ انھیں ایف بی آئی کے ذریعہ ہراساں کیا جا رہا ہے اور ایف بی آئی والوں نے بلا کر انھیں تنبیہ کی تھی کہ ہم نے آپ کے خلاف ''سنگین خطرات'' دریافت کئے ہیں۔ ایک باہمی اتحاد قائم کرنے والی جماعت، یونائیٹڈ مسلم آف امریکا، کے مقامی ڈائریکٹر نثار حیٔ کے پاس لاس اینجلس کے مسلمانوں کو ہراساں کرنے اور ان کے ساتھ امتیازی سلوک کرنے سے متعلق معاملات کی ایک موٹی فائل موجود ہے جس میں دور دراز تک رسائی والے کمپیوٹروں کے نظام پر توہین آمیز لطائف پھیلانے سے لے کر مسلمانوں کی ایسی شکایتیں بھی ہیں جن کے مطابق ان کے ساتھ اپنے روایتی لباس پہننے پر دکانوں میں بدسلوکی کی گئی۔ کویت پر عراقی حملے کے بعد ۱۹۹۰ء کے آخری پانچ مہینوں کے دوران میں لاس اینجلس کے شہری ادارے کے پاس مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیزی (قانون کی حقیقی خلاف ورزی) کے انیس واقعات کا اندراج کرایا گیا۔

ہراساں کرنے کے معمولی واقعات تو طرح طرح سے ہوتے رہتے ہیں۔ ایک بار لانگ بیچ میں اپنے روایتی لباس میں ملبوس ایک مسلمان خاتون اور ان کی دو بیٹیوں کو پولیس اسکواڈ کی کار نے گھیر لیا کیونکہ اسے شکایت ملی تھی کہ پڑوس میں تین مسلمان عورتیں بندوق لیے گھوم رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ قالین صاف کرنے کی مشین لیے ہوئے تھیں۔ خلیج فارس کی جنگ کے دوران میں ٹیلی فون ڈائریکٹری میں درج ایسے مسلمانوں کو جن کے ناموں کے آخر میں ''حسین'' آتا تھا، رات میں کسی بھی وقت دھمکی آمیز ٹیلی فون موصول ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض گمنام پڑوسی اپنی شناخت ظاہر کئے بغیر مسلمانوں کو ٹیلی فون کر کے ان سے مبہم قسم کے شہری قوانین اور دفتری قواعد و ضوابط کے نفاذ کا مطالبہ کرتے تھے۔ ایک دن ایک مقامی مسلمان کو متعلقہ شہری محکمے نے ٹیلی فون کر کے بتایا کہ اپنی کار کے لیے اس کے شخصی نمبر ''۴۔ جہاد'' کی بے ضرر درخواست نامنظور کر دی گئی ہے۔ جہاد اس کے بیٹے کا نام تھا۔ حتیٰ کہ ریاست کیلی فورنیا میں جمہوریت کے کنونشن کی تقریب میں بھی اس انداز میں کنویسنگ کی گئی تھی کہ ہر ہر کرسی پر اسلام دشمن لٹریچر رکھا ہوا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل کلام

مقامی مسلم برادری میں بعض لوگوں کی اس کوشش کے باوجود کہ مسلمانوں کو وسیع البنیاد مذہبی وفاق میں متحد کر کے ان کے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لیے ایک موثر سیاسی لابی تشکیل دی جائے، آج بھی یہ لوگ اپنے اپنے مذہبی، ثقافتی اور سیاسی خطوط پر ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ آنے والے دنوں میں مقامی مسلم برادری کون سی واضح شکل اختیار کرے گی یہ ان بہت سی آبادکار نسلوں کے لیے ایک تکلیف دہ سوال ہے جو اپنے بچوں کے دل و دماغ میں اپنی ملکی روایات کے رچانے بسانے کی جدوجہد میں مشغول ہیں۔

قطعی بات یہ ہے کہ، امریکا میں اسلام کی معاشرتی مذہبی رفتار اور رویوں کا فیصلہ آج کے مسلمان بچے کریں گے، جن سے امریکا میں اپنے مشترکہ مسائل کا مقابلہ اپنی مختلف النوع تواریخ سے کرنے کا مسلسل تقاضا ہو رہا ہے۔ اس افسوسناک نظریاتی تصادم کی صورت حال میں ایک مشترک امریکی مسلم تشخص کھیل کے میدانوں میں، لاس اینجلس کے اسکولوں اور کالجوں میں اور ہر دم موجود ٹی وی سیٹوں کے سامنے تیزی کے ساتھ تشکیل پا رہا ہے۔

حواشی

یہ باب لاس اینجلس میں رہنے والے ستر سے زیادہ مسلمانوں، جن میں اسلامی مراکز کے اکیس امام اور صدر اور چھ دوسری اسلامی ملحقہ تنظیموں کے افسران شامل ہیں، سے رسمی گفتگو اور مسلم برادری کے متعدد ارکان سے غیر رسمی گفتگو کے پچاس سے زیادہ ٹیپ کیے ہوئے انٹرویوز پر مشتمل ہے۔ مقالہ نگار علاقے کی تیس سے زیادہ مسجدوں میں گیا۔ وہاں گفتگو کا بڑا موضوع مقامی مساجد کے نظام سے متعلق رہا۔ وہ لوگ جو مسجدوں کے وسیع سلسلوں سے بالکل الگ ہو چکے ہیں وہ اردگرد کے امریکی معاشرے میں مدغم ہوتے جا رہے ہیں اور مسلمان کے طور پر ان کی علیحدہ شناخت مشکل ہو گئی ہے۔ یہ مسئلہ خود مقامی مذہبی فعال کارکنوں کے لیے بھی دردسر بنا ہوا ہے جو یہاں اپنی برادری کی صحیح تعداد معلوم کرنا چاہتے ہیں۔

ا۔ ابھی حال میں رمضان کے بعد عید الفطر کے موقع پر لاس اینجلس کے شہری علاقے کی دو اہم مساجد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں حاضرین کی تعداد الگ الگ آٹھ سے دس ہزار تک رہی جن میں غالب اکثریت بالغ مسلمانوں کی تھی۔ عید کے دوسرے بڑے اجتماعات میں ایک اجتماع فرنانڈو ویلی میں ہوا، جہاں تقریباً تین ہزار افراد شریک تھے اور دوسرا اجتماع رولینڈ ہائٹس کی ایک مسجد کا تھا، جہاں لاس اینجلس کاؤنٹی کے ایک میدان (فیئر گراؤنڈ) میں تقریباً دوہزار افراد نے شرکت کی۔ افریقی امریکی نسل کے لوگوں کی مسجد بلال اور ریورسائڈ کے اسلامی مرکز میں ایک ایک ہزار افراد موجود تھے۔

۲۔ مسجد عباد اللہ کے امام سفیر صادق کا اندازہ ہے کہ اس علاقے میں تقریباً تین لاکھ مسلمان رہتے ہیں، جن میں سے دس فیصد لوگ باعمل مسلمان ہیں۔ نیرہ توحیدی نے مقامی ایرانی برادری کا جائزہ لینے کے بعد یہ اندازہ لگایا کہ صرف دس سے تیرہ فیصد افراد نے اپنی روزمرہ کی زندگی میں اسلامی احکام پر پابندی کے ساتھ عمل کرنے کے سلسلے میں ''ہاں'' میں جواب دیا۔

۳۔ جب دس اماموں اور دوسرے مذہبی رہنماؤں سے یہ سوال کیا گیا کہ لاس اینجلس میں کتنی مسجدیں ہیں، تو ان میں سے کسی دو کا جواب بھی یکساں نہیں تھا۔ مقالہ نگار کا اب تک تیس مسجدوں میں جانا ہو چکا ہے (جن میں تبدیل شدہ گوداموں سے لے کر لب سڑک دکانوں اور مستقل عمارتوں والی مسجدیں شامل ہیں)۔ ان مسجدوں کو دیکھنے کے بعد مقالہ نگار کا تخمینہ یہ ہے کہ عظیم لاس اینجلس کے علاقے میں چالیس سے کچھ کم مساجد ہیں۔

۴۔ جیسا کہ بہت سے مسلمانوں کا خیال ہے، تبلیغی سرگرمیاں بھی خاصی شدت پسندانہ ہوتی ہیں۔ انگل ووڈ کی مسجد میں مقالہ نگار کی ملاقات ایک تبلیغی بزرگ سے ہوئی جنھوں نے منٹوں میں مقالہ نگار کو ایک مسلمان نام دے دیا اور اس کے بعد احتجاج کے باوجود، وہ اسے دوسروں سے اسی اسلامی نام سے متعارف کراتے رہے۔

۵۔ امریکا کے جیل خانوں کے نظام میں، خصوصاً افریقی امریکی مسلمانوں کے حوالے سے، اسلام بڑے قابل ذکر انداز میں موجود ہے۔ میلکم ایکس نے نیشن آف اسلام جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہی تشکیل دی۔ اسی طرح دوسرے بہت سے لوگوں کو بھی اپنے | اسلامی | عقائد کو عملی جامہ پہنانے کا موقع جیل خانوں ہی میں ملا۔

عشرہ ۱۹۸۰ء کے اواخر میں امریکا میں جیل خانوں کے وفاقی اور ریاستی نظام نے دوسرے مذاہب کے قیدیوں کی مذہبی زندگی کی خبر گیری کرنے کے لیے دیگر مذہبی رہنماؤں کی طرح مسلمان مولویوں کی خدمات بھی حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ جیل خانے کے افسروں کو اس بات میں بھی بھرپور دلچسپی تھی کہ یہ مذہبی رہنما کونسلروں کے طور پر کام کرتے ہوئے مسائل کو بروقت سمجھیں اور امن سکون قائم رکھنے میں مددگار ہوں۔ مغربی امریکا کے جیل خانوں میں جو ابتدائی چھ مولوی رکھے گئے ان میں ایک سنی رہنما امام عبدالحفیظ بھی شامل تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چونکہ اسلام کے متعلق جیل کے افسروں کی معلومات کا ذریعہ محض سزایافتہ مجرم ہی تھے، لہٰذا وہ مسلمان مولویوں کے پروگراموں پر بڑی کڑی نظر رکھتے تھے۔ ان افسروں کے نزدیک اسلام کے بارے میں عام تاثر یہ تھا کہ یہ ایک ''جیل خانے کا مذہب'' ہے جو باہمی تحفظ کی سوسائٹی جیسے ایک گروہ کی شکل میں کام کرتا ہے۔ ۸۰۔۱۹۷۹ء میں ایرانی یرغمالیوں کے بحران اور اس سے بھی پہلے اوکلاہوما جیل کے ایک پہرے دار کو مسلمان ہونے کے دعویدار چند قیدیوں کی جانب سے پھانسی دے دیئے جانے کے نتیجے میں جیل کے پہریدار اور وارڈنوں کے ذہنوں میں اسلام کے بارے میں جو مضحکہ خیز تاثرات پیدا ہوئے، انھیں رفع کرنے میں امام عبدالحفیظ کو بڑی سفارتی نوعیت کی خدمات انجام دینی پڑیں۔ جیل خانے کے عملے اور قیدیوں کے درمیان ایک نازک خط پر چلتے ہوئے گزشتہ کئی سالوں کے دوران میں امام عبدالحفیظ نے دونوں میں اعتبار و اعتماد حاصل کر لیا۔

امام عبدالحفیظ نے ابتدا میں لامپاک میں ایک وفاقی اصلاح خانہ میں جہاں عمر قید کے قیدی رکھے گئے تھے کام کیا۔ وہاں ان کے اجتماعات میں تقریباً ڈیڑھ سو افراد شریک ہوتے تھے جن میں دس نیشن آف اسلام کے سرگرم کارکن، تیس سے چالیس تک مورش سائنس ٹمپل آف امریکا (جس کا تعلق مشرقی ساحل خصوصاً واشنگٹن ڈی سی سے تھا) کے ارکان تھے، اور بقیہ سنی تھے۔

آخر کار ان کا تبادلہ سان پیڈرو میں کم سے کم حفاظتی انتظامات والے ٹرمینل آئی لینڈ میں ہو گیا، جہاں ان کے پیچھے تقریباً تیس باعمل مسلمان نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے آتے ہیں۔ امام صاحب انہیں اور مزید تقریباً پندرہ مسلمانوں کو مشورے دیتے ہیں جو اسلام میں کسی نہ کسی درجے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ لوگ افریقی امریکی ہیں لیکن تین ایرانی، ایک ترک، دو افغانی، دو کیوبن اور ایک میکسی کن امریکی بھی ہے۔ ٹرمینل آئی لینڈ کی سہولیات پر مختلف فرقوں کے مسلمان آزادی کے ساتھ ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں، اور بعض اوقات جمعہ کی نماز میں شریک بھی ہو جاتے ہیں۔ ویسے وفاقی اصلاح خانے کے نظام میں مختلف مسلم گروہوں کے درمیان خطوط بہت مضبوط ہیں۔

۶۔ نوآبادکاروں کی سیاسی انفعالیت میں یقیناً کچھ مستثنیات بھی ہیں۔ پھر بھی سرگرمی کے یہ مواقع بہت کم ہی مسلمانوں کو غیر مسلم امریکیوں تک پہنچنے کے قابل بناتے ہیں۔ مثال کے طور پر اسلامک ایسوی ایشن فار پیلسٹائن نے حال ہی میں انتفادہ کی دوسری قومی سالگرہ منائی۔ لاس اینجلس میں پوری ریاست سے تقریباً سات سو افراد عربی تقریروں کا ایک سلسلہ سننے کے لیے اکٹھا ہوئے ان میں مہمان مقرر شیخ خلیل الکوکا بھی تھے جنھوں نے اسرائیل کے خلاف اور مسلمانوں کی حمایت میں فلسطینی مسلمانوں کی سیاسی تحریک ''حماس'' کی مسلح جدوجہد کے حق میں تقریر کی وہاں اس مقالہ نگار کے بارے میں لوگوں کو کسی جاسوس ہونے کا شبہ ہوا لہٰذا اسے کوئی تصویر کھینچنے یا کارروائیوں کو ٹیپ کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس تنظیم کے اہل کاروں سمیت جلسے میں موجود کوئی شخص بھی غیر رسمی نوعیت کا بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی انٹرویو دینے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔

۷۔ لاس اینجلس کی افریقی امریکی اسلامی برادری کی تمام مسجدیں اپنا تاریخی سلسلہ مسجد بلال سے ملاتی ہیں سوائے مسجد المومن کے جو ایک قلیل تعداد پر مشتمل ایک سنی اسلامی مرکز ہے اور لاس اینجلس کی نیشن آف اسلام کی ہم عصر ہے۔

۸۔ ایک موقع پر محرم کی ایک مجلس میں، تقریباً دو سو افراد کے ایک گروہ کو بیل فلاور ہائی اسکول جمنازیم سے اسکول کے کیفے ٹیریا میں منتقل ہونا پڑا تھا کیونکہ جمنازیم کو ایک مقامی امریکی گروہ نے جوئے کے ایک کھیل کے لیے مختص کرا لیا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۷

سان ڈیگو میں مسلمان

ایم کے ہرمن سین

سان ڈیگو میں بہت سی خصوصیات وہ ہیں جن کی توقع کوئی بھی شخص جنوبی کیلی فورنیا کے بڑے شہروں سے کرسکتا ہے۔ پچھلے دنوں تک یہاں کسی بھرے پُرے شہر کا احساس نمایاں نہیں تھا بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بہت سے چھوٹے چھوٹے شہر وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتے گئے اور آخر میں ایک ہوگئے۔ غیر مربوط طور پر پھیلے ہوئے اس شہر میں بڑے طول طویل فاصلے ہیں جنھیں کاروں کے ذریعے طے کیا جا سکتا ہے، چونکہ جنوبی کیلی فورنیا کا شہری طرز کچھ اس قسم کا ہے کہ وہ عمودی شکل میں بڑھنے کے بجائے افقی صورت میں پھیلتا جاتا ہے، لہٰذا شمال مشرق کے بڑے بڑے شہری مراکز کے برخلاف سان ڈیگو کے مسلمانوں کے لیے یہ ایک مشکل امر ہوگا کہ وہ مختلف ملکوں سے آئی ہوئی برادری کی تشکیل نو کرسکیں۔

سان ڈیگو کی مسلم آبادی میں گزشتہ دو عشروں میں بڑی ڈرامائی تبدیلی آئی ہے۔ بعض تخمینوں کے مطابق یہاں مسلمانوں کی آبادی پچاس ہزار سے زیادہ ہے۔[1] اگرچہ سان ڈیگو کی سترہ لاکھ کی مجموعی آبادی کو ذہن میں رکھتے ہوئے مسلمانوں کی تعداد پچاس ہزار ممکن معلوم ہوتی ہے لیکن بعض یہ محسوس کرتے ہیں کہ بیس ہزار زیادہ حقیقت پسندانہ تعداد ہوگی۔[2] اتنی بڑی آبادی کے مقابلے میں مسلمانوں کی مذہبی تقریبات وغیرہ کے موقع پر مسجدوں یا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی مرکزوں میں شرکاء کی محدود تعداد (عیدین کے موقعوں پر کوئی دو ہزار اور پانچ سے چھ سو افراد کی جمعہ کی نماز میں) کی وضاحت متعدد طریقوں سے کی جا سکتی ہے۔

سان ڈیگو میں مسلمانوں کی طرح نظر آنے والوں کی مجموعی تعداد میں اضافہ بہت سے عراقی عیسائیوں اور غیر مسلم ایرانیوں کی وجہ سے بھی ہوا ہے جو یہاں ترک وطن کر کے آ تو گئے ہیں لیکن قدرۃً وہ مسجد کی سرگرمیوں کے ساتھ وابستہ نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ مسلم ایرانی بھی، جو بڑی تعداد میں ہجرت کر کے جنوبی کیلی فورنیا آ گئے ہیں، مغربی رنگ میں رنگے ہوئے کسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو ایرانی انقلاب کے نتیجے میں ایران سے بھاگ کر آئے ہیں مگر اسلامی مذہبی سرگرمیوں میں شرکت نہیں کرتے۔ ایک تیسرا عنصر ایک قسم کی رضا کارانہ اور انتخابی آزادی ہے جو امریکا کے دوسرے مذہبی گروہوں کی طرح مسلمانوں میں بھی نفوذ کر گئی ہے اور مسلمان یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنی پسند کے کسی ادارے کی اسلامی مذہبی سرگرمیوں میں حصہ لینے یا نہ لینے کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ اکثریت کے نزدیک یہ شرکت کوئی مذہبی فریضہ نہیں ہے۔

سان ڈیگو میں موجود مسلمانوں پر دو چیزوں کے اثرات نظر آتے ہیں ایک تو ان لوگوں کے آبائی وطنوں کے، دوسرے خود اس شہر کے مزاج اور کردار کے۔ اور ان میں مسلمانوں کی موجودگی کے باوجود اس شہر کی معاشرتی تنظیم اس جیسے دوسرے شہروں سے کم از کم دس سال پیچھے معلوم ہوتی ہے۔ اس کا مستقبل میں اس شہر کے نقشے پر دلچسپ اثر پڑ سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک صاحب نے کہا ''ہمیں لاس اینجلس اور آرنج کاؤنٹی کی غلطیوں سے سیکھنے کا موقع مل گیا تھا''۔ مثال کے طور پر یہاں بالکل حال میں قائم ہونے والی مقامی مساجد میں اعلیٰ درجے کا تعاون اور باہمی میل جول موجود ہے لہٰذا اس بات کا امکان ہے کہ یہ خطہ سیاسی اور نسلی تفرقوں جیسے مسائل سے بچ سکے گا۔

سان ڈیگو کی مسلم برادری وہاں سے سو میل دور لاس اینجلس کی ایک مضافاتی بستی ہونے کے لحاظ سے متاثر ہوتی ہے۔ بہت سی نسلی برادریوں کی تعداد ابھی اتنی نہیں ہوئی ہے کہ اُن کے لیے وسیع سماجی سلسلوں اور اگلی نسلوں کی شادیوں کے لیے موزوں جوڑوں کی دستیابی آسان ہو، یہ چیز خاص طور سے ان گروہوں میں زیادہ نمایاں ہے جو روایتاً دوسری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برادریوں یا دوسری نسل کے لوگوں میں شادیاں نہیں کرتے، مثلاً پاکستانی اور افغانی۔ حتیٰ کہ ایرانی بھی جو سب سے بڑا مسلم نسلی گروہ ہیں[۳] اور فارسی بولنے والوں کی جنوب میں آخری آبادی ہے، جو لاس اینجلس سے شروع ہو کر آرنج کاؤنٹی سے ہوتی ہوئی جنوب میں سان ڈیگو کاؤنٹی تک پھیلی ہوئی ہے۔ بہت سے مسلمان خاندان سان ڈیگو سے لاس اینجلس تک اپنی کاروں کے ذریعے جاتے ہیں، تاکہ وہاں اپنی نسبتاً بڑی برادری کے ساتھ تہوار وغیرہ منا کر اپنے دوستوں اور رشتے داروں کے ساتھ روابط برقرار رکھیں۔ اس صورت حال نے سان ڈیگو میں ایک فعال برادری کی تشکیل نہیں ہونے دی ہے۔

ترک وطن کے مختلف اسباب، پس منظر اور برادری کی ترقی

سان ڈیگو کو متعدد عوامل مسلمانوں کے لیے دلکش بناتے ہیں۔ اس کی بحیرۂ روم کی سی آب و ہوا اور اس کی جغرافیائی کیفیات مشرق وسطیٰ کے بہت سے علاقوں کی یاد دلاتی ہیں۔ سان ڈیگو میں ریاست سان ڈیگو کی یونیورسٹیاں اور دوسرے ادارے[۴] اب طب اور انجینئرنگ میں گریجویٹ ڈگری کی سطح تک کی تعلیم دیتے ہیں اور غیر ملکی طلباء میں اعلیٰ ترجیح کا مرکز بنے ہوتے ہیں۔ گریجویٹ تعلیم کا معاملہ بطور خاص بہت اہم ہے کیونکہ غیر ملکی پیشہ وروں کے متعلق زیادہ امکان یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے ملک واپس جانے یا امریکا ہی میں ملازمت کی خاطر کسی اور جگہ جانے کے بجائے اپنی برادری ہی میں بس جانے کو ترجیح دیں گے۔

چونکہ سان ڈیگو کی زیادہ تر صنعتیں فوجی یا دفاعی نوعیت کی ہیں لہٰذا ان میں ملازمت کے لیے امریکی شہریت قانوناً لازمی ہے۔ اس لیے ان آبادکار انجینئروں یا فنی ماہروں کے لیے یہاں ملازمت تلاش کرنا مشکل ہے جو امریکی شہری نہیں ہیں۔ شروع میں مسلمان قلیل تعداد میں یہاں آئے تھے کیونکہ امریکی بحریہ نے ان غیر ملکیوں کو امریکی شہریت کی پیش کش کی تھی جو یہاں ایک مخصوص مدت تک کام کریں۔ بہر حال شمال مشرق کے دوسرے بہت شہروں بلکہ لاس اینجلس یا سان فرانسسکو کے بھی برخلاف سان ڈیگو میں مسلم پیشہ ور ماہرین ایک معقول تعداد میں موجود تھے، جو مسلمان آبادکار کے لیے امریکا کے دوسرے بڑے شہروں کی طرح

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادارے قائم کر سکتے تھے۔

اس علاقے میں آباد ہونے والے پہلے مسلمان غالباً وہ زراعت پیشہ پنجابی تھے جو بیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں یہاں آ کر آباد ہو گئے۔ مثال کے طور پر ۱۹۱۲ء میں ہندوستان میں جالندھر کے ایک پنجابی جن کا نام شہاب الدین تھا اپنے ایک رشتہ کے بھائی کے ساتھ سان فرانسسکو کے علاقے میں آئے، یہاں انھوں نے برکلے کی یونیورسٹی آف کیلی فورنیا میں زراعت کی تعلیم حاصل کی۔[۵] بعد میں وہ سان ڈیگو سے ایک سو دس میل مشرق میں امپیریل ویلی کے زرعی خطہ میں ایل سینٹرو کے علاقے میں منتقل ہو گئے جہاں وہ ایک کامیاب کاشتکار کی حیثیت سے کافی زمین کے مالک بن گئے۔ شہاب الدین پنجابیوں کے اس گروپ کا حصہ تھے جن میں اکثریت سکھوں کی تھی، لیکن کچھ مسلمان بھی تھے جو بیسویں صدی کے پہلے عشرے کے آخیر میں روزی کی تلاش میں یہاں آ گئے تھے۔[۶] تمام ابتدائی آبادکاروں کو ان کے مذہبی تعلق سے قطع نظر ''ہندو'' کہا جاتا تھا۔

بیسویں صدی کے دوسرے عشرے کی ابتدا تک مغربی ساحل پر مسلمانوں کی کوئی مسجد نہیں تھی اور وہ اپنے تہوار وغیرہ منانے کے لیے ریاست کے تمام حصوں سے سفر کر کے کسی مقررہ جگہ پر اکٹھا ہوتے تھے۔ امپیریل ویلی کے مسلمان غالباً اسٹاک ٹن کے علاقے میں جایا کرتے تھے، جہاں مسلمانوں کی ایک معقول تعداد آباد تھی۔ آخرکار ایل سینٹرو میں ایک محمڈن کلب قائم کیا گیا جہاں ممبران اپنے معاشرتی اور مذہبی اجتماعات کے لیے ایک شراب خانے کے بالائی حصے میں جمع ہوا کرتے تھے۔ ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان قائم ہو جانے کے بعد، ۱۹۵۲ء میں امپیریل ویلی کے مسلمانوں نے وسائل اکٹھا کر کے ایل سینٹرو میں ایک عمارت خریدی جو اسلامی تہواروں کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔ وہیں ایورگرین کے قبرستان میں مسلمانوں کی تدفین کے لیے زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی خریدا گیا جہاں عربی تحریروں کے ساتھ کتبات مزار آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان قطعات زمین کو جو کیلی فورنیا کے اکثر قبرستانوں میں موجود ہیں ''ہندو پلاٹس'' کہا جاتا تھا جو بڑی دلچسپ غلطی تھی، کیونکہ ہندو تو روایتاً مردوں کو جلاتے ہیں دفناتے نہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان پلاٹوں پر صرف مسلمان ہی دفن کیے جاتے تھے۔[۸] امپیریل کاؤنٹی میں تھوڑے سے مسلمان اب بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہتے ہیں۔ ان کی اکثریت حال میں ترک وطن کر کے آنے والوں کی ہے اور یہ ابتدائی آباد کاروں کی اولادیں نہیں ہیں۔[9] سکھوں کی ایک برادری وہاں اب بھی موجود ہے اور انھوں نے ایک گردوارہ بھی قائم کر رکھا ہے۔[10]

ابتدائی پنجابی آباد کاروں کی اکثریت ان جوان افراد پر مشتمل تھی جنھوں نے مقامی اور خصوصاً میکسیکو کی عورتوں سے شادیاں کر لی تھیں۔[11] اس فیصلے کے پیچھے متعدد عوامل کارفرما تھے۔ کیلی فورنیا میں غیر ملکیوں کے خلاف ۱۹۱۳ء اور ۱۹۲۰ء کے قوانین کے تحت شرق الہندیوں پر زمین خریدنے پر پابندی تھی۔ فنی بنیادوں پر میکسیکو کی رہائشی کسی امریکی بیوی کے نام پر بھی زمین رکھنے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا تھا، کیونکہ ایک شادی شدہ عورت کی قانونی حیثیت وہی سمجھی جاتی تھی جو اس کے شوہر کی ہوتی، لیکن اس صورت حال کو امپیریل کاؤنٹی میں اکثر نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔[12] (سپریم کورٹ نے شرق الہندیوں کے کاکیشیائی ہونے کا تو اعلان کر دیا تھا لیکن انھیں ''سفید'' تسلیم نہیں کیا تھا، لہٰذا یہ لوگ ۱۹۲۳ء کے بعد شہریت حاصل کرنے کے لیے نااہل تھے) اور ۱۹۲۳ء اور ۱۹۴۶ء کے درمیان انھیں قانونی طور پر ترک وطن کر کے امریکا آنے کی اجازت نہیں تھی، لہٰذا جو لوگ اس ملک میں آ گئے تھے سمندر پار سے اپنی بیویوں کو نہیں بلا سکتے تھے۔[13]

اختلاط نسل کے بارے میں ۱۹۴۸ء تک کیلی فورنیا میں قوانین موجود رہے۔ جن کے تحت کاؤنٹی کے کلرکوں کو اس امر کا اختیار رہا کہ وہ ایسی شادیوں کی درخواستیں مسترد کر دیں جنھیں وہ مخلوط شادیاں سمجھتے تھے۔ ہسپانوی عورتوں اور پنجابی مردوں کے درمیان شادی کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا، کیونکہ گردوپیش کا انگریزی ثقافتی گروہ دونوں ہی کو ''بھورا'' سمجھتا تھا۔[14] بہت کم پنجابی مسلمان نماز پڑھتے تھے یا روزہ رکھتے تھے، اور قرآن اور مصلّے تو چند ہی ایک کے پاس تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک مختصر مدت کے لیے ایل سینٹرو میں پلنے بڑھنے والے بچوں کے لیے عربی (ناظرہ قرآن) کی کلاسیں ہوتی تھیں۔[15] آخر کار مخلوط شادیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے یہ بچے امریکی ثقافت میں گھل مل گئے اور عام طور سے یہ لوگ اپنی ماؤں کا مذہب اختیار کر کے رومن کیتھولک ہو گئے اور ان میں اسلامی تشخص کی کوئی حس باقی نہ رہی۔[16]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۰ء کے عشرہ کے اواخر میں ہندوستان کی تقسیم کے بعد ان ابتدائی آباد کاروں کے بعض اعزہ اپنے خاندانی روابط کی وجہ سے کیلی فورنیا کے اس حصے میں آئے۔ ایل سینٹرو کے علاقے کی دورافتادگی اور محدود سہولیات کی دستیابی کی وجہ سے یہ لوگ بہت جلد تعلیم اور روزگار کی تلاش میں کیلی فورنیا کے بڑے شہروں میں پھیل گئے۔ سان ڈیگو کی مسلم برادری کے ایک شخص کو ۶۰ء کے عشرہ کے دوران ایل سینٹرو کے بعض پرانے آباد کاروں کی نماز جنازہ پڑھانے کے واقعات اب بھی یاد ہیں۔[۱۷]

بیسویں صدی کے چھٹے عشرے سے روزگار کی تلاش اور اپنے ملک میں برپا افراتفری سے بچنے کے لیے مسلمانوں کے ترک وطن کر کے سان ڈیگو میں آمد کی لہریں چل پڑی تھیں۔ سان ڈیگو میں ایک عرب امریکی برادری ۵۰ء کے عشرے سے موجود ہے لیکن ان کی تعداد میں بڑا اضافہ ۱۹۶۷ء کے بعد سے ہوا ہے۔

چونکہ ابتدائی مسلم آباد کاروں نے لازماً ایسا کوئی منصوبہ نہیں بنایا تھا کہ وہ اس ملک میں آباد ہو جائیں گے لہٰذا انھوں نے یہاں اپنی توجہ مذہبی روابط پر رکھنے کے بجائے نسلی رشتوں پر رکھی اور پوری طرح منظم اسلامی ادارے قائم نہیں کیے۔ اگرچہ مسلم عرب امریکیوں کی آبادی کا مجموعی آبادی میں تناسب بڑھ رہا ہے لیکن اکثریت اب بھی عیسائیوں کی ہے۔[۱۸] کوئی ایک ہزار سنی مسلم عراقی کرد بھی یہاں موجود ہیں جو سیاسی گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں سعودی سفارت خانے کے فراہم کردہ فنڈ سے ایک کردستان اسلامی مرکز قائم کرنے کا منصوبہ بنایا گیا جس کا مقصد ظاہری طور پر کرد مسلمانوں کے لیے سیاسی تھا۔

۷۰ء کے عشرے کے آخر میں بیرونی ملکوں سے ایک بڑی تعداد میں مسلمان طلباء سان ڈیگو آئے جس کے نتیجے میں یہاں آبادی کے توازن میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی۔ یہ طلباء عام طور سے خلیج کے ممالک یا شام کی بعض اسلامی تنظیموں کے رکن تھے۔ اس برادری کے ایک ممبر کا اندازہ تھا کہ وہاں کوئی پانچ سو کویتی اور تین سو سعودی طلباء رہ رہے ہوں گے، جن میں سے اکثر یونائیٹڈ اسٹیٹس انٹرنیشنل یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے (ایک روایت یہ ہے کہ آخرکار کویتی حکومت نے یہ احساس کیا کہ اس یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء بہت زیادہ سیاسی سرگرمیوں میں ملوث ہوتے جارہے تھے لہٰذا اس نے اپنی مالی امداد منسوخ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دی)۔ کچھ دنوں تک شمالی سان ڈیگو میں میرامیسا کے علاقے میں طلباء برادری کے لیے ایک مسجد اور کچھ سماجی کلب بڑھتی ہوئی سعودی اور کویتی آبادیوں کی اجتماعیت کے کام آتے رہے۔

۸۰۔۱۹۷۹ء میں یرغمالی بحران کے دوران میں سان ڈیگو کے علاقے میں ایرانی طلباء کو بڑی عوامی توجہ حاصل ہوئی۔ ایرانی ''مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن'' کے زیر اہتمام کوئی دوسو طلباء نے علاج کے سلسلے میں شاہِ ایران کے میکسیکو میں داخلے کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا۔ سان ڈیگو اسٹیٹ یونیورسٹی میں متحارب ایرانی طلباء کے درمیان کوئی تین گھنٹے تک لڑائی جاری رہی۔ امریکیوں کی دھمکیوں کی لہر کے نتیجے میں مقامی یونیورسٹیوں نے اپنے ایرانی طلباء کو معطل کر دیا۔ اس صورت حال کے نتیجے میں جو سماجی اور معاشی دباؤ پڑا اور ویزا کے اجراء میں سختیاں ہوئیں تو اگلے کئی سال تک ان طلباء کی تعداد میں کمی ہوتی گئی۔[۱۹] بہرحال انقلاب ایران کے بعد جنوبی کیلی فورنیا میں بڑی تعداد میں ایرانیوں کی آمد کے اثرات سان ڈیگو میں مذہبی لحاظ سے باعمل مسلمانوں پر بہت کم پڑے کیونکہ ان میں بہت کم ایسے تھے جو مذہبی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے ہوں۔

بحیثیت عمومی ۷۰ ر کے عشرے میں مسلم طلباء کی ریل پیل نے سان ڈیگو کے علاقے میں مسلم سماجی سرگرمیوں میں بڑی انقلابی تبدیلیاں پیدا کر دیں، جن کا قطعی نتیجہ ۸۰ ر کے عشرے میں ظاہر ہوا جب اسلامی سرگرمیوں پر پابندیاں سخت کر دی گئیں اوران سرگرمیوں میں عورتوں کی شرکت کو بہت محدود کر دیا گیا۔[۲۰] آبادی کی صورت حال میں تبدیلی اور آباد کار مسلمانوں اور طلباء کے نقطہ ہائے نظر میں اختلاف کی وجہ سے ۱۹۸۴ء میں کشیدگی پیدا ہوئی اور ایسے حالات نمودار ہوئے جن کے لیے ایک ممبر نے ''علیحدگی'' کی اصطلاح استعمال کی۔ جو مسائل سامنے آئے ان کا تعلق نسلی تشخص، مختلف سیاسی لائحہ عمل اور اس بات سے تھا کہ ان میں سے کون سی صورت حال عارضی اور کون سی مستقل تھی۔ ان مسائل میں سے اکثر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حل ہوتے گئے، کیونکہ شدت پسند اور طلباء دونوں ہی، یا تو کہیں اور منتقل ہو گئے یا وہاں کے مستقل باشندے بن گئے۔ ان میں سے اکثر اب امریکی شہری ہیں۔

اگرچہ سان ڈیگو کے اسلامی مرکز میں تقریباً اسی (۸۰) فیصد شرکاء عرب ہوتے ہیں،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن مرکز کی سرگرمیوں میں بہت سے مقامی جنوبی ایشیائی مسلمان بھی شرکت کرتے ہیں۔ مثلاً اس وقت سینٹر کے بورڈ کے پانچ میں سے دو عہدوں پر جنوبی ایشیائی مامور ہیں۔ مرکز کی قیادت نے شعوری طور پر یہ پالیسی اپنا رکھی ہے کہ جو لوگ اس کی سرگرمیوں اور پالیسیوں کی مخالفت کرتے ہیں انھیں وہ ان سرگرمیوں میں شامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مرکز نے ۱۹۹۲ء کے آرنج کاؤنٹی اسلامک سینٹر کے اس تجربے پر گہری نظر رکھی ہے جب ایک نسبتاً زیادہ سخت گیر گروہ نے بنیادی طور پر نظریاتی اسباب کی بنا پر ڈائریکٹر کو نکالنے کی کوشش کی تھی۔ اگرچہ اس معاملے کے بارے میں تو قیاس یہ ہے کہ وہ قانونی طور پر حل ہو گیا، لیکن سان ڈیگو کے ارکان اپنے مرکز میں اس قسم کے انتشار سے بچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سان ڈیگو میں بھی ایک بڑے نازک موقع یعنی جب نیا اسلامی مرکز قائم کیا گیا تھا، اس وقت امریکی قانون کا سہارا لینے کی ضرورت پیش آ گئی تھی۔[۲۱] متعدد افراد نے سوسائٹی کے دستوری ڈھانچے کے کسی نہ کسی پہلو پر اعتراض کیا لیکن اس دستور نے، جسے امریکی قانون کے تحت وضع کیا گیا تھا اور منظوری دی گئی تھی، مرکز کو غیر مستحکم کرنے کی امکانی سرگرمیوں کے خلاف رکاوٹ کا فریضہ انجام دیا۔

ایرانیوں کے بعد، سان ڈیگو میں آنے والے مسلمان آبادکاروں میں سب سے بڑی تعداد افغانیوں کی تھی، جن میں سے بعض کی آئی این ایس کی وجہ سے یہ ہمت ہوئی کہ وہ سان فرانسسکو اور واشنگٹن ڈی سی کی زیادہ مستحکم افغان برادریوں سے دور آباد ہو جائیں۔ ۱۹۸۰ء کے عشرے میں سان ڈیگو میں صرف چند افغانی تھے لیکن گزشتہ عشرے کے اندر اندر ان کی تعداد تین ہزار افراد پر مشتمل چھ سو خاندانوں تک پہنچ گئی۔ بہت سے لوگ جن کے پاس ڈگریاں اور افغانستان میں سرکاری عہدے تھے وہ اب کاروبار یا سماجی خدمات کی صنعتوں میں کام کر رہے ہیں۔ تقریباً ایک تہائی افغانی شیعہ ہیں؛ وہ اپنی رسوم محرم کے دنوں میں کرایہ پر لیے گئے ہالوں یا بڑے مکانوں میں ادا کرتے ہیں، لیکن ان کی کوئی باضابطہ مسجد ہے نہ کوئی مستقل امام بارگاہ۔ وہ سُنیوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ افغانی زبان اور ثقافت کو محفوظ رکھنے کے لیے ۱۹۹۰ء میں ایک افغان ریفیوجی کلچرل کونسل قائم کی گئی۔ آج کل کرایہ پر لی ہوئی ایک جگہ میں ہر سنیچر کو تقریباً ساٹھ طلباء کو تعلیم دی جاتی ہے۔ اس گروپ کا بیان ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ یہ ادارہ مذہبی تعلیم کے بجائے بنیادی طور ثقافتی تعلیم دیتا ہے اور نہیں چاہتا کہ قدیم الخیال مذہبی اور سیاسی گروہ یہ فیصلے کریں کہ یہاں کے لیے کس قسم کی سرگرمی موزوں ہے۔ اگرچہ تکنیکی طور پر یہ کوئی مسجد تو نہیں ہے لیکن یہ مرکز مختلف مذہبی تقریبات مثلاً میلاد، فاتحہ، جنازے اور عرس وغیرہ منعقد کرنے کے کام آتا ہے۔ تقریباً سو خاندان اس مسجد کی اعانت کرتے ہیں اور چندے وغیرہ دیتے ہیں۔ ان دنوں اس مرکز کی سماجی اور تعلیمی سرگرمیوں میں اضافہ کرنے کی تجویز ہے۔

حال میں متعدد افریقی مسلم پناہ گزین سان ڈیگو میں آباد ہوئے ہیں۔ ان میں اکثریت صومالیہ والوں کی ہے، جن میں اسلامک سوسائٹی کے موجودہ صدر حسن ابوبکر بھی شامل ہیں۔ ۱۹۹۲ء کے دوران میں سان ڈیگو میں صومالیہ کے باشندوں کی آبادی دو سو سے کچھ کم سے بڑھ کر ایک ہزار سے زیادہ ہوگئی، ان میں سے اکثر لوگ ''خاندان کے ملاپ'' کے لیے امریکا کی پناہ گزینوں کی پالیسی کے تحت آتے ہیں۔[۲۳] اب سان ڈیگو میں صومالیوں کی آبادی امریکا میں ان کا سب سے بڑا اجتماع بن گئی ہے۔ ان کی اکثریت اوگاڈین سے آئی ہے جو صومالیہ اور ایتھوپیا کے درمیان ایک متنازعہ علاقہ ہے۔ معاشرتی اور مذہبی لحاظ سے انھوں نے اپنا رابطہ بنیادی طور پر نوآبادکار برادریوں سے قائم رکھا ہے۔ یہ صورت حال تبدیل ہوسکتی ہے کیونکہ ۱۹۹۳ء میں ایک ہزار سے زیادہ صومالوی یہاں آگئے۔ مہاجرین کی اکثریت مشرقی سان ڈیگو میں آباد ہوئی ہے، جہاں انھوں نے پورے کے پورے محلے خرید لیے ہیں، اختتام ہفتہ میں بچے عموماً قرآن کی ہفتہ وار کلاسوں میں شرکت کرتے ہیں جنھیں اسی نواح میں صومالیہ کے ایک اسلامی عالم نے شروع کیا ہے۔ ونونا ایوینیو میں مصلّٰی مسجد معاشرتی مرکز کے فرائض انجام دیتی ہے۔

برادری کی تشکیل کے لحاظ سے اس مرکز کی تاریخ بڑی دلچسپ ہے۔ ابتداً اسے صوفی رجحان رکھنے والے ایک افریقی امریکی نے منظّم کیا تھا اور جمعرات کی رات کو یہاں صوفیہ کے حلقے قائم ہوتے تھے جن میں مختلف مزاج کے شرکاء آتے تھے، یعنی افریقی امریکی، صومالوی، عرب امریکی نقشبندی وغیرہ۔ یوں یہ مسجد ان حلقوں کے کام بھی آتی تھی۔ ۱۹۸۹ء میں ایک افسوس ناک سانحہ پیش آیا جب صوفیہ کے ایک اجتماع میں ایک شریک کو مسجد کے نزدیک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پُراسرار حالات میں گولی مار کر زخمی کر دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں صوفیانہ سرگرمیوں میں کمی ہوگئی اور مسجد بنیادی طور پر علاقے کی صومالوی آبادی کا ایک مذہبی مرکز بن گئی۔

برادری کے ایک رہنما کے مطابق مقامی صومالوی باشندوں میں تین رجحانات کے لوگ پائے جاتے ہیں یعنی (۱) روایتی (۲) اسلامی اور (۳) مغرب زدہ اشرافیہ۔ اسلامیوں کو ان کے ہم وطن ''ودعد'' کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح صومالیہ کے روایتی معاشرے میں صوفیانہ ذہن کے مذہبی رہنما کی نشان دہی کرتی ہے۔ ایسے لوگ عموماً قبائلی جھگڑوں میں غیر جانب دار اور معزز صلح کار کے طور پر کام کرتے ہیں۔[۲۴] سان ڈیگو میں اس زمرے میں آنے والے افراد مشرق وسطی کی یونیورسٹیوں میں تعلیم پاتے ہوئے ایسے صومالوی ہیں جو اسلامی نظریات کے مطابق اسلامی ریاست قائم کرنے کے خواہاں ہیں۔ سان ڈیگو میں مہاجروں کی اکثریت (غالباً ۷۰ رفیصد) کو ''روایتی'' کہا جاتا ہے، اگرچہ ان کی شناخت اسلام کے ذریعے کی جاتی ہے لیکن وہ سیاست وغیرہ کے بکھیڑے میں نہیں پڑتے۔ دل چسپیوں کے اس فرق کے باعث دو مقامی صومالوی انجمنیں بن گئی ہیں یعنی ایک تو پہلے والی صومالوی کمیونٹی آف سان ڈیگو اور دوسری زیادہ مغرب زدہ، صومالوی سوسائٹی آف سان ڈیگو جو ۱۹۹۲ء میں الگ ہوئی تھی کیونکہ اسے یہ احساس ہونے لگا تھا کہ پہلے والے گروپ کی مجلس عاملہ میں اسلامی (ودعد) اثرات بہت بڑھ گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صومالوی لوگ اپنی برادری کی خدمت کرنے کے لیے مستقبل قریب میں ایک نسبتاً بڑا مذہبی مرکز قائم کریں گے۔

غالباً اس وجہ سے کہ سان ڈیگو ایسا علاقہ نہیں جو فنکارانہ یا روحانی مزاج رکھنے والے لوگوں کے لیے ثقافتی وسائل کی کشش پیش کرے، لہٰذا یہاں دوسرے علاقوں مثلاً ''بے ایریا'' (Bay area) کے مقابلے میں بہت کم ایسے اینگلو امریکی پائے جاتے ہیں جو مذہب تبدیل کر کے مسلمان ہو گئے ہوں۔ بہت سی امریکی عورتوں نے آباد کار مسلمان مردوں سے شادیاں کرلی ہیں؛ ان کے لیے کہیں کہیں حمایتی گروپ بھی کام کر رہا ہے۔[۲۵] اگرچہ افریقی امریکی مسلمانوں کی برادری بہت شروع میں قائم ہوگئی تھی لیکن تبدیلی مذہب کے لحاظ سے ان میں کوئی قابل ذکر اضافہ نظر نہیں آتا۔ آبادکاری اور نقلِ وطن کے سلسلے میں تقریباً اسّی سال پہلے آنے والے پنجابی مسلمانوں، دوسرے تارکینِ وطن کے اصل وطن اور میزبانوں کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رویوں کے اثرات اور تبدیلیوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ امریکی طرز حیات کے غالب نمونوں میں اپنے اندر سمونے کے سلسلے میں جو دباؤ ہے اس نے نسلی اور فرقہ وارانہ تحمل، اضافہ شدہ تکثیریت اور اقلیتوں کے حقوق کو قانونی اور سیاسی لحاظ سے تسلیم کر لینے کے عمل کے لیے جگہ خالی کر دی ہے۔ غالب ثقافت کے ساتھ شناخت کے دباؤ میں اس کمی کی وجہ سے یکساں ثقافتی پس منظر کے لوگوں اور ان کے بچوں میں آپس میں شادی بیاہ کا رجحان ان لوگوں میں بھی بڑھ رہا ہے جو بہت زیادہ مذہبی نہیں ہیں۔ تاہم اس سے اگلی نسلوں کے مزید امریکی ہو جانے میں کوئی مزاحمت نہیں ہوتی۔

برادری مراکز اور مساجد

آبادکار مسلمانوں کی پہلی تنظیم اسلامک سوسائٹی آف سان ڈیگو تھی۔ اس کی بنیاد تھوڑے سے مسلمان پیشہ ور لوگوں نے رکھی تھی جن کا بنیادی تعلق جنوبی ایشیا سے تھا۔ ایک روایت کے مطابق اس گروہ کے چند ممبروں نے ۱۹۷۱ء کی مقامی ٹیلی فون ڈائریکٹری کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ان خاندانوں کو ٹیلی فون کرنا شروع کیا جن کے نام اسلامی معلوم ہوتے تھے، تاکہ کچھ سرگرمیاں شروع کی جا سکیں۔ اس ابتدائی گروہ کے ارکان پہلی بار ایک دوسرے سے، ایک مقامی پارک میں پکنک لنچ کے موقع پر ملے۔ اور وہاں ایک سوسائٹی قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔[۲۶] اس سوسائٹی کے ایک بلیٹن (خبرنامہ) (اول مطبوعہ ۱۹۷۳ء) میں، جس کا نام دی اسلامک رپورٹر تھا، سوسائٹی بنانے والے چالیس آدمیوں کا ذکر موجود ہے۔ ان میں سے تقریباً سب ہی کا آبائی تعلق جنوبی ایشیا سے معلوم ہوتا ہے۔[۲۷] اس سے پہلے عیدین کی نمازیں اور دوسری تقریبات لوگوں کے گھروں میں ہوتی تھیں۔

پہلی ہمہ وقتی مرکز مسجد سان ڈیگو اسٹیٹ یونیورسٹی کیمپس کے نزدیک کری ڈرائیو پر ایک مکان میں قائم ہوئی جو پہلے ایک ہندوستانی نژاد مسلمان ڈاکٹر عابد اللہ غازی کی ملکیت میں تھا۔ وہ یونیورسٹی میں اسلامیات پڑھاتے تھے اور وہاں انھوں نے مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کی ایک شاخ قائم کی تھی۔[۲۸] مکان کو ایک مرکز کے طور پر استعمال کرنے کے لیے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برادری نے ۱۹۷۳ء میں چندے، خیراتی کاموں کے لیے نیلامیوں اور دوسرے طریقوں سے رقم جمع کر کے خرید لیا۔[۲۹] اس مکان میں مسلمان برادری ۱۹۸۰ء کے عشرے کے آخیر تک اپنے جلسے اور اجتماعات منعقد کرتی رہی۔ جمعہ میں نمازیوں کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ اب وہ عموماً مقامی تفریحی مرکز میں اور عیدین کی نمازیں بالبوا پارک میں یا تفریحی مرکز کے لان میں ادا کی جانے لگیں۔ سماجی تقریبوں اور لیکچروں کے لیے چرچ ہال یا جمنازیم کرائے پر لیے جانے لگے۔ عورتوں کے اجلاس ۱۹۷۳ء سے ۱۹۸۴ء تک ایک پاکستانی امریکی زرینہ باری کے مکان پر منعقد کیے جاتے تھے۔ اب اسلامک سوسائٹی اور مختلف مساجد سب ہی عورتوں کی سرگرمیوں کا انتظام کرتے ہیں۔

ابھی کچھ دنوں پہلے تک شہر میں مسلمان برادری کی حیثیت بہت معمولی تھی۔ اچھی حیثیت کے پیشہ ور لوگ کمیونٹی کی تقریبات میں بہت کم شریک ہوتے تھے، اور ۱۹۹۰ء میں مقامی اسلامی مرکز اپنے افتتاح تک ان اداروں کے طریق کار، زبان اور رسوم ورواج کے لحاظ سے بڑا ''اجنبی'' تھا۔ اسلامی مرکز نے اپنی نئی عمارت میں ایسی جگہیں بنالیں جن میں مہمانوں کو خوش آمدید کہا جاتا ہے، ایک کمپیوٹرائزڈ خبرنامہ شائع کیا جاتا ہے اور بین المذہبی اجلاس میں شرکت کی جاتی ہے۔[۳۰] نئے اسلامی مرکز کو دیکھ کر اس کے بہت ''جدید'' ہونے کا احساس ہوتا ہے جہاں چمکتی دمکتی ایک نئی عمارت، کمپیوٹرز، ایک کتب خانہ، وسیع وعریض دفاتر اور دوسری سہولیات موجود ہیں۔ ایک نئے مرکز کی موجودگی، ۱۹۹۱ء کی جنگ خلیج کی وجہ سے مقامی (امریکی) منظرنامے پر مسلم برادری کے بلند شعور اور ابھی حال میں مرکز کے اندر بم کے ایک سانحے سے پوری آبادی کو پہنچنے والے صدمے کے باعث مقامی آبادی کا کم از کم ایک حصہ ضرور اب مسلمانوں کی موجودگی میں دلچسپی لینے لگا ہے۔ اس کا ثبوت ہمیں مسلمانوں کی سرگرمیوں سے متعلق خبروں کے بارے میں اخبارات کے بہتر رویوں سے اور اس بات سے ملتا ہے کہ اب بین المذہبی نوعیت کے اجلاسوں میں مسلمانوں کی نمائندگی میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

۲۸ راگست ۱۹۹۰ء کو سان ڈیگو کے نئے اسلامی مرکز میں ایک شاندار اور جاذب نظر مسجد کا افتتاح ہوا۔ یہ مسجد شہر کے ایک متمول علاقے میں، جسے کلیئرمونٹ کہتے ہیں،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالبواڈرائیو اور ہائی وے ۸۰۵ر پر ایک بڑی شاہراہ سے نکلنے والے راستے کے قریب واقع ہے، ساتھ ساتھ اپنے گنبد، ہلال اور مینار کے ساتھ جدید تعمیر کے لحاظ سے یہ دور سے ہی ایک بڑی ممتاز اور منفرد عمارت کے طور پر نظر آتی ہے۔ یہ ستائیس (۲۷) ہزار مربع فٹ کی ایک دو منزلہ عمارت ہے جس کی بالائی منزل پر ایک مسجد ہے۔ اس کے علاوہ اس عمارت میں عورتوں کے لیے سہولیات، دفاتر، ایک کیفے ٹیریا، کتابوں کی ایک دکان اور ایک لائبریری موجود ہے۔ اس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ امریکا کے مغربی حصے میں یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا مرکز ہے۔[۳۱]

اس مرکز کے لیے زمین قریب ہی واقع اٹونمنٹ لوتھران چرچ سے ۱۹۸۳ء میں پانچ لاکھ پینتیس ہزار امریکی ڈالر میں خریدی گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ چرچ آخر کار بند ہو جائے گا اور اپنی بقیہ جائیداد بھی مسلمانوں کے ہاتھ بیچ دے گا۔ اس اسلامی مرکز کے لیے سب سے بڑا چندہ ایک گمنام سعودی مخیر شخص نے دیا تھا۔ اس نے بس یہ درخواست کی تھی کہ اس مسجد کا نام مسجد ابی بکرالصدیق رکھا جائے۔ تعمیر کے لیے اجازت حاصل کرنے میں بلدیہ کے سامنے متعدد پیشیاں ہوئیں جہاں عمارت کے محلِ وقوع سے متعلق بہت سے اعتراضات اٹھائے گئے۔ ان میں ایک اعتراض مسجد سے ایک میل کے فاصلے پر ایک ہیلتھ کلب کی جانب سے اٹھایا گیا، اس کا کہنا تھا کہ اسلامی مرکز میں شور بہت ہوگا۔ چند دوسرے لوگوں کو یہ خوف تھا کہ اذان کی آواز پڑوسیوں کو پریشان کرے گی۔ عدالت کے جج نے تو یہ حکم بھی دیا کہ عدالت میں اذان کا ٹیپ سنایا جائے تاکہ اس کے اثرات کا اندازہ لگایا جا سکے۔ یہ اعتراض اس حقیقت کے باوجود کیا گیا کہ اذان مسجد کی عمارت کے باہر لاؤڈ اسپیکر پر نشر نہیں کی جائے گی، متعدد عیسائی اور یہودی مذہبی رہنما ابتداً مسجد کی تعمیر کے خلاف تھے۔ آخر میں یہ تمام اعتراضات غیر معقول ثابت ہوئے اور ۱۹۸۷ء میں مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ مرکز کا رسمی افتتاح ۱۹۹۰ء میں ہوا۔

۱۹۸۴ء سے مرکز میں مذہبی امور کے ایک ہمہ وقتی ڈائریکٹر شریف البطخی اور امام عبدالستار الزوبی کام کررہے تھے۔ ۱۹۹۲ء کے ابتدا میں مسٹر زوبی لبنان واپس چلے گئے اور صرف امام بطخی ہمہ وقتی ڈائریکٹر اور امام دونوں عہدوں پر فائز ہوگئے، یہاں تک کہ انھوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے بھی اسی سال کے آخر میں استعفیٰ دے دیا۔ شیخ شریف البطیخی کا تعلق اردن سے تھا اور ان کے پاس مدینہ کی اسلامی یونیورسٹی سے اسلامی قانون کی ڈگری تھی۔[۳۲] تنخواہوں کے لیے فنڈ مقامی بنیاد پر اکٹھا کیا جاتا ہے، حالانکہ پہلے امام کی تنخواہ کا ایک حصہ "رابطہ" دیا کرتا تھا جو سعودی انتظام کے تحت ایک مذہبی ادارہ ہے۔ سوسائٹی کے ۱۹۸۹ء کے دستور میں یہ درج ہے کہ (مرکز کا) ایک پانچ رکنی بورڈ آف ٹرسٹیز اور ایک پانچ رکنی بورڈ آف ڈائریکٹرز ہوگا۔ چونکہ یہ مرکز ابھی اپنے قیام کے ابتدائی مرحلے میں ہے لہٰذا بورڈ کے بعض رکن لاس اینجلس کے فعال کارکنوں میں سے ہیں۔ امکان یہ ہے کہ آخر کار تمام ڈائریکٹر اور ٹرسٹی اسلامک سوسائٹی کے ممبروں ہی میں سے منتخب کئے جائیں گے۔ ٹرسٹی اور ڈائریکٹر ہفتے میں ایک بار جمعہ کو ملتے ہیں اور تمام ممبروں کا جلسہ غالباً سال میں دو بار ہوتا ہے۔ سوسائٹی کی رکنیت ان تمام لوگوں کے لیے کھلی ہوتی ہے جو ساٹھ امریکی ڈالر سالانہ فی کس یا ایک سو بیس ڈالر فی خاندان کے حساب سے چندہ دیتے ہیں۔ بعض مسلمان رکنیت کے اس طریقے سے شاکی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس طریقے پر کسی دوسرے ملک میں عمل نہیں ہوتا اور "حضور [صلی اللہ علیہ وسلم] کے زمانے میں رکنیت کا کوئی رواج نہیں تھا"۔ آج کل سوسائٹی کے دوسو اسّی (۲۸۰) ممبران ہیں۔ اسلامی مرکز کی زمین اور عمارت بطور ایک وقف کے نارتھ امریکن اسلامک ٹرسٹ کی ملکیت ہے۔ اس ٹرسٹ سے ملحق تمام شمالی امریکی مرکزوں میں یہی رواج ہے۔

اسلامی مرکز کی سرگرمیوں میں لیکچر، افطار، ڈنر اور عام محافل، عیدین کی نمازیں، "فوڈ بینک" شادی، جنازے اور قبول اسلام کی تقریبات شامل ہیں۔ کوئی پینتیس (۳۵) جوانوں کا ایک گروہ مرکز میں باقاعدگی کے ساتھ اپنا اجلاس منعقد کرتا ہے۔ بعض خاندانوں نے اس سے قبل بھی ایسے گروپ قائم کرنے کی کوششیں کی تھیں لیکن وہ یونیورسٹیوں یا نجی مکانوں تک محدود رہی تھیں۔ مسجد میں قائم ایک "سنڈے اسکول" میں ۱۹۹۱ء میں چوہتر (۷۴) طلباء شریک ہوئے تھے۔ ۱۹۹۲ء میں ایک ہمہ وقتی کنڈرگارٹن (چھٹے گریڈ تک) نظامِ تعلیم کو فروغ دینے کے لیے ابتدائی قدم اُٹھایا گیا اور "اسلامی ابتدائی" کنڈرگارٹن کا دوسرے گریڈ تک افتتاح کیا گیا جس کے طلبہ کی تعداد ۲۷ تھی۔[۳۳] ۱۹۹۳ء تک اسکول اپنا حلقہ کار گریڈ پانچ اور چھ تک پڑھانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس اسکول کے سامنے نصاب کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک مسئلہ عربی پڑھانے کا ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ محدود وقت کے اندر بچوں کو عربی تعلیم دینے کی کوشش فضول ہے، اگرچہ بعض لوگ ایسی ابتدائی جماعتوں (prep classes) کو ترجیح دیتے ہیں جو بچوں کو اس لائق بنا دے کہ وہ عربی میں نماز وغیرہ پڑھ سکیں۔ زیادہ روایتی ممبروں کی تمنا تو یہ ہے کہ بچوں کو باقاعدہ عربی کی تعلیم دی جائے۔ اس پروگرام کو وسعت دینے کی ایک امکانی صورت یہ ہے کہ اسکول کے وقت کے بعد چھوٹے بچوں کے لیے اسلامک ڈے کیئر (دن میں نگرانی) پروگرام ترتیب دیا جائے۔

سان ڈیگو کی متعدد مساجد میں عورتوں کے گروہ بھی ہیں۔ اس وقت اسلامک سوسائٹی میں عورتوں کا گروہ ہر جمعہ کی رات اپنا اجلاس کرتا ہے جس کے دو سیکشن ہوتے ہیں، ایک انگریزی اور دوسرا عربی میں۔ ان دونوں میں پندرہ پندرہ خواتین شرکاء ہوتی ہیں۔ ۱۹۹۳ء میں اسلامی مرکز کی خواتین کمیٹی کا جو انتخاب ہوا تھا اس میں یہ پابندی تھی کہ امیدوار خواتین لازماً حجاب (مکمل اسلامی لباس) پہننے والی ہوں گی اور دوسرے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ پانچ بنیادی ارکان اسلام کی پابندی کریں گی۔

۱۹۹۱ء کے رمضان میں جمعہ کے ایک اجتماع کے دوران عورتوں کے سیکشن میں نمازیوں کی سب سے زیادہ تعداد عرب عورتوں کی تھی (غالباً ۱۲۰)، مٹھی بھر پاکستانی، چند افغانی اور بہت ہی کم افریقی امریکی، اینگلو امریکی اور امریکی مسلم خواتین تھیں۔ یہ تمام خواتین روایتی یا اپنا نسلی لباس پہنے ہوئے تھیں۔ مرد شرکاء (۷۰۰) کی تعداد نسلی اعتبار سے مختلف تھی۔ ان میں بڑی تعداد جنوبی ایشیائی اور افغانوں کی تھی۔ مردوں اور عورتوں کی تعداد میں فرق کا ایک بڑا سبب غالباً بعض ملکوں کا رواج ہے جس کے مطابق عورتیں باجماعت نماز (جمعہ سمیت) میں شریک نہیں ہوتیں۔

رمضان کے دنوں میں افطار کی تقریبات بڑے ہوٹلوں میں منعقد کی جاتی ہیں۔ ان اجتماعات میں بعض فرد یا گروہ (مثلاً پاکستان ایسوسی ایشن) افطار کا انتظام کرتے ہیں۔ بسااوقات یہ تقریب کسی کی سالگرہ یا برسی کے حوالے سے بھی ہوتی ہے۔ بعض اوقات صرف مذہبی حکم کی تعمیل میں روزہ داروں کے افطار کا انتظام ہوتا ہے۔ پہلے سال کھانے کا یہ انتظام اس طرح کیا گیا تھا کہ آدھے ہال میں مرد اور آدھے میں عورتیں الگ بٹھائی گئی تھیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن ہال کو پردے وغیرہ سے تقسیم نہیں کیا گیا تھا۔ چند سال پہلے سنا ہے بیچ میں پردہ لگایا جانے لگا ہے اور علیحدہ انتظام کے معاملے میں سختی کی جانے لگی ہے۔ ۱۹۹۱ء میں افطار میں شرکاء کی تعداد ساڑھے تین سو تھی جو اب (۱۹۹۳ء میں) بڑھ کر پانچ سو تک پہنچ گئی ہے۔

مسجد ابی بکر کے علاوہ مسلمانوں کی عبادت کے لیے اور بھی جگہیں ہیں۔ مسجد التقویٰ، جہاں بنیادی طور پر افریقی امریکیوں کے اجتماعات منعقد ہوتے ہیں، سان ڈیگو کے شہری علاقے میں سب سے پرانی مسجد ہے، یہ سان ڈیگو میں ۲۵۷۵/امپیریل ایوینیو پر واقع ہے۔ اس کی تاریخ ۱۹۴۰ء سے شروع ہوتی ہے جب اسے سان ڈیگو کے کلے ایوینیو کے ایک مکان میں نیشن آف اسلام میں مسجد نمبر ۸ کے طور پر قائم کیا گیا تھا۔ اس کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مسّی سپّی کے علاقے میں نیشن آف اسلام کی پہلی مسجد ہے اور اس طرح امریکا کے مغربی خطے میں پہلی مسجد ہے۔ اس کے ابتدائی بانیوں میں یوسف عبداللہ نامی ایک صاحب تھے جو ۱۹۴۹ء میں ایلیجاہ محمد کے پیروکار بن کر ۱۹۵۰ء میں ''یوم نجات دہندہ'' میں شرکت کرنے کے لیے شکاگو گئے۔[۳۴] انھیں ایلیجاہ نے پہچان لیا اور ان کا نام یوسف رکھا۔ کچھ دنوں تک وہ شہر میں مسلمانوں کا ایک مقبول ہوٹل چلاتے رہے۔ ابتدائی گروہ کو پولیس نے بہت ہراساں کیا۔ ۱۹۵۱ء میں پیروکاروں کے ایک گروہ نے عدالت میں پولیس سے ہاتھا پائی کی اور انھیں جیل بھیج دیا گیا۔ اس درمیان میں برادری کی عورتوں نے مسجد کا نظام جاری رکھا۔[۳۵]

موجودہ عمارت ۱۹۵۰ء کے عشرے میں خریدی گئی اور عشرہ ۱۹۷۰ء میں اس کی توسیع کی گئی۔ ۱۹۷۷ء میں جب وارث دین محمد نے اپنی تحریک کے لیے "The World Community of al-Islam in the West" (مغرب میں الاسلام کی عالمی برادری) کا نام اختیار کیا تو کوئی چار سو مقامی خاندانوں نے امام ڈینیل عدنان کی قیادت میں اس ادغام کی خوشی میں ایک جشن منایا۔[۳۶] ۱۹۷۹ء میں یہ نام ''امریکن مسلم مشن'' ہوگیا۔ ان تمام تبدیلیوں کے دوران میں یہی عمارت مرکز کے طور پر کام کرتی رہی۔ مثال کے طور پر ۱۹۸۷ء میں ہفتے کے آخر میں ایک کانفرنس حلال گوشت کھانے اور ذبح کرنے کے بارے میں منعقد ہوئی تھی جس میں وارث دین محمد موجود تھے۔ اب اس عمارت میں کلارا محمد اسکول

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی قائم ہے جس میں کنڈر گارٹن سے لے کر چھٹے گریڈ تک تعلیم دی جاتی ہے۔

جمعہ کی نماز کے علاوہ، جس میں عموماً چالیس کے قریب افراد شریک ہوتے ہیں، منگل کے دن ''تعلیم'' کے نام سے ایک لیکچر ہوتا ہے اور مسلم امریکن وومن انٹرنیشنل کے نام سے نجی مکانوں میں ہر دوسرے ہفتے عورتوں کا ایک اجتماع ہوتا ہے۔ جمعہ کے دن قرآن مجید پڑھنے کی کلاس بھی ہوتی ہے۔ یہاں کے مستقل امام عقیل الامین ہیں۔ یہ گروہ عید کی نماز مسجد ابوبکر میں ادا کرتا ہے۔ اس مسجد میں ایک بہت بڑا ہال ہے جسے فولڈنگ دروازوں کے ذریعے بڑا کیا جا سکتا ہے۔ اس کی تکمیل میسونائٹ سے کی گئی ہے اور اسے دو قسم کے ہرے رنگ میں رنگا گیا ہے۔ لوبان جلا کر ماحول کو معطر کیا جاتا ہے۔ چھوٹے قالینوں اور قرآنی آیات کے کتبات سے دیواروں کو مزین کیا گیا ہے۔ اور ایک ریک پر قرآن پاک اور مذہبی کتابیں رکھی ہوئی ہیں۔ پورے ہال میں قالین بچھا ہوا ہے جس پر صفوں کے نشان لگے ہیں۔ مسجد سے ملحق گلی مسجد کے صاف ستھرے اور پُرسکون ماحول سے بالکل الگ ہے۔ شہر کا یہ حصہ خستہ حال اور لاوارث سا ہونے کے باعث ایک علیٰحدہ ہی دنیا ہے۔

اس مرکز کی ایک اور دلچسپ سرگرمی قریب کے فوجی اڈوں میں تبلیغ کی کوششیں ہیں۔ فوج میں مسلمانوں کے بارے میں ابھی حال میں امام عقیل کے ٹی وی انٹرویو کا ایک سلسلہ وار پروگرام آیا تھا اور ان کی سرگرمیوں پر ''دی مسلم جرنل'' میں ایک مضمون بھی چھپ چکا ہے۔ گزشتہ پانچ سال سے ایک (تبلیغی) دعوۃ ٹیم سان ڈیگو سے ذرا آگے کیلی فورنیا کے مقام کیمپ پنڈلیٹن کے بحری تربیتی مرکز کے مذہبی کمپلیکس تک جا رہی ہے۔ وہ مرامر کے اڈے پر بھی جاتے ہیں اور کیمپ پنڈلیٹن کے چھوٹے جہاز پر مہینے میں دوبار اجلاس منعقد کرتے ہیں۔ فوج میں تبدیلیِ مذہب کے واقعات بڑے تسلسل کے ساتھ ہو رہے ہیں۔[۲۷]

امام عقیل کے بیان کے مطابق ان نومسلموں میں سے زیادہ تر سان ڈیگو میں عارضی طور پر تعینات ہوتے ہیں۔ یہاں سے ان کا تبادلہ کسی اور جگہ کر دیا جاتا ہے یا انھیں آبائی شہروں کو واپس کر دیا جاتا ہے، بہتوں کو اسلام کے بارے میں منسٹر فرخان کے پیرو کاروں سے علم ہوا تھا۔ سان ڈیگو کے مقامی تبلیغی گروپ کا خیال یہ ہے کہ ان کے فرائض میں سے ایک فرض یہ بھی ہے کہ وہ مذہب کے بارے میں غلط معلومات کی تصحیح کریں۔ اس گروہ کی یہ ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذمہ داری ہے کہ وہ ہر مہینے قرآن پاک کے ترجمے (عبداللہ یوسف علی کا ترجمہ) کی تقریباً سو جلدیں عوام، فوجیوں اور قیدیوں میں تقسیم یا فروخت کرے۔ اسلام کا پیغام ہسپانویوں تک پہنچانے میں ابھی بہت کم کامیابی ہوئی ہے، اس کا سبب ہسپانوی بولنے والے مسلمانوں کی یا اس زبان میں موزوں لٹریچر کی کمی ہے۔

اس چھوٹی برادری میں بڑی یکجہتی اور استحکام ہے، اس کی رکنیت ایک جگہ رکی ہوئی ہے بلکہ کسی حد تک گھٹ رہی ہے۔ امام (عقیل) کی رائے میں ''غیر مخلص مسلمانوں سے بھری ہوئی مسجد کے مقابلے میں چند مخلص مسلمان'' قابل ترجیح ہیں۔ تاہم وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ تبلیغ کی کوششوں میں اور زیادہ محنت، گہرائی اور وقت لگانے کی ضرورت ہے۔ ان کا کہنا ہے ''فرخان کے لوگ سیاہ فام قومیت اور سیاہ رنگ پر فخر کو بطور ایک پیغام کے استعمال کرنے کے لیے بہت کچھ کر رہے ہیں؛ ہم اس سے زیادہ کر سکتے ہیں''۔

الرباط الاسلامی ایک خیراتی ادارہ ہے جسے ضرورت مند مسلمانوں اور خاص طور سے سان ڈیگو کے علاقے میں بیواؤں اور کنواری ماؤں کی مدد کے لیے تیرہ افراد نے ایک خیراتی ادارے کے طور پر قائم کیا تھا۔ بعد میں انھوں نے اپنے کام پھیلا کر اس میں مذہبی سرگرمیوں کو بھی شامل کر لیا، ۱۹۸۴ء میں اس ادارے کو ایک غیر منفعت بخش تنظیم کے طور پر رجسٹر بھی کر لیا گیا۔

پہلا مرکز دو بیڈروم کا ایک اپارٹمنٹ تھا جسے سترویں (۷۰ ویں) سڑک سے سان ڈیگو اسٹیٹ یونیورسٹی کے نزدیک قائم کیا گیا تھا جب اس کے بہت سے اراکین وہاں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ اس اپارٹمنٹ کے بیٹھک کو پنج وقتہ نماز کے لیے مسجد کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ ایک کمرہ تھا، دوسرا لیکچر روم۔ اس کے نزدیک ہی سیرانک اسٹریٹ پر دو بیڈروم کا ایک مکان ۱۹۸۵ء میں خریدا گیا۔ اس مسجد/مرکز میں مردوں اور عورتوں کے لیے (الگ الگ) اسلامی درس و تعلیم، شادی بیاہ، طلاق اور تجہیز و تکفین کی سہولتیں فراہم تھیں۔ ان کے علاوہ بھی یہاں بہت کچھ ہوتا تھا۔ مثلاً قرآن اور اسلام سے متعلق کتابوں کی مفت تقسیم، مقامی اسکولوں میں لیکچر دینا، مہمان مقررین کو مدعو کرنا، بیرونی ملکوں میں تباہ کاریوں کے سلسلے میں امداد فراہم کرنے کے لیے نقد رقم اور کپڑے اکٹھے کرنا، مقامی سطح پر ضرورت مند مردوں اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عورتوں کو خیرات فراہم کرنا شامل ہیں۔ سماجی ملاقاتوں میں جمعرات کے جمعرات باقاعدگی سے روزہ رکھنے والوں کے لیے افطاری اور رات کا کھانا فراہم کرنا یا سنیچر اور اتوار کی رات عام میل جول کے لیے کھانے کا اہتمام کرنا بھی یہاں کے کاموں میں شامل تھا۔

فروری ۱۹۹۱ء کے آخر میں پرانے مکان کو منہدم کر دیا گیا اور ایک نئے مرکز کی تعمیر شروع کی گئی جو اواخر ۱۹۹۲ء میں مکمل ہوئی۔ اس کام کے لیے عطیات مقامی برادری کے علاوہ مسجد ابی بکر کے نمازیوں نے بھی دیے جنھوں نے اس کام کی ہمت افزائی کی اور بیرونی ممالک کے مخیّر حضرات بھی اِس کام میں شریک ہوئے۔ بعض لوگ اس مرکز کی ضرورت پر معترض ہوتے ہیں جو بڑی مسجد سے صرف بیس منٹ کے فاصلے پر واقع ہے۔ ممکن ہے کہ یہ چھوٹا مرکز ایک زیادہ گہری معاشرتی محبت پیدا کرنے کا سبب بنتا ہو اور یہ ان نوجوانوں کو بھی اپیل کرتا ہو جن کی اکثریت طالب علموں پر مشتمل ہے۔ سان ڈیگو اسٹیٹ یونیورسٹی اور کری ڈرائیو کی مسجد کے قریب واقع یہ مرکز علاقہ میں رہنے اور کام کرنے والوں کے لیے کشش کا باعث ہے۔ اس مختلف النسل اجتماع میں اسلامی سرگرم کارکن اور صوفی مزاج دونوں ہی قسم کے لوگ ملتے ہیں۔ رباط کی ڈھیلی ڈھالی تنظیم (اس میں بورڈ یا امام یا ڈائریکٹر کے انتخاب کے لیے کوئی آئین نہیں ہے) کی وجہ سے بعض ایسے لوگوں کو اعتراض ہوا جو اس کے معاملات میں عمل دخل چاہتے ہیں۔[۳۸] ایک وقت وہ تھا جب اس مرکز کو چلانے کے لیے سعودی طلباء رقم اکٹھا کر لیتے تھے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے منصوبوں کی مدد کرنے کے لیے بیرونی ممالک میں دلچسپی گھٹتی جا رہی ہے۔

مسجد نور، سان ڈیگو کے مشرق میں پچاسویں سڑک پر واقع ہے۔ اس کی ابتدا تین ہندوستانی نژاد بھائیوں نے کی تھی جو تبلیغی جماعت کے سرگرم رُکن تھے۔ اس سلسلے میں انھیں جنوبی ایشیا کے بعض بہی خواہوں کا تعاون حاصل تھا۔ ۱۹۸۵ء میں انھوں نے پچاسویں اسٹریٹ کے ایک پُرتشدد علاقے، مشرقی سان ڈیگو میں ایک مکان خریدا۔ یہ اونچے درجے کے جرائم اور منشیات فروشی کرنے والے غنڈوں کا علاقہ ہے۔ اگرچہ سان ڈیگو کے اس علاقے میں عام طور سے سیاہ فام لوگ رہتے ہیں لیکن یہ جنوب مشرقی ایشیا، مشرق وسطیٰ اور افریقہ کے مہاجرین کی ابتدائی رہائش کے طور پر بھی کام آیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسجد نور میں ہندوستان سے آئے ہوئے ایک حافظ ملازم ہیں۔ یہاں عربی (یعنی قرآن) اور اردو کی تعلیم اور رمضان میں تراویح کا انتظام بھی ہوتا ہے۔ یہاں عورتوں کے لیے سہولت نہیں، کیونکہ تبلیغی جماعت کے لوگ اپنی عورتوں سے پردے کی سخت پابندی کراتے ہیں۔ تبلیغی جذبے کے تحت مسجد نور قبول اسلام کو ترقی دینے کے علاوہ مرتد ہو جانے والوں تک پہنچنے کی کوشش بھی کرتی ہے۔ ان کا ایک پروگرام بنیادی طور پر افریقی امریکیوں کے لیے ہوتا ہے۔ کچھ دنوں تک مسجد سے ملحق رہائشی کمرے میں نئے ''بھائیوں'' کو برادری کے ماحول میں رہنے اور روایتی مسلمانوں کے اندازِ زندگی کا مطالعہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔ آج کل نومسلم ہسپانوی اور افریقی امریکیوں کو ایسے کنوارے مسلمانوں کے ساتھ بے تکلفانہ ماحول میں ٹھہرا دیا جاتا ہے جو مسجد کے ڈائریکٹر کی رائے میں ایک مسلمان کی زندگی کا اچھا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ایک پروگرام تیجوانا کے علاقے کے لیے بھی ہے، اس کے بارے میں مسجد نور کے ایک فعال کارکن کا خیال ہے کہ اسلام کو پھیلانے کے لیے وہ بڑی زرخیز جگہ ہے، جس کا سبب کیتھولک مذہب کی ڈھیلی پڑتی ہوئی گرفت، وہاں کی عمومی پست حالی اور لاقانونیت ہے۔ اس سرگرمی کے ایک حصے کے طور پر تیجوانا میں ایک چھوٹی سی مسجد قائم کی گئی۔ اس مسجد نے وقتاً فوقتاً کام کیا ہے، اسے وہاں کی مستحکم مقامی قیادت اور سرکاری اہلکاروں کے پیدا کردہ مسائل سے بھی نمٹنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ انھیں ایسے مالکان جائیداد کو بھی تلاش کرنا پڑتا ہے جو مسجد وغیرہ کے لیے سرگرم مسلمانوں کو اپنی جگہ کرایہ پر دینے پر راضی ہوں۔

مسجد نور، سان ڈیگو کے مشرق میں مختلف نسلوں کے ایسے مسلمانوں کے لیے کشش کا باعث بنتی ہے جو اپنے گھروں سے قریب نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ مسجدِ نور کے مُبلغ غیر تارکین وطن برادریوں تک پہنچنے کے لیے ترکیبیں سوچتے رہتے ہیں۔ یہ مسجد اپنے تبلیغی طرز اور اس حقیقت کی بنا پر کہ یہ مخصوص افراد کا ایک منصوبہ ہے یہ بعض تارکین وطن اور افریقی امریکی مسلمانوں کو کم اپیل کرتی ہے۔ بعض افریقی امریکی مسلمانوں نے مسجد نور کے ثقافتی طریقوں پر، مثال کے طور پر عورتوں کو علیٰحدہ رکھنے کے طریقے پر، اعتراض کیا ہے۔ جمعہ کی نماز میں یہاں سو سے اوپر افراد آ جاتے ہیں، لہٰذا انھیں قریب ہی چوالیسویں سڑک پر ایک تفریحی مرکز میں منتقل ہونا پڑا۔ ابھی حال ہی میں ایک جمعہ کی نماز میں یہاں حاضرین کی تعداد میں اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقت یکا یک بہت اضافہ ہو گیا جب افغانیوں کا ایک بہت بڑا گروہ اسلامی سوسائٹی سے اس گروپ میں منتقل ہو کر آ گیا، کیونکہ اسلامی سوسائٹی والوں نے ان لوگوں کو وہاں پیغمبر اسلام [صلی اللہ علیہ وسلم] کے یومِ ولادت پر محفلِ میلاد منعقد کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ مسجد نور کی قیادت کا انداز بڑا عقیدت مندانہ ہے اور یہ اسلامک سینٹر یا رباط کے برعکس قیادت کی ذاتی کرشماتی شخصیت پر زیادہ انحصار کرتی ہے۔ کبھی کبھار جنوبی ایشیا سے تبلیغی بزرگ بھی آتے رہتے ہیں۔ جنوبی افریقہ کے ایک مدرسے سے ان کا رابطہ ہے۔ اس اجتماع کے ارکان عیدین کی نمازیں بقیہ برادری سے الگ ادا کرتے ہیں۔

مصلّٰی نامی مسجد ونونا ایوینیو میں فلیٹوں کے ایک کمپلیکس کے ایک مکان میں قائم ہے۔ اسے ایک افریقی امریکی مسلمان ''برادر داؤد'' نے قائم کیا تھا، وہ مشرقی سان ڈیگو میں اکانوے (۹۱) گھروں کے اس احاطے کے منیجر تھے۔ اس علاقے میں جرائم کا اوسط شہر کے سب علاقوں سے زیادہ ہے۔ بہت سے نئے آبادکار گروہ کی شکل میں یہاں آباد ہوتے ہیں۔ ان فلیٹوں کے قابضین میں تقریباً نوے (۹۰) فیصد صومالیہ کے حالیہ مہاجرین ہیں۔ یہ عمارتی سلسلہ پہلے منشیات اور جرائم کے لحاظ سے ''سان ڈیگو کی بدنام ترین جگہ'' تھا۔ جب اس احاطے میں مسلمان کرایہ داروں کی تعداد بڑھی تو برادر داؤد نے تفریحی کمرے کو عبادت کے کمرے میں تبدیل کر دیا اور ایک فاضل اسٹوڈیو یونٹ سنیچر کے سنیچر قرآنی اسکول بن جاتا تھا۔ اس مسجد کا مزاج بڑا عقیدت مندانہ ہے۔ یہاں پنج وقتہ نماز ہوتی ہے تاہم اکثر نمازی جمعہ کی نماز اسلامی مرکز کی مسجد میں ادا کرتے ہیں۔ ایک صوفی نقشبندی گروہ یہاں ہر جمعرات کی شب اپنا حلقہ منعقد کرتا تھا جس میں لگ بھگ پچاس افراد شریک ہوتے تھے۔ اس موقع پر ایک پردہ کھینچ دیا جاتا تھا تاکہ جو لوگ اس حلقے میں شریک نہیں ہوتے تھے وہ بھی مسجد کو استعمال کر سکیں۔ اب یہاں صوفیانہ سرگرمیاں منقطع کر دی گئی ہیں۔ داؤد کہیں آگے چلے گئے ہیں، لیکن یہ جگہ اب بھی مذہبی تقریبات کے مرکز کے طور پر استعمال ہو رہی ہے۔

صومالیہ کے بہت سے لوگ اسلامی معاملات میں بطور خاص بہت فعال ہیں۔ ایک قابلِ ذکر کام قرآنی اسکول کا ہے جسے ۱۹۹۰ء کے آخر میں قائم کیا گیا تھا۔ یہ اسکول سنیچر اور اتوار کی صبح کو لگتا ہے۔ ابتدائی عمر سے لے کر سترہ اٹھارہ سال تک کے سو (۱۰۰) سے زیادہ بچے اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں شرکت کرتے ہیں۔ تعلیم ایک حلقے کی شکل میں روایتی انداز میں دی جاتی ہے جہاں طلبا اپنے اساتذہ کے قدموں میں اکٹھے ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کمرہ میں خاصی رونق ہوتی ہے، طلباء کو ان کے علمی معیار کے لحاظ سے پانچ طبقات میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ لڑکیوں کی کلاس کمرے کے ایک کونے میں لگتی ہے۔ شرکاء میں کوئی چالیس فیصد تعداد طالبات کی ہوتی ہے۔ اعلیٰ جماعت کے بہت سے بچوں نے تقریباً نصف قرآن حفظ کر لیا ہے۔

اس اسکول میں پانچ چھ اساتذہ اعزازی طور پر پڑھاتے ہیں اور طلباء سے کوئی فیس نہیں لی جاتی۔ حفظ قرآن کے علاوہ بچوں کو عربی زبان، اسلامی آداب، اخلاق، صومالوی زبان اور ثقافتی روایات کے بارے میں تعلیم دی جاتی ہے۔ اسی جگہ پر ہفتے کے بقیہ دنوں میں لیکچر، تعلیم بالغان اور انگریزی تعلیم سے متعلق سرگرمیاں جاری رہتی ہیں، جن میں دس سے چالیس افراد تک شریک ہوتے ہیں۔ سنیچر اور اتوار کو عورتوں کو بھی مذہبی تعلیم دی جاتی ہے جن میں تیس سے زیادہ خواتین باقاعدگی سے شریک ہوتی ہیں۔ مرد استاد کو پردے کے پیچھے بٹھایا جاتا ہے۔ خواتین صومالیہ کا روایتی لباس پہننے کے بجائے خالص اسلامی لباس پہنتی ہیں، نومبر ۱۹۹۲ء میں بینک نے ونونا کمپلیکس واپس لے لیا اور اسے ایک نئے مالک کے ہاتھ بیچ دیا جو مختلف سرکاری اور آبادکاری کی ایجنسیوں کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ وہ اس عمارت سے سماجی مرکز اور رہائشی مکانات کا کام لے رہا ہے۔ ونونا کمپلیکس میں ایک اور اعلیٰ قسم کا پروگرام شروع ہونے والا ہے، لہٰذا اس عمارت کا مالک بیٹس اسٹریٹ پر ایک جگہ، جسے کاساہرموسا کہتے ہیں، ایک دوسرا کمپلیکس تعمیر کر رہا ہے۔

مسلمز آف سان ڈیگو یا ایم او ایس ڈی نامی تنظیم نسبتاً آزاد خیال مسلمان پیشہ ور افراد کا ایک گروہ ہے، اس کے قائدین کی اکثریت ہندوستان اور پاکستان سے تعلق رکھنے والوں کی ہے۔ یہ گروپ لیکچر اور ڈنر وغیرہ کا انتظام کرتا تھا جس میں عورتیں اور مرد دونوں ہی شریک ہوتے تھے۔ ابی بکر مرکز میں عورتوں (کے پردے سے متعلق) کی شرکت میں زیادہ آزاد خیالی کے باعث مسلمز آف سان ڈیگو اب بڑی حد تک ختم ہو چکا ہے۔

مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کے گروپ یونائیٹڈ اسٹیٹس انٹرنیشنل یونیورسٹی، سان ڈیگو کی یونیورسٹی آف کیلی فورنیا اور سان ڈیگو اسٹیٹ یونیورسٹی میں قائم ہیں۔ امریکی مسلم طلباء کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی نسل جوں جوں بڑھ رہی ہے یہ گروپ زیادہ فعال ہوتے جا رہے ہیں۔ مقامی طلباء کی ایسوسی ایشنوں نے اپنی سرگرمیاں مختلف مقامی کیمپوں سے مربوط کرنا شروع کردی ہیں۔ ان کے لیڈروں کے اجلاس اصل اسلامک سینٹر میں ہوتے ہیں۔ طالب علم لیڈروں کے درمیان ابھی حال ہی میں یہ سوال اٹھا تھا کہ گروپوں کو کس حد تک دوسری آراء کو جذب کرنا چاہیے۔ اور یہ کہ کیا ان کا مقصد امریکی طلباء کو (اسلام کے بارے میں) معلومات مہیا کرنا ہے یا ان کو تبدیلی مذہب کا بھی قائل کرنا ہے۔

اوٹے میسا میں رچرڈ جے ڈونو وان دار الاصلاح (جیل) میں اسلامی سرگرمیاں وسیع ہوتی جا رہی ہیں۔ ۱۹۹۲ء تک وہاں کے چار ہزار چھ سو قیدیوں میں سے ایک سو انچاس (۱۴۹) نے اپنی شناخت بحیثیت مسلمان کے کروائی۔[۳۹] پوری ریاست میں کوئی سات فیصد قیدی مسلمان ہیں۔ اسلامک سوسائٹی کے سابق ڈائریکٹر شریف ایم بطنجی مہینے میں ایک بار جیل خانے کا معائنہ کرنے جاتے ہیں۔ الن خان ہفتے میں بیس گھنٹے بطور رضا کار مولوی کے وہاں خدمات انجام دیتے ہیں۔ مسلمان قیدی باجماعت نماز ادا کرتے ہیں اور عربی پڑھتے ہیں۔ رمضان کے مہینے میں انہیں افطار کے بعد کھانا کھانے کی اجازت ہے، ورنہ اس کے علاوہ ان سے حلال حرام جیسے معاملات میں کوئی خاص رعایت نہیں برتی جاتی۔

الباسط اکیڈی، اصلاح عبدالحفیظ نامی ایک افریقی امریکی مسلم خاتون چلا رہی ہیں۔ فی الحال اس میں تیس طلباء زیر تعلیم ہیں جو بنیادی طور پر افریقی امریکی ہیں۔ ان میں مسلمان اور عیسائی دونوں ہی شامل ہیں۔ یہ سان ڈیگو کے ایک ضلع اینکانٹو میں ونیٹ اسٹریٹ پر قائم ہے۔ اصلاح عبدالحفیظ کے مطابق یہ اکیڈمی جرائم پیشہ اور منشیات فروش لوگوں کے اثرات کو ختم کرنے کے لیے شروع کی گئی تھی اور اب اس میں کنڈرگارٹن سے ہائی اسکول تک تعلیم دی جاری ہے۔ نصاب کے ایک جزو کے طور پر اسلام کی تعلیم بھی دی جارہی ہے۔ جنوری ۱۹۹۱ء میں یہ اسکول ایک علاقائی تنازعے میں ملوث ہوگیا تھا جسے مقامی ذرائع ابلاغ نے بڑی ہوا دی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جب عراق میں جنگ ہورہی تھی اور ایک ہی ہفتہ پہلے سان ڈیگو کے اسلامی مرکز میں ایک بم پایا گیا تھا۔ یہ اسکول اپنے گردونواح میں بہت نمایاں ہے، کیونکہ اصلاح عبدالحفیظ پورا اسلامی لباس پہنتی ہیں۔ طلباء کے لیے سیاہ اور جامنی رنگ کا یونی فارم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقرر ہے۔ سٹی کونسل نے علاقائی قوانین کی خلاف ورزیوں کے باوجود اس اسکول کو اس کے اچھے کام اور مسلم دشمن واقعات کی جانب معاشرے کی بڑھتی ہوئی حساسیت کی وجہ سے کام کرنے کی اجازت دے دی۔

نیشن آف اسلام کا کام سان ڈیگو میں جاری ہے جہاں یہ اپنی مسجد نمبر ۸ میں ایک مرکز چلا رہی ہے۔ مسجد کا یہ نام نیشن آف اسلام والوں ہی کا دیا ہوا ہے۔ یہ جگہ مرکز سے، جواب مسجد تقویٰ ہے، پانچ بلاکوں کے فاصلے پر امپیریل ایوینیو میں واقع ہے۔

سان ڈیگو میں ایرانی خاصی بڑی تعداد میں آباد ہیں (تقریباً پینتالیس سے ساٹھ ہزار افراد)، بہت سے مسلم ایرانی وہ ہیں جو انقلاب ایران کے بعد مذہبی پابندیوں سے بچنے کے لیے ترک وطن کر کے یہاں آئے تھے۔ لاس اینجلس کے مقابلے میں سان ڈیگو میں ایرانیوں کی ایک بڑی تعداد مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ایرانی یہودیوں، بہائیوں اور آرمینیوں کے چھوٹے چھوٹے اقلیتی گروہ ہیں۔ شیعہ برادری کی مذہبی ضروریات پوری کرنے کے لیے اس علاقے میں نسبتاً کم تعداد میں ادارے ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان تارکین وطن کی اکثریت ایران کے زیادہ مغرب پسند معاشرے سے تعلق رکھتی ہے، یہ وہ طبقہ ہے جو شاہ کے زمانے میں مذہب کے احکام پر کاربند نہ تھا۔ سان ڈیگو کاؤنٹی کا ایک ممتاز ترقی یافتہ شہر ''لاجولا'' ایرانی تارکین وطن کے شہر کے طور پر بہت معروف ہے۔ مشرق وسطیٰ سے متعلق یہاں کے مقامی ٹیلی ویژن پروگراموں کے پروڈیوسروں کا تخمینہ یہ ہے کہ لاجولا کی تجارت کا دس فیصد یا تو ایرانیوں کی ملکیت ہے یا ان کے زیر انتظام ہے۔ سان ڈیگو کے ایرانیوں میں ایک رجحان یہ پایا جاتا ہے کہ وہ اپنی ثقافتی اور مذہبی تقریبات کے موقعوں پر لاس اینجلس چلے جاتے ہیں جس کی وجہ سے اس علاقے کی ایرانی شیعہ برادری کی ترقی محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اگرچہ مقامی ایرانیوں کی ایک چھوٹی سی تعداد کا تعلق انقلاب سے پہلے ایرانی اشرافیہ سے تھا لیکن اس برادری کے ایک ممبر کے بیان کے مطابق ان کی اکثریت کا تعلق تجارت پیشہ یا نودولتیوں کے خاندانوں سے تھا۔ یہ بھی ایک وجہ تھی جس سے سان ڈیگو کی ثقافتی اور مذہبی تنظیموں کی ترقی کی رفتار کم ہو گئی۔

ایرانی مسلمان مذہبی تقریبات، مثلاً شادی وغیرہ کے لیے کسی مسجد کو چننے کو ترجیح دیتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ دوسرے معاملات مثلاً موت کے سلسلے میں رسوم کے موقع پر کسی شیعہ مذہبی عالم کو لاس اینجلس کے علاقے سے بلایا جاتا ہے یا سان ڈیگو ہی کی شیعہ ایرانی برادری کا کوئی صاحب علم فرد ایسے موقع پر رسوم کی ادائیگی میں مدد کر سکتا ہے۔ ۱۹۹۰ء میں ایرانی شیعہ تارکین وطن کی مذہبی معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے ایک گروپ قائم کیا گیا تھا۔ عموماً اس موقع پر کوئی بیس مرد اور عورتیں مخلوط نشستوں میں شریک ہوتے ہیں، تقریباً تین گھنٹے کے تعلیمی دورانیہ میں ناظرہ قرآن پڑھنا (قرآن کی تلاوت) اور فارسی میں اس کی تشریح و تفسیر، پھر سوال و جواب کا ایک اجلاس اور آخر میں دعائے کمیل اور امام علی کی دعا پڑھنے کا طریقہ بتایا جاتا ہے۔ اہم مذہبی مواقع مثلاً عاشورہ پر سو افراد تک شریک ہو جاتے ہیں برادری کے لوگ لاس اینجلس کی مجلسوں میں شریک ہونے کے لیے وہاں کا سفر بھی کرتے ہیں۔ بہت سے خاندان اپنے ذاتی دوستوں کے ساتھ مذہبی و ثقافتی تقریبات اپنے گھروں میں منعقد کرتے ہیں۔ ایسی تقریبات عموماً خواتین کی ہوتی ہیں مثلاً سفرہ اور روضہ کی تقریبات۔[۴۱]

ایران میں اسلامی حکومت کے قیام کے بعد سے ایرانی مسلمانوں نے مسجد تقویٰ میں افریقی امریکی برادری کی سہولیات سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا ہے۔ یہاں ہفتہ وار مجلسوں میں کوئی چالیس افراد شریک ہوتے ہیں۔ ایسے جلسوں کا سیاسی رویہ عموماً حکومت کے حامی فعال قسم کے لوگوں کا ہوتا ہے۔ عشرہ ۱۹۷۰ء کے وسط سے ۱۹۸۶ء تک حزب اللہ طلباء کا ایک چھوٹا سا گروہ اپنی برادری تک محدود رہتے ہوئے سان ڈیگو اسٹیٹ یونیورسٹی کے قریب رہتا تھا۔ ان کا ٹیلی فون سے براہ راست رابطہ ایران سے تھا، جس سے انھیں آیت اللہ خمینی کے فتاویٰ پر مبنی پیغامات ملتے رہتے تھے۔ اب ہم خیال شناساؤں کے گروپ نے مذہبی اور ثقافتی سرگرمیوں کے لیے ایک دوسرے کے گھروں میں ملاقاتیں شروع کر دی ہیں۔ گھروں میں منعقد کی جانے والی یہ تعلیمی نشستیں شیعہ ایرانی مسلمانوں کے میلان طبع کو زیادہ بہتر طریقے سے ترقی دے سکتی ہیں، کیونکہ بڑے بڑے مذہبی اجلاسوں میں تو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ وہ بہت زیادہ سیاسی رنگ اختیار نہ کر لیں۔

بہت سی صوفی تحریکیں نوآبادکار مسلمانوں میں خاص طور پر کام کر رہی ہیں۔ ان کا اہم گروہ شام سے تعلق رکھنے والے نقشبندی طریق کی ایک شاخ ہے۔ ان کے حلقے سلسلے سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعلق رکھنے والے لوگوں کے گھروں میں اور مسجد مصلّٰی میں منعقد کیے جاتے ہیں، شرکاء کی رشتہ دار خواتین مبتدیوں کے طور پر شامل ہو سکتی ہیں لیکن وہ حلقے کی تقریبات میں شریک نہیں ہوتیں۔ اس گروپ کے بارے میں اطلاعات ذاتی روابط کے ذریعے دوسروں تک پہنچائی جاتی ہیں۔ ان دنوں اینگلو امریکی حلقے میں صوفیہ کے کسی گروہ کو پذیرائی حاصل نہیں ہے، حالانکہ ڈاکٹر جواد نوربخش کے تحت ایران کے نعمت الٰہی سلسلے کے پیروکاروں کا ایک چھوٹا سا حلقہ شمالی مضافات میں ایک مرکز قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ ''نیوا تیج'' میں کتابوں کی دکان میں رکھے ہوئے اپنے جریدے ''صوفی'' اور یونیورسٹیوں میں خاص مواقع پر چھوٹے چھوٹے اشتہارات کے ذریعے اپنی اطلاعات کو عام کرتے ہیں۔ اب تک شرکاء کی اکثریت ایرانی تارکین وطن پر مشتمل ہے۔ یقیناً کچھ اور بھی چھوٹے روایتی صوفی حلقے ہیں جو ایران سے آئے ہوئے تارکین وطن میں مقامی بنیادوں پر کام کر رہے ہیں۔

امریکا (شمالی اور جنوبی دونوں) کا اسلامی مرکزِ اطلاعات محمد ذکی چلا رہے ہیں، جو سان ڈیگو کی مسلم برادری کے ایک رکن ہیں اور اسلام کے بارے میں انگریزی، ہسپانوی اور عربی میں ویڈیو پروگرام تیار کرتے ہیں، جنھیں سان ڈیگو کے اور بے ایریا کے بعض نشریاتی سلسلوں پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس کام کا ایک خصوصی پہلو لاطینی آبادی میں اس کا اثر ونفوذ ہے۔[۴۲] وہ (محمد ذکی) اس کام کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کے والدین مصری سفارت کار تھے، انھیں ہسپانوی بولنے والے ملکوں میں بہت عرصے تک رہنے کا موقع ملا۔ ان کی شادی بھی کولمبیا کی ایک خاتون سے ہوئی۔ یوں ہسپانوی بولنے والوں تک اپنی بات پہنچانے کے لیے محمد ذکی کی تیاری کی تکمیل ہوئی۔

ذکی کے ہسپانوی پروگراموں کو لاطینی امریکا کے اسلامی مراکز میں بھیجا جاتا ہے جہاں انھیں فلموں، ابلاغیات کے دوسرے اداروں میں اور کمپیوٹر پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ان پروگراموں میں زیادہ تر اسلام اور قرآن پاک کی تعلیمات سے متعلق سوال و جواب کے جلسوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ دوسرے پروگراموں کے لیے وہ مقبول مسلمان مقررین مثلاً جمال بدوی کی تقریروں کا مسودہ لے کر ہسپانوی میں اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ ان میں خاکے (گراف) اور دوسری فلموں کے ٹکڑے وغیرہ شامل کر کے اسے ٹیلی ویژن پر پیش کرتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ وہ ہسپانوی زبان میں پمفلٹ بھی تیار کرتے ہیں۔

مقامی آبادی سے آگے اپنی بات پہنچانے کے معاملے میں ذکی سان ڈیگو اور تیجوانا، میکسیکو دونوں ہی کو اپنی نظر میں رکھتے ہیں، جہاں ان کے تخمینے کے مطابق کوئی چار سو مسلمان رہتے ہیں۔[۴۳] اگرچہ ان کے پروگرام اسلام کے بارے میں کسی حد تک تحقیق و تجسس پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں، لیکن ان کا خیال ہے کہ ذاتی رابطے ہسپانویوں کو اپنے ساتھ ملانے کا سب سے کامیاب طریقہ ہیں اور یہ ایک ہمہ وقتی کام ہے۔ یہاں ہسپانوی مسلمانوں میں زیادہ تر عورتیں ہیں جن میں سے اکثر وہ ہیں جنھوں نے مسلمان آبادکاروں سے شادیاں کر لی ہیں۔ ذکی نے ایسی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں جن میں کسی مسلمان مرد سے ایک ہسپانوی عورت کی شادی کے نتیجے میں عورت کے رشتے داروں میں تبدیلیٔ مذہب کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ ذکی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ سان ڈیگو کے علاقے میں گزشتہ دس پندرہ سال کے عرصے میں ایسی عورتوں کی مجموعی تعداد تقریباً سو ہو گی۔ وہ ایسے جوڑوں کو کسی حد تک اس علاقے کے عارضی باشندوں میں شمار کرتے ہیں، کیونکہ یہ مرد عموماً طالب علم یا ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنی آبادکاری میں مدد دے سکنے والے کسی مسلم خاندان کی تلاش میں یہاں آتے ہیں اور بالآخر یہاں سے کہیں اور چلے جاتے ہیں۔

تیجوانا نامی شہر کو اسلامی تبلیغ کا مرکز بنانے کی چند مرتبہ کوششیں ہو چکی ہیں۔ لیکن اس مقصد کے لیے رقم اکٹھی کرنے میں مشکل پیش آ رہی ہے۔ ہسپانوی بولنے والے کسی لائق اور اولوالعزم لیڈر کی تلاش بھی ایک بڑی مشکل ہے۔ پھر ایسے مکان تلاش کرنے میں بھی دشواری ہوتی رہی ہے جو مسلمان تنظیمیں کرائے پر لے سکیں۔ محمد ذکی ابھی حال میں اسپین سے واپس آئے ہیں جہاں انھوں نے کوئی بیس ہسپانوی نومسلموں سے انٹرویو ریکارڈ کیے ہیں، جنھیں وہ اپنے ہسپانوی بولنے والے ناظرین کے سامنے پیش کریں گے۔ وہ اسپین اور لاطینی امریکا میں مسلمانوں یا مسلم اثرات کی آئینہ دار عمارتوں کی تصویریں جمع کر رہے ہیں تاکہ وہ انھیں اپنے لاطینی ناظرین کے سامنے پیش کر کے ہسپانوی تاریخ و ثقافت میں مسلمانوں کے کردار کو واضح کر سکیں۔

متعدد دوسری تنظیمیں اور غیر رسمی گروہ، جو اگرچہ کہ براہِ راست مذہبی نہیں ہیں، سان ڈیگو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مسلمانوں کی موجودگی پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کی بہت سی نسلی ذیلی گروہ بندیاں بھی رسمی یا غیر رسمی تنظیموں کی شکل میں موجود ہیں، مثلاً ایک سعودی کلب ہے جہاں ایسی سماجی تقریبات اور شادی بیاہ وغیرہ کے اجتماعات ہوتے رہتے ہیں جن میں سعودی خواتین شریک ہو کر ایک دوسرے سے گھل مل جاتی ہیں۔ متعدد دوسری عرب قومیتیں بھی انفرادی یا اجتماعی طور پر ایسی تقریبات منعقد کرتی رہی ہیں جو لازماً مذہبی نہیں ہوتیں۔ مثال کے طور پر کویتی خواتین کا ایک گروہ سماجی یا مذہبی تقریبات میں اکٹھا ہوتا رہتا تھا۔ حال ہی میں ایک نئی پاکستانی ایسوسی ایشن بھی قائم ہوئی ہے، جو بنیادی طور پر ایک ثقافتی تنظیم ہے لیکن بعض مذہبی اجتماعات اور تقریبات کا انتظام بھی کرتی ہے، مثلاً اسلامی مرکز میں افطار ڈنر۔ ان کے علاوہ ترک وطن کر کے آنے والے مسلمان مردوں سے شادی کرنے والی امریکی خواتین (مسلم اور غیر مسلم دونوں) کے لیے بھی ایک چھوٹا سا گروپ قائم کیا گیا ہے۔

خلاصہ

سان ڈیگو کے مسلم اداروں کے درمیان معقول حد تک رابطہ اور اشتراک عمل ہے۔ چند دین دار لوگ ہر مسجد سے وابستہ ہیں، اور اسلامی سرگرمیوں کے سلسلے میں فعال ہیں، گاہے بگاہے وہ علاقے کی تمام مساجد میں نماز کے لیے آیا کرتے ہیں اور ہر برادری کے رہنماؤں اور ممتاز ارکان سے واقف ہوتے ہیں۔ امریکا کی چند دوسری مسلم برادریوں کے مقابلے میں مختلف مراکز کے درمیان نسلی دشمنی یا نظریاتی تصادم کا کوئی شائبہ یہاں نہیں پایا جاتا۔

اگر ہم اسی مخصوص اور محدود مقامی سیاق و سباق کی مدد سے امریکی مسلمانوں کے درمیان عام رجحانات کا اندازہ لگانے کی کوشش کریں تو بہت سے مشاہدات سامنے آئیں گے، مثلاً مسلمان نوجوانوں کی اور خاص طور سے یہاں امریکا میں پیدا ہونے والے مسلمان لڑکوں کی بہت کم تعداد مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں حصہ لیتی ہے، بلکہ ان کی اکثریت بڑی تیزی کے ساتھ مقامی ثقافت میں جذب ہوتی جا رہی ہے۔ اپنے والدین کے ساتھ ان تقریبوں میں شریک ہونے والے چند لوگوں میں بھی جنوبی ایشیا کی جوان عورتیں زیادہ ہیں۔ اس کا مطلب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ہے کہ آنے والے دنوں میں جب آج کے بچوں کی بڑی تعداد جوانی کی عمر کو پہنچ جائے گی تو اس عمر کے لیے موزوں سرگرمیاں وضع کرنی پڑیں گی، جیسا کہ لاس اینجلس کے علاقے میں کیا گیا ہے، ان سرگرمیوں کو ان نوجوانوں کی سوچ اور ذوق کے مطابق ہونا چاہیے جو جدید امریکی معاشرے میں رہتے ہیں اور امریکی تعلیم گاہوں میں تعلیم پاتے ہیں۔

دوسرا معاملہ عورتوں کی شرکت کا ہے۔ مسجد تقویٰ کے امام عقیل الامین نے ایک اجتماع میں عورتوں کی شرکت کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا تھا کہ امریکی معاشرے میں عام طور سے عورتیں مذہب کو آگے بڑھاتی ہیں۔ اگرچہ یہ صورت حال اسلامی روایت کے مطابق نہیں لیکن امریکا میں رہنے والے مسلمانوں کا معاشرہ جس طور پر تشکیل پا رہا ہے اس میں یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ ظاہری اور سماجی طور پر جو لوگ زیادہ سخت مسلمان ہیں اور اپنی بیویوں کو مسجدوں میں نہیں لاتے وہ اپنے بچوں کو بھی نہیں لائیں گے اور آخر کار وہ مقامی (یعنی امریکی) معاشرے میں جذب ہو جائیں گے۔

وہ مسلمان جو اپنے مخصوص فقہی عقائد کے تحت اسلامی احکام پر عمل کرتے ہیں، مثلاً بریلوی یا شیعہ وہ اپنی روایات کو اہمیت دیتے ہیں اور اُن کی عورتیں اپنے گھروں میں مذہبی ثقافتی تقریبات پر بہت زیادہ زور دیتی ہیں، ان کے معاملے میں اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ وہ اگلی نسل تک مذہب کو منتقل کر دیں گے۔ نتیجتاً مسلمانوں کے تمام گروہوں کو امریکا میں مسلم مذہبی زندگی اور اداروں میں عورتوں کی شرکت کی ضرورت کو تسلیم کرنا ہوگا۔ کم از کم سان ڈیگو کی حد تک امریکی عورتوں کا آبادکار مسلمانوں سے شادیوں کا رواج امریکی حالات کے مطابق ایک دلچسپ صورت حال کو جنم دے گا۔ اسلامی مرکز رباط اور مسجد نور، تمام جگہوں کی قیادت میں ایسے ممتاز لوگ بحیثیت بانی یا صدر کے شریک ہیں جنھوں نے امریکی عورتوں سے شادیاں کر رکھی ہیں۔ اس کے برعکس زیادہ ائمہ مساجد بیرونی ممالک سے آئے ہیں اور ان میں یہاں کے معاشرے کی مستقل رکنیت کا یا شادی کے ذریعے شمالی امریکا کے ساتھ زیادہ مضبوط معاشرتی تعلق کا احساس پیدا نہیں ہوا ہے۔

آخری بات یہ کہ ۱۹۹۲ء کے بعد سے پیدا ہونے والی صورت حال کی روشنی میں اس بات کا امکان نظر آتا ہے کہ سان ڈیگو میں مسلمان برادری کی مزید ٹکڑیاں بنیں گی جو نسلی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنیادوں پر ہوں گی۔ فی الحال تو کرد اور صومالوی اپنے اپنے اسلامی مراکز قائم کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ افغان بھی ان کی پیروی کریں گے۔ یہ معلوم کرتے رہنا دلچسپی کا باعث ہوگا کہ یہ نئے مراکز اس صورت حال کا سامنا کیسے کریں گے جو سیاسی اور طبقاتی اختلافات کی بنا پر نسلی گروہوں کے اندر افراد کو یکجا کرنے کی صورت میں سامنے آئے گی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برادری کے زیادہ باشعور اسلامی رُکن نظریاتی اور بین الاقوامی خطوط پر تعلقات استوار کرنے کو ترجیح دیں گے، جب کہ زیادہ روایتی مسلمان غالب طور پر نسلی اسلامی مراکز قائم کرنے کا انتخاب کریں گے۔ جہاں تک ''خاموش اکثریت''یعنی اجتماعی سرگرمیوں میں حصہ نہ لینے والے مسلمانوں کا تعلق ہے تو ان میں سے بعض لوگ نسل پرستانہ حدود یعنی زبان اور روایات کو مذہبی اداروں کے بجائے ثقافتی مراکز کے ذریعے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، جب کہ بہت سے دوسرے لوگ جتنی جلد ممکن ہو امریکی ثقافت میں جذب ہو جانا چاہتے ہیں۔

حواشی

۱۔ اداریہ، دی سان ڈیگو ٹریبیون (۸ رفروری ۱۹۹۱ء) ص ب۔۱۰

۲۔ ۱۱ردسمبر ۱۹۹۱ء کو اسلامک سوسائٹی کے ڈائریکٹر، حسن ابوبکر کے ساتھ انٹرویو۔ دی سان ڈیگو یونین (۱۴رنومبر ۱۹۹۲ء) نے بیس ہزار کا ایک ایسا ہی تخمینہ پیش کیا۔

۳۔ ایرانی مسلمانوں کی آبادی کا تخمینہ پندرہ سے ساٹھ ہزار تک کیا جاتا ہے۔

۴۔ بشمول یونائیٹڈ اسٹیٹس انٹرنیشنل یونیورسٹی جس کے طلباء کی بڑی تعداد کا تعلق روایتی بنیاد پر مشرق وسطی اور ایران سے ہے۔

۵۔ کیرین آئی لیونارڈ "Making Ethnic Choices: California's Punjabi Mexican Americans" (فلاڈیلفیا: ٹیمپل یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۲ء) ص ۲۴ و مابعد

۶۔ راجانی کانتاداس "Hindustani Workers on the Pacific Coast" (برلن: ڈی گرویٹر، ۱۹۲۳ء) ص ۲۰۔ لیونارڈ نے امپیریل کاؤنٹی کی ۱۹۱۰ء کی مردم شماری کا ایک مسودہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دریافت کیا جس میں ہندوستانی نسل کے اٹھارہ افراد کا ذکر تھا ان میں سے آٹھ مسلمان تھے۔ وہ کہتا ہے کہ مسلم ایسوسی ایشن آف امریکا، جو ۱۹۱۹ء میں سیکرامنٹو میں قائم ہوئی تھی، کی ایک شاخ امپیریل ویلی میں تھی، اس کے بیان کردہ اغراض و مقاصد'' سماجی ترقی، امریکی اندازِ زیست کو اپنانا، اصلاح اور تعلیم'' تھے۔ص ۸۹۔ مزید ملاحظہ ہو "*Making Ethnic Choices*" ص ۴۷۔ اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ امپیریل ویلی میں ۱۹۲۱ء میں تیس ہزار ایکڑ اراضی ہندوستانیوں (سکھوں اور مسلمانوں) نے پٹے پر لی ہوئی تھی۔ "The Sikhs of El Centro: A Study in Social Integration" از رابندرا سی چکرورتی، (پی ایچ ڈی کا مقالہ، یونیورسٹی آف منی سوٹا، ۱۹٦۸ء) ص ۱۱

۷۔ کیرین آئی لیونارڈ "California's Punjabi Mexican Americans" مشمولہ "*The World and I*" (مئی ۱۹۸۹ء): ٦۱۵ اور "Pioneer Voices from California: Reflections on Religion, Race and Ethnicity" مشمولہ "*The Sikh Diaspora*" مرتبہ این جیرالڈ بیریئر اور ورنے ڈسن بری (دہلی: منوہر، ۱۹۸۹ء) ص ۱۲۲ و مابعد۔ لیونارڈ لکھتا ہے کہ ان میں سے غالبًا کوئی بھی ہندو نہیں تھا۔ کوئی دس فیصد مسلمان اور بقیہ سکھ تھے۔ "*Making Ethnic Choices*" ص ۳۰۔

۸۔ کیرین آئی لیونارڈ "Mourning in a New Land: Changing Asian Practices in Southern Colifornia"، جرنل آف آرنج کاؤنٹی اسٹڈیز ۳ تا ۴ (خزاں ۱۹۸۹ء۔ بہار ۱۹۹۰ء) ص ٦۲

۹۔ ۱۹۵۹ء میں اس آبادی کی مردم شماری سے امپیریل ویلی میں رہنے والے اسی (۸۰) پنجابی مردوں کی نشان دہی ہوتی ہے جن میں سے پندرہ مسلمان اور باقی سکھ تھے۔ سی اسکاٹ لعل ٹن "Some Aspects of Social Stratification Among the Immigrant Punjabi Communities of California" مشمولہ، رالف ایل بیلز، تدوین *Culture, Change and Stability* (لاس اینجلس: یونیورسٹی آف کیلی فورنیا پریس، ۱۹٦۴ء) ص ۱۰۹ تا ۱۱۰۔

۱۰۔ چکرورتی کو ۱۹٦۰ء کے عشرے کے اواخر میں وہاں پینسٹھ سکھ رہتے ہوئے ملے (ص ۵۷)

۱۱۔ لیونارڈ نے ایسی تین سو چار شادیوں کا پتا لگایا ہے۔ اس نے یہ حساب لگایا ہے کہ جنوبی کیلی فورنیا میں پنجابیوں کی تراسی فیصد بیویاں ہسپانوی تھیں۔ "Pioneer Voices" ص ۱۲۲ تا ۱۲۳۔

۱۲۔ لیونارڈ *Making Ethnic Choices* ص ۵٦

۱۳۔ لارنس اے ویزل "The Identification and Analysis of Certain Value Orientations of Two Generations of East Indians in California"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ایڈ، ڈی۔ مقالہ، یونیورسٹی آف پیسیفک، ۱۹۶۶ء) ص ۲۶ تا ۳۸۔

۱۴۔ لیونارڈ "Pioneer Voices from California" ص ۱۲۱، ۱۳۴۔

۱۵۔ لیونارڈ *Making Ethnic Choices* ص ۱۳۰۔ اس کی ابتدا ایک ہسپانوی خاتون ''جولیا دین'' کی کوششوں سے ہوئی، گمان ہے کہ اس وقت تک اسلام قبول کرنے والی یہ واحد خاتون تھی۔ (نمبر ۳۰، صفحہ ۲۶۷)

۱۶۔ ملاحظہ ہو چکر ورتی "The Sikhs of El-Centro"۔ یوسف دادا بھائی "Circuitous Assimilation Among Rural Hindustanis in California," *Social Forces 33* (دسمبر ۱۹۵۴ء) ص ۱۳۸ تا ۱۴۱۔

۱۷۔ زرینہ باری کے ساتھ انٹرویوز، ۲۵۔۲۶ رمئی ۱۹۹۱ء

۱۸۔ (ڈیٹرائٹ کے بعد) امریکا میں سب سے بڑی عراقی آبادی سان ڈیگو میں ہے (تخمینہ پندرہ ہزار) ان میں سے بہت سے کلدانی عیسائی ہیں۔ ''سان ڈیگو ٹریبیون'' (۸ رفروری ۱۹۹۱ء) ص ب۔۱۰

۱۹۔ اس وقت سان ڈیگو میں ایرانی اور فلسطینی طلباء کی بھی ایک بہت بڑی تعداد تھی جو اگرچہ مسلمان تھے لیکن مذہبی اجتماعی سرگرمیوں میں بہت زیادہ سرگرم نہیں تھے۔

۲۰۔ ابتدائی دنوں میں حالات بالکل مختلف تھے۔ برادری کے ابتدائی شرکاء میں سے ایک صاحب نے مسجد کے لیے چندہ اکٹھا کرنے کے غرض سے ان دنوں پرانی گھریلو اشیاء کی نیلامی کے موقع پر ایک نائٹ کلب کی رقاصہ کے رقص کا اہتمام کیا تھا۔

۲۱۔ موجودہ ڈائریکٹر مزمل صدیقی نے اپنے عہدے پر برقرار رہنے کا حق حاصل کر لیا۔

۲۲۔ کونسل کے قیام کے موقع پر کچھ دیر یہ بحث رہی کہ کیا سب سے اہم سہولت مسجد کی شکل میں ہونی چاہیے۔ ابتدائی اجلاس کے دوران میں اس بحث میں حصہ لینے والوں نے آخر میں یہ فیصلہ کیا کہ یہ ناقابل عمل بات تھی کیونکہ اسے روزمرہ کی نماز کے لیے کھولا نہیں جا سکتا تھا اور کوئی مستند امام بھی نہیں تھا۔

۲۳۔ ڈیوڈ اسمولر "Add Somalis to Polyglot Scene" لاس اینجلس ٹائمز، سان ڈیگو کاؤنٹی ایڈیشن (۲۶ راکتوبر ۱۹۹۲ء) ص ب۔۱

۲۴۔ آئی، ایم، لیوس "Sufism in Somaililand: A Study in Tribal Islam" مشمولہ "*Islam in Tribal Societies*" تدوین اکبر ایس احمد اور ڈیوڈ ایم ہارٹ (لندن: روٹلیج اینڈ کیگن پال، ۱۹۸۴ء) ص ۱۴۰ و مابعد

۲۵۔ ملاحظہ ہو ہرمن سین: "Two-Way Acculturation: Muslim Women in

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

America Between Individual Choice (Liminality) and *Muslims in* مشمولہ Community Affiliation (Communitas)" *America* تدوین وائی وائی حداد (نیویارک: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۱ء) ص ۱۸۸ تا ۲۰۱۔

۲۶۔ انور دل "A Note on the Early History of the Islamic Society of San Diego, California" غیر مطبوعہ مضمون ص ا

۲۷۔ *The Islamic Reporter* (جنوری، ۱۹۷۳ء) ص، ۴ تا ۵۔

۲۸۔ غازی بعد میں ایسٹ کوسٹ منتقل ہو گئے اور اب وہ شکاگو میں اقراء نامی ایک مسلم تعلیمی ادارہ چلا رہے ہیں۔

۲۹۔ دل "A Note" ص ۲

۳۰۔ ایک قابل ذکر مثال اس بین العقائد اجلاس کی تھی جسے ۷رفروری ۱۹۹۱ء کو اسلامی مرکز میں نیشنل کانفرنس آف کرسچین اینڈ جیوز نے بلایا تھا اور جس میں بہائی، بدھ، عیسائی، ہندو، یہودی اور مسلم تنظیموں کے نمائندوں نے شرکت کی تھی۔ سان ڈیگو یونین (۸رفروری ۱۹۹۱ء)۔ اب اسلامک سوسائٹی بین العقائد تنظیموں میں سرگرمی سے شرکت کرتی ہے، یہ کلیر مونٹ کے علاقے میں اپنے پڑوسیوں کے لیے ایک خصوصی کھلی کچہری لگانے کا منصوبہ بنا رہی ہے تاکہ پڑوسیوں کو اپنی ذات سے مانوس کر سکے اور مشترک دلچسپی کے مسائل پر بحث کر سکے۔

۳۱۔ حسن اکوبر کے ساتھ ایک انٹرویو *Salaam: A Magazine of the Islamic Center of San Diego 1* (رمضان/مارچ ۱۹۹۱ء)

۳۲۔ ان دنوں مرکز نئے امام کی خدمات حاصل کرنے کے لیے ملک گیر سطح پر اشتہار دے رہا ہے۔ علاوہ ازیں وہاں تین ہمہ وقتی اور دو جزوقتی ملازمین بھی ہیں۔

۳۳۔ نئے پروگرام کو مقامی اخبار میں (ایک مضمون کی شکل میں) تحریر کیا گیا تھا (جس کا عنوان تھا) "Mosque School Teaches Kids a Fourth 'R' - Religion"، سان ڈیگو یونین (۱۴رنومبر ۱۹۹۲ء) ص ب۔ ۸

[ابتدائی تعلیم کے لیے "The Three Rs" کا محاورہ مستعمل ہے یعنی reading, (w)riting (a)rthmetic (پڑھنا، لکھنا اور حساب)۔ مضمون نگار کہتا ہے کہ مسجد اسکول میں بچوں کو ایک چوتھے 'R'، Religion یعنی مذہب کی بھی تعلیم دی جا رہی ہے]

۳۴۔ عقیل الامین "Yusuf Abdullah- Poineer of Islam" مسلم جرنل (۳۰رستمبر ۱۹۸۸ء)

۳۵۔ یوسف عبداللہ کے پوتے سیگن پین کو بعد میں ایک مقدمے کی وجہ سے بڑی شہرت ہوئی جو ان کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلاف سان ڈیگو کے ایک پولیس افسر پر گولی چلانے کی وجہ سے قائم ہوا تھا، جس نے انھیں روک کر ان کی نسل کے حوالے سے انھیں برا بھلا کہا تھا۔ چین آخر میں بری ہو گئے تھے لیکن یہ مقدمہ (افریقی امریکی) برادری کو ہراساں کرنے کے سلسلے میں یاد رکھا گیا۔

۳۶۔ سان ڈیگو یونین (۱۴/اگست ۱۹۷۷ء) ص ۱۶

۳۷۔ ایک خبر جو پورے ملک (امریکا) میں پھیل گئی تھی وہ مسٹر شہید نامی ایک افریقی امریکی مسلمان کے خلاف خلیج کی جنگ کے دوران میں بغاوت کے الزام سے متعلق تھی۔ آخر میں الزام واپس لے لیا گیا تھا لیکن امام سے بطور مصالحت کنندہ مشورہ کیا گیا تھا۔

۳۸۔ مثال کے طور پر ۱۹۹۳ء میں ایک روز جمعہ کی نماز کے بعد بعض منحرفین نے ایک پمفلٹ تقسیم کیا تھا جس میں انھوں نے ادارے پر یہ (جھوٹا) الزام لگایا تھا کہ اس کا انتظام سعودی عرب کی خفیہ پولیس کر رہی ہے۔

۳۹۔ "In Allah They Trust: Otay Mesa Prisoners Turn to Islam for Peace, New Path" سان ڈیگو یونین (۱۳/نومبر ۱۹۹۲ء) ص ج۔۱

۴۰۔ ایک مقامی ایرانی اخبار کے پبلشر کے تخمینے کے مطابق سان ڈیگو کاؤنٹی اس کے ساٹھ ہزار ہم وطن ایرانیوں کا گھر بن چکی ہے۔ لارنس اوس بورن، "Slabs of Persia" سان ڈیگو ریڈر ۲۲۔نمبر ۱۲ (یکم اپریل، ۱۹۹۳ء):۲۲

۴۱۔ ان محفلوں میں امام کی افسوسناک موت پر نوحہ اور گریہ و زاری کی جاتی ہے، کھانا تقسیم کیا جاتا ہے اور نذر نیاز دی جاتی ہے۔

۴۲۔ "Minarets over Zona Norte" دی سان ڈیگو ریڈر (۲۶/جولائی ۱۹۹۰ء) ص ب ۱

۴۳۔ محمد ذکی کے ساتھ انٹرویو، یکم جون ۱۹۹۱ء۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۸

سی ایٹل کے مسلمان

مریم عدینی اور کیتھرین ڈی ماسٹر

سی ایٹل ایک نیا شہر ہے۔ اس کے آباد کاروں کا پہلا گروہ کشتیوں کے ذریعہ ۱۸۵۱ء میں ساحل پر اترا تھا۔ اگرچہ عظیم تر سی ایٹل کی آبادی بیس لاکھ افراد سے کم ہے تاہم یہ مونٹانا اور سان فرانسسکو کے درمیان سب سے بڑا شہری مرکز ہے۔ عین جنوب میں ٹیکوما، چند میل دور مشرق میں بیلے وؤ اور شمال کی جانب تین گھنٹے کے فاصلے پر کینیڈا کا بڑا شہر وینکوور، اس علاقہ کو ایک بڑا شہری قطعہ بناتے ہیں۔ یہ شہر شمال اور جنوب میں آبی راستوں کے ساتھ ساتھ واقع ہیں: یعنی بحرالکاہل اور متعدد دریاؤں کے ساتھ وینکوور، پگٹ ساؤنڈ کے کنارے سی ایٹل اور ٹیکوما، لیک واشنگٹن کے کنارے بیلے وؤ۔ یہ لمبائی شہر (سی ایٹل) میں مسلمانوں کی معاشرتی زندگی پر بڑا اثر ڈالتی ہے۔

سی ایٹل کا رخ بیرونی جانب ہے۔ یہ اڑتالیس باہم متصل ریاستوں میں الاسکا کے ساتھ تجارت کے لیے ایک اہم مرکز ہے۔ بحرالکاہل کے ساحل پر واقع شہروں میں سے سی ایٹل ایک بڑا شہر ہے۔ واشنگٹن ریاست کی زیادہ تر پیداوار خام مال پھلوں اور غلّہ کی ہے جیسے غلہ، عمارتی لکڑی، سیب اور دوسرے پھل اور ترکاریاں۔ اس پیداوار کا ایک بڑا حصہ ایشیا اور مشرق وسطیٰ کو فروخت ہوتا ہے۔ سی ایٹل کی سب سے بڑی صنعت بوئنگ ایئرکرافٹ کمپنی کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کارخانہ ہے۔ یہ عالمی بنیاد پر کاروبار کرتا ہے۔ملازمین کی تعداد کے لحاظ سے سی ایٹل کا دوسرا بڑا ادارہ یونیورسٹی آف واشنگٹن ہے جہاں غیر ملکیوں کی کثیر تعداد درس و تدریس میں مصروف ہے۔سی ایٹل میں مشرقی ایشیائی ملبوسات کے کارخانوں کے صدر دفاتر بھی معقول تعداد میں موجود ہیں۔

اس شہر کی آبادی میں مشرقی اور جنوب مشرقی ایشیاء کے لوگوں کا حصہ بڑا نمایاں ہے۔سی ایٹل ازبکستان کے شہر تاشقند کا برادر شہر ہے اور یونیورسٹی آف واشنگٹن میں ازبک زبان اور ثقافت کے پروگرام برابر ہوتے رہتے ہیں لہٰذا روسی مسلمان گاہے بگاہے یہاں آتے رہتے ہیں اور انھوں نے سی ایٹل کے باشندوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر لیے ہیں۔کئی سو افغان مہاجرین بھی سی ایٹل میں آباد ہو گئے ہیں لہٰذا مجاہدین کی آمدورفت بھی یہاں جاری رہتی ہے۔

اہم مسلم مراکز

سی ایٹل کے مسلمانوں کے لیے جمعہ کی نماز کے لیے چار اہم مراکز ہیں: مسجد شیخ عبدالقدر ادریس جسے سی ایٹل کا اسلامی مرکز بھی کہتے ہیں؛ یونیورسٹی آف واشنگٹن میں اسلامک انٹرنیشنل ہاؤس؛ دی اسلامک اسکول اور جنوبی سی ایٹل کا اسلامی مرکز۔ادریس مسجد شہر کے شمالی سرے پر اور اسلامک انٹرنیشنل ہاؤس اور اسلامک اسکول شہر کے وسط میں ہیں۔

مسلمانوں کے حلقے، خاص طور سے طلباء، ٹیکوما اور لاسی کے مغربی علاقوں میں آباد ہیں۔ مشرقی واشنگٹن، بالخصوص اسپوکین اور پلمین، کی مسلم آبادی کی اکثریت بھی طلباء پر مشتمل ہے۔وسطی واشنگٹن کے تین شہری علاقوں میں مسلمانوں کے بہت سے خاندان مستقل طور پر آباد ہیں۔یہ لوگ یہاں پر قائم جوہری توانائی کے ایک کارخانے میں ملازمت کے سلسلے میں آئے۔سی ایٹل میں مسلمانوں کی آبادی کا تخمینہ چار سے دس ہزار تک لگایا جاتا ہے۔ایک مسجد کے ترجمان کے مطابق ان مسلمانوں میں سے ڈیڑھ ہزار مسلمان اپنے مذہبی احکام کے بڑے ''پابند'' ہیں۔[1]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنوبی سی ایٹل کا اسلامی مرکز

قدیم ترین مرکز جو اب بھی کام کررہا ہے، جنوبی سی ایٹل کا اسلامی مرکز ہے۔ ۱۹۶۰ء کے عشرے کے اوائل میں بوئنگ ائیر کرافٹ کمپنی میں کام کرنے والے دو مسلمان کارکنوں کو رمضان کے روزوں کے دوران اندازہ ہوا کہ کسی نے بھی دوپہر کا کھانا نہیں کھایا۔ دونوں آپس میں متعارف ہوئے۔ ان میں سے ایک پاکستانی اور دوسرا عراقی تھا۔ رفتہ رفتہ انھوں نے ایک دوسرے کے گھر آنا جانا شروع کر دیا۔ دوسرے مسلمان خاندان بھی شامل ہوتے گئے۔

بعدازاں ان لوگوں نے طے کیا کہ انھیں ایک مسجد کی ضرورت ہے۔ متعدد خاندانوں نے روپیہ بچانا شروع کیا کیونکہ ان کی خواہش تھی کہ سود والے قرض کی بجائے نقد رقم ادا کر کے ایک عمارت خرید لی جائے۔ تقریباً ایک سال تک ان میں سے ہر ایک نے ہر مہینے سو ڈالر بچائے اور بالآخر انھوں نے جنوبی سی ایٹل میں نصف ایکڑ پر پھیلا ہوا ایک دو منزلہ مکان خرید لیا۔ یہ نماز اور عبادات کی ادائیگی کے علاوہ مختلف نسلی پس منظر کے مسلمانوں کا ثقافتی مرکز بن گیا۔

جب ۱۹۸۱ء میں شمالی سی ایٹل میں بڑی مسجد بن گئی تو اس علاقے کے زیادہ تر مسلمانوں نے وہیں نماز پڑھنا شروع کی۔ جنوبی سی ایٹل کا مرکز اب بنیادی طور ایشیا کے جنوبی جزیرہ نما ہندچینی کے خطوں کے چامی (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۶۲) مسلمانوں کی عبادات اور تعلیمی مرکز کے طور پر کام آتا ہے۔ بعض عرب اور دوسرے مسلمان جو رینٹن کے نواحی مضافات میں بوئنگ ایئر کرافٹ پلانٹ میں کام کرتے ہیں وہ بھی اس مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں۔

اسلامک اسکول

۱۹۸۰ء میں جنوبی سی ایٹل کے اسلامی مرکز میں ''اسلامک اسکول'' قائم کیا گیا۔ پانچ نومسلم اینگلو امریکن اور افریقی امریکن خواتین نے اسلامی تعلیم کی ضرورت محسوس کی اور اسکول کو منظّم کیا۔ ایک مسلمان خاتون، امینہ صالح، نے بتایا کہ اس علاقہ میں مسلمانوں کے اکثر معاشرتی منصوبوں میں امریکی عورتیں بہت اہم محرک رہی ہیں انہوں نے کہا کہ ''امریکی مسلمان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عورتوں نے اسلام کو غیر مسلموں میں متعارف کرانے کی ذمہ داری قبول کر لی ہے۔'' ایک مسلمان قانون داں نے ان خواتین کو وہ تمام معلومات فراہم کیں جو ایک غیر منفعت بخش ادارے کے طور پر اسکول کی اجازت حاصل کرنے کے لیے ضروری تھیں۔ ایک خاندان فلوریڈا میں رہنے والی ایک ایسی پاکستانی خاتون سے واقف تھا جو مستند استانی تھیں۔ وہ پہلی معلّمہ بنیں۔ ان پانچ خواتین میں سے ایک خاتون کے مصری شوہر، محمد المسلمانی، ان دنوں کویت میں مقیم تھے جہاں انھوں نے اسکول کے لیے کافی چندہ اکٹھا کیا۔ اس رقم سے کمیٹی نے ایک وین اور اسکول کے لیے مطلوب ضروری سامان خرید لیا۔

نوآبادکار برادری کا ردعمل بڑا مثبت تھا۔ پانچ بانی خواتین میں سے ایک رفیعہ کھوکھر کے مطابق، ''تقریباً ہر خاندان نے، جس میں ابتدائی اسکول کی عمر کا کوئی بچہ تھا، اپنے بچے کو اس پہلے اسکول میں بھیج دیا''۔ مرد اس معاملے میں عورتوں سے زیادہ محتاط تھے تاہم ان لوگوں نے مالی امداد دی۔ بہرحال سی ایٹل کے شمال جنوب تک کے طویل فاصلے کا مطلب یہ تھا کہ شمالی سرے پر رہنے والے مسلمانوں کو کوئی ایسی جگہ چاہیے تھی جہاں پہنچنا جنوبی سی ایٹل کے مرکز کے مقابلے میں زیادہ آسان ہوتا۔ منصوبے کے پہلے سال کے دوران اسکول کی ایک بانی این المسلمانی چندہ اکٹھا کرنے کے لیے کویت گئیں۔ ان کی کامیابی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۸۱ء میں مسلم برادری کیپٹل ہل کے زیادہ مرکزی علاقے میں ایک سابق یہودی اسکول کی عمارت خریدنے کے لائق ہوگئی۔ اسلامک اسکول بالآخر وہاں منتقل ہوگیا۔

آج وہ اسکول ایک نجی، ہمہ وقتی ابتدائی اسکول کے طور پر ضلعی انتظامیہ سے منظور شدہ ہے۔ اس میں تین سو طلباء کی گنجائش ہے لیکن فی الحال صرف پچیس بچے قبل از اسکول کے مرحلے سے لے کر چوتھے گریڈ تک وہاں زیر تعلیم ہیں۔ رقم کی فراہمی اب بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ ۱۵۷۵ر ڈالر کی سالانہ تعلیمی فیس اخراجات کے صرف ساٹھ فیصد کا بوجھ برداشت کر سکتی ہے۔ بقیہ چالیس فیصد مخیّر افراد عطیہ کے طور پر دیتے ہیں۔ اسکول کے طلباء کا تعلق پاکستان، افغانستان، مصر، فلسطین، کویت، گھانا، آئیوری کوسٹ، مالی، آسٹریلیا سے آئے ہوئے خاندانوں اور امریکا کے دوسرے حصوں سے ہے۔ غیر مسلم طلباء کو بھی داخلہ دیا جاتا ہے۔

استاد اور استانیاں سنگاپوری چینی مسلمانوں سے لے کر ایتھوپیا تک کے وسیع نسلی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پس منظر سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسکول یا چھوٹے بچوں کے نگہداشتی مرکز میں پڑھانے کے لیے کبھی کبھار غیر مسلموں کی خدمات بھی حاصل کی جاتی ہیں ورنہ عام طور سے تمام مرد و خواتین اساتذہ مسلمان ہوتے ہیں۔ نصاب میں عام مضامین کے علاوہ عربی زبان اور اسلامیات شامل ہیں۔ ہر روز کی پنج وقتہ نمازوں اور جمعہ کی نماز کے لیے جگہ بنائی جاتی ہے۔ منتظمین محمد اور این المسلمانی، اعلیٰ اخلاقی معیار قائم رکھنے کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ ''اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات'' کو اپنی منزل سمجھتے ہیں۔ مذہبی تعلیم کو ایک علیٰحدہ مضمون کی حیثیت سے پڑھانے کے بجائے پورے نصاب میں جذب کر دیا گیا ہے۔ قرآنی آیات کو موضوع کے مطابق پیش کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے سلام دعا کے طریقوں اور مسلم محاوروں کو روزمرہ کی گفتگو میں شامل کر دیا گیا ہے۔ جب کبھی مشرق وسطیٰ کے بارے میں کوئی خبر آتی ہے اور خاص طور سے جب ذرائع ابلاغ متعصّبانہ رنگ اختیار کر لیں تو اساتذہ اپنے انداز میں ایک متوازن تجزیہ ضرور پیش کرتے ہیں۔

اس امر پر اپنے تاثرات ظاہر کرتے ہوئے کہ پانچ بانیوں نے ایک علیٰحدہ اسلامی اسکول کی ضرورت کیوں محسوس کی رفیعہ کھوکھر کہتی ہیں، ''اس لیے کہ ہم بچوں کی زندگیوں کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کے لیے موثر انداز میں کام کرنا چاہتے تھے اس کام میں ہم دوسروں کو بھی شریک کرنا چاہتے تھے''۔ اپنے بچوں کو امریکی ثقافت کے منفی اثرات سے بچانا بنیادی مقصد نہیں تھا بلکہ، بقول رفیعہ کھوکھر، ''ہم ایک مثبت قوت بن کر رہنا چاہتے تھے کیونکہ ہم یہ محسوس کرتے تھے کہ ہمارے بچوں کو قائدانہ کردار کے لیے تربیت حاصل کرنا ضروری ہے۔''

پبلک اسکولوں میں کیا خرابی ہے؟ رفیعہ کی رائے میں استادوں کے لیے مذہب اور سیاست کی علیٰحدگی ایک پریشان کن معاملہ ہے۔ استادوں کو اخلاقیات کے بارے میں پڑھانے سے روکا جاتا ہے۔ رفیعہ کہتی ہیں کہ ''مجھے لگتا ہے کہ جب آپ کو کوئی اچھا استاد ملتا ہے تو اس کی آواز دبا دی جاتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ پبلک اسکول کا اخلاق کی تعمیر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ تو صرف طالب علموں تک اطلاعات پہنچانے کا کام کرتے ہیں۔''

اس کے برعکس اسلامی اسکول کے مقاصد حسب ذیل ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ ایک ایسا ماحول فراہم کرنا جس میں اللہ کی ذات کو مرکزیت حاصل ہو اور جو کائنات میں ہمیں اپنے مقام سے آگاہ کرے۔
۲۔ بچوں میں قائدانہ صلاحیتیں ابھارنا۔
۳۔ مسلمانوں میں اخوت کی نشوونما کرنا۔
۴۔ عربی زبان کی تعلیم دینا۔
۵۔ محنت طلب نصاب پیش کرنا۔

آخر میں رفیعہ کہتی ہیں کہ ''آپ اپنے بچوں سے یہی چاہتے ہیں کہ وہ خوف خدا کی دولت سے مالا مال ہوں اور ایک دوسرے کا درد اُن کے سینے میں ہو''۔

تعلیمی فرائض انجام دینے کے علاوہ (اسلامک) اسکول ایک عام مذہبی مرکز کے طور پر بھی کام کرتا ہے۔ بہت سے مقامی گروہ اسلامک اسکول کو اپنی نماز اور عبادات کا مرکز بناتے ہیں۔ ان میں صومالوی آبادکاروں کا ایک گروہ، پچیس سے پچاس افراد پر مشتمل شیعوں کا ایک گروہ اور کوئی بیس آدمیوں کا ایک افریقی امریکی گروہ بھی شامل ہے۔

اسلامک انٹرنیشنل ہاؤس

یونیورسٹی آف واشنگٹن کے کیمپس میں مسلمان طلباء کی کئی انجمنیں ہیں۔ ان میں سے مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کے باقاعدہ چندہ ادا کرنے والے ارکان کی تعداد تیس ہے لیکن تقریباً سو طلباء اس سے فیض پاتے ہیں۔ دی مسلم عرب یوتھ ایسوسی ایشن (MAYA) سینچر کو نماز مغرب کے بعد بحث مباحثے اور شرکاء میں اجتماعی تخلیقی تفکر کو فروغ دینے کے لیے کبھی کبھار حلقوں کا انتظام کرتی ہے۔ یہ ایسوسی ایشن دسمبر کے سالانہ بڑے کنونشن میں شرکت کے لیے بھی طلباء کی مدد کرتی ہے۔

دی انٹرنیشنل مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن (IMSA) فارسی بولنے والوں اور شیعہ طلبا کے ایک گروہ کے طور پر شروع ہوئی تھی۔ اب اس میں سنّی اور فارسی نہ بولنے والے بھی شامل ہو گئے ہیں۔ چونکہ اس ایسوسی ایشن کا مطمح نظر مذہبی سے زیادہ سیاسی ہے لہٰذا دوسرے گروہوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اس کا تعلق ثانوی سا رہا ہے۔ نسلی بنیادوں پر بھی مسلم طلباء کے گروہ موجود رہے ہیں مثلاً چام مسلم اسٹوڈنٹس یونین۔

۱۹۷۰ء کے عشرے کی ابتدا میں یونیورسٹی آف واشنگٹن کے مسلمان طلباء یونیورسٹی کی حدود میں واقع میتھوڈسٹ چرچ میں پابندی کے ساتھ اپنا اجلاس منعقد کرتے تھے۔ نارتھ امریکن اسلامک ٹرسٹ کے ذریعے سے، کویت کے چندہ سے ۱۹۸۰ء کے لگ بھگ ایک کمیٹی یونیورسٹی کے نزدیک مشترکہ استعمال کے لیے ایک مکان خریدنے میں کامیاب ہوگئی۔ یہ کوئی باضابطہ اقامتی عمارت نہیں ہے لیکن آنے والے طلباء اور سیاحوں کے لیے عارضی اقامت گاہ ضرور ہے۔ یہ مکان نماز جمعہ، تعلیم و تدریس، سماجی تقریبات اور مذہبی امور میں مشوروں کے لیے ایک مرکز کا کام دیتا ہے۔ یہ کمیٹی غیر مسلموں کو اسلام سے متعارف کرانے کی خدمت بھی ادا کرتی ہے۔ کمیٹی کے ملحقہ ادارے معلوماتی لٹریچر شائع کرتے ہیں اخبارات وغیرہ میں چھپنے والے مضامین کے جواب دیتے ہیں، یونیورسٹی کے اخبار کے لیے گاہے بگاہے مضامین لکھتے ہیں اور باقاعدگی سے روزانہ دفتر کھولتے ہیں۔ سب سے زیادہ دلچسپی لینے والے گروپ عربوں کے ہیں۔ اس کے بعد ہندوستانیوں پاکستانیوں کا نمبر آتا ہے۔

یونیورسٹی آف واشنگٹن کے مسلم طلباء اور مسلم برادری کے درمیان بعض انتظامی امور وجہ اختلاف بن گئے تھے۔ نارتھ امریکن اسلامک ٹرسٹ نے اس خطہ (مغربی ساحل کے ساتھ کا علاقہ) کے لیے اکتوبر ۱۹۹۱ء میں اپنا نمائندہ بھیج کر اس قضیہ کو نمٹایا تھا۔ اس کے تحت ایک سال کے لیے ایک عارضی تنظیمی بورڈ مقرر کیا گیا جس کا مقصد ''ایک ایسا نظام وضع کرنا تھا جس کے تحت انفرادی خواہشات کے بجائے پالیسیوں اور ضابطوں کی روشنی میں مقامی کمیونٹی کو اختیار منتقل کیا جائے''۔[۲]

یونیورسٹی میں مسلمان طلباء اسلام کے بارے میں معلومات مہیا کرنے کے لیے وقفے وقفے سے دعوۃ کا پروگرام منظم کرتے رہتے ہیں۔ اس قسم کا ایک چار روزہ پروگرام اکتوبر ۱۹۹۱ء میں ترتیب دیا گیا تھا۔ مرکزی اسٹوڈنٹ یونین کے دفتر میں ایک بڑے کمرے میں اسٹال لگائے گئے تھے۔ وہاں اسلام کے بارے میں کتابیں اور پمفلٹ دستیاب تھے۔ کمرے کے ایک کونے میں ایک چھوٹا سا چبوترا بنا ہوا تھا، اس کے سامنے کرسیوں کی قطاریں لگی ہوئی

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھیں۔ چبوترے پر علاقے کے مسلمان مقررین [غیر مسلم] سامعین کو سوال جواب کے ذریعے بحث مباحثے میں مشغول رکھتے تھے۔ یونیورسٹی کے متعدد طلباء نمائش میں رکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ ان میں سے بین الاقوامی نقطہ نظر رکھنے والے بہت سے غیر مسلم طلباء بھی تھے۔ اسٹوڈنٹ یونین کی عمارت کے سامنے والے میدان میں سیاسی رجحان رکھنے والی IMSA کے بعض ارکان نے بھی تقریروں کا سلسلہ جاری رکھا۔ اسرائیل کے لیے امریکی امداد بالخصوص ان کی تنقید کا نشانہ بنتی تھی۔

اسلامی مرکز

یہ بڑی مسجد ۱۹۸۱ء میں سعودی عرب کے ایک شہری کے عطیے سے تعمیر ہوئی تھی۔ ان صاحب کی بیٹی سی ایٹل میں رہتی تھی۔ ان دنوں یہاں جمعہ کی نماز میں اکثر چار سو کے قریب نمازی جمع ہوجاتے تھے۔ جب مجمع بڑھ جاتا تو تہہ خانے میں نماز کا اہتمام کیا جاتا۔ یہ مرکز ایک ہشت پہلو گنبد اور ایک ستواں مینار سے مزین ہے۔ دونوں پر تانبے کا پتر چڑھایا ہوا ہے اور ان کے اوپر ہلال بنا ہوا ہے۔ اس عمارت کے بارے میں ایک مبصر کی رائے ہے کہ:

> ''اس عمارت کی سب سے بڑی خوبی اس کی بہت واضح معیاری حجم کی ساخت ہے۔ اپنے ڈیزائن کے باعث یہ چھوٹی سی عمارت بہت بڑی اور اپنے اصل سائز سے زیادہ بڑی اور نمایاں معلوم ہوتی ہے.... اس عمارت کی اٹھان اور تاریخی انداز کوئی اتفاقیہ بات نہیں: آرکیٹکٹ نے اسے بنایا ہی ایسے تھا...
>
> اس کی دیواریں سرخ اور بھورے رنگ کی اینٹوں کی ہیں۔ دیواروں میں شیشے کے بلاکوں سے بنی اونچی کھڑکیاں ہیں۔ اوپر مُوری (بربر اور عرب مخلوط نسل) فن تعمیر کے مطابق کنکریٹ کی بالائی چوکھٹ بنی ہوئی ہے۔ داخلے کا بڑا راستہ پیتل، تانبے اور سبزی مائل ہرے رنگ کی ٹائلوں سے سجا ہوا ہے۔''[۳]

اندرونی حصے میں نماز کا بڑا کمرہ ہے جس کے ساتھ عورتوں کے لیے جالی دار شہ نشین ہے۔ تہہ خانے میں وضو خانہ، سماجی سرگرمیوں کے لیے کافی کھلی جگہ اور عورتوں کے حلقہ کے لیے ایک کمرہ ہے۔ اس کا راستہ باہر سے ہے۔ چونکہ یہ مسجد ایک بہت مصروف شاپنگ سینٹر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ایک رہائشی محلّہ کے درمیان واقع ہے اس لیے لوگوں کی توجہ کا باعث بنتی ہے۔

مسجد کا انتظام جمہوری انداز میں منتخب ایک کمیٹی چلاتی ہے۔ کمیٹی کا آئین مجلس عاملہ کے اختیارات اور سالانہ انتخابات کے طریقوں کی وضاحت کرتا ہے۔ کوئی بھی مسلمان جو دس ڈالر ماہانہ چندہ دیتا ہو ووٹ دینے کا حق دار ہوگا۔ مجلس عاملہ کے علاوہ ایک مجلس شوریٰ، اسلامی تعلیم، زکوۃ، ثقافتی و معاشرتی سرگرمیوں اور عورتوں کے امور کے لیے بھی کمیٹیاں موجود ہیں۔ اس مسجد کا امام کوئی با قاعدہ عالم نہیں بلکہ ایک گریجویٹ طالب علم ہے جو رضا کارانہ طور پر یہ فریضہ ادا کرتا ہے۔ فی الحال صرف مؤذن اور خادم مسجد کے دو ملازم ہیں۔

اس مسجد میں نسلی اعتبار سے سب سے بڑا گروہ پاک و ہند کے لوگوں کا ہے۔ دوسرے نمبر پر عرب آتے ہیں۔ دوسری کئی جگہوں اور ملکوں کے لوگ بھی یہاں موجود ہیں۔ تاہم یہ ایک سنی مسجد ہے۔ نماز پڑھنے کے لیے شیعوں کو بھی خوش آمدید کہا جاتا ہے لیکن کسی کو علیحدہ علیحدہ اپنے مسلک کی تبلیغ کی اجازت نہیں۔ اس کے علاوہ ایک غیر تحریری ضابطہ یہ بھی ہے کہ امریکا میں مذہب اور سیاست کو علیحدہ رکھنے والی ریت کے احترام میں اس مسجد میں کسی سیاسی سرگرمی کی اجازت نہیں ہے۔

اس مسجد کی سرگرمیوں میں جمعہ کی رات کو نماز کے بعد حلقہ، اتوار کی صبح کو بچوں کی کلاسیں اور کبھی کبھار جوانوں یا طلبا کے اجلاس شامل ہیں۔ مسلمان عورتوں کی ایک ایسوسی ایشن بھی حال ہی میں قائم کی گئی ہے جس کا نام ''سسٹرس یونائیٹڈ تھرو اسلام'' (اسلامی بہنیں) ہے۔ یہ ایسوسی ایشن کبھی کبھار سنیچر کو اجتماعی کھانوں کا اہتمام کرتی ہے۔ عمارت کے نچلے حصے کو کمیونٹی سینٹر یا کمیونٹی ایریا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ممبران اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان مسلمانوں کے لیے بھی جو پابند مذہب نہیں ہیں مسجد ثقافتی مرکز کی حیثیت سے بھی اُتنی ہی اہمیت رکھتی ہے۔

نماز کے بعد حلقے کے دوران علیحدہ علیحدہ کمروں میں مردوں اور عورتوں کی نشستیں آراستہ ہوتی ہیں۔ مختصر سی دعا کے بعد محفل میں موجود لوگ باری باری قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔ بسا اوقات حفظ قرآن بھی ایک مقصد ہوتا ہے۔ آیتوں کے معانی اور تفسیر پر بھی بات ہوتی ہے۔ تلاوت میں تلفظ کی اصلاح یا کسی نکتے کی وضاحت کے لیے عالم اور تجوید جاننے والے بھی موجود

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتے ہیں۔ حلقہ کے ان اجلاسوں کے علاوہ عورتوں کے اور اجتماعات بھی ہوتے ہیں ان میں وہ بچوں کی پرورش اور تربیت وغیرہ کے مسائل پر گفتگو کرتی ہیں۔ خواتین عید خصوصاً عید الفطر کی تقریبات اور افطاری کی دعوت وغیرہ کے پروگراموں کو مربوط کرتی ہیں۔ یہ تقریبات مسجد ہی کے حوالے سے ہوتی ہیں لیکن ان کا انعقاد نسبتاً بڑی جگہوں پر ہوتا ہے۔ ان تقریبات میں پندرہ سو تک لوگوں نے شرکت کی ہے۔

مسجد سال میں کئی بار انگریزی زبان میں آٹھ صفحات کا ایک خبر نامہ شائع کرتی ہے جس میں مالی سرمایہ کاری، قرآن و سنت اور موجودہ سیاسی معاملات جیسے موضوعات پر مضامین شائع ہوتے ہیں۔

چامی مسلمان

سی ایٹل کی مسلمان برادریوں میں ایک انوکھی برادری کئی سو چامیوں پر مشتمل ہے۔ یہ چامی مسلمان ویت نام اور کمبوڈیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ لوگ کھیمر روج اور ویت نام کی کمیونسٹ حکومت کے مظالم سے بھاگ کر سی ایٹل میں پہلی بار ۱۹۷۸ء میں آئے تھے۔ ایک ہزار چامیوں کے پہلے گروپ میں سے تقریباً چار سو سی ایٹل میں آ کر آباد ہو گئے۔ مزید افراد ۱۹۷۹ء اور ۱۹۸۲ء میں آئے۔ اب اندازہ ہے کہ چامیوں کے تقریباً سو خاندان سی ایٹل میں آباد ہیں۔[۴] مرد زیادہ تر ماہی گیری، موٹر مکینک یا گھروں کی اندرونی تزئین و آرائش کے پیشوں میں مشغول ہیں۔ عورتیں اکثر درزی خانوں میں یا سمندری خوراک تیار کرنے کے کارخانوں میں ملازمت کرتی ہیں۔

چینی تواریخ اور سنسکرت کے کتبات میں جنوبی ویت نام میں چمپا بادشاہوں کا ذکر موجود ہے۔ یہ دوسری صدی عیسوی کی بات ہے۔[۵] چامی ایک مخلوط ملائی زبان بولتے ہیں۔ ان کا ایک بہت بڑا گروہ ملایا کے شمال میں براعظم ایشیا میں رہتا ہے۔[۶] شروع میں یہاں ہندو بادشاہوں کی حکمرانی تھی۔ یہ ہندوستانی تہذیب کے تابع تھے۔ نویں صدی کے بعد سے چامیوں نے خود کو "دو طاقتور اور عام طور سے جارح پڑوسیوں یعنی کمبوڈیا کے کھیمر اور ٹانکن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ویت نامیوں کے درمیان پسا ہوا پایا اور انھیں اپنی بقا کے لیے سخت جدوجہد کرنی پڑی''۔ ویت نامیوں کی فتح سے چینی ثقافت کو ترقی ہوئی۔ ۱۴۰۰ء کے بعد سے تاجروں، استادوں اور بین القبائلی شادیوں کے ذریعے ملاکا (موجودہ ملائشیا) سے اسلام یہاں پہنچا۔

سی ایٹل کے آبادکار چامیوں کی تقریباً پچاس فیصد آبادی ہند چینی کے تین دیہاتوں سے آئی تھی۔ نقل مکانی کے سلسلے میں ان کا فیصلہ ان پر ہونے والے فرقہ وارانہ مظالم کے باعث تھا۔ ان کے بزرگوں نے کمبوڈیا میں کھیمر روج اور ویت نام میں کمیونسٹوں کے ظلم و ستم کی وجہ سے خاص طور پر اپنے جوانوں کے ترک وطن کی ہمت افزائی کی۔ چامیوں کو اذیت اور بربریت کا بطور خاص نشانہ اس لیے بنایا جاتا تھا کہ اول تو وہ ایک اقلیتی نسلی گروہ تھے، دوم اس لیے کہ ان کے اس دعوے سے ان کے شاہانہ مزاج کی بو آتی تھی کہ ان کا تعلق چمپا کی تاریخی ''بادشاہت'' سے تھا اور اس سے بھی کہ وہ مذہب پر قائم رہنے پر مصر تھے۔ کھیمر روج والے چامیوں کو ایک تو اجتماعی کھانوں کے موقع پر پہچان لیا کرتے تھے۔ جو شخص بھی کھانا شروع کرنے سے پہلے مسلمانوں کے انداز میں ہاتھ دھوتا تھا یا جو سور کا گوشت نہیں کھاتا تھا اس کو اسلام کے ساتھ اس کی وفاداری کی وجہ سے قتل کر دیا جاتا تھا۔ ویت نام کے چامی ایک لادین حکومت کی فوج میں نوکری اور لازمی فوجی تربیت سے بھی بچنا چاہتے تھے۔ ایک تخمینے کے مطابق ۱۹۷۴ء سے ۱۹۷۷ء تک کے عرصے میں چامیوں کی مجموعی آبادی دس لاکھ (ساٹھ ہزار ویت نام میں، سات لاکھ کمبوڈیا میں اور باقی دوسری جگہوں پر) سے گھٹ کر دو لاکھ رہ گئی۔[۸]

جب چامی پہلی بار امریکا آئے تو وہ اپنے ساتھ ایک ورثے اور مقدر کے احساس، معاشرے کے تعاون اور اجتماعی ذمہ داریاں لے کر آئے تھے۔ ابتدائی دنوں میں تو ان کی سمجھ ہی نہیں آتا تھا کہ دوسرے مسلمانوں کو کیسے تلاش کیا جائے۔ ان میں سے بعض لوگوں کو سی ایٹل میں غلے کے مشہور مرکزی بازار پائیک پلیس مارکیٹ میں ایک دکان نظر آئی جس پر عربی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ اس اسٹور میں ان کی ملاقات پاکستان کے چند مسلمانوں سے ہوئی۔ ایک چامی کے الفاظ میں ''ہم اس قدر خوش ہوئے کہ وہ ہمیں اپنے اہل خانہ ہی کی طرح معلوم ہوئے حالانکہ ہم آپس میں گفتگو نہیں کر سکتے تھے''۔[۹] اس ابتدائی رابطے کے بعد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور مسلمان بھی ان سے ملنے کے لیے آنے لگے۔ عراق کے جمیل عبد الرزاق اور ایک نو مسلم امریکی [خاتون] این المسلمانی ان میں شامل تھیں۔

اُن دنوں یعنی ۱۹۷۰ء کے عشرے کے آخر میں مسلمانوں کی محفلیں ایک پرانے دو منزلہ مکان میں منعقد ہوتی تھیں۔ یہ مکان بعد میں جنوبی سی ایٹل کے اسلامی مرکز کے طور پر مشہور ہوا۔ اس کے بعد سے اب تک شمالی سی ایٹل میں مسجد کا کافی حصہ تعمیر ہو چکا ہے اور بہت سے مسلمان اب وہیں نماز پڑھتے ہیں۔ تاہم چونکہ چامی مسلمان جنوبی سی ایٹل کی رینیر ویلی میں رہتے ہیں لہٰذا وہ اب بھی جنوبی سی ایٹل کے اسلامی مرکز میں ہی مل بیٹھتے ہیں۔ ساحل کے ساتھ شمالاً جنوباً شہر کی طوالت اور ساتھ ہی مختلف النسل ہونے کے باعث انہیں نماز اور دیگر کاموں کے لیے یہیں آنے میں سہولت رہتی ہے۔

بعض دوسرے ممالک کے مسلمان طلباء اور تارکین وطن کے برعکس چامی مسلمانوں نے اپنی برادری کی اجتماعیت کو برقرار رکھا ہے۔ سی ایٹل میں وہ ایک دوسرے کے قریب رہتے ہیں۔ بہت سوں نے سرکاری اعانت سے بنی ہوئی عمارتوں میں ایک دوسرے سے متصل فلیٹ لے رکھے ہیں۔ مسلمان طالب علموں اور مسلمانوں کی دوسری برادریوں کے برخلاف چامیوں نے اپنے اتحاد اور جماعتی وابستگی کو قوت کے ساتھ برقرار رکھا ہے۔ اپنی تاریخ میں تشخص برقرار رکھنے کے لیے اپنی جدوجہد کی بنا پر اسلام کے ساتھ ان کا ایک بڑا گہرا تعلق قائم ہے اور وہ بڑی پابندی کے ساتھ اسلامی احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔

چونکہ جنوبی مسجد بھی ان کے یہاں سے بہت دور ہے جہاں وہ اکثر اوقات نہیں جا سکتے لہٰذا ان لوگوں نے ابھی حال میں اپنے محلّہ سے چند بلاکوں کے فاصلے پر ایک دو منزلہ مکان خرید لیا ہے۔ ان کا ارادہ اسے مسجد، اسکول اور ایک عمومی مرکز میں بدل دینے کا ہے۔ اس وقت جنوبی سی ایٹل کی مسجد میں اتوار کو بچوں کے لیے کلاسیں ہوتی ہیں۔ یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ چند دس سالہ چامی لڑکیوں نے پورا قرآن حفظ کر لیا ہے۔ مقابلہء قرات میں حصہ لینے کے لیے وہ ملائیشیا بھی جا چکی ہیں جہاں انھوں نے اُن کے مقابلے میں کامیابی حاصل کی ہے جن کی مادری زبان عربی ہے۔ بعض چامی والدین کو توقع ہے کہ وہ اپنے بچوں کو مشرق وسطی کی یونیورسٹیوں میں تعلیم کے لیے بھیجیں گے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چامی مسلمانوں نے اپنی برادری کے تعاون کے نظام کو علیٰ حالہ قائم رکھا ہے، اپنے علیحدہ تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے انھیں سخت اور طویل جدوجہد کرنی پڑی ہے اور چونکہ وہ راسخ العقیدگی اور تقویٰ کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اس لیے انھیں توقع ہے کہ وہ سی ایٹل میں ایک صحیح اسلامی ماحول پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

دوسری مسلمان برادریاں

سی ایٹل میں تقریباً دو سو افراد پر مشتمل ڈروزیوں کی ایک برادری آباد ہے۔ ۱۹۰۸ء میں چھہتر (۷۶) دروزیوں نے یہاں ایک اجلاس میں امریکا میں پہلی ڈروزی تنظیم قائم کی۔ ان میں سے کچھ لوگ امریکا آنے والے نوآبادکار تھے اور باقی دوسری ریاستوں سے آئے تھے۔ ان ابتدائی دنوں میں سی ایٹل میں کوئی دروز خاتون نہیں تھی۔ ۱۹۰۸ء میں قائم ہونے والی الںکورات الدرزیات نامی تنظیم ایک سماجی اور ثقافتی انجمن تھی۔ اس کے عہدے داروں میں حسن فارس، ملہم بشر، حسین قاسم یحییٰ اور سلیم نجم جابر شامل تھے۔ عبادت کے لیے یہ لوگ ہر جمعرات کو ''یعنی شب جمعہ'' کسی ایک کے گھر پر اکٹھے ہوتے تھے۔ وہ نماز پڑھتے تھے اور پندونصائح کی کتاب الحکمه پڑھتے تھے۔[10] عشرہ ۱۹۶۰ء کے دوران میں ڈروز خاندان ہجرت کی ایک نئی لہر کی طرح امریکا آئے۔ ۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء کے عشروں میں، خاص طور پر لبنان کی جنگ کے بعد تک، دروزیوں کے آنے کا سلسلہ برقرار رہا۔ چونکہ یہ برادری بہت چھوٹی ہے لہٰذا ان کا کوئی متعین عبادتی مرکز نہیں ہے۔ ہر خاندان گھر میں نماز پڑھتا ہے تاہم یہ لوگ عیدالاضحیٰ، جو ان کا واحد مذہبی تہوار ہے، اجتماعی شکل میں مناتے ہیں۔ باہمی طور پر ایک بہت مربوط برادری ہونے کے باعث یہ لوگ سال کے بقیہ دنوں میں بھی آپس میں ملتے جلتے رہتے ہیں۔

کئی ہزار ایرانی عظیم تر سی ایٹل کے علاقے میں رہتے ہیں۔ شیعہ مسلک کے کوئی پچاس گھر تو صرف سی ایٹل میں ہی ہیں۔ اسلامک اسکول میں انہوں نے علیحدہ سے کرایہ پر اپنی ضروریات کے لیے جگہ لے رکھی ہے، جہاں وہ عبادت کے لیے اکٹھا ہوتے ہیں۔ رمضان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہر ہفتے وہ دو یا تین راتیں اپنی تقریبات منعقد کرتے ہیں۔ وہ ائمہ اور پیغمبر کی سالگرہ بھی مناتے ہیں۔ محرم کے دنوں میں شام کی مجلسوں میں کوئی سو آدمی اکٹھا ہو جاتے ہیں۔ چونکہ ان کا کوئی امام نہیں ہے لہٰذا یہ شیعہ پانچ منتخب ممبران پر مشتمل ایک مجلس عاملہ کے ذریعے اپنے معاملات کا انتظام کرتے ہیں۔ وہ اپنے آئین کے رہنما خطوط کے اندر کام کرتے ہیں، انتخابات سالانہ بنیاد پر ہوتے ہیں اور ہر معاملہ کا فیصلہ اکثریتی ووٹ سے ہوتا ہے۔

مجالس اور نماز وغیرہ کے اجتماعات کے ساتھ ساتھ یہ گروپ اپنے بچوں کے لیے ایک اتوار اسکول بھی چلاتا ہے۔ مستقبل کو نظر میں رکھتے ہوئے یہ لوگ اپنی عبادت انگریزی اور عربی دونوں زبانوں کو ملا کر کرتے ہیں۔ مسعود ایرانی، جو ایک انجینئر اور مذہبی کمیٹی کے ممبر ہیں، کہتے ہیں ''تمام زبانیں خدا کی زبانیں ہیں لہٰذا ہم لوگ انگریزی اور عربی زبانیں استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور فارسی، اردو، افغانی اور پشتو سے دور رہتے ہیں۔۔۔۔ ہم انگریزی بولنے والے لوگ ہیں۔ یہی ہماری منزل ہے۔ اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو خود ہی بہت پیچھے رہ جائیں گے۔ ہمیں انگریزی زبان پر مبنی ایک مذہبی ثقافت تخلیق کرنی پڑے گی۔ ہم امریکی مسلمان ہیں ہمیں اپنے بچوں کے لیے بھی اس کا دھیان رکھنا پڑے گا''۔

سی ایٹل میں افریقی امریکی صرف تقریباً پچاس ہزار ہیں اور وہ بھی عام آبادی میں اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے ہیں۔ مسلمان افریقی امریکی یا تو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ یا خود اپنے چھوٹے چھوٹے گروہوں میں مل کر نماز ادا کرتے ہیں۔ سید اسکیہ وہ شخص ہے جو تقریباً بیس دوسرے افریقی امریکیوں کے ساتھ جمعہ کی نماز کے لیے باقاعدگی سے اسلامک اسکول آتا ہے۔ نماز میں شریک ہوتا ہے۔ اس نے نیشن آف اسلام کو کئی سال تک قریب سے دیکھا ہے۔ وہ کہتا ہے ''جب وارث دین محمد نے قیادت سنبھالی تو مسلمان نہ ہونے کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا تھا۔'' سید اسکیہ نے ۱۹۷۶ء میں اسلام قبول کیا۔ اس وقت افریقی امریکیوں کا ایک گروہ سی ایٹل میں مارٹن لوتھر کنگ کے طریقے کے مطابق ایک مقامی اسکول کی عمارت میں عبادت کیا کرتا تھا۔ اسکیہ بھی ان لوگوں میں شریک ہوتا تھا۔ جب اسے قومی قیادت میں تبدیلی اور سمت کو از سرِ نو متعین کرنے کی کوششیں یاد آتی ہیں تو اسی کے ساتھ اسے انتہائی انتشار، افتراق، لامرکزیت اور انحطاط کا زمانہ بھی یاد آتا ہے۔ بہر حال اس کی رائے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں یہ مذہب کی تفہیم نو کی خاطر توانائی کے نئے استعمال اور نئے امکانات کے حصول کے لیے ایک مثبت وقت تھا۔ اب اس کا گروہ " پیغام کو داخلی رنگ دینے کی کوشش کر رہا ہے"۔

اسکیہ کا خیال ہے کہ اسلام کے اظہار کے لیے مقامی امریکی طریقہ بہت اہم ہے۔ اس کی رائے میں سی ایٹل میں اسلام پر نو آباد کاروں کا، طلباء کا اور ملک کے باہر سے آئے ہوئے لوگوں کا غلبہ ہے۔ ان میں سے بہت سے لوگوں کو " مغرب نے مسحور" کر دیا ہے انہیں اس بات کا صحیح ادراک ہی نہیں ہے کہ افریقی امریکیوں کو اپنے حالت ٹھیک کرنے کے لیے کیسی کیسی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ بہت سے آباد کار سابقہ غلام ملکوں سے آئے ہیں۔ مذہب کے بارے میں اُن کا زاویہ نگاہ اور ہی ہے۔ بعض نو آباد کار ایسے ملکوں سے آئے ہیں جہاں ہر چیز مہیا کر دی جاتی ہے لہٰذا وہ لوگ عطیات پر انحصار کرنے کے عادی ہو چکے ہیں، " حتیٰ کہ نارتھ گیٹ کی مسجد بھی کسی غیر ملکی کا تحفہ" ہے۔ اسکیہ کہتا ہے کہ اس قسم کے لوگوں میں " خود شعوری انداز میں معاشرتی ماحول" تخلیق کرنے کی عادت نہیں ہوتی۔ اسکیہ کا یہ خیال بھی ہے کہ عربی کا بہت زیادہ استعمال مذہبی ٹھیکیداروں کا گروہ پیدا کر سکتا ہے۔

اسکیہ اس امر پر سوچتا رہتا ہے کہ امریکا میں ایک مسلمان ہونے کا کیا مطلب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ " نسلی منافرت سے پیدا ہونے والے احساس کمتری کا سب سے بڑا توڑ اسلام ہے۔ یہ احساس کمتری کارگزاری کے راستے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے (اس احساس کمتری نے فرقہ واریت کی گود میں پرورش پائی ہے)۔" اب ہمارے سامنے اصل کام تعلیم، تجارت، تبلیغ اور افراد کو مضبوط کر کے ایک مثالی اسلامی معاشرہ تشکیل دینا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ " ہمارا نصب العین ہے کہ اگر تمھیں کوئی گندا گلاس نظر آئے تو اس کے پاس ہی ایک صاف گلاس رکھ دو؛ گندے گلاس کو برا بھلا نہ کہو"۔ اسکیہ اٹلانٹا اور اوک لینڈ میں معیاری معاشروں کی نشان دہی کرتا ہے لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ سی ایٹل میں افریقی امریکی مسلمان اس معیاری معاشرے تک پہنچنے میں اتنے کامیاب نہیں ہوئے کیونکہ " یہاں اجتماعیت نام کی کوئی شے نہیں ہے"۔ اس کے علاوہ، اسکیہ کے خیال میں، اکثر مقامات میں افریقی امریکی اسلام غریبوں کو مسلم معاشرے میں ضم کر کے بہت مضبوط ہو گیا ہے لیکن یہاں اسے بہت کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ " سی ایٹل ایک بڑا فیاض شہر ہے"۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امریکی معاشرے میں مسلمان

گزشتہ چند دہائیوں میں غیر مسلموں کی طرف سے متعصبانہ رویوں کے کچھ واقعات ہوئے ہیں۔ ایک گمنام ٹیلی فون کال کے ذریعہ شمالی مسجد میں بم کی دھمکی دی گئی۔ مسجد کی عمارت پر دو ایک بار گولیاں چلائی گئیں اور شراب کے ڈبے پھینکے گئے۔ ۱۹۸۵ء میں سی ایٹل کی پیسیفک یونیورسٹی کے ایک فری میتھوڈسٹ اسکول میں اس وقت بڑی گرما گرمی ہوئی جب چند طلباء نے عیسائیوں کے کیمپس میں مسلمان طلباء کے عبادت کرنے پر اعتراض کیا۔ گاہے بگاہے لوگوں کو یہ طعنہ بھی دیا جاتا ہے کہ ''جہاں سے آئے ہو واپس وہاں دفع کیوں نہیں ہو جاتے؟'' سی ایٹل اور اس کے علاوہ دوسری جگہوں کے مسلمان بھی یہ دیکھ کر اپنی سخت بیزاری کا اظہار کیے بنا نہیں رہتے کہ قومی اور مقامی ذرائع ابلاغ اور اطلاعاتی مراکز میں ''مشرق وسطیٰ کے معاملات پر صرف یہودی ماہرین'' چھائے ہوئے ہیں۔

بہر حال بحیثیت مجموعی مسلم دشمن واقعات استثنا کا درجہ رکھتے ہیں۔ سی ایٹل کے مسلمان اکثر مقامی سرگرمیوں میں شریک ہوتے ہیں، اسکولوں اور دیگر تنظیموں میں تقریریں کرتے ہیں۔ اور مقامی کتب خانوں، ذرائع ابلاغ اور ثقافتی اداروں پر پوری طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ امریکی عرب تفریق دشمن (Anti Discrimination) کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے ۱۹۸۷ء میں تقریر کرتے ہوئے ریاض کیالی نے کہا ''ہم بڑے خوش نصیب ہیں کہ سی ایٹل میں ہر شخص کے لیے اپنی رائے ظاہر کرنے کے لیے واقعی بڑا سازگار ماحول موجود ہے''۔[۱] نامہ نگار کیرول آسٹروم کے الفاظ میں ''عرب امریکیوں کے خلاف تشدد اور ایذا پر نگاہ رکھنے والے ہمیں بتاتے ہیں کہ سی ایٹل، دوسرے بہت سے شہروں کے مقابلے میں حکمت و تفہیم کا ایک نخلستان ہے۔ اس کا سبب کچھ تو چرچ کونسل آف گریٹر سی ایٹل جیسی تنظیموں اور کچھ انفرادی با اثر چرچوں کی کوشش ہے۔'' ۱۹۸۶ء میں چرچ کونسل آف گریٹر سی ایٹل، دی اسلامک سینٹر آف سی ایٹل (مسلمان) اور یہودیوں کے ویسٹرن واشنگٹن بورڈ آف ربیز کے درمیان اشتراک عمل کا ایک باضابطہ معاہدہ عمل میں آیا۔ یہ معاہدہ اسرائیلی پارلیمنٹ کے ایک متنازعہ ممبر میر کیہان کے دورۂ سی ایٹل کی وجہ سے ہوا۔ تاہم چونکہ اس انتظام میں شامل اہم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ممبران یہاں سے نقل مکانی کر گئے اس لیے یہ اتحاد اب فعال نہیں رہا۔

سی ایٹل کی پبلک لائبریری نے اسلامی کتب کے ذخائر کو ترقی دینے کی کوشش کی ہے اور اس نے مسلم برادری تک رسائی حاصل کر لی ہے۔ اسلامی کتابیں، سمعی بصری سامان خرید لیا گیا ہے، بڑوں اور بچوں دونوں کے لیے اسلام پر مطبوعات کی فہرست شائع ہو چکی ہے، اسلامی فن پاروں کی ایک نمائش اور ''سائنسی علوم میں اسلام کا حصہ'' پر لیکچروں کا اہتمام کیا ہے۔ عید کی تعطیل کے موقع پر اس لائبریری نے بچوں کے لیے ایک ورکشاپ منعقد کیا تھا۔ اسلامک اسکول کے بانیوں میں سے ایک، امینہ صالح، کے الفاظ میں سی ایٹل پبلک لائبریری، خلیج کی جنگ کے دوران میں ''امریکا کی ان چند لائبریریوں میں سے ایک تھی جو جنگ خلیج کے اذیت ناک موضوع پر لوگوں کو معلومات بہم پہنچانے کے لیے تیار تھیں''۔

۱۹۹۱ء کے موسم گرما میں سی ایٹل کے چلڈرنس میوزیم (بچوں کا عجائب گھر) نے افریقہ کے بارے میں جس نمائش کا انتظام کیا تھا اس میں عید کے حوالے سے بھی ایک ورکشاپ شامل تھی۔ مسّی سٹّی کے مغرب میں کتابوں کی سب سے بڑی دوکانوں میں سے ایک، یونیورسٹی بک اسٹور، نے اسلامی کتابوں پر ایک حصہ مخصوص کر رکھا ہے اور اس حصے میں اسلام سے متعلق کتابوں کا مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

فوکس آن اسلام ٹی وی کا ایک ٹاک شو ہے جو ٹی سی آئی پبلک ایکسس چینل ۲۹ پر ہر اتوار کی رات نو بجے نشر ہوتا ہے۔ اس پروگرام کا میزبان سی ایٹل میں رہائش پذیر دوسری نسل کا ایک پاکستانی ہے۔ اس تعلیمی پروگرام میں بحث مباحثے کے انداز میں مسائل پر بات کی جاتی ہے۔ مسلمان اس حقیقت کو تو پسند کرتے ہیں کہ یہ پروگرام نشر ہو رہا ہے لیکن پروگرام کے معیار کے بارے میں آراء متضاد ہیں۔ یہ ٹی وی اسٹیشن کہیں اور تیار کیے ہوئے ٹیپ استعمال کرنا نہیں چاہتا بلکہ یہ مقامی پروڈکشن حاصل کرنا چاہتا ہے۔ پہلے یہ اسٹیشن جمال بدوی کے تیار کیے ہوئے ٹیپوں کا ایک سلسلہ چلایا کرتا تھا۔ اسلام کے بارے میں معذرت خواہانہ رویہ رکھنے کے لیے جمال بدوی بین الاقوامی سطح پر جانے پہچانے جاتے ہیں۔ امریکا میں پیدا ہونے والے مسلمانوں کی کوششوں سے یہ ٹیپ اب سی ایٹل پبلک لائبریری کے ذریعہ بھی مل جاتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امریکا میں مسلمانوں کے لیے خصوصی طور پر ایک مشکل مسئلہ میتوں کی تدفین کا ہے۔ مسلمان جنازے میں جلدی کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تدفین جلد از جلد یعنی ایک ہی دن میں ہو جائے لیکن امریکا کے سرکاری قوانین اس میں دشواری پیدا کرتے ہیں۔ کچھ دنوں سے سی ایٹل کی مسلم برادری نے تجہیز و تکفین کے بعض غیر مسلم اداروں سے مل کر مسلمانوں کے لیے بھی یہ خدمت حاصل کرنے کا انتظام کر لیا ہے۔ ان دنوں مسلمانوں کے لیے ایک قبرستان خریدنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ فی الحال ماؤنٹ پلیزنت کے قبرستان میں ہی مسلمانوں کی تدفین کے لیے ایک حصہ الگ کر دیا گیا ہے۔

امریکا کے اس حصے میں مسلمانوں کے معاشرتی تعلقات کی وضاحت کے لیے مقامی مسلمانوں کے بیان کردہ دو واقعات کی مثال کافی ہے۔ ممکن ہے جزئیات کی حد تک ان میں کچھ مبالغہ ہو لیکن حال میں پیش آنے والے یہ واقعات مقامی مسلمان یہ بتانے کے لیے سناتے ہیں کہ سی ایٹل میں اپنی معاشرتی زندگی کے بارے میں ان کے احساسات کیا ہیں۔ پہلا واقعہ ویسٹ بنک (اسرائیل میں مغربی کنارے) کے ایک فلسطینی سے متعلق ہے۔ یہ پلمین کی واشنگٹن اسٹیٹ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ ابھی حال میں اسرائیل نے اس طالب علم کو واپس بلایا۔ جب وہ اپنے ملک پہنچا تو اسے اذیتیں دے کر نظر بند کر دیا گیا۔ اس کی امریکی بیوی نے مسلم برادری سے مدد طلب کی۔ اس فلسطینی کو واپس لانے کے لیے مقامی شیرف نے اس کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا اور اس سلسلے میں تمام قانونی کارروائیاں مکمل کر دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد امریکی حکومت اس ''مجرم'' کی واپسی کا مطالبہ کرنے لگی۔ اسرائیل نے واپس کر دیا یوں یہ اپنے گھر حمایت کرنے والی برادری میں واپس آ سکا۔ ایک دوسرے معاملہ میں سی ایٹل کے ایک پٹرول پمپ نے ایک مسلمان کو ملازم رکھا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ مسلمان وہاں سے کہیں اور منتقل ہونے لگا۔ جب اس نے استعفیٰ دیا تو پٹرول پمپ کے مالک نے وہ جگہ بھرنے کے لیے ایک دوسرا مسلمان مانگا۔ اس نے کہا ''اگر ضروری ہوا تو میں ایک ڈالر فی گھنٹہ زیادہ اجرت دینے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن میں بہرحال ایک مسلمان کو ہی ملازم رکھنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے ایک ایماندار آدمی کی ضرورت ہے۔''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حواشی

۱۔ سی ایٹل کے متعدد مسلمانوں سے میریم عدینی، کیتھرین ڈی ماسٹر اور رابن پولنگ نے اکتوبر اور نومبر ۱۹۹۱ء میں انٹرویو کئے تھے۔

۲۔ "Community News", *Al-Huda: Newsletter of the Islamic Center of Seattle 14*۔ نمبر ۷ (نومبر ۱۹۹۱ء) ص ۸۔

۳۔ ڈیوڈ شرائز "Northgate's Mosque: A Monument on the Strip"۔ آرکیڈ ۲، نمبر ۲ (جون، جولائی ۱۹۸۲ء)، ص ۲۔ ''زریں تراش'' (Golden Section) جس کا شرائز نے حوالہ دیا ہے تعمیراتی ڈیزائن کی تاریخ میں ایک فرحت بخش تناسب حاصل کرنے کے لیے انتہائی مشہور اور مسلمہ اصول ہے۔ اس اصول کے مطابق جسے قدیم یونانیوں نے ترقی دی تھی ''ایک سطر کو دو غیر مساوی حصوں میں تقسیم کر دینا چاہیے جس میں پہلے کی نسبت دوسرے سے وہی ہو جو دوسرے کی بقیہ مجموعے سے ہے'' (*Encyclopedia Britanica*، جلد ۱۷، ص ۵)۔

۴۔ ٹموتھی میکارتھی، اسلامک لیکچرر، ساؤتھ سی ایٹل اسلامک سینٹر، انٹرویو، اکتوبر ۱۹۹۱ء۔

۵۔ برائین ہیری سن South East Asia: A Short History (نیویارک: میکملن اینڈ کمپنی، ۱۹۶۷ء)، ص ۱۲۔

۶۔ رابنس برلنگ *Hill Farms and Padi Fields: Life in Mainland Southeast Asia* (انگل ووڈ کلفس، نیوجرسی: پرینٹس ہال، ۱۹۶۵ء)، ص ۱۲۱۔

۷۔ ہیری سن: *South-East Asia* ص ۳۵۔

۸۔ ایضاً۔

۹۔ کیرول اوسٹروم "The Moslem Way"۔ *Seattle Times*، (۱۲/مارچ ۱۹۸۹ء) ص ۵۔ ۴۔

۱۰۔ سمیع ابوالحسن، سی ایٹل کے دروزیوں سے متعلق دستاویزات پر نومبر ۱۹۹۱ء میں ذاتی تحقیق کے کچھ حواشی سے ماخوذ۔

۱۱۔ کیرول اوسٹروم، "Arab-Americans Find Seattle Accepting, with Exceptions"۔ *Seattle Times* (۲۴/اکتوبر ۱۹۸۷ء)۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۹

رضائے الٰہی کا حصول

نیویارک شہر میں تارکینِ وطن مسلمان

۱۸۹۳ء تا ۱۹۹۱ء

مارک فیرس

''ورلڈ ٹریڈ سینٹر'' میں بم کے حادثے نے نیویارک شہر کی مسلم برادری کے ایک ننھے سے گروہ کو یکا یک پوری قوم کی توجہ کا مرکز بنا دیا جس کی وجہ سے لوگوں نے اس حقیقت کو بھی فراموش کر دیا کہ دنیا کے تقریباً تمام مسلم ملکوں کے نمائندوں نے بیسویں صدی کی ابتداء سے اب تک نیویارک شہر میں بڑی امتیازی قسم کی اسلامی روایتیں قائم کی ہیں۔ اس شہر کی اسلامی سرگرمیاں زیادہ تر مین ہٹن کی چمک دمک سے دور کوئنز اور بروکلین کے علاقوں میں نظر آتی ہیں جس کی وجہ سے یہ مذہب نیویارک والوں کی نظر سے اوجھل ہو گیا ہے۔ ۱۹۶۰ء کے عشرہ کے وسط سے نیویارک شہر کی مسلم آبادی میں ترک وطن، تبدیلی مذہب اور بڑھتی ہوئی شرح پیدائش کی وجہ سے بڑے ڈرامائی انداز میں اضافہ ہوا ہے اور اسلام شہری آبادی کی حدود سے آگے نیویارک کے تمام علاقوں، نیوجرسی اور کنیکٹی کٹ تک پھیل گیا ہے۔

اگرچہ اس شہر کے مسلمان انفرادی طور پر ایسی اہم خدمات انجام دیتے ہیں جو شہر کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معیشت کو رواں دواں رکھتی ہیں لیکن اسلامی تنظیموں کے وجود کا سراغ مشکل ہی سے ملتا ہے۔ کئی عشروں سے ذرائع ابلاغ کی منفی گھسی پٹی اور معاندانہ تنقیدیں سننے کے بعد نیویارک میں آبادکار مسلمانوں کی پُرجوش تنظیموں نے عشرہ ۱۹۷۰ء سے اپنے ورثے کو فخریہ انداز میں پیش کرنے اور اسلام کو ایک وسیع تر حلقے میں پھیلانے کی شعوری کوشش شروع کردی ہے۔ ۱۹۸۰ء کے بعد سے، جب شہر میں کل آٹھ یا نو مسجدیں تھیں، اسلامی انجمنیں نیویارک کے پانچوں اضلاع کے اردگرد اتنی تیزی سے پھیلی ہیں کہ ۱۹۹۱ء تک آبادکاروں کی کوئنس میں کم از کم بارہ، بروکلین میں پندرہ، برونکس میں دو، مین ہٹن میں چھ اور اسٹیٹن آئی لینڈ میں دو مسجدیں قائم ہوگئیں۔ نیویارک شہر کے پانچوں اضلاع میں مسلمانوں کی صحیح مردم شماری کرنا مسجدیں گننے سے زیادہ مشکل کام ہے۔ مسلمانوں کی آبادی کا تخمینہ تین سے چھ لاکھ تک لگایا جاتا ہے۔[1]

جو افریقی نوآبادیاتی عہد میں امریکا گئے تھے غالباً انھوں نے اس شہر میں اسلامی قوانین کی پابندی کا تعارف کرایا اور ممکن ہے کہ عارضی آبادکار نے انیسویں صدی کے اواخر میں نیویارک کی بندرگاہ سے گزرتے ہوئے اپنے نشانات چھوڑے ہوں۔ بہرحال سفید فام صحافی الیگزینڈر رسل ویب نے شہر کے اُس اسلامی ادارے کو منظم کیا جس کی دستاویزی تاریخ موجود ہے۔ ویب ۱۸۴۷ء میں ہڈسن، نیویارک میں پیدا ہوا اور چالیس سال بعد فلپائن میں امریکی قونصل نامزد ہوا۔ اس نے ۱۸۹۱ء میں بمبئی کی میونسپل کونسل کے ممبر بدرالدین عبداللہ کر سے خط و کتابت کے بعد منیلا میں اسلام قبول کرلیا۔[2]

اگلے سال سعودی عرب کے تاجر حاجی عبداللہ عرب نے منیلا کا سفر کیا اور وہاں انھوں نے امریکا میں اسلام کے لیے ویب کی تبلیغی سرگرمیوں کی معاونت کرنے کا یقین دلایا۔ ویب نے ہندوستان میں چندہ اکٹھا کرنے کے لیے وطن واپسی کا طویل اور چکردار راستہ اختیار کیا۔ ہندوستان میں اسے ''بمبئی کے بعض دولت مند اور انتہائی بااثر تاجروں'' کی مالی اعانت حاصل ہوئی اور یہی کچھ ترکی میں ہوا جہاں اس نے بڑے اعلیٰ طبقوں میں تعلقات پیدا کیے۔ ۱۸۹۳ء میں نیویارک واپس آنے کے بعد ویب نے '۳۰۔ایسٹ تیسویں اسٹریٹ' میں امریکن مسلم برادرہڈ قائم کیا اور بہت جلد ''اسلام کے مشعل بردار'' کے طور پر اس نے لوگوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی توجہ حاصل کر لی۔[۳]

جان ایچ لینٹ ایرون ناباکوف اور لیون لینڈس برگ کے علاوہ تجارتی مینجر ہیری جیروم لیوس اور لائبریرین آر اوتھ مین کی معاونت سے "Yankee Mahometan" (شمالی امریکا کے مسلمان۔) مسلم ورلڈ پبلشنگ کمپنی بھی قائم کی جس نے ۱۸۹۳ء اور ۱۸۹۵ء کے درمیان *Voice of Islam* اور *Moslem World: Dedicated to the American Islamic Propaganda* کی کم از کم چھبیس جلدیں شائع کیں۔ نفیسہ ایم ٹی کیپ نے ان جریدوں کو مرتب کیا اور کمپنی کی سیکریٹری کے طور پر کام کیا۔[۴]

تنظیم کے اندرونی اختلافات نے ویب کی کوششوں کو برباد کر دیا۔ ۱۲ر جولائی ۱۸۹۴ء کو نفیسہ کیپ نے خود کو مسلم ورلڈ کے ادارتی دفتر میں مقفل کر لیا اور ویب پر مالی بدعنوانیوں کا الزام لگایا۔ کیپ نے الزام لگایا کہ ویب نے اسے اور عملے کے دوسرے ارکان کو تنخواہ نہیں دی، اس نے بیرونی ملکوں سے رقم حاصل کرنے کے لیے غلط بیانیوں اور فریب کاریوں سے کام لیا اور اس رقم سے جو پورے ملک میں اسلام کی تبلیغ کے لیے مختص کی گئی تھی ویب نے ملک کے اندرونی حصے السٹر کاؤنٹی میں ایک بہت قیمتی زرعی فام خرید لیا تھا۔ کیپ کے الزامات سے ویب کا اعتماد مجروح ہو گیا لہٰذا جب ہندوستان کا ایک والئی ریاست، نواب آف بسودا، جو ویب کے مالی مددگاروں کی نمائندگی کا دعویدار تھا اپنے سرمائے کے روحانی منافعوں کا معائنہ کرنے نیویارک آیا تو ویب نے روپے کے غیر ذمہ دارانہ استعمال کے الزامات کا سامنا کرنا ضروری سمجھا۔ نواب نے ویب پر ایک لاکھ چالیس ہزار سے ڈیڑھ لاکھ ڈالر کی خورد برد کا الزام لگایا حالانکہ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ان دونوں میں کبھی کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔[۵] [امکان ہے کہ نواب صاحب موصوف کی ریاست بسودا (Basoda) ہندوستان کے کسی کونے میں کوئی بہت معمولی سی ریاست رہی ہو گی کیونکہ عام طور سے اس ریاست کا کوئی نام بھی نہیں جانتا۔ اور یہ لفظ بڑودا (Baroda) کی خرابی بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ بڑودا تو ایک ہندو ریاست تھی۔]

ہندوستانی والئی ریاست کے واپس چلے جانے کے بعد نیویارک ٹائمز کے ایک رپورٹر نے ویب کے السٹر پارک والے فارم کا دورہ کیا اور وہاں اس نے ''اسلام کے مشعل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برادر'' کو ایک ''خستہ حال مکان'' میں رہتے ہوئے دیکھا۔ ویب نے اس صحافی کے سامنے تسلیم کیا کہ امریکی مذہبی ثقافت پر اس کا اثر بہت معمولی تھا۔ اس نے اپنی دشواریوں کا رونا رویا اور دعویٰ کیا کہ اسے بیرونی ممالک سے صرف بیس ہزار ڈالر کی امداد ملی۔ نیویارک شہر میں اپنے ابتدائی چند مہینوں کی یاد تازہ کرتے ہوئے ویب نے اپنے اکثر معاونین کو ''شارک'' سے تشبیہ دی جن کی ساری دلچسپی امریکن مسلم برادر ہڈ کے خزانے کا خون چوسنے میں تھی۔ ویب نے اپنے سابق نائب، جان ایچ لینٹ کے بارے میں کہا کہ اس نے ایک خبر نامہ جاری کر کے سارے ہندوستان میں ویب کی مفروضہ مالی نااہلی اور بدعنوانی کو نمایاں کیا تھا اور امریکن مسلم برادر ہڈ کے سرمائے پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ٹائمز کے رپورٹر کا یہ دعویٰ تھا کہ لینٹ نیویارک شہر میں نواب آف بسودا کے ساتھ سائے کی طرح لگا رہا اور وہ اس سے ویب کی طرف اپنی تنخواہ کے مفروضہ بقایا جات کی بھیک مانگتا رہا۔[۶]

نیویارک ٹائمز نے پورے صفحے کے ایک تصویری فیچر میں اس غلیظ کہانی کو مزے لے لے کر بیان کیا اور اس کے تمام کرداروں کا مذاق اڑایا۔ اخبار نے اس مضمون کی سرخی کے لیے ''امریکا میں اسلام کا زوال'' کا فقرہ استعمال کیا اور بڑے پُر مسرت انداز میں ''ایک مسلمان شکست خوردہ پروپیگنڈا کی کہانی'' سنائی۔ ویب نے ۱۹۰۱ء میں سلطان ترکی کی جانب سے نیویارک میں ترکی حکومت کا اعزازی قونصل جنرل مقرر کیے جانے کے بعد، اپنی زندگی کا بقیہ حصہ نسبتاً گمنامی میں گزارا۔ مسلم برادر ہڈ کے اندرونی اختلافات سے قطعِ نظر اُس وقت بہت کم امریکی اسلام کے بارے میں ویب کی بات سننے پر آمادہ تھے۔[۷]

اگرچہ انیسویں صدی کے بیشتر حصے اور اس کے خاتمے تک نیویارک میں رہنے والوں نے اسلام کی طرف زیادہ توجہ نہ دی لیکن بہت جلد تاریخی واقعات مستقل مسلم آباد کاروں کو اس شہر میں لے آئے۔ ۱۹۰۷ء میں ولیمز برگ، بروک لین میں آنے والے پولینڈ، روس اور لتھوانیا کے آباد کاروں نے امریکن محمڈن سوسائٹی قائم کی جو کسی مسجد سے متعلق قائم کیا جانے والا نیویارک کا پہلا ادارہ تھا۔ اس کے ارکان غالباً ۱۹۳۱ء تک کرائے پر جگہ لے کر وہاں عبادت کرتے رہے۔ اس کے بعد انھوں نے پاورز اسٹریٹ کے نمبر ۱۰۴۔۱۰۶ اور ۱۰۸ پر تین عمارتیں محمڈن سوسائٹی کے لیے خرید لیں جو اسلامی احکام پر عمل کرنے کے واضح مقصد کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غرض سے نیویارک شہر میں قائم ہونے والی پہلی قانونی کارپوریشن کی بنیاد بنیں۔[۸]

یہ سوسائٹی جو ایک نسل تک نیویارک میں محض ایک اسلامی چھاؤنی کی حیثیت رکھتی تھی، ۱۹۵۰ء تک چار سو ممبروں کی دعویدار ہوگئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس علاقائی مشرقی یورپی اسلامی برادری کی اولادیں شہری ریاست کے وسیع علاقے میں پھیل گئیں جس سے ولیمز برگ اور گردو نواح کا علاقہ بدل کر رہ گیا اور دوسری عالمی جنگ کے بعد، ہاسد یہودیوں (Hasidic Jews) اور ۱۹۵۰ء کے عشرہ کے آخر میں پیورٹو ریکنوں اور افریقی امریکیوں کی اس علاقے کی جانب توجہ مبذول ہوئی، اب ۱۹۹۰ء کے عشرے میں ایسوسی ایشن کے معمر قائدین کے سامنے مسئلہ گروپ کو متحد رکھنے کا ہے۔ اس محمڈن سوسائٹی کے، جس نے اپنا نام ۱۹۶۰ء کے عشرے میں بدل کر مسلم مسجد (Moslem Mosque) رکھ لیا، فعال ممبروں کی اگلی نسل نے بین المذاہب شادیاں کر لی ہیں اور دوسری دلچسپیاں تلاش کر لی ہیں۔[۹]

امریکی بننے کے جذبے نے مسجد کے ان معمر ممبروں کو بھی متاثر کیا ہے جن کے یورپی ورثے نے انھیں بہت جلد امریکی معاشرے میں مدغم ہو جانے کا موقع فراہم کیا۔ دوسرے آبادکاروں یا افریقی امریکی مسلمانوں میں سے تھوڑے سے لوگ اب پاورز اسٹریٹ کے بارے میں جانتے ہیں یا وہاں جاتے ہیں اور یہ مسجد اب پورے شہر کی دوسری اسلامی سرگرمیوں سے الگ تھلگ ہوگئی ہے۔ ۱۹۹۱ء میں اس گروپ کے رجسٹر میں تقریباً دو سو ممبروں کے نام درج تھے لیکن اب فعال ممبروں کی تعداد روز بروز گھٹتی جا رہی ہے۔ کسی مخصوص جمعہ یا اتوار یا خوش گوار موسم میں کوئی چالیس تک معمر ممبران جمع ہو جاتے ہیں لیکن بیس کی حاضری معمول کے مطابق سمجھی جاتی ہے۔ بعض قائدین اب یہ سوچتے ہیں کہ ان کی واحد امید اب اس بات میں مضمر ہے کہ وہ مسجد کو چلتا رکھیں اور اگر ان کے بچے آخر کار مذہب میں دلچسپی لیں تو یہ تنظیم ان کے حوالے کر دیں۔[۱۰]

۱۹۳۸ء میں تعمیراتی ترقی کی انتظامیہ (Works Progress Administration) کے جریدہ نیویارک پنوراما نے بتایا کہ پاورز اسٹریٹ کے مسلمان شہر کی ''واحد حقیقی مسجد'' کا انتظام و انصرام کر رہے تھے۔ بہرحال اس سے دس سال پہلے مراکشی نژاد شیخ داؤد احمد فیصل غرناطہ ہوتے ہوئے امریکا آئے اور یہاں اسلام کی تبلیغ اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایمان اور ایمان والوں کے دفاع کے لیے اسلامک مشن آف امریکا کے نام سے شہر کی دوسری حقیقی مسجد کی تعمیر شروع کی۔ فیصل کا منصوبہ کچھ سست پڑ گیا یہاں تک کہ ۱۹۳۹ء میں اسلامک مشن آف امریکا نے ۱۴۳، اسٹیٹ اسٹریٹ، بروکلین ہائٹس پر سرخ پتھر کی ایک عمارت کرائے پر لے لی اور پانچ سال بعد نیویارک کے سرکاری محکمہ سے رجسٹر کروالیا۔ آخر کار اس نے ۱۹۴۷ء میں یہ عمارت خرید لی۔ ۱۹۴۰ء کے عشرے کے وسط سے عربوں کے نیویارک کے قلب میں اٹلانٹک ایوینیو سے ایک بلاک کے فاصلے پر واقع اسلامک مشن تقریباً نصف عشرے تک شہر کا ایک ممتاز ادارہ رہا ہے۔[11]

فیصل نے دانستہ اپنی مسجد کو ایک ''مشن'' کا نام دیا۔ عیسائیوں کے غیر ملکی مشن مسلمان ملکوں میں مسلمانوں کے رویّوں کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فیصل نے بھی اُن کے حربوں کو اُن ہی پر استعمال کرتے ہوئے اس طرز فکر کو بدلنے کی کوشش کی جو امریکی خدا کے بارے میں رکھتے تھے۔ امام فیصل نے امریکی معاشرے کے اُن پہلوؤں پر تنقید کی جو اسلامی اقدار کے خلاف تھے اور اپنے پیرو کاروں کو ترغیب دی کہ وہ ''اس مادی دنیا کی چمک دمک کو اس بات کی اجازت نہ دیں کہ وہ آپ کو اسلام سے دور لے جائے''۔ تبدیلی مذہب، اپنے مذہب کے تصور کی ترقی اور ایک عادل اور رحم دل خدا کے پیغام کی اشاعت کو اسلامک مشن کے لیے فیصل کے مقاصد کے سلسلے میں مرکزیت حاصل رہی۔[12]

انسٹی ٹیوٹ آف اسلام کو فیصل کے پروگرام کی تنقید میں اہم حیثیت حاصل رہی ہے۔ اگرچہ مسجد کے باہر لکڑی کا ایک مدہم پڑتا ہوا بورڈ ہے جو ادارے کی موجودگی کی اطلاع دیتا ہے۔ لیکن اس اسکول کی کارگزاری کا صحیح زمانہ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۵ء تک تھا جب یہاں پورے سال دو گھنٹے روز بچوں اور بڑوں کے لیے عربی زبان اور دینیات کی تعلیم ہوتی تھی۔ سیاسی لحاظ سے زبردست اتار چڑھاؤ کے حامل ۱۹۶۰ء کے پورے عشرے اور ۱۹۷۰ء کے عشرے کے ابتدائی برسوں کے پس منظر میں امام فیصل نے کسی حد تک دلیرانہ طور پر ''ریاست ہائے متحدہ امریکا اور دونوں امریکاؤں میں پیدا ہونے اور رہنے والے افریقی اور ایشیائی عوام کی روشن خیالی اور آزادی کے لیے'' اپنی تنظیم کی غیر مبہم انداز میں منصوبہ بندی کی۔ امریکیوں کو اسلام کے بارے میں ''تعلیم دینے، روشن خیال بنانے اور معلومات بہم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہنچانے'' کا تہیہ کر کے شیخ فیصل نے غیر معمولی طور پر فعال ایک مسجد اور اسکول کی صدارت کے فرائض انجام دیئے۔[13]

عشرہ ۱۹۵۰ء کے اواخر سے عشرہ ۱۹۶۰ء کے وسط تک جب اسلامک مشن شہر میں آبادکاروں کی واحد مسجد تھا اس وقت فیصل نے تین سو افراد کے ایک جلسے کا انتظام کیا جس میں سفارت کاروں، تاجروں اور طلباء کی ایک معقول تعداد شریک تھی۔ بہرحال ۱۹۷۰ء کے عشرے کے دوران میں یہ مسجد محنت مزدوری کرنے والوں کی توجہ کا باعث بھی بنی۔ دانش وروں اور طالب علموں نے بروکلین جانا بند کر دیا اور عام دین دار مسلمانوں نے اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے تعلیم یافتہ ماہرین کا ''تعطیل والے مسلمان'' یا ''جمعہ والے مسلمان'' کہہ کر مذاق اڑانا شروع کر دیا۔[14]

اسلام کے لیے فیصل کی مشقت اور زیادہ اہمیت کی حامل تھی کیونکہ ۵ بجے شام کو جب وہ اسٹیٹ اسٹریٹ سے جاتے تھے تو پھر وہ امریکا کی وفاقی حکومت کے ایک فوجی محکمے کے لیے خاص قسم کی بربحری کشتی (Amtrak) پر کام کرتے تھے۔ فیصل کی بیوی سیدہ خدیجہ مسلم خواتین کی ثقافتی سوسائٹی کے جلسوں کی صدارت کر کے اور دوسرے امدادی کاموں کے ذریعہ مسجد کے معاملات میں اُن کی مدد کرتی تھیں۔ ۱۹۵۰ء کے بعد سے محمد کباج جو ۱۹۴۹ء میں مراکش سے امریکا آئے اور وائس آف امریکا کے لیے کام کرنے لگے اسلامک مشن کے روزمرہ کے انتظامی امور میں فیصل کے معاون بن گئے۔ کباج انسٹی ٹیوٹ آف اسلام کی نگرانی کرتے تھے، مسجد کی ''مسلم اخوت'' کے صدر کے طور پر کام کرتے تھے اور ۱۹۸۰ء میں فیصل کی وفات کے بعد وہ مشن کے امام ہو گئے۔[15]

اسلامک مشن کی ایک کوشش یہ بھی تھی کہ وہ افریقی امریکی اور آبادکار مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب لائے۔ فیصل کی مسجد ایک ایسے مرکز کے طور پر کام کر رہی تھی جہاں افریقی امریکیوں کو سنی طریق عبادت اور عقائد سے آگاہ کیا جاتا تھا اور جو ایلیجاہ محمد کی شکاگو میں قائم نیشن آف اسلام کے متبادل کے طور پر کام کرتا تھا۔ اس بات پر زور دیتے ہوئے کہ ''تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں'' فیصل نے شہر کے اندر مختلف اسلامی جماعتوں میں اتحاد اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مشن کی تین منزلہ سادہ عمارت میں جگہ کی قلت کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجہ سے متعدد چھوٹے چھوٹے گروہ اور شاخ در شاخ مسجدیں وجود میں آ گئیں۔ ان میں سے زیادہ تر عشرہ ۱۹۶۰ء کے وسط کی دارالاسلام تحریک سمیت بروکلین میں قائم تھیں۔ دار الاسلام تحریک ایک افریقی امریکی سنی تنظیم تھی جو نیویارک شہر میں نیشن آف اسلام اور مسجد الفاروق کی فوقیت کو چیلنج کرتی تھی۔ مسجد الفاروق کو زیادہ تر یمنی اسلامی اخوت (یمنی اسلامک برادرہڈ) نے ۱۹۷۷ء میں ۵۴۔ ۵۵۲، اٹلانٹک ایوینیو پر خریدا تھا۔[16]

۱۹۵۲ء میں اقوام متحدہ کی مین ہٹن میں منتقلی نے اس شہر میں اسلام کی موجودگی کو اور نمایاں کر دیا۔ ۱۹۵۰ء کے عشرے کے دوران میں اسلامی ممالک کے سفراء اور دوسرے نمائندین کو مقامی اور قومی ذرائع ابلاغ نے جس انداز میں شہرت دی اس نے اسلام کے تاثر کو بہت بڑھا دیا اور نیویارک میں رہنے والے بعض لوگ سوچنے لگے کہ ان کے کچھ مسلمان پڑوسی بھی ہیں۔ اگرچہ نیویارک ٹائمز نے اسلام کے حق میں بہت کم کوئی تعریفی چیز چھاپی ہو گی لیکن رمضان کی رسوم اور شگوفوں کی طرح نمودار ہونے والی مقامی اسلامی تنظیموں کے بارے میں چھپنے والی باعنوان تصاویر اور مختصر تعارفی مضامین نے اسلام کے گرد پھیلائی ہوئی پُراسراریت کو ختم کر دیا اور نیویارک کے عام باشندے مسلمانوں کو زیادہ شفیق اور ہمدرد سمجھنے لگے۔[17]

یہ ایک اہم قدم تھا کیونکہ اس بات سے قطع نظر کہ آبادکار مسلمان کتنے پمفلٹ تقسیم کرتے ہیں اور سنگ سرخ کی کتنی عمارتوں اور تہہ خانوں کو مسجدوں میں تبدیل کرتے ہیں یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کے بارے میں نیویارک کے عام باشندوں کے تصور پر کوئنز کے ٹیکسی ڈرائیوروں سے زیادہ سفارتی عہدے دار اور ڈاکٹر اثر انداز ہوتے ہیں۔ پاکستانی لیگ آف امریکا کے زیرانتظام ۱۹۵۰ء کے عشرے میں پاکستان کے سفارتی عہدے داروں نے اپنے ہیڈکوارٹرز اور مین ہٹن کے متعدد ہوٹلوں میں رمضان کی تقریبات منعقد کیں جن میں کافی لوگ شریک ہوا کرتے تھے۔ اپنی ملکی حکومتوں اور نجی چندوں کی مدد سے مختلف قوموں مثلاً مصر، پاکستان اور انڈونیشیا نے وہ انجمن قائم کی جس نے بالآخر شہر کی سب سے زیادہ نمایاں مسجد تعمیر کی، اگرچہ اس کے لیے تقریباً چالیس سال تک چندہ بھی اکٹھا کیا گیا اور منصوبہ بندی بھی کی گئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۵۲ء میں روپیہ اکٹھا کرنے کے لیے مین ہٹن کی مسلم برادری نے نیویارک موسک (مسجد) فاؤنڈیشن قائم کی۔ اس مسجد کے منصوبے سے متعلق اتنی اونچی توقعات قائم کر لی گئیں کہ ۱۹۵۵ء میں فاؤنڈیشن نے اسلامک سینٹر آف نیویارک قائم کیا جسے عارضی طور ۶۵ ویں اسٹریٹ کے نمبر ۱۲۔ایسٹ پر واقع پاکستان ہاؤس میں جگہ دی گئی جو اقوام متحدہ کے پاکستانی وفد کی رہائش گاہ تھی۔ فاؤنڈیشن نے اسلامک سینٹر کو مذہبی، ثقافتی اور تعلیمی ترقی کے فرائض سونپے جنھیں گروپ مجوزہ عمارت میں منتقل کرنا چاہتا تھا۔[۱۸]

فورڈھم یونیورسٹی میں ایک فل برائٹ اسکالر اور قاہرہ یونیورسٹی کے پروفیسر محمود یوسف شورابی کی قیادت میں اسلامک سینٹر کی مجلس عاملہ نے امام کی جگہ پہلے خود پُر کرنے کی کوشش کی۔ نومبر ۱۹۵۵ء میں ڈاکٹر شورابی کے جانشین این سیفپر فاطمی نے، جو پرنسٹن یونیورسٹی کے مشرقی لسانیات اور ادب کے شعبے کے صدر تھے، یہ اعلان کیا کہ شہر کی پہلی مسجد اقوام متحدہ کے پلازا کے مغربی جانب کسی جگہ قائم کی جائے گی اور اس سلسلے میں کام ''انشاء اللہ'' ایک سال کے اندر اندر شروع ہو جائے گا۔ اگرچہ مسجد فاؤنڈیشن ۹۶ رویں اسٹریٹ اور تھرڈ ایونیو میں اپنی عمارت ۱۹۹۱ء میں مکمل کر سکی، تاہم یہ حقیقت خود بڑی اہمیت کی حامل تھی کہ ۱۹۵۰ء کے عشرے میں نیویارک شہر میں پوری دنیا کی اسلامی قومیں ایک متحدہ مقصد کے لیے اکٹھا ہو گئی تھیں۔[۱۹]

نئی مسجد کی تکمیل کے کام میں تاخیر ہوتی گئی اور اس لیے ایک ہمہ وقتی تنظیم کی ضرورت شدت سے محسوس کی جانے لگی۔ ۱۹۵۷ء میں فاؤنڈیشن نے نمبر۱، ریورسائڈ ڈرائیو پر ایک چار منزلہ عمارت خریدی جہاں فاؤنڈیشن کی سرگرمیاں گزشتہ تیس سال سے، بغیر کسی غیر معمولی واقعے یا حادثے کے، جاری ہیں۔ اس کے بعد جلد ہی مجلس عاملہ نے ڈاکٹر محمد شریبہ کو نیویارک بلایا جو قاہرہ کی باوقار الازہر یونیورسٹی کے ان اماموں کے غیر منقطع سلسلے کے پہلے امام تھے جنھیں اسلامک سینٹر نے امامت کے عہدہ کے لیے دعوت دی۔[۲۰]

ان ترقیوں کے علاوہ عشرہ ۱۹۵۰ء میں دوسری تبدیلیوں نے پورے نیویارک میں اسلامی احکام پر پابندی کو اور مضبوط کر دیا۔ شہر میں افریقی امریکی اسلام کے اثرات کی تاریخ کو ۱۹۲۰ء کے عشرے میں مارکس گاروے کیمپ کے ممبروں اور نوبل ڈریو علی کی مورش سائنس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹیمپل کے درمیان تعلقات سے شروع کیا جاسکتا ہے، لیکن افریقی امریکیوں کی اسلام سے دلچسپی اس کے بعد سے بہت بڑھ گئی جب ۱۹۴۶ء میں نیشن آف اسلام نے ہارلم، وائی ایم سی اے میں اپنی مسجد نمبر ۷ قائم کی۔ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ نیشن آف اسلام کے لوگ آبادکار مسلمانوں کی اس اکثریت سے نفرت کرتے تھے جو ان سے قرآن اور اسلام کے راسخ عقیدوں کے سلسلے میں ایلیجاہ محمد کی وفاداری کے بارے میں سوال کرتے تھے۔ لیکن ایک معقول تعداد کے (جن کی اکثریت عیسائیوں اور امریکا میں پیدا ہونے والے افریقی امریکیوں کی تھی)، قبول اسلام کے ساتھ ساتھ شہر کے اسلامی سلسلے کو مضبوط بنانے کے لیے آبادکار مسلمانوں کی تحریک بھی سامنے آئی۔ اس تحریک کی نظیر کسی حد تک مسجد فاؤنڈیشن، اسلامی مرکز اور ۱۹۵۶ء میں کولمبیا یونیورسٹی میں شہر کی پہلی مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کے قیام نے پیش کی۔[۲۱]

پاکستانی آبادکار عبدالباسط نعیم نے، جو بروکلین کے پارک سلوپ سیکشن میں رہتے تھے، ۱۹۵۰ء کے عشرے میں نیویارک شہر میں اسلام کی ترقی اور افریقی امریکی مسلمانوں اور آبادکار مسلمانوں کے درمیان ربط ضبط کی تاریخ وار سرگزشت اپنے جریدہ The Moslem World and the U.S.A. میں بیان کی۔ اگرچہ اس جریدے (مسلم ورلڈ) کی اشاعت کے لیے نعیم بلاشرکت غیرے ذمہ دار تھے لیکن وہ ایک پبلشر سے بھی زیادہ بہت کچھ تھے۔ مشجر پردے، جائے نماز، اسلامی کتابیں، مذہبی مضامین اور ہینڈ بیگ فروخت کرنے کے علاوہ وہ شادی کی رسوم بھی انجام دیتے تھے اور عربی اور دینیات بھی پڑھاتے تھے۔[۲۲]

افریقی امریکیوں اور آبادکار مسلمانوں کے درمیان مستقبل کے روابط کا بیج بوتے ہوئے اور اس کے ساتھ ہی اسلام میں افریقی امریکی برادری کی دلچسپی کے پیشِ نظر نعیم نے ۱۹۵۷ء میں اپنی تعلیم گاہ کو بروکلین سے ہارلم منتقل کر دیا۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں تھی کہ نعیم اسلامک مشن آف امریکا میں عبادت کرتے تھے جہاں افریقی امریکی اور آبادکار مسلمان پابندی سے ملا کرتے تھے۔ نعیم نے مسلم ورلڈ میں نیشن آف اسلام کے لیڈر ایلیجاہ محمد کی تحریریں شائع کیں اور مسجد کی مختلف سرگرمیوں کی تشہیر کی۔ اگرچہ نعیم کا جریدہ بنیادی طور پر آبادکار برادری کو اپنی توجہ کا مرکز بناتا تھا لیکن انھوں نے افریقی امریکیوں کو بھی شہر کی اسلامی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"جنت" اور معاشرے میں شامل رکھا اور جس حد تک اسلام نے نیویارک شہر میں وسیع البنیاد اور مختلف پس منظر کے لوگوں کو کم از کم عشرہ ۱۹۵۰ء سے متحد کر رکھا ہے اس کی نشاندہی کی۔[۲۳]

میلکم ایکس نے، جو نیشن آف اسلام کی مسجد نمبر ۷ میں امام کے فرائض انجام دینے کے لیے ۱۹۵۴ء میں نیویارک آیا، عشرہ ۱۹۶۰ء کی ابتداء میں اسلام کو اتنی توجہ دلوادی جتنی اس سے پہلے اِس مذہب کو وہاں کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ لیکن شہر میں آبادکاروں کی آمد پر اثر انداز ہونے والا بیسویں صدی میں سب سے زیادہ اہم واقعہ واشنگٹن ڈی سی میں پیش آیا جب صدر لنڈن جانسن نے ۱۹۶۵ء کے آبادکاری کے قانون کی توثیق کی جس کے تحت ان غیر یورپی ممالک کے کوٹے میں اضافہ کر دیا گیا جو بذریعہ قانون ۱۹۲۴ء سے فی الواقع خارج کر دیئے گئے تھے۔ ایک بار جب یہ قانون منظور ہو گیا تو نیویارک شہر میں گیانا، افریقہ، مشرق وسطی اور برِعظیم پاک و ہند سے مسلمان آبادکاروں کا ایک سیلاب اُمڈ آیا۔ بعد میں تقریباً ہر ملک سے انسانی لہریں آ آ کر مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کرتی گئیں۔ پابند شریعت مسلمانوں نے جو آبادکاری سے متعلق قانون کے ذریعے اس شہر میں آئے انھوں نے ایسی عمارتیں جو پہلے اسٹور، اپارٹمنٹ، اسکول اور کارخانوں کے طور پر استعمال ہوتی تھیں کرائے پر لیں یا وہ ایک دوسرے کے گھروں میں نماز پڑھتے تھے۔ امریکی طرز حیات سے مطابقت پیدا کرنے اور شہری معیشت میں اپنے لیے جگہ بنا لینے کے بعد انھوں نے ۱۹۶۹ء اور ۱۹۷۵ء کے درمیان مستقل اسلامی ادارے قائم کرنے شروع کر دیئے۔[۲۴]

۱۹۷۰ء کے عشرے کے اواخر اور ۱۹۸۰ء کے عشرے کے آغاز کے بعد سے پورے شہر میں مسجدیں اور دوسری تنظیمیں تیزی سے بڑھنے لگیں۔ ۱۹۸۳ء اور ۱۹۹۱ء کے درمیان شہر کے آبادکار مسلمانوں نے دونئی مسجدیں تعمیر کیں، ایک مسجد کی تعمیر پر ابتدائی کام شروع کیا اور تقریباً تیں مزید مسجدوں کی منصوبہ بندی کی۔ ۱۹۷۶ء میں اسلامک سینٹر آف کرونا (مسجد الفلاح) نے جس کے قیام میں بڑا حصہ پاکستانیوں کا تھا، ۱۲۔۴۲ نیشنل اسٹریٹ، کوئنز پر ایک مسجد کی تعمیر کا منصوبہ بنایا۔ اس گروپ نے پہلی بار ۳۰۔۱۰۱، ۴۳ویں ایوینیو میں اپنے اجتماع منعقد کیے یہاں تک کہ ۱۹۸۳ء میں انھوں نے اس سہولت کی تکمیل کر لی۔ جیہووا وٹنیس ہال (عیسائیوں کی ایک عبادت گاہ) سے ملحق اور ایک روحانی عیسائی مرکز والی سڑک پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیچے کی طرف مسجد الفلاح کا سادہ سا گنبد اور مینار ایک نسبتاً بڑے پیورٹو ریکن اور کولمبین ماحول پر چھائے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک مربع شکل کی دو منزلہ عمارت میں اسلامی فن تعمیر کی خصوصیات کی پیوند کاری کر دی گئی ہے جن میں دو سطحوں کے نماز کے کمرے اور پچھلے حصے میں ''جنازہ گاہ'' کا انتظام ہے۔[۲۵]

مسجد الفلاح کے خاص عبادت کے کمرے میں جس میں قالین بچھا ہوا ہے، بمشکل دو سو افراد تک کی گنجائش نکل سکتی ہے حالانکہ جمعہ کے بڑے اجتماع پر بھی یہاں تیس سے چالیس افراد تک شریک ہوتے ہیں جن میں عام طور سے مختلف نسلوں کے لوگوں کی نمائندگی ہوتی ہے۔ نماز کے سادہ سے بڑے ہال کے پیچھے دھندلائے ہوئے شیشے سے پوری طرح چھپا ہوا ایک کمرہ موجود ہے جس میں خواتین باہر سے نظر آئے بغیر نماز ادا کرتی ہیں۔ اس مسجد کے بورڈ آف ڈائریکٹرز اور انتظامی کمیٹی میں پاکستانیوں کی اکثریت ہے جو اس کے روزمرہ کے معاملات کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ مسجد کے امام بھی پاکستانی ہیں۔ اس مسجد کی قیادت میں بنگلہ دیشی دوسرے نمبر پر ہیں۔[۲۶]

یہ کوئی قابل تعجب بات نہیں ہے کہ اس شہر کی پہلی مسجد کی تعمیر میں نمایاں کردار پاکستان کے محنت مزدوری کرنے والے طبقے نے انجام دیا۔ پاکستانی جو عموماً دوسرے آبادکار مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ باعمل مسلمان ہوتے ہیں اور انگریزی زبان پر اچھی قدرت بھی رکھتے ہیں انھوں نے ۱۹۵۰ء کے عشرے کے بعد سے نیویارک شہر میں اسلام کے اثرات اور موجودگی کو نمایاں تر کر دیا۔ شہر کی پہلی مسجد بنانے کے علاوہ اخبار فروشی کے چھوٹے چھوٹے کیبنوں کے پاکستانی مالکوں اور ہوٹلوں میں کام کرنے والے پاکستانی محنت کشوں نے ۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء کے عشروں میں پورے شہر میں اور بالخصوص کوئنز کے علاقے میں کم از کم چھ اسلامی عبادت گاہیں بنائیں اور اسلامی تعلیمات کی تلقین و تبلیغ کے لیے اسلامک سرکل آف نارتھ امریکا جیسے تبلیغی مراکز باضابطہ طور پر ۱۹۷۱ء میں قائم کیے۔

۱۹۹۱ء میں جیرانیم ایوینیو کے نمبر ۶۴۔۷۔۱۴۳ پر کوئنز کی ایک نئی مسجد کی تعمیر میں بھی ایک تنظیم بڑی فعال تھی جس پر پاکستانی غالب تھے۔ اسے نیویارک کے مسلم مرکز نے پہلے ۱۹۷۵ء میں فلشنگ میں ۱۴۱ ویں ایوینیو پر کرائے کی ایک عمارت میں قائم کیا۔ پھر ۱۹۷۹ء

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں پچھتر ہزار ڈالر کا ایک مکان خریدا اور بالآخر ۱۹۸۷ء میں ساڑھے تین لاکھ ڈالر میں ایک ملحق خاندانی مکان خرید لیا۔ ان مکانات کو منہدم کرنے کے بعد مرکز نے ۲۱ رمئی ۱۹۸۹ء کو اپنی مسجد اور کمیونٹی سینٹر تعمیر کرنا شروع کیا۔[۲۷]

مسلم مرکز کے عہدہ داروں نے اٹھارہ ہزار چھ سو مربع فٹ پر کنکریٹ کی ایک مختلف الاجزاء عمارت (کمپلیکس) کا نقشہ بنایا جس میں پانچ سو نمازیوں کی گنجائش کی ایک مسجد، اسلامی تقریبات اور روزانہ اور ہفتہ وار دینی تعلیم کے لیے ایک کمیونٹی ہال شامل تھے۔ مرکز نے اس عمارت کے منصوبے میں اس بات کا بھی خیال رکھا کہ اس میں عورتوں اور مردوں کے لیے الگ الگ سیڑھیاں اور نماز کے کمرے ہوں، مرکز کے نگراں کے لیے ایک رہائشی مکان ہو، ایک ''مکمل انتظامی دفتر'' اور کرائے پر دیے جانے والے دو یونٹ ہوں۔ مرکز کی رسم افتتاح کے موقع پر مسجد کے قائدین نے کوئنز برو کے صدر اور پڑوس میں رہنے والے کانگریس کے نمائندوں سے ان کے تاثرات کے اظہار کی درخواست کی۔ ان لوگوں نے جواب میں مبارک باد کے خطوط لکھے اور میئر انتخاب نو کے سلسلے میں ایک گرما گرم مہم کے دوران رسم افتتاح میں شرکت کے لیے خود آئے۔ مقامی ذرائع ابلاغ نے اس تقریب کو نظر انداز کیا، غالباً اس لیے کہ کوئنز میں مسجد کی جائے وقوع بہت زیادہ مناسب اور جاذبِ نظر نہیں۔[۲۸]

اس کے برعکس تھرڈ ایوینیو اور ۹۶ویں اسٹریٹ پر واقع مین ہٹن کی پہلی مسجد، نیویارک کے اسلامی ثقافتی مرکز کی جاذب نظر مینار اور گنبد والی مسجد میں ۱۵ر اپریل ۱۹۹۱ء کو پہلی بار عیدالفطر کی تقریبات منعقد ہوئیں تو ان دنوں بڑی چہل پہل اور رونق دیکھنے میں آئی۔ عشرہ ۱۹۵۰ء کی ابتدا میں ''نیویارک موسک (مسجد) فاؤنڈیشن'' کی تعمیر کردہ ''نیویارک کی مسجد'' اس شہر میں اسلام کی رفعت کا اظہار ہے۔ اسلامی ثقافتی مرکز کی مسجد شکل وصورت میں کسی میریٹ ہوٹل کی طرح ہے جو شمال میں ایک رہائشی منصوبے میں گھری ہوئی ہے اور تھرڈ ایوینیو کے پار اس کی حیثیت ایک اپارٹمنٹ ٹاور کی سی ہے۔ یہ ایک مخروطی شکل کی پہاڑی کے نزدیک بڑی ممتاز شکل وصورت کی حامل نظر آتی ہے۔ اس مسجد سے تعلق شہر کے مسلمانوں کی اکثریت کے لیے بڑے فخر اور دلچسپی کا باعث ہے اور اس کا خصوصی تعلق خلیج فارس کی تیل پیدا کرنے والی ریاستوں بالخصوص کویت سے ہے۔ اگرچہ اس تنظیم کے بورڈ آف ٹرسٹیز میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھیالیس مسلمان ملکوں کے نمائندے موجود رہے ہیں لیکن ۱۹۸۱ء میں اِس کے صدر اقوام متحدہ میں کویت کے مستقل نمائندے محمد اے ابوالحسن تھے اور انھوں نے ہی اس رقم کا بڑا حصہ اکٹھا کیا جس سے بالآخر اس عمارت کی تکمیل ہوئی۔[۲۹]

شہر کی اس سب سے قابل دید مسجد کی تعمیر تقریباً چالیس سال میں مکمل ہوئی۔ ۱۹۶۶ء میں جب نیویارک مسجد فاؤنڈیشن نے ۹۶/ویں اسٹریٹ پر پلاٹ خرید لیا تو اس کے بعد بھی ۱۹۶۷ء سے ۱۹۸۹ء کے درمیان گروپ نے چار مرتبہ مسجد کی امکانی تکمیل کا اشتہار دیا۔ متعدد تنازعات کی وجہ سے بھی مسجد کی تعمیر میں تاخیر ہوئی۔ ان تنازعات میں ایک الزام یہ بھی شامل تھا کہ مسجد کے قائدین نے ایرانی ٹھیکہ دار کو اس لیے برطرف کر دیا تھا کہ اس نے فنی ماہرین کے طور پر ایک یہودی کمپنی کی خدمات حاصل کی تھیں۔ بورڈ میں شریک جدت پسندوں اور روایت پرستوں کے درمیان عمارت کی شکل اور طرز پر بھی جھگڑا ہوا جس کے نتیجے میں ''اسکڈمور''۔ ''اوونکس'' اور ''میرل'' نے ایک مصالحتی دستاویز تیار کی۔[۳۰]

تعمیر میں پریشان کن رکاوٹوں کے باوجود اسلامی مرکز کی نئی مسجد نیویارک شہر میں بڑھتی ہوئی آبادی کی جانب اشارے کر رہی تھی۔ نمبر ا، ریورسائڈ ڈرائیو سے نئی عمارت میں تنظیم کی منتقلی کی وجہ سے کچھ انتظامی مسائل پیدا ہو رہے تھے تاہم جنوری ۱۹۹۲ء میں بھی جمعہ کی نماز کے لیے مرکز بالائی ویسٹ سائڈ کی مسجد کو استعمال کر رہا تھا اور غالباً آئندہ بھی وہ اس عمارت کو اپنے قبضے میں رکھے گا۔ شہر کی مذہبی ثقافت پر قابلِ لحاظ اثر قائم کرنے کی توقع میں اسلامی مرکز نے ایسے تعلیمی ثقافتی پروگرام وضع کرنے کا منصوبہ بنایا ہے جو نیویارک کے باشندوں کو اسلام سے متعارف کرائیں گے۔ مستقبل کی منصوبہ بندی میں ایک اسکول اور مسجد سے متصل امام کے لیے مکان کی تعمیر شامل ہے۔[۳۱]

خوش حال بالائی ایسٹ سائڈ اور ہارلم کی جنوب مشرقی سرحد کے درمیان واقع اسلامی مرکز کو افریقی امریکی اور آباد کار مسلمانوں کو مزید متحد کرنے کے سلسلے میں بڑی اہم حیثیت حاصل ہے۔ یہ آسان کام نہیں ہے کیونکہ ثقافتی طور پر یہ گروہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ بہرحال دونوں برادریوں میں تعلقات خوشگوار ہی رہے ہیں جس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، نیشن آف اسلام نے نیویارک شہر کے آباد کار مسلمانوں سے کم ہی واسطہ رکھا ہے اور آج

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھیالیس مسلمان ملکوں کے نمائندے موجود رہے ہیں لیکن ۱۹۸۱ء میں اِس کے صدر اقوام متحدہ میں کویت کے مستقل نمائندے محمد اے ابوالحسن تھے اور انھوں نے ہی اس رقم کا بڑا حصہ اکٹھا کیا جس سے بالآخر اس عمارت کی تکمیل ہوئی۔[۲۹]

شہر کی اس سب سے قابل دید مسجد کی تعمیر تقریباً چالیس سال میں مکمل ہوئی۔ ۱۹۶۶ء میں جب نیویارک مسجد فاؤنڈیشن نے ۹۶ رویں اسٹریٹ پر پلاٹ خرید لیا تو اس کے بعد بھی ۱۹۶۷ء سے ۱۹۸۹ء کے درمیان گروپ نے چار مرتبہ مسجد کی امکانی تکمیل کا اشتہار دیا۔ متعدد تنازعات کی وجہ سے بھی مسجد کی تعمیر میں تاخیر ہوئی۔ ان تنازعات میں ایک الزام یہ بھی شامل تھا کہ مسجد کے قائدین نے ایرانی ٹھیکہ دار کو اس لیے برطرف کر دیا تھا کہ اس نے فنی ماہرین کے طور پر ایک یہودی کمپنی کی خدمات حاصل کی تھیں۔ بورڈ میں شریک جدت پسندوں اور روایت پرستوں کے درمیان عمارت کی شکل اور طرز پر بھی جھگڑا ہوا جس کے نتیجے میں ''اسکڈمور'' ''اوونگس'' اور ''میرل'' نے ایک مصالحتی دستاویز تیار کی۔[۳۰]

تعمیر میں پریشان کن رکاوٹوں کے باوجود اسلامی مرکز کی نئی مسجد نیویارک شہر میں بڑھتی ہوئی آبادی کی جانب اشارے کر رہی تھی۔ نمبرا، ریورسائڈ ڈرائیو سے نئی عمارت میں تنظیم کی منتقلی کی وجہ سے کچھ انتظامی مسائل پیدا ہو رہے تھے تاہم جنوری ۱۹۹۲ء میں بھی جمعہ کی نماز کے لیے مرکز بالائی ویسٹ سائڈ کی مسجد کو استعمال کر رہا تھا اور غالبًا آئندہ بھی وہ اس عمارت کو اپنے قبضے میں رکھے گا۔ شہر کی مذہبی ثقافت پر قابلِ لحاظ اثر قائم کرنے کی توقع میں اسلامی مرکز نے ایسے تعلیمی ثقافتی پروگرام وضع کرنے کا منصوبہ بنایا ہے جو نیویارک کے باشندوں کو اسلام سے متعارف کرائیں گے۔ مستقبل کی منصوبہ بندی میں ایک اسکول اور مسجد سے متصل امام کے لیے مکان کی تعمیر شامل ہے۔[۳۱]

خوش حال بالائی ایسٹ سائڈ اور ہارلم کی جنوب مشرقی سرحد کے درمیان واقع اسلامی مرکز کو افریقی امریکی اور آبادکار مسلمانوں کو مزید متحد کرنے کے سلسلے میں بڑی اہم حیثیت حاصل ہے۔ یہ آسان کام نہیں ہے کیونکہ ثقافتی طور پر یہ گروہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ بہرحال دونوں برادریوں میں تعلقات خوشگوار ہی رہے ہیں جس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، نیشن آف اسلام نے نیویارک شہر کے آبادکار مسلمانوں سے کم ہی واسطہ رکھا ہے اور آج

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی افریقی امریکی نواح میں بہت سی مسجدوں میں باہر کے لوگ بہت کم آتے ہیں۔ مزید برآں جان جے کالج میں افریقی امریکی شعبے کے پروفیسر یوسف نورالدین کے خیال میں امریکا سے باہر پیدا ہونے والے بعض مسلمان ''ایک ایسے نسل پرستانہ رویّے کا مظاہرہ کرتے ہیں جو افریقی امریکیوں کی جانب یورپ والوں کے رویّے سے مختلف نہیں ہوتا'' لیکن ۱۹۸۵ء میں ایلیجاہ محمد کے بیٹے اور جانشین وارث دین محمد نے اپنی تنظیم کو تحلیل کیا اور اپنے پیرد کاروں کو سنی عقیدہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ اس وقت سے دونوں برادریوں کے تعلقات میں خوشگواری پیدا ہوئی ہے۔[۳۲]

بحیثیت مجموعی اسلام نے نیویارک شہر میں اپنے پیروکاروں کو منقسم کرنے سے زیادہ متحد کیا ہے۔ سب سے اہم رشتہء اتحاد جو شہر کے تمام مسلمانوں میں مشترک ہے وہ ان کی اقلیتی حیثیت کا رشتہ ہے۔ چونکہ دوسرے اہم مذاہب کی نسبت نیویارک میں مسلمان حال میں منظم ہوئے ہیں لہٰذا اس صورت حال نے مسلمانوں کے لیے مہمیز کا کام کیا ہے کہ وہ ادارے قائم کرنے اور اپنے عقیدے کو پھیلانے میں زیادہ محنت کریں۔ چونکہ مذہبی طور پر شہر کے فعال افریقی امریکی اور آبادکار دونوں ہی یکساں انداز کے حامل ہیں اس لیے مسجدوں کو اسلامی زندگی میں مرکزی کردار حاصل ہو گیا ہے اور وہ علامتی خدمات انجام دیتی ہیں۔ اگرچہ کوئنز اور بروکلین کے چاروں طرف مسجدیں بظاہر راتوں رات تعمیر ہو گئی ہیں جہاں غیر پیشہ ور (مزدور پیشہ یا چھوٹے تاجر) مسلمان آباد ہیں اور اس امر کا تعین کرنا مشکل ہے کہ مسلم آبادی ان مسجدوں سے کس حد تک فائدہ اٹھاتی ہے اور کس حد تک وہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان پر عمل کرتے ہیں۔

شہر میں آبادکاروں کی قائم کردہ مسجدوں کے بارے میں عمومی رائے دینا اُتنا ہی مشکل ہے جتنا اُن لوگوں کے بارے میں عام حکم لگانا جو ان میں نماز پڑھتے ہیں۔ ہر ادارہ مختلف درجے کی تنظیمی اجتماعیت کا مظاہرہ کرتا ہے جن میں ٹیکس سے مستثنیٰ ایسے مذہبی اداروں سے لے کر، جو مسجدیں تعمیر کر سکتے ہیں، ایسے گروہ بھی شامل ہیں جو کسی کے ذاتی مکان کے تہہ خانے میں نماز پڑھ لیتے ہیں۔ شہر کی اکثر مسجدوں میں عام طور سے مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ خصوصاً جمعہ کی نماز میں آتے ہیں۔ ان آنے والوں میں آس پاس کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دکاندار بھی ہوتے ہیں اور مسجد کے علاقے کے چند ٹیکسی ڈرائیور بھی۔

شہر کی واحد مسجد جس میں کچھ بیرونی لوگ بھی آجاتے ہیں وہ امریکن ایسوسی ایشن آف کریمین ٹرکس کی مسجد ہے جو ۱۹۷۰ء سے بروپارک، بروکلین میں اترخ ایوینیو کے نمبر ۰۹۔۴۵ پر واقع ہے۔ ۱۹۶۱ء میں ایک نجی سماجی کلب کے طور پر یہ مسجد قائم ہوئی تھی جس نے کریمیائی ترکوں کو اپنی روایات قائم رکھنے کا ایک مرکز مہیا کر دیا تھا، ۱۹۷۰ء میں جب انھوں نے یہ عمارت خرید لی تو اس کے بعد سے اس برادری کی فاؤنڈیشن کی توجہ اسلام کی جانب روز بروز بڑھتی گئی۔ کریمین ایسوسی ایشن کی طرح شہر کی بعض دوسری مساجد بھی اپنی متعلقہ برادریوں کی امداد، سماجی خدمت اور اسلامی قوانین کی پیروی کے لیے جگہ فراہم کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر اسلامک برادرہڈ جو بروکلین کی مسجد الفاروق کا انتظام کرتی ہے، ایک برادری کے اندر متعدد کردار ادا کرتی ہے۔ وہ ایسے نئے ممبروں کو خوش آمدید کہتی ہے جو نیویارک کی شہری زندگی سے مانوس نہیں ہوتے۔[۳۳]

نیویارک شہر میں آباد کار مسلمانوں کی اکثر مسجدوں کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اُن کے مستقل نمازیوں کی اپنی قومیت کچھ بھی ہو وہ اپنے آبائی ملکوں کے طبقاتی اور سیاسی رجحانات اور تاریخی دشمنیوں اور مخالفتوں کا لحاظ کیے بغیر اسلامی اخوت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں نیویارک ٹائمز کے ایک رپورٹر نے مسلم ورلڈ لیگ کے معاون ڈائریکٹر داؤد اسد کا یہ بیان چھاپا تھا کہ ''مختلف ممالک کے مسلمانوں پر اب یہ بات واضح ہوتی جارہی ہے کہ امریکا میں وہ اپنا اتحاد اپنی قومیتوں کی بنیاد کی بجائے اپنے اسلام کی اساس پر ہی قائم رکھ سکتے ہیں'' یہ ایک حقیقت ہے کہ نیویارک میں بھانت بھانت کی زبانیں بولنے والے دنیا کے مختلف ملکوں سے آئے ہوئے مسلمانوں کو یہ موقع ملا ہے کہ وہ مقامی مسجدوں میں مل جل کر نماز پڑھیں (اور اسلام کی عالم گیریت کا مظاہرہ کریں)۔ کرۂ ارض پر کوئی اور ایسی جگہ نہیں جہاں اتنے مختلف پس منظر کے مسلمان ایک دوسرے سے اتنے قریب ہوں اور یہ وہ صورت حال ہے جس سے اختلاف میں نہیں بلکہ اشتراک میں اضافہ ہوتا ہے۔[۳۴]

سنیوں اور شیعوں کے درمیان خوشگوار تعلقات اس شہر میں مسلمانوں کے بین المسلکی اتحاد کی ایک عمدہ مثال پیش کرتے ہیں شیعہ تنظیمیں یہاں کم از کم ۱۹۷۰ء سے ضرور قائم ہیں،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب ایک ریسرچ اسکالر لوئی گاٹسمین نے اپنی فہرست میں ایک شیعہ مسجد اور ایک شیعہ انجمن (Shi'ite Association of North America) کا اندراج کیا تھا۔ یہ دونوں کوئنز میں واقع تھیں۔ علاوہ ازیں عشرہ ۱۹۷۰ء کے دوران میں بھی میگزائن فشر نے مشرقی امریکا کی بوہرہ جماعت کا پتا لگایا تھا جو ہندوستان کے شیعہ خاندانوں کے تقریباً ستر افراد پر مشتمل تھی اور مشرقی افریقہ کی شیعہ مسلم برادری کے طور پر مہینے میں ایک بار کرائے کی جگہ پر باہمی ملاقات کرتے تھے۔ عشرہ ۱۹۸۰ء میں ارل وانے شمالی امریکا کی ایک شیعہ مسلم ایسوسی ایشن کی نمبر ۶۲ ۶۳ ۔ ۵۳ ۔ ۱۰۸ ڈرائیو، فاریسٹ ہلز، کوئنز میں نشان دہی کی تھی۔[۳۵]

ان دنوں شہر کی مسلم برادری میں شیعہ ایک بہت معمولی اقلیتی گروہ کی نمائندگی کرتے ہیں، غالباً آٹھ ہزار نیویارک کے شہری علاقے میں اور ڈھائی ہزار پانچوں اضلاع میں۔ شیعہ مسجد الفلاح سمیت سنیوں کی تمام مسجدوں میں نماز پڑھتے ہیں اور یہی حال سنیوں کا ہے کہ وہ شیعوں کی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں۔ جمیکا، کوئنز میں عراقیوں کی قائم کردہ الخوئی فاؤنڈیشن نے پہلے سے موجود ایک عمارت میں ایک مینار اور کچھ اور اسلامی خصوصیات کا اضافہ کر کے اسے ایک نئی شکل دے دی ہے۔ اِس کے علاوہ شیعوں کا ایک دوسرا گروہ اسلامک گائڈنس، بروکلین کی مسجد الفاروق کے سامنے کرائے کی ایک عمارت میں نماز ادا کرتا ہے اور جو عراقیوں، پاکستانیوں، ہندوستانیوں اور مشرقی افریقیوں پر مشتمل ہے۔[۳۶]

اب نیویارک شہر میں آباد کار مسلمانوں کی اکثر مسجدوں میں مختلف فرقوں اور فقہی مسلکوں کے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے جو کسی بھی فرقے کی اس بات کو تسلیم کر لیتے ہیں جو انھیں زیادہ صحیح اور اچھی نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر ایلمہرسٹ مسلم سوسائٹی جسے ۱۹۶۹ء میں پاکستانیوں نے ۷ ۳ ۔ ۸۵ برٹین ایوینیو کے تہہ خانے میں ایک متروکہ اسکول کی عمارت میں قائم کیا تھا، اُس کی مسجد کی نمازِ جمعہ میں شام، افغانستان، مصر اور بنگلہ دیش وغیرہ کے مسلمان مستقل طور پر آتے ہیں۔ بہرحال یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شہر کے اسلامی ادارے عموماً وہ لوگ قائم کرتے ہیں جن میں مذہب کے علاوہ بھی کچھ چیزیں مشترک ہوتی ہیں کیونکہ نیویارک میں رہنے والے اکثر مسلمانوں کی شناخت ان کے آبائی ملکوں اور مادری زبانوں سے ہوتی ہے۔

اس شہر میں آباد کار مسلمانوں کی پرانی مسجدوں میں سے ایک مسجد ''البانین امریکن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامک سینٹر آف نیویارک''، نیو جرسی، نے بھی مسلم برادری کی رواداری کی ایک مثال پیش کی۔ نیویارک کے شہری علاقے میں رہنے والے تقریباً پچاس ہزار مسلمان وہ ہیں جو انور ہوکسا کی کمیونسٹ حکومت کے ظلم سے فرار حاصل کرنے کے لیے البانیہ سے ترک وطن کر گئے تھے۔ اس حکومت نے ۱۹۶۷ء میں البانیہ کو ایک لادینی ریاست بنانے کا اعلان کیا تھا۔ امام عیسیٰ ہوکسا کی قیادت میں نیویارک شہر میں رہنے والے البانوی مسلمانوں نے ۱۹۷۲ء میں نمبر ۱۳۲۵ء البے مارلے روڈ، فلیٹ بش، بروکلین کی پرانی عمارت کو مسجد میں تبدیل کر دیا۔ اگرچہ اس مسجد کا پورا انتظام و انصرام البانویوں کے ہاتھ میں ہے اور وہی اس مرکز کے پروگرام وغیرہ بناتے ہیں لیکن انھوں نے پرانی دشمنیوں کو فراموش کر دیا اور مذہبی عبادت میں ترکوں کو بھی خوش آمدید کہا۔ ان کے علاوہ پڑوس میں رہنے والے پاکستانی اور عرب بھی جمعہ کی نماز باقاعدگی سے وہیں ادا کرتے ہیں۔[۳۷]

آبادکار مسلمانوں نے ۱۹۹۱ء میں مسجد فاطمہ کے نام سے جو مسجد قائم کی ہے اپنی نوعیت کے لحاظ وہ بھی ایک دلچسپ نوعیت کی حامل ہے۔ اسے بنیادی طور پر پاکستان کے ٹیکسی ڈرائیوروں اور مکینکوں نے ۱۹۸۷ء میں ووڈ سائڈ، کوئنز کی ۵۸ویں اسٹریٹ اور ۳۷ویں ایوینیو میں قائم کیا تھا۔ یہ کاروں کی مرمت کے ایک گیراج کے ایک غیر آباد تہہ خانے میں قائم ہے۔ مسجد فاطمہ میں ۱۹۹۱ء میں نماز جمعہ کے لیے تقریباً ڈھائی سو نمازی آجایا کرتے تھے جن میں تقریباً نصف عرب ہوتے تھے اور بقیہ کا تعلق ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش سے ہوتا تھا۔ متعدد افریقی امریکی اور چند اینگلو امریکی بھی وہاں نماز پڑھنے آجاتے تھے۔ عام چندے کے ذریعے عمارت کا کرایہ اور امام کی تنخواہ ادا کی جاتی ہے اور مسجد کی انتظامیہ کو توقع ہے کہ ایک دن وہ اپنی عمارت بھی خرید لیں گے یا اُس کی تعمیرِ نو کریں گے۔[۳۸]

نیویارک شہر میں آبادکاروں کی نئی بسنے والی اور تیزی سے ابھرنے والی مسجدوں میں سے اکثر مسجدیں اب چندے کی دوڑ میں شریک ہوگئی ہیں۔ مثال کے طور پر ۲۳۰ نیپچون ایوینیو، بروکلین میں قائم اسلامک سینٹر آف برائٹن بیچ (مسجد عمر) نے ایک لاکھ بیس ہزار ڈالر کے توسیعی منصوبے کے واسطے رقم فراہم کرنے کے لیے ۲رنومبر ۱۹۹۱ء کو ایک مقامی ہائی اسکول میں چندہ اکٹھا کرنے کے لیے ایک ڈنر کا انتظام کیا۔ جن مسجدوں کی تنظیم اعلیٰ پیشوں سے تعلق

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھنے والے لوگوں نے کی ہے اب وہ بھی مسجد کی جگہ کے لیے بازار لگاتے ہیں۔ وسطی مین ہٹن کی اسلامک سوسائٹی نے، جو مصریوں کا ایک گروہ ہے اور جمعہ کی نماز کے لیے علاقے کے ایک ہوٹل میں جمع ہوتا ہے، اپنی مسجد عثمان بن عفان کی عمارت خرید نے کے لیے مسلم ورلڈ لیگ، غیر ملکی مُسلم حکومتوں اور مخیرّ مسلمانوں سے امداد طلب کی ہے۔[۳۹]

ان اسلامی تنظیموں نے بھی مسلم براوری کے لیے اپنی سرگرمیوں میں اضافہ کر دیا ہے جن کا کسی خاص مسجد سے الحاق نہیں ہے، مثلاً اسلامک سرکل آف نارتھ امریکا (آئی سی این اے)، مسلم فاؤنڈیشن آف امریکا انکارپوریٹڈ، اسلامک فاؤنڈیشن انکارپوریٹڈ اور سینٹر آف دی اسلامک موومنٹ آف کوئنز جسے ایک دعوتی گروپ کے طور پر دنیا بھر سے آئے ہوئے مسلمانوں نے ۱۹۹۰ء میں منظم کیا تھا۔ ان تینوں میں سے اسلامک سرکل کا پروگرام غیر معمولی عزم و ارادے کا حامل ہے۔ اس پروگرام میں سرکل کی امریکا میں دس، کینیڈا، میں دو اور کیریبین جزائر اور لندن میں ایک ایک شاخ قائم کرنے کا منصوبہ شامل ہے۔

شیخ فیصل نے اپنے اسلامک مشن آف امریکا کے لیے جو مقاصد متعین کیے تھے انھیں اسلامک سرکل جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے ''اس سرزمین (امریکا) پر اسلامی نظام قائم کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا'' چاہتا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے اور اپنے ہم مذہبوں کی معاونت کرنے کے لیے آئی سی این اے مسلم بینکاری اور شادی بیاہ کے سلسلے میں خدمات فراہم کرتا ہے، اسلام کے بارے میں کتابچے چھاپتا اور تقسیم کرتا ہے۔ ڈاک کے ذریعہ ویڈیو اور کتابوں کی فرمائش کی تکمیل کرتا ہے اور دوسرے متعدد مقامی، قومی اور بین الاقوامی منصوبوں کے علاوہ اسلامک سرکل ''میسیج'' کے نام سے اپنا جریدہ بھی شائع کرتا ہے جو ۱۹۷۰ء کے عشرے کے وسط تک سہ ماہی تھا اور اس کے بعد سے ماہنامہ ہو گیا ہے۔ آئی سی این اے کی سرگرمیوں کی وضاحت کرتے ہوئے گروپ (اسلامک سرکل) نے تخمینہ لگایا ہے کہ مسجدوں کے قریب رہنے والے مسلمانوں میں سے صرف دس فیصد پابندی کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرتے ہیں۔ گروپ کا منصوبہ یہ ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کے اعداد و شمار کو کمپیوٹرائز کر کے ''ان نوے فیصد مسلمانوں تک پہنچے اور انہیں دین کا پیغام پہنچائے جو اجتماعی اسلامی عبادت میں شریک نہیں ہوتے۔''[۴۰] [ایسا ہی لکھا ہے]۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے گروپ مسلم فاؤنڈیشن آف امریکا، کی کوششوں کا محور مقامی نوعیت کا ہے چنانچہ یہ ''یونائیٹڈ مسلم ڈے'' کے موقع پر ردز ولٹ ہوٹل میں ایک سالانہ ضیافت اور پریڈ کا انتظام کرتی ہے اور اب ۱۹۸۴ء کے بعد ہر ستمبر کے ایک اتوار کو مڈٹاؤن مین ہٹن میں اجتماع کرتی ہے۔شہر کی اسلامی خصوصیات کا لطف اس وقت اور بھی دوبالا ہو گیا جب مکۂ معظّمہ میں قائم رابطۂ عالمِ نے اسلامی مسلم ورلڈ لیگ اور کونسل آف مساجد کی اپنی شاخیں ۱۹۷۶ء میں نیویارک شہر میں قائم کیں جو دوسرے پروگراموں پر عمل کرنے کے علاوہ مستحق مساجد کو مالی اور دوسری نوعیت کی امداد مہیا کرتی ہیں۔

نیویارک شہر میں اسلامی قوت کا مظاہرہ دیگر کئی طریقوں سے بھی ہوتا ہے۔ایک سہ روزہ اخبار ''The Minaret'' جسے ۱۹۷۴ء میں ایک ہندوستانی نوآبادکار محمد عبدالمنعم نے جاری کیا تھا اب بھی مقامی مشتہرین کی توجہ کا مرکز رہتا ہے۔عشرہ ۱۹۸۰ء سے مسلمانوں نے عیدالفطر کی تقریبات کو پارکوں میں منانا شروع کر دیا۔ مقامی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشنز، جس کی ابتدا ۱۹۵۶ء میں کولمبیا یونیورسٹی میں ہوئی تھی، مختلف سطح کے جوش اور ولولوں کا مظاہرہ کرتی ہے۔اگرچہ کولمبیا کی تنظیم اب بھی شہر کی سب سے زیادہ با اثر مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن ہے لیکن مسلمان طلباء کے گروہ سٹی کالج، کوئنز کالج، نیویارک یونیورسٹی، سینٹ جانس یونیورسٹی، دی کالج آف اسٹیٹن آئی لینڈ، پارک کالج اور بروکلین پولی ٹیکنک انسٹی ٹیوٹ میں بھی قائم ہیں۔[۴۱]

نیویارک شہر میں اسلام کے فروغ کی ایک تازہ مثال عشرہ ۱۹۹۰ء میں اس دعوت کی شکل میں نظر آئی جب پی آئی ای ڈی اے ڈمی (Propagacion Islamica para la Education y Devocion de Ala'el Divino) نے لاطینیوں میں دعوت و تبلیغ کا کام شرع کیا۔ پی آئی ای ڈی اے ڈمی کو ۱۹۸۷ء میں خدیجہ عبدالمطیع نے قائم کیا تھا جو پیورٹو ریکو کی ایک آبادکار ہیں اور ۱۹۸۳ء میں انھوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اس انجمن نے اسلام کی تبلیغ ان لاطینی عورتوں میں کی جنھوں نے مسلمان مردوں سے شادیاں کر لی تھیں، اور جیل میں قیدیوں تک اسلام کا پیغام پہنچایا۔مسز عبدالمطیع مقامی معاون گروہوں پر بڑا اعتماد کرتی ہیں۔ وہ لاطینی مسلمانوں اور بقیہ شہر کی اسلامی جماعتوں کے درمیان مصالحت کنندہ کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کام کرتی ہیں، اس کے ساتھ ہی وہ ایک قسم کا مرکزِ اطلاعات بھی ہیں۔ اس انجمن نے اسلامک سرکل آف نارتھ امریکا کے ساتھ مل کر قرآن پاک کے ہسپانوی ترجموں اور دوسری اسلامی کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں بہت کام کیا ہے۔[۴۲]

اگرچہ یہ گروہ ہسپانوی بولنے والی اس تمام مسلم کمیونٹی تک پہنچ رہا ہے جس کا مرکز نیویارک شہر میں واقع ہے، لیکن خدیجہ عبداللطیع نے خود اس تنظیم کی تشکیل عورتوں کے ایک گروہ کے طور پر کی تھی۔ جو عورتیں اسلام قبول کر کے آبادکار مسلمانوں سے شادی کر لیتی ہیں ان کے لیے ہم آہنگی کے عجیب عجیب مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ پی آئی ای ڈی اے ڈی بیرون خانہ ملازمت، دن کے وقت بچے کی نگرانی، بچے کی پرورش اور شادی بیاہ کے جھگڑوں جیسے مسائل پر بھرپور توجہ دیتی ہے۔ اس گروہ کی سرگرمیوں سے معاشرے میں عورت کے کردار پر گفتگو کو ترغیب ملتی ہے جو بہت سے آبادکار مسلمانوں کے لیے بڑا تکلیف دہ اور بھڑکا دینے والا مسئلہ ہے۔[۴۳]

افریقی امریکیوں، لاطینی امریکیوں اور حتیٰ کہ اینگلو امریکیوں کے قبول اسلام سے امریکا سے باہر پیدا ہونیوالے مسلمانوں کے لیے ایک عجیب صورتحال پیدا ہوتی ہے۔ نیا خون داخل ہوتے دیکھ کر مسلمان نومسلموں کو اپنے مذہب میں خوش آمدید تو کہتے ہیں لیکن کسی نہ کسی مرحلے پر اس سے اسلام کے اتحاد اور اس کے عقیدے کی پختگی متاثر بھی ہو سکتی ہے۔ چونکہ امریکی مسلمان اس عقیدے کو پرانے مسلمانوں سے مختلف پس منظر میں قبول کرتے ہیں لہٰذا نومسلم یا تو اسلام کو بدل دیں گے یا اسلام خود انھیں بدل دے گا۔

اسلامی رسم و رواج اور معمولات پر امریکی اثرات کئی نسلوں تک ایک اہم سوال بنے رہیں گے لیکن غیر ملکوں میں پیدا ہونے والے اور اب نیویارک میں آباد لوگوں کے سامنے سب سے گمبھیر سوال یہ ہے کہ وہ امریکی معاشرے کو اپنی اسلامی ثقافت اور اقدار کو کمزور کرنے کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں۔ نیویارک شہر کے مسلمان اب تک ایک اقلیتی گروہ ہیں جو امریکی ثقافت پر بہت کم اثر ڈال سکتے ہیں۔ امریکا کے دوسرے آبادکاروں کی طرح ان مسلمانوں کے لیے بھی جو اب یہاں مستقل آباد ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں یہ ضروری ہو گا کہ وہ اس معاشرے میں تحلیل ہو کر خود کو امریکی بنا لیں۔ نیویارک کے بہت سے مسلمان اپنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہبی اور قومی تعلق اور امریکی تشخص کے درمیان بڑا نازک توازن قائم رکھے ہوئے ہیں اور ان میں سے بہت سے لوگ اپنی اسلامی امریکی حیثیت کو بڑے فخر کے ساتھ پیش کرتے ہیں لیکن ان کے سامنے یہ خدشہ بھی موجود ہے کہ وقت ان کی ذات کے شعور اور تشخص کو ختم کردے گا۔ یہ سچ ہے کہ نیویارک کا شہر اپنے شہریوں کے سامنے امریکی ثقافت اور اپنی اخلاقی کمزوریوں کا بھرپور ملغوبہ پیش کر دیتا ہے، تاہم اس شہر کی آبادی کا جو انداز اور رقبہ ہے وہ آبادکاروں کو یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ اپنے لیے ایسا ماحول تشکیل دے لیں جو اُن کی قابل شناخت اور ممتاز ثقافتوں کی مزاحمت کرنے کے بجائے انھیں فروغ دے سکے۔ بس اب تو ہمیں بڑی دلچسپی کے ساتھ یہ دیکھنا ہوگا کہ اسلام نیویارک شہر کے امریکی معاشرے سے کس طور پر مطابقت پیدا کرتا ہے۔

امریکا میں رہ کر وہاں کی ثقافت میں گھل مل جانے کا عمل اسلامی پاکیزگی کے لیے خطرے کا باعث ہے چنانچہ نیویارک شہر میں رہنے والے آبادکاروں کی پہلی نسل کے لوگ بعض اوقات اپنے بیٹوں اور پوتوں کے اندر اسلامی اقدار کو ذہن نشین کرانا ضروری سمجھتے ہیں۔ اگرچہ شہر کے اسلامی گروہ جن مساجد کے لیے بے تاب تھے وہ اب مکمل ہوتی جارہی ہیں لیکن بعض والدین کو اب بھی یہ خطرہ ہے کہ امریکی معاشرہ ان کے بچوں کو ''نگل'' جائے گا۔ اور یہ خطرہ بلا سبب نہیں ہے۔ نیویارک شہر کی لادینی ترغیبات نے دنیا بھر سے آئے ہوئے آبادکاروں کی دوسری نسل کو ہمیشہ اپنی روایات سے دست بردار ہو جانے اور امریکی ثقافت کے امتیازی اور خصوصی پہلوؤں سے ہم آہنگ ہونے پر آمادہ کیا ہے۔ ۱۹۹۱ء کی مسلم ڈے پریڈ کے موقع پر میں نے ایک بچے کو دیکھا جو ''ٹین ایج میوٹینٹ ننجا ٹرٹل'' کی ٹی شرٹ پہنے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ کر چلا جارہا تھا جو خود اپنے روایتی رنگ برنگے کپڑوں میں ملبوس تھی۔ [۳۴]

متعدد فکرمند مسلمانوں نے جن کے پاس تبدیلی پیدا کرنے کے وسائل بھی تھے ۱۹۷۷ء سے اپنے اس عزم کا اظہار کرنا شروع کر دیا کہ وہ ایسے ہمہ وقتی اسکول قائم کریں گے جو ان کے بچوں کو مسلم تاریخ اور تشخص کا احساس دلائیں گے۔ ایسے اسکول کئی برسوں سے مسجدوں سے ملحق قائم ہیں لیکن اب کیتھولک اسکولوں کی طرز پر مسلمانوں کے علیحدہ اداروں نے بھی جرسی شہر، کوئنز اور لانگ آئی لینڈ پرویسٹ بری میں قدم جمائے ہیں۔ اپنے محدود

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وسائل کے ساتھ جدوجہد کرتے ہوئے نیویارک کے اسلامی اسکول ابھی اپنی ترقی کے ابتدائی مراحل میں ہیں۔[۴۵]

جمیکا، کوئنز میں ۸۹ویں ایوینیو کے نمبر ۱۱۔۱۳۷ پر واقع الایمان ایلیمنٹری (ابتدائی) اسکول نے، جو اسی شہر میں وینیوک ایکسپریس وے کے ۸۹۔۸۸ پر واقع شیعہ امام الخوئی فاؤنڈیشن کی ایک شاخ ہے، اپنے پہلے پچاس طلباء کا داخلہ ستمبر ۱۹۹۱ء میں کیا۔ عراقی پرنسپل فضل السہلانی کی قیادت میں اسکول کے افریقی امریکی، لاطینی امریکی اور آبادکاروں کے قبل از کنڈرگارٹن، کنڈرگارٹن اور اوّل سے ششم گریڈ تک کے طلباء نے ہمہ وقتی تعلیمی پروگرام میں، جو ''ایک روایتی'' ایس اے ٹی'' تعارفی تعلیمی نصاب کی عکاسی کرتا تھا، شرکت کی۔ الایمان اسکول نے ان کلاسوں میں'' قران، حدیث، تاریخ، اخلاقیات اور عقائد کی کلاسوں کا اضافہ کیا۔ یہ اسکول فی الحال نو سو پچاس ڈالر سالانہ کی معمولی سی فیس لیتا ہے اور مستقبل کے توسیعی پروگرام بنا رہا ہے۔[۴۶]

شہر میں سسٹر کلارا کے نام سے منسوب دو اسکول مسجد میلکم شہباز (۱۰۲ ویسٹ، ۱۱۶ویں اسٹریٹ) اور مسجد نورالدین (۱۰۵۔۱۰ شمالی بولیوارڈ، جیکسن ہائٹس، کوئنز) پر واقع ہیں، اِس کے علاوہ افریقی امریکی مسلمانوں کے دوسرے قائم کردہ اسکول مسلمانوں کے باہمی روابط میں اضافہ بھی کر رہے ہیں اور وہ آبادکاروں کے قائم کیے ہوئے اسکولوں سے بہتر طور پر چل بھی رہے ہیں۔ افریقی امریکی انتظامیہ کے تحت المدرستہ الاسلامیہ ایک دوسرا ہمہ وقتی اسکول ہے جو ۱۹۷۷ء سے کراؤن ہائٹس بروکلین میں قائم ہے اور فی الحال اس میں ایک سو تیس طلباء زیر تعلیم ہیں جن میں افریقی امریکی، لاطینی امریکی اور آبادکار والدین کے امریکا میں پیدا ہونے والے بچے شامل ہیں۔[۴۷]

نیویارک کے رہنے والوں نے غیر ممالک میں پیدا ہونے والے مسلمانوں کو عموماً عبادت اور تعلیم کی آزادی مہیا کی ہے، لیکن بعض واقعات نے آبادکاروں کے اسلامی اداروں کے خلاف عناد پیدا کیا ہے۔ ۱۹۷۹ء میں ایران میں یرغمالیوں کے بحران کے نتیجے میں چند حملہ آوروں نے کوئنز میں ۳۴ویں ایوینیو کے ۰۳۔۱۰۱ پر واقع کرونا کے اسلامی مرکز کی پرانی عمارت میں آگ لگادی جس سے معمولی سا نقصان ہوا اور پولیس نے مسلمانوں ہی کو ملوث

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہوئے چند دوسرے جرائم کا اندراج بھی مسلمانوں کے خلاف کرلیا۔ نئی عمارت کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک ہوا۔ ۱۹۸۵ء میں ہالووین کی شب (۳۱/ اکتوبر کی شام ''سینٹس ڈے'' کے موقع پر جب لوگ بھیس بدل کر اور بچے ڈراؤنے چہرے لگا کر شرارتیں کرتے ہیں) کو مسجد الفلاح غارت گری کا دوسرا نشانہ بنی۔ کسی شخص نے مسجد میں، آگ لگا کر اسے تباہ کردینے کی کوشش کی۔ بہرحال آگ نہ لگ سکی۔[۴۸]

اس بات کے بہت سے اشارے ملتے ہیں کہ مسلموں اور غیر مسلموں کے درمیان تصادم کی کیفیت محض عالمی واقعات کے نتیجے میں نہیں پیدا ہوئی۔ مثلاً ایک اشارہ اس حملے سے بھی ملتا ہے جو ۱۱۔۵۰ کوئنز بولیوارڈ پر، بنیادی طور پر پاکستانی اور ہندوستانی اسلامی مرکز کے باہر جولائی ۱۹۸۸ء میں ہوا تھا۔ پولیس، جس پر نمازیوں نے ''اکھڑ اور بدمزاج'' ہونے کا الزام لگایا تھا یہ طے نہ کرسکی کہ مسلمانوں کے ایک گروہ اور لاطینیوں کے دوسرے گروہ کے درمیان تشدد کے جذبات کو کس بات نے برانگیختہ کیا تھا۔ پولیس کپتان، مورس کولنز کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ جنگ ''ثقافتوں کے تصادم'' اور ''عدم اعتماد اور دشمنی کی ایک عمومی صورت حال'' سے پیدا ہوئی تھی۔ پولیس کپتان کا خیال یہ بھی تھا کہ یہ جھگڑا ایک ٹریفک حادثے کا نتیجہ تھا جو کچھ دنوں پہلے پیش آیا تھا۔ لیکن مرکز کے امام انور علی کو یقین تھا کہ چونکہ پڑوس میں رہنے والے یہودی اور لاطینی لوگ آبادکاروں کے ایک مخلوط گروہ کے سامنے پسپا ہوگئے ہیں اس لیے اول الذکر گروہ کے چند افراد نے، خصوصاً پیورٹوریکو کے لوگوں نے، جو حال میں امریکا آئے ہیں، پاکستانیوں اور ہندوستانیوں کو اس الزام پر اپنا ہدف بنالیا ہے کہ یہ لوگ ملازمتیں، مکانات اور کاروبار چھینے لیے جارہے ہیں۔ لیکن امام انور علی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ غالباً مسلمانوں کے بارے میں عام امریکیوں کے غلط اور بے بنیاد خیالات نے حملے کی شدت میں اضافہ کیا۔ ان کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ حملہ آور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شرانگیز نعرے لگا رہے تھے۔ جتنا پریشان کن واقعہ یہ تھا اتنی ہی پریشان کن صورت حال یہ بھی ہے کہ ۱۹۸۱ء میں قائم شدہ محکمہ پولیس کی متعصّبانہ جرائم سے نمٹنے والی یونٹ نے مسلمانوں اور مسجدوں کے خلاف کیے جانے والے متعصّبانہ جرائم کی بہت کم تفتیش کی ہے۔[۴۹]

نیو یارک شہر میں اسلام کے خلاف عناد کے جذبات میں کسی حد تک اس وقت کمی آئی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب افغانستان پر روسی حملے کے نتیجے میں آٹھ سے دس ہزار افغانی ۱۹۷۸ء میں وہاں آئے۔ حبیب اللہ معیار کی قیادت میں افغانی نمازی کوئنز اور بروکلین کی مسجدوں میں پھیل گئے اور انھوں نے امریکا میں افغانیوں کو منظم کر کے سوویت یونین کے خلاف برسرپیکار مجاہدین کے لیے امریکی حکومت اور عوام کی تائید حاصل کی۔ نیویارک شہر میں مسلمانوں کو اخباری ذرائع کی جانب سے فوری ہمدردی ملنے اور صدر ریگن کی جانب سے انھیں کمیونسٹوں کے خلاف جنگ میں اپنا دوست کہہ کر خراج تحسین پیش کرنے کی وجہ سے نیو یارک کے رہنے والے بعض لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کا تاثر بہت ارفع و اعلیٰ ہوگیا۔[50]

نیویارک شہر کے مسلمان کش مکش کی ایک عجیب صورت حال سے دوچار ہیں، یعنی اگر داخلی طور پر اسلامی قوانین کی پابندی کی خواہش انھیں متحرک رکھتی ہے تو دوسری طرف خارجی طور پر وہ اس ماحول سے بھی پورے طور پر متاثر ہیں جسے بہت سے لوگ ایک معاندانہ ماحول سمجھتے ہیں۔ اس صورت حال میں نیویارک کے مسلمان اس امر کو یقینی بنانے کے لیے اپنی پوری توانائی صرف کر رہے ہیں کہ آخر اسلام نیو یارک کے پانچوں اضلاع میں ایک ممتاز سماجی قوت کے طور پر ارتقا کے مراحل طے کر لے۔ ۱۹۸۰ء کے عشرے کی ابتدا سے، ایرانی انقلاب کے بعد، دہشت گردی کے خوف، سلمان رشدی کے معاملے اور ''ورلڈ ٹریڈ سینٹر'' کے سانحے نے نیویارک کے آبادکار مسلمانوں کے اندر عجلت کا ایک احساس پیدا کر دیا ہے۔ انھوں نے ایک طرف منفی حالات کے خلاف جدوجہد کر کے اور دوسری جانب مقامی مسائل میں ایک زیادہ واضح کردار ادا کر کے اس صورت حال کا مقابلہ کیا ہے۔ منفی تجربات سے قطع نظر دنیا کی سب سے بڑی عالمی نوعیت کی (Cosmopolitan) مسلم آبادی کو ایک خوش حال، منفرد اور باہم مربوط اسلامی برادری کی شکل میں ڈھل جانے کے لیے نیویارک شہر نے بے حد سازگار ماحول مہیا کر دیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حواشی

۱۔ سٹی یونیورسٹی آف نیویارک کے ایک مطالعے کے مطابق ریاست میں مسلمانوں کی تعداد تین لاکھ ہے اور اسلامک مشن آف امریکا کے امام محمد کباج نے نیویارک کے میٹروپولیٹن ریجن میں مسلمانوں کی آبادی کا تخمینہ پچیس لاکھ لگایا ہے۔

۲۔ شیلم اسٹاب۔ Yemenis in New York City (فلاڈیلفیا: بالچ انسٹی ٹیوٹ پریس، ۱۹۸۹ء) New York Times (۳/اکتوبر ۱۹۱۶ء: یکم دسمبر ۱۸۹۵ء)

۳۔ New York Times (۱۴/جولائی ۱۸۹۴ء: یکم دسمبر ۱۸۹۵ء) New York Tribune (۲۴/فروری ۱۸۹۳ء)

۴۔ New York Times (۸/اکتوبر ۱۸۹۳ء: ۱۴/جولائی ۱۸۹۴ء: یکم دسمبر ۱۸۹۵ء) The New York Tribune (۲۴، ۲۸/فروری ۱۸۹۳ء) "The Union List of Serials in Libraries of the United States and Canada" تیسرا ایڈیشن، ایڈنا بی ٹائمس، تدوین (نیویارک: ایچ ڈبلو ولسن اینڈ کمپنی، ۱۹۶۵ء) ایڈیٹر، ایڈنا براون ٹائمس: تیسرا ایڈیشن (نیویارک، ۱۹۶۵) اس میں یہ اندراج ہے کہ وب نے "The Moslem World" کی چھبیس سے زائد جلدیں شائع کیں جو ۱۸۹۳ء یا اس کے بعد شائع ہوئیں۔ وب نے ایک ہفت روزہ جاری کرنا چاہا لیکن وہ مشکل سے ایک ماہنامہ دسمبر ۱۸۹۵ء میں جاری کر سکا۔

۵۔ New York Times (۱۴/جولائی ۱۸۹۴ء: یکم دسمبر ۱۸۹۵ء)

۶۔ New York Times (یکم دسمبر ۱۸۹۵ء)

۷۔ New York Times (یکم دسمبر ۱۸۹۵ء: یکم اکتوبر ۱۹۰۱ء)

۸۔ Book of Conveyances بروکلین سٹی رجسٹر، بلاک ۲۷۸۱، لاٹ ۱۲، مسجد کے اہلکاروں کے ساتھ گفتگو۔

۹۔ مسجد کے کارکنوں کے ساتھ گفتگو

۱۰۔ مسجد کے کارکنوں کے ساتھ گفتگو

۱۱۔ "New York Panorama: A Companion to the WPA Guide to New York City" (نیویارک: پینتھین بکس، ۱۹۸۴ء؛ ۱۹۳۸ء کے ایڈیشن کی دوبارہ اشاعت) ص ۱۱۷ شیخ داؤد احمد فیصل، Islam the True Faith: The Religion of Humanity (نیویارک: از مصنف، فروری ۱۹۶۵ء) ص ۹۷: ۱۱۰۔ فیصل جو ۸/اکتوبر ۱۸۹۲ء کو پیدا ہوئے اور جن کے والد مراکش اور ماں جمیکا کی تھیں، نے دوبارہ بیان کیا کہ مشن کا سن تعمیر ۱۹۲۸ء ہے غالباً یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہی سال ہے جب وہ امریکا آئے تھے۔ اسلامک مشن آف امریکا کے امام محمد کباج کے ساتھ گفتگو Book of Conveyances۔ بروکلین سٹی رجسٹر، بلاک ۲۰۷۰، لاٹ ۱۹۔

۱۲۔ فیصل، Islam The True Faith ص ۱۷۔ امام کباج کے ساتھ گفتگو۔

۱۳۔ فیصل، Islam The True Faith ص ۹۶ ب، ۱۱۰؛ امام کباج کے ساتھ گفتگو

۱۴۔ فیصل، Islam the True Faith ص ۷۸، New York Times (۹؍جنوری ۱۹۵۶ء) امام کباج کے ساتھ گفتگو

۱۵۔ فیصل Islam the True Faith، ص ۷۸؛ New York Times (یکم ستمبر ۱۹۵۲ء) امام کباج کے ساتھ گفتگو۔ وفاقی حکومت نے بر بحری کشتی (Amtrak) ۱۹۷۳ء میں بنائی تھی۔

۱۶۔ فیصل Islam The True Faith ص ۱۵ Book of Conveyances بروکلین سٹی رجسٹر، بلاک ۱۸۶، لاٹ ۲۵۔

۱۷۔ New York Times (۲۵؍جون، یکم ستمبر ۱۹۵۲: ۲۴؍مئی، ۱۴؍نومبر ۱۹۵۵؛ ۹؍جنوری ۱۹۵۶ء، ۲۶؍اکتوبر ۱۹۵۷ء)

۱۸۔ نیویارک ٹیلی فون کمپنی، Manhattan Telephone Directory ۱۹۵۲-۵۳ء؛ New York Times (یکم ستمبر ۱۹۵۲ء)۔ مبہم طور پر اس کا حوالہ ایک ایسی ''مہم کے طور پر دیا گیا جسے (نیویارک میں ایک مسجد کی) تعمیر کے لیے شروع کیا جانا تھا''۔ New York Times (۲۴؍مئی ۱۹۵۵ء)

۱۹۔ New York Times (۱۴؍نومبر ۱۹۵۵ء)

۲۰۔ نیویارک کاؤنٹی، ہال آف ریکارڈز، کمرہ نمبر ۲۰۵، بلاک اور لاٹ بک۔ مرکز پر واحد واقعہ مبینہ طور پر پانچ افریقی امریکی مسلمانوں کی طرف سے قبضہ تھا، New York Times (۷،۸؍دسمبر ۱۹۶۶ء)۔

۲۱۔ رابرٹ اے ہل، تدوین: The Marcus Garvey and Universal Negro Improvement Association Papers (برکلے: یونیورسٹی آف کیلیفورنیا پریس، ۱۹۸۳ء) جلد ۵، ص ۶۸۱ نمبر ۴۔ یہ اطلاع مسجد میلکم شہباز کے اہلکاروں نے فراہم کی تھی۔ مسجد نمبر ۷ کو ۱۹۷۶ء میں یہ نام دیا گیا۔ New York Times (۲۶؍اکتوبر ۱۹۵۷ء)

۲۲۔ The Moslem World and the USA 2۔ نمبر ۵ تا ۶ (مئی، جون ۱۹۵۷ء)

۲۳۔ ایضاً۔ مثال کے طور پر نعیم نے بالائی ریاست اور مشرقی فشکل میں مثالی اسلامی دیہات کی سیاحت کے لیے، جسے سعودی عرب کی حکومت کی مدد سے امام فیصل نے ایک لاکھ پاؤنڈ میں خریدا تھا، بس کے سالانہ پھیرے کے متعلق اشتہار دیا۔ فیصل Islam the True Faith۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۴۔ ان میں ایلمہرسٹ مسلم سوسائٹی (۱۹۶۹ء) دی اسلامک سرکل آف نارتھ امریکا (اسے باضابطہ منظور تو ۱۹۷۱ء میں کیا گیا لیکن یہ ۱۹۶۸ء ہی سے کام شروع کر چکا تھا) دی البانین امریکن اسلامک سینٹر آف نیو یارک۔ نیوجرسی (۱۹۷۲ء) اور دی مسلم سینٹر آف نیو یارک (۱۹۷۵ء) شامل ہیں۔

۲۵۔ امام پراچا کے ساتھ مذاکرہ۔

۲۶۔ امام پراچا کے ساتھ بات چیت۔ ۲۹ر نومبر کو جمعہ کی نماز میں تقریباً چالیس افراد موجود تھے جن میں متعدد پاکستانی اور افریقی امریکی، چند عرب، ایک ملیشیائی، ایک انڈونیشیائی، اور چار اینگلو امریکیوں کے علاوہ دونوں افریقی امریکی لڑکے اور تین سال کی ایک بچی شامل تھی۔ یہ بچی اپنے والد کی عبادت کے دوران ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔ ان کے علاوہ چند معمر افراد اور تھے جو تقریباً آٹھ منٹ تک دعا مانگنے کے بعد اچانک تتر بتر ہو گئے۔ دس آدمیوں کا ایک اور حلقہ اگلے پانچ منٹ وہاں مزید بیٹھ کر مذہبی گفتگو میں مشغول رہا۔

۲۷۔ "Muslim Center of New York, Souvenir, Ground Breaking Ceremony and Fund Raising Dinner May 21, 1989" نجی طور پر شائع کی گئی۔

۲۸۔ ایضاً۔

۲۹۔ New York Times (۱۶راپریل ۱۹۹۱ء) جوناتھن تراب "The Road to Mecca"; New York Magazine (۲۴رجون ۱۹۹۱ء) ص ۴۰۔ Resalah: The Bulletin of the Islamic Cultural Center of New York 1 نمبر ۱ تا ۳۔

۳۰۔ New York Times (۱۷رفروری ۱۹۶۷ء؛ ۲رجنوری ۱۹۶۸ء؛ ۲۸راکتوبر ۱۹۸۴ء؛ ۲۹رمئی ۱۹۸۷ء؛ ۱۵رستمبر ۱۹۸۸ء؛ ۲۶رستمبر ۱۹۸۸ء، ۲۱راکتوبر ۱۹۸۸ء) تراب "The Road to Mecca" ص ۳۸ تا ۳۹۔

۳۱۔ مسجد کے اہلکاروں کے ساتھ گفتگو؛ Resalah 1 نمبر ۱ تا ۳۔

۳۲۔ تراب "The Road to Mecca"؛ صفحہ ۴۱؛ ظہیر الدین "Did '80s teach Us Anything? An Overview of Islam in North America," The Message International 13, نمبر ۸ (جنوری ۱۹۹۰ء)

۳۳۔ ایسوی ایشن کے ایک اہلکار کے ساتھ گفتگو، بروکلین میں 8th Avenue کے نمبر ۱۱۔۵۹ پر دوسری ترک مسجد، مسجد ایمان (The Faith Mosque) بھی شہر کی دوسری مسجدوں کی طرح جمعہ کی نماز میں دنیا کے تمام مسلمانوں کو کھینچ لیتی ہے۔

۳۴۔ New York Times (۲۸راپریل ۱۹۸۷ء) میں نے ۱۹۹۱ء کے موسم خزاں میں اس کا مشاہدہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمعہ کی نماز کے دوران میں اسلامک مشن آف امریکا میں ریورسائڈ ڈرائیو؛ نیویارک میں اسلامی ثقافتی مرکز کی مسجد اور مسجد الفلاح میں مسلمانوں کے عالمی دن کی پریڈ کے موقع پر کیا۔

۳۵۔ لوئی گاتسمین: Islam in America: A Background Report (نیویارک: امریکن جیوش کمیٹی، انسٹی ٹیوٹ آف ہیومن ریلیشنز، ۱۹۷۹ء)؛ ارل وا اور دیگر، The Muslim Community in North America (ایڈمنٹن، کینیڈا: یونیورسٹی آف البرٹا پریس، ۱۹۸۳) ص ۲۸۸؛ میگزائن فشر، The Indians of New York City: A Study of Immigrants From India (نیویارک: ہیری ٹیج پبلشرز، ۱۹۸۰ء) ۱۴۸ تا ۱۴۹۔

۳۶۔ تخمینہ الخوئی فاؤنڈیشن نے فراہم کیا ہے۔

۳۷۔ New York Times (۱۳ر نومبر ۱۹۷۲ء) امام ہوکسا کے ساتھ گفتگو

۳۸۔ مسجد کے ایک اہلکار کے ساتھ گفتگو

۳۹۔ برائٹن بیچ کے اسلامی مرکز اور اسلامک سوسائٹی آف مین ہٹن نے پمفلٹ تقسیم کیے۔

۴۰۔ آئی سی این اے (اسلامک سرکل آف نارتھ امریکا) کا پمفلٹ "An Introduction to ICNA" نومبر ۱۹۹۱ء؛ ظہیرالدین، "Did '80s Teach Us Anything?"

۴۱۔ New York Times (۱۹ر مئی ۱۹۸۵ء؛ ۱۴ر جولائی ۱۹۸۹ء؛ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۵۷ء)

۴۲۔ خدیجہ عبدالمطیع کے ساتھ گفتگو۔ PIEDAD کا لٹریچر

۴۳۔ ایضاً

۴۴۔ ظہیرالدین "Did '80s Teach Us Anything?"

۴۵۔ New York Times (۲۵ر نومبر ۱۹۷۷ء)

۴۶۔ الخوئی فاؤنڈیشن کا الایمان ابتدائی اسکول کے لیے کتابچہ؛ گروہ نے سب سے پہلے ۱۹۷۸ء میں نیویارک شہر کی شاخ کھولی۔

۴۷۔ سسٹر کلارا محمد اسکول کی ایک کارکن کے ساتھ گفتگو جس کا دعویٰ تھا کہ تین آبادکار مسلم طلباء ہارلم اسکول میں پڑھتے تھے اور کوئنز اسکول میں اس سے زیادہ طلباء کا اندراج ہوا تھا۔ پرنسپل عبدالبصیر کے ساتھ گفتگو۔

۴۸۔ New York Times (۲۲ تا ۲۳ر نومبر ۱۹۷۹ء) امام پراچا کے ساتھ گفتگو؛ پولیس ڈپارٹمنٹ آف نیویارک سٹی، بائس انسیڈنٹ انوسٹی گیشن یونٹ۔

۴۹۔ New York Times (۷ر جولائی ۱۹۹۱ء) پولیس ڈپارٹمنٹ کے بائس انسیڈنٹ انوسٹی گیشن یونٹ کے ساتھ گفتگو۔

۵۰۔ ایلینر لرمین، "Home Free" New York Daily News Magazine (۲۴ر جولائی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

West Orange -"Afghan Refugees Are Supported":(۱۹۸۸ء
"Holy Name Treats Refugee" (۱۴رجنوری ۱۹۸۸ء) (نیوجرسی)Chronicle
"Bronxville Hospital Treats (۸رنومبر ۱۹۸۹ء) *Teaneck Suburbanite*-
Gannett Westchester Newspapers-Afghan Freedom Fighter"
"Afghans in the City, Deeply Bitter over Summit, (۱۲ردسمبر ۱۹۸۶ء)،
(یکم جنوری ۱۹۸۸ء) *New York City Tribune*:Try to Help Homeland"
New York :"U.S. Afghans Suspicious of Soviet Pullout"
Newsday (۱۶رمئی ۱۹۸۸ء) نیوجرسی کے گورنر تھامس کین نے ۲۲رمارچ ۱۹۸۸ء کو ''یوم افغان مہاجرین'' قرار دیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۰

شکاگو میں آباد کار مسلمانوں کی سرگرمیاں

اسد حسین اور ہیرالڈ ووگے لار

شکاگو شمالی امریکا کے اہم ترین عوامی خدمات، ابلاغیات اور اعلیٰ ٹیکنالوجی کے مراکز میں شامل ہے۔ یہ مڈویسٹ (وسط مغرب) کا سب سے بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی ساٹھ لاکھ افراد پر مشتمل ہے،اور ایک تخمینے کے مطابق اس میں تین لاکھ مسلمان ہیں۔ تاہم شکاگو میں مسلمانوں کے اعداد وشمار کے بارے میں کوئی تفصیلی کام نہیں ہوا ہے،مسلمانوں کی آبادی اِس مقالے کا مقصد یا موضوع بھی نہیں ہے۔ زیرنظر مطالعے کا انحصار (۱) زبانی روایت؛ (۲) مسلمانوں کے ابتدائی اخبارات؛ (۳) یونیورسٹی آف شکاگو کے شعبہ بشریات و عمرانیات کے لیے لکھے جانے والے غیر مطبوعہ مقالوں؛ (۴) اسد اور آصفہ حسین کے ایک غیر مطبوعہ مونوگراف (تحقیقی مقالے) اور (۵) شکاگو میں مختلف مسلم تنظیموں کے خبر ناموں اور مطبوعہ مواد پر ہے۔

تارکین وطن کی آمد کے سلسلے

پہلا سلسلہ، ۱۸۸۵ء تا ۱۸۹۳ء

مسلمانوں کا پہلا گروہ انیسویں صدی کے اواخر میں شکاگو آیا لیکن یہ لوگ نہ تو بڑی تعداد میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آ ئے تھے[۲] اور نہ ان کا یہاں مستقل آباد ہونے کا ارادہ تھا۔ ڈاکٹر عبدالجلیل الطاہر کے بیان کے مطابق وہ لوگ یہاں اس لیے آئے تھے ''کہ ان کا وطن عیسائی شامیوں اور مسلم فلسطینیوں کے درمیان ۱۸۶۰ء کی خانہ جنگی تک جاگیردارانہ نظام کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا۔ کسان بڑی تیزی کے ساتھ زمین پر اپنی ملکیت کھوتے جا رہے تھے اور غلام بنتے جا رہے تھے۔ عیسائی شامی اور مسلم فلسطینی کہیں اور پناہ ڈھونڈھنے پر مجبور ہو گئے۔''[۳]

ان نئے آنے والے مسلمانوں کا شکاگو میں مستقل بنیاد پر آباد ہونے کا کبھی ارادہ نہیں تھا۔ ان کا مقصد کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھا کرنا اور پھر اپنے ملک واپس جا کر آرام اور خاموشی کے ساتھ رہنا تھا۔ وہ شکاگو میں غیر ملکیوں کی طرح رہنا چاہتے تھے اور امریکی ثقافت اور معاشرے میں مدغم ہو جانے کی انھیں کوئی خواہش نہ تھی۔ انھوں نے اپنے آپ کو علیحٰدہ کر رکھا تھا اور وہ شہر کے جنوبی حصے میں افریقی امریکی آبادی کی سرحد پر ایک الگ تھلگ علاقے میں رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔[۴] یہاں وہ آرام کے ساتھ رہنے لگے اور رفتہ رفتہ انھوں نے اپنے پڑوسیوں سے بھی تعلقات بڑھا لیے۔ اگر چہ وہ اسلام اور اسلامی عبادات و مراسم سے واقف تھے لیکن انھوں نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ وہ اپنے عقیدے پر قائم رہے اور جماعت کی شکل میں نہیں بلکہ تنہا اپنی نمازیں ادا کرتے رہے۔

انیسویں صدی کے اواخر میں شکاگو آنے والے اکثر مسلمان کسان، مزدور اور پھیری والے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگ گلیوں میں سامان بیچتے تھے یا چھوٹی چھوٹی دکانیں چلاتے تھے۔ ان کی رسمی تعلیم بہت معمولی تھی اور اسلام کے بارے میں ان کا علم انتہائی محدود تھا۔ چونکہ ان کا ارادہ واپس جانے کا تھا لہٰذا ان میں سے بہت سے لوگ اپنے افراد خاندان کو نہیں لائے تھے۔ جو یہاں رک گئے انھوں نے اپنی ہی برادری میں شادی کرنے کو ترجیح دی۔ چند ایک نے ہسپانوی، میکسکن اور یہودیوں کی برادریوں میں بھی شادیاں کر لیں۔[۵] چونکہ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے بچے عیسائی ہو جائیں لہٰذا انھوں نے مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے لیے اپنے بچوں کو اپنے ملک بھیج دیا۔ بہت سے بچے جو یہاں رہ گئے وہ بڑے ہونے کے بعد یہیں کے معاشرے میں واقعی گھل مل گئے لیکن چند ایک کے علاوہ ان میں سے کوئی عیسائی نہیں ہوا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شکاگو آنے والے ان ابتدائی تارکین وطن نے اس شہر کی تاریخ پر اپنا کوئی قابل ذکر نشان نہیں چھوڑا۔ اسلامی طور طریقوں پر ان کا عمل برائے نام تھا اور اُنھوں نے اس علاقے میں اسلامی نظریات کو پھیلانے کے سلسلے میں حقیقتاً کچھ نہ کیا۔ مقامی آبادی میں گھل مل جانے کی بھی انھوں نے بہت معمولی کوشش کی۔ اِن اولین آبادکار خاندانوں میں سے چند ایک اب بھی باقی ہیں اور وہ شکاگو کے کسی نہ کسی اسلامی گروہ سے مل گئے ہیں، لیکن ان کی اکثریت امریکی معاشرے میں مدغم ہو گئی۔[۶]

اس ابتدائی عہد کے مسلمانوں نے چند ایک سماجی کلبوں کی تنظیم کی مثلاً سوسائٹی جسے ۱۹۲۴ء میں عرب کلب کا نام دیا گیا۔ ان کلبوں کا مقصد اپنے بچوں کو عربی زبان پڑھانا اور نوعمروں کو اپنے ثقافتی ورثے سے باخبر رکھنے کے لیے انھیں اسلامی اقدار سکھانا تھا۔ ان میں سے بعض کی خواہش تھی کہ وہ فلسطین پر پوری توجہ دیں لہٰذا انھوں نے ایک دوسرا کلب قائم کیا جس کا نام امریکن عرب ایڈ سوسائٹی تھا جس کا مقصد فلسطینی مہاجرین کو مالی امداد فراہم کرنا تھا۔ یوگوسلاویہ (بوسنیا) کی مسلم برادری کے امام کامل ایدوش کے بیان کے مطابق ان کے ملک کے لوگوں نے ۱۹۰۶ء میں شکاگو میں خیرات الامه کے نام سے پہلی مذہبی تنظیم قائم کی۔[۷]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام کلبوں اور سوسائٹیوں کا مقصد مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے لیے کوئی ایسی باوقار جگہ تلاش کرنا تھا جو بعد میں ان کی عبادت کے لیے مسجد بن جائے۔ بہرحال بچوں کے لیے باضابطہ مذہبی تعلیم کا معیار بہت معمولی رہا اور کوئی مسجد تعمیر نہ ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ بچے جب بڑے ہوئے تو اپنے عقائد کے بارے میں وہ تقریباً لاعلم تھے۔ جیسا کہ موجودہ اسلامک فاؤنڈیشن اسکول کے بروشر میں لکھا ہے ''جو مسلمان یہاں اس [بیسویں] صدی کی پہلی چوتھائی میں آئے ان کے بچے تقریباً صد فیصد (یہاں کے معاشرے میں) گم ہو گئے''۔[۸] تاہم ان میں سے بعض جب وہ امریکی ثقافت اور معاشرے میں مدغم ہو رہے تھے، مذہب نے ان کے تشخص کو کسی نہ کسی حد تک برقرار رکھا۔[۹]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہجرت کی دوسری لہر ۱۹۱۷ء تا ۱۹۴۵ء

اس صدی کے شروع ہوتے ہوئے یورپ کی سیاسی فضا بہت مکدر ہوتی جارہی تھی۔ سلطنت عثمانیہ کی ابتری سے عربوں کی ایسی حوصلہ افزائی ہوئی کہ انھوں نے قومیوں کے نظریئے کی آبیاری شروع کر دی اور اسی قومیت نے بالآخر اسلامی اخوت کو بکھیر کر رکھ دیا۔ بیسویں صدی کے شروع میں عثمانی سلطنت نہ تو صحیح اصطلاحی مفہوم میں کوئی اسلامی ریاست تھی اور نہ بحیثیت قوم کے یہ عرب یا ترک تھی۔ حکمراں ترک طبقہء اشرافیہ کا سلوک اقلیتوں کے ساتھ بہت سخت ہو گیا تھا۔ اپنے غیر ترک مسلمان بھائیوں کے ساتھ بھی ان کا سلوک بہتر نہیں تھا۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد عثمانی سلطنت کی شکست و ریخت کے نتیجے میں متعدد ریاستیں وجود میں آ گئیں اور بعض عربی بولنے والے ترکی پاسپورٹوں پر امریکا منتقل ہو گئے[۱]۔ ان کی اکثریت، شکاگو سمیت، عظیم میدانی علاقے میں آباد ہو گئی۔ روس میں کمیونسٹ حکومت کے ظہور کے بعد بعض مسلمان وسطی ایشیا سے بھی امریکا آ گئے۔

ترک وطن کی تیسری لہر ۱۹۴۵ء تا ۱۹۶۵ء

دوسری عالمی جنگ کے خاتمے سے دنیا میں دو بڑی تبدیلیاں آئیں: متعدد ملکی سرحدوں کا دوبارہ تعین اور آمدورفت میں انقلاب۔ تشخص کی قدیم شکلوں میں تبدیلی سے پیدا ہونے والے کھچاؤ کے ساتھ ساتھ سفری سہولتوں نے ترک وطن کی ایک نئی لہر برپا کر دی۔ پہلی آمد ان لوگوں کی تھی جنھوں نے مشرقی یورپی ممالک اور سوویت یونین میں تشدد اور اذیت کا سامنا کیا تھا۔ ان کے بعد برِعظیم ہند کے لوگ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی تقسیم اور ۱۹۴۸ء میں ریاست حیدرآباد (دکن) میں ہندوستان کے ''پولیس ایکشن'' کے بعد امریکا آئے۔ ۱۹۴۷ء میں فلسطین میں اسرائیلی ریاست کے قیام کے نتیجے میں جو سیاسی عدم استحکام، نظریاتی افراتفری اور مشرق وسطیٰ میں اندرونی تصادم پیدا ہوا وہ بھی عالم عرب سے ہزاروں مسلمانوں کے امریکا آنے کا بڑا سبب بنا۔ اس کے بعد پاکستان سے بنگلہ دیش کی علیحدگی اور لبنان میں خانہ جنگی نے بہت سے مسلمانوں کو امریکا میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ حال میں سوویت یونین کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی وجہ سے بہت سے مسلمان امریکا آ گئے ہیں بلقان کی ریاستوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں موجودہ لڑائیوں کے نتیجے میں اور بہت سے مسلمان بوسنیا اور ہرزگووینا سے شکاگو کے علاقے میں اپنے ان خاندانوں کے ساتھ رہنے کے لیے آ جائیں گے جو بیسویں صدی کے نصف اول میں یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے۔

طلبہ کی آمد

دوسری عالمی جنگ کے بعد بڑی تعداد میں طلبہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے امریکا آئے جن میں سے بہت سے لوگ بالآخر یہیں آباد ہو گئے۔ مسلم دنیا کے بہت سے حصوں سے طالبِ علم الی نوائے اور شکاگو آئے۔ یکم جنوری ۱۹۶۳ء کو ان کے ایک گروہ نے اربانا میں یونیورسٹی آف الی نوائے میں ایک اجلاس منعقد کیا تاکہ وہ شمالی امریکا میں تمام مسلمان طلبہ کی پہلی مرکزی تنظیم مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن آف دی یو ایس اے اینڈ کینیڈا (ایم ایس اے) کے نام سے باضابطہ طور سے قائم کریں۔ آخر کار یہ تنظیم اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکا (آئی ایس این اے) اور دوسری مسلم پیشہ ورانہ تنظیموں کے وجود میں لانے کا باعث بنی۔ ان تنظیموں کی شاخیں شکاگو میں بھی ہیں۔ ان مسلم طلبہ کی تنظیمیں شکاگو کی تقریباً تمام یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ہیں۔

چوتھی لہر؛ ۱۹۶۵ء..... جاری

صدر لنڈن جانسن کے دستخط سے جاری ہونے والے ترک وطن کے قانون مجریہ ۱۹۶۵ء نے تارکین وطن کے خاندانوں کو امریکا آنے کی اجازت دے دی۔ بہت سے مسلمانوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے اعزا کو بلالیا۔ اس کے نتیجے میں اب عظیم تر شکاگو کی مسلم برادری میں کم از کم حسب ذیل ملکوں کے افراد شامل ہیں: ہندوستان، پاکستان، یوگوسلاویہ، شام، اردن، لبنان، فلسطین، مصر، جزیرہ نمائے عرب کے تمام ممالک، تیونس، لیبیا، الجزائر، مراکش، ایران، ملائشیا، انڈونیشیا، چین، ترکی، سابق سوویت یونین، بلقان کا علاقہ، البانیہ اور کمبوڈیا۔

شکاگو میں سنی اور شیعہ اسلامی فقہ کے پانچوں مکاتب کی بھرپور نمائندگی موجود ہے تاہم ان مکاتب کے اختلافات کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ نوجوان نسل میں ایک رجحان یہ پایا جاتا ہے کہ مختلف مکاتب فکر کی پیروی کرنے کے بجائے براہ راست قرآن و حدیث سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی تعلیمات اخذ کرنے پر زور دیا جائے۔ جو لوگ امریکا میں پیدا ہوئے ہیں ان کی بھرپور خواہش یہ ہے کہ انھیں امریکی مسلمان کہا جائے اور ان کے آبائی ملکوں سے ان کا تعلق نہ جوڑا جائے۔ یہ رجحان تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے اور آخر کار اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صرف ایک مسلم جماعت ابھر کر سامنے آجائے گی جسے امریکی مسلم کہا جائے گا۔ اِن مسلمانوں کی بنیادی زبان انگریزی ہوگی اور قرآن پڑھنے اور عبادات کرنے کے لیے ثانوی زبان کے طور پر عربی کا مطالعہ کیا جائے گا۔

مسلم تنظیموں کی ترقی

مسلم برادری اپنی بنیادی قوت اپنی رکنیت سے حاصل کرتی ہے جس کی تشکیل مختلف ملکوں کے مسلمانوں سے ہوتی ہے جو متعدد زبانیں بولتے ہیں۔ ان کے اہم مقاصد یہ ہیں کہ وہ مسلمان اور غیر مسلم دونوں ہی کو اسلام کی دعوت دیں؛ ہر عمر کے مسلمانوں میں اسلامی کردار اور اخلاق کو فروغ دیں؛ مذہبی، ثقافتی، سماجی، تعلیمی اور فلاحی ضروریات کی تکمیل میں مسلمانوں کی معاونت کریں اور یکساں مقاصد کی پیروی کرنے والے مسلمانوں کے مختلف گروہوں اور تنظیموں کے درمیان تعاون کو فروغ دیں۔ عظیم تر شکاگو (Greater Chicago) کی مسلم آبادی کو حسب ذیل زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔"

۱۔ خاندان: شادی شدہ ۴۶ر فیصد، غیر شادی شدہ ۱۸ر فیصد، بچے ۳۴ر فیصد، انکشاف نہیں کیا ۲ر فیصد، اوسط خاندان کے افراد تین۔

۲۔ پیشہ: طبّی ڈاکٹر ۸ر فیصد، انجینئر ۱۷ر فیصد، دوسرے پیشہ ور ۲۰ر فیصد، ہنرمند اور غیر ہنرمند مزدور ۶ر فیصد، طلباء ۳۵ فیصد، انکشاف نہیں کیا ۱۴ فیصد۔

۳۔ جغرافیائی نمائندگی: ایشیا اور افریقہ ۸۲ر فیصد، امریکا ۳ر فیصد، یورپ اور دیگر ۳ر فیصد، انکشاف نہیں کیا ۱۲ر فیصد۔

۴۔ خاص شکاگو کے درمیان تقسیم: شمالی شکاگو ۵۹ر فیصد، جنوبی شکاگو ۱۳ر فیصد، مغربی مضافات ۱۸ر فیصد، شمالی مضافات ۶ر فیصد، جنوبی مضافات ۴ فیصد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عظیم تر شکاگو کے علاقے میں چالیس سے زیادہ اسلامی مراکز مختلف علاقوں میں مسلم آبادی کی خدمت کر رہے ہیں۔ یہ مراکز متعلقہ علاقوں کے مسلمانوں کی نسلی تشکیل کے مطابق اُن کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔ بعض مراکز زیادہ تر ان مسلمانوں کی خدمت کرتے ہیں جو برِعظیم پاک و ہند سے آئے ہیں، دوسرے مراکز کی رکنیت بنیادی طور پر عرب ممالک کے آبادکاروں پر مشتمل ہے، ایک اور مرکز مشرقی یورپی بوسنیائی برادری کی نمائندگی کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ہر مرکز میں دوسری قومیتوں کی نمائندگی بھی ہوتی ہے۔ جو عرب انیسویں صدی کے آخر میں آئے وہ عموماً شکاگو کے جنوبی حصے میں رہ گئے جب کہ دوسری عالمی جنگ کے بعد آنے والے عرب شکاگو کے شمالی حصے اور اس کے مضافات میں آباد ہو گئے۔ اسی طرح یوگوسلاویہ کی بوسنیائی برادری شہر کے درمیانی شمالی علاقے میں رہنے لگی اور ان میں سے بہت سے شمالی مضافات مثلاً نارتھ بروک کو منتقل ہو گئے۔ پاک و ہند کی مسلم برادری جو دوسری عالمی جنگ کے بعد امریکا آئی وہ شکاگو کے شمالی حصے میں آباد ہوئی اور بعد میں شمال اور مغرب کے مضافاتی علاقوں میں منتقل ہو گئی۔

شکاگو کے تمام اسلامی مرکز جن کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے وہ غیر منافع یاب تنظیموں کے طور پر رجسٹرڈ ہیں اور ان کا انتظام خود ان کے متولی (ٹرسٹی) یا بورڈ آف ڈائریکٹرز کرتے ہیں جس کا انتخاب ارکان کرتے ہیں۔ ان مرکزوں کے اخراجات مرکز کے رکن مسلمانوں کے چندوں سے پورے کیے جاتے ہیں جنھیں فنڈ حاصل کرنے والے ڈنر، بازار، بیکری کی فروخت اور ذاتی عطیات کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے مراکز نے امریکا سے باہر کی بین الاقوامی اسلامی تنظیموں اور سعودی عرب اور خلیج کی ریاستوں سے بھی امداد حاصل کی ہے۔

تنظیمی ڈھانچا:

شکاگو کے علاقے میں پانچ بڑے اسلامی مراکز خاص شہر کے پانچ مختلف حصوں میں قائم ہیں۔ مسلمان جوں جوں ایک معقول تعداد میں اس علاقے میں آتے گئے ان کے درمیان چھوٹے چھوٹے مراکز بھی قائم ہوتے گئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھوٹے مراکز کی اکثریت نے بھی تنظیم اور سرگرمیوں کے اصولوں کے معاملے میں کسی نہ کسی طور بڑے اور قدیم مراکز ہی کی پیروی کی ہے۔ منصوبہ سازی، بجٹ، آئین، انسانی وسائل، سرمایہ کاری، کتابوں اور لٹریچر کی فراہمی اور اشاعت، معاشرتی خدمات، امداد باہمی کے فنڈ، معاشرتی ترقی، آبادکاری اور بہبود، مقررین کے شعبے، تبلیغ، تعلیم بالغاں، لائبریری، خواتین اور نوجوانوں کے گروپ، جمعہ کی نماز، مذہبی معاملات، خاص واقعات، چندوں کی تحصیل، رکنیت سازی، اشاعت، عوامی تعلقات، ذرائع ابلاغ سے تعلقات، اتوار کے اسکول اور ہمہ وقتی اسکولوں وغیرہ کے سمیت ان مراکز کی بڑی بڑی سرگرمیوں اور خدمات کو کمیٹیاں چلاتی ہیں۔

تمام تنظیموں کی ساخت اس طرح ہوتی ہے کہ ان کی ایک مجلسِ عام (جنرل باڈی)، مجلسِ متولیاں (بورڈ آف ٹرسٹیز)، مجلسِ نظما (بورڈ آف ڈائریکٹرز) اور مجلس عاملہ ہوتی ہے۔ ایک مرکز کے علاوہ ان سب کی بنیاد رکنیت سازی پر ہوتی ہے اور جو ارکان اپنے واجبات ادا کرتے ہیں تنظیم میں ان کے حقوق وفرائض ہوتے ہیں۔ یہ تنظیمیں اپنی مجلسِ عامہ کے منظور شدہ تحریری آئین کی پیروی کرتی ہیں۔ دو مراکز کے علاوہ کسی مرکز میں ایسا امام نہیں ہے جو مرکز کا ملازم ہو اور مذہبی سرگرمیوں کے لیے ذمہ دار ہو۔ ہر مرکز کی حکمت عملی یہ ہے کہ وہ اس ملک میں اسلامی مفاد کو فروغ دے اور امریکا کے سیاسی، سماجی اور ثقافتی ماحول کے ڈھانچے کے اندر اپنی نئی نسل کی اس معاملے میں مدد کرے کہ وہ اپنے اسلامی ورثے اور ثقافتی اور لسانی پس منظر کو سمجھ لیں۔

تقریباً تمام تنظیموں کی جنرل باڈیز اپنے اپنے بورڈ آف ڈائریکٹرز، بورڈ آف ٹرسٹیز یا ایگزیکٹو کمیٹی کا انتخاب کرتی ہیں۔ کمیٹی کے سربراہوں کا تقرر ایگزیکٹو کمیٹی کا صدر کرتا ہے۔ اور پھر وہ اسی طرح اپنی اپنی کمیٹی کے ممبران کو چنتے ہیں۔ ناگزیر اندرونی سیاست کی وجہ سے پیدا ہونے والے اختلافات تنظیم کی مجموعی کارکردگی پر عموماً اثر انداز نہیں ہوتے۔ کبھی کبھار جب یہ تصادم شخصیات کے اختلاف کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو محرومی اور غصہ کے احساسات نمودار ہو جاتے ہیں لیکن بہت کم ایسا ہوا ہے کہ ان احساسات نے تنظیم کے مقاصد یا کارکردگی کو متاثر کیا ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلم تنظیمیں

مسلم کمیونٹی سینٹر (ایم سی سی) شکاگو

دی مسلم کمیونٹی سینٹر قدیم ترین اور سب سے بڑے اسلامی مرکزوں میں سے ایک ہے جو شکاگو میں ۱۹۶۹ء میں قائم ہوا تھا۔ ابتدائی مرحلے میں جو بھی جگہ مل جاتی، وہیں سے اِس مرکز کی سرگرمیاں چلائی جاتیں۔ بعض کالجوں اور یونیورسٹیوں مثلاً یونیورسٹی آف شکاگو اور الی نوائے انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ وہ اپنی سرگرمیوں کے لیے اُن کی سہولیات سے فائدہ اٹھالیں۔ اس رعایت سے ان مراکز کو طلبہ کی برادری میں قبولیت حاصل ہوگئی۔

ایم سی سی کو سابق ایم ایس اے ممبروں اور نئے آنے والے تارکین وطن نے قائم کیا تھا جن کی بڑی تعداد برِعظیم پاک و ہند سے آئی تھی اور خاصی معقول تعداد کا تعلق دوسرے نسلی گروہوں سے بھی تھا۔ ایم سی سی کی پہلی عمارت (۱۶۵۱، نارتھ کیزی) ستمبر ۱۹۷۲ء میں خریدی گئی تھی[۱۲] جس کے بعد ایم سی سی کی کارگزاریاں تیزی کے ساتھ بڑھ گئیں۔ بچوں کے لیے ایک اتوار اسکول قائم کیا گیا اور نماز جمعہ اور رمضان کے مہینے میں تراویح کی نمازیں پابندی کے ساتھ ادا کی جانے لگیں، رکنیت میں اضافہ ہوتا گیا اور کمیونٹی کے خبرنامے دی میسج (The Message) نے اِس سلسلے میں اہم کردار انجام دیا۔

کئی سال کی سرگرمیوں کے بعد، مضافاتی بستیوں سے آنے والے چند ممبران میں خواہش یہ ہوئی کہ جہاں وہ رہتے ہیں اس کے قریب ہی ایک مرکز قائم کیا جائے۔ اس کے نتیجے میں ان لوگوں کے ساتھ بحث مباحثہ ہونے لگا جو سمجھتے تھے کہ کسی مختلف تنظیمی ڈھانچے یا مرکز کی ضرورت نہیں ہے۔ آخر کار مضافاتی باشندوں نے بڑے پرامن طریقے سے اپنی پسند کے تنظیمی ڈھانچے کے مطابق نیا مرکز قائم کرلیا۔ بہرحال ایم سی سی نے اپنا جمہوری طریقۂ عمل جاری رکھا اور وہ ترقی کی راہ پر گامزن رہا۔ چھ سال سے بھی کم مدت میں عمارت کمیونٹی کی ضروریات کے لیے چھوٹی پڑگئی۔ ۱۹۸۲ء میں نمبر ۴۳۸۰، نارتھ ایلسٹن ایونیو پر ایک زیادہ بڑی عمارت خریدی گئی جو ان دنوں اپنی مختلف النوع سرگرمیوں کے ذریعہ مسلم برادری کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خدمت کر رہی ہے۔ موجودہ صدر سید نجی اللہ کے مطابق ایم سی سی کے ممبروں کی تعداد اب ایک ہزار ہے۔ سارا کام چندوں، ممبروں کے واجبات اور فنڈ اکٹھا کرنے کے لیے خصوصی ڈنر کی آمدنیوں سے ہوتا ہے۔

۱۹۸۹ء میں ایم سی سی نے تعلیم اور نوجوانوں کے لیے مرکز کے طور پر استعمال کے لیے مارٹن گروو کے مضافات میں ایک اسکول کی عمارت خریدی۔ اگرچہ مسلمانوں کی ایک مقامی تنظیم نے اس خریداری پر اعتراضات کیے تھے لیکن مارٹن گروو کے لوگوں نے مقامی استصواب رائے میں بھاری اکثریت سے خریداری کی منظوری دے دی۔ تعلیمی بورڈ کے ایک ممبر پروفیسر عبدالماجد کے بیان کے مطابق ۱۹۹۱ء کے موسم خزاں میں ایک ہمہ وقتی اسکول قائم کیا گیا جو کنڈرگارٹن، فرسٹ اور سیکنڈ گریڈ سے شروع ہوا تھا۔ اب اس اسکول میں پانچویں گریڈ تک طلبہ کی تعداد ایک سو پچیس ہوگئی ہے اور چالیس بچے پری اسکول (قبل از اسکول) میں ہیں۔ اسکول کا اپنا بورڈ آف گورنرز اور ترقی نصاب کا میسّر ہے۔ اس اسکول کے اخراجات ٹیوشن فیس اور چندوں کے علاوہ ایم سی سی کی جانب سے ایک لاکھ ڈالر سالانہ کی زراعانت سے پورے کیئے جاتے ہیں۔ یہ اسکول الی نوائے بورڈ آف ایجوکیشن کے قوانین وضوابط کے تحت کام کرتا ہے۔ تمام اساتذہ سرکاری طور پر سند یافتہ ہوتے ہیں۔

ایم سی سی نے نوجوانوں کو بورڈ آف ڈائریکٹرز میں دو نشستیں دی ہیں۔ اِس کے علاوہ انھیں سرگرمیوں اور بچوں کے لیے ایک کمرہ دیا، یہ کھیلوں کی سرگرمیوں اور ہر سال پورے ایک ہفتہ کے لیے کیمپ کا انتظام بھی کرتا ہے۔ ایم سی سی کی خواتین مجلسِ نظما کی سرگرمیوں میں بڑا فعال کردار ادا کرتی ہیں، اختتام ہفتہ کے اسکولوں میں پڑھاتی ہیں اور مرکز کی دوسری سرگرمیوں میں حصہ لیتی ہیں۔ اختتام ہفتہ کے اسکول جو چار شفٹوں میں تقسیم کر دیئے گئے ہیں، آٹھ سو سے زیادہ نوجوانوں کو تعلیم دیتے ہیں۔ شام کے ایک اسکول میں جسے دارالعلوم کہتے ہیں، ہفتے میں چار دن پڑھائی ہوتی ہے۔ تقریباً ساٹھ نوجوانوں کو قرآن پڑھانے کے علاوہ حفظِ قرآن اور بنیادی اسلامی تعلیم دی جاتی ہے۔

گردوپیش کے علاقوں میں مسلمانوں کی سرگرمیوں اور تعداد، دونوں میں اضافے کی وجہ سے ایک بڑی عمارت کی ضرورت ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامک فاؤنڈیشن

۱۹۶۰ء کے عشرہ کے اواخر میں بہتر اسکول اور امن و امان کی خاطر مسلمانوں نے شکاگو کے مغربی مضافات کی جانب منتقل ہونا شروع کیا؛ ۱۹۷۰ء کے عشرے کے وسط تک ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ ۱۹۷۴ء میں ایک گروہ نے اسلامک فاؤنڈیشن کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔ اس کے بانی متولیوں (ٹرسٹی) کا ایم سی سی کے تنظیمی ڈھانچے سے اصولی اختلاف تھا اور ایم سی سی کے ایک بانی عبدالحمید ڈوگر کے بیان کے مطابق اسلامک فاؤنڈیشن نے ایک بالکل مختلف تنظیمی تصور کو ترقی دی جس میں نہ کوئی رکنیت تھی نہ بقایا جات اور نہ انتخابات کا کوئی تصور تھا۔ اسلامک فاؤنڈیشن کا ڈھانچہ اکیس بانی متولیوں پر قائم ہے جنہیں تاحیات ٹرسٹی قرار دیا گیا۔ ان میں سے کچھ ریٹائر ہو گئے ہیں اور انکی خالی جگہوں پر دوسرے لوگوں کو نامزد کر دیا گیا ہے۔

۱۹۷۶ء میں اسلامک فاؤنڈیشن نے آٹھ ایکٹر زمین خریدی جس پر ان کا ارادہ اپنا مرکز تعمیر کرنے کا تھا۔ قبل اس کے کہ تعمیر کا کام شروع ہوتا ولا پارک میں ایک اسکول فروخت ہونے لگا جسے فاؤنڈیشن نے ۱۹۸۳ء میں خرید لیا۔ یہ عمارت اب اسلامک فاؤنڈیشن کا صدر دفتر اور پہلا ہمہ وقتی اسلامی اسکول ہے جسے ۱۹۸۷ء میں قائم کیا گیا۔

ہمہ وقتی اسکول کنڈر گارٹن اور فرسٹ گریڈ سے شروع ہوا۔ اسکول کے پرنسپل انعام الحق نے کہا کہ ان لوگوں کا منصوبہ ہر سال ایک گریڈ بڑھانے کا ہے۔ فی الحال اسکول میں ایک سو ساٹھ طلبہ اور بارہ کل وقتی اور جزوقتی سند یافتہ اساتذہ ہیں جن میں مسلم بھی ہیں اور غیر مسلم بھی۔ اس اسکول کے طلبہ تقریباً پندرہ میل کے دائرے سے آتے ہیں اور دینی اور دنیوی دونوں قسم کے مضامین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ مخلوط تعلیمی ادارے میں گاہے بگاہے عربی اصطلاحات یا جنوبی ایشیائی زبان کو ترجیح دینے اور لڑکیوں کے سر ڈھانپنے کے صحیح طریقے جیسے معمولی اختلافات سامنے آتے ہیں۔ پرنسپل حق [صاحب] کے مطابق عرب چاہتے ہیں لڑکیاں حجاب استعمال کریں جب کہ پاک و ہند کے لوگ دوپٹہ پسند کرتے ہیں۔ [۱۳]

مرکز کی ایک اور اہم اور نئی سرگرمی نوجوانوں میں بے حد دلچسپی کا باعث بنتی جا رہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ مرکز کے تعلیمی فلسفے اور امریکا کے ثقافتی اور سماجی مسائل کے بارے میں والدین اور ان کے امریکا میں پیدا ہونے والے بچوں کے درمیان مکالمہ اور تبادلۂ خیال ہے۔

مسجد فاؤنڈیشن، برج ویو

موسک فاؤنڈیشن کو عشرہ ۱۹۷۰ء کی ابتدا میں زیادہ تر عرب آباد کاروں، دوسری اور تیسری نسل والوں اور دوسری عالمی جنگ کے بعد آنے والوں نے قائم کیا۔ فاونڈیشن ایک عشرے سے زیادہ مدت تک کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کرایہ کی جگہوں پر اور کبھی کبھار اپنے کسی ممبر کے گھر کے تہہ خانے میں بھی، مجلس منعقد کر کے کام کرتی رہی تھی۔ اس عرب آبادی کی اکثریت، مضافات سمیت، شکاگو کے جنوبی مغربی حصے میں رہتی تھی۔ متعدد افراد نے اس علاقے میں اپنے تجارتی ادارے اور اسٹور قائم کر لیے اور مکان بنا لیے۔ ترقی کی اِس مدت میں فاؤنڈیشن نشیب وفراز سے گزرتی رہی۔ آخر کار ۱۹۸۳ء میں اس نے ایک قطعہ زمین خرید لیا اور اس طرح اس فاؤنڈیشن کو شکاگو میں مکمل طور پر اپنی مسجد تعمیر کرنے والے دوسرے مرکز کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

یہ فاونڈیشن برج ویو کی ۹۳ ویں اسٹریٹ پر نمبر ۷۳۰۶ ڈبلیو میں قائم ہے اور اس وقت اس کے ارکان کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہے۔ اس میں کچھ غیر عرب مسلمان بھی شامل ہیں اگرچہ اس کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے ایک ممبر بسام عثمان کے بیان کے مطابق یہ مرکز بنیادی طور پر عرب مسلم آبادی کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ چوبیس ممبروں کا بورڈ ہر سال تین سال کی مدت کے لیے منتخب ہونے والے سات ممبروں، ایک منتخب صدر، سابق صدر اور امام پر مشتمل ہوتا ہے۔

عثمان کے بیان کے مطابق سرگرمیوں کے اخراجات چندوں، رکنیت کی فیس اور بقایا جات، ڈنر وغیرہ سے پورے کیے جاتے ہیں۔ موسک فاؤنڈیشن نے اختتام ہفتہ کے اسکول قائم کیے ہیں جہاں تین سو بچوں کو عربی اور انگریزی دونوں زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اب تک کوئی عورت بورڈ آف ڈائریکٹرز کے لیے منتخب نہیں ہوئی ہے حالانکہ عورتوں کو انتخابات میں رائے دینے کا حق ہے اور بورڈ میں ان کی رکنیت پر کوئی آئینی پابندی نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ خواتین نے اپنی کمیٹیاں قائم کر لی ہیں اور نوجوانوں کی ایک تنظیم بھی کم عمر نسل کی ضروریات پوری کرنے کے لیے قائم کر دی گئی ہے۔

اسلامک کلچرل سینٹر آف گریٹر شکاگو (آئی سی سی) نارتھ بروک

عظیم تر شکاگو کا اسلامی ثقافتی مرکز جو مسلمانوں کے ابتدائی معاشرتی مراکز میں سے ایک ہے، ۱۹۵۴ء میں این، ہالسٹڈ اسٹریٹ کے نمبر ۱۸۰۰ پر بنیادی طور پر یوگوسلاویہ (بوسنیا) والوں نے قائم کیا تھا۔ ۲۱/مارچ ۱۹۷۶ء کو یہ لوگ این، فنکسٹن روڈ نمبر ۱۸۱۰، نارتھ بروک میں منتقل ہو گئے جہاں ایک اسکول، کتب خانہ، انتظامی دفاتر، نرسری اسکول اور ثقافتی ہال پر مشتمل اسلامی ثقافتی مرکز کی تعمیر کا پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا۔ شکاگو کے علاقے میں تعمیر ہونے والی یہ پہلی عمارت تھی جو ایک گنبد اور مینار کے ساتھ ایک روایتی مسجد کے طور پر تعمیر ہوئی۔ اس کے ارکان کا تعلق زیادہ تر بوسنیا سے ہے اگرچہ دوسرے نسلی گروہ بھی اس کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں جیسا کہ ابھی حال میں اس کے عرب صدر کے انتخاب سے ظاہر ہے۔ آئی سی سی نے ایک امام کا تقرر کیا ہے جو برادری کے مذہبی امور کی دیکھ بھال کرتا ہے۔

امریکن اسلامک ایسوسی ایشن (اے آئی اے) موکینا

یہ ایسوسی ایشن جو ۱۹۷۹ء میں قائم ہوئی تھی۔ یہ تنظیم شکاگو کے جنوبی مضافاتی علاقوں میں اپنی ابتدائی سرگرمیوں کے لیے کرایہ کے ایک اسکول کو استعمال کرتی تھی۔ اس کی مشاورتی کمیٹی کے چیئر مین منصور مظفر کے بیان کے مطابق اے آئی اے کا خاص مقصد اس علاقے کے مسلمان بچوں کے لیے اسلامی تعلیم فراہم کرنا اور جنوبی مضافات کے ۱۷۵ مربع میل کے علاقے میں رہنے والوں کے لیے مذہبی سرگرمیوں کا بندوبست کرنا تھا۔ منصور کا خیال ہے کہ سینٹ فرانسس روڈ اور ۸۸ دویں ایونیو میں ایسوسی ایشن کی جانب سے خریدی ہوئی چودہ ایکڑ زمین کو شکاگو کی پوری مسلم آبادی کے لیے گرما کے ایک خوبصورت کیمپ کے طور پر ترقی دی جاسکتی تھی۔ اے آئی اے کا انتظامی ڈھانچا ویسا ہی ہے جو دوسرے اسلامی مرکزوں کا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامک سوسائٹی آف نارتھ ویسٹ سبربس (آئی ایس این ایس)، رولنگ میڈوز

نمبر ۳۸۹۰ انڈسٹریل ڈرائیو پر واقع، آئی ایس این ایس، ۱۹۸۲ء میں اس وقت قائم کی گئی جب متعدد مسلمان علاقے میں آباد ہو گئے۔ صدر آئی ایس این ایس، قادر حسین خان، کے مطابق یہ مسلمان عموماً اس علاقے کی مختلف کمپنیوں اور کارخانوں میں کام کرتے ہیں۔ اس ادارے کی سرگرمیوں کا محور زیادہ تر بچوں کے لیے ہفتہ وار اسکولوں کا قیام ہے۔ اس سلسلہ میں ان کا طریقۂ کار دوسرے مرکزوں جیسا ہی ہے۔

شیعہ برادری

شیعہ مسلمانوں کی برادری چھوٹی لیکن اضافہ پذیر ہے اور اس میں چند اسمٰعیلی اور داؤدی بوہرے بھی شامل ہیں۔ شکاگو میں شیعوں کی دو تنظیمیں ہیں ''حسینی ایسوسی ایشن آف گریٹر شکاگو'' اور ''مڈویسٹ ایسوسی ایشن آف شیعہ آرگنائزڈ مسلمز (ایم اے ایس او او ایم = معصوم)'' حسینی ایسوسی ایشن کے چیئرمین سید اسد علی رضوی کا تخمینہ ہے کہ شکاگو اور اس کے مضافات میں کئی ہزار شیعہ رہتے ہیں۔ حسینی ایسوسی ایشن جو شکاگو میں سب سے بڑا شیعہ مرکز ہے فروری ۱۹۷۲ء میں قائم ہوا تھا اور بہت جلد اس نے این واشٹینا میں نمبر ۳۱۰۹ پر ایک عمارت خرید لی تھی۔

اس تنظیم کی، جو بنیادی طور پر پاک و ہند کے لوگوں پر مشتمل ہے، رہنمائی مولانا ازکی حسین کرتے ہیں جو ہوسٹن، ٹیکساس میں ایک عالم استاد ہیں۔ اس کا انتظام ایک منتخب بورڈ آف ڈائریکٹرز کرتا ہے جس کا ایک چیئرمین اور ایک مجلسِ اِنتظامیہ ہے۔ بورڈ نے ابھی حال میں فقۂ جعفریہ پر مبنی آئین منظور کیا ہے جس کے ذریعہ چھ ممبروں کا ایک بورڈ آف ٹرسٹیز قائم کیا گیا ہے جن میں سے پانچ کو مولانا ازکی حسین نے زندگی بھر کے لیے نامزد کیا ہے اور ایک کو بورڈ آف ڈائریکٹرز دو سال کے لیے منتخب کرتا ہے۔

ان کی سرگرمیوں میں پیغمبر اسلام محمد [ﷺ] کے نواسے امام حسین [رضی اللہ تعالیٰ عنہ] کی شہادت کی یاد میں محرم کے دس دنوں کی مجالس کا انعقاد اور شیعہ روایات کے مطابق ہر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سال امام حسین [رضی اللہ تعالیٰ عنہ] کی یاد میں چالیس دن کا سوگ وغیرہ شامل ہیں۔ یہ چالیس دن امام حسین [رضی اللہ تعالیٰ عنہ] اور پیغمبر محمد [ﷺ] کے پورے خاندان کی یاد منانے میں صرف کیے جاتے ہیں۔ دوسری سرگرمیوں میں اسلام اور شیعہ فلسفہ کی ترقی سے متعلق مختلف موضوعات پر سیمینار، ستر بچوں کے لیے صنفی اعتبار سے علیحدہ علیحدہ اتوار اسکول، حج کا سالانہ سفر، اجتماعی کھانا، رمضان کے روزوں کا افطار اور عیدین کی تقریبات شامل ہیں۔

اگرچہ شکاگو میں دوسرے مسلمانوں کے مقابلے میں شیعہ بہت کم ہیں تاہم حسینی ایسوسی ایشن کے ممبروں کے درمیان اختلافات کی وجہ سے چند لوگوں نے ایک نئی علیحدہ تنظیم قائم کرلی ہے۔ معصوم ایسوسی ایشن ۲۶ راپریل ۱۹۷۵ء کو شکاگو میں ایڈیشن اسٹریٹ کے نمبر ۶۱۱۱ پر قائم ہوئی۔ اس کی آمدنی معصوم ایسوسی ایشن کے ملکیتی مکانات کے کرایوں اور مسجد فنڈ سے ہوتی ہے۔ یہ ایسوسی ایشن ہر سال حج کے سفر کا انتظام کرتی ہے اور کربلا، عراق میں امام حسین [رضی اللہ تعالیٰ عنہ] کے مزار کی زیارت کے بارے میں شیعوں کو معلومات فراہم کرتی ہے۔ ان کی سرگرمیوں میں محرم کے سلسلے میں مجالس اور ۱۰ رمحرم کو گلیوں میں چھوٹا سا جلوس نکالنا شامل ہے جس میں شیعوں کے تمام گروہ حصہ لیتے ہیں۔ یہ دونوں شیعہ گروہ فعال ہیں اور انھوں نے اپنا ماہانہ خبرنامہ جاری کیا ہے۔ شیعہ برادری کا اپنا ایک اشاعتی مرکز ہے جسے شیعہ فلسفہ کے ایک عراقی عالم، مولانا محمد حسین جلالی چلاتے ہیں۔

داؤدی بوہرہ برادری کے نام سے شیعوں کا ایک اور بہت چھوٹا لیکن بہت مربوط گروہ یہاں موجود ہے۔ حاکم طیبی کے بیان کے مطابق جو اس برادری کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے ایک ممبر ہیں، صرف چھ سو بوہرے شکاگو کے علاقے میں رہتے ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں انھوں نے مضافاتی شکاگو میں فارسٹ پارک میں ڈبلو میڈیسن کے نمبر ۷۰۰۹ پر واقع ایک عمارت اپنے مرکز کے قیام کے لیے خریدلی، اور یہ مرکز المرکز السیفی کے نام سے مشہور ہے۔ انھوں نے ایک مسجد کی تعمیر کے لیے ہنڈیل میں پانچ ایکٹر زمین خریدلی۔ اس مسجد کا سنگ بنیاد عالمی بوہرہ برادری کے صدر تقدس مآب ڈاکٹر سیدنا محمد برہان الدین صاحب نے جن کا صدر دفتر ہندوستان کے شہر بمبئی میں ہے، اکتوبر ۱۹۹۰ء میں رکھا۔ طیبی کے بیان کے مطابق شکاگو میں اس تنظیم کے صدر ''عامل'' بہلول بھائی صاحب ہیں جنھیں ''سیدنا'' برہان الدین نے مقرر کیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ اس تنظیم کا سات ارکان پر مشتمل ایک بورڈ ہے جنھیں بھائی صاحب نے نامزد کیا تھا اور ''سیدنا'' برہان الدین نے منظوری دی تھی۔

ان دنوں شکاگو میں ''بھائی صاحب'' کا سب سے بڑا کام اٹھتر بچوں کے لیے ایک دینی اسکول چلانا ہے۔ اکثر ارکان نماز کی ادائیگی کے ساتھ رمضان کے روزے رکھتے ہیں اور افطار میں کمیونٹی کی جانب سے مفت فراہم کردہ کھانے میں شریک ہوتے ہیں۔ دوسرے شیعوں کے برخلاف جو محرم میں دس دن کا سوگ مناتے ہیں بوہرے یکم محرم کو نوروز کی تقریب منعقد کرتے ہیں جس میں وہ کھانا تقسیم کرتے ہیں اور تحائف کا تبادلہ کرتے ہیں۔

بوہرہ برادری کی بنیاد رکنیت پر ہے اور یہ توقع کی جاتی ہے کہ ہر شخص لازماً تنظیم کا ممبر بنے گا۔ رکنیت کی فیس ہر شخص سے اس کے حالات اور مالی حیثیت کے مطابق لی جاتی ہے۔ یہ لوگ فنڈ اکٹھا کرنے کے لیے ڈنر کا انتظام نہیں کرتے جیسا کہ دوسری تنظیمیں کرتی ہیں بلکہ یہ لوگ ہر مہینے متعدد عشائیوں کا بندوبست کرتے ہیں جس کے لیے تنظیم کے ممبر چندہ دیتے لیکن یہ رضا کارانہ ہے۔ اس تنظیم کی دو ذیلی شاخیں بھی ہیں: ایک کو انجمن برہان ویمنز ایسوسی ایشن کہتے ہیں جس کا مقصد اصل انجمن کی مدد کرنا ہے اور دوسری یوتھ آرگنائزیشن ہے جسے ''شباب'' کہتے ہیں۔ طیبی کے بیان کے مطابق برادری کے ممبران ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں اور ضرورت کے وقت ہمیشہ ایک دوسرے کی مدد کے لیے تیار رہتے ہیں۔

صوفی سلسلے

شکاگو میں متعدد صوفی سلسلوں میں سب سے بڑا سلسلہ نقشبندی ہے۔ صوفیانہ مسلک کے یہ گروہ مختلف مسجدوں اور ذاتی مکانوں میں ذکر (یادِ الٰہی) کرتے ہیں۔ ان مذہبی سلسلوں کے ذریعہ بہت سے غیر مسلموں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔

تعلیمی سرگرمیاں

بچوں اور بڑوں کے لیے اسلامی تعلیم مہیا کرنا ہر اسلامی مرکز کا مقصد ہے اور اس پر بڑی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنجیدگی کے ساتھ توجہ دی جاتی ہے۔ اختتام ہفتہ کے اسلامی اسکولوں کو مسلم برادری کے تعلیم یافتہ حضرات چلاتے ہیں اور وہی لوگ وہاں پڑھاتے ہیں۔ اس سے والدین کو یہ ترغیب ہوتی ہے کہ اسلام کے بارے میں وہ جو کچھ اپنے بچوں کو گھر پر پڑھاتے ہیں اسے پختہ کرنے کے لیے وہ انھیں مرکز میں بھیجیں۔ پانچ سال سے چودہ سال تک کے بچوں کے لیے کلاسیں منعقد کی جاتی ہیں۔ چھوٹے بچوں کو مخلوط کلاسوں میں بٹھایا جاتا ہے لیکن بڑی عمر کے بچوں کو جنس کے لحاظ سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ زیادہ بڑی عمر کے نوجوانوں کے لیے علیحدہ تعلیمی سرگرمیوں کا انتظام ہے۔ تعلیم بالغاں کے پروگرام انگریزی زبان میں بھی ہوتے ہیں اور دوسری زبانوں میں بھی۔ اتوار اسکولوں میں پڑھائے جانے والے خاص مضامین یہ ہیں: قرآن، اسلامی اصول، سیرت پیغمبر محمد [ﷺ] عربی اور اسلامی اخلاقیات۔ بڑی عمر کے بچوں کے لیے اسلامی قانون، اسلامی تاریخ، مسلموں اور غیر مسلموں کے درمیان تعلقات، شادی اور عائلی زندگی کے مسائل، اسلامی شخصیات کی سوانح عمریاں، اسلامی اور امریکی جمہوری اور لادینی اقدار اور اداروں کا تقابلی مطالعہ جیسے اعلیٰ مدارج کے مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔

شام کے اسکول ان بچوں کے لیے قائم کیے گئے جن کے والدین انھیں قرآن کی ناظرہ اور حفظ کرنے کی تعلیم دلوانا چاہتے تھے۔ اس بندوبست سے چند بچوں کی ایسی ہمت افزائی ہوئی ہے کہ وہ حافظ بن گئے ہیں۔ ان میں سے بعض اسکولوں میں تفسیر قرآن، قرآنی قوانین اور عربی زبان بھی پڑھائی جاتی ہے۔ ان اداروں کا مقصد و منشا یہ ہے کہ وہ امریکی مسلمانوں کو اس امر کے لیے تیار کریں کہ وہ دنیا کے دوسرے ملکوں سے مدعو کرنے کے بجائے خود امریکا ہی میں تعلیم پائے ہوئے حفاظ اور علماء کی خدمات حاصل کریں۔ ان نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں سے چند ایک حافظ بن چکے ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ جب یہ اپنی اسکول کی تعلیم میں آگے بڑھیں گے تو یہ عالم بننے میں دوسروں کی مدد کریں گے۔ بہت سے مرکز لڑکے اور لڑکیوں دونوں کے لیے چار سے چھ گھنٹے روزانہ کے حساب سے چار سے چھ ہفتے پر مشتمل موسم گرما کے اسکولوں کا انتظام کرتے ہیں۔ بارہ سال سے زیادہ عمر کے بچے جنس کے لحاظ سے علیحدہ کر دیئے جاتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سوال پر برادری میں بڑی تفصیلی بحث ہوئی کہ ہمہ وقتی اسکول قائم کیے جائیں یا نہیں۔ بعض لوگوں کی قطعی رائے یہ تھی کہ ایسے مسلم اسکولوں کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ زمین اور عمارت خریدنا اور اسکولوں کی تمام تعلیمی اور تدریسی ضرورتوں اور اسباب کا مہیا کرنا ایک مہنگا کام ہوگا اور اسی طرح سند یافتہ اساتذہ کو تربیت دینے پر بھی کافی اخراجات آئیں گے۔ بعض لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ ایسے اسکول مسلمانوں میں ایک طبقہ اشرافیہ پیدا کردیں گے کیونکہ صرف دولت مند ہی ان میں پڑھ سکتے ہیں اور اس سے بھی بری بات یہ ہے کہ ان اسکولوں میں پڑھے ہوئے لوگوں میں علیٰحدگی پسندی کا ایک رجحان پیدا ہو جائے گا جو نہ صرف مسلمانوں کے آپس کے میل جول میں رکاوٹ پیدا کرے گا بلکہ امریکی معاشرے میں بھی وہ مدغم نہیں ہوں گے۔ اس رائے کے برعکس دوسرے لوگوں کا خیال یہ تھا کہ ابتدا کبھی نہ کبھی اور کہیں نہ کہیں سے تو کرنی ہی چاہیے اور اگر ایک فیصد مسلم بچوں نے بھی ان اسکولوں میں شرکت کی تو وہ مسلمانوں کے لیے مستقبل کی قیادت فراہم کردیں گے۔ یہ لوگ اس صورت حال سے بہت پریشان تھے کہ اس ملک کا ماحول اسلامی اقدار کے خلاف اور بچوں کے لیے خاص طور سے مضرت رساں ہے۔ ان کی رائے یہ بھی تھی کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم الگ الگ ہونی چاہیے۔

آخری فیصلہ یہ ہوا کہ ایسے کل وقتی اسلامی اسکولوں کا قیام ناگزیر ہے۔ بہت سے والدین کی یہ قطعی رائے تھی کہ وہ اپنے بچوں کو ایسے اداروں میں تعلیم دلائیں گے جن میں انھیں ایک اسلامی ماحول کے اندر ان تمام مضامین کے علاوہ جو پبلک اسکولوں میں پڑھائے جاتے ہیں اسلامی مضامین بھی پڑھائے جائیں۔ شکاگو کے علاقے میں اسلامی اسکولوں میں اب حسب ذیل اسکول شامل ہیں: اسلامک فاؤنڈیشن اسکول (گریڈ کے۔ ۱۲)؛ الاقصیٰ گرلز اسکول (گریڈ ۶۔ ۱۲)؛ اور دی کالج پریپریٹری اسکول آف الی نوائے (گریڈ ۷۔ ۱۲) بڑی عمر کے بچے ہر جگہ اپنی صنف کے اعتبار سے الگ کر دیے جاتے ہیں۔ ارادہ یہ ہے کہ ابتدائی اسکولوں کی تعداد میں بتدریج اضافہ کیا جائے اور ان سب کو ایک ہائی اسکول کے تمام گریڈوں تک ترقی دے دی جائے۔ یہ تمام اسکول ریاست الی نوائے کے انتظامی افسران سے منظور شدہ ہیں اور ان میں سند یافتہ اساتذہ ہیں جن میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں شامل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔مزید برآں ان اسکولوں کوسخت اسلامی ضابطے کے مطابق چلایا جاتا ہے۔ ہر اسکول کی اپنی گورننگ باڈی ہے۔ والدین کی دلچسپی کو بہت اہمیت دی جاتی ہے اور تمام اسکولوں میں والدین اور اساتذہ کی فعال انجمنیں ہیں۔

مدرسہ تعلیم الاسلام جسے ایک اقامتی اسکول کے طور پر ۱۹۹۱ء میں قائم کیا گیا تھا اپنے علم وحکمت میں منفرد ہے جس کا واحد مقصد ایک ایسے جامع تعلیمی پروگرام کو ترقی دینا ہے جو امریکی تعلیم یافتہ علماء، حفاظ، اسلامی قوانین کے ماہر اور مسلمانوں کے لیے ایسے قائد پیدا کرسکیں جنھیں اسلام کے علوم کی جامع تعلیم دی گئی ہو۔ اس ادارے کو مولانا عبداللہ سلیم نے قائم کیا تھا جو ہندوستان میں دیوبند کے مشہور دارالعلوم کے اعلیٰ تعلیم یافتہ عالم تھے۔ آمدنی کے ذرائع وہی ہیں جو دوسرے مراکز کے ہیں سوائے اس کے کہ ہر طالب علم سے فیس لی جاتی ہے۔ یہاں کے اساتذہ ہندوستان کے بھی تعلیم یافتہ ہیں اور امریکا کے بھی۔ بڑی تعداد میں مسلمان اپنے بچوں کو کم عمری میں پختہ اسلامی تعلیم حاصل کرتے ہوئے دیکھنے کے لیے بے تاب ہیں۔اس مقصد کے لیے نصاب مولانا نے خود مرتب کیا ہے۔ اس اسکول کی ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ اقامتی ادارہ ہے جو بچوں کو کم عمری ہی میں اسلامی اخلاقیات کو عملی طور پر سیکھنے میں مددگار ہوتا ہے۔

ابتدائی اور ثانوی سطح پر اسلامی تعلیمی پروگرام کو ترقی دینے کی یہی خواہش ۱۹۸۳ء میں امریکن اسلامک کالج (اے آئی سی) کے قیام پر منتج ہوئی۔ اے آئی سی اپنے مشن اور مقصد میں منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ایک چار سالہ نصاب کا ادارہ ہے اور الی نوائے بورڈ آف ہائرایجوکیشن نے اس مقصد کے لیے اِسے تسلیم کیا ہے کہ یہ اسلامی علوم اور عربی میں بیچلر آف آرٹس کی ڈگری دے اور دو سالہ ایسوسی ایٹ آف آرٹس کی ایسی ڈگری دے جس میں کمپیوٹر، تجارت، عربی اور اسلامی علوم جیسے شعبوں پر پوری توجہ دی گئی ہو۔ یہ شکاگو میں ارونگ پارک میں لیک مشی گن کے ۶۴۰ ڈبلیو پر قائم ہے۔

اے آئی سی کے عام تعلیمی پروگرام میں کمپیوٹر سائنس، عمرانیات، معاشیات، جغرافیہ، تاریخ، سیاسیات اور فطری اور عمرانی علوم کے شعبے شامل ہیں۔ عام تعلیمی پروگرام کے علاوہ عربی اور اسلامی علوم کے وسیع البنیاد نصابوں کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔عربی کے پروگرام میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زبان، قواعد، کلاسیکی اور جدید ادب کی تعلیم دی جاتی ہے اور انھیں کسی شعبے میں تخصیص کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ اسلامی علوم کے شعبے میں تاریخ، قرآن و حدیث، اسلامی افکار، معاشیات، فقہ اور اخلاقیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔

اے آئی سی ثقافتی لحاظ سے ایک مختلف العناصر ادارہ ہے جس میں شمالی امریکا سے مسلم اور غیر مسلم طلبا کے علاوہ بنگلہ دیش، گھانا، گیمبیا، اردن، کویت، پاکستان اور ٹوگو سے بھی طلباء آتے ہیں۔ اس اسکول کی اصل قوت اور اہمیت کا انحصار اس کے اسلامی ماحول اور اس کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تجربہ کار تدریسی عملے پر ہے۔ طلبہ اور اساتذہ میں سات اور ایک کی نسبت ہے۔ چھوٹی چھوٹی کلاسیں طالب علموں کو مباحثے اور انفرادی توجہ کے کافی مواقع فراہم کرتی ہیں۔ ہر سمسٹر میں برادری کے دس سے بیس ممبر کسی بھی مقامی مرکز میں پیش کیے جانے والے اضافی کورسوں میں شرکت کرتے ہیں۔ اسکول کی دس سالہ تاریخ میں متعدد مسائل کے باوجود کالج اپنے تعلیمی پروگراموں میں طلبہ کی دلچسپی پیدا کرنے میں کامیاب رہا ہے۔ فارغ ہونے والے طلبہ کی پہلی گریجویشن تقریب ۱۹۸۷ء میں منعقد ہوئی تھی۔

اے آئی سی کی لائبریری میں اسلامی اور عربی کتابوں کا ایک اچھا ذخیرہ موجود ہے۔ ایک ہاسٹل اور کیمپس میں ایک مسجد کے ذریعہ طلبہ کو مجموعی اسلامی ماحول فراہم کیا جاتا ہے۔ اے آئی سی کی سہولیات، جن میں ایک ہزار سے زیادہ نشستوں کی ایک سماعت گاہ بھی شامل ہے، تمام تنظیموں کے لیے کھلی ہوئی ہیں اور بطور خاص نوجوانوں کے اجلاسوں کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔ شمالی امریکا میں اے آئی سی اپنی نوعیت کا واحد ادارہ ہے جسے صرف مسلمان چلاتے ہیں۔ ایک بورڈ آف گورنرز اور ایک بورڈ آف ٹرسٹیز اس کی پالیسیاں متعین کرتے ہیں۔

عبادات

شکاگو میں کم و بیش ساٹھ جگہوں پر جمعہ کی نماز کا اجتماع ہوتا ہے جن میں سے اکثر جگہوں پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روزانہ کی پانچوں وقت کی نمازوں کا بھی اہتمام ہے۔ مختلف جگہوں کی نوعیت پر منحصر خطبہ عربی، انگریزی، اردو یا کسی اور زبان میں دیا جاتا ہے۔ نوجوان نسل کے مسلمان انگریزی زبان کے خطبے میں سہولت محسوس کرتے ہیں اور اس زبان کے لیے وہ اصرار کرتے ہیں۔ شکاگو کی بہت سی یونیورسٹیاں اور کالج مسلمان طلبہ کو جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے جگہ فراہم کرتے ہیں۔ بہت سے کاروباری ادارے اور اسپتال بھی جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے لیے جگہ مہیا کرتے ہیں یا اپنے مسلمان ملازمین کو نماز کی ادائیگی کے لیے وقت دیتے ہیں۔

رمضان کے مہینے میں مسلمان دن کے وقت روزہ رکھتے ہیں رات کو تراویح کی خصوصی نماز ادا کرتے ہیں جس کا اہتمام تقریباً ہر اسلامی مرکز اور مسجد میں کیا جاتا ہے۔ اس پورے مہینے تراویح کی نماز کے دوران میں حفاظ پورا قرآن سناتے ہیں۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی دو اہم اسلامی تقریبات میں ہر شعبہ حیات سے ہر نسل کے مسلمان شریک ہوتے ہیں۔ گزشتہ چند برسوں میں بعض دور دراز کے مراکز نے اپنے یہاں عید کی نمازوں کا اہتمام کیا ہے۔

کتابوں کی دکانیں اور ناشرین

شہر میں اسلامی کتابوں کی سب سے بڑی دکان اور اسلامی کتابوں کے سب سے بڑے ناشر اور تقسیم کنندہ بیلمانٹ میں ۳۰۲۳ ڈبلیو پر قائم ''قاضی پبلی کیشنز'' ہیں۔ اس دکان میں مسلمانوں کے تمام فرقوں کی کتابیں موجود ہیں اور یہ شکاگو میں اسلامی کتابوں کی سب سے قدیم دکان ہے۔ ۸۳۱، ایس لیفلن، شکاگو پر قائم اقراء انٹرنیشنل ایجوکیشن فاؤنڈیشن بطور خاص تعلیمی میدان میں بڑی تعداد میں کتابیں چھاپتی ہے۔ اقراء ۶۴۱۰ این، کیمبل کے ایک ایسے علاقے میں بھی کتابوں کی ایک دکان چلاتے ہیں جہاں جنوبی ایشیاء کے لوگ بڑی تعداد میں رہتے ہیں اور خریداری کرتے ہیں۔ اقراء کے دو خصوصی پروگرام اقراء بک کلب اور انصار آف اقراء ہیں۔

شمالی امریکا کی اسلامک سرکل کا ساؤنڈ ویژن شعبہ (سمعی بصری شعبہ) جو اگست ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا بچوں اور بڑوں کے لیے تعلیمی اسلامی ویڈیو اور کمپیوٹر پروگرام تیار کرتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھیں سیمیناروں، کانفرنسوں اور رسالوں میں اشتہار کے ذریعہ فروخت کیا جاتا ہے۔ یہ ادارہ ۸۴۳ ڈبلیو وان برین، شکاگو میں قائم ہے۔
شکاگو میں ہر بڑا اسلامی مرکز کتابیں اور دوسری اسلامی ثقافتی اشیاء فروخت کرتا ہے۔

معلوماتی مراکز

اسلامی معلومات حسب ذیل تنظیمیں فراہم کرتی ہیں: انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک انفارمیشن اینڈ ایجوکیشن، ۴۳۹۰ این ایلسٹن ایوینیو، شکاگو۔[۱۴] اسلامک انفارمیشن سینٹر ڈیس پلینس؛ اسلامک سرکل آف نارتھ امریکا، بیل ووڈ؛ اسلامک کلچر سینٹر، اوک لان۔ یہ تنظیمیں مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کو معلومات اور لٹریچر فراہم کرتی ہیں، نئے مسلمانوں کو اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں مدد دیتی ہیں، مسلمانوں میں سیاسی اور ابلاغی شعور کو اجاگر کرتی ہیں، نصابی کتابوں، ذرائع ابلاغ اور معاشرے میں پھیلی ہوئی مسلمانوں کے بارے میں فرسودہ اور غلط معلومات کی اصلاح کرتی ہیں اور غیر مسلم اجتماع کے لیے اسلامی موضوعات پر مقررین کا بندوبست کرتی ہیں۔ یہ تنظیمیں سرگرمیوں کو مربوط کرنے اور وسائل میں شریک ہونے کے لیے ساتھ مل کر کام کرتی ہیں۔

اسلامی ذرائع ابلاغ

نیویارک میں پہلا عربی اخبار دی امریکن اسٹار ۱۹۲۸ء میں جاری کیا گیا تھا۔ دی مسلم جرنل کو جو ایک قومی انگریزی ہفت روزہ اخبار تھا شکاگو میں افریقی امریکی مسلم برادری نے ۱۹۷۹ء میں جاری کیا تھا۔ ابتدائی مرحلوں میں اس کا مقصد افریقی امریکیوں کو اسلام اور عالمی امور سے آگاہ کرنا تھا۔ یونٹی ٹائمز ایک پندرہ روزہ انگریزی اخبار جسے حمید اللہ خاں نے جاری کیا تھا۔ یہ اخبار بنیادی طور پر پاکستان کے متعلق خبریں دیتا ہے لیکن یہ امریکا میں رہنے والے مسلمانوں کے متعلق بھی معلومات مہیا کرتا ہے۔ دی پاکستانی اردو اور انگریزی دونوں

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زبانوں میں شائع ہونے والے ماہنامے کا اصل ہدف شکاگو کے اردو بولنے والے ہیں۔ اگرچہ یہ پاکستانی مسلمانوں کے مفادات کی خدمت کرتا ہے لیکن یہ شکاگو کی مسلم تنظیموں کے بارے میں بھی خبریں چھاپتا ہے۔ ۱۹۸۹ء میں امریکی نومسلموں کے ایک گروہ نے ایک خبرنامہ جاری کیا تھا جس کا نام ابتدا میں اسلامک سپورٹ گروپ نیوز تھا۔ اس کی ابتدا ایک صفحے سے ہوئی تھی لیکن اب بیس صفحے سے زیادہ پر شائع ہوتا ہے اور دی امریکن مسلم کے نئے نام کے تحت اس کی اشاعت قومی سطح پر ہوتی ہے۔ شکاگو میں چند عربی اخبارات بھی شائع ہوتے ہیں۔

شکاگو کے علاقے میں ذرائع ابلاغ پر مسلم برادری کی دلچسپی کے خصوصی پروگراموں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ ۱۳۳۰ اے ایم کا ریڈیو اسٹیشن پیر سے جمعہ تک دو بجے سہ پہر کو عربی زبان میں ایک گھنٹے کا پروگرام پیش کرتا ہے۔ ایک اردو پروگرام ''پاک سرزمین'' جمعہ کو ۸ سے ۹ بجے رات کے درمیان ریڈیو ۱۵۹۰/اے ایم پر پیش کیا جاتا ہے۔ ایک ہفتہ وار عربی ٹی وی پروگرام سنیچر کو ساڑھے تین بجے شام کو آدھے گھنٹے کے لیے چینل ۲۶/پر دیکھا جاسکتا ہے۔ سنیچر کی صبح نو بج کر چالیس منٹ سے دس بجے تک چینل ۲۶/پر فاؤنڈیشن فار ریلیجیس اینڈ کلچرل ریفلیکشنز کی جانب سے ایک اسلامی پروگرام پیش کیا جاتا ہے۔ اسلامی نہج کے متعدد پروگرام کیبل ٹی وی پر دستیاب ہیں۔

مسلم برادری کے معاملات

مختلف مسلمان گروہوں نے بڑی تعداد میں سماجی پروگرام شروع کیے ہیں۔ ان کے اخراجات برادری کے ارکان اور مختلف مراکز کی جانب سے فراخدلی کے ساتھ دی گئی زکوٰۃ سے پورے کیے جاتے ہیں۔ بہت سے مسلمان اپنی زکوٰۃ اسلامی قانون کے مطابق خرچ کرنے کے لیے اپنے مراکز کو دے دیتے ہیں۔ بہت سے مراکز ضرورت مندوں میں تقسیم کے لیے کپڑے جمع کرنے کی مہم بھی چلاتے ہیں۔ رمضان کے مہینے میں افطار کے وقت جب مسلمان روزہ کھولتے ہیں اس وقت روزانہ مختلف مراکز پر ضرورت مندوں کو مفت کھانا مہیا کیا جاتا ہے۔ امریکیوں کے تہوار ''تھینکس گیونگ ڈے'' (یومِ تشکر) پر بعض مراکز بے گھر لوگوں کو کھانا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مہیا کرنے میں غیر مسلم تنظیموں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔

مسلمانوں میں بڑی تعداد میں بین الثقافتی اور بین المذہبی شادیاں بھی ہو رہی ہیں۔ بہر حال ایسی شادیوں میں عموماً غیر مسلم فریق اسلام قبول کر لیتا ہے۔ متعدد بڑے اسلامی مراکز کو شادیاں منعقد کرانے کی اجازت دی گئی ہے؛ یہ مراکز عائلی معاملات میں مشورے بھی دیتے ہیں۔ بہت سی شادیاں والدین کے آبائی ممالک کے طریقوں کے مطابق بالکل روایتی انداز میں کی جاتی ہیں۔ تاہم نوجوان نسلوں کے بعض افراد روایتی شادیوں پر اعتراض کرتے ہیں اور اپنے طریقے خود وضع کرنا چاہتے ہیں۔

شکاگو میں بہت سے مراکز تعلیم بالغاں کے پروگرام اور اسلامی کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں۔ اس قسم کی دو بڑی تقریبات جو ابھی حال میں منعقد ہوئی ہیں ان میں سے ایک ۱۹۷۸ء میں مسلم کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے بارے میں کانفرنس تھی اور دوسری کانفرنس ۱۹۷۷ء میں شیخ [امام] بخاری کے بارہ سو سالہ یوم پیدائش کے سلسلے میں منعقد کی گئی تھی۔ شیخ [امام] بخاری پیغمبر محمد [ﷺ] کی احادیث کے سب سے مستند جامع سمجھے جاتے ہیں۔ ان دونوں کانفرنسوں میں پورے امریکا سے مسلمانوں نے شرکت کی تھی۔

اسلامی قانون کے مطابق مسلمانوں کو صرف اس جانور یا پرندے کا گوشت کھانا چاہیے جسے اسلامی طریقے کے مطابق ذبح کیا گیا ہو۔ شہر کے اندر حلال گوشت کی بہت سی دکانیں ہیں جو مقامی اور درآمد شدہ کھانوں کے لیے بھی خصوصی طور پر مشہور ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں بیڈفورڈ میں قائم شدہ دی اسلامک فوڈ اینڈ نیوٹریشن کونسل آف امریکا نے حلال غذا کی ترویج کی، یہ کھانا مہیا کرنے والی مقامی اور قومی ایجنسیوں مثلاً ہوٹلوں اور ہوائی جہاز کی کمپنیوں کو مشورے دیتی ہے اور خبروں اور آراء پر مبنی ایک جریدہ شائع کرتی ہے۔

قبرستان

بعض مقامی قبرستانوں میں مسلمانوں کی تدفین کے لیے جگہیں مخصوص کر دی گئی ہیں۔ چونکہ اسلام میں لاش کو جلانے یا مسالہ وغیرہ لگا کر محفوظ رکھنے کی اجازت نہیں ہے لہٰذا جس روز کسی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا انتقال ہوتا ہے عموماً اسی روز اس کی تدفین بھی کر دی جاتی ہے۔ بہت سے تدفین گھر مسلمان خاندانوں کو تدفین کے لیے میتیں تیار کرنے کے لیے اجازت لینے میں بھی تعاون کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ اپنے احاطے میں نماز جنازہ کی سہولیات بھی مہیا کرتے ہیں۔ سٹی ہال نے بھی اس بات کی اجازت دے دی ہے کہ مرکز میں بھی نماز جنازہ ادا کی جا سکتی ہے۔

مکالماتی گروہ

بہت سے مسلمان بین المذہبی بحث مباحثے اور گفتگو میں عملی حصہ لیتے ہیں۔ ان میں سے بعض پارلیمنٹ آف ورلڈ ریلیجنز کی کونسل میں بھی شریک رہے ہیں جس نے ۱۹۹۳ء میں شکاگو میں ایک بین الاقوامی کانفرنس کی صد سالہ تقریب کا انتظام کیا تھا۔ بین المذہبی بحث مباحثوں میں مسلمان عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں تاکہ شکاگو میں مل جل کر رہنے کے لیے ایک بہتر ماحول بنایا جا سکے۔ دی کانفرنس فار امپروو ڈ مسلم۔ کرسچین ریلیشنز کا قیام ۱۹۸۵ء میں عمل آیا۔ کیتھولک، پروٹسٹنٹ اور مسلمانوں نے ایسے منصوبے مل جل کر بنائے جو ان تمام مذاہب کے ممبروں کی تعلیمی اور سماجی ضروریات پوری کریں۔ دی کرسچین مسلم ڈائلاگ کمیٹی چرچوں، مسجدوں اور امریکن اسلامیہ کالج میں پابندی کے ساتھ بحث مباحثے کے اجلاس منعقد کرتی ہے۔ شکاگو میں ہر سال ایک فیلوشپ ڈائلاگ اور عشائیہ کا اہتمام ہوتا ہے۔ الی نوائے کے عبوری امدادی پروگرام کی تنسیخ کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے ۳۱ر مارچ ۱۹۹۲ء کو مسلمانوں نے بین المذہبی روزے اور عبادت میں شرکت کی۔

مختلف علاقوں کی مسلم تنظیمیں

دی کنسلٹیٹو کمیٹی آف انڈین مسلمز آف دی یونائٹڈ اسٹیٹس اینڈ کینیڈا (سی سی آئی ایم) ایک تنظیم ہے جو ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل، مثلاً ہندوستان میں برپا ہونے والے ہندو مسلم فسادات یا ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی اور معاشی پس ماندگی سے پیدا ہونے والے مسائل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حل کرانے کی کوشش کرتی ہے۔ سی سی آئی ایم نے امریکا میں رہنے والے ہندوستانی مسلمانوں کو ان واقعات سے باخبر رکھنے کی کوشش کی ہے اور ہندوستان میں مسلمانوں سے امتیازی سلوک کرنے کے خلاف احتجاجی جلسے اور مظاہرے کیے ہیں۔ وہ امریکا میں ہندوستانی حکومت یا سفارت خانے کو معروضات بھی پیش کرتے ہیں۔ ایسے ہی مقاصد والی اس قسم کی دوسری تنظیموں میں گجراتی مسلم ایسوسی ایشن اور قومی اور لسانی روابط پر مبنی متعدد تنظیمیں مثلاً پاکستان فیڈریشن آف امریکا، انڈس سوسائٹی آف نارتھ امریکا، عرب ایسوسی ایشن، حیدرآباد ایسوسی ایشن، فلسطین ایسوسی ایشن، مصر ایسوسی ایشن اور آرگنائزیشن آف مسلمز فار پیلسٹائن شامل ہیں۔ اگرچہ اردو زبان صرف مسلمان ہی نہیں بولتے تاہم ایسی بہت سی انجمنیں ہیں جو ادبی کانفرنسوں اور مشاعروں کے انعقاد کے ذریعہ اس زبان کو فروغ دینے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ یہ تمام تنظیمیں اپنی ثقافتی، معاشرتی اور سیاسی سرگرمیوں میں بہت زیادہ مشغول ہیں۔ ان میں سے اکثر تنظیموں کے ارکان مسلم اور غیر مسلم دونوں ہیں۔

خواتین

مسلمان خواتین مسلمانوں کی معاشرتی زندگی اور اسلامی مراکز کی سرگرمیوں میں فعال کردار ادا کررہی ہیں۔ مسلم کمیونٹی سینٹر نے اپنے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں عورتوں کو بھی بحیثیت ممبر منتخب کیا ہے۔ اگرچہ دوسرے مراکز میں بھی خواتین کی شرکت کی آئینی اجازت ہے لیکن اب تک کوئی عورت منتخب نہیں ہوئی ہے بہرحال متعدد مراکز میں اسکولوں، پی ٹی اے اور مختلف قسم کی کمیٹیوں میں عورتیں موجود ہیں؛ وہ خواتین کے لیے علیٰحدہ تعلیمی پروگرام بھی وضع کرتی ہیں۔ وہ اتوار اسکولوں میں پڑھاتی ہیں اور ان میں سے جو سند یافتہ استانیاں ہیں وہ ہمہ وقتی اسلامی اسکولوں میں بھی پڑھاتی ہیں۔ بہت سی مسلم خواتین جنھوں نے اعلیٰ پیشوں میں مہارت حاصل کر رکھی ہے وہ مسلم برادری کے باہر بھی بہت سی سرگرمیوں میں حصہ لیتی ہیں۔ مسلم خواتین کی بہت بڑی تعداد طبی ڈاکٹروں کی ہے جن میں سے بعض نے اپنے ذاتی کلینک کھول رکھے ہیں بعض پیشۂ قانون سے متعلق ہیں اعلیٰ پیشوں کی حامل اکثر مسلمان خواتین اپنی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیشہ ورانہ انجمنوں میں بھی حصہ لیتی ہیں۔ مسلم خواتین استانیوں کی ایک بڑی تعداد شکاگو پبلک اسکولوں میں سند یافتہ اور دولسانی استادوں کے طور پر کام کرتی ہے۔ کسی مرکز میں بھی لباس کی کوئی سختی نہیں ہے اگرچہ ہر مرکز میں عورتوں کی عبادت کے لیے علیحدہ حصے موجود ہیں۔

نوجوان

تمام اسلامی مرکزوں، اسکولوں اور کالجوں نے مسلمانوں کی مختلف النوع رضا کارانہ خدمات، مثلاً موسم گرما میں نوجوانوں کے کیمپوں، باضابطہ سیمیناروں اور مباحثوں، تعلیمی پروگراموں، تفریحی سرگرمیوں اور کھیل کود کے پروگراموں کے لیے نوجوانوں کے بڑے فعال گروہ بنا رکھے ہیں۔ ان میں سے بعض گروہ اپنے خبرنامے شائع کرتے ہیں جن میں اسلامی موضوعات، قومی اور بین الاقوامی مسائل، اور مقامی اور قومی سرگرمیوں پر اپنی آراء کا اظہار کرتے ہیں۔ مسلم یوتھ کونسل آف شکاگو کو نوجوانوں نے خود قائم کیا ہے تاکہ اِس علاقے کے نوجوانوں کی ان تنظیموں کی مساعی کو مربوط بنایا جا سکے جن کی منصوبہ بندی میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شریک ہوں۔ مسلم یوتھ کیمپ ایک تفریحی اور تعلیمی پروگرام ہے جس میں لڑکے اور لڑکیاں ایک نجی کیمپ گراؤنڈ کا سفر کرتے ہیں اور وہاں وہ اسلامی ماحول میں ایک ہفتے تک قیام کرتے ہیں۔ کیمپ کے دوران تعلیمی پروگرام مخلوط بنیادوں پر ہوتے ہیں جب کہ تفریحی سرگرمیاں دونوں صنفوں کے لیے الگ الگ ہوتی ہیں۔ معمر مشیر کیمپ میں موجود رہتے ہیں اور معروف اساتذہ کو لیکچر دینے کے لیے مدعو کیا جاتا ہے۔

مسلم یوتھ آف نارتھ امریکا شکاگو کے علاقے میں ایک فعال قومی تنظیم ہے۔ انھوں نے حال ہی میں ایک ہفتے کا ایک طویل اور کامیاب پروگرام منظم کیا تھا جسے امریکن اسلامک کالج میں منعقد کیا گیا تھا۔

سیاسی شرکت

شکاگو کے مسلمان شکاگو کے علاقے کے سیاسی نظاموں میں داخل ہونے کی بس ابتدا کر رہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں میئر کے عہدے کے لیے ہیرالڈ واشنگٹن کی امیدواری نے شکاگو شہر کے تمام اقلیتی گروہوں کو اس امر کی ترغیب دی کہ وہ شکاگو کے سیاسی عمل میں سرگرم حصہ لیں۔ اس وقت شکاگو کے مسلمانوں نے لیگ آف مسلم ووٹرز کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔ ہیرالڈواشنگٹن کے انتخاب کے لیے لیگ کے علاوہ مسلم برادری کے متعدد ممبروں نے اپنی انفرادی حیثیت میں بھی بڑا کام کیا۔ یہ شکاگو کی سیاست میں مسلمانوں کی شرکت کی ابتدا تھی۔ میئر واشنگٹن نے مختلف علاقوں میں متعدد مسلمانوں کو مشیر کی حیثیت سے مقرر کیا۔ واشنگٹن کے دور کے بعد مسلمانوں نے رچرڈ ایم ڈیلی سے میئر کے عہدہ کے لیے تعاون کیا۔ میئر ڈیلی نے متعدد مسلمان صنعت کاروں اور علمی ماہرین کو مختلف کمیٹیوں میں مشیر مقرر کیا۔ گورنر ایڈگر اور ریاستی خازن نے متعدد مسلمانوں کو اپنی مشاورتی کونسل کے ارکان کے طور پر مقرر کیا۔

مسلمانوں نے ۱۹۸۸ء اور ۱۹۹۲ء کے ڈیموکریٹک اور ریپبلیکن کنونشنوں میں مندوب (ڈیلی گیٹ) کے طور پر شرکت کی ہے اور دونوں سیاسی جماعتوں کی سرگرمیوں میں گہری دلچسپی لی ہے۔ شکاگو میں مقامی اسکولوں کی کونسل کے حالیہ انتخابات میں بہت سے مسلمان منتخب ہوئے، تاہم شکاگو کے علاقے میں مسلمانوں کی سیاسی شرکت اب تک مسلمانوں کے حجم (آبادی) کی صحیح عکاسی نہیں کرتی۔

رابطہ کار تنظیم

مسلم برادری اور تنظیموں کی اندرونی سطح پر ایک اسلامی تنظیم قائم کرنے کا خیال پہلی بار ۱۹۵۲ء میں آئیووا میں سیڈر ریپڈس کے مقام پر مسلمانوں کے ایک نمائندہ اجتماع میں پیش کیا گیا۔ نتیجتاً ۱۹۵۴ء میں شکاگو میں مسلم انجمنوں کا وفاق یعنی فیڈریشن آف اسلامک ایسوسی ایشن (ایف آئی اے) باضابطہ طور پر قائم کیا گیا۔[۱۵] ایف آئی اے کچھ دنوں تک تو زندہ رہی لیکن اسے حالیہ تارکین وطن مسلمانوں کی بنائی ہوئی تنظیموں کی توثیق حاصل نہ ہوسکی کیونکہ بہتوں کا تاثر یہ تھا کہ فیڈریشن کے اندر لوگ اسلامی انداز میں کام نہیں کرتے تھے۔

مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن (ایم ایس اے) نے بہت سے مسلمان طلبہ کو اپنے اندر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سمیٹ لیا اور بعد میں قائم ہونے والے بہت سے اسلامی یا مسلم مراکز سابق ایم ایس اے کے ممبروں کی تخلیق تھے۔ ایم ایس اے اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکا (آئی ایس این اے) کے قیام کا بھی باعث بنی جس کا صدر دفتر پلین فیلڈ انڈیانا میں تھا۔ اگرچہ آئی ایس این اے نے مختلف ریاستوں میں اپنی شاخیں قائم کر دیں لیکن یہ امریکا کے تمام ''مراکز'' کی ''محافظ'' تنظیم بننے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ دوسرا قومی گروہ جس کی شاخیں مختلف ریاستوں میں ہیں اسلامک سرکل آف نارتھ امریکا ہے۔ ابھی حال میں کم و بیش انہی مقاصد کے لیے قومی رابطہ کمیٹی (نیشنل کوارڈینیشن کمیٹی) قائم کی گئی ہے۔

شکاگو میں تمام اسلامی تنظیموں کی سرگرمیوں کو مربوط بنانے کی متعدد کوششوں میں سے کوئی بھی کوشش اب تک بارآور نہیں ہوئی ہے اگرچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلسل کوششیں جاری رہیں گی۔ اب تک نہ تو ایف آئی اے، ایم ایس اے، آئی ایس این اے اور نہ آئی سی این اے کوئی ایسی قیادت فراہم کرنے میں کامیاب ہوئی ہے جو ان تنظیموں کو کسی نہ کسی نوعیت کی محافظ تنظیم کی شکل میں یکجا کر دیں۔

اگرچہ آئی ایس این اے کا سالانہ کنونشن ایک قومی رابطے کی ہیئت قائم کرنے میں امریکا کے اکثر اسلامی مراکز کے مسلمانوں کے لیے کشش کا باعث بنتا ہے لیکن آئی ایس این اے اس اجتماع کو امریکا کے اسلامی مراکز سے براہ راست رابطہ قائم کرنے کے لیے استعمال کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی ہے۔ آئی ایس این اے کے لیے غالباً یہ بہت ہو گا کہ وہ امریکا میں تمام مسلم تنظیموں کا ایک وفاق بنانے کے تصور پر کارروائی شروع کرے۔ اس سے مقامی تنظیموں کو اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی آزادی بھی حاصل رہے گی اور آئی سی این اے کے ساتھ ان کا تعلق بھی قائم رہے گا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بہتر مشورہ ہوگا کہ دونوں قومی تنظیمیں یعنی آئی ایس این اے اور آئی سی این اے پہلے خود اپنی کوششوں کو باہم مربوط بنائیں تاکہ وہ دوسری تنظیموں تک اپنی بات پہنچا سکیں۔ بحیثیت عمومی، ایک واحد ہیت کے ذریعہ تمام اسلامی تنظیموں کی سرگرمیوں کو مربوط کرنے کی متعدد کوششیں مختلف وجوہ کی بنا پر اب تک کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوئی ہیں۔

۱۔ قیادت: کسی بھی برادری کی تنظیم میں خواہ وہ نسلی ہو، مذہبی ہو، سماجی ہو یا سیاسی،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیادت کا سوال رابطہ کار تنظیم کی ہیئت اور ساخت پر غور کرتے ہی اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ بنیادی عقیدے کے لحاظ سے تمام مسلمان اللہ، قرآن اور ختم نبوت کے مسائل پر متحد ہیں لیکن تشریحات اور طریق کار کے معاملے میں ان میں ہمیشہ اتفاق نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا اب تک یہ بات واضح نہیں ہوئی ہے کہ کس تنظیم اور کس کی قیادت میں رابطہ شروع ہوگا۔

۲۔ نمائندگی: شکاگو میں چالیس سے زیادہ اسلامی مراکز اور تنظیمیں موجود ہیں جن میں سے بعض اکثر جدید تنظیموں کے مقابلے میں زیادہ پرانی، رُکنیت کے اعتبار سے زیادہ بڑی اور اس لیے مالی طور پر زیادہ مستحکم ہیں لہٰذا یہ بات بڑی فطری ہے کہ بڑے گروہوں کی رائے کی زیادہ اہمیت ہے بلکہ وہ چھوٹے گروہوں پر حاوی رہتے ہیں۔ اس کی ایک اور خاص وجہ یہ بھی ہے کہ ان بڑے گروہوں کے وسائل بھی زیادہ ہیں لہٰذا ان کا اثر بھی زیادہ ہے۔ بعض بڑی تنظیمیں اس موقف کی تائید کرتی ہیں کہ کسی رابطہ کونسل میں نمائندگی ممبروں کی تعداد کے تناسب سے ہونی چاہیے۔ ان حالات میں چھوٹی تنظیموں کا خیال قدرتاً یہ ہوتا ہے کہ وہ اس قسم کی نمائندہ ہیئت میں جو بھی حصہ لیں گی وہ اہم نہیں ہوگا۔

۳۔ مالی ذرائع: مالی ذرائع کا سوال بڑے اور چھوٹے گروہوں میں ہمیشہ کشیدگی کا سبب رہا ہے۔ تناسب کے اعتبار سے بڑے اور مالی لحاظ سے زیادہ مستحکم گروہ زیادہ چندہ دیں گے اور یوں وہ تنظیم کے اندر زیادہ اثر ورسوخ کے بھی طالب ہوں گے۔ رابطہ کونسل کے لیے رقم اکٹھا کرنے کی کوئی اسکیم اب تک وضع نہیں ہوئی ہے۔ جب تک یہ نہیں ہوتا اس وقت تک رابطہ کونسل کے لیے رقم حاصل کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوگا۔

۴۔ منصوبے: سب سے اہم مسئلہ اس بات کا انتخاب ہے کہ کس مخصوص قسم کے منصوبوں کو رابطہ گروپ ہاتھ میں لے گا اور کس طرح اس کا تعین ہوگا کہ وہ منصوبہ شکاگو میں تمام مسلم برادری کے بہترین مفاد میں ہے۔

۵۔ صدر دفتر: یہ نسبتاً ایک معمولی مسئلہ ہے تاہم کسی خاص جگہ پر صدر دفتر کے قیام کے ساتھ جو اہمیت وابستہ ہے اس حد تک یہ مسئلہ بھی شریک تنظیموں میں اختلاف پیدا کرنے کا باعث بن سکتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شکاگو میں اس قسم کے رابطے کے لیے کسی انجمن کے قیام کے لیے یہ وقت بہت موزوں ہے اور جو لوگ سختی کے ساتھ اس رائے پر قائم ہیں وہ اس سلسلے میں اپنی کوشش جاری رکھیں گے۔ لیکن بہرحال یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ جب تک ان بنیادی مسائل کو صحیح طور سے اور اسلامی نقطۂ نظر سے حل نہیں کر لیا جاتا اس وقت تک کوئی کامیاب رابطہ انجمن قائم کرنا مشکل ہوگا۔ ابھی حال ہی میں کونسل آف اسلامک آرگنائزیشن قائم کرنے میں ایک معمولی سی کوشش کی بالکل انہی وجوہ سے مخالفت ہوئی جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

حاصل کلام

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ شکاگو کے مسلمان اپنے مذہب کے معاملے میں بہت پختہ، مالی لحاظ سے بہت مستحکم، تعلیم یافتہ اور فعال ہیں۔ مسلم برادری شکاگو شہر کی ترقی اور خوش حالی میں بڑا نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ مہارت کے مختلف میدانوں میں متعدد اعلیٰ ہنرمند پیشہ ور مسلمان مرد اور عورتیں موجود ہیں۔ ان میں طبی ڈاکٹر، انجینئر، جوہری سائنس داں، اسکول اور یونیورسٹی دونوں سطحوں کے معلمین، سائنس داں اور معاشرتی علوم کے ماہرین شامل ہیں اور یہ لوگ مالی اور ذہنی دونوں لحاظ سے شکاگو شہر کی بہبود میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ مسلم برادری میں ایک بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی بھی ہے جو کریانہ اسٹور، ریستوران، ٹریول ایجنسیوں اور دوسرے قسم کے تجارتی اداروں کے مالک ہیں یا انھیں چلا رہے ہیں۔ ان کے علاوہ ان میں ملازمت پیشہ لوگ بھی ہیں، نیم ہنرمند مزدور بھی اور دوسری ملازمتوں کے لوگ بھی۔ پاکستانی برادری حال ہی میں شکاگو میں ایک سڑک کا نام تبدیل کروا کر بانیٔ پاکستان محمد علی جناح کے نام پر رکھوانے میں کامیاب ہوگئی ہے۔

شکاگو کے مسلمان مختلف اقسام کی رضا کارانہ، مخیّرانہ اور معاشرتی تنظیمیں چلا رہی ہے مثلاً اسلامی مراکز، مساجد، تعلیمی ادارے اور نوجوانوں کی سرگرمیوں کے مرکز۔ ان رضا کارانہ انجمنوں اور ان کی سرگرمیوں میں تنوع اور خوبیاں مسلم برادری کی سماجی اور اخلاقی خصوصیات کی نشان دہی کرتی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہر حال ہر برادری کو کچھ نہ کچھ نشیب و فراز کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔ مسلمان بھی اس صورت حال سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ ان کے اپنے مسائل ہیں جنھیں وہ سیمیناروں، بحث مباحثوں اور مضامین جیسے طریقے استعمال کرتے ہوئے علمی و فکری انداز میں جمہوری بنیادوں پر حل کر لیتے ہیں۔ مسلمان جمہوری انداز میں یہ سب کچھ کرتے ہیں۔ بعض لوگ اپنے مراکز اور ان کی رابطہ کار سرگرمیوں کے لیے رقم مہیا کرتے ہیں۔ تاہم اگر وہ اپنی برادری کے لوگوں اور پورے شہر کی عام آبادی کی فلاح و بہبود کے لیے آواز اٹھانا چاہیں تو ان کے پاس اس مقصد کے حصول کے لیے اب بھی کوئی طاقت ور ذریعہ ابلاغ نہیں ہے جس کی انھیں بہر حال ضرورت ہے۔

مسلمان بحیثیت امریکی شہریوں کے اپنے حقوق و فرائض کا زیادہ سے زیادہ معاشرتی اور سیاسی شعور حاصل کرتے جا رہے ہیں۔ مقامی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر جو واقعات پیش آتے ہیں ان میں سے جنھیں وہ پسند کرتے ہیں اس کے حق میں اور جسے وہ ناپسند کرتے ہیں اس کے خلاف مظاہروں میں شرکت کرتے ہیں۔ روز بروز ان کا سامنا ایسے مسائل سے بڑھتا جا رہا ہے جو ان پر بحیثیت مسلمان اور امریکی کے اثر انداز ہوتے ہیں اور پھر وہ انفرادی اور اجتماعی طریقوں سے ان مسائل کے سیاق و سباق پر بحث کرتے ہیں۔ بعض اوقات یہ مباحثے طریق کار طے کرتے وقت بڑے گرما گرم ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ مسلمانوں کا مذہب ایک ہے لیکن ان کی زبانیں اور نقطہ ہائے نظر مختلف ہیں۔ اسی طرح جغرافیائی، لسانی اور دوسری معاشرتی اور ثقافتی بنیادوں پر مبنی ان کا نسلی تشخص انھیں گروہ در گروہ بانٹ دیتا ہے۔ اس کے باوجود ان کے اسلامی مراکز کے کاموں میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔ برادری کی ترقی، تفہیم، خوش حالی اور اسلامی اقدار کے لیے امریکا کے وسیع تر معاشرے میں ان کے ادغام کے نقطۂ نظر سے ان بحث مباحثوں کو بڑا صحت مند سمجھا جاتا ہے۔ یہ بحث مباحثے عموماً ان طریقوں کے بارے میں ہوتے ہیں جنھیں مختلف مسائل سے نمٹنے کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے۔

دوسرے قدیم گروہوں کے مقابلے میں مسلمان ایک نسبتاً نئی مذہبی برادری ہیں۔ وہ اپنے بچوں کا مستقبل تعمیر کرنے کے لیے بے چین ہیں۔ وہ اپنے مذہب کے ساتھ ساتھ اپنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امریکی تشخص کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ شکاگو کے علاقے میں دوسری مذہبی اور نسلی برادریوں کے ساتھ مل کر ایک متحدہ برادری قائم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مقاصد صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں جب مسلمان اور ان کی تنظیمیں اپنی پچھلی غلطیوں کو محسوس کر لیں جو انھوں نے اس اسّی (۸۰) فیصد مسلم آبادی کو نظر انداز کر کے کی تھیں جو ان کی سرگرمیوں میں شریک نہیں تھی۔ اگر شکاگو کے مسلمانوں کو شہر شکاگو کے وسیع تر سیاق و سباق میں ایک مثبت قوت بننا ہے تو یہ ضروری ہے کہ وہ کسی میدان میں قدم رکھنے سے پہلے اپنے اعمال و اقدام کا تنقیدی تجزیہ کریں۔ اب یہ ذمہ داری عام طور سے امریکا کے تمام مسلمانوں پر اور خاص طور سے شکاگو کے مسلمانوں پر ہے کہ وہ اپنی ہی آبادی کے اسّی (۸۰) فیصد اور بیس (۲۰) فیصد کے درمیان اختلافات کی خلیج کو پاٹیں اور ایسے سیاسی، معاشرتی، ثقافتی اور دوسری نوعیت کے اختلافات کو کوئی اہمیت نہ دیں جو اُن میں انتشار پیدا کر سکتے ہیں۔

حواشی

اس مقالے کی تکمیل کے لیے مواد اور معلومات فراہم کرنے کے سلسلے میں مصنفین میری سی علی، رجسٹرار امریکن اسلامک کالج اور ادارتی تبصروں کے لیے ایس وقار احمد حسینی، وائس پریزیڈنٹ فار ڈیولپمنٹ، امریکن اسلامک کالج اور وزٹنگ اسکالر، ہوور انسٹی ٹیوشن آف وار، ریولیوشن اینڈ پیس، اسٹین فورڈ یونیورسٹی، کیلی فورنیا کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

۱۔ لارنس اوشنسکی، "Islam in Chicago: Being a Study of the Acculturation of a Muslim Palestinian Community in That City" (پی ایچ ڈی کا مقالہ، یونیورسٹی آف شکاگو: ۱۹۵۲ء)

۲۔ عبد الجلیل الطاہر، "The Arab Community in Chicago Area, A Comparative Study of the Christian-Syrians and the Muslim Palestinians" (پی ایچ ڈی کا مقالہ، یونیورسٹی آف شکاگو، ۱۹۴۷ء) انیسویں صدی کے اواخر میں شکاگو میں تقریباً سو خاندان آباد تھے۔ اس طرح فی خاندان پانچ کے اوسط سے وہاں عرب مسلمانوں کی تعداد پانچ سو بن جاتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ ایضاً ص ۲

۴۔ صدی کے خاتمے پر متعدد فلسطینی عرب رملہ کے گاؤں سے شکاگو آئے اور وہاں اٹھارہویں اسٹریٹ اور مشی گن ایونیو کے نواح میں ضروری سامان سے آراستہ کمروں میں آباد ہوگئے۔ (اوشنسکی، Islam in Chicago، ص ۲۳)

۵۔ ایضاً ص ۲۷

۶۔ اسد حسین اور آصفہ حسین: "Islam and Non-Muslim Soceity, A Case Study of Islam in the USA" (غیر مطبوعہ مقالہ جسے مارچ ۱۹۷۸ء میں شکاگو میں منعقدہ مسلم کمیونٹی ڈیولپمنٹ کانفرنس میں پڑھا گیا۔

۷۔ ۱۹۷۸ء میں کمال کے ساتھ اسد حسین کا ذاتی انٹرویو

۸۔ "Islamic Foundation brochure" تاریخ درج نہیں ص ۵

۹۔ حسین اور حسین، "Islam and Non-Muslim Society" ص ۱۶

۱۰۔ ایم اے رؤف، "Islam and Islamic Institutions in North America"۔ *Impact 6-77* (۹ تا ۲۲/اپریل، ۱۹۷۶ء)

۱۱۔ "Muslim and Community Development Project" (شکاگو: ۱۹۷۷) "Muslim Community Center Masjid Planning Committee"، ص ۱۰۔ یہ اعداد و شمار ۱۹۷۷ء کے ایک جائزے پر مبنی ہیں لیکن ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ معمولی ردوبدل کے ساتھ ۱۹۹۲ء کے اعداد و شمار بھی کم و بیش وہی ہیں۔

۱۲۔ ایضاً ص ۱۱

۱۳۔ حجاب اور دوپٹہ سرڈھانکنے کے طریقے ہیں۔

۱۴۔ اس کے بانی اور منیجر ڈاکٹر ایم امیر علی کے مطابق انسٹی ٹیوٹ کے حسب ذیل مقاصد ہیں: (۱) اسلام کے تاثر کو بلند کرنے کے لیے نصابی کتابوں، حوالے کی کتابوں، اور ذرائع ابلاغ سے گمراہ کن اور توہین آمیز معلومات کو خارج کروانا اور غلط معلومات مقابلہ کرنا؛ (۲) قرآن و سنت کے مثبت طریقوں کو استعمال کرتے ہوئے امریکا کی قدیم آبادی کو دعوت دینا کہ وہ اسلام کے لیے اپنے دلوں میں وسعت پیدا کریں؛ (۳) شکاگو کے نئے امریکی مسلمانوں کو تعلیم و تربیت دینا اور انھیں وسیع تر مسلم معاشرے میں شامل کرنے کی کوشش کرنا۔ انسٹی ٹیوٹ نے گلی کی سطح پر پہلا دارالمطالعہ شکاگو میں ۱۹۸۸ء میں قائم کیا تھا۔

۱۵۔ حسین اینڈ حسین، "Islam and Non-Muslim Society" ص ۱۴۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۱

انڈیاناپولس کے مسلمان

اسٹیو اے جانسن

تعارف

۱۹۳۳ء میں پیرے کریائٹس نے، جو مصر میں صدر ٹافٹ کے نمائندے تھے لکھا:

''اس امکان پر غور کرتے ہوئے کہ محمڈنزم امریکی افق پر ایک سیاہ دھبہ بن جائے گا یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ آج پوری دنیا میں لوگ ہر مذہب سے زیادہ اسلام کو قبول کررہے ہیں۔ مسلمانوں کا مذہب ممکن ہے کہ خاص طور سے پسماندہ اقوام میں زیادہ مضبوط ہو لیکن یہ دم توڑتا ہوا مذہب نہیں ہے۔ صرف یہیں مصر میں جہاں ایک کروڑ چالیس لاکھ مسلمان ہیں اور عیسائی، یہودی اور لامذہب مل کر دس لاکھ ہیں وہاں، مجھے بتایا گیا ہے کہ، اگر تبدیلی مذہب کے سو واقعات ہوتے ہیں تو ان میں صرف ایک مشترکہ طور پر تمام عیسائی گرجوں میں رونما ہوتا ہے۔

یہ اعداد و شمار میں نے ایک ایسے ذریعے سے حاصل کیے ہیں جس کے دل میں عیسائی مشن کے لیے بڑا نرم گوشہ ہے۔ یہ اعداد و شمار تو مجھے خوف زدہ کیے دے رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جیسوئٹ فادرز، کرسچین برادرز، پرسبیٹیرین پادری اور اینگلیکن مشنریز اچھا کام نہیں کررہے ہیں۔ یقیناً یہ لوگ اچھا کام کررہے ہیں لیکن مسلمانوں میں مذہب کو تبدیل کرنے والوں کی تعداد بہت کم اور حوصلہ شکن ہے۔

اگر یہ نئے عیسائی امریکا واپس آئیں تو جس جذبہء آتشیں کا یہ مظاہرہ کریں گے اور جس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نوعیت کے تبلیغی خطبے دیں گے ان کے نتائج کو، جو مجھے امریکا کے مستقبل میں نظر آ رہے ہیں، سوچ کر میں کانپ اٹھتا ہوں۔[۱]

ہوسکتا ہے کہ ریاٹس کا وسوسہ کسی الہامی نوعیت کا ہو۔ بعض محققین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اگلی [اکیسویں] صدی کے ابتدائی حصے تک اسلام امریکا میں دوسرا سب سے بڑا مذہب بن جائے گا۔ یعنی مسلمانوں کی تعداد اس وقت تک یہودیوں کی تعداد سے بڑھ چکی ہوگی۔[۲] تاریخی اعتبار سے وسطی مغربی ریاستیں اسلامی اداروں کی ترقی کے حوالے سے بہت اہم رہی ہیں۔ تاہم اگرچہ وسطی مغربی شہروں، مثلاً ڈیٹرائٹ (ڈیربورن)، ٹولیڈو اور سیڈرریپڈس، میں مسلمانوں کے بارے میں اب تک بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن انڈیانا پولس کے مسلمانوں کا ذکر بڑے سرسری انداز میں کیا گیا ہے اور صرف اِس حوالے سے کہ اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکا کا صدر دفتر انڈیانا پولس کے ایک مضافاتی علاقے میں ہے۔[۳]

اس مقالے میں، میں مسلمانوں کے نسبتاً نظر انداز کیے گئے گروپ سے متعلق تین پہلوؤں پر روشنی ڈالوں گا: (۱) انڈیانا پولس میں اسلامی اداروں کے قیام اور ترقی کی تاریخ؛ (۲) اسلامی اداروں اور ان کی سرگرمیوں کا تذکرہ اور (۳) شہر کے اندر مسلمان گروہوں کے باہمی تعلقات کا بیان۔

انڈیانا اور انڈیانا پولس میں مسلم آبادی کا ایک تخمینہ

افریقی امریکی مسلمانوں کی پورے ملک میں جو آبادی ہے اس کی نسبت سے انڈیانا میں ان کی فیصد آبادی بہت زیادہ ہے۔ اس کے برعکس مشرقی یورپی مسلمانوں کی فیصد آبادی انڈیانا میں واضح طور پر کم ہے (اور اس سے بھی کم فیصد آبادی ایشیا اور ذیلی صحارا کے مسلمانوں کی ہے)۔ انڈیانا میں مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے مسلمانوں کی فیصد آبادی پورے ملک میں ان کی آبادی کی اوسط کے لگ بھگ برابر ہے۔ خود مسلمانوں کے تخمینے کے مطابق ۱۹۹۰ء میں انڈیانا پولس میں اُن کی آبادی تقریباً دو ہزار تھی۔[۴] یہ اعداد و شمار ۱۹۷۸ء کی اس زبانی رپورٹ کے مماثل ہیں جو انڈیانا پولس مسلم ایسوسی ایشن کے علی ابوطالب نے دی تھی۔[۵]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انڈیانا میں اسلامی اداروں کے قیام کی ایک مختصر تاریخ

انڈیانا پولس میں اسلامی ادارے تخمیناً ۱۹۴۰ء اور ۱۹۸۰ء کے عشروں کے درمیان قائم ہوئے تھے۔ بحیثیت عمومی افریقی امریکی مسلم اداروں کا آغاز ۱۹۴۰ء اور ۱۹۵۰ء کے عشروں میں ہوا تھا اور آبادکار مسلمانوں کے ادارے ۱۹۶۰ء سے لے کر ۱۹۸۰ء کے عشروں کے درمیان قائم ہوئے تھے۔ ابتدائی اسلامی اداروں میں، جو اس شہر میں قائم ہوئے تھے، پہلا ادارہ غالباً ایک عبادت گاہ تھا جو مورش امریکن سائنس ٹیمپل تحریک سے ملحق تھا۔ بظاہر یہ ادارہ ۱۹۴۰ء کے عشرے کی ابتداء میں قائم ہوا تھا[۶]۔ دوسرے عشرے میں ایلیجاہ محمد کی قیادت میں نیشن آف اسلام انڈیانا پولس میں نمایاں طور پر سامنے آئی۔

پہلے آبادکار مسلمان* جو انڈیانا پولس آئے وہ ہندوستان کے احمدی (قادیانی) مسلم تھے۔ جن کی موجودگی اس شہر میں اپنی آبادی اور عرصہ قیام کے لحاظ سے بہت معمولی تھی۔ عشرہ ۱۹۶۰ء کی ابتدا میں یہ گروہ قائم ہوا اور عشرہ ۱۹۷۰ء کے آخر تک یہ غائب ہو گیا۔ عشرہ ۱۹۷۰ء میں انڈیانا پولس کی مسلم برادری کے اندر دو بڑے اہم واقعات رونما ہوئے۔ ۱۹۷۳ء میں اُن سُنی افریقی امریکی مسلمانوں کی نمازوں کی ادائیگی کے لیے "الفجر مسجد" خریدی گئی جو ایلیجاہ محمد کی تحریک سے وابستہ نہیں تھے۔

پھر ۱۹۷۵ء میں مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن (ایم ایس اے) نے اپنا صدر دفتر گیری، انڈیانا سے انڈیانا پولس منتقل کر دیا۔ ۱۹۸۲ء کے موسم گرما میں ایم ایس اے ایک عظیم تر اسلامی تنظیم کی شکل میں قائم ہوئی، اس کا نام اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکا (آئی ایس این اے) رکھا گیا (یہ تنظیم دوسری اسلامی تنظیموں اور اداروں کے لیے نگراں اور محافظ کی طرح تھی)۔ یہ انڈیانا پولس کے مغربی مضافاتی علاقے انڈیانا میں ۱/۱۲۴ ایکڑ کے ایک وسیع دیہی میدان پر واقع تھی۔

* قادیانیوں کو پاکستان میں سرکاری طور پر غیر مسلم قرار دیا گیا ہے، اور یہی صورت تقریباً تمام مسلمان ملکوں میں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اساسی اسلامی، افریقی امریکی اداروں کی تاریخ

مورش امریکن سائنس ٹیمپل موومنٹ

انڈیانا پولس میں اس گروہ کی ابتدا کے بارے میں بہت کم علم ہے۔ مارچ ۱۹۵۹ء کے ایک اخباری مضمون میں، اس گروہ کے بارے میں، جو ۷۹۶، انڈیانا ایوینیو پر واقع تھا، یہ بتایا گیا تھا کہ یہ انڈیانا پولس کا ایک پھلتا پھولتا ادارہ ہے۷۔ ایک دوسرا ٹیمپل انڈیانا ہاربر، انڈیانا میں واقع تھا۔۸ اس گروپ کے لیڈر گرانڈ گورنر جے بلیکلی بے قریب ہی بیوٹی ایوینیو میں رہتے تھے۔ یہ گروہ اپنے عیسائی ''بھائیوں'' کے ساتھ محبت پر زور دیتا تھا اور یہ بتاتا تھا کہ امریکا میں غلام بنا کر لائے جانے سے پہلے وہ لوگ شمالی افریقہ کے موآبی [حضرت لوطؑ کی نسل کے لوگ] قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا بیان تھا کہ موآبیوں کا تعلق مُوری نسل سے تھا اور وہ سب مسلمان تھے۔ یہ گروہ جمعہ کی شام کو نماز اور اتوار کی سہ پہر کو مطالعۂ قرآن کی کلاسوں کا اہتمام کرتا تھا۔ یہ لوگ ہر سال ۸ رجنوری کو اپنے امریکی ہادی نوبل ڈریوعلی کی یاد میں اپنی عبادت گاہ میں تحائف کے تبادلوں کی تقریب منعقد کرتے تھے۔عشرہ ۱۹۶۰ء کی ابتدا میں وہ علاقہ انڈیانا یونیورسٹی کے انڈیانا کیمپس بالخصوص اسکول آف میڈیسن کی عمارت تعمیر کرانے کے لیے خالی کرالیا گیا۔ اس کے بعد گروپ اور اس کے ممبروں پر کیا گزری، اس کا علم نہیں۔

دی نیشن آف اسلام

افریقی امریکی مسلمان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نیشن آف اسلام کی ایک عبادت گاہ کی تعمیر میں انڈیانا پولس کی پولیس مزاحم ہوئی لہٰذا پہلا گروپ شہر کے اندر انڈیانا ایوینیو کے ساتھ مکانوں اور دکانوں میں غیر رسمی طور پر قائم کیا گیا۔ آخرکار شہر کے شمال مغربی حصے میں ۲۹۰۵، کلفٹن پر صدر دفتر قائم کیا گیا۔ عمارت کے سامنے والے رخ پر ایک سائن بورڈ لگا ہوا تھا جس پر لکھا تھا ''محمد کی مسجد'' اور دروازے پر سرخ رنگ کا پرچم پینٹ کیا ہوا تھا جس پر سفید رنگ میں ہلال اور ستارہ بنا ہوا تھا۔ کھڑکیوں پر اطلاع نامے لگائے جاتے تھے جن کے ذریعے شکاگو میں ہونے والی ایلیجاہ محمد کی تقریروں کی خبر دی جاتی تھی۔ مسلمانوں کا کہنا یہ ہے کہ ایلیجاہ محمد کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کبھی انڈیاناپولس آنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ایک بار جب شہر میں ان کی تقریر کے انتظام کی کوشش کی جارہی تھی تو مبینہ طور پر پولیس نے عمارت کے مالکوں پر سختی کی کہ وہ مسلمانوں کو کرایہ پر کوئی جگہ نہ دیں۔ ایک مصنف اس گروپ کے بارے میں لکھتا ہے:

> برتری پر یقین رکھنے والے مسلمان اب وہاں ہیں جہاں کبھی سفید رنگ کی برتری والے کوکلکس کلان (Ku Klux Klan کے کے کے) راج کیا کرتے تھے۔ یہ کنتی کے مسلمان، نیگرو کے گھروں اور انڈیانا ایوینیو میں، جو کبھی انڈیاناپولس کے بدمعاشوں کا اڈا ہوا کرتا تھا، نیون لائٹ سے چمکتے دمکتے اسٹوروں میں اپنے اجلاس کرتے ہیں۔ ان اسٹوروں میں سامان رہن رکھنے والی دکانوں سے لے کر ایک جنرل اسپتال تک شامل تھے۔ محکمہ پولیس کی داخلی سلامتی ڈویژن کے رچرڈ کین نے ایک بار کہا ''یہ لوگ دوسروں میں ضم نہیں ہونا چاہتے۔ یہ تو دوسروں کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں''۔[۹]

۱۹۶۴ء کی ایک رپورٹ کے مطابق سیاہ فام لوگوں کی مجموعی آبادی، ایک لاکھ دو ہزار میں سے ''بلیک مسلم موومنٹ'' کے ارکان کی تعداد صرف پچیس تھی۔[۱۰] یہ گروہ اتوار کو دو بجے دوپہر اپنی ہفتہ وار عبادت کا اہتمام کرتا تھا جس سے شکاگو کے امام خطاب کرتے تھے اور وہ ان ممبروں سے بدھ کی شام کو ملاقات بھی کیا کرتے تھے۔[۱۱]

۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کے عشروں میں ''نیشن آف اسلام'' انڈیاناپولس میں اپنی تعداد کے لحاظ سے کسی اہمیت کی حامل نہیں تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاہ فام برادری کے بہت سے لوگ خود بھی شہر میں اس گروہ کی موجودگی سے خوش نہیں تھے۔ اس گروپ کے ایک رکن کنگ محمد (کنگ پریسٹن) نے ایک بار کہا تھا، ''ان نام نہاد نیگرو افراد کے لیے یہ مشکل نہ تھا کہ جب ہم ایک طرف کھڑے اخبار بیچ رہے ہوں تو یہ ہم پر کتے چھوڑ دیں''۔[۱۲] ۱۹۷۵ء میں جب ایلیجاہ محمد کا انتقال ہوا تو ولیس محمد کے قیادت سنبھالنے سے پہلے تحریک کے ہر رکن سے یہ تقاضا کیا گیا کہ وہ تحریک کے اخبار "Muhammad Speaks" (محمد کا فرمان) کی تین تین سو کاپیاں فروخت کرے۔ پولیس والوں کے لیے یہ عام بات تھی کہ وہ تحریک کے ممبروں کو اخبار بیچتے ہوئے ان پر نقص امن، آوارہ گردی اور کبھی کبھی گرفتاری میں مزاحمت کرنے کا الزام لگا کر گرفتار کرلیں۔[۱۳]

۱۹۷۱ء میں یہ تحریک تشدد کی لپیٹ میں آگئی۔ مقامی تنظیم کے اندر گروپ کے نوجوان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارکان اور معمر ارکان کے درمیان مالی معاملات اور قیادت کے طریقہء کار کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈینیل گرین (برادر منسٹر ایکس) جو ان دنوں پچیسویں اور سینٹرل ایوینیو پر واقع مسجد کے امام تھے اور لیونارڈ تھامس کلارک جونیئر، دونوں ہی قتل کر دیئے گئے۔ قتل کے ان دونوں واقعات کا معمہ شہادت، گواہوں اور مشتبہ افراد کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اب تک حل نہ ہو سکا۔[۱۴]

جب تک ایلیجاہ محمد زندہ تھے اور ان کے بیٹے وارث (ولیس) دین محمد قائد نہیں بنے تھے، گروپ کی رکنیت میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوا۔ وارث دین محمد جس راستے پر تحریک کو چلا رہے تھے انھیں خطوط پر شہر میں ایک مسلم برادری قائم کرنے کے لیے مارچ ۱۹۸۱ء میں وہ محمد صدیق کو انڈیانا پولس لے آئے۔ محمد صدیق ہارلم میں یونیورسٹی آف اسلام کے ڈائریکٹر آف ایجوکیشن اور تلاہاسی، فلوریڈا میں بحیثیت امام کام کر چکے تھے۔ پہلی مسجد ۲۹۳۱، سینٹرل ایوینیو میں تعمیر کی گئی۔ ان کے آنے کے اگلے سال رکنیت بڑھ کر ڈیڑھ سو سے دو سو کے درمیان ہو گئی۔ پانچ سال کے اندر اندر نمازِ جمعہ میں نمازیوں کی تعداد ساٹھ سے پچھتر، عید کی نمازوں میں ستر سے سو ہو گئی اور ایک تخمینہ کے مطابق ایک ہزار سے زیادہ آدمیوں نے ''شہادۃ'' [رکنیت] حاصل کی۔[۱۵] مقامی مسجد جمعہ اور اتوار کو ایک بجے دوپہر کے وقت مذہبی عبادت کا اہتمام کرتی تھی اور منگل کو سات بجے شام اپنے ارکان کی تعلیم و تربیت کے لیے جلسے منعقد کرتی تھی۔ سنیچر کو رات نو بجے ڈبلو جی آر ٹی۔ ایف ایم پر ریڈیو کا ایک پروگرام بھی نشر کرتی تھی۔

جولائی ۱۹۸۳ء میں صدیق کے گروہ نے ایم کاپ چیپٹر (AMMCOP) کے نام سے امداد باہمی کا ایک منصوبہ شروع کیا جسے وارث دین محمد کے تحت امریکن مسلم مشن چلاتا تھا۔ ستمبر ۱۹۸۴ء میں ڈبلو ڈی محمد انڈیانا پولس آئے اور یہاں انھوں نے ایک رومن کیتھولک سینٹر میں ایم کاپ چیپٹر کے حق میں ایک تقریر کی، لیکن یہ کاروبار بہت عارضی ثابت ہوا۔[۱۶] فنڈ اکٹھا کرنے میں مدد دینے کے لیے مسجد کے سامنے ایک چھوٹا سا ریستوران قائم کیا گیا۔ بہرحال اپنے پورے عرصہ حیات میں یہ گروپ مالی استحکام کے لیے جدوجہد ہی کرتا رہا۔

اگرچہ اسٹور کے سامنے مسجد کے لیے جگہ اس گروپ نے دس سال کے پٹے پر حاصل کی تھی لیکن ۱۹۸۷ء ہی میں اسے عمارت سے نکال باہر کیا گیا۔ اس کے بعد یہ لوگ مختلف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جگہوں پر اپنے اجتماع کرتے رہے مثلاً مارٹن سینٹر (جو تقریباً پانچ سو طلباء پر مشتمل، اپنی جدوجہد میں مشغول، سیاہ فاموں کی ایک چھوٹی سی یونیورسٹی ہے جس کے صدر بونیفیس ہارڈن ایک سیاہ فام راہب ہیں جنھیں شہری حقوق کے بارے میں کام کرنے کی بنا پر انڈیانا پولس میں بڑی شہرت حاصل ہے)، صدیق ہوم، کیتھولک چرچز، ایک وائی ایم سی اے اور کرسپس اٹکس اسکول وغیرہ۔ اس گروپ نے اپنے اسلامی مرکز کے لیے حال ہی میں ۲۰۴۰ ای، ۴۶ ویں اسٹریٹ پر جائیداد حاصل کی ہے جسے یہ لوگ ڈینیل محمد اسلامک سینٹر کہتے ہیں (یہ ڈینیل محمد کے نام سے منسوب ہے جنھیں ۱۹۷۱ء میں قتل کر دیا گیا تھا)۔

محمد صدیق کا بیان ہے کہ ان کے گروپ کو مسیحی برادری کی بڑی ہمدردی حاصل ہے۔ درحقیقت صدیق کو اقلیتی کلیسا کے ''متعلقہ پادری'' کے طبقے میں قائد کی حیثیت حاصل ہے۔ وہ دعوۃ اور عدل عمرانی کے مسائل کے بارے میں خاص طور سے جہاں تک ان کا تعلق انڈیانا پولس میں نسلی مسائل سے ہے، بڑے فعال ہیں (وہ سیاہ فاموں پر پولیس کے مبینہ مظالم کے بارے میں بہت کھل کر بات کرتے ہیں) اور کبھی کبھار مقامی یونیورسٹیوں میں بھی تقریر کرتے ہیں اور ''الفاتحہ'' کے نام سے ایک مقامی ریڈیو پروگرام بھی نشر کرتے ہیں۔

صدیق کا بیان ہے کہ آئی ایس این اے (ISNA) اور آبادکار مسلمان برادری کے ساتھ ان کے گروپ کے تعلقات میں ہمیشہ دوری رہی ہے، مخصوص مواقع مثلاً عیدین کی نماز وغیرہ کے موقعوں پر مقامی اور آبادکار برادریاں یک جا ہوجاتی ہیں لیکن حال ہی میں یہ تعلقات بھی کھچاؤ کا شکار ہو گئے۔ آبادکار مسلمانوں کے زیادہ قدیم الخیال لوگ عید کی نماز کے موقع پر مردوں اور عورتوں کے الگ رہنے پر اصرار کرتے ہیں جب کہ مقامی لوگ ان موقعوں پر خاندان کے ساتھ یعنی میاں، بیوی اور بچے مل جل کر بیٹھنا اور عبادت کرنا پسند کرتے ہیں۔ مقامی برادری نے آئی ایس این اے کی جانب اور خود اپنے خیال کے مطابق آئی ایس این اے کے اس رویئے کی جانب کہ ''ان (مقامی امریکیوں) پر حکومت کرو یا انھیں نظر انداز کرو'' ایک منفی رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ صدیق کا بیان ہے کہ آئی ایس این اے کے ساتھ تعلقات اس وقت تک بہت عمدہ رہے جب تک اقبال یونس آئی ایس این اے کے سیکریٹری جنرل تھے لیکن جب سے ڈاکٹر یونس اپنی بیماری کے باعث اپنے فرائض ادا کرنے سے قاصر ہوئے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو معاملات بگڑتے گئے۔ یہ تعلقات سب سے زیادہ خراب احمد ذکی کی قیادت کے دوران رہے جو مبینہ طور پر مصر کی اخوان المسلمون کے ایک رکن تھے۔ آئی ایس این اے کے خلاف صدیق کی برادری کو حسب ذیل شکایات ہیں:

۱۔ آئی ایس این اے میں ثقافتی علیحدگی پسندی اور عرب غلبے کی وجہ سے ''بہت سے آبادکار مسلمانوں کو کسی حد تک نسل پرستی کے رجحانات کا گمان ہوتا ہے۔''

۲۔ ڈبلوڈی محمد کی کوئی کتاب آئی ایس این اے کی لائبریری میں نمایاں نہیں کی جاتی اور نہ اس قسم کی کتابیں این اے آئی ٹی کی اسلامک بک سروس کے ذریعے تقسیم کی جاتی ہیں۔

۳۔ آئی ایس این اے کے آبادکار رکن سیاہ فام مسلمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں جیسے یہ دوسرے درجے کے شہری ہوں۔

۴۔ ڈبلوڈی محمد کے ''علمی'' اور'' معاشرتی'' کاموں کو آئی ایس این اے کسی سطح پر تسلیم نہیں کرتی۔

۵۔ آئی ایس این اے نے ان تمام کاموں کا سہرا اپنے سر باندھ لیا جو ڈبلو ڈی محمد کے پیروکاروں نے انڈیانا میں قیدیوں کے لیے کیے تھے (صدیق کا بیان ہے کہ احسان بیگی اور عمر خطاب نے صدیق کے گروپ اور اس کے ان کاموں کی تعریف کرنے کے بجائے جو وہ جیل خانوں میں دعوۃ کے ضمن میں پہلے سے کر رہے تھے اسے گیری کے ایک مسلمان بھائی کے کھاتے میں ڈال دیا)۔

۶۔ آئی ایس این اے اپنے فنڈ کا کوئی حصہ اندرون شہر کے معاشرتی مسائل کے لیے مختص نہیں کرتی۔

۷۔ آئی ایس این اے کو اندرون شہر کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں جو اس حقیقت سے ظاہر ہے کہ اس کا صدر دفتر مضافاتی علاقے میں واقع ہے۔ (صدیق صدر دفتر کو مضافاتی علاقوں میں ایک '' سفید ہاتھی'' سے تعبیر کرتے ہیں جس سے بہت کم مسلمان فائدہ اٹھاتے ہیں اور مقامی مسلمان تو اور بھی کم)۔[۱۷]

محمد صدیق کا گروپ حال ہی میں ایک ایسے بہت زیادہ فعال مسلم گروہ کے سامنے دب کر رہ گیا ہے جو لوئی فرخان کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ فعال گروہ جیمس ٹو ایکس کی قیادت میں ۳۸ ویں اسٹریٹ کے ساتھ شہر کے مشغول چوراہوں پر دی فائنل کال نامی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اخبار بیچنے اور اندرون شہر میں منشیات کے خلاف جنگ کے واسطے فنڈ اکٹھا کرنے کے لیے نوجوان لڑکوں کو بھرتی کرتا ہے۔ لوئی فرخان کے ماتحت منسٹر بننے سے پہلے جیمس ٹو ایکس (سابق جیمس میڈلاک) فٹ بال کا ایک کھلاڑی تھا جو پہلے پرڈیو یونیورسٹی کے لیے اور پھر نیویارک جائنٹس کے لیے کھیلتا تھا۔ جن دنوں وہ کالج کے دوسرے درجے میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اس کا تعارف لوئی فرخان کے اسلام سے ہوا اور وہ اٹلانٹا جا کر مسجد نمبر ۱۱ میں شریک ہو گیا۔ اٹلانٹا سے وہ انڈیانا پولس آیا اور بڑے جوش و جذبے سے اس نے وہاں مطالعاتی حلقے قائم کیے۔ جیمس ٹو ایکس مائک ٹائی سن کے خلاف مقدمے کے بڑے نمایاں ناقدوں میں نظر آیا۔ مائک ٹائی سن پر انڈیانا پولس میں زنا بالجبر کا مقدمہ چلا تھا۔ اس کے گروپ نے ایک اسٹور کھولا جس کا نام تھا Black is Black (سیاہ سیاہ ہے) لیکن یہ اسٹور ۱۹۹۲ء میں بند ہو گیا۔ اب تنظیم ایک ریستوران اور بٹن بنانے کا ایک چھوٹا سا کارخانہ چلاتی ہے۔[۱۸]

الفجر کمیونٹی

انڈیانا پولس میں افریقی امریکی مسلمانوں کا دوسرا گروہ ''الفجر مسجد'' ہے جو ۱۹۷۳ء میں قائم ہوا تھا۔ یہ گروہ تاریخی لحاظ سے آئی ایس این اے کے ساتھ ملحق رہا ہے اگرچہ کبھی کبھار آئی ایس این اے کی جانب سے مالی مدد میں کمی اس کی آزردگی کا باعث بنی ہے۔ الفجر شروع میں ۳۰۰۷ شرمن ایوینیو پر قائم تھی لیکن ۱۹۸۶ء میں یہ شہر کے مشرقی حصے کے قریب ۵۲۷ لیون اسٹریٹ پر ایک پرانے مکان میں منتقل ہو گئی۔ چند برسوں پہلے تک الفجر گروپ کے تعلقات صدیق گروپ کے ساتھ بہت کمزور تھے۔ بہرحال جب سے ڈبلوڈی محمد راسخ العقیدگی کی جانب مائل ہوئے اور اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ کہ جب سے ڈبلوڈی محمد کے پیروکار الفجر گروپ میں شامل ہوئے، یہ دونوں گروہ ایک دوسرے سے قریب تر آ گئے۔ الفجر مسجد نے، خاص طور سے اسمٰعیل عبدالعلیم، (جو ایک فعال قسم کا افریقی امریکی مسلمان ہے) اور جان سلیوان کی (جو ایک اینگلو امریکی نومسلم اور قید خانوں کے دعوۃ پروگرام کی ہدایت کاری کے لیے ۱۹۸۶ء تک آئی ایس این اے کی ملازمت میں تھا) کی مدد سے ایک مقامی کیبل ٹیلی ویژن کے ذریعے اسلام کے بارے میں ایک ٹاک شو تیار کیا ہے۔ الفجر کے ارکان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور خاص طور سے عمر خطاب نے کئی بار سعودی عرب، کویت اور متحدہ عرب امارات سے چندہ اکٹھا کرنے کی مہم میں آئی ایس این اے کی مدد کی ہے۔ بظاہر مقامی مسلمان دعوۃ کی کامیابیوں کے بارے میں امریکی آبادیوں میں جو کہانیاں سناتے ہیں وہ چندہ اکٹھا کرنے کی کوششوں کو زیادہ مؤثر بنا دیتی ہیں۔ بہرحال چندہ اکٹھا کرنے کی اس حکمت عملی کا آئی ایس این اے کے بارے میں مقامی مسلمانوں کے تاثر پر منفی اثر پڑا ہے۔ مقامی برادری کے اندر یہ تاثر عام ہے کہ اگرچہ آئی ایس این اے دعوۃ کے لیے اور اپنی تنظیم کو قائم رکھنے کے لیے چندہ اکٹھا کرنے کے واسطے انھیں استعمال تو کرتی ہے لیکن اس سے خود مقامی مسلمانوں کو خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آئی ایس این اے کی مہیا کردہ سہولتوں کو مقامی مسلمان اس وقت تو استعمال کرنا چاہتے ہیں جب اس میں ان کا اپنا فائدہ ہو لیکن وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ تعلق سطحی ہے اور سطحی رہے گا۔[19]

لیوان اسٹریٹ گروپ ۲۹۰۰ کولڈ اسپرنگس روڈ پر ایک بپٹسٹ چرچ کے نزدیک ایک مسجد تعمیر کر رہا ہے۔ یہ نئی مسجد اور اس کی ملحقہ عمارت سترہ ایکڑ کے ایک تعمیراتی رہائشی منصوبے کے شمال مشرقی حصے میں دو ایکڑ قطعہ زمین پر واقع ہوں گی۔ اس منصوبے کے مکانات کا نقشہ ایم مازن ایوبی بنا رہے ہیں جو آرکیٹکٹ انٹرنیشنل کنسلٹنگ کے شامی مالک ہیں۔ اس فرم نے شکاگو؛ ڈیٹن، اوہیو، این آربر، مشی گن؛ تلاہاسی، فلوریڈا؛ چارلسٹن، مغربی ورجینیا؛ کولمبس، مسوری؛ اور ورجینیا کے ہیمپٹن روڈز کے علاقے میں مسجدیں تعمیر کی ہیں۔[20] اس منصوبے کا بورڈ آف ٹرسٹیز ہارون قاضی، ایک مشہور مسجد کے علاوہ الفجر مسجد کے طویل المیعاد ممبران اور ہاشم اسمٰعیل، ای سی آئی بی کے ڈائریکٹر جو آئی ایس این اے کے ہیڈ کوارٹرز میں واقع ایک کاروباری ادارہ ہے اور ایک روایت کے مطابق مصری اخوان المسلمون کے ایک ممبر پر مشتمل ہے۔ اس مسجد پر پانچ لاکھ ڈالر لاگت آئے گی اب تک نارتھ امریکن اسلامک ٹرسٹ (این اے آئی ٹی جو آئی ایس این اے کا مالی شعبہ ہے) نے اس منصوبے کے لیے ایک لاکھ ڈالر بطور قرض دیئے ہیں۔ چھ ہزار ڈالر کی رقم ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ (ڈبلو اے ایم وائی) نے عطیہ کے طور پر دی ہے جس کا صدر دفتر سعودی عرب میں ہے اور مبینہ طور پر سعودی عرب کی اخوان المسلمون اسے چلاتی ہے۔[21] یہ تفصیل آئی ایس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

این اے کے اسلامک ٹیچنگ سینٹر (آئی ٹی سی) کے سابق ڈائریکٹر احسان بیگیی کے اس بیان کے بالکل خلاف ہے کہ اس منصوبے کو پورے کا پورا مسلمان افراد اپنی انفرادی حیثیت میں چلا رہے ہیں"[۲۲]۔ اس رہائشی منصوبے کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس میں اب تک صرف ایک پلاٹ فروخت ہوا ہے اور اب اس ماڈل ہوم کو مجبوراً فروخت کے لیے پیش کر دیا گیا ہے کیونکہ مسلمان بھی یہاں زمین نہیں خرید رہے ہیں۔

بلالیّن اسٹوڈنٹ الائنس

انڈیانا پولس میں بلالین اسٹوڈنٹ الائنس کے نام سے ایک اور افریقی امریکی مسلم گروپ بھی ہے جو "انڈیانا یونیورسٹی" پرڈیو یونیورسٹی انڈیانا پولس (آئی یو پی یو آئی) میں "الاسلام اور مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں یونیورسٹی کو باخبر اور حسّاس بنانے کے لیے" طلباء کا ایک سرکاری گروپ ہے"[۲۳]۔ آئی یو پی یو آئی کے ایک کمپیوٹر کنسلٹنٹ کیتھ ڈی مجید کی قیادت میں یہ گروپ، خاص طور سے جب اس کا موازنہ مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن (ایم ایس اے) سے کیا جائے، نسبتاً خاموش رہا ہے۔ ۱۹۹۲ء میں جب ایم ایس اے نے اسلام پر لیکچروں کا ایک سلسلہ پیش کیا جس میں ایک موضوع افریقی امریکی اور اسلام پر بھی تھا، تو بلالین اسٹوڈنٹ الائنس نہ اس پروگرام میں نظر آ رہی تھی اور نہ اس نے بظاہر اس موضوع کے پیش کرنے میں کوئی حصہ لیا۔

آبادکار مسلمانوں کے اداروں کی تاریخ

احمدیہ (قادیانی) مسلمان

۱۹۶۰ء تک شہر کے شمال مشرقی حصے کے قریب معاشی لحاظ سے ایک پسماندہ علاقے میں ۲۲۴۸، یانڈیس اسٹریٹ پر ایک احمدیہ عبادت گاہ تعمیر ہو چکی تھی۔ اس گروپ کا پہلا قائد یا مبلغ امین اللہ خان نامی ایک پاکستانی تھا جو پاکستان میں مشنریز ٹریننگ یونیورسٹی کا ایک گریجویٹ تھا۔ خان نے اپنی خوش اخلاقی اور نرم لہجے سے انڈیانا والوں کو بہت متاثر کیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہر حال اس گروپ کی زندگی بہت مختصر تھی اگرچہ اس کے خاتمے کی تفصیلات کا علم نہیں۔ [۲۴]

مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن۔ اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکا

۱۹۶۰ء کے عشرے کے وسط میں کوئی پانچ عرب اور پاک و ہند کے مسلم خاندانوں نے انڈیانا یونیورسٹی کی نوتشکیل شدہ انڈیاناپولس برانچ میں مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کی ایک شاخ (Chapter) قائم کی۔ ایم ایس اے کی اس شاخ کے قائم کرنے کا سہرا طبیعیات کے ایک پاکستانی پروفیسر خورشید عالم کے سر ہے۔ انھوں نے یونیورسٹی کے میڈیکل اسکول کیمپس کی اسٹوڈنٹ یونین کے ڈائریکٹر رے ڈالٹ کو ایم ایس اے میں سرپرست کے طور پر شریک کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک اینگلو امریکی نومسلم خاتون نوری عالم اور خورشید عالم کی بیوی، کے تعاون سے خواتین نے اس تنظیم کی سرگرمیوں کے بڑے حصہ کو منظم کیا اور چلایا۔ مثال کے طور پر یونیورسٹی کی کریزٹ بلڈنگ کو استعمال کرتے ہوئے ایم ایس اے نے بچوں کے لیے ایک اتوار اسکول قائم کیا۔ انھوں نے میڈیکل اسکول میں یونین بلڈنگ میں جمعہ کی نماز کا بھی اہتمام کیا؛ وہاں متعدد فعال مسلم طلباء کو مدعو کیا (جن میں سے بعض لوگوں نے بعد میں ایم ایس اے اور آئی ایس این اے کے عہدے داروں کے طور پر نمایاں مقام حاصل کیا)۔ ایسے لوگوں میں احمد شکر اور جمال بداوی کی مثال دی جاسکتی ہے جنھوں نے خطیب کے طور پر فرائض انجام دیے اور قطبس نامی ایک خبرنامہ جاری کیا۔

انڈیانا پولس میں ایم ایس اے کے زوال کے بارے میں متعدد عوامل کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ایک صاحب سے انٹرویو کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ جب خورشید عالم کو یونیورسٹی میں اگلی میعاد نہیں دی گئی اور وہ نتیجتاً سعودی عرب منتقل ہوگئے تو ایم ایس اے کی سرگرمیوں میں زوال آگیا۔ ایک دوسری وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ گروپ کے اندر نسلی بنیاد پر عربوں اور پاک و ہند کے مسلمان آبادکاروں میں داخلی جنگ شروع ہوگئی۔ [۲۵]

۱۹۶۰ء کے آخر اور ۱۹۷۰ء کے پورے عشروں میں ایم ایس اے نسبتاً غیر فعال رہی یہاں تک کہ عشرہ ۱۹۷۰ء کے اواخر اور عشرہ ۱۹۸۰ء کی ابتدا میں ایرانی طلباء خمینی کے ایرانی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انقلاب کے تحت منظم ہو گئے۔ یونیورسٹی کے ذمہ دار افراد ایرانی گروپ کی سرگرمیوں کے بارے میں واضح طور سے بڑے محتاط نظر آتے تھے۔ جب ۱۹۸۴ء میں مسلمان خواتین ایک مسلم ویمنز ایسوسی ایشن کے قیام کے سلسلے میں یونیورسٹی کے اربابِ حل وعقد پاس پہنچیں تو ایک ہلکی سی مخالفت ہوئی لیکن بہت جلد ختم ہوگئی۔ آخر کار تین اینگلو امریکن نومسلم خواتین نے تنظیم قائم کی، اس کے اجلاس ہونے لگے اور تنظیم کا کام شروع ہو گیا۔ ان خواتین میں نوری عالم (جو سعودی عرب سے واپس آ چکی تھیں اور کمپیوٹر ٹیکنالوجی میں گریجویٹ کورس کر رہی تھیں)، کیرول ایل اسٹون (حیاتی کیمیا میں ایک گریجویٹ طالبہ) اور جیبہ علی (آئی ایس این اے میں ایشم اسمٰعیل کی ایک سیکریٹری) شامل تھیں۔ ان کی اہم سرگرمیاں یہ تھیں کہ وہ گھر سے باہر خواتین کی راتیں مناتی تھیں جن میں افریقی امریکی اور اینگلو امریکی نومسلم خواتین سینما جاتی تھیں، ایک دوسرے کے گھروں میں رقص کرتی تھیں یا ڈنر کرنے کے لیے پزاہٹ میں ملتی تھیں۔ ان کی بعض زیادہ سنجیدہ سرگرمیوں میں سالانہ اجتماعی دعوتیں شامل تھیں جنھیں تین طریقوں سے اہمیت دی جاتی تھی: سماجی، مذہبی۔ روحانی تعلیم اور سیاسی عمل کی تعلیم۔ ''بہنیں'' تحقیقی کام بھی کرتی تھیں اور صرف آپس ہی میں لیکچر نہیں دیتی تھیں بلکہ بیرونی مقررین کو بھی دعوت دیتی تھیں کہ وہ ان سے اسقاط، مؤثر پریس ریلیز لکھنے، جوہری توانائی کے انجماد کے مسائل اور غیر مسلم خواتین میں تبلیغ جیسے موضوعات پر خطاب کریں۔ اس گروپ نے نواحی ریاستوں سے بہنوں کو مدعو کرنا شروع کیا اور بہت جلد شکاگو، ڈیٹن اور سنسناٹی جیسے شہروں سے مختصر تعداد میں خواتین سالانہ اجتماعی دعوتوں میں آنے لگیں۔

مسلم ویمنز ایسوسی ایشن جوں جوں انڈیانا پولس کی مٹھی بھر خواتین سے آگے نکل کر ترقی کرنے لگی، اس کی مخالفت بیک وقت دو محاذوں پر شروع ہوئی، حالانکہ قریب سے دیکھیے تو ان دونوں محاذوں میں ایک مشترکہ بنیاد نظر آئے گی یعنی آئی ایس این اے۔ ایک محاذ عرب مسلم عورتوں کا تھا (بیشتر آئی ایس این اے کے عہدے داروں کی بیویاں) جو ایسوسی ایشن کو علیحدگی پسند اور مسلم برادری کے لیے ایک فتنہ سمجھتی تھیں۔ دوسرا محاذ آئی ایس این اے کی قیادت کا پلین فیلڈ، انڈیانا میں اپنے صدر دفتر کے اندر تھا۔ مثال کے طور پر ایسوسی ایشن کی پہلی طے شدہ پسپائی آئی ایس این اے کے صدر دفتر کی زمین (انڈیانا پولس اور ٹیرے ہاؤٹ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے درمیان ۱۹۷۰ سے ذرا الگ پانچ لاکھ مربع میٹر کے فارم کی زمین) سے ہوئی تھی۔ بہر حال اس پسپائی کے دن ہیڈ کوارٹر نے کہا کہ اجلاس کے لیے مختص جگہ ''بھائیوں'' کے ایک اور اجلاس کے لیے دے دی گئی ہے۔ اس کے بعد آئی ایس این اے کی مجلس شوریٰ کے اجلاسوں میں یہ کہا گیا کہ [مسلم ویمنز] ایسوسی ایشن آئی ایس این اے کی ویمنز کمیٹی کی محض ایک نقل ہے اور یہ فتنہ برپا کرنے اور کوششوں کو تقسیم کر دینے کے علاوہ کچھ نہیں کرے گی۔ [مسلم ویمنز] ایسوسی ایشن کی بہنوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ ویمنز کمیٹی غیر فعال اور آئی ایس این اے کے مردوں کے ہاتھوں میں محض ایک آلۂ کار ہے جس کا کام صرف مردوں کے لیے یہ پروپیگنڈا کرنا ہے کہ عورتیں مردوں کی مطیع و فرمانبردار بن کر رہیں۔[۲۶] ۱۹۸۶ء تک ایسوسی ایشن عملاً ختم ہو چکی تھی اور ایم ایس اے نوجوان انڈر گریجویٹ عرب طلباء اور خصوصاً شامی طلباء کے اس چھوٹے سے گروہ کے ہاتھوں میں تھی جو یا تو آئی ایس این اے/ این اے آئی ٹی کے ملازم تھے یا ان کے صدر دفتر میں بطور رضا کار کام کرتے تھے۔[۲۷]

تاریخی اعتبار سے ایک ہی دور میں مسلم ویمنز ایسوسی ایشن نومسلموں کی ایک تنظیم ایسوسی ایشن آف امریکن مسلمز (اے اے ایم) ہی کی ایک شکل تھی۔ اے اے ایم کی رکنیت ان اینگلو امریکی عورتوں پر مشتمل تھی جو آئی ایس این اے/ این اے آئی ٹی میں سیکریٹریوں کے طور پر ملازمت کرتی تھیں۔ یا پرڈیو اور انڈیانا یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔ ان میں بہت سی یونیورسٹی کی ایم ایس اے شاخ میں بہت فعال تھیں۔ یہ گروپ غیر رسمی سا تھا جو نومسلموں کو اکٹھا ہونے اور تفریح میں حصہ لینے کا موقع فراہم کرتا تھا۔ یہ جانتے ہوئے کہ آئی ایس این اے ہیڈ کوارٹر اے اے ایم کی وجہ سے پراگندگی کا شکار ہو جائے گا، ممبروں نے دیدہ و دانستہ یہ فیصلہ کیا کہ وہ حقیقی قیادت کے بجائے ایک فرضی صدر سے کام چلائیں گے جس کا پس منظر اور شخصیت ابتدائی اجلاسوں کا موضوع بنی رہی۔ آئی ایس این اے کی جانب سے شدید ردعمل کے سلسلے میں گروپ کی پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی۔ نارتھ امریکن اسلامک ٹرسٹ کے اسلامک ٹرسٹ پبلی کیشنز ڈویژن کے ڈائریکٹر طارق قریشی نے مبینہ طور پر ایک بڑا اشتعال انگیز خط لکھا جس میں گروپ پر جھگڑالو اور نسل پرست ہونے کا الزام لگا کر اسے مسترد کر دیا۔ آخر کار اے اے ایم نے ایک خبرنامہ تشکیل دیا جسے امریکا، کینیڈا، کویت اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سعودی عرب میں سلفی برادری نے خوش آمدید کہا۔ تاہم عشرہ ۱۹۸۰ء کے وسط تک آئی ایس این اے کی صدارت پر احمد ذکی کے فائز ہونے اور اس کے نتیجے میں ہیڈکوارٹرز سے متعدد اینگلو امریکی مسلمان خواتین کی ملازمت کے ختم ہونے کے بعد گروپ سمٹ کر دو تین افراد تک محدود ہو گیا جو محض خبر نامہ شائع کرتے رہے۔

۱۹۸۰ء کے عشرے کے وسط میں انڈیاناپولس میں انڈیانا یونیورسٹی اور پرڈیو یونیورسٹی میں ایم ایس اے کو ایک نئی زندگی ملی جب دوسری نسل کی مسلمان لڑکیوں کے ایک چھوٹے سے گروہ نے جو بنیادی طور پر پاک و ہند کی طالبات تھیں قیادت سنبھالی۔ ایک اینگلو امریکی نومسلم اور آئی ایس این اے کے ایک نائب صدر داؤد زنک کی بیٹی تنظیم کی صدر ہو گئی۔ اس کی معاونت ایک پاکستانی میڈیکل ڈاکٹر کی بیٹی، آئی ایس این اے کے سیکریٹری جنرل کی بیٹی اور آئی ایس این اے کے ملازمین کی بیٹیوں نے کی۔ یہ گروہ یونیورسٹی میں بہت پیش پیش نہیں رہتا لیکن کسی نہ کسی حد تک مسلمانوں کے بارے میں پروفیسروں کے خیالات میں اعتدال پیدا کرنے میں کامیاب رہا ہے اور مغربی پسند کے مطابق حجاب کے استعمال نے انھیں یونیورسٹی میں ایک قابل ذکر مقام دلا دیا ہے۔ ایک اخبار نے اپنے اسلامی ورثے کو امریکی تشخص کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی صلاحیت پر اِن طالبات کی سرگرمیوں پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے۔

> پسندیدہ کھانے؟ پیزا، براؤنی اور انگور کے پتے .... ''ہم تو عشرہ ۱۹۵۰ء کی کم عمر لڑکیوں کی طرح ہیں۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے تبصرے ہیں لڑکوں کے'' ہم لڑکیوں بارے میں۔
>
> اور وہ اپنی پسند کی راک موسیقی سے لطف اندوز ہوتی ہیں لیکن اگر اس میں تیزی یا عریانیت آ جائے تو ریڈیو کو فوراً بند کر دیتی ہیں۔[۲۸]

قومی مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن نے جو ۱۹۶۳ء میں پیوریا، الینوائے میں قائم ہوئی تھی اپنا صدر دفتر ۱۹۷۵ء میں گیری، انڈیانا سے انڈیانا پولس منتقل کر دیا۔ ایم ایس اے خاص طور سے ان افراد نے قائم کی تھی جو بنیادی طور پر طلبا تھے اور اپنے ملکوں میں اس قسم کی تنظیموں میں حصہ لے چکے تھے مثلاً اخوان المسلمون (جن کی رکنیت کا بڑا حصہ سوڈان، عراق، شام اور مصر کے افراد پر مشتمل تھا) اور پاکستان کی جماعت اسلامی۔ ایم ایس اے کے بہت سے ابتدائی فعال کارکن یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ تنظیم قطعی رضا کارانہ بنیاد پر چلائی جاتی تھی اور یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

غیر ملکی حکومتوں سے کوئی رقم قبول نہیں کرتی تھی لیکن شواہد اس کے برعکس نشان دہی کرتے ہیں[۹۰]۔ انڈیانا پولس میں ایم ایس اے کی ابتدا ہی سے کم از کم بعض مسلمان کارکنوں کی تنخواہیں غیر ملکی مسلم حکومتوں کی ایجنسیاں ادا کرتی تھیں۔ یہ مسئلہ ایم ایس اے کے لیے ہمیشہ تشویش کا سبب رہا ہے۔ اس تنظیم کی ابتدا اس لیے کی گئی تھی کہ یہ، کم از کم جزوی حد تک، امریکا اور کینیڈا میں تعلیم حاصل کرنے والے مسلمان طلباء کے لیے اسلامی سرگرمیوں کے ایک تربیتی مرکز کا کام دے تاہم وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی غیر ملکی تحریک سے اس کا کوئی رابطہ ظاہر ہو اور خواہ مخواہ شبہات پیدا ہوں۔ ایم ایس اے/ آئی ایس این اے ہیڈ کوارٹرز کے سابق ملازمین بیان کرتے ہیں کہ ایف او ایس آئی ایس کے قیام میں، جو ایم ایس اے یورپ کے مثل تھا اور جس کا ہیڈ کوارٹر انگلینڈ میں تھا، ایم ایس اے ہی پیش پیش تھی۔

ایم ایس اے کی ابتدا سے ایرانی انقلاب تک سنی اور شیعہ دونوں ہی اس کے ممبر رہے۔ آئی ایس این اے کے سابق صدر الیاس با یونس کے دعوے کے مطابق ایم ایس اے کے تین صدر شیعہ تھے۔ تاہم ایران عراق جنگ کے بعد دونوں کے راستے جدا ہو گئے جو لوگ ایم ایس اے کی مالی اعانت کرتے تھے وہ تنظیم پر دباؤ ڈالنے لگے کہ وہ شیعوں کی مذمت کرے۔ شیعہ مخالف لٹریچر شائع کیا گیا اور اس کی تشہیر کی گئی۔ اگر نارتھ امریکن اسلامک ٹرسٹ (این اے آئی ٹی) کی مسجدوں میں ٹرسٹ کے انتخاب میں شیعوں کی فتح کے امکانات نظر آتے تو این اے آئی ٹی مسجد کی انتظامیہ کو یاد دلاتی تھی کہ وہ جائیداد ایم ایس اے کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایم ایس اے کی مخالفت میں ایک دوسری تنظیم وجود میں آئی جسے ایم ایس اے/ پی ایس جی یا مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن پرشین اسپیکنگ گروپ کہا گیا۔

۱۹۸۲ء میں ایم ایس اے متعدد دوسری مسلم تنظیموں، مثلاً اسلامک ٹیچنگ سینٹر، امریکن مسلم سائنٹسٹس اینڈ انجینئرز (اے ایم ایس ای)، امریکن مسلم سوشل سائنٹسٹس (اے ایم ایس ایس) اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن (آئی ایم اے)، مسلم کمیونٹی ایسوسی ایشن (ایم سی اے) فاؤنڈیشن آف انٹرنیشنل ڈیولپمنٹ، مسلم یوتھ آف نارتھ امریکا (ایم وائی این اے) ملائیشین اسلامک اسٹڈی گروپ (ایم آئی ایس جی) اور مسلم عرب یوتھ ایسوسی ایشن (ایم اے وائی اے) کے ساتھ اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکا کی شکل میں انکارپوریٹ یعنی رجسٹر ہو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئی۔[۳۰] آئی ایس این اے کی تشکیل ریسٹن، ورجینیا میں انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ (آئی آئی آئی ٹی) کی تشکیل کے ایک سال بعد ہوئی۔ آئی آئی آئی ٹی مسلم فعال کارکنوں کا سرچشمہ فکر (تھنک ٹینک) بن گئی۔ اس کے بانی اور بہت سے ملازمین پہلے ایم ایس اے میں فعال کارکن تھے۔ بعض لوگ جو شدید فعالیت پسند اسلام کے خلاف ہیں وہ یہ الزام لگاتے ہیں کہ آئی آئی آئی ٹی نے آئی ایس این اے کو ایک چھتری تنظیم کے طور پر آگے بڑھایا ہے تاکہ آئی آئی آئی ٹی امریکا اور کینیڈا میں اسلامی سرگرمیوں پر زیادہ موثر کنٹرول رکھ سکے۔ آئی ایس این اے کے بعض سابق ملازمین کا الزام یہ بھی ہے کہ شاید آئی ایس این اے کا مستقل مالی مسئلہ خود آئی آئی آئی ٹی نے وضع کیا ہوتا کہ وہ مالی مسائل کے بہانے غیر پسندیدہ کارکنوں کو علیحدہ کر سکے۔ اس طرح آئی آئی آئی ٹی اسلامی سرگرمی کی بنیاد کو کنٹرول کر سکتی تھی اور اسی کے ساتھ ان سرگرمیوں کو چلانے میں روزمرہ کے مسائل کا بار بھی اس پر نہیں پڑ سکتا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ آئی ایس این اے کی مجلس شوریٰ میں آئی آئی آئی ٹی کے متعدد ملازمین شامل ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آئی ایس این اے کا ہیڈ کوارٹر خود بہت کم افراد کو اپنی ملازمت میں رکھتا ہے۔ سیکریٹری جنرل کے علاوہ ڈائریکٹر آف ایجوکیشن، ڈائریکٹر آف اسلامک ٹیچنگ سینٹر، ڈائریکٹر آف فنڈ ریزنگ، اے ایم ایس ایس/ اے ایم ایس ای کے لیے ایک سیکریٹری، جائیداد کا ایک نگراں اور چند سیکریٹری آئی ایس این اے کی ملازمت میں ہیں۔ آئی ایس این اے ہیڈکوارٹرز کے مشرق میں پانچ میل سے بھی کم فاصلے پر اس کا مالی شعبہ، نارتھ امریکن اسلامک ٹرسٹ واقع ہے۔ این اے آئی ٹی کے ملازمین کی تعداد آئی ایس این اے کے ملازمین سے بھی زیادہ ہے۔ یہ لوگ این اے آئی ٹی کے ایسے شعبوں جیسے اسلامک بک سروس، امریکن ٹرسٹ پبلی کیشنز اور صوتی بصری (سمعی بصری) مرکز میں کام کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں این اے آئی ٹی ایک کریڈیٹ یونین بھی چلاتی تھی اور اب بھی انڈیانا پولس میں یونیفائڈ کمپنی کے ذریعہ امانہ میوچول (باہمی) فنڈ کا انتظام کر رہی ہے۔

اسلامک ٹیچنگ سینٹر کے ذریعے آئی ایس این اے نے ایک محدود پیمانے پر انڈیانا پولس کی عظیم تر برادری تک پہنچنا شروع کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر ۱۹۹۱ء میں انڈیانا میں دس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلم گروہوں نے جس میں آئی ایس این اے بھی شامل تھی انسانی مساوات پر انڈیانا انٹر ریلیجیس کمیشن میں شرکت کی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کل ملکی بنیاد پر ایک عالمگیر یا بین المذہبی تنظیم میں کسی اسلامی تنظیم کی نمائندگی ہوئی تھی۔[۳۱]

ایک تنظیم جس کے ممبر خود کو عموماً دعوۃ کے کام میں مشغول رکھتے ہیں یا آئی ایس این اے کی حد سے آگے نکل کر کام کرتے ہیں وہ اسلامک سوسائٹی آف گریٹر انڈیانا پولس (آئی ایس جی آئی) ہے۔ آئی ایس جی آئی ۱۹۸۰ء کے عشرے کی ابتدا میں انڈیانا پولس میں آباد کار مسلم برادری کی ان تعلیمی اور سماجی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے قائم کی گئی تھی جو آئی ایس این اے ہیڈ کوارٹر پورا نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا اجلاس خاص طور سے اتوار کو آئی ایس این اے کے ہیڈ کوارٹر میں آدھے دن تک ہوتا ہے۔ آئی ایس جی آئی کے بچے بھی اکثر مسلم یوتھ آف نارتھ امریکا کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں۔ اس طرح بچے اسلامی تعلیم درجہ بہ درجہ پہلے آئی ایس جی آئی کے ذریعے، پھر ایم وائی این اے اور آخر میں جب وہ یونیورسٹی میں داخل ہوتے ہیں تو ایم ایس اے کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ ماضی میں آئی ایس جی آئی نے آئی ایس این اے ہیڈ کوارٹرز کے ذریعے مسلمانوں کے لیے ایک مفت طبی شفاخانہ چلایا تھا۔ اس کے متعدد ارکان شہر کے اندر عیسائی مسلم مناظروں میں پوری طرح مشغول ہیں جب کہ بعض نے مسلم یہودی مناظروں کی بھی ابتدا کر دی ہے۔ بعض مواقع پر انڈیانا کے ایک ربی کو آئی ایس این اے ہیڈ کوارٹر میں تقریر کرنے کے لیے بھی مدعو کیا گیا ہے۔

غیر مسلم برادری تک پہنچنے کے لیے آئی ایس این اے اور آئی ایس جی آئی کی کوششوں کے باوجود اُن کے باہمی تعلقات کشیدہ ہی رہے ہیں۔ کوللکس کلان کی ایک بڑی آبادی سے پلین فیلڈ صرف چند میل کے فاصلے پر ہے۔ اس عالمی تناظر کی ایک معتدل شکل کے عوامل کو اردگرد کی متعدد آبادیوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آئی ایس این اے ہیڈ کوارٹرز کے بارے میں برادری میں افواہیں ہمیشہ پھیلی رہتی ہیں اور جب کبھی مشرق وسطیٰ کا تنازعہ وجود میں آتا ہے تو یہ افواہیں اور زیادہ پھیل جاتی ہیں اور بعض اوقات یہ آئی ایس این اے کی املاک کے خلاف غنڈہ گردی پر منتج ہوتی ہیں۔ آئی ایس این اے ہیڈ کوارٹرز کے بارے میں جو افواہیں پھیلائی جاتی ہیں ان میں یہ افواہیں بھی شامل ہیں کہ مسجد کے نیچے چاند

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماری کی ایک بہت بڑی جگہ ہے جہاں مسلمان نشانہ بازی کی مشق اس لیے کرتے ہیں کہ وہ امریکی حکومت کا تختہ الٹ دیں یا غیر ملکی مسلح جدوجہد کو امداد بہم پہنچانے کے لیے یہ اسلحے یا منشیات کے کاروبار میں ملوث ہیں۔ آئی ایس این اے نے ان افواہوں کے جواب میں ایسے حفاظتی انتظامات کیے ہیں جن سے وہ جارحیت کے خلاف اپنی حفاظت کر سکیں۔

ایران عراق جنگ کے دوران میں آئی ایس این اے نے خود کو ایک سنّی تنظیم کے طور پر پیش کر کے اور شیعوں اور خمینی حکومت سے دور رہ کر اپنے خلاف بدگمانی کو کم کرنے کی کوشش کی۔ اس قسم کی ایک اور کوشش کویت میں ۱۹۹۱ء کی جنگ کے دوران میں بھی کی گئی جب آئی ایس این اے کے صدر نے امریکا کی جانب سے اور عالمی امن کی خاطر ایک مسلمان بھائی کے طور پر صدام حسین سے گفت وشنید کرنے میں مدد دینے کی پیش کش کی تھی۔ اس پیش کش کے جواب میں جنوری ۱۹۹۱ء میں وہاں کے اخبار انڈیانا پولس اسٹار کے اداریوں میں خوش گوار ردعمل پیش کیا گیا۔ وہ مقامی آبادکار مسلمانوں کے لیے ایک مشکل وقت تھا جن میں سے بہتوں کے رشتہ دار اور خاندان عراق اور کویت سمیت مشرق وسطیٰ میں تھے۔ اپنے خاندان کے افراد کے خلاف جارحیت کی مخالفت انھوں نے فطری طور پر کی لیکن دوسری طرف وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ کوئی شخص ان سے ان کے امریکی تشخص اور امریکا سے ان کی وفاداری کے بارے میں کوئی سوال کرے۔ جیسا کہ عراق کے ایک معزز شخص نے کہا ”میں جو کچھ بھی کہوں اس سے کسی نہ کسی کی دل آزاری ہو جاتی ہے۔“

مسلم تعلقات

اگرچہ ایک طرف مسلمان اپنے مختلف پس منظر (اور اداروں) کے باوجود ایک متحدہ برادری وجود میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن بہرحال مسلم گروہوں کے باہمی اور اندرونی اختلافات رہتے ہی ہیں۔ واضح ترین اختلاف تو آبادکاروں اور مقامی برادریوں میں ہے۔ ان دونوں گروہوں کا مزاج کچھ ایسا ہے کہ یہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنا نہیں چاہتے۔ مسلمان صرف عیدین کے موقع پر اکٹھے ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ عام طور پر آبادکار مسلمان مالی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لحاظ سے مقامی لوگوں سے (جن میں زیادہ افریقی امریکی ہیں) بہتر ہیں۔ یہ دونوں گروہ شہر کی مخالف سمتوں میں رہتے ہیں، مختلف مسجدوں میں عبادت کرتے ہیں اور ان کے مفادات بھی جداگانہ ہیں۔

خود آبادکار مسلمانوں میں ایک واضح تقسیم قدامت پسند اور معتدل مزاج لوگوں کی موجود ہے۔ بنیادی طور پر عرب مسلمان جو اس شہر میں سب سے پہلے آئے اور بعض پاکستانی اور ہندوستانی طبی ڈاکٹر آزاد خیالی کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ ان لوگوں کے بہت سے بچے غیرمسلموں سے شادیاں کرتے ہیں۔ اس گروہ میں بعض لوگ وہ بھی ہیں جنھوں نے مڈویسٹ کے مذہبی طور پر زیادہ قدامت پسند ماحول میں ملازمت حاصل کرنے کے لیے اپنا اسلامی تشخص چھپا رکھا ہے جب کہ بہت سے دوسرے یہی معلوم کرنے کی جدوجہد میں مشغول ہیں کہ آخر ان کا تشخص ہے کیا؟ مثال کے طور پر ۱۹۹۱ء میں نئی نسل کے ایک مصری نوجوان نے جو انڈیانا میں پلا بڑھا تھا مذہبی تعلیم ایک میتھوڈسٹ چرچ میں حاصل کرنا شروع کر دی۔ پہلے سیمسٹر میں اسے یہ معلوم ہوا کہ اس کی تربیت اگرچہ ایک عیسائی کے طور پر ہو رہی ہے لیکن اس کا باپ جو یقیناً ایک مسلمان تھا، اپنے بیٹے کے عیسائیت کی طرف میلان سے سخت برہم تھا۔ آخر اُس نوجوان نے چرچ کی مذہبی درسگاہ میں جانا چھوڑ دیا لیکن وہ اب تک تشخص کے بحران سے گزر رہا ہے۔

وہ آبادکار مسلمان جو (جمعہ کی نماز میں شرکت کرنے، روزہ رکھنے اور اسلامی نام رکھنے کے حوالوں سے) اسلام پر عمل کرتے ہیں ان کے بارے میں امکان یہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی لحاظ سے آئی ایس این اے میں شریک ہو جائیں گے۔ اس گروہ کا رجحان قدیم الخیالی کی طرف ہے اور اِس گروہ میں بنیادی طور پر عرب اور پاک و ہند کے مسلمان شامل ہیں جن میں سے بعض اسلامی تحریکوں سے وابستہ رہے ہیں۔

مسلمانوں کے درمیان تقسیم عموماً قدامت پسندی، آزاد خیالی، معاشرتی معاشی حالات اور آبادکار اور مقامیوں کے حوالے سے ہے۔ مقامی مسلمانوں کے درمیان اختلاف کا تعلق اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ وارث دین محمد اور لوئی فرخان میں سے کس کو قائد چنا جائے۔ نئی نسل کے نوجوان مسلمان اپنی جگہ خود ایک گروہ ہیں۔ نسلی اسلامی اور امریکی تشخصات کو ملاتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے ان کا رجحان اکثریتی قدیم الخیال آبادکاروں سے زیادہ آزاد خیالوں کی طرف معلوم ہوتا ہے لیکن وہ انتہائی آزاد خیالی کے درجے تک نہیں پہنچتے۔ انھوں نے پورے اعتماد کے ساتھ زندہ جاوید اسلام کو اپنی منفرد شکل میں ترقی دے رکھی ہے اور وہ امریکیوں سے اپنی شرائط پر بات چیت کر سکتے ہیں۔ اس گروہ کی ایک بہت اہم بات یہ ہے کہ اس نے قائدانہ کردار میں عورتوں کو مرکزی حیثیت دے رکھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انڈیاناپولس میں ایم ایس اے کی یونیورسٹی شاخ کی رہنمائی عورتیں ہی کر رہی ہیں اور نوجوان لڑکیاں بڑے فعال طریقے سے آئی ایس این اے یوتھ گروپ یعنی ایم وائی این اے کی قیادت کر رہی ہیں۔

حاصل کلام

انڈیاناپولس میں اداروں کی سطح پر اسلام ایک مسلسل پس و پیش کی کیفیت سے گزر رہا ہے۔ گزشتہ پانچ برسوں نے افریقی امریکی مسلم تحریک میں لوئی فرخان کی قیادت کا عروج اور اسی کے ساتھ ولیس محمد کی قیادت والی افریقی امریکی برادری کا وہ زوال دیکھا ہے جسے اس عروج کا ایک لازمی نتیجہ سمجھا جا سکتا ہے۔ اگلے چند برسوں میں لوئی فرخان کی علیحدگی پسندی کے اور اس کے مقابلے میں ولیس محمد کے میل محبت والے سلوک کے نتائج دیکھنے کا موقع ملے گا۔

آبادکار مسلمانوں میں اور خاص طور سے زیادہ آزاد خیال مسلمانوں کے اندر آئی ایس این اے کی تحریک کے متبادل خیالات اور رجحانات نے بھی ترقی کی ہے۔ بہرحال یہ دیکھنا ہے کہ دوسری نسل کے مسلمانوں میں اسلام کون سی شکل اختیار کرے گا۔ اب تک تو کیفیت یہ ہے کہ اگر وہ اپنی دوہری ثقافت کو ایک دوسرے میں ضم نہ کریں تو بھی وہ ان میں ایک موثر توازن ضرور پیدا کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔

جہاں تک مسلمان عورتوں کا تعلق ہے تو ان میں خاص طور سے کاکیشیائی نومسلم خواتین کی خصوصیت بیان کرنا مشکل ہے۔ مثال کے طور پر اداروں کی سطح پر آئی ایس این اے کے ساتھ ان کے روابط میں نمایاں کمی نظر آتی ہے تاہم انفرادی سطح پر ان میں سے بہت سی عورتیں اپنے پیشوں، خاندانوں اور دوسرے مسلمانوں سے اپنے ذاتی تعلقات سمیت اپنی مختلف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجیحات میں ایک توازن کا راستہ تلاش کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

حواشی

۱۔ پیرے کریانٹس "American Negro Mohammedans", *The Moslem World 23* (جولائی ۱۹۳۳ء): ۲۸۴

۲۔ ای وون وائی حداد: *A Century of Islam in America,* The Muslim World Today, Occasional Paper No.4 (واشنگٹن، ڈی سی: اسلامک افیئرز پروگرامز، ۱۹۸۶ء) ص ۱

۳۔ عبدالخولی: *The Arab Moslems in the United States: Religion and Assimilation* (نیو ہیون، کنیکٹی کٹ: کالج اینڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۶ء)؛ ای وون وائی حداد اور اڈیرئی لوئس *Islamic Values in the United States* (نیویارک: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۷ء)؛ احمد ناصر دین *History of American Moslem Society* (ٹولیڈو، اوہیو: دی اسلامک سینٹر آف ٹولیڈو، ۱۹۷۰ء)

۴۔ ریبکا جس "Muslim Leaders Point to Public Misconceptions", *Indianapolis News* (۲۵/اگست ۱۹۹۰ء) ص بی ۵۔

۵۔ یونس میکلا یا "Black Muslims Change Image, Encourage Membership of Whites", *Indianapolis Star,* (۳/ستمبر ۱۹۷۸ء)، سیکشن ۳ ص ۱۱۔ امریکا میں مسلمانوں کی تعداد کے بارے میں حالیہ تخمینے بیس لاکھ سے اسی لاکھ تک کیے جاتے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ قابل اعتماد تخمینہ ۱۹۸۶ء والا چالیس لاکھ کا ہے۔ (کیرول ایل، اسٹون، "Estimate of Muslims Living in America" مشمولہ ای وون وائی حداد، تدوین، *The Muslims of America* [نیویارک: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۱ء] ص ۲۵ تا ۳۶) بہرحال مسلم آبادی کے بارے میں اس قسم کے تخمینے محض قیاسی اور غیر یقینی ہیں۔ اس وضاحت کو ذہن میں رکھ کر جب ہم مسلم آبادی کا تخمینہ لگانے کے لیے اسٹون کے طریقے کو استعمال کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں انڈیانا کے اندر ہمیں ۱۹۸۰ء میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً تیس ہزار نظر آتی ہے جو اس ریاست کی مجموعی آبادی کا تقریباً ۵۶ء۰ فیصد ہے۔ وہی طریقہ جب ہم ۱۹۹۰ء کی عارضی مردم شماری کے اعداد و شمار پر منطبق کرتے ہیں تو ہمیں انڈیانا میں تو وہی تیس ہزار اور دارالحکومت انڈیانا پولس میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چار ہزار مسلم آبادی نظر آتی ہے۔ Census '90: Quick Release Reports, Public Law Data: PL Report # 1 Indiana/ Counties/Places [بلومنگٹن: انڈیانا بزنس ریسرچ سینٹر آف دی انڈیانا یونیورسٹی اسکول آف بزنس، ۱۹۹۱ء] ص ۱، ۴)۔ ۱۹۸۰ء کی مردم شماری نے یہ بتایا کہ انڈیانا میں مسلم مجموعی آبادی کا ان کے آبائی ملکوں کے لحاظ سے فیصد تناسب حسب ذیل تھا: افریقی امریکی (۵۴،۸ فیصد) مشرق وسطیٰ / شمالی افریقہ (۲۷،۱ فیصد) مشرقی یورپی (۷،۷ فیصد) ایشیائی (۵،۲ فیصد) اور ذیلی صحارا (۴،۶ فیصد)۔ یہ تقسیم اسٹون کے تخمینے سے واضح طور پر مختلف ہے۔ (یونس میکلا ئیا "Black Muslims Change Image, Encourage Membership of Whites" Indianapolis Star [۳ ستمبر ۱۹۷۸ء] سیکشن ۳ ص ۱۱)۔

۶۔ جے گورڈن میلٹن *The Encyclopedia of American Religions*۔ تیسرا ایڈیشن (ڈیٹرائٹ: گیل ریسرچ انکارپوریٹڈ، ۱۹۸۹ء) ص ۸۴۰۔

۷۔ لی فلار "Hoosier Moslems Worship Allah, But Are at Peace with Christians", *Indianapolis Times*, (۷ مارچ ۱۹۵۹ء) ص ۶۔

۸۔ میلٹن *The Encyclopedia of American Religions* ص ۸۴۰

۹۔ اروِنگ لیبووِٹز *My Indiana* (اینگل ووڈ کلفس، نیوجرسی: پرینٹس ہال، ۱۹۶۴ء) ص ۶۳ تا ۶۴۔

۱۰۔ ایل بولن "Here's What Black Muslims Are Doing in Indianapolis, *Indianapolis Times*: (۸ مارچ ۱۹۶۴ء) ص ۳

۱۱۔ محمد اے رؤف جونیئر، "What the Black Muslims Are Doing in Indianapolis", *Indianapolis Times*, (۲۲ فروری ۱۹۶۵ء)، ص ۳۔

۱۲۔ میکلا ئیا، "Black Muslims Change Image" ص ۱۱۔

۱۳۔ بولن، "Here's What Black Muslims Are Doing in Indianapolis"، ص ۳

۱۴۔ میکلا ئیا "Black Muslims Change Image" ص ۱۱۔

۱۵۔ ڈیوڈ میک کارٹی "Mission: Dispel Poor Image", *Indianapolis News* (۲۶ جون ۱۹۸۲ء) ص ۸۔

۱۶۔ ایڈورڈ میک کنلے "Muslim Criticizes Welfare", *Indianapolis Star* (۲۳ ستمبر ۱۹۸۴ء) ص ب ۱۰۔

۱۷۔ امام محمد صدیق، مصنف کے ساتھ انٹرویو، انڈیاناپولس ۲۹ جنوری ۱۹۹۲ء۔

۱۸۔ جیمس محمد: *The Final Call* (۴ مئی ۱۹۹۲ء)، ص ۳۰۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۔ محمد صدیق، مصنف کے ساتھ انٹرویو، انڈیانا پولس (۲۹رجنوری ۱۹۹۲ء)۔

۲۰۔ کیرول ایلراڈ "Muslims to Build Mosque, School on Northwestside", *Indianapolis Star,* (۳رفروری ۱۹۹۰ء) ص الف ۱۱۔

۲۱۔ عبدالعزیز عارف: مصنف کے ساتھ ٹیلی فون پر انٹرویو، انڈیانا پولس، اپریل ۱۹۹۲ء۔

۲۲۔ ایلراڈ: "Muslim to Build Mosque" ص ۱۱

۲۳۔ "Chapter Sensitizes IUPUI to Muslim Truth, Concerns", *Sagamore* (۳رفروری ۱۹۹۲ء)، ص ۲۔

۲۴۔ مارجو کریمر "Moslems Open Mission to Convert Hoosiers", *Indianapolis Times*: (۱۳رنومبر ۱۹۶۰ء) ص ۴۔

۲۵۔ نوری عالم، مصنف کے ساتھ انٹرویو، انڈیانا پولس، اکتوبر ۱۹۹۱ء۔

۲۶۔ زیبا صدیقی: *A Guide for Muslim Parents Living in North America* (انڈیانا پولس: امریکن ٹرسٹ پبلی کیشنز، ۱۹۷۶ء)

۲۷۔ نوری عالم اور کیرول ایل استون: مصنف کے ساتھ انٹرویوز کا ایک سلسلہ: اکتوبر ۱۹۹۱ء تا جنوری ۱۹۹۲ء

۲۸۔ روتھ ہولاڈے "Muslim Teens: East Meets West for Central Indiana Teens Who Follow the Islamic Faith", *The Indianapolis Star* (۲۲رجولائی ۱۹۹۰ء) ص ح ۸۔

۲۹۔ ۲رمئی ۱۹۷۸ء سے ۱۳رجولائی ۱۹۷۹ء کے درمیان واشنگٹن ڈی سی میں سوشلسٹ پیپلز لیبین عرب جمہوریہ کے سفارت خانے کے مالی قونصل فراج سنوسی عبد سعید کے دستخط سے پی او بکس ۳۸، پلین فیلڈ، انڈیانا ۴۶۱۶۸ کے پتے پر مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن آف یو ایس اے اینڈ کینیڈا کو لکھے گئے خطوط میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ رقم منسلکہ فہرست میں درج ''اشخاص کی ماہانہ تنخواہ'' کی ادائیگی کے لیے ہے۔ اس فہرست میں ایم ایس اے کے فعال کارکنوں اور قائدین کے نام درج تھے جن میں سے بعض لوگ بعد میں سوڈان میں اسلامی تحریک کے قائد بنے اور ایک اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکا کا صدر بنا۔

۳۰۔ قطبی مہدی احمد: "Muslim Organizations in the United States" مشمولہ ای وون وائی حداد۔ تدوین: *The Muslims of America* ص ۱۱ تا ۲۴۔

۳۱۔ *Indianapolis Star,* "Muslims Join Human Equality Organization": (۱۷رجنوری ۱۹۹۱ء) ص ب۔ ۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۲

روچسٹر کی اسلامی آبادی میں تنوّع

تمارا سون

روچسٹر کی مسلم آبادی، عیسائی اور یہودی برادریوں کی طرح، اپنے ارکان کے متنوع نسلی پس منظر کی عکاسی کرتی ہے۔ بہرکیف مختلف مسلم ملکوں سے حال ہی میں آئے ہوئے آبادکار اور حالیہ اسلام قبول کرنے والے افریقی امریکی نومسلم، دونوں ہی کے بڑے تناسب کی وجہ سے یہ تنوع یہودی اور عیسائی برادریوں کے مقابلے میں زیادہ نظر آتا ہے۔ مسلمانوں میں ادغام اور تشکیل تشخص کو مؤثر ہونے کے لیے اتنا وقت نہیں لگا جتنا وقت روچسٹر کی یہودی اور عیسائی برادریوں کو لگا ہے۔ علاوہ ازیں شہر کی یہودی اور عیسائی برادریوں میں تنوع کا سبب فرقہ وارانہ اختلافات کو بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر یوکرین اور یونان کے چرچوں کی طرح پروٹسٹنٹ فرقہ مختلف عقائد، رسوم و رواج اور تنظیمی ڈھانچوں کی بنا پر رومن کیتھولک چرچوں سے ممتاز نظر آتا ہے۔ اسی طرح یہودی برادری میں قدیم الخیال اور اصلاحی معبد بھی ایک دوسرے سے الگ نظر آتے ہیں۔ اس کے برعکس روچسٹر کی تینوں بڑی مسجدیں سنی مسلک کی ہیں جو یہاں کے مسلمانوں کے نسلی تنوع اور رنگارنگی کو زیادہ نمایاں کردیتی ہیں۔

اس باب کا مقصد روچسٹر کی متنوع اسلامی آبادی کے بارے میں اس کے مختلف طبقوں کے ارکان کے نقطۂ نظر سے اور ان لوگوں کے حوالے سے بھی جو مسلمان نہیں ہیں، کچھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشاہدات کو پیش کرنا ہے۔ یہ تحقیق بنیادی طور پر ان افراد کے ساتھ ملاقات اور تبادلۂ خیال پر مشتمل ہے جو روچسٹر کے علاقے میں مختلف اسلامی گروہوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔

روچسٹر کی سنی اسلامی برادری میں تنوع کے مآخذ

روچسٹر کے سنی مسلمانوں کے درمیان سب سے نمایاں اختلافات نسلی ہیں۔ بعض معاملات میں ان کی تنظیمیں ان کے آبائی ملکوں کے حوالے سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہاں کی بڑی برادریاں افریقی امریکی، عرب، پاکستانی اور ترک ہیں۔ ان کے درمیان اختلافات دو طرح سے ظاہر ہوتے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ ان میں لسانی اور ثقافتی اختلافات ہیں۔ ترک مسجد میں خطبۂ جمعہ ترکی زبان میں اور افریقی امریکی مسجد میں انگریزی زبان میں دیا جاتا ہے۔ اسلامی مرکز میں بھی خطبے انگریزی میں ہوتے ہیں اور اسی طرح ان کے انتظامی اور سماجی جلسوں کی کارروائی بھی انگریزی میں ہوتی ہے۔ اس کا سبب ان کے ارکان کی آبائی زبانوں کا اختلاف ہے۔ ان کی آپس کی گفتگو اردو، عربی، پشتو اور فارسی زبانوں میں ہوتی ہے۔

نسلی اختلافات کے مختلف مدارج کا اس صورت حال سے بھی اظہار ہوتا ہے جس کے تحت مسلمان روچسٹر کی مجموعی آبادی میں مدغم ہو گئے ہیں۔ اس ادغام کی نوعیت کا انحصار اکثر اس بات پر بھی ہوتا ہے کہ کتنی مدت سے کوئی خاندان یا برادری روچسٹر میں قیام پذیر ہے۔ مثال کے طور پر ۱۹۶۰ء کے عشرے کے اواخر میں دو، تین سو ترک خاندان یہاں منتقل ہوئے تھے۔ بنیادی طور پر مردانہ کپڑوں کی صنعت ان کی دلچسپی کا سبب بنی۔ اب یہ روچسٹر کے کثیر الثقافتی منظر میں ایک نمایاں حیثیت کی حامل ہے۔ افریقی امریکی اسلامی برادری ۱۹۶۰ء میں قائم ہوئی تھی اور اگرچہ اپنے ابتدائی دنوں میں اسے کافی اذیت اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن ۱۹۶۰ء کے عشرے کے وسط سے اِسے استحکام حاصل ہوگیا ہے۔ اسلامی مرکز نسبتاً نیا ہے اور پرانی برادریاں اسے لازمی طور پر ''مرکز'' تسلیم نہیں کرتیں۔

ادغام کی سطح نسلی تشخص کے اس درجے کے مطابق بھی مختلف نظر آتی ہے جو برادریوں کی مسجدوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ ایسی مسجدوں سے وابستہ افراد جن کا اپنا علیحدہ قومی، ثقافتی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور نسلی تشخص ہے ان میں عموماً امریکی ثقافت میں پوری طرح مدغم ہو جانے کا رجحان نظر نہیں آتا۔ مثال کے طور پر ترک مسجد ۱۹۸۰ء میں قائم کی گئی تھی۔ اس سے پہلے ترکی کے مسلمان دوسرے مسلمانوں کے ساتھ روچسٹر یونیورسٹی کے انٹر فیتھ چیپل کے ایک ہی کمرے میں ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ ترک مسجد کو روچسٹر کی ''ٹرکش سوسائٹی'' چلاتی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اپنے روابط اپنے آبائی ملک کے ساتھ قائم رکھنے پر زور دیتی ہے۔ اس کے امام ایک ترک ہیں، اس کے انتظامی اور سماجی اجلاسوں کی کارروائی عموماً ترکی زبان میں ہوتی ہے اور زکوٰۃ پابندی کے ساتھ جمع کی جاتی ہے اور اسے مختلف منصوبوں کی تکمیل کے لیے ترکی بھیج دیا جاتا ہے۔ ترک برادری کے بہت سے پرانے افراد انگریزی نہیں بولتے۔

اسلامی مرکز بھی، جسے اپنی موجودہ جگہ پر ۱۹۸۵ء میں قائم کیا گیا تھا، اپنی زکوٰۃ بیرونی ممالک کو بھیجتا ہے، اگرچہ بطور خاص کسی ایک ملک کو نہیں بلکہ زکوٰۃ کے مستحقین کی ضرورت کے مطابق ملکوں اور رقم کا تعین کیا جاتا ہے، مرکز کے ایک افسر کے مطابق اس فنڈ کا بڑا حصہ بنگلہ دیش، پاکستان اور کشمیر بھیجا گیا ہے۔ عراقی کردوں کو بھی اسلامی مرکز سے امداد ملی ہے۔ اسی طرح روچسٹر کی خاص افریقی امریکی مسجد، مسجد تقویٰ، کو ملی ہے۔ اس طرح اسلامی مرکز کا تعلق کسی خاص نسلی گروہ سے نہیں ہے۔ زیادہ تر ترکوں کا تعلق ترکی مسجد سے اور افریقی امریکیوں کا تعلق مسجد تقویٰ سے ہے۔

بعض مساجد کے نسلی تشخص کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ وہ اُن نئے آبادکاروں اور نومسلموں کے لیے معاشرتی مرکزوں کا کام کرتی ہیں۔ نئے نئے امریکا میں آنے والے مسجد کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں خواہ وہ اپنے آبائی ملک میں کبھی کبھار ہی مسجد جاتے رہے ہوں۔ یہ حقیقت اقلیتی برادریوں کے ساتھ زیادہ عام ہے۔ جب یہ ''انتشاری کیفیت'' میں ہوتے ہیں یا اپنے قومی تشخص پر اعتماد نہیں کر سکتے یا اپنے وطن سے راست رابطہ نہیں کر سکتے تو ان کا مذہبی رجحان عموماً بڑی اہمیت اختیار کر لیتا ہے۔ دوسری طرف ایسے لوگ جن کا کسی نسلی تشخص کی مسجد سے الحاق نہیں ہوتا ان میں عموماً روچسٹر کی برادری میں بحیثیت مجموعی یا ان کے اپنے آبائی ملک کی ثقافت کی عکاسی کرنے والے گروہوں میں ضم ہو جانے کا رجحان زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ یہ چیز عربوں کی طرح کثیر الثقافتی ماحول میں زیادہ نمایاں ہوتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثلاً روچسٹر کے فلسطینیوں کا ایک غیرنسلی کمیونٹی سینٹر موجود ہے جو ''نیشنل ایسوسی ایشن آف پیلس ٹینین امیریکنز'' کی ایک شاخ ہے۔

اس سیاق وسباق میں افریقی امریکی سنی مسجد، مسجد تقویٰ، ثقافتی تنوع کی ایک دلچسپ جہت کی نمائندگی کرتی ہے۔ اسے نئے آبادکار (مثلاً پاکستانی یا عرب) امریکی ثقافت کا ایک جزو لاینفک سمجھتے ہیں لیکن یہ ایک منفرد نوعیت کی امریکی ثقافت ہے یعنی افریقی امریکی ثقافت۔ اسی وجہ سے اسلامی مرکز اور ترک مسجد دونوں ہی افریقی امریکی برادری میں دعوت و تبلیغ کا کام مسجد تقویٰ پر چھوڑ دیتے ہیں۔ ''دعوت کے کام میں آپ ہم سے بہت بہتر ہیں'' یہ جملہ مسجد تقویٰ کے امام عبدالمالک حسن کے مطابق اسلامی مرکز کے نمائندوں نے اکثر ان سے کہا ہے۔ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے امام صاحب نے مزید کہا کہ اس جملے سے اسلامی مرکز والوں کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ امریکی ثقافت کو افریقی امریکی زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں لہٰذا وہ اس برادری تک اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے زیادہ موزوں ہیں۔ بہرحال یہ تبلیغ اپنے دائرہ کار میں بہت محدود ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مسجد تقویٰ تبلیغ کے کام میں بہت فعال ہے۔ اس کا اسکول، سسٹر کلارا محمد اسکول، ۱۹۷۹ء سے قائم ہے۔ اب یہ اسکول گریڈ چھ تک ہے اور امید ہے کہ ۱۹۹۲ء کے آخر تک یہ گریڈ آٹھ تک ترقی کر جائے گا۔ معیاری امریکی نصاب کے ساتھ اس اسکول میں اسلامی دینیات اور عربی زبان کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ فی الحال اس میں طالب علموں کی تعداد پینسٹھ ہے۔ اس اسکول کے فارغ التحصیل طالبِ علم، پبلک ہائی اسکولوں میں تعلیمی اعتبار سے مسلسل اوسط سے اوپر ہی رہے ہیں اور اکثر کالجوں تک پہنچ گئے ہیں۔ اس اسکول کے جملہ اخراجات مسجد تقویٰ کو دی جانے والی زکوٰۃ، اسلامی مرکز کے ارکان کے انفرادی چندوں اور ٹیوشن فیس سے پورے کیے جاتے ہیں۔ اس طرح یہ اسلامی برادری کے لیے بڑی قیمتی خدمت مہیا کرتی ہے، لیکن جو لوگ اس خدمت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں وہ قریب قریب سبھی افریقی امریکی برادری سے تعلق رکھتے ہیں، غیر افریقی امریکی مسلمان اپنے بچوں کو عموماً پبلک اسکولوں یا نجی لامذہبی (سیکولر) اسکولوں میں بھیجتے ہیں۔

یہی بات مسجد تقویٰ کے تبلیغی پروگرام کے دوسرے منصوبے کے لیے بھی صحیح ہے، یعنی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قید خانوں کا پروگرام۔ امام حسن نے خود نیویارک کے وفاقی جیل خانوں کے نظام میں پانچ سال تک ہمہ وقتی مذہبی رہبر کے طور پر کام کیا تھا۔ اب وہ ذاتی طور پر وفاقی قید خانوں کا مہینے میں دوبار دورہ کرتے ہیں اور مسجد نے تین بڑی ضلعی اور ریاستی اصلاحی سہولیات کے لیے اماموں کو تربیت دی ہے۔ امام حسن کے بقول ان تبلیغی پروگراموں سے تبدیلی مذہب کی شرح میں اضافہ ہوا ہے۔ مسلمان ہونے والوں میں افریقی امریکیوں کی شرح سب سے زیادہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ان لوگوں کو روحانی سکون، عزت نفس، وقار اور مذہبی فیضان اور ثقافتی تشخص عطا کرتا ہے۔ اور پھر افریقی امریکی ثقافت کا اپنا تشخص مسجد تقویٰ میں اور گہرا ہو جاتا ہے۔

یہ صورت حال مسجد تقویٰ کی تیسری اہم بیرونی سرگرمی میں بھی نمایاں ہے اور وہ شعبہ ہے، ہائی اسکولوں کا۔ نیویارک کے شمالی حصے کے ہائی اسکول متعدد ایسے دوسرے گروہوں کی روز افزوں سرگرمیوں کے مرکز رہے ہیں جو اپنی شناخت بحیثیت مسلمان کراتے ہیں، جن میں افریقی امریکیوں کے لیے خاص کشش رہی ہے۔ امام حسن کے مطابق ان میں سب سے حاوی ''فائیو پرسینٹرز'' (پانچ فیصد والے) اور انصار اللہ ہیں۔ فائیو پرسینٹرز یا فائیو پرسینٹ نیشن ایک گروپ ہے جسے کلارنس ۱۳۔ایکس ''پڈن'' اسمتھ (Clarence 13 x "Puddin" Smith) نے قائم کیا تھا جو عشرہ ۱۹۶۰ء کے پرآشوب دور میں نیشن آف اسلام سے جدا ہو گیا تھا۔ اس نام کی بنیاد انسانی نسل کی اس شناخت پر ہے جسے ایلیجاہ محمد نے متعین کیا تھا، یعنی ''پانچ فیصد والے'' انسانی نسل کے اس دس فیصد سے بھی الگ ہیں جو لوگوں کا استحصال کرتے ہیں اور یہ ان پچاسی فیصد میں بھی شامل نہیں ہیں جن کا استحصال کیا جاتا ہے، بلکہ یہ اس صداقت کے غریب اور راست باز معلم ہیں کہ ''سیاہ فام انسان خدا ہے اور عورتیں کھیتیاں ہیں جن میں ان کی قوم پیدا کی جاتی ہے''۔[1] انصار اللہ، جن کی قیادت بروکلین میں امام عیسیٰ الہادی المہدی کرتے ہیں، بظاہر اسلامی نظریہ اور سیاہ فام قومیت کے امتزاج کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہ حصول دولت پر بہت زور دیتے ہیں۔ امام حسن کی رائے میں، جو ان گروہوں کو صحیح مسلمان نہیں سمجھتے، یہ دونوں نیویارک کے شمالی حصے میں روز بروز زیادہ فعال ہوتے جا رہے ہیں۔ پانچ فیصد والے البانی اور نیو برگ، نیویارک میں بطور خاص

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمایاں ہیں اور انھوں نے روچسٹر کے ہائی اسکولوں میں نومسلموں کو بھرتی کرنا شروع کر دیا ہے۔ لہٰذا مسجد تقویٰ ہائی اسکول کے طلباء تک رسائی حاصل کرنے کی متفقہ کوشش کر رہی ہے تاکہ وہ اسلامی تعلیمات کے بارے میں پھیلے ہوئے مبہم خیالات کو دور کر سکے اور وہ اس چیز کو پیش کر سکے جسے وہ وقار اور پاکیزگی کی جانب لے جانے والا اسلامی راستہ سمجھتی ہے۔ امام حسن کا بیان ہے کہ ان کے ہائی اسکول کے اسلام قبول کرنے والے طلباء میں سے زیادہ تر وہ ہیں جو پہلے فائیو پرسینٹ نیشن یا انصار اللہ کی طرف چلے گئے تھے۔

روچسٹر میں اسلام کی مقبولیت سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے افریقی امریکی کے طور پر مسجد تقویٰ کا نسلی تشخص مضبوط ہو رہا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ مسجد تقویٰ سے تعلق رکھنے والے دو سو سے زیادہ خاندانوں میں صرف تین ارکان سفید فام ہیں۔ اس کے برعکس اسلامی مرکز کی تبلیغی کوششوں کا دائرہ دوسرے مذاہب کے لوگوں سے مناظرے تک محدود ہے۔ اگرچہ اسلامی مرکز اس سلسلے میں بہت فعال ہے اور دوسرے مذاہب کے لوگوں سے رابطہ قائم کرنے میں اس کی کوششیں بہت کامیاب ہیں لیکن ان سرگرمیوں کا نتیجہ تبدیلئ مذہب یعنی قبول اسلام کی شکل میں بہت کم ظاہر ہوتا ہے۔ اسلامی مرکز کی رکنیت میں زیادہ اضافہ ترک وطن اور افزائش نسل کا نتیجہ ہے۔ اس کے برعکس مسجد تقویٰ کی ترقی افریقی امریکیوں میں تبدیلئ مذہب کی اونچی شرح کی نشان دہی کرتی ہے۔

کیا نسلی اختلافات کوئی مسئلہ ہیں؟

عام طور سے نسلی اختلافات بجائے خود کوئی مسئلہ نظر نہیں آتے۔ مثال کے طور پر مسجد تقویٰ خود کو مخصوص افریقی امریکی ثقافت کا ایک حصہ سمجھتی ہے جسے وہ ریاست ہائے متحدہ کے ثقافتی امتزاج کے اندر رہتے ہوئے ایک منفرد ثقافت کے طور پر تسلیم کرتی ہے۔ امام حسن کہتے ہیں "ہمارے پاس اپنی ثقافت ہے اور یہ بات بالکل قابل فہم ہے اگر افریقی امریکیوں کے علاوہ دوسرے لوگ اپنی اپنی ثقافتی برادریوں میں مل جل کر رہیں۔" لیکن جب ثقافتی اختلافات معاشرتی اور معاشی امتیاز کے ساتھ مل جاتے ہیں تو نسلی اختلافات اور طبقاتی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امتیازات کو جنم دیتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ بعض اوقات نسلی یا معاشرتی معاشی اختلافات میں عصبیتیں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔

مثال کے طور پر روچسٹر کی افریقی امریکی مسجدوں کے ارکان اسلامی احکام کی تعمیل مثلاً لحم خنزیر اور شراب نوشی کے معاملے میں دوسری مسجدوں سے وابستہ افراد کے مقابلے میں خود کو زیادہ سرگرم سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ اسلامی مرکز اور ترک برادری کے بعض ارکان کی ایسے کاروبار میں شراکت کو اسلامی احکام سے غفلت پر محمول کرتے ہیں جس میں سُور کا گوشت اور نشہ آور مشروبات فروخت کیے جائیں، دوسری جانب اسلامی مرکز کے ارکان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ انھیں روچسٹر کی پیشہ ورانہ اور تجارتی برادری میں زیادہ خوش حال اور کامیاب سمجھا جائے۔ حتیٰ کہ اسلامی مرکز کے بعض ارکان ان جگہوں پر افریقی امریکیوں کی ناکافی نمائندگی کو بھی خود ان کی اپنی کاہلی اور نااہلی کا ہی نتیجہ سمجھتے ہیں۔ اسلام اور قومی تشخص کے بارے میں ایک بین المذہبی مباحثے میں کچھ عیسائی طالب علموں نے یہ رائے ظاہر کی کہ افریقی امریکی مسلمانوں کی طرف سے اپنی مساجد کے لیے ترجیح بظاہر اس نسل پرستانہ نفرت کا نتیجہ ہے جسے انھوں نے امریکا میں ایک طویل مدت تک بھگتا ہے۔ اسلامی مرکز کے ایک رکن نے اس کے جواب میں کہا ''امریکا میں نسل پرستی قصہء پارینہ ہے۔'' جب اس رکن سے لوئیزیانا میں ڈیوڈ ڈیوک کی حالیہ مہم کی کامیابی کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا'' میں ڈیوڈ ڈیوک سے متفق ہوں۔ فلاحی امداد اس ملک کو قتل کر رہی ہے۔ یہ لوگ تو خیرات پر زندگی گزارتے ہیں اور بخشش لینے کے علاوہ ان کی زندگی کا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔'' اگرچہ اس خیال کے علم بردار اسے نسل پرستی کے بجائے ایک سیاسی موقف قرار دیتے ہیں لیکن اس رویے کے مخالفین اسے بہر حال ایک قسم کی نسل پرستی سے تعبیر کرتے ہیں، کیونکہ فلاحی امداد وصول کرنے والوں کی اکثریت افریقی امریکیوں پر مشتمل ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ امریکا میں معاشی بے چینی کی وجہ سے معاشرے میں فلاحی امداد اور اس سے فائدہ اٹھانے والوں کے خلاف ناپسندیدگی میں اضافہ ہوا ہے، اس سے فائدہ اٹھانے والوں کو کسی ایک مخصوص مذہبی گروہ سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔

اسلامی مرکز کے بعض ارکان یہ کہتے ہیں کہ وہ روچسٹر کی متعدد مساجد کے بارے میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کے مختلف اور متضاد خیالات سے واقف ہیں لیکن وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ نسلی تعصب کے الزامات بلا جواز ہیں۔ اسلامی مرکز تمام مسلمانوں کے لیے کھلا ہوا ہے۔ اس کے ارکان میں ساری دنیا کے لوگ شامل ہیں۔ عربوں میں فلسطینی خاندانوں کی اکثریت ہے (تقریباً پانچ سو خاندانوں میں کوئی پینتیس یا چالیس خاندان)۔ پھر ایسے افریقی امریکی یا ترک خاندان بھی ہیں جو ترک یا افریقی امریکی مساجد کے بجائے اسلامی مرکز کے رکن ہیں۔ مرکز کے چالیس فیصد ارکان پاکستانی ہیں۔

بہرحال مرکز کے ایک عہدے دار کے مطابق مرکز کے انتظامی اور مالی اخراجات کا پچھتر سے اسی فیصد پاکستانی مہیا کرتے ہیں۔ (مرکز کے موجودہ امام بھی پاکستانی ہیں۔) جب ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ مرکز کے دوسرے نسلی گروہوں کے مقابلے میں پاکستانی بحیثیت مجموعی زیادہ تعلیم یافتہ اور اعلیٰ مناصب پر فائز ہیں۔ بہت سے پاکستانی خاندانوں میں میاں بیوی، دونوں ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور برسرِ کار ہوتے ہیں۔ اس صورت حال کو دیکھ کر بہت سے لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اسلامی مرکز پر پاکستانیوں کا غلبہ ہے۔ مرکز کے مذکورہ عہدے دار نے کہا کہ مصر کے ارکان بھی عموماً تعلیم یافتہ اور اعلیٰ پیشوں سے وابستہ ہیں اور وہ بھی مرکز کی انتظامیہ میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں لیکن مرکز میں ان کی تعداد بہت کم ہے۔

ان برادریوں میں کشیدگی کا ایک واقعہ کئی سال پہلے اس وقت سامنے آیا جب بعض افریقی امریکی خاندانوں نے افریقی امریکی مسجد تقویٰ کو چھوڑ کر اسلامی مرکز میں شریک ہونا چاہا۔ اسلامی مرکز کے ایک نمائندے نے بتایا کہ اس وقت دونوں مسجدوں کے بعض ارکان نے یہ اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ چونکہ ان خاندانوں کو روچسٹر کی پیشہ ورانہ برادری میں اعلیٰ حیثیت حاصل ہے لہٰذا لوگ یہ سمجھیں گے کہ اسلامی مرکز نے مسجد تقویٰ کے ممبروں کو توڑ لیا ہے، یا وہ رکنیت سازی کا مقابلہ کر رہے ہیں، یا یہ خاندان مسجد تقویٰ سے منحرف ہو کر اسلامی مرکز سے تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مذکورہ عہدے دار نے مزید کہا کہ اسلامی مرکز کو یہ محسوس ہوا کہ وہ بڑی ناگوار صورت حال کا شکار ہو گیا ہے، کیونکہ ایک طرف وہ کسی کو اپنے یہاں سے جانے پر مجبور نہیں کر سکتا اور دوسری طرف وہ کسی قسم کی نسلی یا فرقہ وارانہ کشیدگی کو بھی ہوا نہیں دینا چاہتا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے افریقی امریکی خاندان اسی وقت سے اسلامی مرکز کے رکن بننے لگے اور عدم اعتماد کی فضا بڑی حد تک دور ہو گئی۔ تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روچسٹر کی اسلامی برادری میں نسلی گروہ بندی نسل در نسل اپنی صورت بدل رہی ہے۔ جب روچسٹر کی تینوں سنی مساجد کے عمر رسیدہ ارکان سے پوچھا گیا تو انھوں نے نسلی تنازعات کی موجودگی کا تو اعتراف کیا لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ اب یہ ماضی کا قصہ ہے۔ ان معمر لوگوں کا خیال ہے کہ اب مختلف گروہوں میں تعلقات معمول کے مطابق بلکہ بڑے پُر جوش ہیں۔

تاہم دوسری طرف تینوں مسجدوں کے طلباء گروہوں میں نسلی تنوع کے مختلف پہلوؤں پر واضح اندیشے موجود ہیں۔ مثال کے طور پر اسلامی مرکز اور ترک مسجد دونوں ہی کے طلباء نے افریقی امریکیوں کے اسلام پر شبہ ظاہر کیا۔ ایک طالب علم کی رائے میں ’’غالباً یہ لوگ افریقہ میں مسلمان نہیں تھے اور اگر تھے بھی تو امریکا آ کر ان کا یہ تعلق ختم ہو گیا۔ پھر اچانک انھوں نے ایک بار پھر اسلام کو دریافت کیا اور کسی قسم کا نسلی یا ثقافتی تشخص حاصل کرنے کے لیے انھوں نے اسلام کو قبول کر لیا۔‘‘ گروہ کے دوسرے ارکان عام طور سے اس رائے سے متفق تھے۔ ایک دوسرے طالب علم نے کہا کہ ’’جب یہ اسلامی مرکز میں آتے ہیں تو ایک دوسرے سے چپکے رہتے ہیں اور ان کا رویہ مختلف ہوتا ہے۔ جب اس ’مختلف رویے‘ کی نوعیت کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا ’’یہ پیچھے ساتھ ساتھ بیٹھتے ہیں اور خطبے کے دوران باتیں کرتے رہتے ہیں۔‘‘ جب انھیں یہ بتایا گیا کہ پاکستانی، مصری اور دوسرے لوگ بھی تو آپس میں ساتھ ساتھ بیٹھتے ہیں اور یہ کہ مسجد تقویٰ کے بعض نوجوان ممبروں کا خیال ہے کہ آباد کار مسلمانوں کے نزدیک بھی تو اسلام محض ثقافتی تشخص اور شناخت کا معاملہ ہے، چونکہ ’’دعوۃ‘‘ کی وہ کوئی فکر ہی نہیں کرتے اور اپنی دکانوں میں حرام خوراک بیچتے ہیں جیسا کہ ایک افریقی امریکی مسلمان نے بیان کیا۔ یہ سن کر اسلامی مرکز اور ترکی مرکز کے طلباء مسکرانے لگے یعنی انھوں نے یہ الزام تسلیم کر لیا۔ بعض نے تو یہ تک کہا کہ اس بات کے لیے وہ ہر وقت اپنے والدین کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔ ’’وہ امریکا آتے ہیں، ڈالر کماتے ہیں، لوگوں کو یہ دکھانے کے لیے کہ وہ معاشی طور پر کتنے خوش حال ہیں حج کرنے مکہ جاتے ہیں، لیکن وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ اجتہاد کیا چیز ہے اور انھوں نے تجدید یا اصلاح کے بارے میں کبھی کچھ سنا ہی نہیں۔‘‘[۳]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترکی کے دو طالب علموں نے اس بات سے اتفاق کیا کہ ان کے بزرگ مسجد میں صرف اپنی قیمتی کاروں اور عمدہ کپڑوں کی نمائش کے لیے جاتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ''وہ ہمیں یہ سمجھانے کی بھی کوشش کرتے ہیں کہ ہم بہترین مسلمان ہیں کیونکہ ہم ترک ہیں''۔ ان دونوں طالب علموں نے کہا کہ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ پاکستانی اپنے بچوں کو یہی سبق پڑھاتے ہیں کہ وہ بہترین مسلمان ہیں اور مصری یہ سکھاتے ہیں کہ مصری بہترین مسلمان ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ یہ طلباء عام طور سے اس بات پر متفق تھے کہ ان کی بزرگ نسل کا یہ رجحان بنیادی طور پر ایک غیر مسلم ملک میں معاشرتی اعتبار سے الگ تھلگ ہونے کے سبب ہے اور تنہائی کا یہ رجحان بڑھتا ہی جاتا ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ امارت پرستی اور واحد نسلی حاکمیت کا یہ تصور روچسٹر کے اسلامی مرکز کی حد تک خود طلباء میں بھی عام نہیں ہے۔ ایران، فلسطین اور مصر سے تعلق رکھنے والے جن دوسرے ارکان سے انٹرویو کیا گیا انھوں نے اسلامی مرکز کے نسلی تنوع کے خلاف کسی بے چینی یا بدمزگی کا اظہار نہیں کیا۔ یہ [احساس] پُرجوش، خیر مقدمی، مددگار اور اس کا تنوع اسلام کی آفاقیت اور اس کے ایثار و درگزر کے اصولوں کے عین مطابق تھا، ایک ایرانی طالب علم نے تبصرہ کیا ''مومنوں کے درمیان نسلی امتیازات لایعنی ہیں۔''

دلچسپ بات یہ ہے کہ عرب اور ترک برادریوں کا موقف ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ ترکی مرکز کو بے قاعدہ سمجھے جانے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ یہ مرکز خاصا مستحکم ہے مگر بہت کم نمایاں رہتا ہے۔ اپنے تشخص کے اعتبار سے اسے نسل پرست یا فرقہ وارانہ کے بجائے ثقافتی اور نسلی سمجھا جاتا ہے۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ ترکی کے حالیہ زلزلے کے متاثرین کے لیے امداد کی جو اپیل کی گئی تھی اس کا مثبت ردعمل روچسٹر کی پوری مسلم برادری کی طرف سے سامنے آیا۔ علاوہ ازیں مذہبی عبادات میں ترکی زبان کا استعمال عام طور سے ترکوں کا حق سمجھا جاتا ہے اگرچہ اس کی وجہ سے غیر ترک خود بخود اُن کے اجتماعات سے خارج ہو جاتے ہیں۔ تُرک مرکز کے ارکان یہ نہیں چاہتے کہ کسی خاص سیاسی یا سماجی معاملے کے ساتھ ان کو منسلک کیا جائے، اس کے برعکس عرب برادری عرب دنیا کی موجودہ سیاسی جدوجہد میں اپنی دلچسپی کی وجہ سے بڑی نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ زیادہ تر مسائل پر اسلامی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برادری ایسی آراء کا اظہار کرتی ہے جس کی توقع کوئی بھی شخص امریکا جیسے متنوع معاشرے سے کرسکتا ہے۔ مثال کے طور پر خلیج کی جنگ کے مسئلے پر اسلامی برادری مختلف الخیال تھی لیکن فلسطینیوں کی بے ریاستی، بلکہ زیادہ صحیح معنوں میں یروشلم پر اسرائیلیوں کے قبضے کے معاملے میں مسلمانوں کی آراء میں زیادہ یکسانیت پائی جاتی ہے۔ بہرحال عرب، اسلامی مرکز کا ایک جزو لاینفک ہیں، گو یہ مرکز عرب ثقافتی مرکز کا فریضہ انجام نہیں دیتا۔ عربوں کی ثقافتی برادری غیر فرقہ وارانہ برادری ہے یعنی مسلم عرب دوسرے عربوں کے ساتھ خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، مل جل کر رہتے ہیں۔ یہ کیفیت روچسٹر میں عرب طلباء میں بطور خاص نمایاں ہے جہاں کے متعدد کالج اور یونیورسٹیاں ہر سال درجنوں عرب طلباء کو دعوت دیتی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ متعدد مساجد کے درمیان تعاون اور برادرانہ جذبات مسلسل ترقی پذیر ہیں۔ البتہ تمام برادریوں کے اپنے مسائل ہیں جنھیں ان کو حل کرنا ہے۔ بنیادی طور پر ترک مسجد اور اسلامی مرکز سے تعلق رکھنے والی آبادکار برادریاں اپنے اہم مسائل کو عام طور سے امریکا میں دوسرے آبادکاروں کے اسی طرح کے مسائل سے ہم آہنگ کرتی ہیں جیسے کہ آبادکاری کے قانونی مسائل اور معاشی اور ثقافتی رشتوں کے قیام کا مسئلہ۔ افریقی امریکی برادری کو تنظیمی اور معاشی مسائل کے ساتھ ساتھ ایسے شدید قسم کے نسلی تعصب سے نمٹنا پڑتا ہے جنھوں نے بہت سے شہری مراکز کو طاعون کی طرح اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ افریقی امریکی اسلامی برادری روچسٹر میں ایلیجاہ محمد کے پیروکار کے طور پر ۱۹۶۰ء میں شروع ہوئی تھی۔ اپنے قیام کے ابتدائی چند برسوں میں ان لوگوں کو پولیس والے اپنی عادت کے مطابق تنگ کرتے رہے۔ ایک دشواری یہ تھی کہ انھیں کرائے پر اپنے مکان دینے والے مالک مکان نہیں ملتے تھے۔ درجنوں مکان تلاش کرنے اور زائد کرائے کی پیش کش کرنے کے بعد ایک افریقی امریکی مسلمان خاندان کو ایک مکان کی مالکہ نے بتایا کہ اسے ایف بی آئی نے ہدایت کی ہے کہ وہ ان کے گروپ کو کسی حالت میں اپنا مکان کرائے پر نہ دے۔ (آخر کار ایک مالک مکان نے اس غیر قانونی حکم کی خلاف ورزی کردی۔) جب کبھی یہ لوگ اپنے کسی جلسے کا منصوبہ بناتے تھے تو پولیس کی گاڑیاں مقررہ جگہ کو گھیر لیتی تھیں، آس پاس کا راستہ صاف کروا دیتی تھیں اور لوگوں کو جلسہ گاہ میں جانے سے روکتی تھیں۔ یکم فروری ۱۹۶۳ء کو یہ معاملہ نازک صورت اختیار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر گیا جب پولیس نے یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ جلسہ گاہ میں کسی شخص کے پاس بندوق ہے اس جلسے میں داخل ہونے کا مطالبہ کیا۔ امام حسن کا بیان ہے کہ ان کے آدمی نے تمام حاضرین کی (جن کی تعداد ستر سے بھی کم تھی) پوری طرح تلاشی لی اور یہ اطلاع غلط نکلی۔ اس کے باوجود گرفتاریاں کی گئیں اور انیس افراد پر غیر قانونی مجمع لگانے، بلوے کے لیے اکسانے اور گرفتاری کی مزاحمت سمیت پانچ الزامات عائد کیے گئے۔ تاہم یہ برادری بڑھتی رہی اور ترقی کرتی گئی۔ ۱۹۷۵ء کے بعد یہ لوگ ایلیجاہ محمد کی تعلیمات سے منحرف ہو کر اسلام کے اس بڑے دھارے میں شامل ہو گئے جس کی تعلیم ایلیجاہ محمد کے بیٹے امام ڈبلو دین محمد نے امریکن مسلم مشن میں دی تھی۔

سنی مسلم برادریوں کے درمیان کچھ واضح قسم کے تنازعات پیدا ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر اس وقت بڑی بددلی پیدا ہوئی جب افریقی امریکی مسجد کے ارکان نے اسلامی مرکز کے ارکان کے ذاتی اسٹوروں میں (جو اندرون شہر کے قریب، جسے مسجد تقویٰ والے ''گھر'' کہتے ہیں، واقع ہیں) سور کے گوشت اور نشہ آور مشروبات کی فروخت پر احتجاجی مظاہرے کیے۔ بہرحال دونوں برادریوں کے معمر لوگوں کے بیان کے مطابق اب وہ معاملہ کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ دونوں برادریوں کے ارکان ترک برادری کی اس خواہش کو بھی تسلیم کرنے لگے ہیں کہ ترک ثقافتی ہم آہنگی کو قائم رکھنے کے لیے اپنی مسجد بنا لیں۔

موجودہ مسائل میں اسلامی مرکز کے بعض ارکان کی جانب سے ایک دوسرے کے خلاف نسل پرستانہ رویہ بھی ایک مسئلہ ہے۔ جیسا کہ ایک پاکستانی طالب علم نے کہا ''پاکستانی سب سے بڑے نسل پرست ہیں... اگرچہ وہ اس بات کو کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔'' یہ بیان اس نے عرب مخالف جذبات کے حوالے سے دوران گفتگو دیا تھا اور واضح طور پر یہ ان کی ثقافتی برتری کے احساس کی جانب ایک اشارہ تھا۔ یہ رائے دوسرے غیر عرب مسلم طلباء کی گفتگو میں بھی جھلک رہی تھی اور غیر مسلم امریکیوں کے عرب مخالف جذبات کی عکاسی کر رہی ہے۔ متعدد ترک اور پاکستانی طلباء نے یہ شکایت بھی کی کہ انھیں عرب سمجھ لیا گیا۔ انھوں نے امریکیوں کی اس عادت پر شدید غصے کا اظہار کیا کہ وہ تمام مسلمانوں کو عرب اور تمام عربوں کو دہشت پسند سمجھ لیتے ہیں۔ اگرچہ ان طلباء نے عام طور سے یہ بات تسلیم کی کہ اس غلطی کا سبب امریکی عوام کی غلط

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معلومات (اور یک طرفہ پروپیگنڈا) ہیں تاہم ان میں سے بعض اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتے تھے کہ وہ عرب نہیں ہیں۔ اسی طرح بہت سے غیر افریقی امریکی مسلم طلباء نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ انہیں افریقی امریکی مسلم برادری سے الگ ہی رکھا جائے۔ انھوں نے کہا کہ اس خواہش کا سبب ان کا تعصب نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ امریکیوں کی یہ مجبوری ہے کہ وہ افریقی امریکیوں کے ان متعدد گروہوں کے درمیان امتیاز نہیں کر سکتے جو خود کو مسلمان کہتے ہیں (یعنی ایسے گروہوں میں، جیسے لوئی فرخان کی نیشن آف اسلام اور اسی طرح دوسرے چھوٹے چھوٹے گروپ جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے)۔

بہر حال اب زیادہ زور برادریوں کے درمیان باہمی تعاون پر دیا جا رہا ہے۔ مذہبی تقریبات مثلاً عید الفطر کے موقع پر دعوتوں کا مشترکہ اہتمام کیا جاتا ہے۔ جن کا انتظام اسلامی مرکز میں ہوتا ہے۔ صرف ترک برادری نے اس سال رمضان اور عید الفطر کی تقریبات کو علیحدہ منانے کا فیصلہ کیا، لیکن یہ بھی ان کے بعض نوجوان ارکان کی جھنجلاہٹ کا باعث بنا۔ روچسٹر کے سنی مسلمانوں نے فرقہ وارانہ اتحاد کو اتنی اہمیت دی کہ اس سال ان کے عید کے خطبے کا موضوع یہی تھا۔ اسلامی مرکز کے امام شفیق نے مسلمانوں سے زور دے کر کہا کہ وہ آپس کے چھوٹے چھوٹے نزاعی معاملات پر قابو پائیں اور ایک متحد اور باہم مددگار برادری کے طور پر اکٹھا ہو جائیں:

> اسلام مسلمانوں کو اتحاد کا حکم دیتا ہے۔ اسلام میں تفرقہ، کفر کے قریب سمجھا جاتا ہے۔ ہم سب اللہ تعالیٰ (سبحانہٗ وتعالیٰ) پر، قرآن پاک پر اور محمد [صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم] کے اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہم سب دن میں پانچ بار نماز کے لیے مسجد الحرام کی طرف رخ کرتے ہیں۔ ہم سب کا اس بات پر ایمان ہے کہ قیامت کے دن کوئی قبیلہ، ثقافت، نسل یا وطنیت ہمارے کام نہیں آئے گی۔ وہاں صرف ایمان اور عمل ہی کام آئے گا۔ ہم میں سے ہر شخص اس حدیث کو جانتا ہے ''کسی عرب کو کسی غیر عرب پر اور کسی سفید فام کو کسی سیاہ فام پر کوئی برتری نہیں ہے سوائے اس کے تقویٰ (اللہ تعالیٰ سبحانہٗ و تعالیٰ کا خوف) کے۔'' لیکن ہمارے اعمال ہمارے ایمان اور یقین کے برعکس ہیں۔ نسل پرستی کے اس مسئلے پر قابو پانا ضروری ہے.... [شمالی امریکا میں] مساجد اور اسلامی مراکز مسلم ملکوں کے نام سے تعمیر کیے جاتے ہیں اور ان پر انہی نسلی گروہوں کا کنٹرول ہوتا ہے۔ بعض مسلم ملک ایسے بھی ہیں جو ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نسلی طریقوں کی مدد کرتے ہیں۔ اب حالت یہ ہوگئی ہے کہ ایک نسلی گروہ دوسرے گروہ کے ساتھ عید کے دن بھی نماز پڑھنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ (سبحانہ، وتعالیٰ) کا احسان ہے کہ شمالی امریکا کے مسلمان اب ان نسلی مسائل سے آگاہ ہو چکے ہیں۔ تاہم مجھے ابھی تک اس مسئلے کو حل کرنے کی کوئی منظم کوشش نظر نہیں آتی۔ قبل اس کے کہ ہمارے نسلی اختلافات ناقابل اصلاح حد تک شدید ہو جائیں ہمیں تیزی کے ساتھ عمل کرنا ہوگا۔ [۳]

دلچسپ بات یہ ہے کہ افریقی امریکی مسلمانوں میں یہ احساس اب ترقی پر ہے کہ وہ حالات کو سمجھتے جا رہے ہیں۔ امام حسن نے فوری طور پر ان غلطیوں کو تسلیم کیا جو افریقی امریکی مسلمانوں کی ان کوششوں کے ابتدائی دنوں میں ان سے سرزد ہوئی تھیں جب وہ صحیح عقیدہ تلاش کر رہے تھے۔ انھوں نے مکہ، مصر، پاکستان بلکہ لیبیا کے بھی ان علماء اور شیوخ کے لیے تشکر کے جذبات کا اظہار کیا جنھوں نے کئی سال تک ابھرتے ہوئے امریکی مسلم مشن کی روحانی رہنمائی کے لیے اپنی خدمات مہیا کیں۔ اب اس مسجد کے لوگوں میں بھی ایک نمایاں خود اعتمادی پائی جاتی ہے اور اب وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ اس احسان کا بدلہ چکانے کی حیثیت میں ہیں۔ امام حسن نے اس اعتماد کا اظہار کیا کہ افریقی امریکی مسلمان اب شمالی امریکا اور سمندر پار کے ملکوں میں ان مسلمانوں کی رہنمائی کر سکتے ہیں اور ان کے سامنے مثال پیش کر سکتے ہیں جو اسلام کی اصل روح سے اپنا رابطہ منقطع کر چکے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترک مسجد کے ارکان تو ادغام و انضمام کے مسائل، خصوصاً پرانی اور نئی نسل کے درمیان اختلافات، میں الجھے ہوئے ہیں۔ اسلامی مرکز کے نمائندوں کے بارے میں یہ نظر آتا ہے کہ وہ روچسٹر کی برادری کو اسلام کی تعلیم دینے اور امریکا میں مسلمانوں کی منفی روایتوں کو بدلنے پر اپنی توجہ مرکوز کیے ہوئے ہیں۔ دوسری جانب افریقی امریکی سنی برادری مستقبل کی طرف اس یقین کے ساتھ دیکھ رہی ہے گویا بدترین طوفانوں پر قابو پا لیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کے درمیان، جو اپنے اسلام سے مطمئن ہو کر بیٹھ گئے ہیں یا جو اسلام کو ثقافتی شناخت یا رسوم کی ادائیگی تک محدود کر چکے ہیں، افریقی امریکی اسلام فرقہ وارانہ قلب ماہیت، دعوت عدل اور عالمگیر انسانی وقار کی ایک ایسی زندہ مثال پیش کرتا ہے جو اسلاف کا خاصہ رہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل کلام

روچسٹر کی سنی اسلامی برادری کے ارکان میں جو نسلی اختلافات نمایاں ہیں وہ امریکا کے شہروں میں دوسرے نسلی اور قومی گروہوں کے متوازی نظر آتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ روچسٹر کے رومن کیتھولک چرچوں میں بھی بعض پر اب تک یا تو اطالوی بالادستی نظر آتی ہے یا پولستانی (Polish) وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال جوں جوں ادغام کا عمل آگے بڑھ رہا ہے یہ اختلافات زیادہ سے زیادہ کم ہوتے جا رہے ہیں۔ تاہم متعدد رومن کیتھولک کلیسائی اضلاع (parishes) میں زوال پذیر نسلی تشخصات کے باوجود ایک وسیع تر بلکہ عالمگیر برادری سے تعلق رکھنے کا مجموعی احساس باقی ہے۔ تاہم اس نظریئے پر فی الواقع ایک اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ منصوبے بشپ کے پورے علاقے (diocesewide) کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ خاندان آسانی کے ساتھ ایک کلیسائی ضلع سے دوسرے ضلع میں منتقل ہو جاتے ہیں جہاں وہ ایک نئے پڑوس کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اس قسم کا استحکام بڑی حد تک رومن کیتھولک نظام میں اس کلیسائی طبقہ واریت کی ایک بہت واضح روایت کا فریضہ ہے جس کی ایک سطح کی نمائندگی روچسٹر کے علاقے (diocesan) کا بشپ کرتا ہے۔ سنی مسلمانوں نے اب تک فرقہ واری تشخص کا کوئی ایسا واضح تدریجی نظام وضع نہیں کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سنی اسلام میں کلیسائیت قسم کی کوئی چیز نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بات تعجب خیز نہیں ہے کہ ایک غیر اسلامی ماحول میں ترقی پذیر برادریوں کی طرح مسلمان اپنا اتحاد اور استحکام اپنے ہم قوموں اور ہم مذہبوں میں تلاش کر لیتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہاں قابل شناخت نسلیت ہوتی ہے، مثلاً ترکوں کی نسل، وہاں اتحاد اور استحکام زیادہ واضح اور زیادہ غالب ہو جاتا ہے۔ بہر حال جہاں کسی نسلی شناخت کا کوئی ایسا مرکز موجود نہیں ہے وہاں ثقافتی تشخص کے ایک جزو کے طور پر مذہبی تشخص قومیت پر حاوی ہو جاتا ہے اور زیادہ مرکزی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

بعض مسلم اتحاد پسندوں کے نزدیک دوہری وفاداری کا وجود ہی خطرناک ہے کیونکہ یہ وفاداریاں ایک دوسرے کے مدمقابل ہیں۔ وہ اس صورت حال کو اس انتشار کا ذمہ دار سمجھتے ہیں جس میں اسلامی دنیا آج خود کو گرفتار پاتی ہے۔ شمالی امریکا کے منظر پر جہاں مسلم برادری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنیادی طور پر ایک غیر مسلم خطہ زمین پر تشکیل نو کے مرحلے سے گزر رہی ہے وہاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک واحد اسلامی قوت نافذہ کی غیر موجودگی اس کا سب سے اہم مسئلہ ہے۔ وہ مقتدر قوت جو مذہبی درجہ بندی کو ایک تسلیم شدہ روایت کی شکل دے اور ایک ایسا فرقہ وارانہ تشخص وضع کرے جو کسی کے اپنے نسلی گروہ سے زیادہ جامع ہو۔ روچسٹر کے مسلمانوں کے لیے مذہبی علماء اور فقہاء کی کوئی ایسی مقامی یا علاقائی تنظیم نہیں ہے جو ان معاشرتی مسائل پر رائے دے سکے جو مختلف نسلی برادریوں کو روزانہ پیش آتے ہیں۔ اگرچہ قومی بنیاد پر مسلمانوں کی کچھ تنظیمیں موجود ہیں، خاص طور سے علمی گروہوں میں ایسی تنظیمیں ہیں، لیکن ان میں سے کسی نے بھی بلا شرکت غیرے قانونی بالادستی حاصل نہیں کی ہے اور نہ کسی کو مرکزی کردار حاصل ہے، اور نہ کوئی ایسا قائم شدہ ادارہ موجود ہے جو کسی اُبھر کر سامنے آنے والی تنظیم کو تسلیم کرنے کا اختیار رکھتا ہو۔ مسلمانوں کے متعدد بین الاقوامی اداروں، مثلاً اسلامی کانفرنس کی تنظیم، کا وجود یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان ایک اعلیٰ درجے کی بین الاقوامی یکجہتی ہے اور اس یکجہتی کو مزید گہرا کرنے کے لیے شدید کوشش ہو رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پچھلی صدی میں اسلامی ذہنی ارتقا کی تاریخ کو ایک ایسے مباحثے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو ایک متحدہ اسلامی مذہبی سیاسی تشخص کو ایک مقصد بنانا چاہیے یا نہیں اور اگر چاہیے تو کیسے اور یہ کہ جغرافیائی لحاظ سے قومی ریاستوں میں محدود دنیا میں اسلامی عالمگیریت کو کیسے قائم رکھا جائے۔ روچسٹر کی سنی اسلامی برادری کے درمیان تقسیم بلاشبہ اس وسیع تر نمونے کی ایک جھلک ہے جس کی حیثیت مذہبی اور ثقافتی اقلیتوں کے طور پر بہت بلند ہو گئی ہے۔

حواشی

۱۔ امام محمد ارمیاہ نعمان، What Every American Should Know About Islam and the Muslims (جرسی سٹی، نیو جرسی: نیو مائنڈ پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء) ص ۳۲۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ اجتہاد، تبدیل شدہ اور بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کے بذریعہ وحی نازل شدہ اصولوں کی تشریح کا ایک طریقہ ہے۔ تجدید اور اصلاح کے ساتھ اجتہاد بھی جدید اسلامی مفکرین کے نزدیک ایک اہم موضوع ہے۔

۳۔ اپریل ۱۹۹۲ء میں روچسٹر کے اسلامی مرکز کے ڈاکٹر ایم شفیق کے خطبۂ عید کے خلاصے کا اقتباس۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۳

نیو انگلینڈ کا اسلامی مرکز

میری لحاج

تارک وطن نسل

نیوانگلینڈ کا اسلامی مرکز ان سات نو آباد لبنانی مسلمان خاندانوں کا ایک طویل خواب تھا جو ۱۹۰۰ء میں لبنان کے مختلف علاقوں سے کوئنسی، میساچوسیٹس کے کوئنسی پوائنٹ میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ ان مسلمان تارکین وطن کے سلسلے کے پیش رو تھے جو ۱۸۷۵ء سے ۱۹۱۲ء کے دوران مشرق وسطیٰ سے امریکا میں داخل ہوئے تھے۔[1] ان سات خاندانوں میں سے دو شیعہ عقیدے کے تھے؛ اکثریت سنیوں کی تھی۔

۱۸۸۰ء سے ۱۹۲۵ء کے عرصے میں امریکا آنے والے عرب تارکین وطن کا تقریباً نوے فیصد عیسائیوں پر مشتمل تھا[2] جو ماؤنٹ لبنان سے آئے تھے۔ کوئنسی پوائنٹ کے قرب وجوار میں آباد ہونے والے لبنانیوں کی اکثریت میلکائی (Melkite) عیسائیوں پر مشتمل تھی۔ بیشتر لبنانی عیسائی اور مسلمان تارکین وطن کی ملاقات پہلی بار کوئنسی میں ہوئی۔ اگرچہ اُن کی بنیادی توجہ تو روزی کمانے پر مرکوز تھی تاہم ایک اقلیتی گروہ کے طور پر انھوں نے جلد ہی آپس میں نسلی اور لسانی خطوط پر مضبوط سماجی رشتے استوار کر لیے اور ایک برادری کی تشکیل شروع کر دی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تربیت اور ہنر کی کمی اور لسانی رکاوٹ کی وجہ سے لبنانی تارکین وطن کے دونوں ہی گروہوں نے امریکی طرزِ حیات سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے بہت سست رفتاری سے کام لیا۔ بہرحال مذہبی اشتراک کی وجہ سے مسلمانوں کے مقابلے میں لبنانی عیسائی بہت جلد امریکی معاشرے کا حصہ بن گئے۔ بوسٹن میں عیسائیوں کے دو چرچ تھے: مارونیوں (Maronite) کا ''آورلیڈی آف دی سیڈارس'' اور میلکائیوں (Melkites) کا ''آورلیڈی آف دی انسیایشن''۔ کوئنسی پوائنٹ میں رہنے والوں نے اپنے مقامی رومن کیتھولک چرچ ''سینٹ جوزفس'' کو اپنے کلیسائی حلقے کے طور پر تسلیم کر لیا۔ دوسری جانب مسلمانوں کا کوئی ایسا ادارہ نہیں تھا جو گھل مل جانے یا سماجی ادغام کے عمل میں ان کی کوئی مدد یا ان کے ساتھ تعاون کرتا۔[۳] اس بنا پر وہ لوگ ایسے اسلامی اجتماعی فرائض کی ادائیگی سے بھی قاصر رہے جیسے جنازے کی نماز ادا کرنا، با جماعت نماز پڑھنا اور فریضہء زکوٰۃ کی ادائیگی وغیرہ۔ محمد عمر (عواد) نامی ایک تارک وطن نے اس گروہ کو منظّم کرنے کی کوشش کی اور چونکہ اسے لکھنا پڑھنا آتا تھا لہٰذا وہ اپنی برادری کا لیڈر بن گیا۔ عمر اسلامی تاریخ اور قرآن سے واقف تھا اِس لیے اس کے ساتھی رمضان اور شوال کے موقع پر رویت ہلال، مختلف مسائل پر فتاویٰ، شادی بیاہ اور تجہیز و تکفین جیسے معاملات میں اس پر اعتماد کرتے تھے اور اپنے عربی خطوط لکھوانے پڑھوانے میں اس سے مدد لیتے تھے۔ عمر متفقہ رائے سے پہلا سرکاری امام بنا اور اس حیثیت میں ۱۹۸۲ء تک وہ کام کرتا رہا۔

کوئنسی میں جہاں شادی کے قابل مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی، اپنے مذہب سے باہر بھی شادی کو برداشت کر لیا جاتا تھا۔ تارکین وطن نسل میں سات مردوں میں سے دو نے امریکی عیسائی خواتین سے شادیاں کر لیں، ایک دلہن تلاش کرنے کے لیے لبنان واپس چلا گیا جبکہ ایک کی شادی اس کی لبنان سے روانگی سے پہلے ہی ہو چکی تھی اور بعد میں اس نے اپنی بیوی کو امریکا بلوالیا۔ بقیہ نے مسلمان عورتوں سے شادیاں کیں جن سے ان کی ملاقات امریکا میں ہوئی تھی۔ جب ان سب کے بچے شادی کی عمر کو پہنچے تو ان کے انھی سات خاندانوں کے درمیان رشتے کر دیئے گئے۔ ان میں دو سنی شیعہ مخلوط شادیاں بھی شامل تھیں۔ ایک مشترکہ نسل سے تعلق کی بنا پر تارکین وطن کے بچوں نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ ان میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپس میں کسی قسم کا اختلاف ہے یہاں تک کہ جب وہ جوان ہو گئے تب انھیں فرقہ وارانہ اختلافات کا علم ہوا۔

دوسری نسل میں مختلف مذاہب کے درمیان شادیاں زیادہ تعداد میں ہونے لگیں۔ ہر خاندان میں ایسی امریکی عورتیں موجود تھیں جنھوں نے اسلام قبول کر کے مسلمان مردوں سے شادیاں کر لی تھیں۔ امریکی مردوں نے بھی مذہب تبدیل کیا لیکن بہت کم۔ تیسری نسل آتے آتے ان سات ابتدائی خاندانوں کے بہت سے افراد نے اپنے مذہبی اور نسلی گروہوں سے باہر شادیاں کر لی تھیں۔ بہر حال یہ بات قابل توجہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے مذہب سے باہر شادیاں کی تھیں ان میں طلاق کی شرح بہت اونچی ہے اور اس مقالے کی تیاری میں جن لوگوں سے بھی انٹرویو کیا گیا انھوں نے ایک مسجد کی سماجی اہمیت پر زور دیا جہاں نوجوان لوگ مل جل سکیں اور اپنوں میں شادیاں کر سکیں۔

۱۹۳۱ء میں کوئنسی کے پڑوسیوں نے ایک سماجی کلب منظم کرنے کا فیصلہ کیا جس کا نام انھوں نے سنز آف لبنان (فرزندانِ لبنان) رکھا۔ اس کلب کا مقصد بچوں کو عربی زبان پڑھانا، تارکین وطن کو انگریزی پڑھنے میں مدد دینا، زکوٰۃ کے لیے رقم اکٹھا کرنا اور مشترکہ مسائل پر گفت و شنید کرنا تھا۔ اُس زمانے میں لبنانی عیسائیوں نے اپنا تشخص اس لبنانی ریاست سے قائم کر لیا تھا جسے فرانس نے شام سے کاٹ کر الگ کیا تھا اور انھوں نے اس لبنانی جھنڈے کو جس پر لبنان کے صنوبر کی تصویر بنی ہوئی تھی کوئنسی گروپ کے علامتی نشان کے طور پر استعمال کرنا چاہا تو اس لبنانی گروہ کے اندر مسلم اقلیت نے اعتراض کیا۔ وہ ایک ایسا جھنڈا استعمال کرنا چاہتے تھے جو متحدہ عرب دنیا کی نمائندگی کرتا ہو۔ اس سوال پر کہ کون سا جھنڈا استعمال کیا جائے آبائی ملک (لبنان) کی قدیم سیاسی، قومی اور مذہبی وفاداریاں جوش میں آ گئیں۔ اس کشیدگی نے اس حقیقت کی جانب اشارہ کیا کہ وہاں دراصل دو علیحدہ مذہبی شناختیں یا روایتیں موجود تھیں جن میں لازماً ایسی مختلف سیاسی جغرافیائی وفاداریاں شامل تھیں جو لبنان اور شام کی پیچیدہ تاریخ سے مخصوص تھیں۔ ایک شخص نے جس کا باپ ''سنز آف لبنان'' کا ایک بانی رکن تھا، اِس صورتِ حال کو اِس طرح پیش کیا ''ایک عرب کہے گا، 'ہم لبنان کے پرچم تلے نہیں چلنا چاہتے!' اور دوسرا کہے گا، 'ہم بہرحال اسلام کی تلوار کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیچے نہیں چلنا چاہتے۔''[۴]

عیسائی لبنانیوں اور مسلم عربوں کے درمیان قومی اور سیاسی اختلافات نے کوئنسی کے مسلمانوں میں یہ تحریک پیدا کی کہ وہ اپنی برادری اور وابستگی کی تعریف وتشریح دوبارہ کریں اور خود اپنا ایک سماجی کلب اور خیراتی تنظیم بنائیں۔ ۱۹۳۴ء میں بوسٹن میں، عربی بولنے والے سُنّی اور شیعہ مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر انھوں نے ''عرب امریکن بینر سوسائٹی'' قائم کی جسے ۹رنومبر ۱۹۳۷ء کو دولت مشترکہ کے تجارتی کارپوریشن کے قانون کے تحت ایک چارٹر (فرمان) کے ذریعے منظور کر لیا گیا۔ ملکی قوانین کے تحت کسی ریاستی چارٹر پر دستخط کرنے والے کے لیے امریکی اور مقامی شہریت لازمی تھی، اِس لیے بعض بنیادی ممبران جو مقامی نہیں تھے اس پر دستخط نہ کر سکے۔ کلب کے پہلے صدر عیسیٰ علی تھے۔ سوسائٹی کا دستور جو ۱۹۳۷ء میں تحریر کیا گیا تھا اس کی دفعہ ار شق ۲ر میں بتایا گیا ہے کہ ''سوسائٹی کا مقصد امریکا میں عربوں کے اندر ان کے نسلی تشخص کو محفوظ رکھنا اور امریکی زندگی اور تعلیم کے اعلیٰ ترین اصولوں اور روایات کے مطابق اس تشخص کو ترقی دینا؛ اور سیاست، تعلیم اور معیشت کے میدانوں میں عرب ملکوں کی مدد کرنا ہوگا''۔

اس وقت امریکا میں رہنے والے دوسرے مسلمانوں کی طرح عرب تارکین وطن بھی سی۔ ایرک لنکن کے الفاظ میں ''اسلام کو اپنے نسلی روابط کی حدود میں رکھنے کے لیے قانع یا کم از کم مجبور نظر آتے تھے''۔[۵] اس دستور میں مذہب کے بارے میں کوئی حوالہ نہیں ہے، حالانکہ عرب قومیت کے بارے میں تشویش کی واضح شہادت موجود ہے۔ جس وقت یہ دستور لکھا گیا تھا اس وقت عرب دنیا کو مغربی طاقتوں نے اپنی نو آبادی بنا رکھا تھا اور عرب ملکوں کے درمیان کسی قسم کے اتحاد کا امکان مفقود تھا۔ اس صورت حال پر تارکین وطن عربوں کی ناراضگی ان کے دستور کی دفعہ دوم سے ظاہر ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ سوسائٹی کی رکنیت ان تمام لوگوں کے لیے کھلی ہوئی ہے جو ''عرب ملکوں کی آزادی کی خواہش رکھتے ہیں...'' اپنی دفعہ پنجم میں دستور یہ بھی واضح کرتا ہے کہ مسلمانوں کو عرب۔ اسلامی اور امریکی اقدار کے ادغام کا امکان نظر آتا تھا۔ اس میں کہا گیا ہے: ''سوسائٹی عربی زبان پڑھانے کے لیے اور اپنے نوجوانوں کو امریکی جمہوریت کی بنیادی تعلیم دلانے کے لیے ایک اسکول چلانے کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوشش کرے گی... امریکی زندگی اور تعلیم کے اعلیٰ ترین اصولوں اور روایات کے مطابق''۔

اس طرح عیسائی اور مسلمان دونوں ہی کی اولین کوششیں اپنی نسلی شناخت کو برقرار رکھنے کے سلسلے میں کسی حد تک اس عدم تحفظ کو ظاہر کرتی ہیں جس کا احساس امریکا آنے والے بہت سے تارکین وطن کو تھا۔ عیسائی اور مسلمان دونوں ہی نے مضبوط معاشرتی روابط اور سماجی کلب قائم کر کے اپنے نسلی تشخص کو دوبارہ مضبوط کرنے کی کوشش کی۔ عرب امریکن بینر سوسائٹی کے ذریعے کوئنسی کے مسلمان اپنی مذہبی برادری کی ضروریات کو انجام دینے کے لائق ہوئے اور بحیثیت ایک برادری کے اپنے محدود وسائل یکجا کر کے وہ ارکان اسلام میں سے کم از کم ایک یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی کا فریضہ ادا کرنے کے قابل ہو گئے۔

باہمی ملاقات کے لیے ایک جگہ کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے سوسائٹی نے ۴۰۷، ساؤتھ اسٹریٹ پر ۱۹۳۷ء میں ایک مکان خرید لیا۔ تارکین وطن آپس میں ملنے جلنے اور اپنے امام عمر کی زبان سے تلاوت قرآن یا پیغمبر محمد [ﷺ] کی زندگی پر مبنی نعتیہ شاعری سننے کے لیے وہاں شام کو جمع ہوتے تھے۔ یہ معاشرتی ملاقاتیں اور خیرات مہرّجان کے لیے رقم جمع کرنے کے واسطے سالانہ پکنک اور مہرجان (ایرانی تہوار مہرگان کا عربی نام) کی تقریبات ۱۹۳۷ء سے ۱۹۵۲ء تک سوسائٹی کی اہم سرگرمیاں تھیں۔ بہرحال ان کا زیادہ وقت اور توانائی امریکا میں زندگی بسر کرنے کی کوشش میں صرف ہو جاتی تھی۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران لوگوں کی دلچسپی کم ہونے کی وجہ سے یہ کلب اپنی موت آپ مر گیا۔

جنگ کے بعد ان کے بچوں نے عرب امریکن بینر سوسائٹی کو دوبارہ فعال بنایا۔ تعلیم پر مبنی معزز پیشوں اور کاروبار کے مالک کے طور پر وہ لوگ اب ایسی روز افزوں معاشی اور سماجی حیثیت کے مالک بن چکے تھے جو دوسری نسل کے امریکیوں کے تجربات کا خاصہ تھیں۔ اپنے والدین کے برعکس امریکا میں پیدا ہونے والے بہت سے مسلمان اپنے نسلی اور مذہبی پس منظر کی بنیادوں سے الگ ہو چکے تھے۔ عام طور سے یہ لوگ عربی بولنے یا قرآن پڑھنے کے قابل نہ تھے یا اگر پڑھ بھی سکتے تھے تو بمشکل۔ انھیں مذہبی قانون یا تاریخ کا کوئی علم نہیں تھا اور ان میں سے شاید ہی کوئی کبھی مسجد میں عبادت کے لیے گیا ہو۔ ابتدائی سات بانی خاندانوں میں سے اکثر عرب امریکی مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات میں کسی دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مزید برآں دوسری نسل والوں کی خاندانی زندگی اس وقت تو ہمیشہ کے لیے بدل گئی جب ایک باروہ کوئنسی کے ماحول اور اپنے والدین کے ان گھروں سے بھی منتقل ہو گئے جہاں مذہب روایتاً چل رہا تھا۔مخلوط شادیوں کی مجبوریوں نے ان کی اس نا اہلی میں اور اضافہ کر دیا کہ وہ اپنے خاندانوں کے لیے کوئی مضبوط بنیاد فراہم کر سکیں۔ وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کے بچے ایک مذہبی خلا میں پروان چڑھ رہے تھے جس میں مذہبی اخوت اور اجتماعیت کا کوئی شعور نہیں تھا، کوئی مذہبی تعلیم نہیں تھی اور کوئی ایسا معاشرتی ماحول نہیں تھا جو ان کے لیے شادی کے قابل کسی مسلمان کی تلاش میں معاون ہو سکے۔ لہٰذا دوسری نسل کے مسلمان اس صورت حال کا سامنا کر رہے تھے کہ ایک مخلوط معاشرے میں جہاں وہ نسلی اور مذہبی اقلیت تھے کس طرح اپنے مذہبی تشخص پر سختی سے قائم رہیں۔ بہر حال ان کے پاس جو بھی علم اور وسائل تھے ان کی مدد سے انھوں نے اپنی برادری کو اپنے تشخص کے ایک مضبوط شعور کے ساتھ متحد کرنے کی کوشش کی۔

امریکا میں پیدا ہونے والی نسل

اگر چہ وہ ہمیشہ کسی ایک نکتے پر متفق نہیں ہوتے تھے لیکن ۱۹۵۲ء میں امریکا آنے والی نسل اور امریکا میں پیدا ہونے والے دونوں ہی، عرب امریکن بینر سوسائٹی کو دوبارہ منظّم کرنے پر متفق ہو گئے اور انہوں نے سوسائٹی کے نئے عہدہ دار منتخب کر لیے۔ ۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۳ء تک وہ سوسائٹی کے اجلاس ''مازلیج'' نامی ایک قریبی ریستوراں میں منعقد کرتے تھے جو انہی بانی خاندانوں میں سے ایک کی ملکیت تھا جو ترک وطن کر کے امریکا آئے تھے۔ اجلاس کے بعد غیر رسمی مذہبی تدریس ہوتی تھی۔ چھٹی کے دن با جماعت نمازیں نجی مکانوں میں ہوتی تھی۔ ان مواقع پر اجتماعی طور پر شریک ہونے سے برادری کے ممبروں کو یہ آسانی ہوتی تھی کہ وہ ایک دوسرے کے لیے مذہبی تقاضوں کو خود بھی سمجھیں، اپنے بچوں کو بھی سمجھائیں اور ساتھ ساتھ وسیع تر پیمانے پر گروہی اتحاد کی ضرورت کو سمجھیں۔

اپنے قیام کے ابتدائی دنوں میں سوسائٹی کے بانی یہ محسوس کر رہے تھے کہ امریکا میں کسی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی ادارے کی بقاء کے لیے مقامی برادری کی شمولیت ضروری ہے۔ دوسری نسل نے ایسے لیڈر پیدا کیے جو معاشرتی لحاظ سے امریکی معاشرے میں ضم ہو چکے تھے۔ گیارہ سال تک سوسائٹی کے صدر رہنے والے عزیز ابراہم سرکاری ضوابط کو جاننے والے اور حکمت عملی میں مہارت کی خوبیاں رکھنے والے ایک تاجر تھے۔ وہ برادری کے اندر اختلافی بحثوں کو کم کرنے میں کامیاب رہے۔ بطور صدر انھوں نے اسٹیٹ ہاؤس میں مقامی سیاسی سرگرمیوں میں اور میئر اور سٹی کونسل کی افتتاحی تقریبات میں شرکت کی۔[۲] عورتیں بھی برادری کی قیادت کا لازمی جزو تھیں۔ فاطمہ علی دس سال تک اس سوسائٹی کی خازن اور سیکریٹری رہیں۔ ایک استانی اور اسکول کی پرنسپل کی حیثیت سے وہ مالیات کے معاملے میں بہت محتاط تھیں اور دستور اور بورڈ کے اجلاسوں کی روداد لکھنے میں بڑی باریک بینی سے کام لیتی تھیں۔ سام حسن، جو صدر کے طور پر ابراہم کی جگہ آئے تھے، ایک قابل احترام انسان اور برادری میں اتحاد پیدا کرنے والی قوت تھے۔ ان کے قریبی ساتھیوں کے بقول ان کی مضبوط قائدانہ صلاحیتوں نے تنظیم کو راہ راست پر رکھا۔

اپنی تاریخ کے اس دور میں سوسائٹی شروع ہی سے تعمیر مسجد کی اہمیت پر غور کرنے لگی۔ یہ تحریکات اندرونی اور بیرونی دونوں ہی نوعیتوں کی تھیں۔ ایک قدیم ممبر نے کہا ''میرا خیال ہے کہ یہ نسل کسی چرچ سے تعلق قائم کرنا چاہتی تھی۔ جب لوگ ہم سے پوچھتے تھے کہ آپ کس چرچ میں جاتے ہیں تو ہمیں یہ کہتے ہوئے بڑی سبکی محسوس ہوتی تھی کہ ہمارا کوئی چرچ نہیں ہے۔ ہمارے بچے گھر آکر اپنے ماں باپ سے کہتے تھے کہ یہ کیا بات ہے کہ ہمارا کوئی چرچ نہیں ہے۔''

کسی چرچ سے تعلق رکھنے کی خواہش کو خارجی تحریک کہا جا سکتا ہے۔ چونکہ مسلمانوں کے سامنے اور کوئی نمونہ موجود نہیں تھا لہٰذا انھوں نے عیسائیوں اور یہودیوں کی برادریوں کے ہی مختلف طور طریقے اپنائے۔ ایک مسجد کی تعمیر ایک لحاظ سے ان کی جمعیت کو اُسی طرح منظم کردے گی جس طرح امریکا میں ایک چرچ عیسائی جمعیت کی علامت ہے۔ بہرحال جب مسجد واقعی بن گئی تو اس کے بہت سے پروگرام واضح طور پر امریکی روایات اور تعطیلات سے متاثر اور ان کی طرف بڑھتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ مثلاً ۲ مئی ۱۹۶۵ء کو اسلامی سال نو منانے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے بچوں کو مئی کی ٹوکریاں (May Baskets) دی گئیں۔ اسی سال (۳۰ رجون کو) ''یوم یادگار'' کے موقع پر اس مرکز نے اپنے مرحوم ممبروں کی یاد میں دعائیں کیں۔ اپنے بچوں کی دلچسپیوں کو دوبارہ بحال کرنے کی امید میں مسلمانوں نے عیسائیوں کی طرح ہیلووین پارٹیوں اور ساک ہاپس کے تہواروں کے موقعوں پر دعوتوں کا اہتمام کیا۔[۸] مسجد کی تعمیر کے لیے متعدد اندرونی معاشرتی تحریکات بھی موجود تھیں۔ مسلمان خود کو اس لائق بنانا چاہتے تھے کہ وہ اجتماعی عبادت کریں، اپنے بچوں کو مذہب اسلام اور اس کی روایات کی تعلیم کا بندوبست کریں اور ایک ایسی جگہ مہیا کریں جہاں ان کے بچے آپس میں مل جل سکیں۔

مسجد کی تعمیر کے سلسلے میں سوسائٹی کے سامنے دو سوالات پیدا ہوئے۔ پہلا مسئلہ یہ تھا کہ آیا وہ کوئی نئی عمارت تعمیر کریں یا کوئی بنی بنائی عمارت خرید لیں۔ اور اگر نئی تعمیر کا فیصلہ ہو تو جو رقم بھی ان کے پاس دستیاب ہے اس سے کام مکمل کر لیں یا اس وقت تک انتظار کریں جب تک پورے منصوبے کے لیے کافی رقم جمع نہ ہو جائے۔ ۱۹۶۱ء میں ۴۰۷، ساؤتھ اسٹریٹ پر واقع مکان کو زمین بوس کر کے نئے سرے سے تعمیر کرنے کا حوصلہ مندانہ فیصلہ کیا گیا۔ اس وقت ان کے پاس پانچ ہزار ڈالر تھے۔[۹] اس فیصلے کے ساتھ سوسائٹی کی رقم اکٹھا کرنے کی کوششیں تیز تر ہو گئیں۔

۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۳ء تک مسجد کی اصل تعمیر سے پہلے والے مرحلے میں برادری کے قائدین نے رقم اکٹھا کرنے کے لیے بڑی جانفشانی سے کام لیا اور اپنے گروہ کی توجہ اس جانب دلائی۔ سوسائٹی کے عربی کے سیکریٹری حاج محمد عمر (پہلی نسل) نے امریکا میں شائع ہونے والے عربی۔ انگریزی کے دو اخبارات میں، سوسائٹی کے منصوبوں کو مشتہر کیا، ان میں سے ایک اخبار بروکلین، نیویارک کا السّمیر تھا اور دوسرا ڈیٹرائٹ، مشی گن کا نہضۃ العرب۔[۱۰] اس اشتہار نے امریکا میں رہنے والے دوسرے مسلمانوں کو بطور خاص مسجد کی تعمیر کی طرف توجہ دلائی۔ اس نے علماء اور علاقے کے معززین کی توجہ حاصل کی اور تعمیر کی جانے والی مسجد کے لیے چندہ حاصل کیا۔ ۱۹۶۱ء میں شاہ سعود اپنی آنکھ کی جراحی کے لیے بوسٹن آئے۔ ریاست کی مقننہ نے سوسائٹی کو دعوت دی کہ وہ شاہ کا استقبال کرنے کے لیے اپنے نمائندے بھیجے۔ شاہ کی صحت یابی کے موقع پر سوسائٹی کے ممبران ان سے ملنے کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے اسپتال گئے۔ محمد عمر نے اس موقع کے لیے ایک نظم لکھی جسے شاہ نے بلند آواز میں پڑھ کر سنانے کے لیے کہا۔ آنے والی تعطیلات میں عید کارڈوں کا تبادلہ کیا گیا۔ فروری ۱۹۶۲ء میں شاہ سعود نے سوسائٹی کو اس کی مسجد کے لیے پانچ ہزار ڈالر کا چندہ دیا۔"[۱۱]

مسجد کے لیے فنڈ اکٹھا کرنے میں شاہ کے اس گرانقدر عطیے کے علاوہ ساتوں بانی خاندانوں کے چندے اور وعدے بھی بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ اس عرصے میں مسجد کی تعمیر سے پہلے کوئنسی میں مسلم برادری کے بانی رقم کی کمی کا شکار ہو گئے۔ امریکا میں پیدا ہونے والے مسلمانوں نے بھی اپنے تجارتی شرکاء، قانون دانوں، ڈاکٹروں، پادریوں (عیسائی) ربّیوں (یہودیوں) اور اپنے پڑوسیوں سے حاصل ہونے والے چندوں پر انحصار کیا۔ رقم اکٹھا کرنے کی سرگرمیوں میں غیر مسلموں کو بھی شامل کیا گیا اور اس موقع کے لیے چرچ کا طریقہ اختیار کیا گیا۔[۱۲] فنڈ اکٹھا کرنے کا سب سے بڑا موقع سالانہ پکنک یا مہرجان کی تقریب ہوتی تھی۔ اس سے دور دراز کے رہنے والے مسلمانوں کو موقع ملتا تھا کہ ایک جگہ اکٹھا ہوں اور مسجد کے لیے مالی اعانت کا وعدہ کریں۔ وعدوں اور چندوں کے حصول کے سلسلے میں ان تمام کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مارچ ۱۹۶۳ء تک بینک بیلنس بیس ہزار ڈالر تک پہنچ گیا۔

مسجد کا ڈیزائن بنانے کے لیے سوسائٹی نے ۱۹۶۲ء میں ایک مقامی ماہرِ فنِ تعمیر کی خدمات حاصل کیں اور ۱۹۶۳ء کے موسمِ بہار میں تعمیر کا سلسلہ شروع ہو گیا۔[۱۳] جاری کام کے سلسلے میں ٹھیکے دار کی طرف سے ادائیگی کے دباؤ کی بنا پر ممبران کو طوعاً و کرہاً ایک چھوٹے سے رہن کی تجویز پر راضی ہونا پڑا۔ اس طریقے کی انھوں نے ہمیشہ مزاحمت کی تھی کیونکہ سود اسلام میں حرام ہے۔ فروری ۱۹۶۴ء میں مسجد مکمل ہوگئی۔ اکتوبر ۱۹۶۴ء میں رسم افتتاح کے موقع پر مدعوئین کی فہرست میں کوئنسی کونسل آف چرچز کے نمائندے، تمام صوبائی اور مقامی افسر، ڈیٹرائٹ سے چار اور نیویارک سے ایک امام اور اسلامک ایسوسی ایشنز آف یونائیٹڈ اسٹیٹس اینڈ کینیڈا کے ڈائریکٹر شیخ محمد جواد چری شامل تھے۔[۱۴]

سوسائٹی کے صدر عزیز ابراہم نے قانونی مشیر کی مدد سے ۱۹۶۲ء میں یہ طے کیا کہ نئے ذیلی قوانین اور دستور کے ساتھ ایک نئی کارپوریشن بنانے ضرورت ہے۔ بینر سوسائٹی، اسلامک سینٹر آف نیو انگلینڈ بن گئی جس کی تنظیم آٹھ ڈائریکٹروں اور چار عہدے داروں پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشتمل ایک بورڈ کے ذریعے کی گئی۔ سام حسن اور عزیز ابراہم مرکز کے قائدین تھے۔

۱۹۶۰ء کے عشرے میں ملک کے کونے کونے سے مالی تعاون یا معلومات کی فراہمی کے لیے ایسے دوسرے اسلامی گروپوں کے خطوط اور استفسارات کا اس مرکز میں ایک تانتا بندھ گیا جو مسجدوں کی تعمیر اور اسلامی مراکز کے قیام میں دلچسپی رکھتے تھے۔ سام حسن اور ابراہم نے نیوجرسی اور کنیکٹی کا سفر کر کے وہاں تقریریں کیں کہ کس طرح ایک مسجد کی تعمیر کی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ابراہم نے امریکا کی دوسری اسلامی تنظیموں سے مرکز کے لیے تعاون طلب کیا اور اس کا اعتراف کیا۔ ۱۹۶۰ء کے عشرے کی ابتدا میں مرکز نے فیڈریشن آف اسلامک ایسوسی ایشنز اِن دی یونائیٹڈ اسٹیٹس اینڈ کینیڈا (ایف آئی اے) میں شمولیت اختیار کر لی۔ ایف آئی اے نے، جسے سیڈار ریپڈز، آئی اووا کے لبنانی امریکیوں نے ۱۹۵۲ء میں قائم کیا تھا، مسلمانوں کو امریکا میں اسلام کے فروغ سے باخبر رکھا، نوجوانوں کے کیمپوں کی سرپرستی کی، ہمہ وقتی تسلیم شدہ اسکول قائم کیے اور ذرائع ابلاغ کی نگرانی کی۔[۱۵] ۱۹۶۳ء سے ۱۹۸۱ء تک مرکز نے ایف آئی آے کے سالانہ کنونشن میں اپنے مندوب بھیجے۔[۱۶] ۱۹۷۵ء سے ۱۹۷۷ء تک ایف آئی اے کے صدر داؤد اسد نے اسلامک سینٹر آف نیوانگلینڈ جیسے گروپوں کے تعاون پر بڑا اعتماد کیا۔ سام حسن سے اس کی بڑی دوستی ہوگئی، وہ دونوں ۱۹۶۷ء میں ایک ساتھ ایف آئی اے کے اول اور دوم نائب صدر ہوئے۔ ۱۹۷۷ء میں جب اسد صدر بنے تو ابراہم خازن مقرر ہوئے، بعد میں داؤد اسد مسلم ورلڈ لیگ کے ڈائریکٹر ہو گئے اور ایک تربیت یافتہ امام کی تلاش میں کوئنسی گروپ کی مدد کی۔

۱۹۶۰ء کے عشرے کے دوران بہت سے مسلمان طلباء یونیورسٹی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے امریکا آئے۔ دوسرے مسلم گروہوں سے اپنے تعلقات قائم رکھنے کی خواہش میں انھوں نے ۱۹۶۳ء میں مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن قائم کی جس میں اسی سال کوئنسی گروپ شامل ہوگیا۔ ان طلباء نے اصل ماخذ سے وہ اسلامی مواد اور لٹریچر فراہم کیا جس کا عشرہ ۱۹۶۰ء سے پہلے انگریزی میں ترجمہ نہیں ہوا تھا۔[۱۷] ایم ایس اے انگریزی بولنے والے لوگوں کے لیے مسلم علماء کی لکھی ہوئی کتابوں اور پمفلٹ کی اشاعت مسلسل جاری رکھے ہوئے ہے۔ کوئنسی میں مسلم طلباء نے اسلامی مرکز میں ایسی تقریبات منعقد کرنے میں مدد کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جن میں نماز کی اہمیت اور عرب روایت کے مطابق پیغمبر [ﷺ] کے یومِ ولادت کے موضوعات پر عربی اور انگریزی میں تقاریر اور بچوں کے لیے عربی کی کلاسوں کا اہتمام کیا گیا۔ مسلم طلباء نے اسلام کے بارے میں مزید علم حاصل کرنے کے لیے بانیوں کے گروہ کی ہمت افزائی کی۔

اس وقت تک مرکز کی قیادت نے اپنی سرگرمیوں کا مقامی اخباروں، ہوائی اڈوں اور ہوٹلوں میں اشتہار دینا شروع کر دیا تھا اور غالبًا اسی کا اور مسلمانوں کی دوسری کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان جوق در جوق مرکز میں آنے لگے۔ ۱۹۶۴ء اور ۱۹۷۴ء کے درمیان مسجد کی رکنیت تین گنی ہو گئی۔ اس طرح مسلم برادری مختلف ملکوں سے آنے والے عارضی اور مستقل تارکین وطن کی ایک مختلف العناصر آمیزش بن گئی۔ (اس وقت ستائیس ملکوں کی نمائندگی اس میں ہو رہی ہے جو امریکا میں مسلمان تارکین وطن کی ۱۹۶۷ء سے اب تک کی پانچویں لہر ہے۔)[۱۸]

اسلامی مرکز کی یہ مختلف النوع وسعتیں ہارورڈ یونیورسٹی کے ساتھ اپنے رشتے کے ذریعے وقوع پذیر ہوئی ہیں۔ اس رشتے کی ابتداء ابونوری نامی ایک افریقی امریکی نومسلم نے ۱۹۴۰ء میں کی تھی جو ۱۹۶۵ء میں مرکز کا ایک ممبر اور اس کے بعد بورڈ کا نائب صدر بنا۔[۱۹] ایک بار ایک بانی رُکن نے جو مرکز کے بورڈ کا ایک عہدے دار بھی تھا بہت زور دے کر یہ بات کہی کہ طلباء نے برادری کے لیے جو سب سے قیمتی کام کیا ہے وہ ان کی یہ صلاحیت ہے کہ وہ صوتیات کے استعمال سے بالغوں اور بچوں کو عربی میں نماز کی ادائیگی کا طریقہ سکھاتے ہیں۔ مرکز کے موجودہ مذہبی ڈائریکٹر سے مسلم طلباء اور مقامی مسلم برادری کے درمیان تعلقات کے بارے میں ان کی رائے پوچھی گئی تو انھوں نے کہا کہ طلباء کا مذہبی پس منظر برادری کے لیے ایک بڑا اثاثہ ہے۔

۱۹۶۷ء کے آتے آتے نئے تارکین وطن مسجد کمیٹیوں میں عہدے سنبھالتے جا رہے تھے۔ اس وقت تک بعد میں آنے والے آبادکار تعداد میں بانی ممبروں اور ان کے خاندانوں سے زیادہ ہو چکے تھے۔ ایک بانی ممبر کے بقول اب مسجد ''تمام مسلمانوں'' کے لیے تھی نہ کہ صرف ان کے اپنے بچوں کے لیے۔ ۱۹۶۸ء میں عمارت میں اضافہ کر کے نماز کے کمروں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اجتماعی جلسوں وغیرہ کی جگہوں کو دگنا کر دیا گیا۔ ابتدائی ممبروں کو یہ بات بڑی صفائی کے ساتھ بتائی جانے لگی کہ رقم اکٹھا کرنے کے لیے ان کی بعض سرگرمیاں مثلاً لاٹریاں، تاش کے کھیل، چینی نیلام اور سالانہ پکنک کے موقع پر شراب کی فروخت کو نئے ممبر غیر اسلامی قرار دیتے ہوئے ناگواری کا اظہار کرتے ہیں۔ اس وقت کے صدر سام حسن کہتے ہیں کہ مسلمان طلباء اور حالیہ تارکین وطن کی جانب سے ان سرگرمیوں کو روکنے کے لیے بڑا دباؤ تھا۔ ۱۹۶۷ء میں انھوں نے یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ ایسی تمام سرگرمیاں جو ''اجماع'' کے مطابق غیر اسلامی ہیں فوراً ختم کر دی جائیں۔[۲۰]

بہرحال اسلامی اجتماعی اصولوں سے مطابقت پیدا کرنا ایک تدریجی عمل تھا۔ جو بھی تھوڑی بہت اسلامی تعلیم انھیں میسر تھی اس کے مطابق آبادکاروں کی پہلی نسل نے اپنے بچوں کو نماز اور زکوٰۃ دینے کی اہمیت اور اسے امریکا سے باہر دوسرے ملکوں کے ضرورت مند مسلمانوں کو ادا کرنے کی ضرورت کی تعلیم دی۔ لیکن امریکی مسلمانوں نے رقم اکٹھا کرنے کے لیے عیسائی چرچوں اور یہودی سینا گوگوں (عبادت گاہوں) کی نقل میں دوسرے طریقے سیکھ لیے تھے۔ مختلف نسلوں کے درمیان اس سوال پر شدت سے بحث ہونے لگی کہ زکوٰۃ بیرونی ملکوں کو بھیجی جائے یا نہیں۔ یہ سوال ایسے موقعوں پر خاص طور سے اٹھتا تھا جب مسجد کی تعمیر کے لیے چندہ اکٹھا کیا جانے لگتا تھا۔ دوسری نسل کہتی تھی کہ ''اگر برادری کو ایک عمارت (مسجد) حاصل کرنی ہے تو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے۔'' امام عمر کا استدلال یہ تھا کہ مسجد کی تعمیر کے لیے رقم اسلامی طریقوں سے حاصل کی جانی چاہیے۔ ۱۹۶۷ء میں جب یہ بحث ختم ہوئی تو ہر شخص یہ محسوس کرنے لگا کہ رقم جمع کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ لیکن خواتین، جنھوں نے ہمیشہ رقم اکٹھا کرنے میں حصہ لیا تھا، ایک بار پھر نئے طریقے تلاش کرنے میں لگ گئیں۔ امریکا میں پیدا ہونے والی نسل کی خواتین نے ''لیڈیز آگزیلیری'' (خواتین کا امدادی ادارہ) کی تشکیل نو کی اور رقم اکٹھا کرنے کے لیے ایسی سرگرمیاں اختیار کیں جو اسلام کے مطابق تھیں مثلاً لنچ اور ڈنر پارٹیاں، بیکری کے سامان کی فروخت اور بین الاقوامی کھانوں کے میلے اور بازار۔ اس طریقے سے مسجد کی آمدنی کے ذرائع فی الفور زیادہ اسلامی ہو گئے، تاہم چونکہ مسلم معاشرے میں خواتین روایتاً مسجد کی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لیتیں لہٰذا ان کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان سرگرمیوں کو بھی امریکا کی تہذیب کے مطابق اور اس سے ہم آہنگ سمجھا گیا۔

۱۹۶۰ء کا عشرہ ایک عبوری دور تھا جس میں مسلمانوں کی شناخت میں بنیادی تبدیلیاں آتی گئیں۔ یہ وہ وقت تھا جب کسی مسجد کی تعمیر و مرمت کے اخراجات چھوٹی سی عرب امریکی برادری کے وسائل کے مقابلے میں بہت بڑھ گئے تھے۔ مسلمان تارکین وطن کی امریکا میں ریل پیل کی وجہ سے یہ چھوٹی سی نسلی برادری بہت بڑی اور مختلف العناصر ہو گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ امریکی اور آباد کار مسلمان ایک دوسرے پر زیادہ انحصار کرنے لگے۔ بانیوں کی تعداد میں کمی ہونے کے باوجود وہ اب بھی قیادت کے منصب پر فائز تھے۔ آنے والے عشرے میں وہ برادری کے اہل علم اور واقف کاروں پر زیادہ بھروسہ کرنے لگے۔ علم کے اس نئے ذریعہ پر اور برادری کے روایتی بزرگوں کی حیثیت سے خود پر اعتماد کرتے ہوئے بانیوں نے ایک زیادہ مضبوط اسلامی برادری کی تشکیل کر لی۔

اسلامی برادری ۱۹۷۰ء کی دہائی میں

۱۹۷۰ء کے عشرے کی ابتدا میں مسجد کی قیادت مزمل صدیقی کے زیر اثر آ گئی جو ۱۹۶۰ء کے عشرے میں ہارورڈ ڈیوائینٹی اسکول میں ایک ہندوستانی طالب علم اور ہارورڈ اسلامک سوسائٹی کے ایک ممبر تھے۔ (ان دنوں مزمل صدیقی اسلامک سینٹر آف آرنج کاؤنٹی کیلی فورنیا کے ڈائریکٹر ہیں)۔ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۶ء تک بورڈ آف ڈائریکٹرز میں رہے اور وہ ۱۹۷۴ء سے ۱۹۷۷ء تک امام محمد عمر کے نائب بھی تھے۔ ان کی رہنمائی میں مرکز زیادہ ''اسلامی'' اور مسلمانوں کے لیے زیادہ پُرکشش ہو گیا۔ اسلام کے ثقافتی طریقے رائج کیے گئے مثلاً نماز کے مقررہ اوقات، کمرۂ نماز میں صحیح اسلامی لباس، مردوں اور عورتوں کی تجہیز و تکفین کے لیے کمیٹیاں، وضو کا کمرہ اور جمعہ کا خطبہ جسے مسلمان علماء اور طلباء انگریزی اور عربی دونوں زبانوں میں دیا کرتے تھے۔ ان قائدین نے بعض امریکی ثقافتی طریقوں کو بھی اسلامی شکل دے دی۔ وظائف دینے کے لیے ایک فنڈ قائم کیا گیا، اسکاؤٹوں کا ایک دستہ تشکیل دیا گیا۔ ایک آفس سیکریٹری ملازم رکھا گیا اور مزمل صدیقی اور امام عمر کے لیے جسٹس آف پیس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا لائسنس مل گیا۔[۲۱]

اس وقت چندہ اکٹھا کرنے کا اصل محور امیر مسلم ممالک تھے۔ تارکین وطن ممبران اپنے تجارتی یا تفریحی دوروں پر جاتے تو مسجد کے توسیعی منصوبے ساتھ لے جاتے۔ بڑے بڑے چندے وصول کئے جاتے تھے اور ان کا باضابطہ اندراج کیا جاتا تھا۔ ۱۹۷۵ء سے ۱۹۷۹ء کے درمیان عراق، لیبیا، کویت اور سعودی عرب سے عطیات وصول ہوئے۔ سعودی عرب نے مسجد کے لیے ایک لاکھ ڈالر دینے پر آمادگی ظاہر کی تھی اور یہ رقم ۱۹۸۱ء میں وصول ہوئی۔[۲۲]

ان عطیات سے مسجد میں کچھ نمایاں تبدیلیاں ہوئیں۔ ۱۹۷۴ء میں اس میں ایک لائبریری اور دفتر کا اضافہ ہوا۔ عمارت کے اوپر ایک رنگا رنگ گنبد تعمیر ہوا۔ جمعہ کے خطبے کے لیے امام کے لیے ایک منبر تعمیر کیا گیا۔ کوشش یہ بھی کی گئی کہ کعبہ کے رخ ایک روایتی محراب بھی بنائی جائے لیکن دیوار باہر کی طرف بڑھانے سے یہ محراب کونسی کے تعمیراتی ضابطے کے خلاف آگے بڑھ جاتی۔ ایک مینار تعمیر کرنے کے لیے بھی عطیات دیے گئے لیکن مینار تعمیر نہیں ہوا۔

ستمبر ۱۹۷۷ء میں مرکز نے کینڈیا، نیوہیمپشائر میں مسلمانوں کے ایک قبرستان کے لیے جگہ خریدی۔ علاقائی پیچیدگیوں کی وجہ سے یہ منصوبہ بارآور نہ ہوسکا اور زمین فروخت کر دی گئی۔[۲۳] ۱۹۸۸ء میں کینٹن میں نال ووڈ کے قبرستان میں بارہ قبروں کے لیے قطعات زمین خریدے گئے۔ اب اس تعداد میں بہت اضافہ ہو چکا ہے۔ کونسی کے اخبار پیٹریاٹ لیجر کے مطابق مرکز نے فی الحال ''نال ووڈ سے اگلے تیس سال کے اندر دو ہزار قبروں کی جگہیں استعمال کرنے کا معاہدہ کیا ہے جس میں اور زیادہ زمین خریدنے کا بھی اختیار ہے۔''[۲۴]

متعدد کوششوں کے بعد، عبدالکریم خضیری کی قیادت میں ایک موزوں نصاب اور باصلاحیت اساتذہ کے ساتھ اسلامی اتوار اسکول قائم کیا گیا۔ ڈاکٹر خضیری ۱۹۷۰ء میں بورڈ آف ڈائریکٹرز کے رُکن منتخب کئے گئے اور ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۹ء تک انھوں نے بورڈ کی صدارت کی۔ ۱۹۷۴ء تک پچھتر بچوں اور پچیس بالغوں کا اسکول میں اندراج ہوگیا۔ یہ تعداد ۱۹۹۰ء میں ایک سو چالیس اور ۱۹۹۱ء میں ایک روایت کے مطابق تین سو تک پہنچ گئی۔ ۱۹۷۵ء میں چونکہ طلباء کی تعداد میں اضافے کی وجہ سے زیادہ جگہ کی ضرورت پڑ گئی لہٰذا کونسی کے شہری ادارے نے اتوار اسکول کو مقامی ابتدائی اسکول کے سات کمرے استعمال

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کی اجازت دے دی۔ اسکول کے ابتدائی نصاب میں بچوں کے لیے چار مضامین میں چار مدارج شامل ہیں: قرآنی عربی، تلاوت قرآن (ناظرہ) پیغمبر محمد [ﷺ] کی سوانح [وسیرت] اور دینیات۔ بالغوں کے لیے تفسیر قرآن کی اضافی کلاسیں ہوتی ہیں۔

۱۹۷۰ء کے عشرے تک مرکز کا ممبر بننے کے لیے ہر مسلمان سالانہ فیس دیتا تھا جس سے وہ بورڈ آف گورنرز کے نئے ممبروں کے انتخاب میں ووٹ ڈالنے کا مستحق ہو جاتا تھا۔ اپریل ۱۹۷۷ء میں ارکان کی تعداد میں اضافہ کرنے اور برادری میں اضافے کا جائزہ لینے کے لیے ایک ممبرشپ کمیٹی بنائی گئی۔ اس کمیٹی کی ذمہ داری اس بات کی تحقیق تھی کہ کون سے ممبر اندراج شدہ ہیں اور ادائیگی کر چکے ہیں، کون سے ممبر وہ ہیں جو اندراج شدہ ہیں لیکن انہوں نے ادائیگی نہیں کی اور کون سے وہ ہیں جن کا اندراج ہی نہیں ہوا۔ نئے آنے والے مسلمانوں کو یہ بتانا سب سے بڑا مسئلہ ہے کہ مرکز کا ممبر بننے کے لیے رُکنیت کی فیس ادا کرنا پڑتی ہے۔ رکنیت کے لیے مقررہ ادائیگیاں کرنا امریکی رواج ہے لیکن کوئنسی کی برادری میں اس سے ایک مسئلہ پیدا ہو گیا کیونکہ اسلامی روایت کے مطابق ہر مسلمان خود بخود برادری کا رکن ہوتا ہے۔ یہ سوال ان مسلمانوں سے جو ممبر نہیں "شریک ہونے" کا مطالبہ کر کے حل نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو خود کو پہلے ہی سے ممبر سمجھتے ہیں۔

اہم معاملات کو اپنی روایات کے مطابق ڈھالنے کی کوششوں کا اسلامی برادری کو سامنا ہے۔ اس کی چند اور مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ ذیلی ثقافتی ردعمل یہ رہا ہے کہ رکنیت کے لیے کسی قسم کی فیس وغیرہ ادا نہ کی جائے کیونکہ اسے ایک غیر مسلم معاشرے کے اثرات کا ایک حصہ اور اسلامی تہذیب کے لیے ناموزوں سمجھا جاتا ہے۔ معاملات کو اپنی روایات کے مطابق عملی شکل دینے کی ایک اور صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب رضا کارانہ بنیاد پر صدقات دینے کا موقع آتا ہے۔ بہت سے مسلمان کسی ضابطے کے تحت یا عوام الناس کے سامنے صدقات دینے پر اعتراض کرتے ہیں اور یہ اعتراض خاص طور سے اس وقت ضرور ہوتا ہے جب مسجد کے کمرے میں چندے کے لیے پلیٹ گھمائی جانے لگتی ہے۔ یہ لوگ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ اس قسم کے عطیات کو لازمی قرار نہ دیا جائے بلکہ انھیں رضا کارانہ رہنا چاہیے۔ جب ان سے اس انداز میں مانگا جاتا ہے تو انھیں اعتراض ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجہ سے وہ چیز جو رضا کارانہ تھی لازمی بن جاتی ہے۔ اس وقت سوال یہ نہیں ہوتا کہ کتنا دیا جائے بلکہ سوال یہ ہوتا ہے کہ دیا بھی جائے یا نہیں۔ جب رضا کارانہ چندے آتے ہیں تو ڈائریکٹروں کے بورڈ کو فیصلہ بھی کرنا پڑتا ہے کہ کیا اس رقم کو دینے والے کی طرف سے رکنیت کے بقایا جات کے حساب میں شامل کرلیا جائے اور اس طرح انھیں ووٹ دینے کا حق دار بنا دیا جائے۔ اس صورت سے اور کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں مثلاً اس عطیہ کا شمار اور تجزیہ کیسے کیا جائے گا اور اس تبدیلی کی اطلاع حساس قسم کے عطیہ دہندگان کو کیسے دی جائے گی۔ ۱۹۹۰ء میں یہ تخمینہ لگایا گیا تھا کہ مسجد کی آمدنی کا صرف چھ فیصد رکنیت کے بقایا جات کی مد میں تھا۔[۲۵] دہندہ اور نادہندہ رجسٹرڈ ممبروں کی موجودہ تعداد پانچ سو نواسی خاندان ہیں۔ برادری کی ترقی کے ایک اشاریہ کے طور پر اندازاً تعداد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح زیادہ سے زیادہ مسلمان رکنیت کا حصہ ہونے کے بجائے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن مسجد استعمال کرتے ہیں۔ اپریل ۱۹۹۰ء میں عید الفطر کے دن حاضرین کی تعداد کا تخمینہ تین ہزار لگایا گیا تھا۔[۲۶]

اب تک کی اپنی کافی طویل تاریخ میں مسجد کو بڑی بڑی شورشوں کا تجربہ ہوا ہے اور مسجد کے قائدین پر اکثر اعتراضات کیے گئے ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں جب ارکان کی تعداد میں اضافہ ہوا تو برادری کو ایسی صورت حال کا تجربہ ہوا جسے اس نے بانی خاندانوں کے گروہ کے علاوہ عام مسلمانوں کی جانب سے انقلاب لانے کی ایک کوشش سمجھا۔ مختلف ترمیمات اور ذیلی قوانین کو اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ قائدین نے برادری کے بدلتے ہوئے حلقہ انتخاب اور قبضہ کرنے کی دھمکی کا مقابلہ کیسے کیا۔

اسلامی مرکز کے ابتدائی آئین کے آرٹیکل پنجم میں لکھا ہے کہ کوئی شخص تین مہینے کی رکنیت کے بعد بورڈ کا ممبر بن سکتا ہے۔ ۱۹۶۶ء میں بڑھتی ہوئی مختلف العناصر برادری کا مقابلہ کرنے کے لیے آرٹیکل پنجم میں ترمیم کر کے بورڈ کا ممبر منتخب ہونے کے لیے چار سال کی مسلسل رکنیت لازمی قرار دے دی گئی۔ بہرحال بعض لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ یہ شرائط بڑی سخت تھیں۔ ۱۹۷۵ء میں بورڈ کے ایک ممبر، فریدوں عزیزی نے، جو ایران کے ایک شیعہ ڈاکٹر تھے، ذیلی قوانین میں ترمیم کرانے کی ناکام کوشش کی۔ جنوری ۱۹۷۷ء میں وہ مسجد کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صدر ہو گئے۔ ان کے اصرار پر بانی حضرات آئین میں ترمیم کرنے پر راضی ہو گئے اور ایک ترمیم کے ذریعے بورڈ کے ممبر ہونے کے لیے چار سال کی شرط کو گھٹا کر دو سال کر دیا گیا۔

ڈاکٹر عزیزی کا برادری میں بڑا احترام تھا کیونکہ وہ شیعہ فقہ کے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ عالم تھے اور مذہبی کمیٹی پر کام کر چکے تھے۔ بہرحال جب وہ صدر ہو گئے اور انھوں نے بورڈ کی چند خالی جگہوں کو دوسرے شیعوں سے بھرنا چاہا تو بانی ارکان، سنی اور شیعہ دونوں، چونک اٹھے کہ وہ مسجد کی نظریاتی بنیاد کو سنی روایات سے شیعہ روایات کی جانب منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ عزیزی رکنیت کی مطلوبہ مدت کو دو سال سے بھی گھٹانا چاہتے تھے جس پر بانی ارکان راضی ہو گئے تھے۔ کونسل کی برادری میں اختیار روایتی طور پر بانی ارکان کے ہاتھوں میں رہتا تھا۔ علاوہ ازیں تاریخی طور پر بھی برادری کا ثقافتی اتحاد اس حقیقت پر مبنی تھا کہ اس کے بانی ارکان سب کے سب ''عرب مسلمان'' تھے جنھیں شیعہ اکثریت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ نظام کو تبدیل کرنے کے سلسلے میں عزیزی کی کوششوں سے جو خلفشار پیدا ہوا اس کی وجہ سے عزیزی نے استعفیٰ دے دیا اور وہ مرکز سے لاتعلق ہو گئے۔

قبضے کی پہلی کوشش کے فوراً بعد ایک دوسری کوشش بھی ہوئی۔ اس کا تعلق ۱۹۷۶ء سے ۱۹۷۸ء تک کے مذہبی ڈائریکٹر مزمل صدیقی کے چھوٹے بھائی مدثر صدیقی سے تھا۔ جب ۱۹۷۶ء میں مزمل صدیقی مسلم ورلڈ لیگ کے ساتھ کام کرنے کے لیے مسجد چھوڑ گئے تو ان کے چھوٹے بھائی مدثر جو ہارورڈ لا اسکول کے طالب علم تھے، امام عمر کے نائب ہو گئے اور بعد میں مسجد کے پہلے سرکاری مذہبی ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ مزمل صدیقی کی مدد سے مدثر صدیقی کی تنخواہ ادا کرنے کے لیے مرکز کو مسلم ورلڈ لیگ سے مالی اعانت ملتی تھی۔ مدثر صدیقی نے جو ایک مستعد ڈائریکٹر تھے برادری کے لیے بڑی کامیابیاں حاصل کیں اور ایسے کام کیے جنھیں کرنے سے معمر امام عمر قاصر تھے۔ بہرحال اس مقالے کے لیے جن لوگوں سے انٹرویو کیا گیا ان سب کی عام طور سے یہ رائے تھی کہ مذہبی ڈائریکٹر اور بانی خاندانوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس اختلاف کی بنیاد میں بانیوں کی یہ مجبوری شامل تھی کہ وہ اپنے اختیارات ایک انتہائی ذی علم ممبر کے سپرد کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ جب بانیوں نے اختیارات سے دستبردار نہ ہونے کا فیصلہ کیا تو طاقت کی جنگ شروع ہوگئی۔ اس مقالے کی تیاری میں جن جن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں سے پوچھا گیا وہ سب یہ کہتے ہیں کہ یہ وہ پہلا موقع تھا جب برادری تقسیم ہوگئی تھی۔

اختلاف کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ مذہبی ڈائریکٹر کو کس حد تک اختیارات حاصل ہوں اور اس کے فرائض اور ذمہ داریاں کیا ہوں۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ مسٹر عمر اب بھی سرکاری امام تھے امریکی قیادت نے مسٹر صدیقی کی توقعات اور دائرۂ کار پر پابندی لگادی۔ اس قسم کے سوالات اٹھائے گئے کہ مسٹر صدیقی کو پورے نیوانگلینڈ کے لیے کام کرنا چاہیے یا انھیں اپنی ذمہ داریاں مرکز تک محدود رکھنی چاہئیں۔ اندازہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے فرائض کی جغرافیائی حد اور ان شرائط پر بہت کم اتفاق ہو سکا جن کے تحت مسلم ورلڈ لیگ نے ان کو تنخواہ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

آخر کار اِن اختلافات اور اتفاق رائے نہ ہونے کے باعث ۱۹۷۸ء کی ابتدا میں قیادت نے مدثر صدیقی کو ان کے عہدے سے ہٹانے کا فیصلہ کرلیا۔ عام ارکان کے سامنے جب یہ معاملہ پیش ہوا تو انھوں نے بھی برادری کے اکثریتی فیصلے کا احترام کیا۔ مسئلے کو حل کرنے کے لیے مسٹر صدیقی نے اس بات کا انتظام کیا کہ ان کے حامی اجلاس میں شریک ہوں، اپنے بقایا جات ادا کریں اور ووٹ دیں۔ لیکن آخری مرحلے کی اس کوشش کے باوجود اکثریت نے انھیں برخاست کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ قائدین نے فوراً ۱۹۶۲ء کے ذیلی قوانین میں ترمیم کر کے یہ طے کر دیا کہ نومبر کے انتخابات کے لیے بہت پہلے ادائیگی کردی جائے۔[۲۷]

برادری کے اتحاد کے لیے اس خطرے کے نتیجے میں مقامی قیادت نے برادری کے اندر اپنا اختیار برقرار رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔ تاہم تیزی کے ساتھ ابھرتی اور بڑھتی ہوئی مختلف النوع برادری کی وجہ سے مزید علم کی ضرورت بہت زیادہ ہوگئی۔ مقامی قیادت سے بہتر اس بات کو کوئی نہیں جانتا تھا کہ ایک غیر مسلم معاشرے کی زندگی میں اٹھنے والے سوالات اور اسلامی قوانین کے جواز جیسے مسائل سے نمٹنے کے لیے ان کا محدود علم بہت ناکافی تھا۔ مثال کے طور پر بورڈ اس مسئلے سے الجھتا رہا کہ مسجد کے بچت کھاتے سے ملنے والے سود کا کیا کیا جائے۔ اسلام میں سود لینا یا دینا دونوں حرام ہیں۔ اس نکتے پر بہت سے سوالات پیدا ہوئے۔ کیا وہ بینک میں بچت کھاتہ رکھیں؟ سود کی رقم کا کیا کیا جائے؟ کیا بیرونی ممالک میں غریب خاندانوں کو یہ رقم بطور خیرات دینا جائز ہے؟ کیا یہ رقم مسجد کو بطور عطیہ دی جاسکتی ہے؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بانیوں نے ایک ایسا تربیت یافتہ سنی امام تلاش کرنے کا فیصلہ کیا جو ان مسائل میں اُن کی علمی رہنمائی کر سکے۔ چونکہ ان کو یہ بات معلوم تھی کہ ایک صاحب علم اسکالر کسی مسلم ملک ہی سے مِل سکتا ہے لہٰذا اس سلسلے میں بھی بہت سے سوالات پیدا ہوئے، ایک غیر ملکی امام کسی سیکولر معاشرے کا مقابلہ کیسے کرے گا؟ کیا وہ اسلام کی ثقافتی تشریح برادری پر نافذ کرے گا؟ وہ برادری کا اتحاد قائم کرنے اور اسے قائم رکھنے کے نازک عمل سے کیسے گزرے گا؟ ۱۹۸۲ء میں مسلم ورلڈ لیگ نے امریکا میں مسلمانوں کو مذہبی قیادت مہیا کرنے کے لیے لبنان سے ایسے دس راسخ العقیدہ اماموں کا بندوبست کیا جن کی اکثریت قاہرہ کی الازہر یونیورسٹی سے فارغ التحصیل تھی۔ نیویارک میں مسلم ورلڈ لیگ کے ڈائریکٹر داؤد اسد نے کوئنسی مرکز میں اپنے پُرانے دوستوں اور حامیوں سے مسٹر طلال عید کی سفارش کی۔

امام۔ مذہبی ڈائریکٹر کی آمد

جناب طلال عید تریپولی، لبنان سے آئے تھے۔ ۱۹۷۴ء میں انھوں نے الازہر یونیورسٹی کے قانون سازی اور قانون کے اسکول سے سند حاصل کی تھی۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے کے آخر میں وہ تریپولی کی مسجد میں ہمہ وقتی امام مقرر ہوئے۔ چونکہ وہ لبنان کی خانہ جنگی کی تائید کے لیے تیار نہیں تھے لہٰذا انھوں نے امریکا میں ملازمت کے لیے درخواست دی۔ لبنان کے مفتی نے امریکا کی کسی مسجد میں تقرر کے لیے ورلڈ مسلم لیگ کے کہنے پر انھیں نامزد کیا۔ امام عید تیس سال کی عمر میں اپنے خاندان سمیت مارچ ۱۹۸۲ء میں امریکا آ گئے۔ اب وہ مرکز کے مذہبی ڈائریکٹر ہیں۔ نیوانگلینڈ کے علاقے میں الازہر یونیورسٹی کے وہ تنہا گریجویٹ ہیں۔ وہ نیوانگلینڈ کی اسلامک کونسل کی مذہبی کمیٹی کی مجلس شوریٰ کے صدر بھی ہیں۔ جون ۱۹۹۱ء میں انھوں نے ہارورڈ ڈیوائنیٹی اسکول سے دینی علوم میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی۔[۲۸]

عشرہ ۱۹۷۰ء میں مختلف قائدانہ طریقوں کا تجربہ کرنے کے بعد بانیوں نے مسجد کو ایسے لوگوں سے محفوظ رکھنے کے لیے قدم اٹھائے جو بغیر کسی فرمائش کے ذمہ دار بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ بورڈ نے مذہبی ڈائریکٹر کے فرائض اور ذمہ داریوں کا تعین کیا۔ آئین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے آرٹیکل پنجم کے تحت مذہبی ڈائریکٹر کے عہدے کی شرائط بشمول اس کی مدت ملازمت کے، معزز ارکان کی رائے سے بورڈ منظور کرتا ہے۔ قانون کے لحاظ سے بورڈ امام کو مسجد کا ایک تنخواہ دار ملازم سمجھتا ہے۔ اس عہدے کو مذہبی ڈائریکٹر کا نام کارپوریشن میں اس کے کردار کے پیش نظر دیا گیا ہے۔ برادری کے اندر اس کے اثر کا دائرہ مذہبی معاملات تک محدود رکھا جاتا ہے اور اس دائرے میں انتظامی امور کو شامل نہیں کیا جاتا۔ امام عید اپنے فرائض میں اِن سرگرمیوں کو شامل کرتے ہیں: نماز کی امامت کرنا، اسکول میں پڑھانا، تقریر اور جمعہ کا خطبہ، مختلف العقائد سرگرمیوں میں حصہ لینا، تدفین وغیرہ کا انتظام کرنا، شادیوں اور قبول اسلام کے مواقع پر گواہ کے طور پر موجود رہنا اور خاندانی معاملات میں مشورے دینا۔

امام عید ان احتیاطی تدابیر سے بے خبر نہیں تھے جو بانیوں نے ان کے کردار کو محدود کرنے کے لیے اختیار کی تھیں۔ انھیں اس بات کا احساس تھا کہ کسی شخص کو ایک الگ تھلگ معاشرے میں اسلامی تعلیمات کو فروغ دینے میں بہت محتاط رہنا پڑتا ہے۔ جب وہ پہلی بار آئے تو امام عید نے بورڈ کو مشورہ دیا کہ کمرۂ نماز میں عورتوں کو مردوں سے علیحدہ کرنے کے لیے ایک پردہ ٹانگ دیا جائے۔ بورڈ پہلے تو راضی ہو گیا لیکن بعد میں امریکی نژاد نومسلم اور تارکین وطن خواتین دونوں کی جانب سے سخت احتجاج کے نتیجے میں بورڈ نے اتحاد کو نقصان پہنچانے کے بجائے معاملے کو ملتوی کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت امام نے یہ محسوس کر لیا کہ اس بورڈ کے ساتھ تعاون کا کردار ادا کرنا چاہیے۔ انھوں نے سمجھ لیا کہ ''اگر امام لوگوں کو بدلنے کی کوشش کرے گا، ان کا بہت زیادہ مقابلہ کرے گا یا انھیں بہت زیادہ دبائے گا تو وہ ان لوگوں کو برادری سے الگ تھلگ کر دے گا اور اس طرح خود بے اثر ہو کر رہ جائے گا۔''

نئے اماموں کے لیے امام عید کا مشورہ یہ ہے کہ وہ یہ معلوم کریں کہ لوگ ان سے کیا توقع رکھتے ہیں نہ کہ وہ اس بات پر نظر رکھیں کہ امام لوگوں سے کیا توقع رکھتے ہیں۔ کوئنسی کے مسلمان اپنے طور طریقوں میں تبدیلی کے لیے تیار نہ تھے۔ مثال کے طور پر امریکا میں پیدا ہونے والے مسلمانوں کی (عموماً غیر مسلموں کے ساتھ) شادیاں امریکا میں چرچوں کے اندر ہونے والی شادیوں کے طرز پر کی جاتی تھیں۔ یہ شادیاں نماز کے کمرے میں منعقد کی جاتی تھیں جہاں احباب اور افراد خاندان (بشمول غیر مسلم) اکٹھا ہو کر کیے جانے والے عقد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیکھتے تھے۔[۲۹] امام کے آنے کے بعد امریکی نژاد بانی خاندانوں نے اس انداز کی شادی کو جاری رکھنا چاہا۔ امام نے ان درخواستوں کو منظور کرلیا حالانکہ وہ اسی بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ جو شخص بھی کمرۂ عبادت میں داخل ہو وہ پہلے اسلامی روایات کے مطابق وضو کرکے طہارت حاصل کرے۔ امام امریکی شادیوں کی نقل کی اجازت دینے کے لیے راضی ہیں کیونکہ انھیں یقین ہے کہ جوں جوں وہ امریکی نژاد مسلمانوں کے بچوں (بانی خاندانوں کی چوتھی نسل) کو اسلامی طریقوں اور کمرۂ عبادت کے صحیح استعمال کی تعلیم دیں گے موجودہ طریقہ اپنی موت آپ مر جائے گا۔

کونسی کے مسلمانوں کے طور طریقوں پر عیسائیت کے اثرات دوسرے کئی طریقوں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ چونکہ اکثر لوگ اتوار کو کام نہیں کرتے لہٰذا جمعہ کے مقدس دن کے بجائے انھیں اتوار کو جماعت سے نماز کی فرصت ہوتی ہے۔ لیکن گرمی کے دنوں میں معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے اتوار کی نماز میں زیادہ لوگ شریک نہیں ہوتے جبکہ یہ لوگ جمعہ کے دن بڑی تعداد میں آتے ہیں۔ چونکہ اسلامی اسکول گرمیوں میں کام نہیں کرتے لہٰذا اس الٹی صورت حال سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمان اپنے بچوں کو اسلامی اتوار اسکول میں لانے کی خاص کوشش کرتے ہیں۔ امام کا اپنا کردار بھی عیسائی پادری کی طرح کا ہوتا جا رہا ہے۔ مثال کے طور اب امام اپنے وقت کا ایک تہائی حصہ شادی شدہ جوڑوں کو مشورہ دینے میں صرف کرتے ہیں۔

بحیثیت مجموعی برادری کے لوگوں کو اسلام کی تعلیم دینے سے امام کے اثرات میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ امام کو یقین ہے کہ برادری کی ترقی اور اتحاد اس کے ممبروں کے علم کے ساتھ ساتھ بڑھتا جائے گا۔ نوعمر لڑکے بھی جن کی دلچسپیاں بزرگوں کے لیے ہمیشہ تشویش کا سبب بنتی ہیں۔ گزشتہ برسوں میں مسجد کی طرف لوٹنے لگے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ زیادہ سے زیادہ روایتی اسلامی اقدار کو اپناتے جا رہے ہیں۔

امام طلال عید کی آمد کے بعد اتوار اور جمعہ دونوں ہی دن مسجد کی حاضری میں اضافہ ہوتا گیا۔ ۱۹۸۶ء میں مسجد سے متصل ایک دہرے مکان کی تعمیر کے بعد مرکز کی چوتھی توسیع مکمل ہوئی۔ اس کا ایک حصہ امام اور ان کے خاندان کی رہائش کے لیے استعمال ہوتا ہے اور دوسرا حصہ مسلمانوں کو کرایہ پر دے کر اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کو امام کی تنخواہ کی مد میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شامل کرلیا جاتا ہے۔ اس وقت مسجد کا بنیادی مقصد نماز کی ادائیگی ہے۔ سماجی اور معاشی کام بہت کم ہوتے ہیں۔ مرکز کے لیے توسیع کی بڑی ضرورت ہے تاکہ وہ نوجوانوں کے لیے پُرکشش بن جائے۔ اس وقت نوجوانوں کو مجتمع کرنے کے لیے سماجی اور تفریحی سرگرمیوں کے لیے جگہ کافی نہیں ہے۔ زکوٰۃ کی مد میں غریبوں اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے خواہش مند طلباء کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی رقم نہیں ہے۔ اور ابھی تک مسلمان خاندانوں کی سماجی اور تعلیمی ضروریات پوری کرنے کے لیے کوئی ہمہ وقتی اسلامی اسکول نہیں ہے۔ امام عید کو یقین ہے کہ جب زیادہ اسلامی ادارے بن جائیں گے تو امریکا میں مسلمانوں کی زندگیوں میں مسجد اور اسلام کا کردار بہت مؤثر ہو جائے گا۔

چونکہ امام کی تنخواہ کا ایک حصہ مسلم ورلڈ لیگ کی جانب سے ادا ہوتا ہے جس کی آمدنی کا بڑا حصہ سعودی عرب سے آتا ہے لہٰذا امام پر اور مسجد میں ان کے کام پر لیگ کے امکانی اثرات کے بارے میں سوال کیا جا سکتا ہے۔ اب تک تو مفادات کا کوئی ٹکراؤ نظر نہیں آتا۔ چرچ اور ریاست کی علیحدگی کے امریکی سیاق و سباق میں امام کو سیاسی آزادی حاصل ہے۔ سعودیوں سے اپنے تعلقات کو وہ آجر اور اجیر کے تعلقات کی مانند سمجھتے ہیں۔ کوئنسی کے مسلمانوں میں بہت زیادہ تنوع کے سبب کمرۂ نماز سعودیوں، ایرانیوں، عراقیوں، کویتیوں، اور بہت سی دوسری قومیتوں کے لوگوں سے بھرا رہتا ہے۔ یہ لازمی ہے کہ بین الاقوامی سیاسی تنازعات میں امام کسی کی طرف داری نہ کریں۔ اگرچہ ایک مسلم ملک میں امام سیاسی جانب داری سے نہیں بچ سکتا لیکن تارکین وطن مسلمانوں نے امریکا میں امام کے غیر جانب دار کردار کو پسند کرلیا ہے کیونکہ انھیں یہ بات معلوم ہے کہ اگر امام نے کسی کی طرف داری کی تو اس سے برادری کے ارکان میں شدید اختلافات پیدا ہو جائیں گے۔

امام عید یہ محسوس کرتے ہیں کہ امریکا میں دوسرے مذہبی اداروں کی طرح مسجد کو عالمی تنازعات میں زیادہ ''انسان دوست'' رویے کو ترقی دینی چاہیے۔ مذہبی قائدین اور ان کے اجتماعات کے شرکاء کا مشترکہ مقصد یہ ہونا چاہیے کہ انسانی زندگی کو قابل قدر سمجھا جائے، اس کے غیر ضروری نقصان پر ہمدردی کی جائے، بے قصور انسانوں کے قتل اور حراست سے نفرت کی جائے اور تمام لوگوں کے لیے ہمدردی اور تفہیم کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ تاہم امام صاحب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ عبادت اور امن کی سیاست جس پر امریکا میں مذہبی قائدین (امام سمیت) عمل کرتے ہیں اُس میں اختلاف کے پہلو ہیں۔

مسلمان، ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۰ء کے عشروں میں

جوں ہی مسجد تعمیر ہوئی چرچوں، ابتدائی اور ہائی اسکولوں اور کالجوں سے غیر مسلم طلباء اس عمارت کو دیکھنے یا یہ درخواست کرنے کے لیے آنے لگے کہ مسجد سے کوئی شخص ان کے یہاں آکر اسلام کے بارے میں ان سے گفتگو کرے۔[30] اگرچہ غیر مسلم برادری کی حقیقی دلچسپی کا ردعمل مثبت رہا ہے لیکن مسلمانوں کی جانب سے بین المذاہب سرگرمیوں کی ابتدا بہت کم ہوئی ہے۔ اس میں ایک قابل ذکر استثنیٰ ۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۹ء تک مرکز کے صدر ڈاکٹر عبدالکریم خضیری کا کام تھا۔ بین المذاہب تعلقات کو ترجیح دیتے ہوئے خضیری نے نیشنل کانفرنس آف کرسچینز اینڈ جیوز جیسی تنظیموں کے ساتھ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا اور ابھی حال میں انھوں نے اسلامک انٹرفیتھ کمیٹی قائم کی جو میساچوسیٹس کونسل آف چرچز کے ساتھ مستقل رابطہ رکھتی ہے۔

۱۹۸۵ء میں جب بین الاقوامی کھچاؤ بہت زیادہ بڑھ چکا تھا، کوئنسی کی مسجد میں بین المذاہب سرگرمیوں میں اضافہ ہوگیا۔ جب ''مسلمانوں'' کے بارے میں یہ اطلاع آئی کہ انھوں نے ٹی ڈبلیو اے کا ایک جہاز اغوا کر لیا ہے اور مظاہرین نے مسجد کے باہر آیت اللہ خمینی کا پتلا جلایا تو مرکز میں عوامی تعلقات کی ایک کمیٹی قائم کی گئی۔ کمیٹی نے یہ محسوس کیا کہ اسلام کے بارے میں معلومات کے مطالبات کا براہ راست تعلق ایسے بین الاقوامی واقعات سے ہوتا تھا جن میں مسلمان شریک ہوتے تھے۔ ایرانی انقلاب کے بعد سے، جس نے مغرب کے لوگوں میں اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی خواہش میں بہت اضافہ کردیا اور غلط قسم کی معلومات اور قیاس آرائیوں نے امریکا میں مسلموں اور غیر مسلموں کے درمیان ایک مثبت گفت وشنید کو آگے بڑھانے میں بڑا کام کیا۔ شیطانی آیات کے مصنف کو قتل کر دینے کی دھمکی اور ۱۹۹۱ء کی خلیج کی جنگ جیسی ہیجان انگیز خبریں بین المذہبی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرگرمیوں میں اشتعال اور اضافہ کا سبب بنی رہی ہیں۔

۱۹۸۰ء کے عشرے میں عبدالکریم خضیری کی انتظامیہ کا دوسرا مقصد اسلامک کونسل آف نیو انگلینڈ کی تنظیم نو تھا جس کا صدر دفتر اسلامی مرکز میں واقع تھا۔ ۱۹۸۵ء میں خضیری نے نیوانگلینڈ کی پہلی اسلامی کانفرنس منعقد کی۔ یہ ایک سالانہ تقریب ہے جس کا انتظام کونسل کرتی ہے اور اوسطاً چار سے پانچ سو مسلمان پورے نیوانگلینڈ سے شریک ہوتے ہیں۔ کونسل کے بارہ سند یافتہ ممبر تھے جنھوں نے ۱۹۸۳ء میں کونسل میں شرکت اختیار کی تھی۔ دو اور ممبر ۱۹۸۵ء میں شریک ہوئے۔[۳۱] آج یہ کونسل نیوانگلینڈ کی اٹھارہ مسجدوں اور اسلامی سوسائٹیوں کی نگراں تنظیم ہے۔ اسلامک فورم کے اگست ۱۹۹۱ء کے شمارے میں ڈاکٹر خضیری نے کونسل کے اغراض و مقاصد ان الفاظ میں بیان کیے تھے: ''ایک فورم قائم کرنا جس کے ذریعے نیوانگلینڈ کے علاقے میں تمام آزاد اسلامی مراکز اور سوسائٹیاں ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ کرسکیں اور مشترکہ دلچسپی کے معاملات پر تبادلہ خیال کرسکیں، مشترکہ مقاصد حاصل کرنے کے لیے حکمت عملی اور لائحہ عمل بناسکیں، مسلمانوں کے درمیان باہمی اتحاد اور ہم آہنگی کو مضبوط بناسکیں، علاقائی سطح پر ایک آواز ہوکر پوری قوت سے مسلم برادری کی نمائندگی کرسکیں اور اس کے علاوہ اور بہت کچھ۔''[۳۲]

کونسل کے مرکز نے ان بہت سے اسلامی قائدین کے لیے تربیت گاہ کا فریضہ انجام دیا ہے جو اب اسلامی کونسل کے ممبر ہیں۔ ایک دلچسپ مثال شاکر محمود کی ہے جو ایک افریقی امریکی ہیں۔ انھوں نے ۱۹۶۴ء میں اسلام قبول کیا تھا اور اب ڈورچیسٹر میساچوسیٹس میں مسجد القرآن کے امام ہیں (یہ مسجد پہلے بوسٹن کی ٹمپل نمبر ۱۱ تھی جو کبھی میلکم ایکس کی تحویل میں دی گئی تھی) میلکم ایکس کے تجربات سے متاثر ہوکر اور ''راسخ العقیدہ اسلام'' کے بارے میں خود علم حاصل کرنے کے جذبے سے سرشار شاکر تعلیم حاصل کرنے اسلامی مرکز گئے۔ ۱۹۷۳ء میں وہ مسجد کے ایک رکن ہو گئے اور ۱۹۷۷ء سے ۱۹۷۸ء تک بورڈ آف ڈائریکٹرز میں فرائض انجام دیے۔ ۱۹۸۲ء میں ایک مصری انجینئر اور نیوانگلینڈ کے اسلامی مرکز کے ایک رکن نے باہمی تعاون کے لیے بوسٹن کی اسلامک سوسائٹی منظم کی جو اس علاقے میں مسلم طلباء کی تمام ایسوسی ایشنوں کا ایک مجموعہ تھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۰ / مارچ ۱۹۹۰ء کو رمضان کے مہینے میں آتش زدگی نے نیو انگلینڈ کے اسلامی مرکز کو تباہ کر دیا، اگرچہ اس کا کنکریٹ کا بیرونی حصہ اپنی جگہ قائم رہا۔ نقصان کا تخمینہ پانچ لاکھ ڈالر سے زیادہ لگایا گیا۔ تفتیش کنندگان کبھی یہ طے نہ کر سکے کہ یہ کسی تخریب کار کا کام تو نہیں تھا۔ بیمے کی رقم سے مرکز کی مرمت کا کام ہوگیا۔[۳۳] اس کے علاوہ گرد و نواح کی مسلم اور غیر مسلم دونوں برادریوں سے ہمدردی کے جذبات کے ساتھ کافی مالی مدد بھی حاصل ہوئی۔ آتش زنی کے ایک سال بعد مرکز کی قیادت کو میساچوسیٹس میں ملٹن کے مقام پر ساڑھے سات ایکڑ کے ایک قطعہ اراضی اور ایک بہت بڑی عمارت میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ ارادہ یہ تھا کہ نماز کا ایک کمرہ اور سماجی مقاصد کے لیے ایک ہال تعمیر کیا جائے، کمرۂ عبادت اور ہال دونوں میں ایک ہزار آدمی آسکیں اور زمین کو ایک اسکول اور بچوں کے ایک کیمپ کی تعمیر کے لیے استعمال کیا جائے۔ خریداری کی گفت وشنید جولائی ۱۹۹۱ء میں ناکام ہوگئی۔

تیزی کے ساتھ بڑھتی ہوئی مسلم آبادی نے جب ملٹن شہر میں نقل مکانی کا آغاز کیا تو اُن کا استقبال زیادہ خوشگوار انداز میں نہیں کیا گیا۔ ملٹن کے شاندار مضافات کے چند شہریوں نے جو مرکز کی مخالفت میں کھڑے ہوئے یہ الزام لگایا کہ مرکز کی مزاحمت وہ تعصب اور جانب داری کی وجہ سے کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے ٹریفک میں اضافے پر اپنی تشویش کو اپنی مخالفت کا سبب قرار دیا۔[۳۴] اس معاملے میں جو لوگ ملوث تھے ان پر مذہب اور مسلمانوں کے آبائی ملکوں کے خلاف تعصب اور امتیازی سلوک کا الزام لگا کر مرکز نے مقدمہ چلایا لیکن حال ہی میں مرکز کی قیادت نے فیصلہ کیا کہ اس معاملے کو آگے نہ بڑھایا جائے۔[۳۵] نومبر ۱۹۹۱ء کے دوران میں ملٹن کے پڑوس میں رہنے والوں نے زمین خرید لی۔ ۲۴ / دسمبر ۱۹۹۱ء کو مرکز نے بورڈ کی جانب سے شیرن، میساچوسیٹس میں پچپن ایکڑ کا زرعی فارم ساڑھے گیارہ لاکھ ڈالر میں خرید لیا۔[۳۶]

مشاہدہ کرنے والوں کے لیے جو کسی مذہبی برادری کی درجہ بندی کرنا چاہتے ہیں یہ بات بڑی ترغیب انگیز ہے کہ وہ اس طرح درجہ بندی کریں کہ آزاد خیال سے قدیم الخیال کے درمیانی معیار پر کوئی مخصوص جگہ اسے مل جائے۔ کوئنسی کے اسلامی مرکز کے ساتھ اس عمل کی کوشش کرنا غالباً کسی بھی امریکی مسلم برادری کی سطحی نوعیت کی تعریف کے مترادف ہوگا۔ جیسا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ایک ممتاز مسلمان قائد نے کہا: ''میں کسی برادری کی درجہ بندی کرنے کی ترغیب سے باز رہتا ہوں۔ ہم امریکا میں اسلام کو ایک (سماجی) صورت دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم دوسروں کے ساتھ کام کر رہے ہیں، ایک دوسرے سے سیکھ رہے ہیں تاکہ ہم اپنا درمیانی راستہ خود تلاش کرلیں۔ کسی برادری کی 'آزاد خیال' یا 'قدیم الخیال' کے طور پر درجہ بندی کرنا اس لیے ناممکن ہو جاتا ہے کہ اسلام خود سماجی اعتبار سے آزاد خیال ہے جس کی مثال، معاشرے کے تمام بے کس ممبروں کی فلاح و بہبود کے لیے اس کی کاوش سے ملتی ہے، لیکن ساتھ ہی اخلاقی لحاظ سے وہ قدیم الخیال بھی ہے۔''[۴۷]

حواشی

۱۔ ای ووان وائی حداد اور اڈیرنی لوئس، *Islamic Values in the United States* (نیویارک: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۷ء) ص ۱۳ تا ۱۴۔

۲۔ برنٹ اشبریز، *An Ancient Heritage — The Arab - American Minority* (نیویارک: ہارپرکولنز پبلشرز، ۱۹۹۱ء) ص ۲۴۔

۳۔ ''... شمالی امریکا میں [مسلم] تارک وطن ...[اور] اس کا تشخص، جہاں تک اس کے پڑوسی کی اس سلسلے میں کوئی رائے تھی، ایک راز تھا۔ کبھی وہ 'شامی' ہوتا تھا کبھی 'ترک'۔'' (ارل ایچ وا: "Muslim Leadership and the Shaping of the Ummah: Classical Tradition and Religious Tension in the North American Setting" یہ مضمون شامل ہے *The Muslim Community in North America* تدوین ارل وا، بہا ابولبان اور ریگولا قریشی [ایڈمنٹن: یونیورسٹی آف البرٹا پریس، ۱۹۸۳ء] ص ۱۳)۔

۴۔ نوئل حداد، جن کا انٹرویو ۷ راگست ۱۹۹۱ء کو ڈیماؤتھ، میساچوسٹس میں ہوا۔ کوئنسی مسجد کے موجودہ امام کا خیال ہے کہ الرایة [پرچم] العربیه کوئی نام ہے جس کا تارک وطن نسل نے انگریزی میں ترجمہ کر دیا تھا۔ یہ عرب ممالک میں ایک جماعت کا نام تھا جس نے خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد اسلامی پرچم بلند کیا تھا (امام طلال عید سے کوئنسی میں ۱۱ رجولائی ۱۹۹۱ء کو انٹرویو لیا گیا)۔

۵۔ سی ایرک لنکن، "The American Muslim Mission in the Context of

www.KitaboSunnat.com
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"American Social History یہ مضمون شامل ہے The Muslim Community in America ص ۲۱۹۔

۶۔ اسلامک سینٹر آرکائیوز، سیکریٹری کی روداد، ۱۲؍جنوری اور ۱۸؍فروری ۱۹۶۴ء۔

۷۔ فاطمہ علی، ۱۶؍جولائی ۱۹۹۱ء سے ویماؤتھ، میساچوسیٹس میں انٹرویو لیا گیا۔

۸۔ اسلامک سینٹر آرکائیوز، سیکریٹری کی روداد، ۶۹۔ ۱۹۶۳ء کے عشرے کی فائلیں۔

۹۔ جان عمر سے لنگسٹن میساچوسیٹس میں ۳؍اگست ۱۹۹۱ء کو انٹرویو لیا گیا۔

۱۰۔ اسلامک سینٹر آرکائیوز، "Quincy Mosque Rises" American-Arab ۔ ایڈیٹر کا Message نوٹ: ''گزشتہ مضمون 'Patriot Ledger' سنیچر ۲۷؍اپریل ۱۹۶۳ء سے دوبارہ طبع کیا گیا۔'' انگریزی اور عربی استعمال کی گئی۔

۱۱۔ اسلامک سینٹر آرکائیوز، "King Saud Cancels Swampscott Rest; No Reason Given"، Patriot Ledger (۲۷؍جنوری ۱۹۶۲ء)

۱۲۔ اسلامک سینٹر آرکائیوز، "Quincy Point, Whist Party"، Patriot Ledger (۱۲؍اکتوبر ۱۹۶۱ء)۔

۱۳۔ اسلامک سینٹر آرکائیوز، جیمز جے کالنز، "N. E. Islamic Center Builds Quincy Mosque"، Boston Sunday Globe (۹؍جون ۱۹۶۳ء)۔

۱۴۔ اسلامک سینٹر آرکائیوز، "Members Praised at Dedication of New Islamic Center in Quincy"، Patriot Ledger (۱۸؍اکتوبر ۱۹۶۴ء)۔

۱۵۔ اسلامک سینٹر آرکائیوز، "Quincy Islamic Center Observes Mosque Dedication Anniversary"، Patriot Ledger (۶؍نومبر ۱۹۶۷ء)۔

۱۶۔ اسلامک سینٹر آرکائیوز، سیکریٹری کی روداد، ۶۹۔ ۱۹۶۳ء اور ۷۹۔ ۱۹۷۰ء کے عشروں کی فائلیں۔

۱۷۔ امام طلال عید کا انٹرویو، ۱۱؍جولائی ۱۹۹۱ء کو کوئنسی میں لیا گیا۔

۱۸۔ حداد اور لوئس، Islamic Values in the United States ص ۱۴۔

۱۹۔ ہارورڈ اسلامک سوسائٹی کو ۱۹۵۸ء میں پاکستان کے ابونوری، سید ندوی اور سوڈان کے احمد عثمان نے قائم کیا تھا۔ یہ افراد عشرہ ۱۹۶۰ء میں مرکز کے ممبر بنے تھے۔ احمد عثمان نے ۱۹۶۵ء میں میلکم ایکس کے قتل کے بعد نیویارک میں ان کی تدفین کی تھی۔

۲۰۔ (حاج) سام حسن کا انٹرویو ۶؍اگست ۱۹۹۱ء سینڈوچ میساچوسیٹس میں لیا گیا۔

۲۱۔ اسلامک سینٹر آرکائیوز، جسٹس آف دی پیس کی تصدیق، محمد عمر کی ذاتی فائلیں، ۲۳؍مئی ۱۹۶۳ء۔

۲۲۔ اسلامک سینٹر آرکائیوز، خزانچی کی رپورٹ ۱۹۸۱ء۔ اس کے علاوہ سیکریٹری کی روداد، ۷۹۔ ۱۹۷۰ء

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے عشرے کی فائلیں۔

۲۳۔ اسلامک سینٹر آرکائیوز، سیکریٹری کی روداد، ۹ ۷ ۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے کی فائلیں۔

۲۴۔ تقریباً پانچ سو قبروں کی جگہیں مرکز کو جمیکا پلین میں فارسٹ ہلز کے قبرستان میں بھی دستیاب ہیں (پیٹر ہیلس ورتھ Patriot Ledger "Islamic Center Looks at New Sites," [۲۴ اگست ۱۹۸۱ء] ص ۸)۔

۲۵۔ اسلامک سینٹر آرکائیوز، سیکریٹری کی روداد، عام ارکان کا اجلاس، نومبر ۱۹۹۰ء

۲۶۔ این ڈوائل، Patriot: "Mosque Determined to Be Rebuilt from Ashes" Ledger (۱۲ مئی ۱۹۹۰ء) ص ۵۳۔

۲۷۔ اسلامک سینٹر آرکائیوز، سیکریٹری کی روداد، ۹ ۷ ۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے کی فائلیں۔

۲۸۔ امام طلال عید کا انٹرویو ۱۱ر جولائی ۱۹۹۱ء کو کوئنسی میں لیا گیا۔

۲۹۔ مسجد میں منعقد ہونے والی پہلی شادی فروری ۱۹۶۳ء میں مسجد کی تعمیر کے فوراً بعد ڈربس خاندان میں، امریکا میں پیدا ہونے والی نسل میں، ہوئی تھی۔

۳۰۔ اسلامک سینٹر آرکائیوز، باربراشی، "Needham Students Tour Religious Center" Patriot Ledger (۵ر دسمبر ۱۹۶۶ء)۔

۳۱۔ اسلامک سینٹر آرکائیوز، Articles of Incorporation and By-Laws of the Islamic Council of New England, 1986

۳۲۔ کونسل کے موجودہ ممبران میں ذیل کے ادارے شامل ہیں: اسلامک سنٹرز آف کوئنسی، بوسٹن اینڈ وے لینڈ میساچوسیٹس؛ کنیکٹی کٹ اینڈ ہارٹ فورڈ، کنیکٹی کٹ؛ میریمک ویلی اینڈ سالم، نیو ہیمپشائر؛ رھوڈ آئی لینڈ اینڈ پراویڈنس، رھوڈ آئی لینڈ؛ بوسٹن (یونیورسٹیاں)، کیمبرج، مغربی میساچوسیٹس؛ ہولیوک، میساچوسیٹس؛ گریٹر ورسٹر اینڈ ورسٹر، میساچوسیٹس؛ دی نیو انگلینڈ مسلم سنٹرز ایسوی ایشن، ورسٹر، میساچوسیٹس؛ مسجد القرآن، ڈورچسٹر، میساچوسیٹس؛ مسجد الرزاق، پراویڈنس، رھوڈ آئی لینڈ؛ اسلامک کمیونٹی آف فیئر فیلڈ کاؤنٹی، نارواک، کنیکٹی کٹ؛ نیوانگلینڈ کی مسجد، سیکا نک، میساچوسیٹس؛ سوسائٹی آف اسلامک برادرہڈ، بوسٹن، میساچوسیٹس؛ اسلامک سینٹر آف یونیورسٹی آف کنیکٹی کٹ، اسٹارس، کنیکٹی کٹ؛ اسلامک ایسوی ایشن آف گریٹر ہارٹ فورڈ، ہارٹ فورڈ، کنیکٹی کٹ؛ مسجد محمد، نیوہیون، کنیکٹی کٹ؛ اور اسلامک سوسائٹی آف ایمہرسٹ ایریا، میساچوسیٹس۔

۳۳۔ اسلامک سینٹر آرکائیوز، برائن کار، Patriot: "Arsonist Hits Area Mosque" Ledger (۳۰ر مارچ ۱۹۹۰ء) ص ۱۱۔

۳۴۔ اسلامک سینٹر آرکائیوز، ایلین ناکاشیما، "Neighbours Buy Site Sought by

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Patriot Ledger: Mosque" (۲۷ جولائی ۱۹۹۱ء) ص ۱

۳۵۔ اسلامک سینٹر آرکائیوز: ایلین ناکاشیما، "Muslims Sue, Property on Hold"، Patriot Ledger (۴ اکتوبر ۱۹۹۱ء) ص ۱ تا ۲۔

۳۶۔ اسٹیسی وانگ، "Islamic Center Approves Buying Farm in Sharon"، Quincy Patriot Ledger (۲۴ دسمبر ۱۹۹۱ء)

۳۷۔ ڈاکٹر قادر اسمل، ٹیلی فون پر انٹرویو لیا گیا، ۱۱ ستمبر ۱۹۹۱ء، وے ماؤتھ، میساچوسٹس۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۴

مانٹریال کے مسلمان

شیلا میکڈونف

مانٹریال، کیوبیک، کینیڈا میں مسلم جمعیت جوان اور فعال ہے، اور ۱۹۸۰ء کے عشرے کے دوران اسے بہت سی تبدیلیوں کا تجربہ ہوا ہے۔ اِس مفروضے کے بہت سے اسباب ہیں کہ اس شہر کے مسلمان جس قوت حیات کا مظاہرہ اور اظہار کرتے ہیں وہ اس ماحول میں مسلم وجود کی نئی شکلوں کو جنم دے گی۔ ان میں سے بہت سے لوگ وہ ہیں جو مستقبل پر اعتماد رکھتے ہیں چنانچہ وہ لوگ نئے ادارے منظم کرنے، ان کے لیے رقم اکٹھا کرنے اور انہیں ترقی دینے میں نئے تعلقات کی ہمت افزائی کرنے میں اور جس وسیع معاشرے میں وہ خود کو پاتے ہیں اس کے ساتھ تعامل اور عملی مفاہمت میں مصروف رہتے ہیں۔[1]

کیوبیک ان دنوں اِس مسئلہ سے نبرد آزما ہے کہ مستقبل میں کینیڈا کے بقیہ حصوں کے ساتھ اس کے تعلقات کی شکل کیا ہوگی۔ یہ بحث مسلمانوں اور دوسرے تارکین وطن پر بڑی شدت سے اثر انداز ہوگی کیونکہ کیوبیک کی حکومت ان تارکین وطن کو زیادہ سے زیادہ ترجیح دے رہی ہے جو فرانس کے حامیوں میں ہیں۔ یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ مستقبل میں کیوبیک کی مسلم برادری غالب تعداد میں فرانسیسی بولنے والی ہو جائے گی اور ان کے ثقافتی رشتے فرانس اور شمالی افریقہ کے ساتھ زیادہ مضبوط ہو جائیں گے۔ اس صوبے کے قوانین ایسے ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ان تارکین وطن کو بھی، جو انگریزی بولنے والے پس منظر سے تعلق رکھتے ہیں، اپنے بچوں کو لازماً فرانسیسی اسکولوں میں بھیجنا پڑتا ہے۔ کسی نئے مسلم اسکول کے لیے بھی، جسے مسلمانوں نے قائم کیا ہو، یہ لازم ہے کہ وہ فرانسیسی زبان کی تعلیم کا انتظام بھی کرے حالانکہ ان بچوں کو عربی اور انگریزی کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

آج کل مانٹریال میں تقریباً پچاس ہزار مسلمان ہیں اور ان میں جنوبی ایشیا سے تعلق رکھنے والوں اور عالم عرب سے آنے والوں کی تعداد کم و بیش مساوی ہے۔ دوسرے جغرافیائی علاقوں کی نمائندگی کرنے والوں کی بھی ایک مختصر سی تعداد موجود ہے۔ اگرچہ شام اور لبنان سے مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی تعداد دوسری عالمی جنگ سے پہلے مانٹریال آگئی تھی لیکن مسلم برادری میں ۱۹۵۰ء کے عشرے کے دوران بڑی تیزی سے اضافہ شروع ہوا جب جنوبی ایشیا اور عالم عرب سے کثیر تعداد میں مسلمانوں اور خاص طور سے اعلیٰ پیشہ وروں نے وہاں آنا شروع کیا۔ شہر کی سب سے قدیم مسجد اسلامک سینٹر آف کیوبیک (آئی سی کیو) کی تعمیر ۱۹۵۸ء میں ہوئی تھی۔ ۱۹۶۵ء میں جب تک مرکز کو موجودہ جگہ حاصل نہیں ہوئی تھی اس وقت تک مسلمان بہت سی عمارتیں کرائے پر لے کر کام چلاتے رہے۔ اس کے بعد سے اب تک دوبار اس مسجد کی تعمیر ہو چکی ہے اور ابھی مزید توسیع کا منصوبہ موجود ہے۔ ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کے عشروں میں آئی سی کیو کے بورڈ اور مسلم جمعیت کے دوسرے معاملات میں پاکستانی اور دوسرے جنوبی ایشیائی لوگوں نے بڑی تعداد میں حصہ لینا شروع کیا۔ چونکہ جنوبی ایشیا والے عموماً انگریزی بولنے والے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا اب ان کے اندر کینیڈا میں کسی اور جگہ منتقل ہونے کا رجحان بڑھ رہا ہے کیونکہ کیوبیک پر فرانسیسیت حاوی ہوگئی ہے۔ ۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء کے عشروں کے دوران لبنان اور شمالی افریقہ سے کیوبیک آنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ فرانسیسی بولنے والے یہ مسلمان کیوبیک کے معاشرے کو اپنانا زیادہ آسان سمجھتے ہیں، بہ نسبت ان لوگوں کے جو صرف انگریزی بولتے ہیں۔

آئی سی کیو، جو شہر کے مضافات میں ایک پُرکشش عمارت ہے اس علاقے میں سُنیوں کی قدیم ترین مسجد ہے۔ اسے شادی بیاہ، اموات اور پیدائش کے اندراجات کرنے کا لائسنس حاصل ہے۔ مانٹریال کے بہت سے سنی مسلمان مسجد کی سہولیات کا، خاص طور سے تجہیز و تکفین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی سہولیات کا، فائدہ اٹھاتے ہیں۔[۲] اس مسجد میں نماز کے لیے ایک بہت بڑا ہال ہے جس میں خواتین کے لیے پردے کے ذریعہ ایک حصہ الگ کردیا گیا ہے۔ آئی سی کیو کے موجودہ منتظمین نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس حصے کو نماز کے علاوہ اور کسی مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا جائے گا۔ یہ شہر کے مسلمانوں کے لیے بڑی تشویش کا معاملہ ہے۔ ۱۹۷۶ء سے پہلے عورتیں آئی سی کیو کو چلانے میں شریک رہتی تھیں لیکن اس کے بعد سے زیادہ قدامت پسند عناصر، خاص طور سے تبلیغی جماعت کے لوگ مسجد کے امور پر حاوی ہوتے چلے گئے اور اس کے بعد عورتوں نے کوئی فعال کردار ادا نہیں کیا۔

آئی سی کیو کے علاوہ مانٹریال کے علاقے میں آٹھ دوسری سنی مساجد بھی ہیں اور متعدد گروہ مختلف گھروں میں بھی باجماعت نمازیں ادا کرتے ہیں۔شہر میں تعمیر ہونے والی دوسری مسجد مسلم کمیونٹی آف کیوبیک (ایم سی کیو) کی ملکیت ہے۔ اس کی تاریخ ۱۹۷۹ء سے شروع ہوتی ہے۔ آئی سی کیو کی طرح جنوبی ایشیا کے مسلمانوں نے بھی ایم سی کیو کی مسجد کی قیادت میں نمایاں حصہ لیا ہے، اگرچہ دوسرے علاقوں کے لوگ بھی شروع ہی سے اس کا ایک حصہ رہے ہیں۔ایم سی کیو کا احاطہ باربار توسیع کے مرحلوں سے گزرتا رہا ہے اور اس وقت بھی وہاں تبدیلی اور ترقی کا کام ہورہا ہے کیونکہ ایک مسلم اسکول بھی اس جگہ کو استعمال کرتا ہے۔ ایم سی کیو کی قیادت آئی سی کیو کے برخلاف معاشرے میں مسجد کے کردار بخوبی سمجھتی ہے۔ ایم سی کیو کی سہولیات سے مسجد کے علاوہ کمیونٹی سینٹر کے طور پر بھی کام لیا جاتا ہے۔ بہت سے کمرے عوامی تقاریر، بحث مباحثہ، بچوں کی تقریبات اور ماہانہ اجتماعی کھانوں کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ نماز کا کمرہ مرد اور عورت دونوں استعمال کرتے ہیں جس میں عورتیں مردوں کے پیچھے کھڑی ہوتی ہیں۔ چند خواتین ایم سی کیو کی کونسل آف ٹرسٹیز کی ممبر بھی رہ چکی ہیں۔

مختلف نسلی اور لسانی پس منظر کے مسلمان ایم سی کیو کی تقریبات میں حصہ لیتے ہیں۔ بہرحال ان تقریبات کے شرکاء عام طور پر چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بٹ جاتے ہیں اور اپنی دلچسپی کے مطابق عربی، فرانسیسی اور انگریزی میں باتیں کرنے لگتے ہیں۔ ان تقریبات میں شریک ہونے والے مسلمان عام طور سے ایک دوسرے کو بھائی، بہن کہہ کر مخاطب کرتے ہیں جو شمالی امریکا کی مسلم زندگی کی خصوصیت ہے۔ عوامی خطابات میں عام طور سے مرد اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عورت دونوں شریک ہوتے ہیں جن میں عورتیں پیچھے بیٹھتی ہیں اگرچہ دوسری تقریبات میں مرد اور عورتیں عموماً الگ الگ شریک ہوتے ہیں۔

ایم سی کیو کے احاطے میں بہت سی مختلف النوع سرگرمیاں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ نماز کا کمرہ پابندی کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ اتوار کی صبح چھوٹے چھوٹے گروہ عبادت و ریاضت کے لیے اکٹھا ہوتے ہیں۔ یہاں شادیاں ہوتی ہیں، مخصوص مواقع پر کھانوں کی دعوت ہوتی ہے۔ بعض اوقات مقامی سیاست دانوں کو عوامی جلسوں میں حصہ لینے کے لیے مرکز میں دعوت دی جاتی ہے۔ پروٹسٹنٹ اسکولوں کے اساتذہ اور طلباء کبھی کبھار مذاہب عالم کے مطالعے کے سلسلے میں اسلام کے مطالعے کے لیے ایم سی کیو یا دوسری مسجدوں میں آتے ہیں، اسی طرح شہر کے دوسرے کالجوں اور یونیورسٹیوں سے بھی لوگ آتے رہتے ہیں۔ خلیج کی جنگ کے دوران مانٹریال کی وسیع تر (غیر مسلم) جماعتوں اور آبادی کے سامنے اسلام اور مسلمانوں کی اقدار اور افکار پر مختلف طریقوں سے اظہار خیال کے لیے ایم سی کیو کے ارکان مدعو کئے جاتے رہے۔[۲]

آئی سی کیو اور ایم سی کیو کے علاوہ مانٹریال میں سات دوسری چھوٹی چھوٹی سنی مسجدیں ہیں۔ شہر کے اندرونی علاقے میں دو مسجدیں، مسجدِ فاطمہ (۱۹۷۶ء) اور مسجدِ اُمّہ (۱۹۸۳ء) عربی بولنے والے مسلمانوں نے تعمیر کی تھیں۔ مسجدِ اُمّہ کے امام فرانسیسی بولنے والے ایک لبنانی مسلمان ہیں۔[۳] آج کل اندرونی علاقے میں بہت سے مسلمان کارکنوں کی موجودگی کی وجہ سے نماز کے اوقات میں دونوں مساجد میں نمازیوں کو جگہ نہیں ملتی۔ مسجد فاطمہ اگرچہ ایک سنی مسجد ہے لیکن اسے شیعہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ دوسری مسجد ایک اپارٹمنٹ ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا گروہ ہے جو خود کو انصار اللّٰہ کہتا ہے اس کی تبلیغی سرگرمیوں میں ریلوے اسٹیشنوں پر پمفلٹ وغیرہ تقسیم کرنا شامل ہے۔ چار دوسری مساجد شہری مانٹریال کے ساؤتھ شور، نارتھ شور اور ویسٹ آئی لینڈ کے دور دراز کے مضافاتی علاقوں میں واقع ہیں۔ اگرچہ آئی سی کیو اور ایم سی کیو کے درمیان مسجد کے کردار اور وظائف کے بارے میں اختلافات ہیں لیکن دوسری مساجد قائم کرنے کی حکمت عملی کی بنیاد جغرافیائی ہے۔

۱۹۸۰ء میں مسلمانوں کے ایک چھوٹے سے گروہ مسلم ویلفیئر آرگنائزیشن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(فلاح مسلمین) نے ضرورت مند مسلمانوں کی امداد کے لیے دونوں مساجد کو ایک ایک ہزار ڈالر کا عطیہ دینے کا فیصلہ کیا۔ وہ مختلف مسجدوں کے شرکاء اور مسلمان طلباء کی امداد کے لیے ایک خدمتی گروہ کے طور پر اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔[۵] اس گروہ نے اندرون شہر ایک نئی اور بہت بڑی مسجد تعمیر کرنے کے لیے ایک قطعہ زمین خرید لیا ہے جس میں ایک لیکچر ہال، ایک دارالمطالعہ اور پانچ ہزار نمازیوں کے لیے ایک بڑا ہال ہوگا۔ انہوں نے کافی رقم جمع کر لی ہے اور انہیں توقع ہے کہ اگلے سال وہ تعمیر کا کام شروع کر دیں گے، اُن کے خیال اور منصوبہ بندی کے مطابق یہ مسجد صرف عبادت گاہ نہیں ہوگی بلکہ شہر کے مسلمانوں کی ذہنی اور ثقافتی زندگی کا بھی مرکز ہوگی۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا ہے کہ مسجد مالی لحاظ سے خود کفیل ہو۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے مسجد کے ساتھ متعدد اسٹور تعمیر کئے جائیں گے۔

مضافات میں واقع چار دوسری مسجدیں رقبے میں چھوٹی ہیں اور عام طور سے ایک چھوٹے سے مکان پر مشتمل ہیں جن میں نماز کے ایک کمرے کے علاوہ دفتروں اور مذاکروں کے لیے چند چھوٹے کمرے ہوتے ہیں۔ مضافات کا ہر مرکز نماز کی ادائیگی اور مقامی مسلم آبادی کی ملاقاتوں کے کام آتا ہے۔[۶] شمالی مانٹریال میں ایک مرکز الجزائر والوں نے اور دوسرا شمالی افریقہ والوں نے بنایا تھا۔ یہ لوگ اسی علاقے میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ اس احساس کے ساتھ ایک گورننگ بورڈ بنا دیتے ہیں کہ تمام نسلی گروہوں کی نمائندگی ہو سکے۔ شہر کے اس علاقے میں مسلم آبادی غالب طور پر فرانس نواز ہے۔

۱۹۸۸ء میں جب ویسٹ آئی لینڈ کے مضافات میں چھوٹی سی نئی مسجد مکتہ المکرمہ تعمیر ہوئی تو اس کے قوانین وضوابط میں یہ طے کر دیا گیا کہ اس کا تعلق مخصوص افراد (یا گروہ) سے نہیں بلکہ خدا سے اور مسلم برادری سے ہوگا۔ مسجد کا انتظام ایک کمیٹی (مجلس شوریٰ) کے سپرد ہوگا جس کے ارکان ایک مُعین مدت کے لیے منتخب کیے جائیں گے۔ ہر سال ایک عام انتخاب ہوتا ہے جس کے ذریعے پندرہ میں سے پانچ ممبر تبدیل کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ مانٹریال کی مسجدوں کا مخصوص انتظام ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسجد کی انتظامیہ پر مخصوص افراد یا گروہوں کا غلبہ نہیں ہوگا۔ اس چھوٹی سی مسجد کے امام کا تعلق جنوبی ایشیا سے ہے جنھوں نے سعودی عرب میں تعلیم حاصل کی ہے اور انہیں اردو اور عربی دونوں زبانوں میں مہارت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل ہے۔ اس طرح وہ ان تمام تارکین وطن مسلمانوں سے بخوبی گفتگو کر سکتے ہیں جو اُن سے ملنے آتے ہیں۔

شہر کے مرکزی علاقے سے خاصے قریب ایک شیعہ مسجد بھی ہے۔ اس مسجد میں آنے والوں کی اکثریت جنوبی ایشیا کے اثنا عشری شیعوں کی ہوتی ہے۔ ان میں سے زیادہ تر اس وقت افریقہ سے کینیڈا آئے تھے جب جنوبی ایشیا کے بہت سے لوگوں کو کئی افریقی ممالک سے نکلنا پڑا تھا۔ اس مسجد کی عمارت مالی لحاظ سے خودکفیل ہے۔ اس میں ملاقاتی کمروں کے اوپر رہائشی مکانات بنے ہوئے ہیں (عورتیں ایک علیحدہ ہال میں جمع ہوتی ہیں جہاں مردوں والے نماز کے ہال میں منعقدہ تقریبات کوٹی وی کے ذریعے دکھایا جاتا ہے۔) اس مسجد کا ایک آئین ہے جس میں مسجد کے انتظامی ڈھانچے کو پیش کیا گیا ہے۔[8] مذہبی امور کے لیے ایک ڈائریکٹر اور ایک جوائنٹ ڈائریکٹر ہر سال مقرر کیے جاتے ہیں۔ ڈائریکٹر شریعت کے معاملات میں اثنا عشری جعفری عقیدے کے مطابق فتوے دیتے ہیں جن کی پابندی تمام ارکان پر لازمی ہے جب تک کہ اس کے خلاف فتویٰ اس عقیدے کے مرکزی قائد (علامہ: مجتہد اعظم) یا اس کے تسلیم شدہ جانشین سے حاصل نہ کرلیا جائے۔

شیعوں کے ایک دوسرے گروہ اسماعیلیوں نے شہر کے مرکز کے قریب ایک مضافاتی علاقے میں ایک جماعت خانہ بنا رکھا ہے۔ ایک دوسرا چھوٹا سا جماعت خانہ ویسٹ آئی لینڈ میں بھی واقع ہے۔ ان میں سے زیادہ تر لوگ جنوبی ایشیا کی اِن اسماعیلی برادریوں سے مانٹریال آئے تھے جنھیں افریقہ سے نکلنا پڑا تھا۔[9] ان میں سے بعض فرانسیسی بولنے والے افریقی ممالک سے آئے ہوئے ہیں، اور اکثر نے فرانسیسی کی عمدہ تعلیم حاصل کررکھی ہے۔ فرانسیسی اور انگریزی بولنے والے اسماعیلیوں کے فکر و عمل میں قریبی مماثلت کے باوجود ان میں واضح اور قابل شناخت فرق موجود ہے۔

احمدیہ تحریک (قادیانیوں) جس کے پاس بھی مانٹریال کے مضافات میں ایک چھوٹا سا مرکز ہے۔ یہ پابندی کے ساتھ معاصر مسائل پر بین المذاہب مذاکرے کرتے ہیں۔ اس کا عام طریقہ یہ ہے کہ تمام اہم فرقوں کے نمائندے کسی ایک مسئلے پر بولتے ہیں جب کہ احمدیہ برادری کا کوئی ممبر سب سے آخر میں بولتا ہے۔ تسلسل کے ساتھ ہونے والے بین المذاہب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذاکرے احمدیہ برادری کو دوسرے مذہبی گروہوں میں باضابطہ طور پر متعارف کراتے ہیں۔

مصر اور سوڈان کی برہانیہ تحریک سے وابستہ افراد مانٹریال میں صوفیوں کا سب سے بڑا گروہ ہیں اگرچہ چند اور بھی صوفی گروہ اپنے اجتماعات منعقد کرتے ہیں۔[۱۰] اس گروہ کے ایک شریک بانی کو تصوف میں اس وقت دلچسپی پیدا ہوئی جب وہ قاہرہ میں طالب علم تھے اور وہاں انھوں نے ایک مسجد میں تصوف کے بارے میں وعظ سنا تھا۔ ان کے نزدیک صوفی جماعت عبادت اور خدمت کا راستہ تھی جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یہ راستہ ان کے حلقے کے صوفی مشائخ سے آیا ہے۔ مانٹریال گروہ کا دوسرا بانی ایک فرانسیسی نژاد کینیڈین باشندہ ہے جس نے اسلام اس وقت قبول کیا تھا جب وہ یونیورسٹی آف مانٹریال میں طالب علم تھا۔[۱۱] ۱۹۸۷ء میں جو مرکز ان لوگوں نے قائم کیا تھا وہ ایک مکان کی نچلی منزل میں تھا۔ مصری قائد، ان کی فرانسیسی کینیڈین بیوی اور ان کے بچے بالائی منزل میں رہتے ہیں۔ وظائف و اوراد، حاضرہ، ہر سنیچر کی رات کو ہوتے ہیں اور تبادلہ خیال ہفتے کے اختتام پر ہوتا ہے۔ اس میں پابندی کے ساتھ شریک ہونے والے زیادہ تر مصری، سوڈانی اور صومالوی ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ ہی کچھ فرانسیسی کینیڈین بھی۔ تارکین وطن اکثر وہ ہوتے ہیں جو افریقہ سے ترک وطن کر کے آئے ہیں اور ان کے نغمات میں لحن کی ہم آہنگی ان کے افریقی مذہبی تجربے کی یاد دلاتی ہے۔ ان شرکاء میں اکثریت طلباء کی یا ان ملازمت پیشہ نوجوان لڑکوں کی ہے جنھیں اس گروہ کی صورت میں ایک ایسی برادری مل گئی ہے جس میں افریقی اور فرانسیسی کینیڈین واضح طور پر اخوت اور باہمی قبولیت میں حصہ دار ہیں۔

مسجدوں اور صوفیاء کے حلقوں کے علاوہ مانٹریال میں مسلمانوں کی رضا کارانہ انجمنیں موجود ہیں۔ شہر کی چاروں یونیورسٹیوں یعنی دو انگریزی اور دو فرانسیسی میں مسلم طلباء کے گروہ موجود ہیں دو مقامی فرانس نواز رضا کارانہ انجمنیں بھی یہاں موجود ہیں یعنی سی ایم آر آئی[۱۲] اور سی ای اے ڈی۔[۱۳] سی ایم آر آئی کے صدر مراکش کے رہنے والے ہیں، سی ای اے ڈی کی قیادت کا جھکاؤ لبنان اور مصر کی طرف ہے، اس میں مسلمان بھی ہیں اور عیسائی بھی۔ یہ دونوں گروہ تحقیقی اور عوامی کانفرنسوں اور خطبات کا انتظام کرتے ہیں۔ اور ان کی کارروائیاں عام طور سے فرانسیسی زبان میں ہوتی ہیں، اگرچہ سی ایم آر آئی نے متعدد بڑی بڑی دولسانی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کانفرنسیں بھی منعقد کی ہیں جن میں مسلمانوں کے رسمی اور عام موضوعات مقامی اخبارات کے ذریعے منظر عام پر لائے گئے ہیں۔

کینیڈا کا تجربہ

کینیڈا کا قانون مسجدوں کے لیے ایک مالی طور پر ذمہ دار انتظامی بورڈ اور ایک آئین کو لازمی قرار دیتا ہے۔ ارکان کی فہرست بھی ضروری ہے کیونکہ ارکان بورڈ کے انتخاب کے لیے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ بہت سے مسلمان رکن بنے بغیر نماز اور دوسری سرگرمیوں کے لیے مسجدوں کو استعمال کرتے ہیں اور وہ اس سہولت کو پسند کرتے ہیں کہ وہ مختلف مسجدوں میں جائیں اور مختلف جگہوں پر نماز پڑھیں۔ بہر حال کیوبیک کے سیاق وسباق میں فہرست ارکان کی قانونی ذمہ داری بذات خود کسی ایک مخصوص مسجد کی برادری میں شرکت کی ہمت افزائی کرتی ہے۔

سنی اور شیعہ دونوں مسجدوں میں امام یا مذہبی امور کے ڈائریکٹر بورڈ کے سامنے جوبداہ ہوتے ہیں۔ سنیوں کی توقعات یہ ہوتی ہیں کہ امام کسی مدرسے کا مستند تعلیم یافتہ ہوگا لیکن اس عہدے کی کوئی ایسی تعریف موجود نہیں ہے جو فیصلوں یا مشوروں کے حوالے سے اسے کوئی حتمی اقتدار دیتی ہو۔ سنیوں میں مذہبی قانون کے معاملات میں مشورہ عموماً مسلمانوں کے قدیم مکاتب فکر کی روایتی تفہیم کے مطابق دیا جاتا ہے۔ ایم سی کیو کا آئین کہتا ہے کہ فقہی معاملات میں اختلافات کی صورت میں کونسل آف ٹرسٹیز کا فیصلہ قطعی ہوگا۔ [۱۴] شیعوں کے معاملے میں خط اختیار بہت واضح ہے۔ شیعہ نہ صرف روایتی فقہ کا سہارا لیتے ہیں بلکہ وہ ایک زندہ فرد سے بھی رجوع کرتے ہیں جسے مذہبی قوانین کے معاملے میں مختارِ قطعی سمجھا جاتا ہے، جب کہ سنی فیصلے کا آخری اختیار معزز اشخاص کے ایک مقامی گروہ کو حاصل ہے۔ اس طرح اختیار سے متعلق سنیوں اور شیعوں کے روایتی اختلافات کو ایک سیکولر قوم میں رضا کارانہ انجمنوں کی نئی صورت حال سے منطبق کرلیا جاتا ہے۔ نسلی پس منظر کا تنوع، جو مانٹریال کی مسلم برادری کی خصوصیات کو ظاہر کرتا ہے وہ ان کے لسانی اختلافات کی وجہ سے مزید پیچیدہ ہوجاتا ہے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگرچہ شہر کے بعض حصوں کے تجارتی اور دوسرے پیشہ ورانہ میدانوں میں انگریزی بولی جاتی ہے لیکن کیوبیک واضح طور پر کینیڈا کا فرانسیسی بولنے والا صوبہ ہے۔ کسی بھی قسم کی تجارت میں فرانسیسی لازمی ہے۔ انگریزی بولنے والوں کو رفتہ رفتہ فرانسیسی کو رابطہ کا ذریعہ بنانا پڑ رہا ہے تاہم فرانسیسی بولنے والوں کے لیے انگریزی کی یہ حیثیت نہیں ہے۔ فرانسیسی بولنے والے شمالی افریقی یا لبنانی مسلمان کبھی انگریزی نہیں سیکھیں گے جب تک کہ انھیں ثقافتی تعلقات بڑھانے کے لیے اس کی کوئی خاص ضرورت نہ ہو۔ مسجدوں میں ان اختلافات کو عارضی طور پر حل کرلیا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر کہیں انگریزی یا فرانسیسی دونوں ہی باہمی طور پر نہ سمجھی جاسکیں تو ایسے موقعوں پر اکثر عربی کا سہارا لیا جاتا ہے۔ مسلمان اپنے مختلف نسلی پس منظر سے واقف ہیں اور وہ مشترکہ زندگی اور معمولات کا تسلی بخش تجربہ حاصل کرنے کے لیے ان اختلافات پر پوری طرح قابو پالیتے ہیں۔

نماز اور روزے کے بنیادی فرائض سے متعلق مختلف نسلی پس منظر کے مسلمانوں میں ان کی ادائیگی کے طریقوں میں نمایاں اختلاف موجود نہیں ہے۔ یہ تمام لوگ مسجد میں مقررہ اوقات پر اس بات کی فکر کے بغیر اپنی نمازیں ادا کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ کھڑے ہونے والے کا تعلق دنیا کے کس ملک سے ہے۔ تاہم شادی بیاہ وغیرہ کی تقریبات میں اور نفلی عبادات (روزانہ کی پانچ نمازوں سے الگ) میں طریقہ کار کا تنوع نمایاں ہوجاتا ہے۔ مثال کے طور پر بنگلہ دیشی برادری کے بہت سے لوگ ایک تقریب میں شریک ہوتے ہیں جسے میلاد النبی کہتے ہیں۔ حضور اکرم [ﷺ] کی یاد منانے کا یہ بنگلہ دیشی طریقہ بعض عربوں کے لیے غیر معروف ہے اور مانٹریال میں اس تقریب میں عموماً جنوبی ایشیا کے لوگ شریک ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کے درمیان اختلافات کے مختلف اسباب ہوسکتے ہیں: لسانی پس منظر ان میں سے ایک سبب ہے لیکن کسی مخصوص گروہ کا تاریخی پس منظر بھی دوسرے گروہوں کے ساتھ اس کے تعلقات پر اثر انداز ہوسکتا ہے۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے کی ابتدا میں پاکستان اور بنگلہ دیش کے درمیان تصادم کے مرحلے پر بنگلہ دیشی تارکین وطن پاکستانیوں سے میل جول سے احتراز کرتے تھے اور یہ بات قابل فہم بھی تھی۔ حال میں آنے والے بہت سے بنگلہ دیشی تارکین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وطن وہ تھے جن کے پاس نہ روپیہ تھا اور نہ کوئی حیثیت۔ تاہم اب بہت سے بنگلہ دیشی مسلمان ایسے ہیں جو شہر کی وسیع مسلم برادری میں بہت معروف ہیں۔ ساؤتھ شور کی مسجدوں میں، جہاں جنوبی ایشیا والے کافی تعداد میں موجود ہیں، بنگلہ دیشی وسیع تر گروہ میں گھلتے ملتے جارہے ہیں۔

جنوبی ایشیائی اور دوسرے ثقافتی اور لسانی گروہ بھی تبلیغی جماعت کے بارے میں اپنے رویوں کے لحاظ سے منقسم ہیں۔ یہ تحریک ۱۹۷۰ء کے عشرے کے اواخر سے آئی سی کیو میں بہت مستحکم ہے۔ اس کے شرکاء کی بہت بڑی تعداد اسی علاقے کے مسلمانوں سے آتی ہے۔ تبلیغی تحریک کی ابتدا دہلی کی ایک صوفی خانقاہ سے ہوئی تھی۔[15] اس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ دین دار مسلمان رضا کارانہ طور پر دہلی کے نواح میں نیم اسلامی دیہاتوں کا گشت کریں اور ان دیہاتوں کے مسلمان باشندوں کی اس امر میں ہمت افزائی کریں کہ وہ اپنی عبادت کو پاکیزہ اور اخلاقی معاملات کو دوسرے غیر مسلم عناصر سے ممتاز بنائیں۔ اب یہ تحریک جنوبی ایشیا کے تمام ممالک کے ساتھ ساتھ شمالی امریکا، یورپ اور بقیہ مسلم دنیا میں پھیل چکی ہے۔

جو لوگ تبلیغی تحریک کو اہمیت دیتے ہیں وہ اسے بے پروا مسلمانوں کو اپنے مذہبی فرائض کی طرف بلانے کا ایک مؤثر طریقہ سمجھتے ہیں، جن لوگوں کو اس تحریک سے کم ہمدردی ہے وہ اسے غیر دانشمندانہ اور عبادات کے لحاظ سے غیر معقول حد تک قدامت پسندانہ سمجھتے ہیں۔ تبلیغی جماعت کے ارکان کی اس امر میں ہمت افزائی کی جاتی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کریں اور اس مقصد کے لیے قیدیوں سے ملاقاتوں اور ارکان اسلام کی یاددہانی کے لیے مسلمانوں کے گھروں پر حاضری دینے کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اس کو بعض مسلمان بہت پسند کرتے ہیں جب کہ دوسرے ناپسند کرتے ہیں۔

جیسا کہ تبلیغی جماعت کے بارے میں اختلاف رائے سے ظاہر ہوتا ہے، مسلمانوں کی زندگی کے دوسرے طریقوں میں بھی اختلافات نہ صرف مختلف ملکوں کے مسلمانوں کے درمیان بلکہ ایک ہی ملک کے لوگوں کے درمیان بھی موجود ہیں، اس اختلاف کا تجربہ مجھے ابھی کچھ دنوں پہلے ہوا جب میں ایک کلاس کے طلباء کو برہانیہ صوفی طریقہ یا حاضرہ کا مشاہدہ کرانے لے گیا۔ میرے کلاس کا ایک طالب علم، جو مصری ہے (اور مانٹریال کی صوفی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحریک کا شریک بانی بھی ہے) لیکن اس کا تعلق اصلاح پذیر (سلفی) روایات سے ہے[۱۶] صوفیوں کے مذہبی طورطریقے دیکھ کر بڑا پریشان ہوا اور اسے یہ طریقے بڑے ناگوار محسوس ہوئے۔[۱۷] ان اختلافات کی ابتدا چودھویں صدی عیسوی میں ابن تیمیہ کی اسلامی رسوم و رواج پر تنقیدوں سے ہوئی ہے اور اس وقت سے آج تک مسلمان بٹے ہوئے ہیں۔[۱۸]

یہ موضوع آج کل خاص طور سے مانٹریال کے نوجوان مسلمانوں میں بڑا اشتعال انگیز ہے۔ "اصلاح شدہ روایت،" صوفیوں کی تعظیم، صوفیہ کے مزارات کی زیارت اور شفاعت کے لیے دعاؤں کو مسترد کرتی ہے اور عقائد و عبادات میں پہلی نسل کے مسلمانوں [صحابۂ کرامؓ] کے طور طریقے اختیار کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ مانٹریال میں فعال مسلمان یہ کہہ کر صوفیہ کو بدنام کرتے ہیں کہ یہ اسلام کی ایک بگڑی ہوئی شکل کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ لوگ ان پر اس بات کا بھی الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے بنیادی اسلامی نظریات کو فراموش کر دیا ہے اور ایک ایسے طریقے پر عمل کر رہے ہیں جو انہیں استعماری غیر ملکی غلبے کے مقابلے میں بے عملی کی طرف مائل کرتا ہے۔ دوسری جانب صوفیہ یہ کہتے ہیں کہ اپنے مرشدوں کے واسطے سے ان کا روحانی سلسلہ پیغمبر اسلام [ﷺ] تک پہنچتا ہے۔ وہ خود کو ایسی روحانی مشقوں کا عامل سمجھتے ہیں جن کی افادیت وقت سے ماورا ہے اور جس کا نتیجہ اپنی ذات اور نفس کی آزادی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔[۱۹] وہ اپنی ذات کی نفی کرتے ہیں اور اپنے روحانی مرشد کی حکمت و دانائی پر اعتماد کرتے ہیں۔ مانٹریال گروہ کے ارکان خود کو مسلم زاہدانہ زندگی کے طویل تاریخی ورثے کا ایک حصہ سمجھتے ہیں۔ ان کے پاس عالم عرب اور یورپی ممالک کے دوسرے گروہوں کے غنائیہ کیسٹس ہیں اور وہ دوسری جگہ کے صوفیہ سے اپنے برادرانہ تعلقات کی وجہ سے خوب واقف ہیں۔ صوفیہ کے لیے شہر کی دوسری مسجدوں میں نماز کی ادائیگی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مسئلہ دراصل مذہبی عبادات کے دوسرے طریقوں کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جیسے شیعوں کے معاملے میں حاضرہ کا مسئلہ جو کئی صدیوں سے نمایاں ہوا ہے۔

سی ایم آر آئی نے مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کی ایک سہ رکنی کمیٹی کا انتظام کیا ہے۔ جب سلمان رشدی کی کتاب شیطانی آیات شائع ہوئی تو اس کمیٹی نے مانٹریال کے اخبارات میں پیسے دے کر تینوں برادریوں کے دستخطوں سے ایک اشتہار چھپوایا تھا جس میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثقافت کے احترام کے سلسلے میں اقوام متحدہ کی سفارشات کے حوالے سے ایک متوازن رویئے کی سفارش کی گئی تھی۔"[20] ایک اور پریس ریلیز کے ذریعے سنی مساجد، شیعہ تنظیم، دی آغا خان کونسل آف کیوبیک، پانچ نسلی انجمنوں، تین طلباء تنظیموں اور متعدد چھوٹی چھوٹی فلاحی انجمنوں سمیت مانٹریال کی پچیس مسلم تنظیموں کا اظہاریہ چھپا تھا۔ اس پریس ریلیز میں کینیڈا کی حکومت کے اس فیصلے پر اظہار افسوس کیا گیا تھا کہ اس نے رشدی کی کتاب کی درآمد کی اجازت دے دی تھی۔ اس اظہاریہ میں حکومت سے یہ بھی مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ مسلم علماء اور اسلامی عقائد سے واقف لوگوں پر مشتمل ایک بورڈ قائم کرے جو اس کتاب پر نظر ثانی کرے اور اس کی تقسیم پر پابندی کو بحال کرے۔"[21] اس پریس ریلیز میں کہا گیا تھا کہ "کینیڈا کے شہریوں کی حیثیت سے ہم اس بات کو اپنی آزردگی کا سبب سمجھتے ہیں کہ ہمارے مذہبی عقائد پر اس پُرفریب اور فحش حملے کے خلاف، جو اسلام کو بدنام کرنے کی ایک سوچی سمجھی کوشش ہے، ہمیں اپنا احتجاج درج کرانے کے لیے اپنے حق کی وضاحت کرنا پڑی ہے"۔

اس بیان سے ظاہر ہونے والا تاثر، یہ ہے کہ کینیڈین معاشرے میں اسلام کو غلط انداز میں سمجھنا، مانٹریال کے حوالے سے مسلمانوں کو متحد کرنے کی سب سے بڑی قوت ہے۔ کینیڈا کے مسلمان ذرائع ابلاغ میں اسلام سے متعلق غلط باتوں کی اشاعت پر بہت خفا ہیں اور ان میں سے اکثر کو ذاتی امتیاز اور تعصب کا بھی تجربہ ہوا ہے۔ یہ لوگ بہت سے مسائل پر ایک دوسرے سے اختلاف کر سکتے ہیں لیکن اگر ان کی ثقافت کے بارے میں غلط اور غیر واجب گھسی پٹی خبریں چھاپی جائیں تو اس صورت میں یہ لوگ ایک ہو جاتے ہیں۔ رشدی والے معاملے کے دوران بعض لوگوں نے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے ایک جلسہ عام منعقد کرنے کی کوشش کی، بعض لوگوں نے "رشدی کو پھانسی دو" قسم کے نعرے لگا کر اس جلسے کو درہم برہم کر دیا۔ قرآن پاک کی تلاوت کر کے نظم و ضبط بحال کیا گیا اور اجلاس دوبارہ شروع ہوا لیکن ذرائع ابلاغ نے اپنی ساری توجہ اسی چیخنے والی اقلیت پر مرکوز رکھی۔ اس طرح کینیڈا کے رہنے والے دوسرے لوگوں کے سامنے ایک معتدل مسلم نقطۂ نظر پیش کرنے کی کوشش ناکام ہوگئی اور ایک بار پھر عوام نے صرف انتہا پسندوں کی آواز سنی۔ سی ای اے ڈی کی سرگرمیوں کا زیادہ جھکاؤ خاص طور سے لبنان، فلسطین اور عرب دنیا کے مسائل سے متعلق

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرانسیسی زبان میں عوامی خطابات اور کانفرنسوں پر رہتا ہے۔ کیوبیک کے بہت سے طلباء نے اپنا ایک گروپ بنالیا ہے جسے وہ ''سلام'' کہتے ہیں۔ یہ گروہ لبنان اور فلسطین کی سیاحت کر چکا ہے۔ خلیج کی جنگ کے دوران جو لوگ عرب دنیا کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ان کے لیے سی ای اے ڈی اور سلام نے باخبر اصحاب مقرر کیے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مانٹریال میں اسلام کے بارے میں عوامی تصور میں کچھ تبدیلی آرہی ہے۔ کینیڈا کا ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات، یہ سب مقامی مسلمانوں کے تاثرات بیان کرنے کے لیے مسلمانوں ہی سے رجوع کرتے ہیں۔ اگر چہ گھسے پٹے مسائل اب بھی دُہرائے جاتے ہیں لیکن صحافی، اُستاد، سماجی کارکن اور دوسرے لوگ معقول حد تک اِس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام کی بہتر تفہیم کے لیے مسلم رائے عامہ سے مشورہ کیا جائے۔ میں نے ۱۹۹۱ء میں پہلی بار مقامی ریڈیو سے رمضان کا چاند دیکھے جانے کی خبر سنی جس کے ساتھ رمضان کے روزوں کے طور طریقوں کی وضاحت بھی کی گئی تھی۔ بچوں کے مقامی اسپتال میں ہر منزل پر نوٹس لگا کر رمضان کے معنی و مفہوم کی وضاحت کی جاتی ہے۔ مانٹریال میں قائم ایک ٹی وی چینل مقامی گروہوں کے تیار کردہ پروگرام پابندی کے ساتھ دکھاتا ہے اور مسلمان اکثر وژن ٹی وی پر مذہبی گروہوں کی نشریات میں حصہ لیتے ہیں۔ مسلمانوں سمیت نسلی اور مذہبی گروہوں کی ریڈیو نشریات ہفتہ میں ایک رات کو پیش کی جاتی ہیں۔

جس طرح مانٹریال کی برادری میں نسلی اور قومی تنوع سے پوری مسلم دنیا کا تنوع جھلکتا ہے۔ اسی طرح عورتوں کے کردار کے بارے میں مختلف تصورات اور رویوں میں وسیع تر اسلامی تہذیب کے رویوں اور طور طریقوں کا تنوع نظر آتا ہے۔ اس منظر نامے کے ایک طرف تبلیغی جماعت ہے جو یہ دعویٰ کرتی ہے کہ اسلامی فرائض کی وفادارانہ ادائیگی دونوں جنسوں کے درمیان علیحدگی کا تقاضا کرتی ہے۔ اس شہر میں بہت سی ایسی مسلم خواتین ہیں جو اپنے گھروں سے شاذو نادر باہر جاتی ہیں اور اپنے افراد خاندان کے علاوہ کسی اور شخص سے ان کا کوئی رابطہ نہیں۔ اس کے برعکس دوسری طرف وہ عورتیں ہیں جو اپنے گھروں سے باہر جاکر رضا کارانہ طور پر مسلم انجمنوں کے لیے کام کرتی ہیں۔ بعض خواتین وہ ہیں جو اپنا سر ڈھانکے بغیر کبھی باہر نہیں نکلیں گی جب کہ دوسری خواتین وہ ہیں جو دوپٹہ اوڑھنے سے انکار کرتی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلم برادری میں صنفی لحاظ سے رویوں اور توقعات میں پائے جانے والے ابہام اور تنوع کی وجہ سے بعض اوقات یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اختلافی تناظرات کو ہم آہنگ کرنے کے لیے خصوصی یا عارضی انتظامات کیے جائیں۔[۲۲] سی ایم آر آئی اور سی ای اے ڈی دونوں نے کینیڈا اور وسیع تر مسلم برادری کی عورتوں سے متعلق مسائل پر کانفرنسیں منعقد کی ہیں۔ مسلم خاندانی زندگی اور عورتوں کے کردار پر مختلف مسجدوں اور طلباء برادریوں میں پابندی کے ساتھ مہمان مقرروں اور مذاکروں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ قومی کینیڈین مسلم ویمنز ایسوسی ایشن، جس کی مانٹریال میں بھی ایک شاخ ہے، تقریروں اور مباحثوں کا اہتمام کرتی ہے۔

مسلم عائلی زندگی کے متعلق ایک ایسے ہی عوامی جلسے میں حاضرین میں موجود کسی بھی نوجوان کو دعوت دی گئی کہ وہ شادی کے سلسلے میں ایسوسی ایشن کے ممبروں سے مشورہ کرے جو شادی کے لیے ممکنہ جوڑوں کی ملاقات میں آسانی پیدا کرسکیں۔ نوجوانوں کے موسم گرما کے کیمپوں اور طلباء انجمنوں نے بھی شادی کے قابل نوجوان لوگوں کو ملانے میں مدد دی ہے۔

وہ خواتین جو عورتوں کے کردار کے تناظر کو تبدیل کرنے میں دلچسپی رکھتی ہیں وہ مسجد کی جمعیتوں کے مقابلے میں رضاکار قومی اور نسلی انجمنوں میں زیادہ فعال نظر آتی ہیں۔ جنوبی ایشیائی خواتین میں وہ شامل ہیں جو بے نظیر بھٹو اور بنگلہ دیش کی موجودہ قائد خالدہ ضیاء کی قائدانہ صلاحیتوں کو بہت پسند کرتی ہیں۔[۲۳] جنوبی ایشیائی اور عرب تارکین وطن خواتین میں، جن میں سے بہت سی یونیورسٹیوں کی گریجویٹ ہیں، اس امر پر اختلاف ہے کہ مسجد یا دوسری رضاکارانہ انجمنوں میں عورتوں کی شمولیت کس حد تک ہونی چاہیے۔ بعض تو ساؤتھ ایشین ویمنز سینٹر میں بھی شریک رہتی ہیں جن کی ارکان ہندو، عیسائی، مسلمان اور بدھ خواتین ہیں۔[۲۴] روایتی رویوں پر تنقید کرنے پر آمادگی بہت سی مسلمان عورتوں کی خصوصیت ہے جنھیں عورتوں کی بدلتی ہوئی حیثیت سے تعلق رہتا ہے۔[۲۵] دوسری عورتیں وہ ہیں جو آزاد معاشرے کو غیر اخلاقی اور خطرناک سمجھتی ہیں اور اپنی بہنوں کو اس امر پر آمادہ کرتی ہیں کہ وہ بیرونی دنیا کے آزاد معاشرے سے الگ تھلگ رہیں۔[۲۶] آزاد معاشرے کی تعریف مسلمانوں کی اخلاقی پاکیزگی کے لیے خطرناک کے طور پر کرنا، مسلمانوں کے لیے شمالی امریکا کی زندگی اپنانے کا ایک نمایاں رخ معلوم ہوتا ہے۔ مسلمان غیر دینی انسانیت (Secular Humanism)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے خطرات کی باتیں کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ یہ وہ ترکیب ہے جو بنیاد پرست عیسائیوں کی معاصر معاشرتی اقدار پر تنقید کے لیے مخصوص ہے۔ کسی وسیع تر معاشرے کی روایات کو اپنی مذہبی روایت کی پاکیزگی کے مقابلے میں ناپاک قرار دینا مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں میں مشترک ہے۔ اس میں خاص توجہ اس اخلاقی بگاڑ پر دی جاتی ہے جس کا تعلق خاندانی ساخت میں تبدیلیوں سے ہوتا ہے۔

سی ایم آر آئی اور سی ای اے ڈی کے زیر اہتمام مانٹریال میں ہونے والی چند کانفرنسوں نے مسلمان خواتین کے بدلتے ہوئے حالات کا ایک عالمی تناظر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر ۱۹۸۵ء میں سی ایم آر آئی نے صوبائی اور وفاقی دونوں حکومتوں کے تعاون سے ایک چار روزہ اجلاس منعقد کیا تھا جس کا موضوع تھا: ''تیسری دنیا اور کینیڈا کی مسلمان خواتین''۔ اس موقع کے لیے نیشنل فلم بورڈ آف کینیڈا کی خواتین ڈویژن نے دستاویزی فلمیں مہیا کیں جن کی روشنی میں بنگلہ دیش، مصر، پاکستان اور الجزائر کی مہمان مقررین نے اپنے اپنے ملکوں میں خواتین کے مسائل پر گفتگو کی تھی۔ سرکاری اور مقامی نمائندوں نے کینیڈا کے مسائل مثلاً تارکین وطن خواتین کے لیے سماجی خدمات کے موضوع پر تقریریں کیں۔ بعد میں یہ مقالات سی ایم آر آئی نے شائع کر دیئے تھے [۲۷] نومبر ۱۹۸۷ء میں سی ای اے ڈی نے ایک سیمینار کا اہتمام کیا جس کا عنوان تھا ''عرب خواتین اور کینیڈا کی خواتین: ۱۹۸۰ء کے عشرے کی کامیابیاں اور چیلنج'' اس سیمینار کے مقالات کو فرانسیسی زبان میں سی ای اے ڈی نے شائع کر دیا تھا۔[۲۸] یہ مباحثے تیونس، مصر، فلسطین اور لبنان میں عورتوں کی سرگرمیوں سے متعلق تھے۔ کانفرنس نے اپنی سرگرمی بطور خاص میکسیکو اور نیروبی میں اقوام متحدہ کے زیر اہتمام اجلاسوں پر مرکوز رکھی۔ سی ای اے ڈی نے ''عالم عرب میں خواتین'' کے موضوع پر مقالات کا ایک مجموعہ بھی شائع کیا ہے جس میں مقامی اخبارات اور مسلم خواتین کی تحریریں شامل ہیں۔

نوجوانوں تک روایتی اقدار پہنچانے کا مسئلہ متعلقہ مسجد برادریوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ اس پر مسلمانوں نے اِس موضوع پر مباحثے کئے اور اِس سلسلے میں انہیں صوبائی تعاون حاصل ہوا اور کسی نہ کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ کیتھولک اسکولوں نے اخلاقی تعلیم کے سلسلے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کلاس یا خط وکتابت کے ذریعے تعلیم مہیا کی اور پروٹسٹنٹ اسکولوں نے اخلاقی اور مذہبی تعلیمات کے سلسلے میں ایسا نصاب وضع کیا ہے جس کی بنیاد اجتماعیت پر رکھی گئی ہے اور جو تمام مذہبی روایات سے تعلق رکھتا ہے۔ یہودیوں کے بھی متعدد اسکول ایسے ہیں جنھیں اس سلسلے میں سرکاری اعانت حاصل ہے اور اس کے ساتھ ہی بعض نجی اسکول ایسے بھی ہیں جو مخصوص نسلی گروہوں کے لیے گنجائش نکالتے ہیں۔

۱۹۸۵ میں ایم سی کیو (مسلم کمیونٹی آف کیوبیک) کے احاطے میں ایک مسلم اسکول قائم کیا گیا۔ یہ اسکول کنڈرگارٹن کے مرحلے سے شروع ہوا تھا اور اب یہاں تمام ابتدائی درجوں کی تعلیم ہوتی ہے۔ بہت جلد ہائی اسکول قائم کرنے کا بھی منصوبہ ہے، اس کا نصاب صوبائی حکومت کے فرانسیسی نصاب کے مطابق ہے لیکن اس میں اسلامیات اور تاریخ اسلام کے اضافی مضامین بھی شامل ہیں۔ انگریزی اور عربی بھی پڑھائی جاتی ہے۔ اس اسکول کے پرنسپل کا تعلق نائیجیریا سے ہے جنھوں نے ایک ایسے اسلامی اسکول میں تعلیم پائی تھی جو اپنے تعلیمی معیار کو نائیجیریا کے برطانوی اسکولوں کے برابر رکھنا چاہتا تھا۔[۲۹] اس اسکول میں بڑے نظم وضبط اور مقصدیت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ بچے یہاں کے ماحول میں خود کو جذباتی طور پر بڑا محفوظ اور مطمئن محسوس کرتے ہیں۔ تقسیم اسناد کی ایک تقریب میں تقریباً بیس ملکوں کی نمائندگی کرنے والے یہاں کے بچے اپنے اپنے ملکوں کے لباس میں شریک ہوئے تھے اور انھوں نے تلاوت اور نغمہ سرائی کا مظاہرہ کیا تھا۔ طلباء پر اس تعلیمی ڈھانچے کا اثر معلوم کرنا ابھی قبل از وقت ہوگا لیکن اندازہ یہ ہوتا ہے کہ یہاں سے گریجویشن کرنے والے نوجوان لڑکے کیوبیک اور کینیڈا کے ایسے مسلم شہری ہوں گے جن کا ایک اسلامی تشخص بھی ہوگا۔ اِس اسکول کی منصوبہ بندی اِس انداز میں کی گئی ہے کہ یہ نسلی یا فرقہ وارانہ تشخص کے بجائے مذہبی تشخص پر زور دے۔

شمالی امریکا کی دوسری جگہوں کی طرح مانٹریال میں بھی اسلامی تعلیم کے صحیح معنوں پر بہت کم اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ بہر حال اِس نکتے پر اتفاق ضرور موجود ہے کہ بچے قرآن وسنت کو صحیح طریقے سے سمجھ سکیں اور انہیں اسلامی تاریخ کا بھی کچھ علم ہو جائے۔ اسلامی عبادات کے طریقے بھی سکھائے جاتے ہیں اور مختلف نسلوں اور خِطوں کے مسلمانوں کے اتحاد پر بڑا زور دیا جاتا ہے۔ بہت سے والدین کو یہ امید ہے کہ ان کے بچوں کو اپنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلم تشخص کا ایک محفوظ شعور حاصل ہوگا۔ ایم سی کیو میں کتابوں کی ایک دکان اور ایک چھوٹا سا دار المطالعہ ہے جہاں مسلم مضامین پر مودودی، سید قطب، اقبال اور امیر علی جیسے مصنفین کی کتابیں مل سکتی ہیں۔

ایک مناسب اسلامی تعلیم کے بارے میں آراء وسیع تر اسلامی برادری کے ساتھ روابط سے متاثر ہوتی ہیں۔ متعدد مقامی مسلمان اسلامی مضامین سے متعلق ان مباحثوں میں شریک ہوتے ہیں جن کا اہتمام مختلف گروہ مختلف تناظر میں کرتے ہیں۔ وہ مسلمان جو مانٹریال میں مسجد کے معاملات میں فعال رہتے ہیں وہ بعض اوقات آئی ایس این اے (اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکا) کے اجلاسوں میں شریک ہوتے ہیں۔[۳۰] سیاحت پر آنے والے مقررین بھی شہر سے گزرتے ہیں اور جدید مسلم افکار کے مختلف پہلوؤں پر خطاب کرتے ہیں۔ مانٹریال کے مسلمانوں کی فکر، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ہنر مند مسلمانوں کے سوچنے کے انداز کے مطابق ہے۔

کینیڈا کی مسلمان برادری کو تنوع کا تجربہ صرف تارکین کی پیچیدہ آمیزش سے نہیں بلکہ کینیڈا کے فرانسیسی اور انگریزی زبانیں بولنے والوں کے قبول اسلام کے ذریعے بھی ہوتا ہے۔ جس حد تک بین المذاہب شادیوں کا سوال ہے تو یہ عام طور سے فرانسیسی بولنے والے مسلمان مردوں اور فرانسیسی کینیڈین عورتوں کے درمیان ہوتی ہے۔ ایک فرانسیسی کینیڈین کی ادارت میں نکلنے والے جریدے ''لی مانڈے اسلامیک'' کا مقصد یہ ہے کہ وہ ایک وسیع تر برادری کو اسلامی اقدار سے آگاہ کرے اور اخوت کے ایک نئے شعور کو اجاگر کرنے میں معاون ہو۔ بعض فرانسیسی بولنے والے مسلمان اسلام کے بارے میں عوامی مباحثوں کے انعقاد میں بڑے فعال رہے ہیں، انھوں نے بار بار راجر گراڈی کو عوامی خطبات دینے کے لیے مانٹریال آنے کی دعوت دی۔ گراڈی جو ایک فرانسیسی رومن کیتھولک عالمِ دینیات ہیں اور عیسائی عقائد کے ساتھ اشتراکی معاشی تجزیات کو ہم آہنگ کرنے کے سلسلے میں اپنی کوششوں کے لیے بہت معروف ہیں، حال ہی میں مسلمان ہو گئے ہیں اور اپنے نئے خیالات کو دنیا تک پہنچانے کیلیے تندہی کے ساتھ لکھتے اور بولتے رہتے ہیں۔[۳۱]

جو گروپ ''لی مانڈے اسلامیک'' شائع کرتا ہے اس نے حال ہی میں مانٹریال میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''فرینچ یونیورسٹی ڈو کیوبیک'' کے نزدیک ایک اسلامی مرکز اطلاعات کھولا ہے۔ اس مرکز کا کام عوام کو اسلامی ثقافت اور اسلامی دنیا سے روشناس کرانا ہے۔ اس کے تعارفی کتابچے میں لکھا ہے کہ اس کا مقصد ایسے مباحثوں میں شرکت کرنا ہے جنھیں یہ اسلام کی صحیح تفہیم عام کرنے کے لیے ضروری سمجھتا ہو۔ اس مرکز میں ایک دارالمطالعہ ہے جس میں دلچسپی رکھنے والوں کے لیے کیسٹس بھی موجود ہیں۔ جو طلباء وہاں معلومات حاصل کرنے گئے ان کا عام طور سے بہت اچھی طرح استقبال کیا گیا۔

اس طرح مانٹریال کے مسلمان مختلف طریقوں سے کینیڈا کے ماحول سے خود کو ہم آہنگ کررہے ہیں، حال ہی میں انہوں نے عید کی تقریب، شکروالی پارٹی (جس میں میپل کے درختوں کے تازہ رس سے شکر کھاتے ہیں) اور شہر کے نزدیک جنگل میں پکنک کے ذریعے منائی، جو اختتام سرما کی تقریب منانے کا مانٹریال کا روایتی طریقہ ہے۔

اکثر مسجد برادریوں اور رضا کارانہ انجمنوں کے قائدین پہلی نسل کے آباد کار ہیں۔ ان میں سے بہت سے لوگ بیس سال سے بھی زیادہ عرصے سے کیوبیک کے ماحول میں اسلامی ادارے قائم کرنے کی کوششوں میں مشغول ہیں۔ ان کا بنیادی مقصد یہ رہا ہے کہ وہ نسلی اور دیگر اختلافات سے بلند ہوکر مسلم تشخص کے ایک متحدہ شعور کے لیے کام کریں۔ وقتی اختلاف آراء کے باوجود ان لوگوں نے ان اداروں کی مؤثر کارکردگی کی شکل میں اپنی کوششوں کو بارآور ہوتے دیکھا ہے۔

حواشی

۱۔ ہیرلڈ بارکلے، "The Muslim Experience in Canada" مشمولہ *Religion and Ethnicity in Canada* تدوین، ہیرلڈ کاؤورڈ اور لیسلی کا مامورا (واٹرلو، اونٹاریو: ولفریڈ لاریئر یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۸ء) ۱۰۱ تا ۱۰۳ مزید ملاحظہ ہو: داؤد حسن ہمدانی، "Muslims and Christian Life in Canada"، *Journal Institute of Muslim Minority*

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Affairs 1 نمبر ۱ (۱۹۷۹): ۵۱ تا ۵۹۔

۲۔ مانٹریال کے مسلمان اب تک اپنے قبرستان کے لیے غالباً مقامی تعصب کی وجہ سے کوئی موزوں جگہ حاصل نہیں کر سکے ہیں۔ قبرستان کی جگہ کے لیے کئی باران کی درخواستیں نامنظور ہوئی ہیں، لیکن انکار کی وجہ نہیں بتائی گئی۔

۳۔ انگریزی اور فرانسیسی دونوں زبانوں کے مقامی اخبارات نے مانٹریال کی مسلم برادری کے بارے میں مضامین چھاپے تاکہ مسلمانوں کے بارے میں عام لوگوں کی معلومات میں اضافہ ہو۔

۴۔ اس مسجد کے بارے میں مقامی فرانسیسی اخبارات میں جو دو مضامین شائع ہوئے تھے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے: جو لیس بیلویو، "Un infidele chez les musulmens de Montreal"، لاپریسے (۴/اپریل ۱۹۸۷ء) ص ۱؛ مارٹن پلشیٹ، "Pelerinage a la mosquee, angle St. Laurent Maisonneuve" لامیتن ایم (۱۰/مارچ ۱۹۸۷ء) ص ۸۔ مزید ملاحظہ ہو "L'Islam au Quebec: Lecoctail Mahomet" ایل، ایکچیو والائت (جون ۱۹۸۸ء) ص ۵۰ تا ۵۸۔

۵۔ موجودہ صدر مانٹریال ایریا کے ایک ریٹائرڈ استاد ہیں جو ابتداً جنوبی ہندوستان سے آئے تھے۔

۶۔ مذہبی کرداروں میں تبدیلی پر بصیرت سے لبریز ایک مباحثہ حسب ذیل کتاب میں نظر آئے گا: ارل وا: "The Iman in The New World: Models and Modifications" مشمولہ *Transitions and Transformations in the History of Religions*؛ تدوین الیف ای رینالڈز اور ایس این لڈوگ (لیڈن: ای جے برل، ۱۹۸۰ء) ص ۱۲۵ تا ۱۴۹۔

۷۔ الجزائر کے اس نوجوان نے جو اپنی کار میں مجھے اس مسجد میں لایا تھا مجھ سے کہا کہ وہ کوارٹیر (quartier) کے اس علاقے کے علاوہ جہاں وہ رہتا تھا، کام کرتا تھا اور علاقے کے دوسرے مسلمانوں سے باہمی گفت وشنید کرتا تھا، وہ شہر کے کسی اور علاقے میں بہت کم آتا تھا۔

۸۔ یہ دستاویز جس کا عنوان *Shiane Haidery International Inc.* *Constitution and By- Laws* تھا، مارچ ۱۹۹۰ میں ممبروں میں تقسیم کی گئی تھی۔

۹۔ عظیم نانجی "The Nizari Ismaeli Muslim Community in North America: Background and Development" دی امریکن اسماعیلی اسپیشل ایڈیشن (نیویارک: امامی اسماعیلیہ کونسل فاردی یو ایس اے، ۱۹۸۶ء) مزید ملاحظہ ہو ریمنڈ ولیمز *Religions of Immigrants from India and Pakistan* (کیمبرج: کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۸ء)

۱۰۔ مقامی حلقے کے کارڈ کی تحریر حسب ذیل ہے "Le Tariqa el Borhanniya el

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Dousouqia el Shahouliya Disciples du Sheikh Mouhammad Othman Abdouh el Borhani, Montreal." اس حلقے کے بانی محمد البرہان ۱۹۰۲ء میں سوڈان میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ سلسلہ شاذلیہ روایات کا ایک اصلاح شدہ سلسلہ ہے۔ مصری صوفی اعمال کے معانی اور تشریح کے لیے ملاحظہ ہو، ارل وا، :The Munshidin of Egypt Their World and Their Song (کولمبیا: یونیورسٹی آف ساؤتھ کیرولینا پریس، ۱۹۸۸ء)

۱۱۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ فرانسیسی عالم رینے گوئنان (دیکھیے The Crisis of the Modern World [لاہور: سہیل اکیڈمی، ۱۹۸۱ء] اور موجودہ مذہبی معاشرے کے کھوکھلے پن پر گوئنان کی تنقید کے زیر اثر وہ مشرقی مذہبی زندگی کا مطالعہ کرنے مصر آئے اور آخر کار وہ اپنی یونیورسٹی میں مسلم طلباء کے گروہ میں شریک ہوگئے اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ بعد میں انہوں نے یورپ کا سفر کیا اور پیرس کی مسجد میں بعض صوفیاء کو دریافت کیا جن سے انہوں نے عربی زبان میں نغمہ سرائی سیکھی۔

۱۲۔ سی ایم آر آئی Comite Maghrebin de Recherche et d' Information نے اپنی ایک کانفرنس میں تقسیم کیے جانے والے ایک پریس ریلیز میں اپنا تعارف اس طرح کرایا تھا: بین الثقافتی تعلیم کے لیے ایک غیر منافع بخش تنظیم جو فوری معلومات سے آگے بڑھ کر کینیڈا اور کیوبیک دونوں جگہوں کے رہنے والوں کے لیے فکر، مبادلہ اور ہمارے اختلاف کے لیے احترام کے یکساں مواقع فراہم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ سی ایم آر آئی C.P.451 Succursale Cote St. Luc, Montreal H4V 2Z1، پر واقع ہے۔

۱۳۔ سی ای اے ڈی۔ Centre des Etudes Arabes pour le Developpement 1265 Berri, Montreal, H2L 4x4; پر واقع ہے۔ اپنے بارے میں اس کا اشتہار یہ ہوتا ہے کہ یہ عرب خواتین، اسلام اور اقلیتیں، ترقی، مصری ادب، لبنان اور فلسطین جیسے موضوعات پر ورکشاپ منعقد کرتی ہے۔ ان موضوعات پر کتابچے اور کیسٹس بھی دستیاب ہیں۔

۱۴۔ یہ آئین کونسل آف ٹرسٹیز نے ۱۸؍اکتوبر ۱۹۸۴ء کو منظور کیا تھا۔

۱۵۔ اس تحریک کی ابتداء کے بارے میں ایک مباحثے کے لیے ملاحظہ ہو، انوار الحق The Faith Movement of Maulana Ilyas (لندن: ایلن اینڈ اَن وِن، ۱۹۷۲ء) ہندوستان میں اپنی ابتدا کے وقت تحریک غیر سیاسی تھی اور اب بھی اس کا رجحان یہی ہے۔ اس حوالے سے یہ ایسے سیاسی طور پر فعال نئے گروہوں اور انجمنوں سے مختلف ہے جیسے جماعت اسلامی جسے مولانا مودودی نے قائم کیا تھا۔

۱۶۔ ''سلفیہ'' کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو، جان ایسپوسیٹو Islam, The Straight Path (نیویارک: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۸ء) ص ۱۳۲ تا ۱۳۶/ سلفیہ حضور اکرم [ﷺ] کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحابہ کرام [رضوان اللہ علیھم اجمعین] کی جانب ایک حوالہ ہے اور یہ ایک اصطلاح ہے جسے مصر میں مصلحین نے استعمال کیا تھا۔ یہ تحریک ابتدائی اسلامی برادری کی اخلاقی پاکیزگی کو تروتازہ کرنے کی خواہش کے ساتھ ساتھ اسلامی قوت کو بیدار کرنے کی ضرورت کو ظاہر کرتی ہے جسے مسلمانوں کے سامنے پہلی بار انیسویں صدی کے مصلح اور عالم جمال الدین افغانی نے پیش کیا تھا۔

۱۷۔ ملاحظہ ہو، نیکی آرکیڈی، An Islamic Response to Imperialism (برکلے اینڈ لاس اینجلس: یونیورسٹی آف کیلی فورنیا پریس، ۱۹۸۳ء)

۱۸۔ مجھے بتایا گیا کہ ایک بار شام کے وقت مانٹریال کی مسجد فاطمہ میں سلفیہ سلسلے کے مسلمانوں اور دوسرے مسلمانوں میں اس موضوع پر بڑی گرما گرم بحث ہوئی تھی کہ کیا تصوف زندگی کے بارے میں ایک صحیح مسلم نظریئے کے طور پر قابل قبول ہے یا نہیں۔

۱۹۔ تصوف کے پس منظر پر معلومات کے لیے ملاحظہ ہو، این میری شمل "Mystical Dimensions of Islam" (چیپل ہل: یونیورسٹی آف نارتھ کیرولینا پریس، ۱۹۷۵ء)

۲۰۔ مزید ملاحظہ ہو فاطمہ بدی چپن، سی ایم آر آئی کی ڈائریکٹر "Les Versets Sataniques et l'Islam" مشمولہ مانٹریال کا اخبار "Le Devoir" (۱۸ فروری ۱۹۸۹ء) ص ۷۔

۲۱۔ حکومت نے مسلمانوں کے احتجاج کی وجہ سے مختصر عرصے کے لیے اس کتاب پر پابندی لگادی تھی لیکن پھر اس فیصلے کو تبدیل کر دیا۔

۲۲۔ ایک بنگلہ دیشی خاتون نے، جو ساؤتھ شور کی ایک مسجد کے انتظامی بورڈ میں بہت فعال رہی ہیں اور برادری کے لیے بہت سی سرگرمیاں منظم کر چکی ہیں، حال ہی میں معراج النبی [ﷺ] کی تقریب کے سلسلے میں ایک عوامی جلسہ منعقد کیا۔ اس جلسے کے مہمان مقرر کو، جو ایک عرب تھے، یہ پسند نہیں تھا کہ وہ خاتون ان کا تعارف کرائیں حالانکہ اجلاس کی باقی ساری کارروائی انہیں خاتون نے چلائی۔ بہر حال مہمان کا تعارف کرانے اور ان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ایک مرد اسٹیج پر تشریف لائے۔

۲۳۔ ملاحظہ ہو "The Destiny of Benazir Bhutto" مشمولہ مقامی جریدہ ''نیوز ویوز'' ۲، ۳، ۱۱، ۴ اور ۵ (۱۹۸۶ء)۔ جنوبی ایشیا کے نوجوانوں کے ایک گروہ نے بنگلہ دیش کی نئی زنانی قیادت پر اپنے جریدہ ''مانٹریال سیری'' ۵، نمبر ۲ (۱۹۹۱) میں بحث کی۔

۲۴۔ اپنے مقاصد کے سلسلے میں ان کا منشور یہ ہے ''ساؤتھ ایشین کمیونٹی سینٹر'' ایک تنظیم ہے جو اس سلسلے میں خواتین کی مدد کرنا چاہتی ہے کہ وہ کیوبک اور کینیڈا کے معاشرے میں اپنی پوری توانائی حاصل کرلیں اور یہ سینٹر ان خواتین کو خود انحصاری کے سلسلے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ یہ مرکز مختلف نوعیتوں کی خدمات بھی مہیا کرتا ہے۔ جن میں مظلوم عورتوں کے لیے ایک معاون ادارہ، تلاش ملازمت، پیشوں کا انتخاب، خاندانی معاملات میں مشورہ، قانون، ترک وطن اور صحت سے متعلق مسائل اور مہاجرین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور نئے تارکین وطن کے لیے آباد کاری کے پروگرام شامل ہیں۔

۲۵۔ پاکستان ایسوسی ایشن آف کیوبیک کے خبرنامہ ''پیامبر'' کے خواتین کے حصے میں ایک مسلمان خاتون کے لکھے ہوئے ایک مضمون میں یہ بحث کی گئی تھی کہ عورتیں پاکستان کے مقابلے میں ہندوستان میں مناسب حیثیت اور قدر شناسی حاصل کررہی ہیں۔ (پیامبر ۳،نمبر ۵، ۱۹۸۷) عورتوں کے مسائل سے بحث کرنے والے ایک دوسرے جریدے کا نام ہے: "Bulletin d' Organisation Nationale des Femmes Immigrantes et des Femmes Appartnent a une minorite visible du Canada" ملاحظہ ہو غزالہ شاہین اور سیسیلیا گوزیلیس "Clothing Practices of Pakistani Women Residing in Canada" کینیڈین ایتھنک اسٹڈیز، ۱۳،نمبر ۳(۱۹۸۱ء)

۲۶۔ مارچ ۱۹۸۶ء میں مجھے ایم سی کیو میں ایک امریکی مسلم خاتون کو معاشرے کے اس قسم کے مسائل پر لیکچر دیتے ہوئے سننے کا موقع ملا تھا جیسے کم عمری کے حمل، نشہ آور ادویات، تشدد، اسقاط اور جنسی بدعنوانی، مسلمان عورتوں کو یہ مشورہ دیتے ہوئے کہ وہ بیرونی دنیا کی ناپاک ترغیبات کو مسترد کردیں۔

۲۷۔ *Muslim Women in the Era of Islamism: Proceedings of the International Symposium on Muslim Women of the Third World* (مانٹریال: سی ایم آر آئی، ۱۹۸۷ء)

۲۸۔ *Les Femmes dans le Monde Arabe* (مانٹریال: سی ای اے ڈی، فروری ۱۹۸۵ء) مزید ملاحظہ ہو۔ *Femmes Arabes et Femmes d' ici Acquis de Defis des Anees '80* (مانٹریال: سی ای اے ڈی، ۱۹۸۸ء)

۲۹۔ اپنے بیان کے مطابق انھوں نے ایسے حالات میں تربیت پائی جن میں مسلمانوں کو یہ ثابت کرنے کے لیے بڑی جدوجہد کرنی پڑتی تھی کہ اسلامی تعلیم کو برطانوی نظام تعلیم کے معیار سے کمتر نہیں ہونا چاہیے۔ نائیجیریا چھوڑنے کے بعد انھوں نے سعودی عرب میں تعلیم پائی اور اس کے بعد مانٹریال کی میک گل یونیورسٹی سے انھوں نے اسلامی علوم میں ایم اے کیا۔ ان دنوں وہ ڈاکٹریٹ کے لیے کام کررہے ہیں۔

۳۰۔ آئی ایس این اے اونٹاریو کے سینٹ کیتھرینس میں ہر سال اجلاس منعقد کرتی ہے۔ ۱۹۸۵ء کے اجلاس میں موضوع ''اسلامی تعلیم اور خاندانی زندگی'' تھا۔ مسلم برادری کی کونسل بھی ۱۹۷۳ء سے جلسے منعقد کرتی رہی ہے۔ گوئیلف، اونٹاریو میں منعقد ہونے والے ۱۹۸۵ء کے اجلاس میں ممبروں نے مسلم تعلیم سے متعلق متعدد منصوبوں کی منظوری دی۔

۳۱۔ گراڈی کا دعویٰ ہے کہ اس نے اپنا مذہب تبدیل نہیں کیا ہے بلکہ صرف ثقافت تبدیل کی ہے۔ اس کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیان ہے کہ خدا اور انسانیت کے بارے میں عیسائیوں اور مسلمانوں دونوں کے لیے بنیادی صداقت ایک ہی ہے، لیکن یورپی عیسائیت نے تیسری دنیا کے خلاف یورپی کامن مارکیٹ کی معاشی استعماریت کے ساتھ رابطہ قائم کرلیا ہے۔ ملاحظہ ہو راجر گراڈی "Pourquoi je suis Musulman," *Le Monde Islamique Special Roger Garaudy*۔ یہ لیکچر پہلے جولائی ۱۹۸۵ء میں سیوائیل میں دیا گیا تھا۔ مسلمانوں کی مستقبل کی ترقی کا ایک منظرنامہ پیش کرتے ہوئے سیوائیل کا ایک چارٹر پیش کیا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو "Pour un Islam du XXe Siecle" (چارٹر دی سیوائیل) لے مانڈے اسلامیک، ۱، نمبر ۵ (جولائی۔ اگست ۱۹۸۷ء)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسرا حصہ

شہری پس منظر میں نسلی آبادیاں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۵

ڈیربورن میں شیعہ مساجد اور اُن کے اجتماعات

لنڈا ایس وال برج

جن دنوں عبدالخولی ڈیربورن، ڈیٹرائٹ کے مسلمانوں کے بارے میں اپنا معروف تحقیقاتی کام کررہے تھے۔[1] اس وقت سنی شیعہ فرقوں میں بہت واضح نظر آنے والا اختلاف بس نمودار ہورہا تھا۔ امریکا کا اسلامی مرکز، جو شیعوں کی پہلی مسجد تھی، انھیں دنوں ڈیربورن کے جنوبی سرے سے کئی میل دور تعمیر ہوا تھا۔ جہاں مسلمانوں کی اکثریت رہتی تھی۔ اس مسجد کے متعلق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے لبنانی شیعوں کو شمال کی جانب مائل کیا ہے، کیونکہ برسوں سے وہ لوگ اسلامی مرکز کے قریب منتقل ہوتے رہے ہیں۔

مشرقی ڈیربورن، جو اس شہر کا شمال مشرقی علاقہ ہے جہاں کی آبادی اب تقریباً ایک لاکھ ہے ساؤتھ اینڈ سے زیادہ خوش حال ہے اور اتنا الگ تھلگ نہیں ہے۔ مضبوط اینٹوں کے بنے ہوئے مکانات دیکھنے میں اوسط درجے کے معلوم ہوتے ہیں۔ وارن ایوینیو میں، جو خاص تجارتی علاقہ ہے، اکثر تجارتی ادارے لبنانیوں کی ملکیت ہیں اور وہی اسے چلاتے ہیں اور یہ دکانیں اور ریستوران غیر عربوں کے لیے بھی بڑی کشش رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے وارن ایوینیو کے اس حصے کو تنزل اور بے رونقی سے بچالیا ہے۔ اگر چہ ساؤتھ اینڈ کے عرب اکثر فلسطینی اور یمنی دیہات کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رنگ برنگے لباس پہنتے ہیں لیکن یہ بات دلچسپ ہے کہ مشرقی ڈیربورن میں ''کسانوں کے لباس اور اطوار'' کی جھلک کم نظر آتی ہے۔ اس نواح کے لوگ ''جدید'' لباس یعنی مغربی یا جدید اسلامی لباس پہنتے ہیں۔

الخولی کی تحقیق کے بعد دو اور شیعہ مسجدوں نے لوگوں کے لیے اپنے دروازے کھول دیئے ہیں۔ سنی، جنھیں ساؤتھ اینڈ میں یمنی زیدیوں نے بے گھر کردیا تھا، اب مشرقی ڈیربورن میں ایک چھوٹی سی عمارت اُن کا مرکز ہے۔ شیعوں میں خود بھی زیادہ تر لبنان کی خانہ جنگی اور انقلاب ایران کی وجہ سے بڑی اہم تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں۔ لبنانی شیعہ آج اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ گروہ ہیں جتنے وہ آج سے پندرہ بیس سال پہلے تھے اور اس کا اندازہ اُن تبدیلیوں سے ہوتا ہے جو ان کی مسجدوں میں واقع ہوئی ہیں۔ مسجدوں کی ابتدا کیسے ہوئی اور برادری کو متحد کرنے اور تقسیم کرنے میں وہ کیا کردار ادا کرتی ہیں؟ یہی اس باب کا موضوع ہے۔

تاریخی پس منظر

شیعہ اسلامی دنیا میں ہمیشہ اقلیت میں رہے ہیں اور یہ کسی ملک میں کبھی بھی اکثریت میں نہیں رہے یہاں تک کہ سولھویں صدی میں ایران میں صفوی اقتدار میں آئے۔ اگرچہ اکثر سنیوں کی طرح یہ بھی قرآن اور اسلام کے مرکزی اصولوں پر عمل کرتے ہیں لیکن ان کی مذہبی رسوم اور قوانین کا ارتقا علیحدہ ہوا ہے[۲] گیارہویں صدی میں اثناعشری شیعہ ان علاقوں میں بھی ظاہر ہونے لگے جہاں وہ اس سے پہلے کبھی نہیں تھے اِن علاقوں میں لبنان کے جنوب میں جبل امل بھی شامل ہے۔ موجان مومن[۳] کا قیاس یہ ہے کہ ان لوگوں نے شیعوں کی اسماعیلی شاخ سے عقیدہ تبدیل کیا ہوگا۔ یہ شیعوں کا وہ فرقہ ہے جو مسلم دنیا کی خصوصی نفرت کا ہدف رہا ہے، جب ایران کے صفوی جنوبی لبنان سے شیعہ علماء کو لائے تاکہ وہ شاہ عباس کے دور میں نومفتوحہ عوام کو تعلیم دیں تو اس وقت شیعہ علماء کا دائرہ اثر مشرق کی جانب پھیل گیا۔ مذہبی قیادت سنبھالنے کے خواہش مند لبنانی، نجف اور قم چلے گئے۔ بہرحال لبنان کے عوام خود ان عظیم مراکز سے علیحدہ ہوتے چلے گئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لبنان کی خانہ جنگی شروع ہونے سے پہلے لبنانی شیعوں کے چند ہی تذکرے ملتے ہیں۔ انیسویں صدی کے شہابی امیروں کے ایک مالیاتی منتظم میخائیل مشاقہ نے اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے لبنان کی ایک تاریخ لکھی ہے جس میں شاذونادر ہی اس نے شیعوں کا ذکر کیا ہے، لیکن وہ کہتا ہے کہ ''اُن دنوں قبائلیوں میں طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے پیروکاروں کی شناخت ان کے مذہبی فرقے سے نہیں بلکہ ان کی وفاداری سے کرتے تھے۔''[۴] اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس (بیسویں) صدی کی ابتدا تک شیعہ حالات کے مطابق اپنے عیسائی یا سنی مسلمان ہم وطنوں کے ساتھ شامل ہوجاتے تھے۔ جب بڑی طاقتوں نے مملکت عثمانیہ کے امور میں مداخلت شروع کردی تو مذہبوں اور فرقوں میں شدید قسم کی تقسیم ظاہر ہونے لگی۔

اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ لبنان کے ایجابی (confessional) گروہوں میں شیعہ سب سے زیادہ غریب اور پسماندہ رہے ہیں۔ لبنان کو انیسویں اور بیسویں صدی میں جس معاشی کامیابی کا تجربہ ہوا اس کا فائدہ ملک کے تمام گروہوں کو مساوی طور پر نہیں ہوا۔[۵] اے نارٹن کہتا ہے کہ ''ابھی ۱۹۵۰ء کے عشرے تک لبنان کی سیاست میں شیعوں کا کوئی مقام نہ تھا۔'' وہ مختلف علمی تحقیقاتی حوالوں سے یہ بتاتا ہے کہ شیعوں کی فی کس آمدنی سب سے کم تھی، تعلیم میں وہ سب سے پیچھے تھے اور مختلف پیشوں اور تجارت میں ان کی نمائندگی سب سے کم تھی۔[۶] جوزف اولمرٹ کے بیان کے مطابق ۱۹۶۱ء میں بنت جبیل میں، جو جنوب میں دس ہزار افراد پر مشتمل ضلع کا ایک صدر مقام تھا، صرف دو ڈاکٹر تھے۔ وہاں کوئی دواخانہ نہیں تھا، بجلی نہیں تھی اور صرف گیارہ ٹیلی فون تھے۔[۷] دیہات کی بڑھتی ہوئی غربت سے مجبور ہوکر شیعہ بیروت کی پس ماندہ بستیوں میں منتقل ہوگئے جہاں وہ مفلوک الحال زندگی گزارنے لگے۔[۸]

اس موقع پر ایک ایرانی نژاد شیعہ عالم سید موسیٰ صدر، جن کا تعلق علماء کے ممتاز خاندان سے تھا، لبنان آئے وہ نہ صرف فارغ التحصیل عالم تھے بلکہ ایک عملی انسان بھی تھے۔ وہ بے خبر علماء اور طاقت ور جاگیردار قیادت کے خلاف کھڑے ہوگئے اور لبنان کے مظلوم لوگوں کے ترجمان بن گئے۔ اگرچہ انہوں نے فرقہ وارانہ گروہوں کے درمیان خلیج کو پاٹنے کی بڑی کوشش کی لیکن آخرکار انہیں یہ اندازہ ہوگیا کہ شیعوں کو اپنی جنگ خود لڑنی پڑے گی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالآخر انھوں حرکت امل (امید کی تحریک) قائم کی جس نے ایک سماجی تحریک کے طور پر اپنی ابتدا کی لیکن ۱۹۷۴ میں یہ ایک مسلح ملیشیا بن گئی، ویسی ہی جیسی لبنان میں اور بہت سی تھیں۔ یہ تحریک اس وقت بہت تیز ہوگئی جب ۱۹۷۸ میں سید موسیٰ لیبیا کے ایک سفر کے دوران غائب ہوگئے۔[9]

فلسطینیوں کے ساتھ تصادم، جنوب میں اسرائیلیوں کے انتقامی حملے، ایرانی انقلاب اور بالآخر ۱۹۸۲ء میں لبنان پر اسرائیل کا حملہ ان سب نے مل کر لبنان کی شیعہ آبادی کے بعض عناصر میں مذہبی جذبے کی ایک نئی لہر دوڑا دی۔ نئے انتہا پسند گروہ ابھرے ہیں لیکن ان سب کو عام طور پر حزب اللہ تحریک کے زیر اثر سمجھا جاتا ہے جس کی بنیاد ایرانی ہے اور جس نے لبنان کو ایران کی انقلابی حکومت کے نمونے پر ایک اسلامی جمہوریہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ حرکت امل اور حزب اللہ نے کثیر شیعہ آبادیوں کے علاقوں کے لیے خوفناک جنگیں لڑی ہیں۔

لبنان کے شیعہ اب تقریباً ساری دنیا میں نظر آتے ہیں، ان کی ایک بڑی تعداد بالخصوص آسٹریلیا، مانٹریال اور سیرالیون میں ملتی ہے۔ جن طریقوں سے یہ لوگ اپنی مذہبی جڑوں کو مضبوط کرتے جارہے ہیں ان کا بیان میخائیل ہمفرے،[10] بہا ابولبان،[11] وان دیرلان[12] اور دیگر مصنفوں نے کیا ہے۔ لیکن ان کا سب سے بڑا اجتماع ڈیربورن میں ہے۔ ان کی اکثریت اس گروہ کے ارکان پر مشتمل ہے جنھیں شیرون ابولبان نے امتیازی گروہ کہا ہے یعنی جو ۱۹۶۸ کے بعد آئے اور جو عربوں کے تیل کی دولت کی ریل پیل اور اسلامی تشخص کی حالیہ لہر سے متاثر ہوئے ہیں۔[13]

امام چری اور امریکا کے اسلامی مرکز کی ترقی

۱۹۸۸ء میں امریکا کے اسلامی مرکز کے قیام کی پچیسویں سالگرہ کے موقع پر ایک کتابچہ ڈیٹرائٹ، ڈیربورن کے علاقے میں شیعہ مسلمانوں میں تقسیم کیا گیا تھا، جس میں اسلامی مرکز یعنی جامعہ کے وجود میں آنے کا احوال سنایا گیا تھا۔ یہ محرومی، تحمل اور ایثار کی ایک کہانی تھی، اس کہانی میں یہ بتایا گیا تھا کہ ''ہمہ دم حاضر، محبوب امام، محمد جواد چری کی رہنمائی کی وجہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے یہ برادری خاصی حد تک متحد ہوگئی ۔'' اس میں مزید یہ بتایا گیا کہ ''لوگوں نے جس عاجزانہ جوش و جذبے کے ساتھ اس مرکز کو مالی مدد دی اس نے ابتدائی عہد کے مسلمانوں کی یاد تازہ کردی۔'' صحیح معنوں میں برادری کی کایا پلٹ ہوگئی تھی۔

۱۹۴۰ء کے عشرے تک ڈیربورن میں شیعہ برادری کو یہ احساس ہو چکا تھا کہ اگر وہ اپنے علیحدہ عقیدے کے ساتھ زندہ رہنا چاہتے ہیں اور سنی فرقے میں ضم ہونا نہیں چاہتے تو انھیں ایک مضبوط قیادت کی ضرورت ہوگی ، اور یہ ضم ہو جانے والی بات تو وہ تھی جس کی وہ پوری دنیا میں صدیوں سے مزاحمت کر رہے تھے ۔ شیخ چری کی آمد سے پہلے کوئی صحیح شیخ یا امام نہ [۱۴] تھا جو برادری کی خدمت کر سکتا، جو ان دنوں ایک باخبر شخص کے بیان کے مطابق دوسو خاندانوں پر مشتمل تھی ۔ ان کی اکثریت لبنانیوں ، شامیوں اور فلسطینیوں کی تھی جن میں سنی شیعہ دونوں شامل تھے ، شیعہ رسوم ورواج اور روحانیت کی رہنمائی لبنان کے ایک گاؤں بنت جبیل کے ایک شیعہ شیخ خلیل بزی کر رہے تھے۔ تاہم جن لوگوں نے مجھے معلومات بہم پہنچائی ہیں ان کا کہنا ہے کہ شیخ بزی کی خدمات شیعوں تک محدود نہیں تھیں بلکہ وہ نہ صرف ڈیربورن بلکہ پورے ملک میں بلا لحاظ اس بات کے کہ کوئی شخص شیعہ تھا ، غیر شیعہ تھا یا کچھ اور تھا ، وہ تمام مسلمانوں کی مذہبی ضروریات کی دیکھ بھال کرتے تھے ۔ امریکا آتے وقت وہ اَن پڑھ تھے لہٰذا وہ عربی اور قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے کچھ دنوں کے لیے نجف گئے اور پھر وہاں سے ایک مذہبی رہنما کے طور پر امریکا واپس آ گئے ۔ اگر چہ وہ ہمہ وقتی بنیاد پر کام نہیں کر رہے تھے ۔ مجھے معلومات فراہم کرنے والوں نے بزی کو ایک صوفی اور عظیم المرتبت شخصیت کے طور پر پیش کیا ہے اگر چہ وہ چری کے مقابلے میں بڑے مختلف قسم کے مذہبی قائد ہیں ، برادری میں اپنے علم اور اولوالعزمی کے بجائے وہ اپنے انکسار اور تقریباً غیر عالمانہ برتاؤ کے لیے ممتاز تھے ۔

لبنان میں شیعہ علماء معاشرے میں اپنا ایک الگ ہی مقام رکھتے ہیں ، وہ مشقت کا کوئی کام نہیں کرتے بلکہ صرف عالمانہ فرائض مثلاً تبلیغ دین ، مدحت ائمہ ، شادی بیاہ اور طلاق کی کارروائی کی تکمیل اور اس قسم کے دوسرے فرائض انجام دیتے ہیں ، لیکن بزی نے ایک ایسا کام کیا جو کسی بھی لبنانی شیخ کے لیے غیر معمولی نوعیت کا تھا اور جو ڈیربورن میں کوئی '' خوددار'' آدمی آج بھی نہیں کرے گا ۔ وہ ایک ٹرک کے ذریعے دکان دکان ، سبزی ترکاری بیچتے اور اپنی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روزی کماتے تھے۔ اپنی مذہبی خدمت کے لیے انھوں نے کوئی معاوضہ لینے سے انکار کردیا۔ ۱۹۵۰ء کے عشرے میں میرے ایک اطلاع کنندہ اور دوسرے مومنوں کے ایک چھوٹے سے گروہ نے رقم اکٹھی کرکے ان کے لیے ایک کار خریدی۔ ان لوگوں نے وہ کار ان کے گھر کے سامنے کھڑی کردی اور کنجی ان کی بیوی کو دے دی جب شیخ بزی گھر آئے اور انھوں نے کار دیکھی تو انھوں نے کار فراہم کرنے کے ذمہ داروں میں سے ایک کو ٹیلی فون کیا اور کہا کہ وہ انھیں صرف آدھا گھنٹہ دیتے ہیں جس کے اندر وہ کار واپس لے جائیں ورنہ شیخ بزی اپنی بیوی کے اس فعل پر کہ انھوں نے کنجی قبول کی تھی انھیں طلاق دے دیں گے۔ کار دکاندار کو واپس کردی گئی۔ آج ڈیر بورن کے بہت سے شیوخ اس قسم کی عزت افزائی اور منفعت قبول کرنے سے احتراز نہیں کریں گے۔

۱۹۵۰ء کے عشرے میں جنوبی لبنان کے علماء کے بارے میں لکھتے ہوئے میکائیل گلسینن نے اس طرح تصویر کشی کی ہے کہ یہ لوگ ''مقامی سماجی ممتاز گروہ'' ہیں۔[۱۵] یہ لوگ بڑے صاحب جائیداد اور علم وادب کے اجارہ دار تھے۔ ان لوگوں نے اپنا ایک طبقہ اشرافیہ بنا رکھا تھا۔ یہ موجودہ حالات میں نہ تو کسی قسم کی تبدیلی چاہتے تھے اور نہ شیعہ حقوق کے لیے لڑتے تھے۔ ۱۹۴۰ کے عشرے میں موسیٰ صدر کی انقلابی جدوجہد کی وجہ سے، جو اس قسم کے علماء کے خلاف تھے، لبنان میں علماء کا کردار واضح طور پر تبدیل ہوگیا۔ شیخ بزی کوئی انقلابی آدمی تو نہیں تھے، لیکن وہ کوئی ایسے غیر متحرک مذہبی رہنما بھی نہیں تھے جو مذہبی فرائض ادا کرکے اس کے ذریعے اپنی روزی کمائیں۔ ہر لحاظ سے وہ ایسے مثالی مبلغ تھے جنھیں نئے لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے میں اتنی دلچسپی نہیں تھی جتنی ان لوگوں کی خدمت کرنے میں تھی جو پہلے سے مسلمان تھے۔

اس علاقے کے رہنے والے ابتدائی شیعہ، جن سے میں نے گفتگو کی ہے، اس بات پر بڑا زور دیتے ہیں کہ برادری میں شیعہ سنی اختلاف بہت کم تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ خود اس موضوع گفتگو اور بحث کی بھی بڑی مزاحمت کی جاتی ہے لیکن یہ بات بہر حال واضح ہے کہ بالکل ابتدائی دنوں میں بھی دونوں فرقوں میں فرق اور امتیاز موجود تھا، مثلاً یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ شیخ بزی برادری میں ایک مذہبی رہنما کی حیثیت سے معروف تھے حالانکہ دوسرے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مبلغین مثلاً سنی بھی اس علاقے میں خاصے فعال تھے، حقیقت یہ ہے کہ ڈیٹرائٹ کے علاقے میں اسلام کی ابتدائی سرگرمیوں پر سنی غالب تھے۔[۱۶]

اس علاقے میں اسلام کی ترقی کا زمانہ وہی ہے جو جنوب مشرقی ڈیربورن میں، جہاں ۱۹۳۰ء کے عشرے میں ایک مسجد تعمیر کی جا چکی تھی جو فورڈ موٹر کمپنی کی ترقی کا زمانہ تھا۔ اگر چہ یہ مسجد تمام مسلمانوں کے لیے کھلی ہوتی تھی تاہم اس پر سنیوں کا غلبہ تھا اور اس کے قیام کے لگ بھگ ایک سال کے بعد شیعوں نے وہاں سے چند بلاک کے فاصلے پر ایک ہال کرائے پر لے لیا۔ انھوں نے اس کا نام ''ہاشمی ہال'' رکھا۔ شیخ چری اس ہاشمی کلب ہی میں پڑھانے آئے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب ۱۹۴۹ء میں وہ ڈیربورن آئے تو وہ بھی غالب اکثریت والی سنی مسجد میں شریک ہوگئے جس میں ان دنوں لبنانیوں کا بڑا اجتماع ہوتا تھا۔ شیخ چری بھی کم از کم باہر کے لوگوں سے شیعہ سنی اختلاف پر گفتگو نہیں کرتے۔

الخولی، چری پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ'' انھوں نے ڈیٹرائٹ کی برادری میں دونوں فرقوں کی جسمانی اور روحانی علیحدگی کی ہمت افزائی کی، اب دونوں برادریوں کے الگ الگ مذہبی ادارے موجود ہیں یعنی سنیوں کی مسجد اور شیعوں کا عرب ہاشمی کلب''۔[۱۷] الخولی کی اطلاع مکمل طور پر صحیح نہیں ہے۔ ہاشمی کلب چری کی آمد سے پہلے قائم تھا۔ ڈیٹرائٹ کے علاقے میں فروغِ اسلام کے پہلے دور کی تاریخ بھی یہ بتاتی ہے کہ ایک احساس ہمیشہ سے اس بات کا موجود تھا کہ شیعوں کو کس حد تک مختلف رہنا چاہیے، اگر چہ ان دونوں بڑے فرقوں کے درمیان خطِ امتیاز خاصا دھندلا تھا۔ ہاشمی کلب میں ایسی شیعہ تعطیلات، جیسے ائمہ (جو رسول اللہ [ﷺ] کے ورثا تھے) اور بنت رسول (حضرت فاطمہؓ) کا یوم پیدائش، نہیں منائی جاتی تھیں بلکہ ان کی جگہ بچوں کے لیے کلاسیں اور ناچ گانوں کی محفلیں ہوتی تھیں۔ لیکن بذاتِ خود یہ حقیقت، کہ ایک ادارہ ایسا موجود تھا جس کا انتساب نبی اکرم[ﷺ] خاندان بنو ہاشم سے ہوتا تھا یہ ظاہر کرتی ہے کہ شیعہ براوری نے علیحدہ طور پر زندہ رہنے کی اہمیت کو سمجھ لیا تھا۔

الخولی کے بیان کی خاص بات یہ ہے کہ وہ برادری کی کہانی سنی نقطہ نظر سے بیان کرتے ہیں۔ یہ برادری کی تاریخ تو ہے لیکن یہ صرف تاریخ کا ایک رخ ہے، مگر جو کچھ ہوا اس کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشریح ڈیربورن کے شیعہ اپنی تین مسجدوں، ایک اسکول کے منصوبے اور اپنی ظاہری خوش حالی کے ساتھ اپنے انداز میں کرتے ہیں، تاریخ اکثر اساطیری داستانوں کی سی ہے لیکن اساطیری داستانیں لوگوں کو متحرک رکھتی ہیں اور برادری کی صورت گری کرتی ہیں۔ شیخ چرّی خود غرض خصلتوں کے مالک نہ تھے بلکہ وہ ایک ایثار پسند ہیرو تھے جنھوں نے امریکا میں اسلام کے فروغ کے لیے ہر قسم کے مصائب کا سامنا کیا۔ یہ ہے وہ تاثر جو اب تک قائم ہے اور غالباً ہمیشہ رہے گا۔

جب شیخ چرّی امریکا آئے تو انھوں نے آبادکاروں کی ایک برادری دیکھی جن کی اکثریت فورڈ کمپنی کے کارکنوں کی تھی اور جو اپنے اسلامی تشخص سے چمٹے ہوئے تھے۔ وہ غالباً نماز پڑھتے تھے، جہاں تک ممکن ہوتا لحم خنزیر سے پرہیز کرتے تھے اور تقریبات کے موقعوں پر کسی شیخ کی خدمات طلب کرتے تھے۔ یہ وہ برادری ہے جس کے اجتماعات مذہبی سے زیادہ معاشرتی نوعیت کے ہوتے تھے۔ شیخ چرّی نے یہ بھی دیکھا کہ گروہ علمی لحاظ سے بے حیثیت تھا اور امریکی زندگی کے بہت سے آسان طریقوں کو اس نے اختیار کر رکھا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ امامی شیعوں کی پیچیدہ صورتِ حال نے انھیں چکر میں ڈال رکھا تھا۔ چرّی نے اپنی عالمانہ فضیلت کے ساتھ اپنے افراد کو شیعہ بزرگوں اور علامتوں کا احترام کرنا سکھایا۔ شیخ چرّی جو اب بہت ضعیف ہو چکے ہیں[۱۸] ان کے بارے میں یہ جملۂ تشکر عام طور سے سنا جاتا ہے "شیخ چرّی کے بغیر امریکا میں اسلام نہ ہوتا۔" جہاں تک شیعہ سنی تنازعات کا تعلق ہے تو اس کے لیے چرّی کو قابل الزام نہیں سمجھا جاتا۔ میرے ایک اطلاع کنندہ نے مجھے بتایا کہ اس تقسیم کی ہمت افزائی چرّی نے نہیں بلکہ لبنان سے آنے والے شیوخ نے کی تھی۔

مجھے بتایا گیا کہ شیخ چرّی کا ابتدا ہی سے منصوبہ تھا کہ وہ ایک مسجد تعمیر کریں گے۔ بہرحال انھیں برادری کی طرف سے اندرونی اختلافات کا سامنا کرنا پڑا اور وہ مشی گن سٹی انڈیانا چلے گئے۔ ڈیربورن کے شیعوں کی یہ خوش قسمتی تھی کہ چرّی کے وفاداروں کا ایک چھوٹا سا گروہ اُن کا حمایتی بن کر کھڑا رہا۔ چرّی نے لبنان واپس آ کر ایک ایسے شخص کو اپنا دوست بنایا جس کی رسائی مصر کے صدر جمال عبدالناصر تک تھی، صدر ناصر سے انھوں نے کافی رقم حاصل کی تاکہ اس کے ذریعے وہ شیعوں کے ناتجربہ کار گروہ کو اس امر کے لیے متحرک کر سکیں کہ وہ ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسجد کی تعمیر کا کام شروع کر سکیں۔ یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ چری نے نجف میں شیعوں کی مذہبی قیادت سے رجوع نہیں کیا بلکہ وہ اس زمانے کے ایک ممتاز عرب سیاسی رہنما سے ملے جو سنی تھے۔[19]

امریکا کے اسلامی مرکز کی تعمیر ایثار پسندانہ عطیات کی کہانیوں سے بھری ہوئی ہے۔ رقم جمع کرنے کے لیے کی گئی ضیافتوں سے بہت فائدہ ہوا اور مجھے تو یہ بھی بتایا گیا کہ بعض لوگوں نے اپنے مکانوں کو دوبارہ رہن رکھ دیا تا کہ وہ چندہ دے سکیں۔ آخر کار ۱۹۶۳ء میں ڈیٹرائٹ میں جوائے روڈ پر مرکز مکمل ہو گیا اور اس کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اس کا گنبد والا بیرونی حصہ اور اس کے منارے مسجد کی شکل ظاہر کرتے ہیں لیکن اس کا اندرونی حصہ بالکل ہی سادہ ہے جس میں چند مستطیل کمرے ہیں جہاں فولڈنگ کرسیاں اور فارمیکا کی میزیں نہ بچھائی جائیں تو ویران معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے ایک طرف شیخ کے کمرے کے سامنے استقبالیہ کی میز رکھی ہوئی ہے۔ کمرے کی دوسری طرف کتابوں کی الماریاں لگی ہوئی ہیں جن میں کئی برسوں کے دوران امام محمد جواد چری کی تصنیف کردہ متعدد کتابیں رکھی ہوتی ہیں، جن کے نام اس طرح کے ہیں ''شیعہ حملوں کی زد میں''، ''پیغمبر کے بھائی'' اور امام علی کے بارے میں ایک کتاب اور ان ساری چیزوں کو دیکھ کر اس کے بارے میں ایک سنی مسجد ہونے کی غلط فہمی نہیں ہوسکتی۔

اسلامی مرکز وقت گزرنے کے ساتھ

اگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس مسجد میں کوئی تبدیلی آئی ہے تو وہ یہ اس کی ظاہری شکل وصورت اور ان لوگوں کے رویوں میں آئی ہے جو یہاں اکثر آتے رہتے ہیں۔ ۱۹۴۰ء کی ایک تصویر میں بچوں کی ایک کلاس دکھائی گئی ہے جس میں اسکول جانے والی عمر کے بچے اپنے اتوار کے بہترین لباس میں ہیں، کلف لگے جھالردار لباسوں میں ملبوس لڑکیاں لڑکوں کے درمیان بیٹھی ہوئی ہیں اور ایک کے علاوہ باقی ساری لڑکیاں نفیس قسم کی ٹوپیاں پہنے ہوئے ہیں۔
برادری کے بزرگ جب اپنے اس ابتدائی عہد کو یاد کرتے ہیں تو اپنے آپ پر ہنستے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ بہت سے لوگوں نے یہ کہا کہ ''عورتیں مسجد میں بھی اپنے بالوں میں گھونگریالے چھلے ڈالے رہتی تھیں'' آج تو یہ بات ناقابل تصور ہے۔ اس ابتدائی عہد کے لوگوں نے اسلامی لباس پہننے کے بارے میں سوچا بھی نہیں حتیٰ کہ سادہ اور روایتی اسکارف بھی بہت کم دیکھنے میں آتے تھے۔ مزید یہ کہ شیخ چرّی ۱۹۶۰ء کی ایک تصویر میں سوٹ اور نکٹائی میں نظر آتے ہیں ان کے کاندھوں پر ایک عبا پڑا ہوا ہے لیکن وہ بھی آج کا لباس نہیں ہے۔ وہ پگڑی باندھتے تھے لیکن اکثر مجمع میں اسے بھی اتار دیتے تھے۔

صرف لباس ہی کی وضع قطع تبدیل نہیں ہوئی ہے مجھے تو ایک لڑکی نے، جو مسجد کے افتتاح کے وقت جوان تھی، بتایا کہ اسے وہاں (مسجد میں) پارٹیوں اور رقص کی محفلوں میں جانا یاد ہے۔ اسلامی مرکز میں لبنان کی روایتی شادیوں کا انعقاد عام بات تھی جس میں موسیقی اور رقص و سرود ہوتا تھا۔ اب اس قسم کی روایتی شادیاں مقامی شیعہ مسجدوں میں نہیں بلکہ کرایہ کے ہالوں میں ہوتی ہیں۔ ایک عورت نے جو ۱۹۵۰ء کے عشرے میں جبل امل سے آئی تھی بتایا کہ لوگوں نے شادی بیاہ کی تقریب میں میز کے نیچے رکھی ہوئی شراب کی چسکی لینا بھی شروع کردی تھی۔ اُس کے تیس سالہ بیٹے کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ بھونچکا رہ گیا تھا۔ میں نے اسے یقین دلایا کہ مجھے معلوم تھا کہ اس وقت سے اب تک حالات میں بڑی ڈرامائی تبدیلی آچکی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حالات تبدیل ہوگئے ہیں اور ایسی تبدیلیوں کے لیے شیخ چرّی بھی ذمے دار ہیں۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے ''وہ بڑی مشکل سے لوگوں کو دھیرے دھیرے اسلام کی طرف لائے۔ انھوں نے کبھی ہمیں زور سے دھکا نہیں دیا۔'' یہ الفاظ ہیں ان کے ایک ابتدائی پیروکار کے جس نے یہ بھی کہا کہ چرّی سختی کا مظاہرہ کرکے نوجوانوں کو بھگانا نہیں چاہتے تھے۔ چرّی کو یہ خطرہ تھا کہ اگر یہ لوگ معاشرے کے بڑے حصے سے بہت زیادہ مختلف نظر آئیں گے یا ان لوگوں کا رویہ دوسروں سے الگ تھلگ ہوگا تو انہیں ایک بے چینی محسوس ہوگی اور ہوسکتا ہے کہ یہ اسلام ہی سے برگشتہ ہوجائیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امریکا کا اسلامی مرکز جب ایک بار قائم ہوگیا تو شیعہ برادری پیشین گوئی کے مطابق آگے ہی بڑھتی رہی۔ اس کے ارکان بڑی تعداد میں امریکی معاشرے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ضم ہو گئے۔ کم تعداد میں ہونے کے باوجود وہ جلد از جلد انگریزی سیکھ لینا چاہتے تھے۔ ان کے بچے عربی بولنے کے ماحول میں عربی بولتے ہوئے بڑے ہوئے ہوں گے لیکن ان میں سے چند ہی کو عربی پڑھنے اور لکھنے کی باضابطہ تعلیم ملی تھی۔

یہ صحیح ہے کہ شیخ چری کی بنائی ہوئی قیادت بہت خوشحال ہوگئی۔ اس برادری نے اپنے اسلامی امتیازات کو برقرار رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن ایک لحاظ سے یہ کوشش بھی امریکی معاشرے سے مطابقت رکھتی تھی۔ اپنے حلقہ انتخاب میں شیخ چری اس لحاظ سے بہت مشہور ہو گئے کہ وہ امریکا اور عیسائیت کو خوب سمجھتے تھے۔ اس برادری کے ان ارکان نے جنہیں ہاشمی کلب اور بعد از اں اسلامی مرکز میں اتوار اسکول کے پروگرام یاد ہیں، مجھے بتایا ہے کہ انہوں نے عیسائیت کے بارے میں شیخ چری سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ عیسائیوں کی تعطیلات کے موقع پر انہیں ان دنوں کی تاریخ اور اہمیت بتائی جاتی تھی، چری امریکیوں کو اسلام سکھانے میں دلچسپی لیتے رہے اور اس معاملے میں انہیں اپنی اجتماعیت کا تعاون حاصل رہا۔ تاہم وہ عیسائی دینیات کو مذہب کے بارے میں امریکی نقطہءنظر سے گڈمڈ کر دیتے تھے۔ اس لیے وہ زیادہ کامیاب نہیں رہے۔

شیخ چری ایک طویل عرصے تک ڈیربورن اور ڈیٹرائٹ میں شیعوں کے ترجمان رہے۔ ریڈیو اور اخبارات عرب دنیا اور اسلام کے بارے میں ان کی رائے دریافت کرتے تھے۔ جن مسائل پر چری اپنے پیروکاروں اور عوام کے سامنے بولتے تھے اُن سے یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ عالمی واقعات سے کتنے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ ایک شخص، جو ۱۹۵۰ء کے عشرے میں ساؤتھ اینڈ میں بچہ تھا جب شیخ چری وہاں تبلیغ کرتے تھے، اپنی یادداشت کے مطابق کہتا ہے کہ شیخ نے فلسطین کے لیے سیاسی جدوجہد کی تلقین نہیں کی۔ وہ اپنے سامعین سے کہتے تھے کہ انہیں اسرائیل کی حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قسم کی تلقین کا مقصد آبادکاروں کو امریکا میں زندگی گزارنے کا حوصلہ دینا ہوتا تھا لیکن اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں اسلام کے تاثر کے بارے میں بہت حساس تھے اور اسے پسند نہیں کرتے تھے کہ اسلام امریکا کا مخالف نظر آئے۔

۱۹۷۰ء میں ناصر کی موت کے وقت چری نے اس عرب رہنما کے لیے تعریف و توصیف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے جو الفاظ استعمال کیے وہ اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ شیخ چر ی ناصر کی بین العرب تحریک سے کس قدر متاثر تھے۔ یکم اکتوبر ۱۹۷۰ء کے گارڈن سٹی گائڈ جرنل میں شیخ چر ی کا یہ جملہ نقل کیا گیا ہے کہ ''ناصر اشتراکیت اور عربوں کے درمیان ایک رکاوٹ تھے۔'' اس کے علاوہ چر ی کے اشتراکیت مخالف جذبات بھی ان کے امریکا نواز موقف کا اظہار کرتے ہیں۔

۱۹۸۰ء کے عشرے تک چر ی مشرق وسطیٰ کے حالات سے پیدا ہونے والے جذبات کے مقابلے میں شیعوں کی مدافعت کرتے رہے۔ اخبارات میں ان کے جو بیانات چھپتے تھے ان سے ان کی نازک پوزیشن کا اندازہ ہوتا تھا۔ بیروت میں ٹی ڈبلو اے کے ہوائی جہاز کے اغوا کے بعد ڈیٹرائٹ فری پریس نے لکھا تھا کہ ''چر ی اغوا کو قابلِ معافی تو نہیں سمجھتے لیکن اس حرکت پر انہیں تعجب بھی نہیں ہوتا،'' چر ی کا یہ جملہ نقل ہوا تھا کہ... ''یہ اس بلی کی مانند ہے جو سو رہی ہو اگر آپ اس پر چڑھ جائیں اور وہ آپ کو کاٹ لے تو کیا آپ کو تعجب ہوگا، اگر دو یا تین آدمی اس بنا پر جہاز اغوا کر لیں کہ اسرائیل ان کے بھائیوں کو قیدی بنائے ہوئے ہے تو کیا آپ کو تعجب ہوگا؟'' ۱۹۸۰ء کے عشرے تک مشرق وسطیٰ کی سیاسی صورت حال میں اتنی شدت پیدا ہوگئی تھی کہ مسلمان برادری قطعی طور پر اسرائیلیوں کو اپنے دشمن کے طور پر دیکھنے لگی تھی۔ اس وقت تک ڈیربورن میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تھی ان کے احساسات ہر مذہبی رہنما کے نزدیک اہمیت اختیار کر گئے تھے۔

لیکن ایرانیوں کے بارے میں کیا کہا جائے؟ یہ اس وقت بھی ایک نازک مسئلہ تھا اور آج بھی ایک نازک مسئلہ ہے۔ ایران اور لبنان کے اغوا اور بمباری کے واقعات چر ی اور ان کے مقربین کے لیے سوہان روح بنے ہوئے تھے۔ ۲۵ جولائی ۱۹۸۵ء کے ڈیر بورن ٹائمز ہیرالڈ کے شمارے میں لبنان میں امریکیوں کے اغوا کی ایک رپورٹ کے ضمن میں چر ی کا یہ بیان نقل ہوا تھا ''شیعہ اچھے لوگ ہیں۔ ان کے بارے میں چند افراد کے عمل کی بنا پر فیصلہ نہیں کرنا چاہیے'' چر ی کی باتوں سے انٹرویو لینے والے نے یہ مفہوم اخذ کیا کہ ''ڈیربورن کے شیعوں کو ایران کے ان مسلمانوں کے ساتھ خلط ملط نہیں کرنا چاہیے جو ایران میں اسلام کے نام پر شعلہ نشان انقلاب کی وکالت کرتے ہیں۔'' جب شیطانی آیات کا مسئلہ ابھرا تو اخبارات نے پھر چر ی کی رائے معلوم کرنے کی کوشش کی۔ ٹیلی ویژن پر انٹرویو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیتے ہوئے چرّی نے رشدی کو ان الفاظ میں برا بھلا کہا کہ ''وہ ایک کتا ہے جسے قتل کر دیا جانا چاہیے۔'' ایک اطلاع کنندہ نے تو یہ بھی بتایا کہ چری لوگوں کی ہمت افزائی کر رہے تھے کہ وہ رشدی کے خلاف اپنا احتجاج گلی کوچوں تک پھیلا دیں۔ یہ حقیقت کہ لوگوں نے ایسا نہیں کیا مرکز کے حاضرین کے قدیم الخیال رجحانات کی عکاسی کرتی ہے۔

اسلامی مرکز پرانے اور نئے آبادکاروں کے لیے عبادت کا ایک گھر ہے اور ان دونوں کے درمیان تناؤ کی ایک کیفیت موجود ہے۔ جو لوگ امریکی معاشرے میں گھل مل گئے ہیں وہ اگرچہ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان تو کرتے ہیں لیکن وہ اپنے لبنانی ماضی سے بہت گہری وابستگی کا اظہار نہیں کرتے، ان میں بعض لوگ تو اپنی امریکی حب الوطنی پر فخر کرتے ہیں اور ایران اور خمینی کی حکومت اور ان کے مذہبی جانشینوں سے اختلاف کا اظہار کرتے ہیں، حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو ایران کی اسلامی جمہوریہ کے مقاصد اور نظریات سے ہمدردی رکھتے ہیں وہ اس سیاسی تقسیم میں حصہ لینے کے خلاف ہیں جو لبنان کو پریشان کیے ہوئے ہے۔ نو واردوں کی بڑی اکثریت لبنان کے مسائل کو پیچھے چھوڑ دینا چاہتی ہے لیکن ایسا کرنا ان کے لیے بڑا دشوار ہے۔

اسلامک انسٹی ٹیوٹ (اسلامی ادارہ)

یہ بات کہ ۱۹۸۰ء کے عشرے کا وسط آتے آتے شیخ چری تمام شیعوں کی نمائندگی کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے اس حقیقت سے ظاہر ہوتی ہے کہ ۱۹۸۵ء میں اسلامک انسٹی ٹیوٹ (اسلامی ادارہ) قائم کر دیا گیا تھا۔ ڈیربورن کے مشرق میں وارن ایونیو میں شیعہ لبنانی برادری کے قلب میں واقع اس ادارے کے ڈائریکٹر شیخ عبداللطیف بری ہیں جو نجف کے تربیت یافتہ ایک شیخ ہیں اور ان کا تعلق جنوبی لبنان میں طبنن سے ہے۔ اسلامی ادارہ (مجمع) کی تعمیر ایک مسجد کی طرح نہیں ہوئی تھی بلکہ اسے ایک تجارتی عمارت میں ترمیم کر کے اس طرح بنایا گیا تھا کہ یہ برادری کی مختلف سماجی تعلیمی اور روحانی ضروریات کی تکمیل کر سکے۔ اسلامی مرکز کی طرح اس ادارے کی شکل مشرق وسطیٰ کی مسجدوں کی سی نہیں ہے۔ خاص اجلاس کے کمرے میں میزیں اور کرسیاں رکھی ہوئی ہیں۔ معاشرتی تقریبات کے مواقع پر اگر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھانا کھلایا جاتا ہے تو میزوں پر کاغذ کے دستر خوان بچھا دیئے جاتے ہیں اور استعمال کے بعد پھینک دی جانے والی چائے کی پیالیاں اور پلاسٹک کے برتن استعمال کیے جاتے ہیں۔ مختلف مواقع پر مقامی طور پر تیار کردہ خوش خطی کے فریم دیواروں پر لگائے جاتے ہیں۔ کبھی کبھار کمرے میں خمینی کی بہت بڑی تصویر بھی نظر آتی ہے۔ لیکن رمضان اور دوسرے مقدس دنوں میں عمارت کا حلیہ بدل جاتا ہے۔ کمرے میں باجماعت نماز کے لیے صفیں بچھادی جاتی ہیں۔ اگر ایک طرف بعض مومن (اس حلقے کے اہم حضرات اور خواتین اپنے لیے یہی لفظ استعمال کرتے ہیں) نماز میں مشغول نظر آتے ہیں تو دوسری جانب بعض دیگر حضرات آپس میں بات چیت میں مصروف اور بھاری بھرکم نقابوں میں پوشیدہ خواتین اپنے کمسن اور شیرخوار بچوں کے ہمراہ کمرے کے مختلف کونوں میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتی نظر آتی ہیں۔ یہ وہ کمرہ نہیں ہے جس میں نماز ادا کی جاتی ہے، شیخ بری بالائی منزل پر وارن ایوینیو کی طرف والے کمرے میں نماز کی امامت کرتے ہیں۔ جب اس کمرے میں برقی قمقمے روشن ہوجاتے ہیں تو گلی سے بھی اس کمرے میں مردوں کو اور چند مواقع پر پچھلی قطار میں عورتوں کو رکوع وسجود میں مشغول دیکھا جاسکتا ہے۔

شیخ بری کہتے ہیں کہ یہ عمارت مسجد کے مقصد کے لیے بنی ہی نہیں تھی بلکہ یہ زیادہ تر تعلیمی مقاصد کے لیے بنی تھی۔ وہ یہ نہیں چاہتے کہ باہر والے یہ سوچیں کہ یہ عمارت اسلامی مرکز سے کھلم کھلا خلاف ورزی کرکے بنائی گئی تھی، تاہم یہ بات عام طور سے مشہور ہے کہ یہ ادارہ مرکز کے ردعمل کے طور پر قائم کیا گیا تھا۔ جیسا کہ ایک انتہائی باخبر خاتون نے ایک بار کہا، ''شیخ بری کو شیخ چری نے طلاق دے دی تھی۔'' حقیقت یہ ہے کہ بری نے اپنے کام کی ابتدا مرکز میں ایک مبلغ کے طور پر کی تھی لیکن بہت جلد وہ چری اور مرکز کے بورڈ آف ڈائریکٹرز سے اختلاف کی وجہ سے اس سے علیحدہ ہوگئے۔ دونوں افراد میں تعلقات اب بھی بہت کشیدہ ہیں اگرچہ ظاہری طور پر دونوں مسجدوں کے درمیان رابطہ موجود ہے اور ان میں کسی قسم کی مخاصمت نہیں ہے۔

جن لوگوں نے شیخ بری کے ادارے کے قیام کی حمایت کی تھی وہ اسلام کی اس انقلابی شکل سے بہت زیادہ متاثر تھے جس کی تلقین اسلامی جمہوریہ ایران کرتا تھا۔ اس گروہ کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نزدیک، جو لبنان کے تمام علاقوں کی نمائندگی کرتا ہے، اسلامی مرکز مغربی طریقوں کے معاملے میں بڑی رواداری برتنے لگا تھا۔ بہت سے لوگوں نے مجھے بتایا ہے کہ مرکز ایک گرجے کی مانند ہوگیا ہے۔ وہ عورتوں کے لباس اور صنفی علیٰحدگی جیسے معاملات میں نرمی برتنے پر مرکز کو ملزم قرار دیتے ہیں۔ اتوار کی مذہبی تقریب (سنڈے سروس) جیسی بدعتیں بھی ہدفِ تنقید بنتی ہیں۔ مجمع کے خاص ارکان اسلامی خواتین کے لباس اور برتاؤ کی شدت پسندانہ تشریح کی وکالت کرتے ہیں، مثلاً عورتوں کے بال، بازو اور ٹانگیں ڈھکی ہونا ضروری ہیں۔ عورتوں کو مردوں سے ہاتھ نہیں ملانا چاہیے (بلکہ بعض تو ایسے بھی ہیں جو کفار سے بھی ہاتھ ملانے کو پسند نہیں کرتے)، عبادات کے موقعوں پر مردوں اور عورتوں کو ساتھ نہیں بیٹھنا چاہیے، عورتیں عبادات میں مردوں کے ساتھ شریک نہ ہوں۔ مرد (اور عورتیں بھی) سونے کے زیورات پہننے سے پرہیز کریں۔ عورتوں کو اپنا بناؤ سنگھار صرف اپنے شوہروں کے سامنے ظاہر کرنا چاہیے، اور متعہ کے لیے جو صرف شیعوں کے نزدیک عارضی شادی کا ایک تسلیم شدہ طریقہ ہے، مومن کی منظوری ضروری ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ اتنے سخت رویئے مرکز میں نظر ہی نہ آئیں، یہ ضرور ہے کہ ادارے میں آنے والے لوگوں کی اکثریت ان شدت پسندانہ تشریحات و تاویلات پر یقین رکھتی ہے۔ مرکز کے برعکس ادارے کو اپنی مختصر زندگی میں وسیع معاشرے میں گھل مل جانے کے بہت زیادہ تجربات نہیں ہوئے ہیں لہٰذا مرکز میں موجود امریکی لبنانی اختلاف ادارے میں نظر نہیں آتا۔ ایسے انضمام پسند مسلمان ادارے میں نظر نہیں آتے جو عیسائیوں اور مسلمانوں میں مناظرے کی امید کرتے ہوں۔ لبنانی مسلمانوں کو صحیح راستے پر رکھنا ادارے اور مرکز دونوں کی خواہش ہے، تاہم مرکز کے بعض ممبروں کی خواہش اب بھی یہی ہے کہ مہاجروں کی آمد سے پہلے جو کچھ شروع کیا گیا تھا وہ جاری رہے یعنی ایک ایسے معاشرے کی تعمیر جو بیک وقت صحیح اسلامی بھی ہو اور صحیح امریکی بھی۔

عام طور سے یہ بات کہی جاتی ہے کہ مرکز لبنان کی حرکت امل سے زیادہ ہمدردی رکھتا ہے اور ادارے کو عام طور سے حزب اللہ تحریک سے بہت قریب سمجھا جاتا ہے۔ بہر حال اپنے قیام کے پانچ سال یا اس سے کم وبیش مدت میں ادارے میں کچھ تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر کوئی سماجی اغراض سے یا رمضان، عیدالفطر اور عاشورہ کے مواقع پر ادارے میں حاضری دیتا ہے تو اسے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برادری سیاسی مفادات کے ایک وسیع تناظر کی نمائندگی کررہی ہے۔ صرف ایسے مواقع پر مثلاً تعلیم بالغان کے خصوصی پروگرام ہوں یا ایران میں کچھ اہم واقعات پیش آ گئے ہوں مثلاً خمینی کی وفات، ایران کا زلزلہ تو ہر شخص خود کو اسلام کے سلسلے میں حزب اللہ کے طریقے سے قریب سمجھنے لگتا ہے۔

بہرحال برادری کے بہت سے لوگ امل یا حزب اللہ کسی میں بھی فعال طور پر شامل نہیں ہیں بلکہ اکثر لوگ تو لبنانی سیاست سے دور ہی رہنا چاہتے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے مجھ سے کہا کہ وہ مسجدوں کی باضابطہ عبادات میں شریک نہیں ہوتے کیونکہ یہ دونوں (مرکز اور ادارہ) بہت زیادہ سیاسی ہوگئے ہیں۔ تاہم میں نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے جو امل اور حزب اللہ کے تنازعے سے بچنے کے لیے مرکز اور دونوں اداروں میں یہ دکھانے کے لیے جاتے ہیں کہ ان کے دل میں کسی کے خلاف کوئی تعصب نہیں ہے۔

امریکا کی اسلامی کونسل

اسلامک کونسل آف امریکا ایک دوسری کہانی ہے۔ یہ کونسل ۱۹۸۹ء کے موسم سرما میں قائم ہوئی تھی لیکن کئی مہینوں تک تو برادری کے بہت سے لوگوں نے اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دی تھی۔ یہ اینٹ کی بنی ہوئی ایک دومنزلہ تجارتی عمارت تھی جس کو عبادت اور مطالعہ کے قابل بنانے کے لیے مناسب تبدیلیاں کی گئیں۔ اس چھوٹی سی عمارت کے سامنے گلی کی شمالی جانب ایک کمرہ نماز اور تبلیغ کے لیے ہے۔ جنوب کی طرف بھی، جدھر گلی سے داخل ہونے کا ایک دروازہ ہے، ایک اجتماعی کمرہ ہے جس میں کوئی بھی شخص رمضان کے مہینوں میں افطار کے لیے یا عام جلسوں کے لیے جا سکتا ہے۔ رمضان کے مہینے میں یہ کمرہ عورتوں اور بچوں کے لیے مخصوص ہوتا ہے جبکہ مرد عبادت والے کمرے میں جمع ہوکر اسلامک کونسل کے ڈائریکٹر شیخ محمد علی بروکی تقریر سنتے ہیں۔ سادگی کے لحاظ سے کونسل بھی مرکز یا انسٹی ٹیوٹ (ادارہ) سے مختلف نظر نہیں آتی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہر حال بعض خصوصیات کونسل کو مرکز اور ادارے سے ممتاز کرتی ہیں جن میں سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ کونسل میں ایسا کوئی شخص شریک نہیں ہوگا جو اسلام کے تمام قوانین کے ساتھ مکمل مطابقت نہ رکھتا ہو۔ کم از کم ظاہری وضع قطع میں یہ مطابقت بہت ضروری ہے۔ اس مسجد میں صرف اس قسم کا حجاب ہی استعمال نہیں ہوتا جو عرب بنیاد پرست مسلمانوں کی نئی نسلوں میں عام ہے بلکہ ایرانی چادر بھی استعمال ہوتی ہے۔ یوں تو چادر ادارے میں بھی نظر آتی ہے لیکن وہ ایک جھالر دار اسکارف کے ساتھ ہوتی ہے تاکہ چادر کا تاثر کم از کم عام تعطیلات اور سماجی تقریبات کے مواقع پر کم ہو جائے۔ کونسل میں یہ صورت حال نہیں ہے۔ یہاں خواتین اپنے سر اور باقی جسم کو پوری طرح ڈھانپ کر رکھتی ہیں، مرد عموماً ڈاڑھی رکھتے ہیں کالر دار قمیض استعمال کرتے ہیں اور بڑی سنجیدہ وضع قطع رکھتے ہیں۔ پھر یہاں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو ادارے کے ہال اور نماز کے کمرے والوں کی طرح نظر آتے ہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کے ساتھ بیٹھے ہوں جس کا اسلام کے بارے میں تصور خود ان کے اپنے تصور سے بالکل الگ ہو۔

قطعی طور پر تو بتانا مشکل ہے کہ اگر کونسل میں کوئی عورت مغربی لباس پہن کر اور ہیٹ لگا کر آ جائے تو کیا ہوگا، صحیح معنوں میں یہ ناقابل تصور ہی ہے کہ کوئی عورت ایسی جرأت کرے۔ کونسل میں اپنے علاوہ میں نے اور کسی عورت کو نہیں دیکھا جس نے چادر یا حجاب نہ پہن رکھا ہو۔ ایک اطلاع کنندہ نے مجھے بتایا کہ ایک میت کی آخری رسومات کے موقع پر شیخ برو مرکز میں تقریر کر رہے تھے اور اچانک ایک عورت کو انہوں نے سختی کے ساتھ اور سب کے سامنے ڈانٹنا شروع کر دیا کیونکہ اس نے اپنا سر نہیں ڈھانکا ہوا تھا۔ وہ عورت مرنے والے کی ایک لبنانی عیسائی دوست تھی۔

ادارے کی دوسری خصوصیت ڈائریکٹر شیخ برو کا دفتر ہے۔ اس کمرے میں قیمتی قالین اور آرام دہ صوفے اتنی اہمیت نہیں رکھتے جتنی اہمیت اس بات کی ہے کہ کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ہر شخص جوتے اُتار دے۔ یہ لبنان کا نہیں بلکہ ایران کا رواج ہے اور یہ شیخ برو کے اس اسلامی رویے کو ظاہر کرتا ہے جو انہوں نے تقریباً سترہ سال قم میں رہ کر وہاں کے علماء سے سیکھا تھا۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ بری کی طرح شیخ برو نے بھی ڈیربورن کی برادری میں اپنے کام کی ابتدا مرکز ہی سے کی تھی لیکن یہاں انہیں بہت نقائص نظر آئے۔ وہ ان عورتوں کو ناپسند کرتے تھے جو ۱۹۶۰ء کے عشرے سے پہلے کی کیتھولک عیسائی عورتوں کی طرح اپنے سروں پر اسکارف باندھتی تھیں اور مردوں کے ساتھ میز پر بیٹھتی تھیں۔ مرد عورتوں سے مصافحہ کرتے ہوئے بھی نظر آتے تھے۔لوگوں نے مجھے بتایا کہ شیخ برو اس بات پر بڑے تعجب کا اظہار کرتے تھے کہ ایسے لوگ بھی جنھوں نے حج کر رکھا ہے ایسی حرکتیں کر سکتے ہیں۔ بہرحال مرکز سے ان کی مکمل علیحدگی ایک زیادہ اہم اور بنیادی معاملے کی وجہ سے عمل میں آئی۔ یعنی مرجع تقلید کے معاملے میں، جو شیعی اسلام میں فضیلت علمی پر مبنی عالمانہ قیادت کا ایک سلسلہ ہے۔ اٹھارھویں صدی تک مذہبی اشرافیہ کا ایک طبقہ تھا جنھیں مجتہد کہتے تھے انہیں اجتہاد کرنے یعنی حکمت ودانائی پر مبنی مذہبی فیصلے کرنے کا حق تھا۔ آخر کار مجتہدین کا ایک سلسلۂ مدارج قائم ہوگیا اور مرجع آیت تقلید تام کے تصور کو اداراتی شکل مل گئی[۲۰] مرجع کے انتخاب کے لیے علم کی برتری کو عام طور سے ایک لازمی شرط سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا کوئی واضح معیار نہیں ہے جو اس انتخاب پر حاوی ہو۔حقیقت یہ ہے کہ برادری میں قیادت کا منصب کیسے حاصل ہو اس کا تعین کرنے کے لیے کرشماتی قیادت ایک بہت اہم عنصر ہے، آخر کار اس بات کا فیصلہ یہی کرتی ہے کہ کس مرجع کی پیروی کی جائے۔ ڈیربورن میں شیعوں کی اکثریت نجف کے آیت اللہ ابوالقاسم خوئی کے انتقال کے وقت تک انہیں کی مقلد تھی اگرچہ ایک اچھی خاصی تعداد خمینی کی زندگی تک ان کی بھی مقلد تھی۔

۱۹۸۹ء کے موسم گرما میں آیت اللہ خوئی نے عظیم ڈیٹرائٹ کے علاقے میں ایک اسلامی اسکول قائم کرنے کے لیے اسلامی مرکز کو کئی ملین ڈالر کی پیشکش کی۔ شیخ برو کے ذریعے کی جانے والی یہ پیشکش اس شرط پر کی گئی تھی کہ وہ اسکول خوئی فاؤنڈیشن کے زیرِ انتظام ہوگا۔ اسلامی مرکز نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا، مرکز کا موقف یہ تھا جب وہ کوئی اسکول قائم کرے گا تو اس کا انتظام مقامی طور پر اس کے بورڈ آف ٹرسٹیز کے پاس ہونا چاہیے۔ جب یہ پیشکش شیخ بری اور اسلامی ادارے کے سامنے آئی تو انہوں نے اسے قبول کرلیا۔ اب اس اسکول کی تعمیر کے منصوبے پر کام ہورہا ہے۔[۲۱]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ برو برادری کے واحد قائد ہیں جنھیں میں نے دوسرے مذہبی گروہوں کو برا بھلا کہتے سنا ہے، ایک ہی تقریر میں ایک بار صوفیوں، احباریوں[۲۲] اور بابی بہائیوں سب پر لعن طعن کرتے رہے۔ دوسری مسجدوں میں کبھی کبھار سنیوں پر تنقیدیں کی جاتی ہیں لیکن یہ عموماً ان الزامات کے جواب میں ہوتی ہیں جو شیعوں کے خلاف سنی لگاتے ہیں۔ اس طرح یہ تقریریں پورے طور پر سُنی اسلام کے خلاف نہیں ہوتیں۔

برادری میں اختلافات

مذکورہ بالا تینوں مساجد کے درمیان اختلافات کا تعلق اس امر سے ہوتا ہے کہ ''شریعت پر راغب''[۲۳] مسجد کی مذہبی قیادت اور نمازیوں کا مجمع مذہبی قوانین کی تعمیل کو کتنی اہمیت دیتے ہیں۔ ڈیربورن میں کوئی شیعہ شیخ یہ نہیں کہے گا کہ شریعت اہم نہیں ہے تاہم ان طریقوں میں اختلاف ہے جن کے مطابق یہ لوگ اس قانون کی اتباع کرتے ہیں، کچھ لوگوں کی رائے میں اپنے ثقافتی سیاق و سباق پر غور کرنا صحیح ہے۔ یہ سیاق و سباق امریکا اور لبنان دونوں ہی سے تعلق رکھتا ہے۔

ڈیربورن کے لبنانی شیعوں نے نجف اور شیعہ علوم کے دوسرے مراکز سے ہٹ کو خود اپنا ایک مذہبی تشخص وضع کر رکھا ہے اگر چہ انہوں نے شیعی اسلام کے مرکزی عناصر کو تو بحال رکھا ہے لیکن انہوں نے مذہب کو اپنے مخصوص ماحول میں ڈھال رکھا ہے۔ اب یہ لوگ ایک بڑے دلچسپ دوراہے پر کھڑے ہیں وہ لوگ جنھیں شریعت کا زیادہ خیال ہے وہ امریکا میں ایک ''خالص اسلام'' دیکھنا چاہتے ہیں، وہ لوگ اسلام کو غیر ثقافتی بنانا چاہتے ہیں اور اس بات سے انکار کرنا چاہتے ہیں کہ جس معاشرے میں وہ رہ رہے ہیں اس کا ان کے مذہب سے کوئی تعلق ہے، یہ گروپ ادارے سے یا کونسل سے الحاق کر کے رہنا چاہتے ہیں۔ دوسروں کے لیے ثقافتی سیاق و سباق بہت زیادہ اہم ہے۔ مذہب کے معاملے میں روایتی نقطہ نظر رکھنے والے بہت سے تارکین وطن، نئے اور پرانے دونوں ہی، یہ چاہتے ہیں کہ ان کے لبنانی رسم و رواج قائم رہیں۔ حالانکہ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ امریکی معاشرے سے نباہ کرنے کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ اسلامی مرکز میں ان لوگوں کے لیے کشش ہے جن کے نزدیک ثقافتی تشخص اہم ہے۔

ڈیربورن میں شریعت پسندوں اور روایت پسندوں میں کوئی واضح تقسیم نہیں ہے۔ ہر گروہ کا اپنا لائحہ عمل ہے۔ تاہم لوگوں کے انٹرویو یا ان سے سرسری گفتگو کرتے ہوئے مجھے اس بات کا واضح احساس ہوا کہ لوگ خود بھی چاہتے ہیں کہ برادری میں اس قسم کی تقسیم کسی نہ کسی حد تک باقی رہے۔ مزید برآں ہر گروہ یہی سمجھتا ہے کہ وہی صحیح اسلام کی اتباع کر رہا ہے۔

شریعت پسند اُن مسلمانوں پر کھلی تنقید کرتے ہیں جو پوری طرح ستر پوشی سے کام نہیں لیتے، سخت غذائی قوانین پر عمل نہیں کرتے اور اپنی شادی بیاہ کی تقریبات ہالوں میں یا ایسی ہی دوسری جگہوں پر منعقد کرتے ہیں۔ انہیں اسلام کے ایک ایسے ''دائرہ حیات'' والے نظریے پر اعتراض ہوتا ہے جس میں معمر لوگ مذہب کی ظاہری شکل وصورت اختیار کر کے لوگوں کا احترام حاصل کر لیتے ہیں، مثال کے طور پر زیارت کے لیے سفر کرنے میں اگلے سال تک انتظار کرنے کو قابل اعتراض سمجھا جاتا ہے۔ ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ سفر زیارت کر لینے کے بعد زائر اپنے مذہبی فرائض کے معاملے میں زیادہ باشعور ہو جاتا ہے۔ اسی لیے شریعت پسند لوگ کہتے ہیں کہ اس فرض کی ادائیگی میں ایک سال انتظار کا مطلب ہے زیارت اور زکوٰۃ وغیرہ جیسی عبادات کی ادائیگی میں دشواریوں میں اضافہ، جو اسلام کی طرف سے بے رغبتی ظاہر کرے گی۔ شریعت پسندوں کا خیال ہے کہ روایت پسند لوگ اپنے مذہبی فرائض محض عادتاً ادا کرتے ہیں اور یہ بذات خود حقیقت کی تلاش نہیں کرتے۔

روایت پرستوں کی عام رائے یہ ہے کہ شریعت پسند، جنھیں عام طور سے حزب اللہ کہا جاتا ہے، خواہ اس تحریک سے وابستہ ہوں یا نہ ہوں مذہب کو برباد کر رہے ہیں۔ مذہب کا معاملہ تو صرف مومن اور خدا کے درمیان رہنا چاہیے کیونکہ خدا ہی ہر شخص کے دل (اور خلوص) کا فیصلہ کرے گا۔ روایت پرست اپنے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی استعداد کے مطابق اپنے مذہب کے قانون پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ تسلیم کرتے ہیں عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے اعمال کی پابندی میں سخت ہوتے جائیں گے۔ انہیں یقین ہے کہ شریعت پسند عموماً معاشرتی دباؤ کے سامنے جھک جاتے ہیں اور جو کچھ ان کے دل میں ہوتا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اس کی وجہ سے وہ خدا کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے ۔ شریعت پرستوں پر یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ وہ مذہبی معاملات میں ایران کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ یہ الزام عام طور سے متعہ (عارضی شادی) کے سلسلے میں سنا جاتا ہے۔ اگر چہ متعہ لبنانیوں کے لیے نہ مکمل طور پر نامانوس ہے اور نہ وہ ان کے یہاں پوری طرح مستحکم اور قابل احترام عمل ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ متعہ نے ڈیربورن کے شریعت پسندوں کے درمیان اچانک مکمل احترام حاصل کرلیا ہو لیکن اس سمت میں پوری کوشش کی جارہی ہے۔

تاہم یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ روایت پسند لوگ اگر ایک طرف اپنے زیادہ قانون پسند اور پابند شریعت ہم مذہبوں کی غلطیاں نکالتے رہتے ہیں تو دوسری طرف وہ مذہب کے معاملے میں اپنے نقطہء نظر میں تضاد کا اظہار کرتے رہتے ہیں، ننگے سر رہنے والی عورتوں کو اکثر اس بات کا یقین نہیں ہوتا کہ ان کا اسکارف اتارنے کا فیصلہ مذہبی لحاظ سے صحیح ہے۔ ایک عورت نے تو ان عورتوں پر رشک کا اظہار کیا جو اسکارف باندھ کر آرام و سکون محسوس کرتی ہیں۔ اسے یہ معلوم تھا کہ سر ڈھانکنا ایک مذہبی فریضہ ہے لیکن بس وہ خود اس پر عمل نہیں کرسکتی تھی ۔ کچھ وہ لوگ جو اپنی عبادات کے معاملے میں جدوجہد کرتے ہیں یعنی وہ رمضان میں عبادت کرتے ہیں لیکن وہ پورے سال ان فرائض کی ادائیگی نہیں کرتے ۔ بعض لوگ اس تشویش کا اظہار کرتے ہیں کہ شریعت پسندوں کے اعمال و عبادات کی تائید مذہبی کتابوں سے ہوتی ہے حالانکہ یہ لوگ خود ان کتابوں میں دیئے گئے احکام سے تعلق رکھنا یا تو پسند نہیں کرتے یا ان میں اس کی اہلیت نہیں ہوتی ۔ بعض لوگ جو ایسے بہت سے احکام پر عمل کرتے بھی ہیں انہیں بھی اس بات کا خیال رہتا ہے کہ وہ امریکیوں کی نظروں میں بہت زیادہ متشدد معلوم نہ ہوں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حزب اللہ والے مذہب کو مسخ کرتے ہیں اور اس طرح اسے بدنام کرتے ہیں۔ تاہم یہ بات واضح ہے کہ اس برادری کے ادعائی شکل کے اسلام میں رویئے کے لیے ایک معیار مقرر کرنے کا رجحان موجود رہتا ہے اور یہ کہ مذہبی قوانین کے سلسلے میں اب اکثر لوگ کم از کم اس سے زیادہ واقف ہیں جتنا وہ بصورت دیگر ہوتے۔ اس تاثر کا بطور خاص عورتوں کی عفت و پاکیزگی کے معاملے میں زیادہ اظہار ہوتا ہے۔ وہ عورتیں جو بیروت میں کھلے عام غسل کرتی تھیں اور مختصر لباس پہنتی تھیں وہ تنقید کے خوف سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈیربورن میں ایسا نہیں کریں گی۔

عوام پر مسجدوں کے اثرات

یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ مسجدوں نے مذہب کے معاملے میں برادری کے رویّے کو مستحکم اور مزید مضبوط کیا ہے، لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایسے رویّے مسجدوں کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ تینوں مسجدوں کی برادریوں کے اجتماعات پر لبنان اور مشرق وسطیٰ کی دوسری جگہوں کے واقعات نے بڑے گہرے اثرات ڈالے اور ہر مسجد میں ان اثرات نے مختلف شکلیں اختیار کیں۔

ان چیزوں کے بارے میں اسلامی مرکز کا رویہ بے حد لچک دار ہے جسے ''نرم رویہ'' کہا جاسکتا ہے۔ نئے ڈائریکٹر نے، جو حال ہی میں لبنان سے آئے ہیں، منگنی کی ایک تقریب کی رہنمائی کرتے ہوئے متعدد ننگے سر عورتوں کو تنبیہ کی کہ وہ اپنے سر ڈھانپ لیں۔ اپنے دستی بیگ سے اسکارف نکالتے ہوئے وہ عورتیں خوش مزاجی سے ہنستی رہیں۔ مرکز کا نظریہ یہ ہے کہ بہت زیادہ سختی نہ کی جائے لیکن اتنی سختی ضرور کی جائے کہ مرکز پر غیر اسلامی ہونے کا الزام نہ لگ جائے۔

ان مسجدوں میں سب کے بعد بننے والی مسجد اسلامک کونسل ان لوگوں کے لیے ایک پناہ گاہ کے طور پر تعمیر کی گئی تھی جو معاشرے سے کسی قسم کی مصالحت کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ شیخ برو نے کسی مصالحت کی اجازت نہیں دی، جیسا کہ ایک انٹرویو میں انہوں نے مجھ سے کہا ''مسلمان دوقسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو بہت سخت ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن مذہبی احکام پر عمل نہیں کرتے''۔ شیخ برو یہ سمجھتے ہیں کہ اس بات کا کوئی جواز نہیں ہے کہ کوئی مسلمان اسلامی تعلیمات پر عمل نہ کرے۔ یہ واضح حکم ہر اس شخص کے لیے ہے جو اسلامی کونسل کی چوکھٹ پار کر کے اس میں داخل ہو۔

اسلامی انسٹی ٹیوٹ (ادارہ) بھی رسمی طور پر اسلام کی ایک ''سخت عملی'' شکل کی تائید کرتا ہے۔ ادارے میں جو تعلیم دی جاتی ہے اس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ ہر شخص کے لیے لازم ہے کہ وہ مرجع تقلید کے فتاویٰ پر عمل کرے۔ جو لوگ پابندی کے ساتھ ادارے میں حاضری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیتے ہیں انہیں اس بات کا بڑا اشتیاق رہتا ہے کہ وہ مذہبی قوانین کے بارے میں معلومات حاصل کریں اور ان پر عمل کریں، انہی میں سے چند لوگ اسلامی کونسل کے اجلاسوں میں بھی نظر آتے ہیں۔ شیخ بری مذہب کے معاملے میں ایک سخت رویے کی تلقین کرتے ہیں، تاہم وہ اس معاملے میں کچھ لچک بھی دکھاتے ہیں کیونکہ انہیں یہ معلوم ہے کہ ان کے اجتماعات میں شریک ہونے والے تمام مسلمان قوانین کے اطلاق میں یکساں طور پر سخت نہیں ہو سکتے۔ اس سلسلے میں ایک عورت کا واقعہ ہے کہ وہ بیروت میں پلی بڑھی تھی اور اس نے اطالوی طرز زندگی اپنا رکھا تھا۔ وہ پوری طرح بناؤ سنگھار اور زیور کے بغیر گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ ایک بار اس نے شیخ بری سے پوچھا کہ کیا بناؤ سنگھار عورتوں کے لیے جائز ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ اس عورت سے یہ کہنا فضول ہے کہ وہ اپنا مسکارا اور آئی لائنر مکمل طور پر صاف کردے، انہوں نے اس سے یہ کہنا مناسب سمجھا کہ وہ نماز پابندی سے پڑھے اور ان قوانین کی پیروی کرے جو نماز کے دوران بناؤ سنگھار کی ممانعت کرتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے اس عورت کو برگشتہ بھی نہیں کیا اور اسے صحیح مذہبی مشورہ بھی دے دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ادارے کی قیادت نے اس بات کو تسلیم کرلیا ہے کہ اسلامی اصولوں پر عمل کرنے کے لیے سختی کرنے میں علاقے کے بہت سے لبنانی مسلمانوں کے برگشتہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

خلاصہ

ڈیربورن۔ ڈیٹرائٹ کے علاقے کے شیعوں نے ۱۹۶۰ء کے عشرے کی ابتدا میں ڈیربورن کے شمال میں کئی میل دور عرب اکثریت کے ایک علاقے میں اپنی مسجد یعنی اسلامک سینٹر آف امریکا تعمیر کی، حالانکہ وہاں ایک سنی مسجد پہلے سے موجود تھی۔ اس کے بعد سے شیعہ لبنانیوں کا رجحان ڈیربورن کے زیادہ خوش حال شمال مشرقی علاقے میں آباد ہونے کا رہا ہے جہاں شیعوں کی مزید دو مسجدیں تعمیر کی جا چکی ہیں۔

بعد میں بننے والی دونوں مساجد نے اس غلبہ پسند اسلام کے تاثر کو شدت سے اجاگر کیا ہے جو ۱۹۷۰ء کی دہائی سے مشرق وسطیٰ میں غالب آچکا ہے۔ جو مسلمان ان مسجدوں میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اکثر جاتے ہیں ان کے اندر اسلام کے ضابطہ پسندانہ پہلوؤں کو اہمیت دینے کا بڑا رجحان پایا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں مساجد میں سے ایک، یعنی اسلامی کونسل میں جو عبادت ہوتی ہے، اس قسم کے لوگوں کے لیے زیادہ کشش کا باعث ہے۔

ڈیربورن کی برادری میں انتہا درجے کے شریعت پسندوں اور ان لوگوں کے درمیان جو مذہب کی جانب ایک زیادہ روایتی نقطۂ نظر رکھتے ہیں، ایک قسم کا تضاد پایا جاتا ہے۔ روایت پرست لوگ یہ الزام لگاتے ہیں کہ شریعت پسند لوگ ''حزب اللہ والے'' ہیں جو آنکھ بند کرکے ایران کی تقلید کرنے ہیں جب کہ روایت پرستوں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ تو بس روایت پر عمل کرنے والے ہیں جنھوں نے اپنے مذہبی عقائد کے بارے میں کبھی غور ہی نہیں کیا۔ اگرچہ کسی خفگی کا لحاظ کیے بغیر شریعت پسند لوگ پوری برادری کے لیے اور خاص طور سے خواتین کی عفت و پاکیزگی کے حوالے سے ایک معیار مقرر کرتے ہیں۔

مسجد کی قیادت اس امر کا فیصلہ کرنے میں بڑے تذبذب کا شکار ہے کہ وہ قوانین کی پابندی کے لیے کس حد تک سختی کے ساتھ لوگوں سے اصرار کرے۔ اگرچہ اسلامی مرکز بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خاصا قدیم الخیال ہوگیا ہے تاہم اس کے تقاضے اور مطالبے تینوں مسجدوں میں اب بھی سب سے کم ہیں۔ سب سے آخر میں بننے والی مسجد اسلامی کونسل نے واضح طور پر یہ پیغام دے دیا ہے کہ جو شخص مکمل طور پر شیعہ قوانین کی پابندی نہیں کرتا وہ ایک سچا مسلمان نہیں ہے۔ اسلامی ادارہ بھی اگرچہ قانون پر زور دیتا ہے تاہم یہ اپنے اجتماعات میں روایتی قسم کے لوگوں اکٹھا کرلیتا ہے کیونکہ ادارے کی قیادت ان لوگوں پر کھلم کھلا تنقید کرنے سے گریز کرتی ہے جو سخت معیار کے اسلامی رویّے نہیں اپناتے۔

حواشی

یہ باب میرے پی ایچ ڈی کے مقالے کے لیے کی گئی تحقیق پر مبنی ہے اس تحقیق کے ضمن میں، میں نے مسجدوں کی تقریبات اور برادری کی دوسری سرگرمیوں میں حصہ لیا، مذہبی قائدین کا انٹرویو کیا اور پچاس شیعہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مردوں اور عورتوں کے بھرپور انٹرویو لیے ۔ اس تحقیق کے سلسلے میں، میں تین سال تک ڈیربورن میں اور مشرقی ڈیربورن کے ایک نواحی علاقے میں دو برس تک رہی اور بہت سے لوگوں سے بے تکلفانہ مراسم ہو گئے۔

۱۔ عبدالخولی The Arab Muslims in the Untied States (نیوہیون، کنیکٹی کٹ: کالج اینڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۶ء)

۲۔ سید امیر ارجمند اپنی کتاب The Shadow of God and the Hidden Imam (شکاگو: یونیورسٹی آف شکاگو پریس، ۱۹۸۴ء) ص، ۱ میں کہتے ہیں کہ اثنا عشری شیعوں کو مفید انداز میں اس قسم کا ایک عالمی مذہب قرار دیا جاسکتا ہے جو ویبر کے الفاظ میں ایک خودمختار عالمانہ معیار یا عقائد کا ایسا نظام ہے جو ایک بامعنی ثقافتی عمل میں شامل اور جذبات میں ملفوف کیا گیا ہے۔

۳۔ موجان مومن: An Introduction to Shi'i Islam (اوکسفرڈ: جارج رونالڈ، ۱۹۸۵ء) ص ۹۰ تا ۹۱۔

۴۔ میخائیل مشاقہ: Murder, Mayhem , Pillage and Plunder : The History of the Lebanon in the Eighteenth and Nineteenth Centuries وحیلر ایم تھیکسٹن جونیئر: ترجمہ ہے "منتخبات من الجواب علٰی اقتراح الاحباب کا Lebanese Ministere de l'Education Nationale: et des Beaux-Arts (بیروت: کیتھولک پریس، ۱۹۵۵ء؛ نیویارک: اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک پریس، ۱۹۸۸ء)

۵۔ چارلس عیسوی: "The Historical Background of Lebanese Emigration 1800-1914" یہ مقالہ لبنانی ترک وطن کے موضوع لیبانیز اسٹڈیز کانفرنس، منعقدہ سینٹ ہیوز، اوکسفرڈ ۱۹۸۹ء میں پیش کیا گیا۔

۶۔ آگسٹس رچرڈ نارٹن: Amal and the Shi'a: Struggle for the Soul Lebanon (آسٹن: یونیورسٹی آف ٹیکساس پریس، ۱۹۸۷ء) ص ۱۴

۷۔ جوزف اولمرٹ: "The Shi'a and the Lebanese State" مشمولہ مارٹن کریمر تدوین Shi'ism, Resistance and Revolution (بولڈر، کولوریڈو: ویسٹ ویو پریس، ۱۹۸۷ء) ص ۱۸۹ تا ۲۰۱۔

۸۔ سمیر خلاف اور گنائن ڈیناکس: Urban Networks and Political Conflict in Lebanon مشمولہ دانا ہیڑل اور ندیم شہادی تدوین؛ Lebanon: A History of Conflict and Concensus (لندن: سینٹر فار لیبانیز اسٹڈیز، ۱۹۸۸ء) ص ۱۸۱ تا ۲۰۰۔

۹۔ ملاحظہ ہو فواد عجمی: The Vanished Imam: Musa Al Sadr and the Shia of Lebanon (اثاقہ، نیویارک: کارنل یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۶ء)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۰۔ میخائیل ہمفرے: "Community Mosque and Ethnic Politics," *Australian and New Zealand Journal of Sociology* 23؛ نمبر ۲ (جولائی ۱۹۸۷ء) ۲۳۳ تا ۲۴۵۔

۱۱۔ بہاء ابولبان: "The Lebanese in Montreal" یہ مقالہ سینٹر فار لیبانیز اسٹڈیز کانفرنس آن لیبانیز امیگریشن منعقدہ سینٹ ہیوز، اوکسفرڈ، ۱۹۸۹ء میں پیش کیا گیا۔

۱۲۔ لارنس وان دیر لعان: Mobility and Migration of the Lebanese in West Africa یہ مقالہ کانفرنس آن لیبانیز امیگریشن' منعقدہ سینٹ ہیوز کالج اوکسفرڈ میں ۱۹۸۹ء میں پیش کیا گیا۔

۱۳۔ شیرن میک ارون ابولبان: "The Coexistence of Cohorts : Identity and Adaptation Among Arab American Muslims", *Arab Studies Quarterly* 11, no. 2-3 (بہار، موسم گرما ۱۹۸۹ء) ص ۴۵ تا ۸۲۔

۱۴۔ شیعوں کی اصطلاح میں ایک صحیح شیخ وہ ہے جس نے ایک یا ایک سے زیادہ مقدس شہروں مثلاً عراق میں نجف یا ایران میں قم میں تربیت پائی ہو۔ امام کی اصطلاح بھی مذہبی قائد کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ ڈیربورن کی برادری کے بعض لوگ یہ بات پسند نہیں کرتے کہ ان کے مذہبی قائدین یہ لقب اختیار کریں لہٰذا میں نے شیخ کا لقب استعمال کیا ہے۔

۱۵۔ میخائیل گلسنان: *Recognizing Islam* (نیویارک: پینتھیان بکس، ۱۹۸۲ء) ص ۲۷

۱۶۔ ملاحظہ ہو باربرا اسود: The Lebanese Muslim Community in Dearborn, Michigan یہ مقالہ سینٹر فار لیبانیز اسٹڈیز کانفرنس آف لیبانیز امیگریشن، سینٹ ہیوز، اوکسفرڈ میں ۱۹۸۹ء میں پیش کیا گیا۔ الیکسا نیف *Becoming American: The Early Arab Immigrant Experience* (کاربانڈیل: سدرن الی نوائے یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۵ء) ص ۲۹۹

۱۷۔ الخولی *The Arab Muslims* ص ۷۷

۱۸۔ شیخ چری اب ریٹائر ہو چکے ہیں۔ نئے ڈائریکٹر 'بریکا' سے حال ہی میں آئے ہوئے ایک عالم ہیں۔

۱۹۔ اس معاملے پر مزید بحث کے لیے ملاحظہ ہولنڈا وال برج Shi'ism in an American Community (پی ایچ ڈی کا مقالہ، وین اسٹیٹ یونیورسٹی، ۱۹۹۱ء)

۲۰۔ محمد جواد چری: *The Shi'ites Under Attack* (ڈیٹرائٹ: ہارلو پریس، ۱۹۸۶ء) محمد جواد چری *The Brother of the Prophet* (ڈیٹرائٹ: اسلامک سینٹر آف ڈیٹرائٹ، ۱۹۷۹ء)

ملاحظہ ہو عباس امانت In Between the Madrasa and the Marketplace

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

The Designation of Clerical Leadership in Modern Shi'ism" مشمولہ The Authority and Political Culture in Shi'ism تدوین، سید امیر ارجمند (البانی: اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک پریس، ۱۹۸۸) ص ۹۸ تا ۱۳۲۔ مرجع آیت التقلید التم کی اصطلاح کے معنی ہیں پوری برادری پر کسی کے مذہبی رہنما کا مکمل اقتدار (مجتہد)۔ یہ نظریہ اٹھارہویں صدی میں نموپذیر ہونے لگا اور انیسویں صدی میں اس نے ایک ادارے کی شکل اختیار کر لی۔

۲۱۔ خوئی مکتب فکر اور ڈیربورن میں مرجع التقلید کے کردار کے موضوع پر مزید بحث کے لیے ملاحظہ ہو وال برج: Shi'ism in the American Community ص ۱۰۷ تا ۱۵۰۔

۲۲۔ اخباری شیعہ اسلام کا ایک مکتب فکر ہے جس کا ایک زمانے میں شیعوں پر غلبہ تھا۔ اٹھارہویں صدی میں ''اصولیوں'' نے انہیں چیلنج کیا جنھوں نے عالم کے زیادہ اقتدار کے لیے دلائل دیے۔ اخباریوں پر شیعہ مذہبی مراکز میں، اصولی مذہبی اداروں نے، جنھیں ایران میں غلبہ حاصل ہو چکا تھا، بہت تشدد کیا۔ اخباری اب بھی ہندوستان، بحرین اور جنوبی عراق میں پائے جاتے ہیں۔

۲۳۔ ملاحظہ ہو مارشل ہاجسن: The Venture of Islam جلد، ا (شکاگو: یونیورسٹی آف شکاگو، ۱۹۷۴ء) ص ۲۳۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۶

بکتاشی تکیہ اور امریکا میں البانوی سُنی مسلمانوں کی مساجد

فرانسس ٹرکس

امریکا میں مسلمانوں کے جائزے میں البانوی مسلمانوں کو اکثر فراموش کردیا جاتا ہے۔ وہ عرب اور دوسرے ایشیائی پس منظر کے لاتعداد مسلمانوں میں دب کر رہ جاتے ہیں جب کہ یورپ میں وہ موجودہ البانوی حکومت کی لادین پالیسی میں گم ہو جاتے ہیں۔ ان حالات میں لوگوں کو عام طور سے یہ بات معلوم ہی نہیں کہ البانیہ واحد یورپی ملک ہے جہاں کبھی مسلمانوں کی اکثریت رہی ہے (۷۰ رفیصد مسلمان، ۲۰ رفیصد قدیم الخیال عیسائی اور ۱۰ رفیصد رومن کیتھولک) اور نہ یہ بات لوگوں کو عام طور سے معلوم ہے کہ بیسویں صدی میں ہزاروں البانوی مسلمان اپنے بلقانی وطن سے ہجرت کرکے امریکا اور کینیڈا آئے اور اب بھی آرہے ہیں۔

امریکا میں آنے والے البانوی تارکین وطن، عیسائی اور مسلمان دونوں، زیادہ تر نیوانگلینڈ، نیویارک کے علاقے اور مڈویسٹ کے صنعتی شہروں میں آباد ہوئے ہیں۔ اگر ایک طرف بوسٹن قدیم الخیال البانوی عیسائیوں کا مرکز اور نیویارک بالآخر تمام البانویوں کا سیاسی مرکز بنا تو دوسری طرف ڈیٹرائٹ البانوی مسلمانوں کا تنظیمی مرکز بنا۔ ڈیٹرائٹ ہی میں امریکا کی پہلی البانوی مسجد کی تنظیم ۱۹۴۹ء میں ہوئی اور ڈیٹرائٹ ہی کے علاقے میں البانوی بکتاشی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صوفی سلسلے کا ایک مرکز، البانوی بکتاشی تکیہ ۱۹۵۳ء میں قائم ہوا۔ یہ مسجد اور تکیہ آج بھی موجود ہیں اور ان کے تعلقات اور مذہبی اعمال، خاص طور سے جن کا تعلق تکیہ سے ہے، امریکا میں اسلام کا ایک غیر معمولی عجیب وغریب پہلو پیش کرتے ہیں۔

یہ باب ان دو البانوی مسلم اداروں یعنی پہلی البانوی مسجد اور ڈیٹرائٹ کے علاقے کے البانوی بکتاشی تکیہ پر روشنی ڈالے گا تاکہ اس سے امریکا میں البانوی مسلمانوں کے تجربات نمایاں ہوسکیں۔ امریکا میں البانوی برادریوں پر پہلے جو تحقیقی کام ہوا ہے اُس میں البانوی تارکین وطن کے تجربات پر "مسلم اداروں" یا بالخصوص قدیم الخیال عیسائیوں (آرتھوڈکس کرسچین) کے تجربات" کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔ کوئی بھی تحقیق امریکا میں صرف البانوی مسلمانوں پر نہیں کی گئی ہے۔ لہٰذا ابتدائی ماخذ بہت اہم ہیں۔ ان میں ڈیٹرائٹ کے علاقے میں البانوی مسلم تارکین وطن اور ان کے بیٹوں اور پوتوں کے ساتھ انٹرویو، انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کی ابتدا کی البانوی قوم پرست سوسائٹیوں کی مطبوعات اور پین البانین فیڈریشن آف ویترا اور البانین امریکن مسلم سوسائٹی کی سالگرہ اور کانگریس کی مختلف تقریبات کے موقع پر شائع ہونے والے کتابچے شامل ہیں۔ بکتاشی تکیے کے ساتھ میری بیس سالہ رفاقت اور تکیہ کے قائد بابا رجب کے زیرِ نگرانی میری تعلیم نے تحقیقات کے مختلف پہلوؤں کے سلسلے میں میرے لیے آسانیاں مہیا کی ہیں۔

اس ملک میں دوسرے مسلم گروہوں کے مقابلے میں البانوی مسلم برادری کا سب سے زیادہ غیر معمولی پہلو صوفی تکیہ کا وجود ہے جس کے فرائض میں برادری کے کام اور مسجد اور تکیہ کے باہمی روابط شامل ہیں۔ اس پر روشنی ڈالنے کے لیے یہ باب مسجد اور تکیہ کے مختصر کوائف سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے بعد البانوی مسلمانوں کا امریکا کی جانب ترک وطن اور مشی گن میں البانوی مسلم برادری کی تنظیمی ترقی کا بیان ہوگا۔ اس آبادیاتی اور تنظیمی پس منظر میں البانوی مسجد اور تکیہ کا بیان زیادہ تفصیل سے کیا جائے گا جس میں مختلف امور کے بارے میں معلومات، ان کی رکنیت، قیادت اور امریکی سیاق وسباق میں ان کا تسلسل شامل ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسجد اور تکیہ کا بیان

امریکا میں پہلی البانوی مسجد مشرقی ڈیٹرائٹ کے کنارے پر واقع ایک چھوٹے سے مضافاتی علاقے میں منار اور قبے (گنبد) والی ایک خوبصورت عمارت ہے۔ اس مسجد کے امام ''وہبی اسماعیل''، کا تعلق شمالی البانیہ سے ہے لیکن امریکا آنے سے پہلے وہ قاہرہ میں پڑھتے تھے۔ ان کے بچے اب بڑے ہو چکے ہیں اور اب وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ مسجد کے احاطے سے ملحق ایک مکان میں رہتے ہیں۔ وہ جمعہ اور عیدین کی نمازیں پڑھاتے ہیں۔ ان دونوں موقعوں پر مسجد کے اندر نماز ہوتی ہے اور خطبہ البانوی اور انگریزی زبانوں میں ہوتا ہے۔ شرکاء میں اکثر البانوی لیکن ڈیٹرائٹ کے مشرقی جانب رہنے والے کچھ پاکستانی، مصری اور ترک بھی ہوتے ہیں۔ عیدین کے بعد والے اتواروں کو مسجد میں عام جلسہ ہوتا ہے جس میں نماز، تقاریر اور تین سے چار سو آدمیوں کا، جن میں تقریباً سب ہی البانوی ہوتے ہیں، اجتماعی کھانا ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف البانوی بکتاشی تکیہ ڈیٹرائٹ کے جنوب مغرب میں ایک بہت زیادہ دیہاتی علاقے میں واقع ہے۔ اس کی مرکزی عمارت کسی زمانے میں ایک فارم ہاؤس تھی اور اس سے ملحق اٹھارہ ایکڑ کے کھیت میں سویا بین، پھل اور سبزیاں اگائی جاتی ہیں۔ اس کے قائد بابا رجب بکتاشی سلسلے کی ایک مجرد شاخ سے تعلق رکھتے ہیں، جس کے ارکان شادی نہیں کرتے۔ البانیہ میں اس شاخ کی عزت ان دوسری تمام شاخوں سے زیادہ ہوتی ہے جن میں شادی کرنے کی اجازت ہے۔ بابا کا تعلق جنوبی البانیہ سے جہاں انھوں نے قدیم عثمانی نصاب کے مطابق قرآن پاک، عربی قواعد اور فارسی اور ترکی ادب کی تعلیم حاصل کی تھی۔ امریکا آنے سے پہلے وہ اٹلی اور مصر میں بھی رہ چکے تھے۔ وہ تکیے میں رہتے ہیں اور ان کی تربت بھی جس میں وہ دفن کیے جائیں گے، تکیے میں بن چکی ہے۔ تکیہ روایتی انداز کی ایک ہشت پہلو خوبصورت عمارت ہے۔ بابا یہاں دن میں دو بار نماز پڑھاتے ہیں، اس سلسلے سے قریبی تعلق قائم کرنے کے خواہش مندوں سے بیعت لیتے ہیں، محبت اور ذکر کے حلقے منعقد کرتے ہیں جن میں خدا کی منظوم مدح کی جاتی ہے۔ تکیہ میں عاشورہ اور نوروز کی تقریبات اہتمام سے منائی جاتی ہیں۔ عاشورہ سے پہلے کے دس دن کے ماتمی عرصے میں ایک منتخب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روزہ، سولھویں صدی کی ایک ترکی کتاب سے ماخوذ البانوی کتاب سے روزانہ قرأت اور دسویں کی خاص تقریبات شامل ہیں جن میں بیعت کرنے والے ارکان شریک ہوتے ہیں۔ عاشورہ کے بعد والے اتوار کو تکیے کے بڑے تہہ خانے والے کمرے میں تین سو سے پانچ سو افراد تک کا ایک عوامی اجتماع ہوتا ہے جس کے ساتھ نماز، تقریریں، عاشورہ کا خصوصی کھانا اور ایک بڑی عوامی دعوت ہوتی ہے۔

مسجد اور تکیے کے قائدین اور تعطیلات کے اس سرسری ذکر سے یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ مسجد کا تعلق سنی مسلک سے اور تکیے کا تعلق شیعہ مسلک سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ البانوی مسجد کو ایک سنی مسجد کہنا بہت صحیح ہے۔ اس کے امام کا تعلق شکودرا سے ہے جو شمالی البانیہ کا ایک شہر اور کمیونسٹوں کے قبضے سے پہلے ایک سنی مسلم اور رومن کیتھولک شہر کے طور پر مشہور تھا۔ تاہم یہ کہنا بحث طلب سا معاملہ ہے کہ تکیہ شیعہ* مرکز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے قائد اس کے شیعہ ہونے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روایتاً بکتاشیوں کو سنی اور شیعہ دونوں ہی نقطہ ہائے نظر میں غلطیاں ملی ہیں۔ ''اس قرآن کی ایک باطنی تفسیر پر اعتماد کرتے ہیں جس میں اہل بیت یعنی پیغمبر [ﷺ] کے خاندان کی بڑی عزت و اہمیت ہے۔ اور امام کے برعکس بابا کا تعلق جنوبی البانوی شہر جیرو کاستر سے ہے جو ایک زمانے تک متعدد بکتاشی تکیوں، دوسرے صوفی سلسلوں اور قدیم الخیال عیسائیوں کا مرکز رہا ہے۔ (تاریخی اعتبار سے بکتاشی سلسلہ ایک ترکی صوفی سلسلہ ہے جو اناطولیہ میں تیرہویں صدی میں قائم ہوا تھا۔ اپنی پوری تاریخ میں یہ سلسلہ دوسرے مذاہب کے ساتھ رواداری اور اس ظرافت کے لیے مشہور رہا ہے جو وہ زیادہ قانون پسند برادر مسلمانوں کے لیے استعمال کرتے ہیں)۔

سنی شیعہ گروہ بندی کے ساتھ ساتھ البانوی مسلمانوں کے نزدیک زیادہ عملی سوال تکیے کے ساتھ مسجد کے رشتے کا ہے۔ حاضری کا جو انداز رہتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض البانوی مسلمان صرف مسجد میں حاضر ہوتے ہیں جبکہ بعض کا رجحان صرف تکیے کی طرف ہوتا

* جنوبی ایشیا میں بہت سے سُنی صوفیہ محرم کی تقریبات بڑے اہتمام سے مناتے ہیں۔ بہت سے چشتی نظامی سلسلے کے لوگ محرم کے پہلے تیرہ دن ننگے پاؤں رہتے ہیں، مجالس منعقد کرتے ہیں اور جلوسوں میں ننگے پیر شرکت کرتے ہیں، اور اہل بیت کرام کو واضح طور پر صحابۂ کرام سے اہم تر جانتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے لیکن بہت سے ایسے ہیں جو دونوں ہی جگہ شریک ہوتے ہیں اور تکیے کی تقریبات میں امام کی حاضری اور مسجد کی تقریبات میں بابا کی حاضری کی روایت جذبۂ تعاون کو مزید فروغ دیتی ہے۔

لیکن مسجد اور تکیہ کے تعلقات پر اور گہری نظر ڈالنے سے پہلے یہ مفید معلوم ہوتا ہے کہ کچھ پس منظر ان لوگوں کا معلوم کر لیا جائے جو ان اجتماعات کو ترتیب دیتے ہیں۔ امریکا کے لیے البانوی نقل وطن کے سیاق وسباق میں بانی ارکان، مذہبی علماء اور موجودہ ارکان کا کیا مقام ہے؟

امریکا کی جانب البانوی مسلمانوں کے نقل وطن کی لہریں

مسجد اور تکیہ دونوں ہی کے بانی ارکان کا تعلق نقل وطن کر کے آنے والے البانوی مسلمانوں کی سب سے پہلی لہر سے ہے۔ ان تارکین وطن کا تعلق البانیہ کے جنوبی حصے میں کورجے اور جیرو کاستر کے علاقوں کے چھوٹے دیہاتوں سے تھا۔ نقل وطن کر کے امریکا آنے میں یہ مسلم البانوی اپنے قدیم الخیال (آرتھوڈکس) عیسائی ہم وطنوں کی پیروی کر رہے تھے جن کا تعلق بھی جنوبی البانیہ سے تھا اور جنھوں نے انیسویں صدی کے آخری حصے میں امریکا آنا شروع کیا تھا۔ اس طرح امریکا آنے والا پہلا البانوی ایک قدیم الخیال عیسائی تھا جو ۱۸۸۴ء میں آیا تھا[۴] اور امریکا آنے والا پہلا مسلمان البانوی، ڈیٹرائٹ برادری کے مطابق دوسکاپ کا اور اورحان علی تھا۔ دوسکاپ کورجے کی ولایت میں ایک گاؤں تھا۔ اورحان علی ۱۹۰۵ء میں آیا تھا۔[۵]

لیکن البانوی مسلمانوں نے خاصی بڑی تعداد میں ۱۹۱۴ء کے بعد ہی امریکا آنا شروع کیا۔[۶] جس واقعہ نے ان کی آمد میں تیزی پیدا کی وہ ۱۹۱۳ء میں البانیہ پر یونان کا حملہ تھا۔ البانیہ پانچ سو سال سے سلطنت عثمانیہ کے زیر حکومت تھا اور بہت سے البانوی مسلمان اپنے مسلم ترک بھائیوں کے ماتحت ادنیٰ انتظامی عہدوں پر مامور رہے۔ بہر حال ۱۹۱۲ء میں البانویوں کی عثمانیوں سے آزادی کے اعلان اور اس کے بعد یونانیوں کے حملے کے بعد جنوب میں بہت سے البانوی مسلمانوں نے اپنی روزی کا ذریعہ کھو دیا۔

اپنے عیسائی ہم وطنوں کی طرح البانوی مسلمان تارکین وطن خاص طور سے نیوانگلینڈ کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کارخانے والے قصبوں اور جوتوں کے کارخانوں میں آ گئے۔ پہلی عالمی جنگ شروع ہوتے ہی یہ مغربی جانب مڈویسٹ کے کارخانے والے قصبوں کی طرف منتقل ہو گئے۔ یہ لوگ الگ الگ کمروں والے مکانوں میں ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے جنھیں یہ لوگ کوناک کہتے تھے۔ اس طرح یہ کمروں کے کرایوں میں شراکت کر کے وطن واپس جانے کے لیے پیسہ بچاتے تھے۔ اس زمانے کا طریقہ یہ تھا کہ یا تو کنوارے امریکا آتے تھے یا جو شادی شدہ لوگ آتے تھے ان کی بیویاں البانیہ ہی میں رہتی تھیں۔ یہ لوگ کچھ دنوں تک امریکا میں کام کر کے البانیہ واپس چلے جاتے تھے۔ بعض اوقات وہیں مستقل رہنے اور بعض اوقات پھر امریکا واپس آ کر اور زیادہ کام کرنے کے لیے۔ چنانچہ ڈیٹرائٹ میں رہنے والی البانوی مسلم برادری میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں ایک ہی خاندان کی دو دو نسلیں بلقان ہی میں پیدا ہوئی تھیں۔ باپ کام کرنے کے لیے امریکا آتا تھا، واپس البانیہ جاتا تھا، وہاں اس کے بچے پیدا ہوتے تھے اور پھر امریکا واپس آ جاتا تھا، اس کے بچے بعد میں اس کے پاس آ جاتے تھے۔

البانوی مسلمانوں کے ترک وطن کی پہلی لہر ۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۵ء تک جاری رہی۔ نئی نقل مکانی میں دوسری عالمی جنگ تک کے لیے ایک وقفہ آ گیا۔ اس کا ایک سبب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترک وطن کے قوانین میں کوٹا کا نظام رائج ہو گیا لیکن اس سے بھی زیادہ قرین قیاس سبب یہ ہے کہ البانیہ کے حالات زندگی میں کچھ بہتری آ گئی اور پھر دوسری عالمی جنگ شروع ہوتے ہی البانیہ پر اٹلی کا حملہ ہو گیا۔

امریکا میں آنے والے البانوی مسلمان تارکین وطن کی دوسری لہر ۱۹۴۵ء سے ۱۹۶۰ء تک جاری رہی۔ لیکن یہ لہر پہلی لہر سے اس لحاظ سے مختلف تھی کہ اس بار لوگ معاشی اسباب کے بجائے خاص طور سے سیاسی اسباب کی بنا پر آئے۔ بہت سے لوگوں نے البانیہ میں اشتراکیت دشمن مزاحمتی گروہوں مثلاً ''بالی کومبیتر'' کے ساتھ اتحاد کر لیا تھا۔ جب ۱۹۴۴ء میں اشتراکی اقتدار میں آ گئے تو مسلمانوں کو اپنی جان بچا کر بھاگنا پڑا۔ اولین تارکین وطن سے یہ لوگ اس لحاظ سے بھی مختلف تھے کہ یہ لوگ صرف جنوبی البانیہ کے دیہاتوں ہی سے نہیں آئے تھے بلکہ ملک کے تمام علاقوں اور معاشرے کے تمام طبقوں سے آئے تھے۔ مسجد اور تکیہ دونوں کے عالموں کا تعلق البانوی تارکین وطن مسلمانوں کی دوسری لہر ہی سے تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

البانوی مسلمان تارکین وطن کی تیسری لہر کا تعلق ۱۹۶۲ء سے ۱۹۸۹ء تک تھا۔ اس گروہ نے ''بغیر کوٹا ترک وطن'' کے قوانین کا فائدہ اٹھایا اور ان لوگوں کا تعلق البانیہ کی اس آبادی سے تھا جو ملک سے باہر یوگوسلاویہ کی جمہوریاؤں مثلاً مقدونیہ میں پریسپا کے علاقے اور سربیا میں کوسوو کے حلقے سے تھا۔ یہ اقلیتی آبادیاں البانیہ کے باہر اس لیے موجود تھیں کہ جب عظیم طاقتوں نے پہلی عالمی جنگ کے بعد البانیہ کی سرحد کا تعین کیا تو انھوں نے تقریباً آدھے البانوی باشندے یونان اور یوگوسلاویہ کے گردملکوں میں چھوڑ دیے۔ پریسپارے یعنی مقدونیہ میں پریسپا جھیل کے باشندے بطور خاص مسجد اور تکیے کے فعال ارکان رہے ہیں۔

لیکن ہجرت کے تین سلسلوں میں امریکا آنے والے البانوی مسلمانوں کی تعداد کیا ہو سکتی ہے؟ بدقسمتی سے اس سلسلے میں سرکاری اعداد و شمار تو بالکل ناکارہ ہیں۔ ۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۵ء تک ترک وطن کے پہلے مرحلے والے البانویوں کا اندراج کسی علیحدہ ملک کی فہرست میں کیا ہی نہیں گیا بلکہ ان کا اندراج یونانیوں یا ترکوں یا ان ممالک کے باشندوں کے طور پر کیا گیا جہاں سے سفر کر کے وہ آئے تھے۔ اور مذہبی تعلق کا کبھی اظہار نہیں کیا گیا۔ تاہم ۱۹۳۰ء کے عشرے کے آخر تک امریکا میں البانوی آبادی کا تخمینہ پینتیس ہزار سے ساٹھ ہزار افراد تک لگایا گیا تھا[۷] جن کی اکثریت عیسائی تھی۔ یہ بات تسلیم کرتے ہوئے عیسائی البانویوں کی تعداد مسلمانوں کی تعداد سے بہت زیادہ تھی اور یہ کہ مسلمان البانویوں میں نہ تو اپنے مذہب سے باہر شادی کرنے کا رجحان تھا اور نہ وہ اپنے خاندان کو امریکا لاتے تھے بلکہ وہ البانیہ واپس جاتے تھے، ایک محتاط اندازہ یہ ہے کہ ۱۹۳۰ء کے عشرے کے آخر میں امریکا میں البانوی مسلمانوں کی آبادی پانچ ہزار کے لگ بھگ ہوگی۔

جہاں تک ترک وطن کے دوسرے مرحلے میں آنے والے البانوی مسلمانوں کی تعداد کا تعلق ہے تو امریکا کے ترک وطن اور توطن (Naturalization) سے متعلق اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۴۱ء سے ۱۹۶۰ء تک امریکا میں داخل ہونے والے البانویوں کی تعداد صرف ایک سو چوالیس[۸] ہے۔ یہ اعداد و شمار بھی مذہب کے حوالے سے کوئی معلومات فراہم نہیں کرتے، لیکن ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ صرف ڈیٹرائٹ ہی کے علاقے میں ان البانوی مسلمانوں کی تعداد ایک سو چوالیس سے کہیں زیادہ تھی جو اس عرصے میں یہاں آئے تھے۔ ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کا تو ذکر ہی کیا جو پھیلتے ہوئے اور وسعت پاتے ہوئے نیویارک اور نیوجرسی کے علاقوں کی برادریوں میں آباد ہو گئے تھے۔ لہٰذا یہ تخمینہ زیادہ معقول ہے کہ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۶۰ء کے درمیان ترک وطن کر کے امریکا آنے والے البانوی مسلمانوں کی تعداد کئی ہزار تھی۔

۱۹۶۲ء سے ۱۹۸۹ء کے تیسرے مرحلے کے دوران دوسرے مرحلے سے زیادہ لوگ آئے اور یہ لوگ خاص طور سے یوگوسلاویائی جمہوریاؤں کی سرحدوں کی البانوی برادریوں سے آئے تھے۔ لیکن یہاں بھی وہی بات ہے کہ ان آنے والوں کو بلا امتیاز یوگوسلاوی باشندوں کے طور پر درج کر لیا گیا ہے۔ پھر میکسیکو کے راستے بھی ترک وطن ہوا جس کا کوئی اندراج ہی نہیں کیا گیا ہے۔ لہٰذا اندازہ یہ ہے کہ اس دور میں آنے والے البانویوں کی تعداد لاکھوں میں ہے جن کی اکثریت مسلمان ہے اور کچھ لوگ کیتھولک عیسائی ہیں۔

بحیثیت مجموعی اگر Harvard Encyclopedia of American Ethnic Groups (امریکا کے نسلی گروہوں کا ہارورڈ انسائیکلوپیڈیا) کے ستر ہزار کے تخمینے (۱۹۷۰ء کی مردم شماری پر مبنی اور ۱۹۸۰ء میں مطبوعہ) کو ترک وطن کے ابتدائی دو مرحلوں کے لیے محتاط اعداد و شمار کے طور پر اور آرتھوڈکس البانوی عیسائیوں کے معاملے میں بہت صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ ممکن ہے کہ امریکا میں البانوی نسل کے لوگوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ ہو جن میں سے چالیس ہزار مسلمان ہوں۔ اس طرح ایک نسبتاً چھوٹا سا تارک وطن گروہ جو امریکا کے شمال مشرق اور وسطی مغرب کے پار دور تک پھیلا ہوا ہو اگر امریکا کے مسلم گروہوں کے جائزے میں شامل نہ ہو سکا تو یہ بڑی قابل فہم بات ہے۔ مزید برآں اسی طرح یہ بات بھی قابل فہم ہے کہ ڈیٹرائٹ جیسی جگہ جہاں متعدد اسلامی مراکز قائم ہوں بکتاشی تکیے جیسا ایک معمولی ادارہ [جائزوں کے وقت] نظر انداز ہو گیا۔ لیکن ابھی جب کہ ان کے ترک وطن کی تاریخ ہمارے ذہنوں میں تازہ ہے ہم مشی گن میں البانوی مسلمانوں کی تنظیمی ترقی کا جائزہ لیتے ہیں۔

مشی گن میں البانوی تارکین وطن مسلمانوں کی تنظیمی ترقی

ڈیٹرائٹ میں پہلی البانوی مسجد اور البانوی بکتاشی تکیہ دونوں ہی دوسری عالمی جنگ کے بعد ہی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قائم کئے گئے تھے۔ اس وقت بعض البانوی تارکین وطن مسلمان ایسے بھی تھے جو امریکا میں چالیس سال سے مقیم تھے لیکن ابھی تک انھوں نے امریکا کو اپنا مستقل وطن بنانے کا منصوبہ نہیں بنایا تھا۔ البانیہ پر اشتراکیوں کے قبضے کے بعد جنگ کا جو انتشار پیدا ہوا اس نے ان میں سے بہت سے لوگوں پر یہ واضح کر دیا کہ ان کا مستقبل اب یہیں [امریکا میں] ہے۔ اس موقع پر ایک ایسی جگہ جہاں البانویوں کی حیثیت ''سمندر میں قطرے کی ہو'' البانویوں کو اپنی اگلی نسل اور البانوی ثقافتی اقدار اور مذہبی رسوم و رواج کے تسلسل کے معاملے میں تشویش پیدا ہوئی۔ مسلمان والدین کے دلوں میں یہ خوف بھی پیدا ہوا کہ ان کے بچوں میں لادینی نظریات پھیلتے جارہے ہیں۔[۹]

ان مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ڈیٹرائٹ میں اگست ۱۹۴۵ء میں البانین امریکن مسلم سوسائٹی قائم کی گئی[۱۰]۔ دو سال کے بعد اگست ۱۹۴۷ء میں انھوں نے ڈیٹرائٹ میں ساؤتھ ویسٹرن پولیٹیکل کلب میں اس سوسائٹی کا پہلا اجلاس منعقد کیا۔ اس اجلاس میں مقامی البانوی مسلمانوں کے علاوہ چار ملحقہ شاخوں: وارن، اوہیو؛ مینسفیلڈ، اوہیو؛ بفیلو۔ روچسٹر جیمس ٹاؤن، نیویارک؛ اور مشرقی پٹس برگ، پنسلوانیا کے مندوبین شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں انھوں نے ایک آئین کی تجویز پیش کی، اس پر بحث کی، اس میں ترمیم کی اور اسے منظور کرلیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے ''البانین مسلم کانگریس ریویو'' کا منصوبہ پیش کیا جو بہت جلد البانوی اور انگریزی زبانوں میں بانوے صفحات پر مشتمل ایک کتابچے کی شکل میں شائع ہوا۔ لیکن اس وقت تک انھیں کوئی البانوی امام نہیں ملا تھا۔

تاہم اگست ۱۹۴۹ء تک جب البانین امریکن مسلم سوسائٹی نے ڈیٹرائٹ کے لی لینڈ ہوٹل میں اپنا دوسرا اجلاس منعقد کیا تو اس وقت تک وہ مصر کی البانوی برادری سے ایک امام حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ مزید برآں اس اجتماع کے معزز مہمانوں میں مشی گن کے گورنر، ڈیٹرائٹ کے میئر، ڈیٹرائٹ سٹی کونسل کے صدر اور ڈیموکریٹک کمیٹی کے ریاستی چیئرمین شامل تھے[۱۱]۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ البانوی مسلم سوسائٹی کے صرف دوسرے سالانہ اجلاس میں مشی گن کی ریاست کے اعلیٰ قابل ذکر سیاسی عمائدین موجود تھے۔ ظاہر ہے یہ ایسے لوگوں کا کام نہیں تھا جنھیں تنظیمی کاموں کا صرف چار سال کا تجربہ ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ البانین امریکن مسلم سوسائٹی نے ویترا (''دی ہرتھ'' (گھربار) نامی ایک بین الالبانوی وفاقیہ میں اپنے ممبروں کے تجربے سے فائدہ اٹھایا۔ یہ وفاقیہ آرتھوڈکس کرسچن فین نولی اور مسلم فیک کونتزا نے البانیہ کو اپنے بلقانی پڑوسیوں کے علاقائی منصوبوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ۱۹۱۲ء میں بوسٹن میں قائم کیا تھا۔ ایک تارک وطن تنظیم کے طور پر ویترا نے پہلی عالمی جنگ کے بعد امن کانفرنسوں میں نمائندے اور متعدد تار بھیجے۔ فین نولی نے صدر ولسن سے بھی ملاقات کی تاکہ البانیہ کے لیے ان کی حمایت حاصل کی جا سکے۔ ویترا جب اپنے عروج پر تھی تو پورے شمالی امریکا میں اس کی تقریباً اسّی شاخیں تھیں اور بہت سے البانوی تارکینِ وطن نے ویترا کے اخبار ''دیلّی'' (Dielli) (سورج) سے پڑھنا سیکھا جواب بھی شائع ہوتا ہے۔

البانین امریکن مسلم سوسائٹی پر ویترا کے اثر کا اندازہ اس کی شاخوں کی تشکیل، اس کے آئین، ایک باقاعدہ جریدے کی اشاعت کی اہمیت کے اعتراف اور اہمیت حاصل کرنے کی جانب میلان سے کیا جا سکتا ہے۔ سوسائٹی نے ویترا کے بین الالبانوی پہلو سے فائدہ اٹھایا یعنی اس کے دونوں اجلاسوں میں البانوی عیسائی مقررین بھی شریک تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ البانوی عیسائیوں نے ایک مسجد کی تعمیر میں اور بعدازاں تکیے کی تعمیر کے لیے چندے دیئے۔ اسی طرح البانوی مسلمانوں نے البانوی گرجا گھروں اور قدیم الخیال البانوی آرک بشپ، فین نولی کی مطبوعات کے لیے چندے دیئے۔ سچی بات یہ ہے کہ البانوی قومیت اور البانوی زبان پر زور، جو ویترا کے لیے گوند کی حیثیت رکھتی ہیں (مختلف عناصر کو یک جا کرنے کے لیے)، مسجد اور تکیہ دونوں میں جاری و ساری ہے۔

اس کے برعکس بلقان اور مشرق وسطٰی میں مذہبی تنظیم کا البانین امریکن مسلم سوسائٹی کی ابتدائی تنظیم پر بہت کم براہ راست اثر نظر آتا ہے۔ دوسری عالمی جنگ سے پہلے سنی مسلمان اور بلقان میں بکتاشی تنظیموں کے ارکان دونوں ہی روایتی مذہبی علماء پر انحصار کرتے تھے۔ لیکن جب سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا تو پھر اس میں کوئی ''امام'' یا ''بابا'' نہیں رہ گیا بلکہ اس نے اپنے قائدین کا خود انتخاب شروع کر دیا[۱۲]۔

البانین امریکن مسلم سوسائٹی کی تشکیل اور ابتدائی تنظیم پر بلقان اور مشرقِ وسطٰی کی مذہبی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تنظیموں کا بہت کم اثر مُرتب ہوا۔ البانوی لوگ صرف ڈیربورن مسجد اور ہاشمی ہال کو جانتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۳۰ء کے عشرے میں اگر کوئی البانوی مسلمان اپنے وطن بلقان واپس جانے سے پہلے مشی گن میں مر جاتا تو اس بدقسمت کی تدفین کے لیے البانوی لوگ ڈیربورن مسجد کے لبنانی امام کردب سینئر کو بلاتے تھے۔ لیکن بحیثیت مجموعی البانوی لوگ اس مسجد اور ہال کے عرب انداز سے غیریت محسوس کرتے تھے اور اس بات کو ترجیح دیتے تھے کہ وہ بحیثیت البانوی کے اپنے گھروں یا ہال میں اکٹھا ہوں اور اپنی تعطیلات منائیں۔

بعد میں جب البانویوں نے اپنے مستقل امام کا انتظام کر لیا تو ائمہ کی سطح پر انھوں نے دوسری مسجدوں سے روابط قائم کر لیے۔ لیکن دوسری عالمی جنگ سے پہلے امریکا میں محض چند البانوی مسلم علماء تھے۔ واٹر بری، کنیکٹی کٹ میں، جو قدیم ترین مسلم برادریوں میں سے ایک تھی، اس برادری کے امام طوسون تھے جو ایک خود ساختہ مذہبی قائد اور غیر رسمی تعلیم کے حامل تھے۔ متعدد بکتاشی درویش بھی امریکا آ گئے تھے، درویش قمر البانیہ کے ایک تکیے کے لیے چندہ اکٹھا کرنے کی غرض سے ۱۹۱۶ء میں امریکا آئے تھے۔ اس کے بعد ان سے زیادہ معمر ایک درویش بابا قمر فراطری ۱۹۲۰ء میں آئے تھے۔ درویش قمر ۱۹۲۰ء میں واپس چلے گئے اور چونکہ بابا قمر بھی ضعیف اور بیمار تھے لہٰذا انھوں نے امریکا میں قیام نہیں کیا۔[۱۳] نیویارک میں ایک بکتاشی تکیہ کے قیام کی باتیں ضرور ہوئیں، مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ یہ ۱۹۳۰ء کی بات ہے۔ بیسویں صدی کے دوسرے اور تیسرے عشرے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے قانی آدم پریسپا، ایک اولین تارک وطن البانوی مسلمان نے بتایا کہ ''ہمارا کافی ہاؤس ہی ہمارا چرچ تھا'' (یعنی مذہبی اجتماع کی جگہ)۔

۱۹۵۰ء میں البانین مسلم سوسائٹی نے خاص طور پر ڈیٹرائٹ کے علاقے سے اور اس کے علاوہ اوہیو، بفیلو اور جمسٹن، نیویارک؛ واٹر بری، کنیکٹی کٹ؛ نیویارک سٹی؛ پٹس برگ؛ فلاڈیلفیا اور ٹورنٹو سے بھی جمع کیے ہوئے چندوں کی مدد سے ڈیٹرائٹ کی مغربی جانب ایک سابق چرچ کرائے پر لیا اور اپنے نو آمدہ امام کے ساتھ اس چرچ کو امریکا کی پہلی البانوی مسجد میں تبدیل کر دیا۔ تین سال کے بعد ان کے ایک مذہبی رہنما، درویش رجب ڈیٹرائٹ کے علاقے میں آئے اور ایک البانوی مسلمان عباس مرتضاج کے گھر میں ایک یادگاری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقریب کا اہتمام کیا جس میں البانوی مسلمان شریک ہوئے جن میں سے اکثر بکتاشی خاندانوں کے لوگ تھے۔ اس سال یعنی ۱۹۵۳ء کے اکتوبر میں پندرہ افراد کا ایک گروہ[۱۵] ڈیٹرائٹ میں سینٹ اینڈریوز ہال میں اکٹھا ہوا اور ان لوگوں نے یہ تجویز منظور کی کہ نو آمدہ درویش کے لیے ایک تکیہ تعمیر کیا جائے۔

روایتاً تکیے شہر سے باہر لیکن ایسی جگہ بنائے جاتے ہیں جہاں آسانی سے پہنچا جا سکے۔ اس روایت کی مطابقت میں قانی پریسپا نے ڈیٹرائٹ کے جنوب مغرب میں پچیس ہزار ڈالر کی مالیت کا اٹھارہ ایکٹر کی اراضی پر مشتمل ایک فارم ہاؤس کا انتخاب کیا۔ بانی ممبران نے اپنے وسائل اکٹھا کر کے وہ فارم خرید لیا۔ ۱۹۵۴ء میں عاشورہ کی ایک تقریب سے اس تکیے کا رسمی طور پر افتتاح ہوا جس میں دوسو افراد شریک ہوئے۔

ایسا نہیں تھا کہ ان کاموں کی مخالفت نہ ہوئی ہو، البانیہ کی کمیونسٹ حکومت اس کے خلاف تھی اور ڈیٹرائٹ کے رہنے والے البانویوں میں ایک خوف یہ تھا کہ اگر وہ لوگ تکیے کی اعانت کریں گے تو اس کا انتقام البانیہ میں ان کے عزیزوں سے لیا جائے گا۔ ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ ڈیٹرائٹ میں دو مسلم اداروں کی موجودگی البانوی مسلم برادری کو دولخت کر دے گی۔

تو پھر مسجد اور تکیے کے درمیان رشتہ کیا ہے؟ پہلے البانیہ میں کیا رشتہ تھا اور آئندہ مشی گن میں کیا رشتہ ہوگا؟

تکیہ اور مسجد
آزاد ادارے اور الگ الگ کام

جن لوگوں نے ۱۹۴۵ء میں البانین امریکن مسلم سوسائٹی قائم کی تھی وہ اپنے آپ کو محض البانوی مسلمان کے طور پر پیش کرتے تھے اور کچھ وہ لوگ تھے جنھیں بکتاشی خاندانوں کے ساتھ تعلق کی ایک اضافی حیثیت حاصل تھی۔ البانیہ میں کسی بکتاشی خاندان سے تعلق رکھنے کا مطلب کسی بکتاشی تکیے میں بابا کے ساتھ اس کے تعلق کا تھا۔ لیکن البانیہ میں کسی تکیے کو کسی مسجد کی حیثیت کبھی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ مسجد سے ملے جلے لیکن مختلف فرائض انجام دیتے تھے۔ لہٰذا بکتاشی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بابا اور درویش اہم تعطیلات کے مواقع پر مسجد میں حاضری دیتے تھے۔ بعض صورتوں میں مسجد کے امام کسی مقامی تکیے کی بیعت کیے ہوتے تھے۔ لہٰذا امریکا میں کسی بکتاشی خاندان سے تعلق کا مطلب یہ تھا کہ البانیہ میں اس کا خاندان سال بھر کسی تکیے میں حاضری دیتا ہوگا اور امریکا میں محرم کے دس دنوں کے ساتھ ساتھ عاشورہ کی رسوم ادا کرتا ہوگا اور اس کے علاوہ وہ قدیم ایرانی تہوار نو روز اور [حضرت] علی [رضی اللہ تعالیٰ عنہ] کا یوم پیدائش مناتا ہوگا۔

ڈیٹرائٹ میں ابتدائی البانین امریکن مسلم سوسائٹی میں بکتاشی اور غیر بکتاشی دونوں ہی قسم کے مسلمانوں کی شمولیت کا اندازہ نہ صرف ارکان کی فہرستوں سے بلکہ ۱۹۴۷ء کے جائزے سے اور جائزے میں شامل ان تعطیلات سے بھی ہوتا ہے جو ان کے آئین میں شامل ہیں۔ خاص طور سے ۱۹۴۷ء کے جائزے میں تصوف پر متعدد مضامین شامل ہیں، بکتاشی سلسلہ بھی اسلام میں مختلف صوفیہ کے سلسلوں میں سے ایک ہے۔ ان کے آئین میں شامل تعطیلات میں جو ۱۹۴۷ء کے جائزے میں شائع ہوئی تھیں۔ ایک طرف بکتاشی ماتم کی تعطیل شامل ہے اور دوسری طرف اس میں سنیوں کی روایتی تعطیلات یعنی رمضان، عید الفطر، عیدالاضحیٰ اور مولود (ولادت رسول [ﷺ]) کی تعطیلات شامل ہیں (مذہبی تعطیلات کے علاوہ اس فہرست میں امریکا کی قومی تعطیلات اور البانوی یوم آزادی کی تعطیل بھی شامل ہیں) مزید برآں آئین میں صریحی طور پر یہ کہا گیا ہے ''اسلام میں کوئی تفریق نہ ہونے کے باعث یہ سوسائٹی غیر فرقہ وارانہ نوعیت کی حامل ہے'' (شق تیرہ)۔

بہرحال ۱۹۴۹ء میں البانوی امام کے ڈیٹرائٹ میں آتے ہی بکتاشیوں اور غیر بکتاشیوں کے درمیان اختلافات کے امکانات نمودار ہونے لگے۔ امام کا تعلق شمالی البانیہ کے شہر شکودرا سے تھا جہاں کوئی بکتاشی نہیں رہتا تھا۔ لہٰذا وہ نو روز کی تعطیل سے مانوس نہیں تھا اور اس نے مصر میں ''بکتاشی کیگوسز تکیہ'' کو لکھا کہ وہ اس کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ اس کے برعکس امریکا میں البانوی مسلم تارکین وطن کی اکثریت کا تعلق جنوبی البانیہ سے تھا جہاں بکتاشی بڑی اہمیت کے حامل تھے اور وہاں کی قوم پرست تحریکوں سے ان کا گہرا تعلق تھا۔[15] ان اختلافات کے باوجود البانین مسلم سوسائٹی ایک متحد جمعیت کی شکل میں قائم رہی۔ اس کے ۱۹۵۰ء کے سہ ماہی جریدے میں [حضرت] حسین [رضی اللہ تعالیٰ عنہ] کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہادت پر ایک طویل مضمون چھپا تھا جس پر نئے امام کے دستخط تھے۔

۱۹۵۳ء میں ڈیٹرائٹ میں درویش رزشب کی آمد اور بکتاشی پس منظر کے حامل البانوی مسلمانوں کے ایک گروہ کے اس فیصلے کے بعد کہ بکتاشی تکیہ قائم کیا جائے حالات تبدیل ہو گئے۔ یہ تقسیم بکتاشی غیر بکتاشی خطوط پر نہیں تھی بلکہ اختلاف اس بات پر تھا کہ کیا عوام درویش کے لیے ایک تکیہ قائم کرنا چاہتے ہیں یا انھیں یہ خطرہ ہے کہ یہ عمل البانوی مسلم برادری کو تقسیم کر دے گا۔ ایسے غیر بکتاشی بھی موجود تھے جنھوں نے تکیے کی تعمیر کی حمایت کی تھی۔ مذہبی اختلاف پر زور دینے کے بجائے بعض لوگوں نے اسے علاقے میں ایک اضافی البانوی ادارے اور اس طرح امریکا میں البانوی تشخص کو مستحکم کرنے کے نقطۂ نظر سے دیکھا۔

حقیقت یہ ہے کہ مسجد اور تکیہ دونوں اداروں میں البانوی لوگوں نے اپنی قوم پرستی کے جذبے کو سامنے رکھا ہے جس کا اظہار مسجد اور تکیے میں البانوی پرچم کی ہمہ وقت موجودگی سے، قومی ہیرو سے، البانوی زبان کو دی جانے والی اہمیت سے اور عوامی تعطیلات کی تقریبات میں قومی جذبات کے مسلسل حوالے سے ہوتا ہے۔ ان قومی جذبات پر مبنی بکتاشی تکیے کا آئین البانوی مسلم سوسائٹی کے آئین سے ممتاز ہے۔ اس میں البانوی زبان کو نمایاں تر اہمیت دی گئی ہے۔ مثال کے طور پر خاص مذہبی رہنما یعنی ''بابا'' کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ اس کا تعلق ''البانوی نسل'' سے ہونا چاہیے۔ تکیے کے آئین کی ایک دوسری شق جو مشی گن میں کسی تکیے کے قیام کے وقت کی نزاعی فضا کو پیش کرتی ہے، یہ ہے: ''اگر روحانی رہنما (بابا) ملکی یا غیرملکی سیاست میں ملوث ہوجائیں تو انہیں، اُن کے عہدے سے فوراً برخاست کر دیا جائے گا (شق انتیس) اس شق کا مطلب اب یہ لیا جاتا ہے کہ کسی بابا کو البانوی گروہی سیاست میں ملوث نہیں ہونا چاہیے حالانکہ ابتدا میں یہ شق اِس لیے رکھی گئی تھی کہ درویش رزشب کے بارے میں اِس بات کے امکان کی تردید کردی جائے کہ وہ البانیہ کے ایک گروہ کے مقابلے میں دوسرے گروہ کی حمایت کریں گے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور ایک مشترک قومیت کی بنا پر تعمیر اور بابا کی مصالحت آمیز فطرت کی وجہ سے البانوی مسجد اور بکتاشی تکیے نے البانوی مسلم برادری کے اندر تقسیم عمل کے ساتھ ایک قابل عمل اور باہمی تعاون کا رشتہ قائم کرلیا ہے۔ خاص طور سے مسجد میں پابندی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ ہفتہ وار نماز، رمضان کی نماز ادا کی جاتی ہیں اور دو خاص سنی تہوار (عید الفطر اور عیدالاضحیٰ) منائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں بیشتر شادیاں اور مُردوں کی تدفین کی رسمیں امام ہی کی نگرانی میں ہوتی ہیں۔

اس کے برعکس بکتاشی تکیے نو روز اور عاشورہ کی تقریبات مناتے ہیں اور اسی کے ساتھ دس روز ماتم کرتے ہیں۔ یہاں ان لوگوں کے لیے نجی محفلیں بھی منعقد کی جاتی ہیں جو بیعت کرتے ہیں اور ان کی نجی محفلوں کے بعد محبت کے اجلاس منعقد کیے جاتے ہیں۔ اُن چند مواقع پر بابا نے خود شادی کی رسوم ادا کیں جب متعلقہ خاندان کے ساتھ ان کا کوئی خاص گہرا تعلق تھا، اگرچہ عام طور پر شادی کی رسوم امام ادا کرتے ہیں لیکن اگر زن و شو دونوں یا دونوں میں سے کسی ایک کا تعلق کسی بکتاشی خاندان سے ہو تو شادی سے پہلے بابا برکت کی دعا دیتے ہیں۔ بابا نے ایسے جنازوں کی بھی قیادت کی ہے جہاں متوفی کوئی محبّ رہا ہو۔

شادی اور تجہیز و تکفین مسجد کے خاص فرائض میں شامل ہیں اور تکیے کے لیے یہ غیر اہم ہیں۔ لیکن اس کے برعکس لوگوں کی ذاتی ضروریات کے لیے منت وغیرہ کی نماز تکیے میں بابا کے خاص فرائض میں شامل ہیں جب کہ مسجد میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ تکیے میں آ کر لوگ بابا سے صحت، خاندانی مسائل، کاروبار کی کامیابی، پریشانی کے ازالہ اور اعصابی سکون اور اچھے رشتوں کی تلاش، بچوں کی ولادت اور نئے کاروبار کے فروغ کے لیے دعاؤں کے طلب گار ہوتے ہیں۔ وہ اس وقت بھی دعا کروانے کے لیے آتے ہیں جب ان کے بچے کالج کی تعلیم شروع کرتے ہیں یا فوج میں داخل ہوتے ہیں اور جب وہ کوئی نیا مکان اور کار وغیرہ خریدتے ہیں۔ عائلی مسائل اور قانونی تنازعات کی صورت میں بھی لوگ یہاں مشورہ کے طالب ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ۱۹۷۰ء کے عشرے کے دوران میں بابا نے ایک ریستوران کی شراکت داری کی عادلانہ تنسیخ کی کارروائی کی صدارت کی تھی۔ اس میں ریستوران کے شرکاء بکتاشی تھے۔ پہلے تو دونوں فریقوں نے اپنا موقف ریستوران کے باہر تکیے سے متصل ایک درخت کے نیچے زور زور سے بیان کیا۔ پھر بابا دونوں فریقوں کو الگ الگ اندر لے گئے اور ان سے گفتگو کی۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے فیصلے کا اعلان کیا اور سب کچھ طے ہو گیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بابا سے دعا کروانے یا مشورہ لینے کے لیے جو لوگ قریب رہتے ہیں کچھ دیر کے لیے تکیے میں خود آ جاتے ہیں۔ جو لوگ کچھ فاصلے پر رہتے ہیں وہ یا تو ٹیلی فون کر لیتے ہیں یا خط لکھتے ہیں یا خود آ کر چند دنوں کے لیے تکیے کے مہمان خانے میں ٹھہر جاتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے تکیے میں مہمانوں کے چھ کمرے ہیں اور اس کا بڑا سا باورچی خانہ پانچ سے لے کر بیس آدمیوں کو کھانا فراہم کرتا رہتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسجد اور تکیے میں اہم فرق ماحول اور طرز رہائش کا ہے۔ مسجد میں نماز کا کمرہ، ملاقات کا کمرہ، ایک کتب خانہ اور دفاتر ہیں۔ یہاں پر لوگ نماز پڑھنے، امام سے ملنے یا ملاقاتیں اور جلسے کرنے آتے ہیں۔ لیکن امام رات کے وقت اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔

اس کے برعکس تکیے میں رسوم کا ایک علیحدہ کمرہ (میدان)، ایک بڑا ملاقاتی کمرہ اور ایک کتب خانہ ہے۔ لیکن اس میں بابا کے رہائشی کمرے، ایک بڑا باورچی خانہ، مہمانوں کے کمرے اور دہ کمرے ہوتے ہیں جن میں تکیے کے مستقل رہائشی قیام پذیر ہوتے ہیں۔ بابا ہمیشہ وہیں رہتے ہیں۔ لوگ یہاں دعا کروانے، ملاقات یا جلسے کرنے، یا بڑے سے باورچی خانے میں کافی پیتے ہوئے یا مکان کے باہر ایک بڑے درخت کے نیچے جہاں لکڑی کی ایک گول میز ہوتی ہے، بیٹھ کر ایک دوسرے سے یا بابا سے بات چیت کرنے کے لیے آتے رہتے ہیں۔ تکیے کے گرد میدان ماحول کو پرسکون بناتے ہیں۔ لوگ اس ماحول میں طویل یا مختصر مُدت کے لیے قیام کی خاطر آتے ہیں۔ نیویارک کا ایک بکتاشی تو تکیے میں قیام کے لیے اس وقت آیا جب وہ اپنے میڈیکل کالج کے امتحانات کی تیاری کر رہا تھا۔

تعلیم و تربیت کے مضامین اور طریق کار کے حوالے سے مسجد اور تکیے میں فرق ہوتا ہے۔ مسجد میں قرآن و حدیث کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لہٰذا مسجد میں بچوں کے لیے البانوی زبان کے علاوہ مذہب کی بھی باضابطہ تدریس ہوتی ہے۔ امام صاحب پابندی سے خطبہ دیتے ہیں، ایک سہ ماہی جریدہ شائع کرتے ہیں اور البانوی زبان میں اسلام پر متعدد کتابیں لکھ چکے ہیں۔

اس کے برعکس تکیے کا مقصد بابا کے توسط سے خدا کی قربت حاصل کر کے برادری کے ماحول میں روحانی ترقی حاصل کرنے کے امکانات کی تعلیم دینا ہے۔ لہٰذا توقع کے مطابق تکیے میں تعلیم کا انداز بہت زیادہ معلمانہ نہیں ہوتا۔ بابا کوئی باضابطہ خطبہ نہیں دیتے۔ سال میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دو بار وہ عوامی تعطیلات کے موقع پر مختصر گفتگو کرتے ہیں اور دو سال تک تکیے سے بکتاشی تعطیلات، احکام اور تاریخ پر مبنی ایک سہ ماہی جریدہ چھپتا رہا۔ بہرحال تکیے میں اہم ہدایتیں محبت اور ذکر کے جلسوں میں دی جاتی ہیں جن میں بکتاشی نظمیں گائی جاتی ہیں اور اگر بکتاشی سے متعلق کچھ معاملات اور سوالات اٹھائے جائیں تو بابا ان پر گفتگو کرتے ہیں۔ اگر کوئی درخواست کرے تو بابا سے تنہائی میں بھی گفتگو ہوسکتی ہے۔ تاہم سب سے اہم ہدایت بالواسطہ انداز میں یعنی بابا کے اپنے عمل کے مشاہدے کے ذریعے دی جاتی ہے۔

امام کا طرز زندگی وہی ہے جو امریکا میں متعدد مذہبی رہنماؤں کا ہے۔ نماز کے اوقات میں وہ عبا پہنتے ہیں اور دستار باندھتے ہیں ورنہ عام طور سے غیر رسمی کپڑے پہنتے ہیں، انھیں باضابطہ تنخواہ ملتی ہے۔ لوگ ان کے مشوروں کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں لیکن ان کی خاندانی زندگی دوسرے خاندانوں کی طرح ہے۔

بابا ایک بڑی مختلف زندگی گزارتے ہیں۔ وہ جنوبی البانیہ کے ایک بکتاشی تکیے میں اس وقت منتقل ہو گئے تھے جب ان کی عمر صرف سولہ سال تھی۔ اکیس سال کی عمر میں، جب انھوں نے اپنی تعلیم مکمل کی ایک درویش کی زندگی گزارنے کا حلف اٹھایا۔ اسی وقت سے وہ اپنا خرقہ۔ خمار اور تاج[16] خالص درویشی لباس پہنتے ہیں اور سوائے ان چار برسوں کے جو انھوں نے دوسری عالمی جنگ کے بعد اٹلی میں بے گھر لوگوں کے کیمپ میں گزارے وہ ساری زندگی تکیوں میں رہے۔ غیر مذہبی لباس پہننے کو وہ گناہ سمجھتے تھے۔ انھوں نے البانیہ ہی میں تجرد کی زندگی گزارنے کا حلف اٹھایا تھا۔ ایک عرب مسلم ملاقاتی نے ایک بار کہا کہ تجرد کی زندگی تو قرآن کے افزائش نسل کے احکام کے خلاف ہے۔ بابا نے اس کا جواب فوراً ہی فصیح و بلیغ سوال کے انداز میں دیا کہ کیا سوال کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ بچے صرف وہی ہوتے ہیں جو گوشت اور خون سے بنے ہوں۔ بابا ان تمام لوگوں کو اپنے بچے سمجھتے ہیں جو تکیے میں آتے ہوں۔

مزید برآں بابا پر چونکہ اپنے کسی ذاتی خاندان کی کفالت کی ذمے داری نہیں ہے لہٰذا نہ انھیں کوئی تنخواہ ملتی ہے نہ ان کے پاس کوئی مال و دولت ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی خدا اور عوام کے لیے وقف کر رکھی ہے اور ان کا بڑا احترام کیا جاتا ہے۔ لوگ ان کے پاس دعاؤں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے آتے ہیں لیکن وہ ان کے دلچسپ جملوں اور غیر ناصحانہ افتادِ طبع سے بھی محظوظ ہوتے ہیں۔ انھیں وہ نوجوان خاص طور سے بہت پسند کرتے ہیں جنھیں اپنے والدین سے مناسب مشورے نہیں ملتے۔

تکیہ اور مسجد: رکنیت، قیادت اور تسلسل

اور آخر میں مشی گن میں البانوی مسجد اور بکتاشی تکیے کے تسلسل کا سوال اور اُس کے بارے میں کچھ باتیں۔ تعطیلات کے اجتماعات میں حاضری میں ایک باقاعدگی اور اچھی جائیداد اور ملکیت کے باعث مسجد اور تکیہ دونوں کی حیثیت خاصی مستحکم معلوم ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تکیے نے ۱۹۹۰ء میں بابا کے لیے نئے کوارٹروں، ایک بڑے باورچی خانے اور مہمانوں کے مزید کمروں پر مشتمل اضافہ دو لاکھ ڈالر میں مکمل کیا۔ تاہم رکنیت اور قیادت میں تبدیلی کے حوالے سے تسلسل برادری کے لیے ایک مسئلہ بنا رہتا ہے۔

شروع میں مسجد اور تکیہ کی رکنیت کو اس انداز میں بیان کیا گیا تھا کہ ان کی تشکیل ان تارکین وطن سے ہوتی تھی جو بیسویں صدی میں مختلف اوقات میں امریکا آئے تھے۔ ان دونوں کی رکنیت کی وضاحت اس طرح بھی کی جا سکتی ہے کہ اس کی تشکیل ان سماجی سلسلوں سے ہوتی ہے جنھیں خاندانی رشتوں، علاقائی گروہ بندیوں، سیاسی گروہ بندیوں اور ملاقات کے طور طریقوں کے ذریعے زیادہ مستحکم کیا جاتا ہے۔ البانیہ بذات خود کوئی بڑا ملک نہیں ہے اور بہت سے تارکین وطن آپس میں ایک دوسرے کے رشتے دار ہیں۔ لوگ اپنے رشتوں کا ذکر بے ساختہ انداز میں اس طرح کرتے ہیں جیسے "میرے ثانوی چچا زاد کے ماموں کی بیوی"۔

مسجد یا تکیہ اپنے ارکان کے باہم اور متواتر روابط کی مطابقت میں کوئی باضابطہ خبر نامہ جاری نہیں کرتا۔ ایک دوسرے کے یہاں لوگوں کے آنے جانے اور ایک دوسرے سے مسلسل ملنے جلنے کا جو انداز ہے اس کی روشنی میں ایسے کسی خبر نامے کی ضرورت بھی نہیں۔ تاہم حال میں قمری تاریخوں کے مطابق ہونے والے تہواروں کے اعلان کے لیے ریڈیو کا اضافی استعمال شروع کر دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی البانوی قومی اخباروں میں اعلانات شائع ہوتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہتے ہیں۔ بہرحال ڈیٹرائٹ کے ایک بڑے شہری علاقہ ہونے کے باوجود البانوی مسلمانوں کے درمیان مسجد اور تکیہ میں اعلانات کسی چھوٹے سے دیہاتی علاقے کے اعلانات سے ملتے جلتے ہیں۔ نوجوان لوگ بعض اوقات اپنی اس خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ نیویارک کے علاقے میں البانوی مسلمانوں کی زیادہ پھیلی ہوئی اور کم غیرمربوط آبادی بہتر ہے کیونکہ اس صورت میں وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنا تشخص حاصل کرنے میں زیادہ آزاد ہوں گے۔

اتنی مربوط برادری کو جو مسجد اور تکیے کے اس درجہ قریب ہو، اس امکانی خطرے کا سامنا ہے کہ نوجوان بچے البانوی مسلم برادری کے باہر شادیاں نہ کرلیں۔ امریکا میں البانوی مسلمانوں کی تشویش کا ایک سبب ہمیشہ شادی کا مسئلہ بھی رہا ہے۔ یاد کیجیے کہ مشی گن آنے والے پہلے البانوی مسلمان تارکین وطن مرد تھے جو اکثر غیرشادی شدہ رہ گئے۔ دوسری لہر میں آنے والے کچھ لوگ اپنی بیویوں کو البانیہ میں چھوڑ آئے تھے جو کمیونسٹوں کے قبضے کے بعد ملک سے باہر نہیں آ سکیں۔ کچھ اور لوگوں نے، جو عموماً دوسری عالمی جنگ کے نوجوان سپاہی تھے، ترکی، یونان بلکہ انگلستان میں بھی اپنے لیے بیویاں تلاش کرلیں۔ ترکی کی دلہنیں تعداد میں یونانی دلہنوں سے کم تھیں۔ انگریز دلہنوں میں سے بھی ایک کو تکیہ میں قبول کیا گیا اور اس نے تکیہ کی سرگرمی میں حصہ لیا۔"[۲] جہاں تک البانوی مسلمان تارکین وطن کی تیسری لہر کا تعلق ہے وہ عموماً اپنے خاندانوں کے ساتھ آئے یا یوگوسلاویہ سے انھوں نے اپنی بیویوں کو بلوالیا۔

اس کے باوجود امریکا میں برادری سے باہر شادیاں ہونے لگی ہیں۔ چند ایک البانوی مسلمان مردوں نے لبنانی مسلمان عورتوں سے شادیاں کرلیں اور ڈیٹرائٹ کے علاقے میں ایک البانوی مسلمان عورت نے ایک البانوی عیسائی مرد سے شادی کرلی۔ لیکن عموماً البانوی مسلمان مردوں کو اس بات کی اجازت مل جاتی ہے کہ وہ امریکی عورتوں سے میل جول بڑھائیں اور پھر شادی کرلیں۔ تاہم ان جوڑوں کا رجحان یہ رہتا ہے کہ نہ وہ مسجد کے رہتے ہیں نہ تکیے کے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ البانوی مسلمان عورتیں یا تو غیرشادی شدہ رہ جاتی ہیں کیونکہ انھیں غیرمسلم مردوں سے میل جول بڑھانے کی اجازت نہیں ہوتی یا ان کے لیے یوگوسلاویہ یا ترکی میں البانوی مسلمان برادری میں شوہر تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں ان عورتوں کا یہ رجحان باقی رہتا ہے کہ وہ مسجد یا تکیے سے وابستہ رہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صرف تکیے کی حد تک تبدل پذیر رکنیت پر غور کرنے کا ایک طریقہ ''اندرونی ارکان'' پر، جنھیں ''محبان'' بھی کہتے ہیں، نظر ڈالنے کا ہے، یہ لوگ ایک خفیہ بیعت کے مرحلے سے گزرتے ہیں اور تکیہ کی جانب سے ان پر خصوصی فرائض عائد ہوتے ہیں۔ ایسے بیعت کنندگان کی تعداد ۱۹۵۰ء کے عشرے میں سترہ، ۱۹۶۰ء کے عشرے میں تیس، ۱۹۷۰ء کے عشرے میں انتیس اور ۱۹۸۰ء کے عشرے میں تینتالیس تھی۔ اس طرح یہ تعداد بڑھتی ہی رہی ہے۔ ان میں سے مردوں کی تعداد عورتوں کی تعداد سے ہمیشہ بہت زیادہ رہی ہے، جسے آپ یوں سمجھئے کہ اب تک ایک سو انیس بیعت کرنے والوں میں بانوے مرد اور ستائیس عورتیں تھیں۔[19]

لیکن اس اندرونی رکنیت میں چند اور نمونے بھی نمایاں ہیں۔ اندرونی بیعت کے طلبگاروں کی اکثریت بلقان میں پیدا ہوئی تھی۔ ان میں سے صرف دو اشخاص امریکا کے پیدائشی ہیں۔ اس طرح کم از کم اندرونی ارکان کی حد تک تکیہ تارکینِ وطن کی ایک تنظیم کے طور پر کام کر رہا ہے۔ مزید برآں اندرونی ممبروں کی ایک بہت بڑی تعداد وہ ہے جو نیوجرسی، شکاگو، ٹورنٹو بلکہ آسٹریلیا جیسی جگہوں میں رہتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اندرونی رکنیت وطن سے دور ایک تنظیم کے ساتھ خصوصی رابطہ قائم رکھنے کا عمل انجام دینے والی شاخ ہے۔

ڈیٹرائٹ کے علاوہ دوسرے شہروں میں رہنے والے بکتاشیوں کی شمولیت کا اظہار صرف اندرونی رکنیت سے نہیں بلکہ عوامی تعطیلات کے موقعوں پر دعوتوں کی کفالت سے بھی ہوتا ہے۔ ہر اہم بکتاشی تعطیل مثلاً نوروز یا عاشورہ کے موقعوں پر رواج یہ ہے کہ متعدد افراد مل کر دنبے کے گوشت کی پوری دعوت کا خرچ برداشت کر لیتے ہیں۔ یہ خاصا بڑا خرچ ہے کیونکہ تین سے پانچ سو افراد تک ان اجتماعات میں شریک ہوتے ہیں۔ ۱۹۸۹ء میں عاشورہ کے اخراجات واٹربری، کنیکٹی کٹ کے متعدد اور ہیکنسیک، نیوجرسی کے ایک جوڑے نے برداشت کیے تھے۔ ۱۹۹۰ء میں عاشورہ کی دعوت کے اخراجات شکاگو کے چار اور مشی گن کے ایک شخص نے برداشت کئے تھے۔

عجیب بات یہ ہے کہ مسجد کی ایک شاخ ابتدا ہی سے موجود تھی۔ بہر حال چونکہ شکاگو، واٹربری، کنیکٹی کٹ اور نیویارک جیسی جگہوں میں زیادہ سے زیادہ البانوی مسجدیں تعمیر ہوتی جا رہی ہیں، لہٰذا ڈیٹرائٹ کی مسجد کی زیادہ حیثیت اب ایک مقامی تنظیم کی ہوتی جا رہی ہے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب کہ تکیہ جو کہ ابتداً ایک مقامی چیز تھا زیادہ قومی اور بین الاقوامی ہوتا جا رہا ہے۔ یہ صورت حال نہ صرف بابا کے وقار کو بلکہ دوسرے بکتاشی مستند قائدین کی کمی کو بھی ظاہر کرتی ہے۔

رکنیت سے قیادت کے سوال کی طرف رخ کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسجد اور تکیہ دونوں کی دنیا دارانہ ساخت یکساں ہے۔ دونوں ہی کے دنیا دار کمیشن ہوتے ہیں جنھیں ان کے دساتیر منضبط کرتے ہیں، ساتھ ہی امام یا بابا ان اداروں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ کمیشن منتخب ہوتے ہیں لیکن جو شخص اس کمیشن پر آ جاتا ہے وہ عموماً پوری زندگی کے لیے ہوتا ہے۔ نئے ارکان اُسی وقت شامل کیے جاتے ہیں جب کوئی پرانا ممبر مر جاتا ہے یا کہیں اور منتقل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ابھی حال تک کمیشن کی تشکیل زیادہ تر ترک وطن کی پہلی لہر کے لوگوں سے ہوتی تھی۔ یہ ابتدائی قائدین اب وفات پاتے جا رہے ہیں اور ترک وطن کی دوسری تیسری نسل کے لوگ آتے جا رہے ہیں۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ دونوں کمیشنوں میں سب کے سب مرد ہیں حالانکہ مسجد کا ایک خواتین کمیشن بھی ہے۔ تکیہ میں خواتین کی کوئی باضابطہ تنظیم نہیں ہے لیکن خواتین کا ایک قسم کا غیر رسمی سا گروہ ہے جس کے سپرد تعطیلات اور ایسے ہی دوسرے مواقع پر بغیر گوشت کے کھانے کے انتظام کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ بابا کی بہن جو تکیہ ہی کے ایک مکان میں رہتی ہیں اس قسم کے غیر رسمی گروہ میں ایک مرکزی شخصیت ہوتی ہیں۔

جہاں تک مذہبی قیادت کی تبدیلی کا تعلق ہے مسجد اور تکیہ دونوں ہی میں اب تک ایک ایک قائد رہے ہیں۔ مسجد میں امام وہبی اسمٰعیل اور تکیہ میں بابا رجب۔ یہ دونوں ہی قائد اب ضعیف ہوتے جا رہے ہیں اور ان کی جانشینی کا سوال پیدا ہو چکا ہے۔ زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ مسجد تو کوسوو، ترکی یا مصر میں البانوی مسلم برادری کی طرف رجوع کرے گی جہاں امام موجود ہیں اور جہاں امام وہبی اور دوسرے ارکان سے ان کے روابط ہیں۔ یہ سوال ذرا نازک ہے کہ بابا کا جانشین کون ہوگا۔

اس سے پہلے ۱۹۶۰ء کے عشرے میں کچھ ممکنہ امیدوار موجود تھے۔ درویش بجرم جو بابا رجب سے کم عمر تھے۔ بہت واضح طور پر ممکنہ جانشین تھے اور اس تیاری میں بابا کے طور پر ان کی بیعت بھی ہوئی تھی۔ بدقسمتی سے ۱۹۷۳ء میں حرکت قلب بند ہو جانے سے ان کا انتقال ہو گیا۔ درویش لطفی کا بھی انتقال ہو گیا اور ایک تیسرے یعنی درویش بکتاش ترکی واپس چلے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئے۔ ایک بابا کو تلاش کرنے کے لیے زیادہ امکانی ذریعہ یوگوسلاویہ میں البانوی مسلم برادری، قاہرہ یا ترکی میں البانوی برادری یا امریکا میں بکتاشی برادری ہے۔ لیکن اس وقت ان میں سے کسی جگہ بھی ایسے لوگ نہیں ہیں جو تکیہ کی قیادت کی تربیت حاصل کر رہے ہوں۔ بابا رجب ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے تھے اور ان کی عمر اور صحت اب تشویش کا باعث بنتی جا رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تکیہ کی زمین پر صرف اس تربت کی تعمیر جس میں بابا کو دفن کیا جائے گا جانشینی کی خطرناک صورت حال کے خلاف ایک تحفظ ہے۔ یہ ایک بڑی قدیم بکتاشی رسم ہے کہ کسی تکیے کے بانی کو اسی تکیے میں دفن کیا جائے۔ لیکن بابا کے وہاں دفن ہونے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جگہ مقدس ہو جائے گی اور پھر کبھی فروخت نہیں کی جا سکے گی (لوگوں نے وہاں ابھی سے نماز پڑھنا شروع کر دی ہے)۔

مستقبل کے بکتاشی باباؤں کی تلاش کا ایک سرچشمہ خود البانیہ ہے۔ حال میں مشرقی یورپ کے سیاسی جمود کے ختم ہونے کے ساتھ امید یہ کی جاتی ہے کہ البانیہ میں عائد پابندیاں بہت نرم ہو جائیں گی۔ اور ایک اطلاع یہ بھی ہے کہ بکتاشی ''محبّ''، ''عاشق'' حتیٰ کہ ایک بکتاشی بابا بھی اس وقت البانیہ میں موجود ہیں۔ لہٰذا لوگ تکیہ کی قیادت کے جانشین کے البانیہ میں پائے جانے حتیٰ کہ وہاں مسجد اور تکیے دوبارہ قائم کرنے کے امکانات پر گفتگو کرتے ہیں۔ یہ صورتِ حال امریکا میں البانوی تارکین وطن اور ان کے بچوں کے اپنے ملک سے گہرے روابط کی نشان دہی کرتی ہے۔ سفر اور زرمبادلہ کی امکانی سہولت کا مطلب امریکا میں البانوی مسلم اداروں کے لیے کیا ہوگا، اس کا ابھی کوئی اندازہ نہیں ہے۔ اس قسم کی قیاس آرائی کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ مشرقی یورپ کا جمود ختم ہونے کے نتیجے میں کیا البانوی مسلم تارکین وطن کی تعداد میں کوئی معقول اضافہ ہو جائے گا۔

یہ قیاس آرائی کرنا بھی دلچسپی کا باعث ہوگا کہ آیا بکتاشی تکیہ جیسا کوئی ادارہ اپنی ذاتی اندرونی رکنیت اور خارجی نسلی استحکام کے ساتھ امریکا میں اپنی نشوونما جاری رکھ سکتا ہے۔ امریکیوں کو تو بظاہر ایسا معلوم ہوگا کہ اس سلسلے سے تعلق ایسے گروہوں کی رکنیت کے مماثل ہے جیسے ''میسن'' یا ''اسکاٹش امریکن ایسوسی ایشن'' البانوی امریکی بکتاشی اس قسم کے تاثر کی اصلاح کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ لہٰذا امریکی سیاق وسباق میں زیادہ عام امریکی تنظیموں سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

براہ راست تصادم کے ذریعے دشواریاں پیدا ہونے کا امکان نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس امریکی سیاق وسباق میں تکیہ کی دشواریوں کے پیدا ہونے کا زیادہ امکان نسلی بندھنوں کی عمومی کمزوری، مذہبی بے پروائی یا ایک قابل قبول بابا کی تلاش میں ناکامی سے وابستہ ہوسکتا ہے۔

بہر حال اپنی سات سو سالہ تاریخ کے ایک وسیع تر تناظر میں جیسے جیسے مضبوط بابا آتے رہے اور جاتے رہے اسی طرح بکتاشی تکیے بھی مضبوط، پھر کمزور اور پھر مضبوط ہوتے رہے۔ لہٰذا جب امریکا میں تکیے کے مستقبل کے بارے میں خود بابا رَجب سے سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا:

لایعلم الغیب الا اللّٰہ (غیب کا علم صرف اللہ کو ہے)

حواشی

۱۔ استاوروا سکندی: *Albania*؛ (نیویارک: فریڈرک پریگر، ۱۹۵۶ء) ص ۲۸۵۔

۲۔ اسٹیفن تھرنسٹرام، تدوین "Albanians"-*Harvard Encyclopedia of American Ethnic Groups* (کیمبرج، میساچوسیٹس: ہارورڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۰ء)۔

۳۔ ڈینس ایل ناگی *The Albanian - American Odyssey: A Pilot Study of the Albanian Community of Boston, Massachusetts"* (نیویارک: اے ایم ایس پریس، ۱۹۸۹ء)۔

۴۔ کانسٹنٹائن ڈیمو "The Albanians in America: The First Arrivals" (بوسٹن: غیر مطبوعہ ۱۹۶۰ء) ص ۷۔

۵ امریکا میں ۱۹۰۹ء میں اورحان علی کی موجودگی کی تصدیق حسب ذیل میں ملتی ہے۔ لوار اسی، کرسٹو۔ *Kalendari Kombiar 1909* (صوفیہ، بلغاریہ: براتھسی جا، ۱۹۱۰ء) ص ۱۵۱۔

۶۔ البانوی مسلمانوں کے ترک وطن کی تاریخ کی تصدیق خود ڈیٹرائٹ کے البانوی تارکین وطن کی شہادت سے، جو اس وقت البانیہ میں ٹھہر گئے تھے اور اپنے قصبوں سے لوگوں کی رخصتی دیکھی تھی اور امریکا میں البانوی خاندانوں کی ان تصویروں کے نیچے کی عبارتوں سے ہوتی ہے جو ۵۳۔۱۹۵۲ء کی *Yearbook of Vatra* کی پشت پر چھپی تھی۔ یہ کتاب اس وقت امریکا میں البانویوں کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک قسم کی "Who's Who" (''کون کیا ہے'') تھی۔

۷۔ دی فیڈرل رائٹر پروجیکٹ آف دی ورکس پروگریس ایڈمنسٹریشن آف میساچوسیٹس The Albanian Struggle in the Old World and New (بوسٹن: دی رائٹر انکار پوریٹڈ، ۱۹۳۹ء) ص ۵۔

۸۔ ناگی: The Albanian - American Odyssey ص ۵۔

۹۔ Albanian Moslem Congress Review: Rivista e Kongresit Mysiman Shqiptar (ڈیٹرائٹ: [غیر مطبوعہ] اگست ۱۹۴۷ء) ص ۵۔

۱۰۔ ان تشویشوں کا اظہار البانین امریکن مسلم سوسائٹی کے بانی ممبروں نے کیا تھا جن میں حسب ذیل افراد شامل تھے: عثمان گورزا، قامل فلوقی، فیضی واولا، امیلی گوسکووا، رضا وکوپی، علی اورحان، باقر ولورا، رضا ڈنکا، نزی مبورجا، عباس بیراتی، بنیش قیتزا، احمد رامو، فریدہ فلوقی، میما اورحان اور فاطمی گورزا (ایضاً ص ۶)۔

۱۱۔ یہ افراد تھے، جی مِنن ولیمز، گورنر آف مشی گن؛ یوجین وان اینٹورپ، میئر آف ڈیٹرائٹ؛ جارج ایڈورڈز، پریذیڈینٹ ڈیٹرائٹ سٹی کونسل؛ ہکس گریفتھس، اسٹیٹ چیئر مین آف دی ڈیموکریٹک کمیٹی Jeta Muslimane Shqiptare۔[The Albanian Moslem Life، البانین امریکن مسلم سوسائٹی کا سہ ماہی جریدہ ۱، نمبر ۱ (اکتوبر ۱۹۴۹ء): ۳۳۔

۱۲۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد چند مسلمان مذہبی قائدین البانیہ میں رہ گئے تھے لیکن وہ حکومت کے کنٹرول میں تھے۔ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں البانیہ نے اپنے ایک لادینی ریاست ہونے کا اعلان کیا۔
البانیہ کے باہر ۱۹۷۰ء کے عشرے سے سنی امام اور یوگوسلاویہ کے مسلمان مذہبی قائدین میں روابط قائم رہے۔ اور بابا، یوگوسلاویہ اور ترکی کے مذہبی قائدین کے درمیان روابط ہمیشہ قائم رہے۔ جس کے نتیجے میں سب سے آخر میں ۱۹۹۰ء میں ترکی کے ڈاکٹر بدری نویان کی مشی گن کے تکیے میں آمد ہوئی۔ یہ ایک دیدے بابا ہیں جو بکتاشی سلسلے کا اعلیٰ ترین عہدہ ہے۔

۱۳۔ ژیوات کیلازی Bektashizmi dhe Teqeja Shqiptare n'Amerike (ڈیٹرائٹ: تے قے، ۱۹۶۴ء) ص ۱۔

۱۴۔ البانوی بکتاشی تکیہ میں غنی موشو، جاشر بتر وشا، بنیش قیتزا، عباس مرتضاج، نیورس سلفو، سرجا غوریجہ، دولی کلجزا، محمد زغاری، کمال روشن جی، قانی پریسپا، حقی کوزیلی، رسول شکمی، سلمان زغاری، ظفر خمیری، اور زنیل بولا۔ کا ہیں۔

۱۵۔ البانیہ میں پندرہویں صدی عیسوی سے، جب سے عثمانیوں نے اقتدار سنبھالا، صوفی سلسلے قائم رہے ہیں جن میں قادریہ، رفاعی، سعدی، تیجانی اور بکتاشی سلسلے شامل ہیں۔ لیکن بکتاشیوں نے البانیہ میں انیسویں صدی میں خاص اہمیت حاصل کرلی۔ فراشیری جیسے اہم البانوی قوم پرست بکتاشی تھے اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے بکتاشی مسلک کو بڑی ترقی دی۔ اس کے بدلے میں بکتاشیوں نے البانوی زبان اور آزادی کی تحریک کی حمایت کی۔ حقیقت یہ ہے کہ بکتاشی تکیے البانویوں کی ملاقات کی اور غیر قانونی اشیاء مثلاً البانوی زبان کی تحریریں اکٹھا کرنے کی جگہ بن گئے۔ اپنی ان سرگرمیوں کی وجہ سے متعدد بکتاشی باباؤں اور درویشوں کو عثمانی حکومت نے گرفتار کر لیا۔ بکتاشیوں نے اتنی ترقی حاصل کر لی کہ ۱۹۲۰ء کے عشرے میں وہ اپنے اجلاس منعقد کرنے لگے، اور جب اتاترک نے ترکی میں تمام صوفی سلسلوں کو غیر قانونی قرار دیا تو بکتاشیوں کا صدر مقام اناطولیہ سے ترانا منتقل ہو گیا۔

۱۶۔ خرقہ ایک لمبی بغیر آستین کی صدری ہوتی ہے؛ خمار ایک پٹکا ہوتا ہے اور تاج سر پر اوڑھنے کی ایک چیز۔ کسی کو درویش بنانے کی تقریب کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ اسے یہ لباس عطا کیے جاتے ہیں۔ خرقہ ستر پوشی کے لیے ہوتا ہے اور یہ صراط مستقیم پر زندگی گزارنے کی ایک نشانی ہوتی ہے۔ خمار صبر اور خود پر قابو رکھنے کے لیے ہوتا ہے۔ تاج حضرت پیغمبر محمد [ﷺ] سے چلا آ رہا ہے کہ یہ انھیں معراج یعنی یروشلم سے جنت اور پھر واپس یروشلم کے معجزاتی سفر کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے عطا کیا تھا۔ بابا رجب کا بیان ہے کہ ماضی میں البانیہ میں بعض درویش یہ سمجھتے تھے کہ اگر انھوں نے یہ لباس اتارا تو انھیں دوبارہ حلف اُٹھانا ہو گا۔

۱۷۔ یہ قبولیت اس رواداری کی وجہ سے آسان ہو گئی جو بکتاشی روایتی طور دوسرے مذہب والوں کے لیے رکھتے ہیں۔ تمام معاملات میں عیسائی دلہنوں نے بابا کے ساتھ میل جول قائم کر لیے۔

۱۸۔ بکتاشی تکیوں کے طبقات حسب ذیل ہیں:

مذہبی رہنمائی:	دیدے بابا	(اعلیٰ ترین منصب)
	خلیفہ	(علاقائی سربراہ)
	بابا	(کسی تکیے کا سربراہ)
	درویش	(تارک الدنیا درویش)
غیر مذہبی:	محب	(بیعت شدہ، داخلی رکن)
	عاشق	(بابا سے محبت کی وجہ سے قبول کیے ہوئے لوگ؛ جن کی بیعت نہیں ہوئی ہو)

مذکورہ بالا میں سے کسی کا خاندان

۱۹۔ اس کے برعکس یوگوسلاویہ میں البانوی بکتاشیوں کے ساتھ میرے تجربے کے مطابق مرد اور خواتین محب زیادہ تر برابر تھے۔ اگرچہ مشی گن تکیے میں مردوں کے محب ہونے کا زیادہ امکان ہے تاہم عورتیں تکیے کی دوسری رسومات میں اس سے زیادہ حصہ لیتی ہیں جتنا وہ البانیہ کے تکیوں میں لیتی تھیں۔ ان کے کم تعداد میں ہونے یا بیعت کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورتیں تکیوں کی

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرگرمیوں میں شریک نہیں ہوتیں۔

کتابیات

کتب

فیڈرل رائٹرز پروجیکٹ The Albanian Struggle in the Old World and New فیڈرل رائٹرز پروجیکٹ آف دی ورکس پروگریس ایڈمنسٹریشن آف میساچوسیٹس کے اراکین کی تصنیف اور تدوین: البانین ہسٹاریکل سوسائٹی آف میساچوسیٹس نے کفالت کی) بوسٹن: دی رائٹرانکارپوریٹڈ، ۱۹۳۹ء؛ اے ایم ایس پریس آف نیویارک نے ۱۹۷۵ء میں دوبارہ شائع کیا۔

گاریچ، جارج والٹر، Ottoman Administration and the Albanians 1908-1913" (غیر مطبوعہ مقالہ، یونیورسٹی آف مشی گن، ۱۹۸۰ء)

کیلاژی؛ ژیوات: Bektashizmi dhe Teqeja Shqiptare N'Amerike [Bektashiam and the Albanian Tekke in America] ڈیٹرائٹ: تے قے، ۱۹۶۴ء۔

لوآراسی، کرسٹو (ازروئے قیاس) Diterefenjesi (Kalendari) Kombiar per 1898 صوفیہ، بلغاریہ: براتھیسی جا، ۱۸۹۸ء (یہ اور لوآراسی کی حسب ذیل مطبوعات ایک قسم کی جنتری ہیں جو ان دنوں بلقان میں عام تھیں۔ جن میں مذہبی تعطیلات اور حالات حاضرہ پر، تاریخ اور جغرافیہ پر اور مختلف نوعیتوں کے مضامین پر مقالات شامل ہیں۔ ان کی پشت پر اکثر چندہ دہندگان کے نام چھپے ہوتے تھے جنھیں ان کے رہائشی شہر کے حساب سے ترتیب دیا جاتا تھا اور کبھی کبھار اس میں ان کی دی ہوئی رقم کا اظہار بھی ہوتا تھا)۔

۔۔۔ (اقرار از لوآراسی) Kalendari Kombiar 1902؛ صوفیہ، بلغاریہ: براتھیسی جا، ۱۹۰۲ء۔

۔۔۔ Kalendari Kombiar 1903 صوفیہ، بلغاریہ: براتھیسی جا، ۱۹۰۳ء۔

۔۔۔ Kalendari Kombiar 1909 صوفیہ، بلغاریہ: براتھیسی جا، ۱۹۱۰ء۔

۔۔۔ Kalendari Kombiar 1914 صوفیہ، بلغاریہ: براتھیسی جا، ۱۹۱۵ء۔

ناگی، ڈینس The Albanian-American Odyssey: A Pilot Study of the Albanian Community of Boston, Massachusets؛ نیویارک: اے ایم ایس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پریس، ۱۹۸۹ء۔

نولی، فین ایس: *Historia a Skenderbeut* [*The Story of Skenderbey*]، بوسٹن: فیڈریتا پین ۔ شقپتارے ویترا، ۱۹۵۰ء۔

اسکندی، استاورو: *Albania*، نیویارک: فریڈرک پریگر، ۱۹۵۶ء۔

---: *The Albanian National Awakening: 1878-1912*، پرنسٹن، نیوجرسی: پرنسٹن یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۷ء۔

کتابچے، البم اور جرائد

"Albanian Moslem Congress Review." *Rivista e Kongresit Mysliman Shqiptar* [*The Magazine of the Albanian Muslim Congress*] 1، (۱۹۴۷ء)۔

ڈیمو، کانسٹنٹائن اے "The Albanians in America: The First Arrivals" (انگریزی اور البانوی میں) بوسٹن: فیتر دھیشیا آف کنٹڈی، ۱۹۶۰ء۔

"Jeta Muslimane Shqiptare" [The Albanian Moslem Life], ---- *Albanian-English Religious Review 1,* نمبر ۱ (اکتوبر ۱۹۵۰ء)۔

---- *Albanian-English Religious Review 1,* نمبر ۴ (اکتوبر ۱۹۵۰ء)۔

ویترا *Albumi Dyzetvjecar ne Amerike 1906-1946 i Hiresise Tij Peshkop Fan S. Noli* [*The Album of the Forty Years in America of His Holiness Archbishop Fan S. Noli*]، بوسٹن: فیڈریتا ویترا، ۱۹۴۸ء۔

--- ویترا، *Anniversary Album of Pan-Albanian Federation of America for the Year 1953-1954.*" بوسٹن: ویترا، ۱۹۵۵ء۔

--- "Golden Anniversary Celebration of Pan-Albanian Federation of America Vatra, Branch No. 33, Detroit, Michigan," اور The Fiftieth Anniversary of Albanian Independence, Sunday, *June 3, 1962, Detroit, Michigan* (طباعت کا مقام یا تاریخ درج نہیں ہے۔ قیاسا بوسٹن یا ڈیٹرائٹ میں ویترا کی جانب سے طبع ہوئی)۔

"Zeri Bektashizmes" ["The Voice of Bektashism"] 1، نمبر ۲۔ ڈیٹرائٹ: کومیسیونٹ تے تے قیس، (تاریخ طباعت درج نہیں لیکن ۱۹۵۵ء کے لگ بھگ شائع ہوئی)۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۷

بلدیہ ڈیٹرائٹ میں ترکوں کی قدیم رضا کارانہ تنظیمیں

باربرا بلگے

بلدیہ ڈیٹرائٹ کے ترکی اور کرد زبانیں بولنے والے زیادہ تر عثمانی سنی مسلمان تارکین وطن پہلی جنگ عظیم سے پہلے امریکا آئے اور بعد میں ڈیٹرائٹ کے علاقے میں جمع ہو گئے۔ آسانی کی خاطر اس گروہ کا حوالہ ہم ڈیٹرائٹ کی قدیم ترکی برادری کے طور پر دیں گے۔ اگرچہ اس کے ارکان مختلف لسانی گروہوں کی نمائندگی کرتے تھے تاہم ۱۹۲۳ء میں سلطنت عثمانیہ کی معزولی کے بعد اس کے عین قلب میں ترکی جمہوریہ کی تشکیل کے پہلے عشرے تک زبان نے ان لوگوں کی پہچان میں بہت معمولی کردار ادا کیا۔ ان کے تشخص کا بنیادی عنصر ان کا مذہب تھا۔ یہ تو بعد میں ان کے قومی تشخص میں زبان ایک غالب اور اندرونی طور پر رچا ہوا غالب عنصر بن گئی۔ مزید برآں وہ خود کو باہر والوں کے سامنے ''ترک کی حیثیت سے'' پیش کرتے تھے۔ اسی وجہ سے امریکیوں نے بھی ان کی تعریف اسی طرح کی کیونکہ وہ ان کی مذہبی وحدت کی خصوصیت اور ان کے بعد کے قومی گروہوں سے ناواقف تھے۔

بلدیاتی ڈیٹرائٹ کے قدیم ترکوں کی رضا کارانہ تنظیمیں اُس کردار کی تجربی وضاحت کرتی ہیں جو انہوں نے اپنے گروہ کو ایک وسیع تر معاشرے میں تبدیل کرنے میں ادا کیا۔ یہ تبدیلی جزوی طور پر اس معاشی، معاشرتی حیثیت اور سیاسی ہدف کی جانب ایک حوالہ ہے جو اس گروہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اس شہر میں حاصل کیا۔ یہ کردار برادری کے ارکان کے اپنے معاشرتی گرد وپیش کے حوالے سے تبدیل ہوتے ہوئے ادراک، ان کے تشخص اور وقت گزرنے کے ساتھ اپنے وطن سے ان کے رشتے پر دلالت کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تبدیلی ''معیار زندگی'' کے مسائل کھڑے کرتی ہے جن کا تجزیہ لازماً خود برادری کی اقدار کے مطابق کیا جانا چاہیے۔

معلومات کی فراہمی

یہ معلومات بنیادی طور پر ڈیٹرائٹ کے قدیم ترکوں کی نسل کے زندہ لوگوں اور ڈیٹرائٹ میں رہائش پذیر ان کی اولاد کے ساتھ ۱۹۷۴ء سے اب تک کی جانے والی ملاقاتوں اور مصاحبوں کے ذریعہ اکٹھا کی گئی ہیں۔ امریکا میں پیدا ہونے والی بعض شادی شدہ خواتین نے بھی انٹرویوز میں حصہ لیا اور بڑی مفید معلومات فراہم کیں۔ سترہ پورے اور تین ادھورے انٹرویوز کیے گئے۔ اُن افراد نے بعد میں معلومات فراہم کیں اور اس طرح وہ اطلاع دہندہ افراد میرے دوست بن گئے۔ ان میں دو مرد اور ایک خاتون شامل تھیں جو برادری کی دو خیراتی تنظیموں کی عہدے دار تھے یا اس کے اہم افراد تھے۔

معلومات اکٹھا کرنے کے دوران بڑے اہم باخبر لوگوں سے بار بار ملاقاتیں کی گئیں۔ برجستہ گفتگو سے بڑے اہم حقائق سامنے آئے جن سے یہ معلوم ہوا کہ وہ دونوں انجمنیں کیسے چلائی جاتی تھیں اور ان حقائق سے ارکان کی ذاتی زندگی میں ان تنظیموں کے مقام کا بھی علم ہوا۔ ایک تنظیم ۱۹۶۸ء میں بند کردی گئی اور دوسری تقریباً ۱۹۸۰ء تک محض تجہیز وتکفین کی ایک انجمن کے طور پر چلتی رہی۔ میں ۱۹۶۸ء میں اول الذکر انجمن کے آخری اجلاس میں شریک ہوئی تھی جو ایک کافی ہاؤس میں منعقد ہوا تھا۔ اس موقع پر اس برادری میں مجھے پہلے پہل دلچسپی پیدا ہوئی۔ آخر الذکر انجمن کے اجلاسوں میں یکے بعد دیگرے دو کافی ہاؤسوں میں ابتدائی انٹرویو کیے گئے۔ میں ان قبرستانوں کو بھی کئی بار دیکھنے گئی جہاں برادری کے ارکان دفن ہیں اور ان میں سے ایک سے جو قبرستان کی منتظمہ مالکہ ہے میں نے گفتگو بھی کی۔ اس نے مسلمانوں کی قبروں پر کی جانے والی ان رسوم کا ذکر کیا جو اس نے اپنے بچپن میں دیکھی تھیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اُس کے والدین آسانی کے ساتھ یہ رسوم ادا کرتے تھے۔ میں نے ان جنازوں کی تدفین میں بھی شرکت کی جو میری تحقیق کے دوران وہاں لائے گئے۔ اب ڈیٹرائٹ کی قدیم ترک برادری کا صرف ایک بانی رکن زندہ ہے۔

چند سو تصویروں اور متعدد تحریری دستاویزات کے معائنے سے ان دونوں خیراتی تنظیموں کی گزشتہ کارگزاریوں کی روشن اور واضح شہادتیں حاصل ہوئیں۔ یہ دستاویزات حسب ذیل چیزوں پر مشتمل تھیں: کتابیں جو انقرہ، ترکی میں ہلال احمر کے دفتر سے جاری ہوئیں اور جس میں اراکین کے ماہوار چندے کی رسیدیں دی گئی تھیں۔ قبرستان کے پلاٹوں کی خرید کے بارے میں خطوط، ۱۹۳۸ء میں ترکی کے زلزلے کے متاثرین کی مالی مدد کرنے والوں کی ٹائپ شدہ فہرست اور امریکا اور ترکی کے اخباروں کے چند مضامین۔ ان میں سے کسی انجمن کی روودادیں اور خازنوں کی رپورٹیں دستیاب نہیں ہوئیں تاہم مجھے بتایا گیا کہ وہ تیار کی گئی تھیں۔ مجھے خاص طور سے ایک بڑی قیمتی چیز پرانی تصاویر اور پرانے کاغذات کی شکل میں ملی، یہ تصاویر اور کاغذات مجھے دوسری عالمی جنگ کے بعد کے ایک تُرک آبادکار سے ملے تھے جن کا کوئی رشتہ ان تصویروں اور کاغذات کے اصل مالک سے نہیں تھا، جو ایک طویل مدت تک ان میں سے ایک تنظیم کے قائد رہے تھے۔ میں ان کا انٹرویو نہیں کر سکی کیونکہ جب میں نے اپنی تحقیق شروع کی تو وہ مرض الموت میں مبتلا تھے۔[۱]

عُثمانی سنیوں کا ترک وطن اور اس کا معاشرتی سیاق وسباق: ۱۸۶۰ء تا ۱۹۲۳ء

انیسویں صدی کے آخری رُبع تک سلطنت عثمانیہ سے ترک وطن کا عمل بہت معمولی تھا۔[۲] ۱۸۶۰ء کے بعد یورپی تجارتی مفاد کے جارحانہ تجاوزاتی قبضے نے پوری مملکت میں اسامیوں، اشیاء اور خدمات کی تقسیم کی صورت حال کو یکسر تبدیل کر دیا[۳] سلطنت عثمانیہ پر زیادہ راست تسلط برقرار رکھنے کے لیے یورپی حکومتوں نے خفیہ طور پر ان علیحدگی پسند تحریکوں کی اعانت کی اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہیں تقویت پہنچائی جن کی قیادت مملکت عثمانیہ کی عیسائی اقلیتوں کے قوم پرست لوگ کر رہے تھے۔ سلطنت عثمانیہ کے مال غنیمت کے لیے یورپی اقوام کے درمیان مقابلے نے اس کی موت کی رفتار کو قدرے سست کر دیا۔[۴]

یورپی تعاون سے سلطنت عثمانیہ نے جدید دنیا کے حالات کو اپنانے کے جو منصوبے منظور کیے تھے ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت کے بعض علاقے بہت ترقی کر گئے اور دوسرے علاقے بہت پس ماندہ رہ گئے۔ ۱۸۷۰ء کے عشرے کے بعد سے آرمینیوں، کردوں اور ترکوں کے گروہ مشرقی اناطولیہ کے مفلوک الحال دیہات سے مغربی اناطولیہ کے ترقی یافتہ علاقوں میں مناسب موسم میں محنت مزدوری کرنے کے لیے منتقل ہونے لگے۔ یہاں جو مزدوری انہیں ملتی تھی اسے وہ اپنے علاقے میں مشکل سے حاصل کی ہوئی قلیل آمدنی کے ساتھ ملا کر اپنے خاندان کے لیے روزی رزق کا بندوبست کرتے۔[۵] ۱۸۶۰ء کے بعد سے کوہ لبنان کے عقبی دیہات اور کسی حد تک شام کے دور دراز علاقوں سے سیکڑوں عرب، جن میں سے زیادہ تر عیسائی ہوتے تھے لیکن کچھ مسلمان بھی ان میں شامل ہوتے تھے سال کے سال، ان علاقوں میں جو اب عراق، شمالی عرب، اردن، فلسطین اور مصر ہیں، تمباکو، دستی مصنوعات اور متفرق اشیاء کی خرید وفرخت کے لیے منتقل ہو جاتے تھے۔ ان چیزوں سے انہیں اتنا منافع حاصل ہو جاتا تھا جس سے ایک تو وہ گاؤں میں اپنی زمینوں کی ملکیت برقرار رکھ سکتے تھے (جن سے ان کی بسر اوقات بھر کے لیے غلہ پیدا نہیں ہوتا تھا) دوسرے وہ بازار سے اپنے کھانے پینے کے لیے ضروری اشیاء خرید سکتے تھے۔[۶] اس طرح عثمانی نسل کے متعدد گروہوں نے اپنے گھروں سے دور مختلف پیشے اختیار کر رکھے تھے اور جب تک وہ مستقل طور پر سلطنت عثمانیہ سے ہجرت نہیں کر گئے انہوں نے اپنی اندرونی نقل مکانی اور اپنی منزلوں کے لیے اپنے راستے بنا رکھے تھے۔

سلطنت عثمانیہ کی وہ رعایا جو ۱۸۶۰ء سے ۱۹۲۳ء کے درمیان امریکا آئی، اس کی ایک بڑی اکثریت مشرقی اناطولیہ کے آرمینی عیسائیوں پر مشتمل تھی اور وہ عرب تھے جو لبنان اور شام سے تعلق رکھتے تھے۔[۷] عثمانی سنی مسلمان جو بحر اوقیانوس پار کر کے امریکا گئے تھے بنیادی طور پر ان کا تعلق سلطنت کے سیاسی لحاظ سے شورش زدہ بلقان سے اور مشرقی اناطولیہ کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صوبوں سے تھا۔ لبنان۔ شام کے عربی بولنے والے مسلمان، ۱۹۳۰ء کے عشرے کے آخر یعنی سلطنت عثمانیہ کے ختم ہونے کے بھی بہت دنوں بعد تک امریکا میں موجود اپنے ہم مذہبوں کے مقابلے میں عددی لحاظ سے اقلیت میں تھے۔[8] دوسرے عثمانی تارکین وطن ایک دوسرے کے لیے ناقابل فہم زبانیں بولتے تھے اگرچہ ان کی اکثریت اپنی مقامی بولیوں کے علاوہ کسی حد تک ترکی بھی بول سکتی تھی جو عثمانی سلطنت کی معیاری زبان تھی۔[9]

۱۸۹۰ء کے عشرے سے ۱۹۲۳ء تک آرمنی شورش اور بغاوت کو کچلنے کے لیے ترکی اور کُردی زبانیں بولنے والے مسلمانوں کے شدید انتقامی ردِعمل اور اقدام نے مشرقی اناطولیہ کو تاراج اور ویران کر دیا۔ اِن مسلمانوں کو شہر اور دیہات دونوں میں بھاری اکثریت حاصل تھی (۶۵ تا ۷۰ فیصد)۔[10] بعض آرمینیوں نے اپنی مرضی سے ترک وطن کیا لیکن لاتعداد افراد کو سلطنت عثمانیہ سے ہر سمت میں باہر دھکیل دیا گیا[11]۔ مسلمان مردوں کے بھی بہت سے گروہ، کچھ تو فوجی نوکری سے بچنے کے لیے اور بعض کہیں اور رقم کمانے کے لیے اس شورش زدہ علاقے سے نکل گئے۔ ان کا ارادہ تھا کہ جب مرکزی حکومت موثر طور پر بغاوت کو کچل دے گی اور وہ خود جبری بھرتی کی عمر سے آگے نکل چکے ہوں گے تو وہ اپنی کمائی ہوئی دولت کے ساتھ واپس آجائیں گے؛ اور پھر وہ کچھ زمین خریدیں گے، اس پر کھیتی باڑی کے لیے کچھ لوگوں کو ملازم رکھیں گے، ایک یا دو خوبصورت عورتوں سے شادیاں کریں گے، ڈھیر سارے بچے پیدا کریں گے اور پاشاؤں کی طرح زندگی گزاریں گے۔ مشرقی اناطولیہ سے جو ترک اور کرد امریکا منتقل ہو گئے انہوں نے مرحلہ وار اپنا سفر طے کیا۔ پہلے تو وہ قریب کے شہروں میں کام کی تلاش میں اپنے گاؤں سے باہر نکل گئے۔ پھر مغرب کی جانب اور بڑے شہروں کی طرف منتقل ہوئے اور آخرکار استنبول پہنچ گئے۔ راستے میں وہ اسپتالوں میں چوکیداروں، رؤسا کے محلات میں مالیوں، بھٹی جھونکنے والوں، ماہی گیروں اور قلیوں کے طور پر کام کرتے رہے۔ ۱۸۹۰ء کے عشرے کے وسط تک آرمینیوں نے استنبول میں بندرگاہ کی ملازمتوں پر قبضہ جما لیا۔ مشرق میں آرمنی بغاوت اٹھنے کے بعد کردوں نے انہیں استنبول کی قلی برادری سے نکال باہر کیا۔[12] استنبول کے مسلمان کارکنوں میں سمندر پار کی ایک افسانوی زمین کی کہانیاں پھیلنے لگیں جہاں لاتعداد ملازمتیں موجود تھیں اور جہاں سڑکیں سونے سے بنی ہوئی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھیں۔ بہر حال صرف انتہائی عزم وہمت والے مسلمانوں ہی نے اس اجنبی، مگر امید افزا، عیسائی سرزمین پر جانے کی ہمت کی اور یہ بھی عموماً وہ لوگ تھے جن کے اپنے وطن میں ترقی کرنے کے امکانات معدوم تھے۔

۱۸۹۳ء سے ۱۹۱۴ء تک جزیرہ نمائے بلقان میں قومی آزادی کے لیے مختلف تحریکوں کی جدوجہد کی وجہ سے ہلچل رہی۔ دیہی آبادی کی غالب اکثریت (۷۴ تا ۸۰ فیصد) یونانی آرتھوڈکس عیسائی تھی لیکن یہ متعدد جدال پسند لسانی گردہوں میں بٹے ہوئے تھے۔[۱۳] مسلم اقلیت میں البانوی، سربیائی بولنے والے بوسنیائی اور ترک شامل تھے۔ انیسویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے ہر عقیدے کے البانویوں نے زبان، علاقے اور اپنے قبل از اسلام اور قبل از عیسائیت ورثے کو بنیاد بنا کر اپنا ایک قومی تشخص وضع کرلیا۔[۱۴] اس طرح بہت سے البانوی بولنے والے سنیوں نے خود کو عثمانی رعایا سمجھنا ترک کردیا اور بلقانی ترکوں اور بوسنیائی باشندوں سے الگ تھلگ ہوگئے جو اب بھی مذہب اور عثمانی تشخص کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے۔ بلقانی مسلم تارکین وطن امریکا جانے کے لیے اپنے دیہات سے نکل کر راستے کے کسی شہر میں کوئی کام دھندا کیے بغیر براہ راست قریبی بندرگاہ پر پہنچ گئے۔

بہت سے ترک اور کرد تارکین وطن بغیر کسی پاسپورٹ کے یا جعلی پاسپورٹ پر صرف اندرون ملک سفری اجازت نامے کے ساتھ یا بغیر ضروری دستاویزات یا کاغذات کے غیرقانونی طور پر عثمانی سلطنت سے نکل گئے۔[۱۵] وہ ڈاک کی کشتیوں پر یا چھوٹی تجارتی کشتیوں پر سوار ہو جاتے تھے جو انہیں مارسیلز میں اتار دیتی تھیں۔ وہاں ان کی ملاقات عثمانی مسلمانوں سے ہوجاتی تھی جو ان لوگوں کو جن کے پاس پیسے ختم ہوجاتے تھے، رہنے کے لیے جگہ اور قرض پر کھانا مہیا کرتے تھے اور کوئی کام تلاش کرنے میں ان کی مدد کرتے تھے۔ اس کمائی سے یہ لوگ اپنے قرض چکاتے تھے اور اٹلانٹک پار (امریکا) کے سفر کے لیے پیسے جمع کرتے تھے۔ بعض لوگ امریکا جانے کے لیے بحری جہاز پر سوار ہونے سے پہلے ایک ایک سال تک مارسیلز میں ٹھہرے رہتے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امریکا میں عثمانی سنی تارکین وطن

۱۹۰۰ء سے ۱۹۲۵ء تک ان بائیس ہزار نواسی (۲۲۰۸۹) افراد میں جنہوں نے اپنی شناخت بطور ترک کرائی تھی اور جنہیں امریکا میں رہنے کی اجازت مل گئی تھی، بیس ہزار چھ سو باون (۹۳٫۱ فیصد) مرد تھے اور ایک ہزار چار سو تینتیس (۶٫۹ فیصد) عورتیں تھیں۔ ترک وطن کا عروج ۱۹۰۴ء تا ۱۹۰۸ء (۹۸۸۹ کو اجازت ملی)، ۱۹۱۰ء (۱۲۸۳) اور ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۴ء (۶۰۴۴) کے برسوں میں تھا۔ حالیہ اعداد وشمار ان ترکوں اور کردوں کی صحیح نمائندگی نہیں کرتے جو اس عرصے میں امریکا میں داخل ہوئے۔ پہلی بات تو یہ کہ کردوں کا امریکا کے ترک وطن سے متعلق کاغذات میں اندراج نہیں ہوا۔ انہیں ترک وطن کے متعلق محکمہ کے افسروں نے ''ایشیائی ترکوں'' کے گروہ میں ملا دیا۔ دوسری بات یہ کہ ان دنوں کے امریکی اخبارات ترکوں کو تشدد پسند مسلمان اور معصوم عیسائیوں کے قاتل اور خون کے پیاسے کے طور پر پیش کرتے تھے۔[۱۶] اسی وجہ سے متعدد عثمانی سنی تارکین وطن نے متعلقہ محکمے کے سامنے اپنی شناخت ''ترک آرمینیائی'' یا ''سربوں'' کے طور پر کرائی۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۴۱ء تک برطانوی انتداب کے تحت سابق عثمانی علاقوں (مثلاً جزیرہ قبرص) کے ترکوں کو امریکا میں برطانوی کوٹا کے تحت داخلے کی اجازت ملی۔ ۱۹۲۳ء میں جمہوریہ ترکی قائم ہو جانے کے بعد اس کی حکومت نے اپنے شہریوں کے ترک وطن کی حوصلہ شکنی شروع کر دی۔ سلطنت عثمانیہ کے انتشار کے ساتھ پیدا ہونے والے سماجی اور فوجی انقلاب کی وجہ سے ترک آبادی کا خاصا بڑا حصہ ختم ہو گیا تھا۔ لہٰذا ۱۹۲۳ء سے ۱۹۴۱ء تک بہت کم تعداد میں تارکین وطن ترکی سے امریکا آئے۔ امریکا کی ترک وطن کی امتناعی پالیسی بھی لوگوں کی آمد میں کمی کا اضافی سبب بنی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد کے تارکین وطن کی اکثریت شادی شدہ جوڑوں اور خاندانوں پر مشتمل تھی جن کا ارادہ امریکا میں مستقل آباد ہونے کا تھا۔

عثمانی سنی تارکین وطن کی بھاری اکثریت غیر ہنر مند، غیر تعلیم یافتہ اور کسان خاندانوں کے بیٹوں پر مشتمل تھی، جن کی عمریں ۱۴ سے ۴۴ سال تھیں۔ ان میں سے چند اناطولیہ کے شہروں کے کاریگر اور تاجر تھے۔ زیادہ تر غیر شادی شدہ تھے لیکن کچھ اپنے بیوی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بچوں کو وطن میں چھوڑ آئے تھے۔ وہ بالکل انگریزی نہیں بول سکتے تھے۔ وہ جن بندرگاہوں سے داخل ہوئے ان میں پراویڈنس، روڈز آئی لینڈ، پورٹلینڈ، مین اور نیویارک سٹی شامل تھے۔ ان کی آمد پر وہاں پہلے سے موجود ان کے ہم وطن ان کا استقبال کرتے تھے اور انہیں رہنے کی جگہ اور کھانا وغیرہ مہیا کرتے تھے اور انہیں کام دلواتے تھے۔ وہ مین کے جنگلوں میں لکڑی کاٹتے تھے۔ نیو انگلینڈ اور گریٹ لیکس کے صنعتی شہروں میں خندقیں کھودتے تھے، کولوریڈو اور یامنگ کی کانوں میں کام کرنے کے لیے مغرب کی جانب سفر کرتے تھے اور ریل کی پٹریاں بچھاتے تھے۔ بعض نے پناما کی نہر پر کام کرنے کے ٹھیکے پر بھی دستخط کیے اور پھر ان کی کوئی خیر خبر نہ ملی۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد ایک آرمینیائی محقق[۱۷] نے امریکا کے مختلف شہروں میں ترکی، فلسطین، شام، مقدونیہ اور البانیہ سے آئے ہوئے عثمانی مسلمانوں کی بستیاں پائیں لیکن ان شہروں میں وہ ڈیٹرائٹ کا ذکر نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے کہ ترکی زبان کا ایک اخبار ''صدائے وطن'' نیویارک سے شائع ہوتا تھا۔ وہ شکاگو کے شمال میں ایک ترکی کیفے میں اپنی آمد کا ذکر کرتا ہے، جہاں کے مستقل گاہک اتوار کی ایک شام کو ایک چھوٹے سے بینڈ کی معیت میں عشقیہ گانے گا رہے تھے اور بیئر کے لمبے لمبے گھونٹ بھر رہے تھے اور شراب کی چسکیاں لے رہے تھے، حالانکہ ان دنوں وہاں امتناع شراب کا قانون اپنی پوری شدت کے ساتھ نافذ تھا۔ وہ محقق کہتا ہے کہ شکاگو کے ترک بلقانی، ترک اور کرد گروہوں میں تقسیم تھے اور ان میں سے ہر ایک کا کسی نہ کسی کافی ہاؤس میں اپنا سماجی مرکز تھا۔ یہ مراکز عموماً ایک ایسی عمارت میں واقع ہوتے تھے جن میں رہائشی کمرے، ایک ریستوران، شرط کے ساتھ کھیلوں کے کمرے بلکہ بعض اوقات ایک ملحقہ جواخانہ اور ایک ''قحبہ خانہ'' بھی ہوتا تھا۔ چند برسوں کے بعد ایک دوسرے محقق[۱۸] نے یہ دعویٰ کیا کہ ہائی لینڈ پارک (ڈیٹرائٹ سے گھری ہوئی ایک میونسپلٹی) کی سات سے آٹھ ہزار کی مسلم برادری اس وقت ملک میں مسلمانوں کی سب سے بڑی بستی تھی اور یہ کہ ان میں تقریباً سب کے سب فورڈ موٹر کمپنی کے ملازمین تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ٹرانسپورٹ کی یہ ابھرتی ہوئی صنعت جس میں مختلف متعلقہ کارخانے اور شعبے شامل تھے، موٹر کی اس مشہور بستی میں عثمانی سنی مسلمانوں کے آنے کے لیے ترغیب کا باعث بنی۔ ۱۹۳۰ء کے عشرے کے وسط

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک یہ برادری ایک تخمینہ کے مطابق دس ہزار تک پہنچ گئی تھی[۱۹]۔ میرے اطلاع کنندہ کا تخمینہ دو ہزار سے دس ہزار تک ہے۔

دارالحکومت ڈیٹرائٹ کے سنی مسلمانوں کی برادری

پہلا عثمانی سُنی مسلمان جو اناطولیہ کے قریب ایک قصبہ ایلیزج (Elazig) کا رہنے والا تھا ۱۹۰۳ء میں ڈیٹرائٹ آیا۔ مستقبل میں اپنی برادری کے ہونے والے اس لیڈر نے ڈیٹرائٹ کے یونانیوں کے علاقے میں ایک یونانی کے حجامت خانہ میں نوکری کرلی۔ ۱۹۱۴ء تک ڈیٹرائٹ میں عثمانی سنی مسلمانوں کی آبادی چار ہزار سے پانچ ہزار تک ہوگئی۔ عربی بولنے والے ایک امام حسین کروب (۱۸۹۵ء تا ۱۹۷۳ء) اپنے خاندان کے ہمراہ ۱۹۱۲ء میں یہاں آئے اور برادری والوں کو نماز پڑھانے لگے۔ دوسری عالمی جنگ کے خاتمے تک بلقانی اور اناطولوی ترک ڈیٹرائٹ کے دارالحکومت میں سنی آبادی کا پینتالیس فیصد تھے اور دوسرے پینتالیس فیصد پیدائشی کردی بولنے والے تھے۔ ان میں بعض لوگوں نے تو اس وقت تک ترکی نہیں سیکھی تھی جب تک وہ اپنے لڑکپن میں مغربی اناطولیہ منتقل نہیں ہوگئے تھے۔ اگرچہ یہ دونوں زبانیں ایک دوسرے کے لیے ناقابل فہم ہیں تاہم ان دونوں میں اسلامی اصطلاحات کے کچھ عربی الفاظ اور کچھ فارسی محاورے مشترک ہیں۔ ڈیٹرائٹ کے عثمانی سنیوں کا بقیہ دس فیصد عربی یا سربیائی بولنے والوں پر مشتمل تھا۔ ان لوگوں کی تعداد ۱۹۳۰ء کے عشرے تک تقریباً تیس تھی ''جو بوسنیا کے یوگوسلاوی بولنے والے مسلمان تھے...... ان کے رفقاء مسلمان اور خاص طور سے ترک تھے۔ مذہب کا رشتہ یقیناً نسل اور زبان کے رشتے سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔''[۲۰] دارالحکومت ڈیٹرائٹ کے سنی مسلمان، حتیٰ کہ ان میں شامل عرب بھی، جنوبی لبنان کے عربی بولنے والے ان شیعہ مسلمانوں سے میل جول نہیں رکھتے تھے، جو جنگ کے دنوں میں ڈیٹرائٹ آئے تھے۔ اسلام میں پایا جانے والا یہ فرقہ وارانہ اختلاف ڈیٹرائٹ میں بھی برقرار رہا۔

ترکوں اور کردوں کی بڑی تعداد موٹر کے کارخانوں میں مختلف فنی شعبوں میں کام کرتی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی، بلکہ جب ان کی ملازمت مستقل ہو جاتی تو یہ نگرانی کا کام بھی شروع کر دیتے تھے۔ ۱۹۳۰ء کے عشرے کی کساد بازاری میں ان میں سے بعض کی نوکریاں ختم ہو گئیں لیکن اس موقع پر سرکاری وظیفہ قبول کرنے کی بجائے انہوں نے گھوم پھر کر مونگ پھلی، تربوز کی پھانکیں اور سگریٹ بیچنے شروع کر دیئے جو انہیں یونانی علاقے میں رہنے والے بعض ترک دکاندار اور ریستوران کے مالکان مہیا کرتے تھے۔ ۱۹۳۰ء کے عشرے کے آخر تک ان میں سے اکثر کو کارخانے میں دوبارہ ملازمت مل گئی۔ ان مزدوروں میں سے کوئی دولت مند تو نہیں بنا لیکن بعض نے کسی حد تک درمیانی درجے کی آمدنی والی حیثیت حاصل کر لی۔ ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کے عشروں میں یہ کارکن ریٹائر ہو گئے اور اپنی مختصر سی پنشن اور سماجی تحفظ کی آمدنی کے سہارے سادہ لیکن باوقار زندگی گزارنے لگے۔ ان میں سے اکثر اپنے وطن واپس نہیں گئے حتیٰ کہ گھومنے پھرنے بھی نہیں۔ بلقان کے ترک تارکین وطن کا تو پہلی جنگ عظیم کے بعد کوئی وطن باقی بچا ہی نہیں تھا اور ان کا اپنے سمندر پار کے اعزا سے ہر قسم کا رابطہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ اناطولیہ کے مسلمانوں کو یہ خوف تھا کہ اگر وہ اپنے لیے ایک دلہن لینے بھی گئے تو انہیں ترکی میں ہمیشہ کے لیے روک لیا جائے گا۔

کوئی دس بارہ ترکوں نے چھوٹی چھوٹی دکانیں مثلاً کریانے کی یا کیفے اور کافی ہاؤس اور شرط لگا کر کھیلے جانے والے کھیلوں کی دکانیں کھول لیں۔ ان میں سے چند نے بعد میں ہوٹل اور کرایہ پر چلانے کے مکانات خرید لیے اور اپنی آمدنی غیر منقولہ جائیدادوں اور حصص بازار میں لگا دی جس کے نتیجے میں ادھیڑ عمر تک پہنچتے پہنچتے وہ خوش حال ہو گئے۔ اس برادری کے بہت سے تاجروں نے ترکی، البانوی اور عربی بولنے والی عورتوں سے شادیاں کر لیں۔ ان میں سے بعض عورتیں اپنے شوہروں کے کریانہ اسٹوروں میں کام کرنے لگیں، کافی ہاؤس اور ریستورانوں میں کھانا وغیرہ پکانے لگیں اور خاندانی کاروبار کی آمدنی اور اخراجات کا حساب رکھنے لگیں۔ ان میں سے صرف تین سفید پوش کارکن تھے۔

کچھ اپنی اس آرزو کی وجہ سے کہ وہ اپنے وطن واپس جا کر اپنی نسل کی بقا کی خاطر اپنے خاندان قائم کریں گے اور کچھ امریکی عورتوں کی عصمت و پاکیزگی کے بارے میں (جو عام جگہوں پر اجنبی مردوں کے ساتھ آزادی کے ساتھ گھومتی پھرتی تھیں) اپنے شکوک وشبہات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی وجہ سے پچانوے فیصد تارکین وطن مردوں نے شادیاں کی ہی نہیں۔ بہر حال انہوں نے اپنے آبائی وطن میں اپنے اعزاء سے روابط برقرار رکھے، انہیں پابندی کے ساتھ رقم بھیجتے رہے خاص طور سے اس لیے کہ اگر وہ کبھی واپس جائیں تو خاندانی زمین میں ان کا معقول حصہ موجود ہو۔ اناطولیہ کے تارکین نے اپنی موت تک رقم بھیجنے کا سلسلہ جاری رکھا۔

جن پانچ فیصد مردوں نے شادیاں کیں ان میں سے صرف پچیس فیصد کی بیویاں مسلمان تھیں۔ دو کے سوا ان سب نے اپنے پرانے ملک میں شادیاں کیں اور بیویوں کو اپنے ساتھ لے کر امریکا آ گئے۔ ان میں سے دو کے سوا تمام شادیاں دولہا دلہن کے والدین نے طے کی تھیں۔ ایک شادی جو امریکا میں آباد ہونے والے والدین نے اپنے بچوں کی منعقد کی تھی، اس میں کچھ روایتی ترکی طریقوں کو اپنایا گیا تھا لیکن ان میں کچھ امریکی جدتیں بھی شامل تھیں[۲۱]۔ متعدد جوڑے ایسے تھے جن میں میاں بیوی میں سے ایک کی زبان البانوی اور دوسرے کی ترکی تھی اور وہ دونوں اس وقت تک ایک دوسرے سے بات کرنے کے قابل نہ ہو سکے جب تک ان دونوں نے (شوہر نے اپنے امریکی رفقائے کار سے اور بیوی نے اپنی امریکی پڑوسنوں سے) انگریزی بولنا نہ سیکھ لی۔ بہر حال یہ جوڑے شادی کے سلسلے میں اپنے اپنے فرائض سے بخوبی واقف تھے اور دونوں ہی نے اپنی برادری کے اندر اور باہر اپنے یا اپنی ہم جنسوں سے دوستانہ تعلقات استوار کر لیے۔[۲۲] اکثر جوڑوں کے امریکا میں عزیز و اقارب نہیں تھے۔ انہوں نے یہیں اپنا خاندان خود بنایا۔ اس برادری میں کوئی کرد عورت نہیں تھی۔

اُن ساٹھ ستر ترکوں اور کردوں کو جنہوں نے امریکی عورتوں سے شادی کر لی تھی، یہ یقین تھا کہ وہ ایک قائم رہنے والی خوش گوار عائلی زندگی کے مزے لوٹیں گے۔ انہیں اس بات کا احساس تھا کہ انہیں امریکی طریقوں کے مطابق عورتوں کو طرز رہائش کے سلسلے میں کچھ رعایتیں دینا پڑیں گی لیکن بعض تو دوسروں کے مقابلے میں بہت ہی لچکدار ثابت ہوئے۔ ان کی امریکی بیویوں کے والدین شہری اور کارکن طبقے سے تعلق رکھتے تھے یا وہ ایسے لوگ تھے جن کے پاس مشی گن یا اوہیو میں کچھ زرعی زمین تھی۔ متعدد عورتیں وہ تھیں جن کا تعلق آئرلینڈ، جرمنی، پولینڈ، ہنگری یا یہودی امریکیوں کی دوسری نسل سے تھا اور انہیں اپنے نسلی ماضی سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ شادی سے پہلے امریکا میں ہونے والے میاں بیوی میں

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کورٹ شپ اور طے شدہ پروگراموں کے مطابق باہر جا کر گھومنے پھرنے کا رواج تھا۔ تمام عورتیں پڑھی لکھی ہوتی تھیں۔ اکثر تو ہائی اسکول پاس تھیں اور بعض وہ تھیں جنہوں نے مقامی بزنس کالج میں تعلیم حاصل کی تھی۔ ان میں سے اکثر نے شادی سے پہلے مختلف حیثیتوں مثلاً ریستوران وغیرہ میں خادماؤں، کارخانوں کی کارکنوں یا سیکریٹریوں کے طور پر کام بھی کیا تھا۔ برادری میں دوسری مسلمان بیویوں کے برخلاف یہ شادیوں کے بعد کام جاری نہیں رکھتی تھیں۔ ان مخلوط جوڑوں میں تقریباً نصف نے بچے پیدا کرنے کی عمر گزر جانے کے بعد شادیاں کی تھیں اور تقریباً ایک تہائی وہ تھیں جن کی چند برسوں کے بعد طلاق ہوگئی کیونکہ وہ جوڑے اپنے سماجی اختلافات پر قابو نہیں پا سکے۔ جن جوڑوں کے یہاں بچے ہو جاتے تھے ان میں طلاق نہیں ہوتی تھی۔ بعض شادیاں بڑی خوش گوار سمجھی جاتی تھیں جب کہ دوسری شادیاں میاں بیوی کے درمیان ثقافتی تنازعات کے باوجود بس چلتی رہتی تھیں کیونکہ دونوں کو اپنے بچوں سے محبت ہوتی تھی لہٰذا وہ مستقل ازدواجی زندگی کا مصمم ارادہ کر لیتے تھے۔ امریکا نژاد بیویاں ترک یا کرد زبانیں سیکھنے کی بہت کم کوشش کرتی تھیں۔ گھروں میں صرف انگریزی بولی جاتی تھی۔ ایک امریکی بیوی نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن اور کسی نے مذہب تبدیل نہیں کیا، تاہم انھوں نے اسلام کے بارے میں علم حاصل کر لیا اور وہ اسے پسند بھی کرتی تھیں اور انھوں نے اپنے شوہروں کو اس پر آمادہ کرنے کی کوشش نہیں کی کہ وہ ان کا عقیدہ قبول کر لیں۔ یہ خاندان اسلامی تہوار سنی مسجد میں مناتے تھے اور کرسمس اور ایسٹر اپنے گھر پر، جیسا کہ برادری کے غیر مخلوط مسلمان جوڑے کرتے تھے۔ اپنی امریکی بیویوں کی ہمت افزائی کے باعث بعض ترک اور کرد، امریکی مردوں کے کلبوں مثلاً میسنس (Masons) میں شامل ہوگئے تھے۔ مذکورہ کلبوں میں شمولیت سے ان مردوں کو رفاقت کا ایک دوسرا سلسلہ اور اپنے نو تحصیل شدہ امریکی تشخص کے اظہار کا ایک سماجی طریقہ ہاتھ آ جاتا تھا۔ امریکی بیویاں اپنے شوہروں پر امریکی شہری بننے کے لیے دباؤ ڈالتی تھیں۔

مخلوط اور غیر مخلوط دونوں ہی قسم کے جوڑوں کے بچوں کی اکثریت بڑی تیزی کے ساتھ امریکی ہوگئی۔ وہ سب پبلک اسکولوں میں جاتے تھے اور خاص طور سے امریکی بچوں کو دوست بناتے تھے۔ اسلام جو امریکا میں ایک اجنبی اور غیر مانوس مذہب سمجھا جاتا تھا اس کا تجربہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برادری کے مختلف بچوں کے معاملے میں مختلف ہوتا تھا۔ عام طور سے اپنے عقیدے اور ثقافتی روایات کی جانب ایسے بچے زیادہ رواداری کا مظاہرہ کرتے تھے جن کے باپ پابندیاں کم عائد کرتے تھے اور اس بات پر کم اصرار کرتے تھے کہ ان کے بچے ان کے مذہب کی حرف بحرف پیروی کریں۔ اس کے برعکس جو باپ جتنا زیادہ تحکمانہ انداز اختیار کرتے تھے وہ اپنے بچوں کو اپنے مذہب اور نسلی رسم ورواج سے اتنا ہی دور کردیتے تھے۔ چونکہ باپ اپنے بیٹوں کے مقابلے میں بیٹیوں پر زیادہ پابندیاں عائد کرتے تھے لہٰذا لڑکیاں بڑی ہوکر نسبتہً اسلام سے زیادہ باغی ہوجاتی تھیں۔ لڑکیاں سمجھتی تھیں کہ اسلام ان کی شخصی آزادی کو ختم کردیتا ہے۔ بہت سے مخلوط اور غیر مخلوط دونوں ہی جوڑوں کے بچوں نے امریکیوں سے شادیاں کرلیں جن میں سے اکثر رومن کیتھولک پس منظر کے حامل ہوتے تھے۔ ان کے بچے (تیسری نسل) اب اسی مذہب کا حصہ بن گئے ہیں۔

بعض خاندانوں میں نسلی اعتبار سے دوسری نسل کے بچے پیدا ہوئے۔ ایک کرد مرد کا ایک امریکی بیوی سے، جس کے قبول اسلام کا ذکر پہلے آچکا ہے، پیدا ہونے والا لڑکا اپنی مشرق وسطی کی ثقافت میں دلچسپی لینے لگا اور اس نے ایک ترک لڑکی سے شادی کی جو ۱۹۵۰ء کے عشرے میں اپنے باپ کے ساتھ امریکا گھومنے آئی تھی۔ ان کے بچے اب اپنی شناخت بطور مسلم امریکی کراتے ہیں۔ اس کے برعکس اس لڑکے کے بھائی (یعنی کرد مرد اور امریکی عورت کے دوسرے بیٹے) نے ایک اطالوی امریکی رومن کیتھولک عورت سے شادی کی اور اسے اپنی کرد ثقافت کے بارے میں جاننے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس کے بچوں نے اپنی ماں کا مذہب اختیار کرلیا۔ بہرحال ایک تُرک خاندان ایسا بھی ہے جو اپنے بیٹوں کے لیے ترکی سے بیویاں لالاکر چار نسلوں سے اپنا نسلی تشخص برقرار رکھے ہوئے ہے۔ وہ امریکا میں اپنی روایات کو چھوڑنے کے بجائے انہیں برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

سنی مسلمانوں کی یہ برادری ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء کے عشروں میں تیزی کے ساتھ ختم ہوگئی، کچھ تو اس بنا پر کہ اس کے وہ افراد جنھوں نے کبھی شادیاں نہیں کیں، مرگئے اور کچھ اس لیے کہ بقیہ افراد کی اگلی نسل کے لوگ اینگلو امریکی دھارے میں گم ہوگئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رضاکار تنظیمیں

ڈیٹرائٹ کی قدیم ترک برادری اپنے غیر مساوی جنسی تناسب کی وجہ سے ایک ''ذیلی معاشرہ''[۲۳] ہونے کے بجائے ایک نسلی جزو تھی۔ اس برادری کے افراد نے جو تنظیمیں تشکیل دیں وہ غالب طور پر مردوں پر مشتمل تھیں۔

ایک ''ابتدائی امداد'' کی انجمن۔ تعمیراتی امداد باہمی

۱۹۰۷ء میں جب فورڈ ہائی لینڈ پارک کا منصوبہ شروع ہوا تو جن سیکڑوں کارکنوں کی خدمات حاصل کی گئی تھیں ان میں ترک اور کرد بھی شامل تھے۔ وہ منصوبے کے قریب اکٹھا ہو گئے۔ ایک گروہ نے ہائی لینڈ پارک میں ایک بہت بڑا مکان کرایہ پر لے لیا اور اس میں اپنے ہم وطنوں کو کمرے کرائے پر دے کر ایک ہمہ وقتی باورچی بھی ملازم رکھ لیا۔ ۱۹۱۴ء میں مقدونیہ کا ایک کم عمر ترک سب کے لیے کھانا پکاتا تھا بلکہ وہ اس طرح کام سیکھ رہا تھا اور بعد میں اس نے اپنا ایک چھوٹا سا ریستوران کھول لیا۔ اس مکان میں رہنے والا ہر شخص ہر مہینے چند ڈالر دیتا تھا جس سے کمرے کا کرایہ، بستر کی چادر وغیرہ کی دھلائی، کھانے کے اخراجات اور باورچی کی تنخواہ ادا ہو جاتی تھی۔ ایک ایک پلنگ میں رات اور دن کی ملازمت کے حساب سے دو، دو آدمی حصے دار ہوتے تھے۔

رہائشی مکان ایک اجنبی اور اکثر غیر دوستانہ بیرونی ماحول سے پناہ گاہ کا کام دیتا تھا۔ وہاں رہنے والا شخص اپنے فالتو اوقات میں آرام کر سکتا تھا، چوسر یا تاش کھیل سکتا تھا، ترکی گانوں کے ریکارڈ سن سکتا تھا، اپنے پرانے وطن کی یادیں تازہ کر سکتا تھا، سمندر پار اپنے اعزاء کو خط لکھوا سکتا تھا اور گھر سے آئے ہوئے خطوط چند پڑھے لکھے لوگوں میں سے کسی سے بلند آواز سے پڑھوا کر سن سکتا تھا۔ یہ انتظام اس وقت تک قائم رہا جب تک فورڈ نے ہائی لینڈ پارک میں اپنا کام بند نہیں کر دیا اور ۱۹۲۴ء میں اپنا روژ پلانٹ کھول لیا۔ اس وقت یہ سارے آدمی بکھر گئے، بعض امریکی خاندانوں کے ساتھ رہنے لگے لیکن زیادہ تر نے کرائے پر کمرے لے لیے اور ہم وطنوں کے ریستورانوں میں کھانا کھانا شروع کر دیا۔ جوں جوں جائیدادوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے چند مالکان اور کارخانوں کے غیر ہنر مند کارکنوں کے درمیان مالی تفاوت بڑھا اسی لحاظ سے مساوات کی بنیاد پر امداد باہمی کے اس نظام کی جگہ ایک نئے نظام نے لے لی، جس میں سرپرست اور مالک شریک تھے۔

اسی نوعیت کے رہائشی انتظامات کا بیان ۱۹۱۴ء کی ایک رپورٹ میں بھی کیا گیا جسے میساچوسیٹس میں ترک وطن کمیشن نے شائع کیا تھا۔ امداد باہمی کی ایسی پینتیس رہائشوں کے بارے میں تحقیقات کی گئی تھیں جن میں تین سو سے زیادہ افراد رہتے تھے۔ تیئیس رہائشوں کا انتظام یونانی کرتے تھے، نو کا آرمینی اور تین کو ترک چلاتے تھے۔ صرف تین رہائشوں میں جو سب کی سب یونانی تھیں، ایک عورت شامل تھی جو مینجر کی بیوی کی بہن تھی۔ وہ صفائی اور پکانے کا کام کرتی تھی۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ یونانی عموماً ریستورانوں میں کھانا کھاتے تھے لیکن ترک اپنا کھانا خود پکاتے تھے۔ غالباً اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ خوراک کے اسلامی طریقوں پر ایک ایسے ملک میں عمل کیا جائے جہاں سؤر کی چربی بہت سے کھانوں کا لازمی جزو ہے۔ مزید برآں، آرمینیوں اور یونانیوں کے برخلاف ترک اپنی بیویوں کو امریکا نہیں لائے جس کا سبب، رپورٹ کے مطابق، عورتوں کے بارے میں ان کا ''مذہبی رویہ'' تھا۔ اس رپورٹ میں اپنے خاندانوں کے بغیر مردوں کی ''تنہا'' زندگی پر اظہار افسوس کیا گیا ہے اور بیرونی دنیا سے الگ تھلگ ان کی تنہا زندگی پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ معمول کے سماجی رشتوں کے بغیر اور قلیل مزدوری پر دیر دیر تک کام کرنے کی وجہ سے مرد ہر قسم کی ترغیب کا شکار ہو سکتے ہیں اور ان میں ''غیر معمولی برائی'' جڑ پکڑ جاتی ہے۔ ورسسٹر میں کوئی چار سو ترک مردوں کی کالونی میں حد سے زیادہ بھیڑ تھی اور ان میں ایک بھی ترک عورت نہیں تھی۔

کنوارے اور کسی باہمی رشتے کے بغیر مردوں کا شراکت میں مکان لے کر رہنا ان تینوں گروہوں کی خصوصیت تھی جن کا ابھی ذکر ہوا۔ دوسری قومیتوں بالخصوص پولینڈ، لیتھوانیا اور اٹلی کے ایسے تارکین وطن مرد جن کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں تھا شادی شدہ دوستوں کے ساتھ رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔ لہٰذا ہائی لینڈ پارک میں عثمانی مسلمانوں کی امداد باہمی والی رہائش کوئی انوکھی بات نہیں تھی، بلکہ یہ ایسا عمومی قسم کا انتظام تھا جو متعدد نسلوں خصوصاً بحیرۂ روم کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشرقی حصے اور مشرق وسطیٰ کے غیر شادی شدہ اور دیہات سے تعلق رکھنے والے مردوں کی ضروریات کو پورا کرتا تھا۔ وہ اس مقصد سے امریکا آئے تھے کہ وہ یہاں محنت کریں گے اور پیسہ بچا کر دولت مند آدمی کی طرح اپنے وطن واپس جائیں گے۔ اس مقصد کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ وہ امریکا میں کفایت شعاری کی زندگی بسر کریں۔

صرف مردوں پر مشتمل امداد باہمی کے مطابق رہائشی طریقہ عثمانی تارکین وطن دراصل اپنے ملک سے لائے تھے۔ ۱۹۰۹ء کے ''اسکربنرز میگزین (Scribner's Magazines)''[۲۳] کے ایک مضمون میں استنبول کے ملاحوں کی ایک ایسی ہی اداس زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے جن میں سے اکثر اپنے آبائی گاؤں سے دور عارضی تارکین وطن کے طور پر زندگی گزار رہے تھے۔ وہ عثمانی دارالحکومت میں اپنی ملازمت کے دوران میں ہر دوسرے تیسرے سال اپنے گھر آتے تھے اور جب وہ بہت ضعیف اور کام کرنے سے لاچار ہو جاتے تھے تو ہمیشہ کے لیے وہ اپنے گاؤں واپس آ جاتے تھے۔

کافی ہاؤس

ڈیٹرائٹ کا پہلا ترکی کافی ہاؤس گریک ٹاؤن (یونانی علاقے) کی ایک عمارت کی دوسری منزل پر ۱۹۲۴ء میں کھولا گیا تھا۔ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۰ء کے عشروں کے دوران کوئی نصف درجن ترک اور کرد کافی ہاؤس دارالحکومت ڈیٹرائٹ میں خوب چل رہے تھے جن کے پیچھے پیچھے دوسرے نسلی گروہوں کے بھی متعدد کافی ہاؤس کھل گئے۔ کافی ہاؤس (قہوہ خانہ) مشرق وسطیٰ کا ایک بہت قدیم اجتماعی ادارہ ہے جس کی ابتدا پندرہویں صدی میں سلطنت عثمانیہ کے شہروں میں ہوئی تھی۔ امریکا میں نسلی بنیادوں پر کام کرنے والے کافی ہاؤسوں کے مالکان زیادہ منافع کمانے کی خاطر اپنی خدمات کو اپنے ہم وطن گاہکوں کے علاوہ دوسرے گاہکوں تک وسعت دینے کی خواہش نہیں کرتے۔ عام لوگوں کو عموماً خوش آمدید نہیں کہا جاتا۔ یہ کافی ہاؤس بنیادی طور پر ایک ایسے کلب کی حیثیت رکھتے ہیں جہاں مرد دوست جن کا تعلق عموماً ایک ہی گاؤں سے ہوتا ہے، آپس میں مل جل سکتے ہیں اور عورتوں سے ہٹ کر سماجی روابط اور تفریحی سرگرمیوں میں حصہ لے سکتے ہیں۔ ڈیٹرائٹ میں رہنے والے اکثر ترک اور کرد باری باری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک کے بعد دوسرے کافی ہاؤسوں میں جاتے رہتے تھے اور وہ کسی ایک خاص کافی ہاؤس سے چپک کر نہیں رہتے تھے۔ امریکی بیویوں کے تُرک شوہر کافی ہاؤس میں ان لوگوں کی بہ نسبت بہت کم جاتے تھے جنہوں نے تارکین وطن مسلمان عورتوں سے شادیاں کر رکھی تھیں اور کنوارے تو تقریباً ہر شام کافی ہاؤس ہی میں گزارتے تھے۔

ڈیٹرائٹ کے عثمانی مسلمان اپنے کافی ہاؤسوں کو صرف کلب ہاؤسوں ہی کے طور پر استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ وہ انہیں اپنی ڈاک کے پتوں کے طور پر بھی استعمال کرتے تھے۔ یہ کافی ہاؤس ملازمت دلانے کی غیر سرکاری ایجنسیاں بھی تھے، جہاں مختلف کارخانوں میں کام کرنے والے لوگ اپنے بے روزگار دوستوں کو اپنے کارخانوں میں جگہ خالی ہونے کے بارے میں اطلاع دے سکتے تھے۔ یہی کافی ہاؤس ملاقاتوں کی جگہ کا کام بھی دیتے تھے جہاں تجہیز و تکفین اور خیراتی تنظیمیں اپنے فرائض بھی انجام دیتی تھیں۔ انہیں جگہوں پر پوری برادری مذہبی اور قومی تہوار بھی مناتی تھی۔ دراصل یہ کافی ہاؤس ایسی عوامی جگہیں تھیں جہاں برادری کی تمام اہم سرگرمیاں انجام دی جاتی تھیں۔

مخیر سوسائٹیاں

تجہیز و تکفین کی انجمنیں: تجہیز و تکفین کی دو انجمنیں جنہیں برادری کے ارکان نے قائم کیا تھا اپنی دو حریف خیراتی سوسائٹیوں کے ساتھ مدغم ہو گئیں۔ ڈیٹرائٹ کی سنی برادری کے ایک سوڈانی رُکن سیت مہت نے کرِ لیے (جس کا بیان بعد میں آئے گا) کی ایک ڈیٹرائٹ شاخ ۱۹۲۰ء میں قائم کی اور ساتھ ہی ساتھ ان مقامی مسلمان تارکین وطن کی تدفین کے لیے جو اپنے وطن واپس جانے سے پہلے انتقال کر جائیں، روزلان کے قبرستان میں تقریباً تین سو قبروں کے پلاٹ خریدے۔ ۱۹۲۹ء میں ۵۳۸ قبروں کی زمینوں کے پٹے کے لیے اس قبرستان کے منیجر نے کرِ لیے کے سیکریٹری محمد ملک کو ایک درخواست بھیجی۔ اس کے بعد کرِ لیے نے تین دوسرے قبرستانوں میں دو سو سے زائد قبروں کے لیے زمین خریدی۔ ۱۹۳۸ء میں ترکی کے یتیموں کی نو تشکیل شدہ انجمن نے ایک پانچویں قبرستان میں سو قبروں کی جگہیں خریدیں۔

دونوں انجمنوں کا مقصد مسلمان ارکان کے لیے امریکا میں صحیح طور پر اسلامی تدفین کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یقینی بنانا تھا۔ اس قبرستان سے اپنا تعلق رکھنے کے لیے مرد ۱۹۲۰ء میں دو ڈالر سالانہ ادا کرتے تھے۔ افراطِ زر کے نتیجے میں یہ فیس ۱۹۷۰ء کے عشرے میں بارہ ڈالر ہوگئی تھی۔ انجمنوں نے خیمے، کرسیاں اور ایسی ہی دوسری چیزیں حاصل کرنے کے لیے قبرستانوں سے معاہدے کیے۔ انہوں نے تجہیز وتکفین کے ڈائریکٹروں سے بھی معاہدہ کیا جو مسالہ لگا کر لاش کو محفوظ کرنے کی بجائے انتقال کے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر میت کی تدفین کو یقینی بناتے۔ امام کروب (اور بعد میں ان کے جانشینوں) سے کہا جاتا کہ وہ تدفین اور اس کے بعد چالیسویں اور برسی کی رسوم ادا کروائیں۔ تمام اخراجات ہر انجمن کے خزانے سے ادا کیے جاتے تھے جو ارکان کے واجبات اور چندوں سے جمع کیے جاتے۔

خاندان ان میں سے کسی انجمن میں شریک نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ اس بات میں فخر محسوس کرتے تھے کہ جب ان کے افراد خاندان میں سے کوئی مرے تو تجہیز وتکفین کے تمام اخراجات وہ خود برداشت کریں۔ بہرحال کنز یلے کے ارکان کی بیویاں کنواروں کی رسوم کے کھانے اکثر پکاتی تھیں اور سوسائٹی کے کافی ہاؤس میں آنے والوں کو کھلاتی تھیں۔ اس کے برعکس تارکین وطن مسلم بیویاں کافی ہاؤس میں رسوم کے کھانے نہ پکاتی تھیں اور نہ ان میں حصہ لیتی تھیں بلکہ وہ اکثر ایسے کھانے کسی گھر میں خود پکاتی تھیں اور لوگوں کو کھلاتی تھیں۔

ایک ترک عورت جو ترک یتیم خانے کے پہلے صدر کے بیٹے کی بیوہ تھی، ۱۹۶۰ء کے عشرے کی ابتدا میں اپنے خسر کی وفات کے بعد ان افراد کے مرنے پر اور برسی پر رسمی کھانے کا انتظام کرتی تھی جنہوں نے کبھی شادی نہیں کی تھی۔ وہ بہت سے معمر کنواروں کے مالی معاملات کا بھی انتظام کرتی اور ان کی طرف سے سرکاری ایجنسیوں اور بنکوں سے معاملات کرتی تھی۔ ان افراد کے لیے بطور مشیر کام کرنا جن میں سے کوئی بھی اس کا رشتہ دار نہیں تھا، مشرق وسطیٰ کی شرم وحیا اور خاندان سے باہر کے مردوں سے عورتوں کو دور رکھنے کی روایات کی خلاف ورزی کے مترادف تھا، تاہم وہ خاتون نسلی برادری اور پورے معاشرے کے درمیان بلا جھجک اور اپنے خاندان کی شہرت پر دھبہ لگائے بغیر ایک ثقافتی ایجنٹ کا کام کرتی رہی۔ اس کے بہت سے اسباب تھے۔ پہلی بات تو یہ کہ شادی نے اسے ایک ایسے خاندان سے وابستہ کردیا تھا جس کا یتیموں کی انجمن اور اس کی تدفین کی سوسائٹی پر پورا غلبہ تھا۔ دوسری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات یہ کہ جب اس نے ان ''عوامی'' سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا تو اس کی عمر ڈھل چکی تھی۔ تیسری بات یہ کہ دو زبانوں کی ماہر اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے اسے ایسی مہارت حاصل تھی جو اس کے شوہر کو حاصل نہیں تھی۔ للہٰذا شوہر نے یہ سارے کام بخوشی اپنی بیوی کے سپرد کردیے تھے۔ اس کا شوہر اپنے والد کے انتقال کے بعد اس کافی ہاؤس اور نسلی تنظیم میں جو اُس کے والد نے قائم کی تھی، اپنے والد کا قائم مقام بنا۔

اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ تجہیز و تکفین کی انجمنیں ان خیراتی تنظیموں سے زیادہ عرصے تک قائم رہیں جن سے وہ ملحق تھیں۔ ہر انجمن اپنے غیر شادی شدہ ارکان کے لیے جن کی تدفین کی ذمے داری نبھانے کے لیے امریکا میں ان کا کوئی عزیز نہیں تھا خاندان کے فرائض انجام دیتی تھی۔ تاہم بہت سے ایسے مرد جنھوں نے کبھی شادی نہیں کی تجہیز و تکفین کی انجمن میں شریک نہیں ہوئے۔ اگر امریکا میں ان کا انتقال ہوتا تو جہاں بھی وہ مرتے وہاں کے سرکاری اخراجات پر انہیں دفن کردیا جاتا۔

خیراتی سوسائٹیاں: برادری کی تین خیراتی انجمنیں جو فرائض انجام دیتی تھیں ان سے اُن کے ارکان کی آرزو اور وہ گروہی تنازعات جھلکتے تھے۔ یہ تنظیمیں ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۸ء تک اپنے عروج پر رہیں اور پھر اپنی اہمیت کھوبیٹھیں۔ کزیلے کی ڈیٹرائٹ والی شاخ یا ہلال احمر کا تعلق صلیب احمر سوسائٹیوں کی بین الاقوامی جمعیت کی سرکاری عثمانی شاخ سے تھا۔ ۱۹۲۳ء میں جمہوریہ کے قیام کے بعد یہ ترک کزیلے کی سمندر پار کی ایک شاخ ہوگئی۔[۲۵]

عثمانی کزیلے نے جس کا اجلاس ۱۹۲۱ء میں جینیوا، سوئٹزرلینڈ میں ہوا تھا ترکی ہلال احمر کی امریکی شاخ کے لیے ڈیٹرائٹ کو صدر دفتر مقرر کیا۔ ڈیٹرائٹ کو مشی گن، شمالی انڈیانا اور ملحقہ الی نوائے کے سہ ریاستی علاقے میں واقع شاخوں کی نگرانی کا کام سونپا گیا تھا۔ ۱۹۲۰ء میں ہائی لینڈ پارک کے بارہ سنی مسلمانوں نے ترک کزیلے امریکی شاخ کے بانی بننے کے لیے اس شاخ کے پہلے صدر سیت مہت کی کوششوں میں تعاون کرتے ہوئے ۲۵ ڈالر یا اس سے زیادہ چندہ دیا تھا۔ مقامی رکنیت بہت جلد ایک ہزار افراد تک پہنچ گئی۔ یہ لوگ گریٹر ڈیٹرائٹ اور پونٹیاک، مشی گن کے علاوہ ونڈسر، کینیڈا میں رہتے تھے اور ڈیٹرائٹ کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گریک ٹاؤن کے کنارے ایک کافی ہاؤس میں کام کرتے تھے۔ ڈیٹرائٹ شاخ کی ایک ذیلی شاخ ۱۹۲۰ء کے عشرے کے وسط میں شکاگو، الی نوائے اور ہیمنڈ اور گیری، انڈیانا میں ترک اور کرد تارکین وطن کی خدمت کے لیے وھائٹنگ، انڈیانا میں قائم کی گئی۔

۱۹۲۲ء میں فعال ارکان سے کہا گیا کہ وہ ہر مہینے دو ڈالر کا چندہ دیں اور سالانہ اجلاسِ عام میں شریک ہوں۔ ماہانہ ۲۵ ڈالر دینے والوں کو بانیوں کی صف میں شامل کیا جاتا۔ ایسے ارکان کو خارج کیا جاسکتا تھا جو بلا سبب تین مہینے متواتر چندہ ادا نہ کریں، بلا معقول عذر پانچ مسلسل اجلاسِ عام میں شریک نہ ہوں، سوسائٹی میں انتشار پیدا کریں یا اسے مناسب اہمیت نہ دیں، اپنے سیاسی مقاصد کے لیے سوسائٹی کو استعمال کریں یا سوسائٹی کے راز فاش کریں۔ ۱۹۴۰ء تک، عظیم کساد بازاری کے خاتمے پر بانیوں کے چندے کی رقم گھٹ کر پانچ ڈالر ہوگئی تھی اور فعال ارکان کا چندہ ایک ڈالر مقرر کیا گیا تھا اور پانچ اجلاسہائے عام میں سے عدم شرکت کی اجازت، تین اجلاسوں تک گھٹا دی گئی۔ ۱۹۲۲ء کے قواعد وضوابط میں ایک بورڈ آف ڈائریکٹرز کا اہتمام کیا گیا تھا جو ایک صدر، نائب صدر، خازن اور سیکریٹری کے علاوہ سولہ افراد کی ایک کمیٹی پر مشتمل ہوتا۔ ۱۹۴۶ء میں اس میں ایک محاسب کا اضافہ کیا گیا۔ ان عہدہ داروں پر کسی خاص میعاد کی پابندی نہیں تھی بلکہ وہ لگا تار کئی سال تک منتخب ہو سکتے تھے۔ اجلاسِ عام کی صدارت کوئی ایسا شخص کرتا جسے خاص طور سے اس موقع کے لیے منتخب کیا جاتا۔ اس کی دوسری شقوں کا اجلاسِ عام کے لیے ضروری کورم، آمدنی اور اخراجات کے معاملات اور ڈیٹرائٹ شاخ کا اس کے ماتحت ذیلی شاخوں اور پہلے استنبول اور پھر انقرہ میں ملکی صدر دفتر سے اور ڈیٹرائٹ کی صلیب احمر سوسائٹی سے اس کے معاملات سے تعلق تھا۔ اپنے قیام کی ابتدا سے اس تنظیم کو ایک پیچیدہ بین الاقوامی نظام میں ایک واضح حیثیت حاصل تھی، اس کی تشکیل بڑی قانونی تھی اور یہ واضح ہدایتوں کے تحت کام کرتی تھی۔ مزید برآں یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ اپنی سمندر پار آبادیوں کو پہلے عثمانیوں کی اور پھر ترکی کی منظوری حاصل تھی۔

۱۹۲۲ء میں ''استنبول'' سے سوسائٹی کے قواعد وضوابط پر مشتمل کتابچے ڈیٹرائٹ کی شاخ کے ارکان کو جاری کیے گئے تھے۔ یہ کتابچہ عربی اور انگریزی رسم الخط میں تیار کیا گیا تھا۔ ۱۹۴۶ء میں انقرہ سے جونئی کتابیں بھیجی گئی تھیں وہ لاطینی حروف میں لکھی گئی تھیں جس میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترکی زبان ۱۹۲۸ء سے لکھی جارہی تھی، اور صفحوں کے نمبر مغربی انداز میں دیئے گئے تھے۔ نئی طباعت کی ضرورت کزیلے کے ارکان کی اس خواہش کی بناء پر پڑی تھی کہ وہ اپنی تنظیم کا نام ''ترکی ہلال احمر سوسائٹی'' سے بدل کر ''ترکی ہلال سوسائٹی'' یا ''ترک آئی جمعیت'' رکھنا چاہتے تھے۔ احمر (سرخ) کا لفظ اس لیے گرادیا گیا کہ انجمن کے ارکان یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان پر سرد جنگ کے ابتدائی دنوں میں کمیونسٹوں کی طرف جھکاؤ کا شبہ کیا جائے۔ سوسائٹی کے ساتویں صدر، محمد ملک نے امریکی کانگریس کے سامنے ایک حلفیہ بیان کے ذریعہ امریکی حکومت کو اپنی سوسائٹی کے ارکان کی وفاداری کا اور انجمن کے غیر سیاسی، انسان دوست مقاصد کا یقین دلایا۔

کزیلے کا اہم مقصد ''مسلمانوں کو اس امر کے لیے متحد کرنا تھا کہ وہ ترک ہلال احمر سوسائٹی کی پشت پناہی کریں اور اس سوسائٹی کے ذریعہ مسلمانوں کو اس لائق بنائیں کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں۔'' (۱۹۲۲ء کا دستور العمل، ضابطہ نمبر ۲) قوانین ۲۰ اور ۲۲ تجہیز و تکفین کی ایک انجمن کے قیام کی تائید کرتے ہیں:

> ۲۰۔ کسی ایسے رکن کی بیماری کی صورت میں، جس نے اپنے فرائض کو پوری وفاداری کے ساتھ انجام دیا تھا اور جسے مدد کی ضرورت ہو، سوسائٹی ہر طرح اس کی مدد کرے گی حتیٰ کہ اس کی تدفین کے اخراجات بھی برداشت کرے گی۔
>
> ۲۲۔ سوسائٹی، درخواست کیے جانے کی صورت میں رکن کی موت کے بعد اس کی وصیت کے مفاد میں دیکھ بھال کرے گی تاکہ وصیت کا اطلاق جائز فریق یا فریقوں کے حق میں ہو جائے۔

ضرورت مند مقامی ارکان کو امداد دینے کے علاوہ، جن میں ترک، کرد اور چند عرب[۲۶] شامل تھے اور جو سب آپس میں سنی عقیدے کے تعلق سے بندھے ہوئے تھے، سوسائٹی ترکی میں کسی حادثہ کے متاثرین کو بھی رقم بھیجتی تھی۔ مثال کے طور پر ۱۹۲۴ء میں ترکی کے ان بچوں کی امداد کے لیے جو ان یونانیوں کے خلاف جنگ آزادی کے دوران میں یتیم ہو گئے تھے جنہوں نے ۱۹۱۹ء میں حملہ کر کے جنوبی اناطولیہ پر قبضہ کرلیا تھا لیکن جنہیں ۱۹۲۲ء میں اتاترک کی فاتح فوج نے واپس دھکیل دیا تھا، ۲۵ ہزار ڈالر امریکا سے ترکی بھیجے گئے۔

۱۹۲۰ء کے عشرے کے دوران ڈیٹرائٹ میں رہنے والے عثمانی سنی مسلمانوں میں قومی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وفاداری اسلامی اخوت پر غالب آ گئی۔ یہ لوگ اپنے آبائی وطن کے واقعات کا مطالعہ بڑے غور سے کر رہے تھے اور وہ امریکی اخبارات میں چھپنے والے مضامین اور اپنے اعزا کی جانب سے لکھے ہوئے خطوط سے چھان چھان کر خبریں نکال لیتے تھے۔ ڈیٹرائٹ میں رہنے والے ترک اور کرد، دونوں ہی نے ۱۹۲۳ء میں اس وقت انتہائی فخر کا مظاہرہ کیا، جب ان کے سکڑتے ہوئے مُلک میں ان کی نئی جمہوریہ کو بین الاقوامی طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی انہیں ''ترک'' ہونے کا ایک نیا قومی تشخص بھی مل گیا۔ برادری کے ترکی بولنے والے ارکان نے بھی اس سے پہلے بطور خاص ''ترک'' شناخت پر ایسا فخر محسوس نہیں کیا تھا۔ ۱۹۲۳ء سے پہلے ترک قومیت کا شعور صرف عثمانی دانشوروں کے ممتاز طبقوں، اعلیٰ افسروں اور فوجی افسروں میں پرورش پا رہا تھا جنہوں نے بالآخر جمہوریہ کی داغ بیل ڈال دی۔[۲۷] بہر حال ترکی حکومت کی لادینیت کی پالیسی کے خلاف اس کی شامی سرحد پر جب کرد قبائلیوں نے ۱۹۲۸ء میں بغاوت کی اور جلد ہی اسے ایک کرد قومی تحریک میں تبدیل کر دیا تو ڈیٹرائٹ کی سنی برادری باہم مخالف سیاسی گروہوں میں بٹ گئی۔[۲۸] ڈیٹرائٹ کے کردوں نے ۶ر فروری ۱۹۲۹ء کو ان کرد عورتوں اور بچوں کی مدد کے لیے جنہوں نے کردستان کی آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیا تھا ''ہوئے بون'' قائم کی جس نے تیس سال کے وجود کے لیے (یعنی اگلے تیس سال کے لیے) ارکان کے واجبات اور عطیات سے رقم فراہم کی۔[۲۹] جن ترکوں سے انہوں نے چندہ مانگا ان میں سے اگر سب نہیں تو بہت سے لوگ بدحواس ہو گئے اور انہوں نے ایک معمر ترک الفاظ میں ''اس سے کوئی واسطہ نہ رکھا۔'' کردوں اور ان کے ترک ہمدردوں نے کزیلے کو اپنے ساتھ لے لیا اور اپنے ہیڈ کوارٹر کو وہ چند بلاک دور ایک نئے کافی ہاؤس میں لے گئے۔[۳۰] ترکوں نے کرد مقاصد کی مخالفت کی، کزیلے میں اپنی رکنیت کو ختم ہو جانے دیا اور اس کے کافی ہاؤس کا بائیکاٹ کیا، اگرچہ ''ہوئے بون'' اپنے عہدہ داروں کے ساتھ ترکی ہلال احمر سے آزاد ایک سوسائٹی تھی۔

ترکوں کے قوم پرست گروہ نے ۱۹۳۶ء میں ترک یتیموں کی انجمن قائم کی۔ اس کی رہنمائی نوری احمد یاروجی کر رہے تھے جو ڈیٹرائٹ کے پہلے عثمانی سنی تارکِ وطن تھے اور ۱۹۲۰ء کے عشرے تک ایک دولت مند صاحب جائیداد شخص ہو چکے تھے۔ اس انجمن کو مشی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گن ریاست کے سیکورٹی اینڈ ایکسچینج کمیشن نے ایک غیر منافع بخش، خیراتی اور ٹیکس سے مستثنیٰ ادارے کے طور پر لائسنس جاری کیا۔ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۵۷ء تک کوئی سات سو ارا کین کرز یلے ہیڈ کوارٹر کے قریب ایک گوشے میں مسٹر یاردمجی کے لکڑیوں کے پینل والے کافی ہاؤس[31] میں اکٹھا ہوتے تھے، ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے اور فلاحی منصوبے منظم کرتے تھے۔ انہوں نے تجہیز و تکفین کی اپنی ایک انجمن بھی بنالی۔ ان برسوں کے دوران وقفے وقفے سے اس انجمن نے ترکی کی مدد کے لیے ایک لاکھ ڈالر بھیجے۔

۱۹۳۸ء کے بعد جب اتاترک نے کرد باغیوں کو کچل دیا تو دونوں گروہوں کے اختلافات گھٹنے لگے۔ دارالحکومت ڈیٹرائٹ میں ترک اور کرد ایک بار پھر آپس میں ملنے جلنے لگے، دونوں کافی ہاؤسوں میں وہ سب جانے لگے اور دونوں تنظیموں کے خیراتی منصوبوں میں دل کھول کر چندہ دینے لگے۔ ''ہوئے بون'' بس مرجھا گئی۔ تاہم تجہیز و تکفین کی دونوں انجمنیں الگ رہیں حالانکہ دونوں کے رکن ایک دوسرے کی موت کی رسوم میں شریک ہوتے تھے۔

کرزیلے کا ڈھانچہ بڑا قانونی قسم کا تھا جب کہ ترک یتیموں کی انجمن اور ''ہوئے بون'' میں یہ انداز بہت کم تھا۔ تاہم تینوں سوسائٹیوں کے اجلاس بڑے جاندار اور خیال انگیز ہوتے تھے۔ کوئی ایجنڈا تیار نہیں ہوتا تھا اور نہ کسی ضابطے کی پیروی کی جاتی تھی۔ چندہ اکٹھا کرنے والی ہر مہم میں ہر شخص اپنے چندے کی رقم کا اعلان کرنے کے لیے اچھل کر کھڑا ہوتا تھا اور اپنی رقم یا چیک اپنے سامنے میز پر زور سے رکھ دیتا تھا۔ چندہ دینے والی چند خواتین بھی ایسے ہی رویے کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ مرد برجستہ تقریریں کرتے تھے اور بعض اوقات ہر شخص اپنے سے پہلے والے شخص سے زیادہ اونچی آواز میں بولتا تھا۔ عورتیں بہت کم تقریر کرتی تھیں۔ تفریح مقامی ترک موسیقار فراہم کرتے تھے۔ بیچ بیچ میں معاوضہ پر آئی ہوئی رقاصائیں اپنے رقص سے محفل کو گرماتی تھیں۔ یہ اجلاس ایک ایسا اسٹیج مہیا کرتے تھے جس پر ہر رکن اپنی اہلیت اور اپنے ملک اور اسلام سے اپنی وفاداری اور اپنی زندہ دلی کا مظاہرہ کرسکتا تھا۔ خیراتی سوسائٹیاں اسلام کے دو بڑے تہواروں یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے علاوہ ترکی کا یوم آزادی، امریکا کا یوم آزادی ۴ر جولائی اور مزدوروں کا دن منا کر برادری کے اتحاد کو فروغ دیتی تھیں۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد ''ترک آئی جمعیت'' نے احتیاط کے ساتھ ''عوامی رابطوں''

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا سلسلہ شروع کیا۔ اس کے ارکان نے اپنے سالانہ جمہوریائی ڈنر میں ڈیٹرائٹ کے علاقے کے مقتدر عمائدین۔ رئیسِ بلدیہ (میئر)، آرزومند سیاست دانوں اور چند بڑی کارپوریشنوں (مثلاً جنرل الیکٹرک) کے صدور کو مدعو کرنا شروع کیا۔ یتیموں کی انجمن نے اپنی تمام صلاحیتیں اپنے ایلازغ کے منصوبوں پر صرف کر دیں۔ یاردمجی خاندان نے ۱۹۶۳ء میں ایلازغ اور ترکی کے دوسرے حصوں کا دورہ کیا۔ ترکی کے ایک اہم اخبار ''حریت،، کے پہلے صفحے پر ان لوگوں کے بارے میں خبریں شائع ہوئیں۔

۱۹۵۷ء میں مسٹر یاردمجی نے اپنی ترک یتیموں کی انجمن کے صدر دفتر کو زیادہ مختصر جگہ منتقل کر دیا۔ ۱۹۶۵ء میں ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے نے ایسوسی ایشن کے کافی ہاؤس کو اور زیادہ مختصر عمارت میں منتقل کر دیا۔ یہ دونوں ادارے گریک ٹاؤن میں واقع تھے۔[۳۲] ۱۹۷۲ء میں یتیموں کی انجمن نے تجہیز و تکفین کے لیے انجمن کی رقوم کے علاوہ اپنی بقیہ رقم مشی گن کی ترک۔ امریکی ثقافتی انجمن کو منتقل کر دی جو اسی سال دوسری عالمی جنگ کے بعد ترکی سے آنے والے جوڑوں نے قائم کی تھی۔ یاردمجی کے بیٹے اور اس کی لائق بیوی سات سے دس تک زندہ بچ جانے والے کنواروں کے لیے اتوار کے اتوار اپنا کافی ہاؤس چلاتے رہے پھر انہوں نے اُسے فروخت کر دیا۔ ان کے زیر انتظام آخری تدفین ۱۹۷۹ء میں ہوئی تھی۔

۱۹۵۳ء میں ترک آئی جمعیت نے ڈیربورن کے جنوبی سرے پر نمبر ۳۰۴۸، سلینا پر ایک ابھرتی ہوئی عرب بستی کے درمیان میں ایک چھوٹی سی تین منزلہ عمارت خریدی۔ دوسری اور تیسری منزلوں پر آٹھ کرایہ داروں کے لیے جگہ تھی۔ جن سے وصول ہونے والے کرایہ سے عمارت کی دیکھ بھال اور مرمت ہوتی تھی۔ نچلی منزل میں کوئی درجن بھر میزوں پر مشتمل ایک کافی ہاؤس۔ ریستوران تھا جس کے عقب میں ایک چھوٹا سا باورچی خانہ تھا۔ ۱۹۶۹ء تک فعال ارکان کی تعداد گھٹ کر بیس رہ گئی تھی یہاں تک کہ اُس پر آنے والے اخراجات حد تک پہنچ گئے۔ یہ عمارت ۱۹۶۹ء میں فروخت کر دی گئی اور ترک آئی جمعیت کی ڈیٹرائٹ شاخ ختم کر دی گئی۔ فروخت سے حاصل ہونے والی رقم اور پہلے سے اس کے حساب میں موجود رقم انقرہ میں کزیلے آفس کو بھیج دی گئی۔ یہاں سے اجڑنے والے کرایہ داروں کو دارالحکومت کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علاقے میں دوسری جگہوں پر اپنا انتظام کرنا پڑا۔ تجہیز و تکفین کی انجمن پر جو روپیہ باقی رہ گیا تھا وہ زندہ رہ جانے والے ان ارکان میں تقسیم کر دیا گیا جنہوں نے کبھی شادی نہیں کی تھی۔

ثقافتی تنظیمیں

سازندوں کا طائفہ: برادری ہی میں سے چند موسیقاروں نے چند چھوٹے چھوٹے طائفے منظم کر لیے تھے۔ وہ اپنے روایتی سازوں، زرنا (لکڑی کا ایک الغوزہ)، عود (ایک قسم کا ستار)، ساز (تین تاروں کا ایک وائلن)، کمنچے (تین تاروں کا ایک چھوٹا سا وائلن جو اناطولیہ کے بحیرہ اسود کے ساحلی علاقوں میں استعمال کیا جاتا ہے)، طنبور (ایک چھوٹا سا گٹار) وغیرہ کے ساتھ ترکی دھنیں بجاتے تھے۔ بعض لوگ مغربی سازوں کے ساتھ امریکی گانے بھی گاتے تھے۔

درویش سلسلہ: ترک مسلم اخوان جو کم از کم دو صوفی سلسلوں سے تعلق رکھتے ہیں، دارالحکومت ڈیٹرائٹ میں خدا سے روحانی تعلق قائم رکھنے کے لیے اپنی مخصوص رسوم پر عمل کرتے تھے۔ مولویوں یا رقص کرنے والے درویشوں کا ایک گروہ پہلی عالمی جنگ سے پہلے ڈیٹرائٹ منتقل ہوا تھا۔ کئی سال تک اپنی رسوم کی ادائیگی کے لیے وہ لوگ، گریک ٹاؤن میں ایک کمرہ کرائے پر لیتے تھے۔ چند ترک بکتاشی درویش ایک نسبتاً بڑی البانوی بکتاشی برادری میں شامل ہو گئے جو ۱۹۵۲ء کے قریب مشی گن میں ٹیلر کے نزدیک قائم ہوئی تھی۔ مولوی ترک ڈیٹرائٹ کی قدیم ترک برادری کا ایک لازمی جزو تھے لیکن بکتاشی ترک جن کی ابتدائی وفاداری اپنے آزاد خیال سلسلے سے ہے، اپنے ہم وطنوں کی برادری میں کبھی ضم نہیں ہوئے۔[۳۳]

خاتمہ

ڈیٹرائٹ میں قدیم ترک برادری میں خاندانوں کی اور اسی طرح دور دور تک پھیلے ہوئے ان کے اعزا کی تعداد بہت کم تھی چنانچہ یہ لوگ تارکین وطن کی ایک بہت کم تعداد کو ترک وطن کے عمل پر آمادہ کر سکے۔ بہر حال ان کا بکھرا ہوا علاقائی تعلق اور غیر متوازن جنسی نسبت نے ان میں عزیز داری یا جائے پیدائش کی بجائے دوسری بنیادوں پر بھائی چارے کو ترقی دی۔ ابتدائی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طور پر مذہبی ورثہ سے حاصل ہونے والی نسلیت ڈیٹرائٹ کے علاقے کے عثمانی سنی مسلمانوں کو آپس میں قریب لائی۔ان کی اجنبی حیثیت اور ان میں ہنر کی کمی ایک خامی ہونے کے باوجود باہمی امدادی انجمنوں کی بروقت ترقی کے لیے ایک مؤثر وجہ بھی ثابت ہوئی۔ تارکینِ وطن کے نزدیک مذہب کی اہمیت یا اپنے وطن واپس جانے میں ان کی مجبوری یا بے رغبتی نے انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ تجہیز و تکفین کی انجمن قائم کریں کیونکہ صرف اسی صورت میں مسلم طریقے سے تدفین کو یقینی بنایا جاسکتا تھا۔ غذا کے اسلامی احکام سمیت ثقافتی روایتوں کو اور ان کے تبدل پذیر نسلی تشخص کے باوجود اپنے نسلی امتیاز کو محفوظ رکھنے کی خواہش نے انہیں اپنے پرانے ملک میں اپنے ہم وطنوں کے فائدے کے لیے خیراتی تنظیمیں بنانے پر آمادہ کیا۔ خیراتی سوسائٹیاں ان کے لیے اپنے سمندر پار کے افراد خاندان اور احباب کی نظر میں ان کی خوش حالی اور تمول کے اظہار کا ایک ذریعہ بھی ثابت ہوئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثر تارکینِ وطن اس ملک میں دولت مند نہ بن سکے اور وہ ''ناکام انسان'' کے طور پر ترکی واپس جانے سے ہچکچاتے تھے۔ تاہم انہیں اس نئے اختیار کردہ ملک میں بھی ضرورت سے زیادہ امریکی بننے کا شوق نہیں تھا۔ بہت سے تو ایسے تھے جو کبھی امریکی شہری بنے ہی نہیں۔ جس قسم کی رضا کارانہ انجمنیں انہوں نے قائم کیں اُن سے صرف یہی تاثر نہیں ملتا تھا کہ انہوں نے غیر متعلق اشخاص کو اپنے سے الگ رکھنے کو ترجیح دی بلکہ انہوں نے امریکی رجحان میں ان اشخاص کو ضم ہونے سے کامیابی کے ساتھ روک بھی دیا۔

تارکین وطن کی چھوٹی سی دوسری نسل نے اپنے والدین کی نسلی تنظیموں کو زندہ نہیں رکھا۔ ان میں سے زیادہ تر سو فیصد امریکی بننے میں مشغول تھے۔ دارالحکومت ڈیٹرائٹ کی نئی ترک برادری نے ترک ہلالِ احمر انجمن یا ترک یتیموں کی انجمن کو برقرار نہیں رکھا۔ نئے آنے والے ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کے عشروں میں یونیورسٹی کے طلباء کے طور پر آئے۔ ان میں سے اکثر نے انجینئرنگ اور میڈیسن کی اسناد لیں، انہوں نے بہت جلد اپنی بیویوں کو بلالیا اور پھر وہ اس ملک میں مستقل طور پر آباد ہوگئے تاکہ وہ تعلیم مکمل کرنے (اور پیشوں میں جمنے) کے بعد اپنے خاندانوں کو یہاں آباد کردیں۔ یہ لوگ ترکی کے شہری اور چھوٹے شہروں کے تعلیم یافتہ شرفاء کی اولاد ہیں۔ اس طرح دارالحکومت ڈیٹرائٹ کے پُرانے اور نئے تُرک ثقافتی لحاظ سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک دوسرے سے کافی مختلف ہیں۔ جنسی تناسب، تعلیمی استعداد، پیشوں کے دائرے اور آمدنی کی سطحیں ان دونوں برادریوں کی الگ الگ خصوصیات کو ظاہر کرتی ہیں۔ ہر برادری امریکا کے مختلف طبقوں میں ضم ہوگئی ہے۔ شہری کارکن طبقے کے مقابلے میں خوشحال پیشہ ور مضافاتی طبقہ۔ مزید برآں ان میں سے ہر گروہ کی آمد کے درمیان نصف صدی حائل ہے جب کہ اس عرصے میں امریکا خود بھی بہت بدل گیا تھا۔ پرانے وقتوں کے لوگوں اور نئے آنے والوں کی ضروریات اور مفادات مختلف ہوگئے۔ نئے آنے والوں کو امداد باہمی کی سوسائٹیوں یا تجہیز و تکفین کی انجمنوں کی ضرورت نہیں ہے اور اپنے پیش روؤں کے مقابلے میں ان کی خیراتی سرگرمیاں برائے نام ہیں۔ نئی برادری مضافاتی مرکز کے ساتھ ایک ثقافتی اتحاد کا دعویٰ کرتی ہے جس کے ذریعہ وہ عثمانی تہذیب اور اتاترک کی جدید جمہوریہ ترکی کی کامیابیوں سے حاصل ہونے والی قیمتی ثقافت کو محفوظ رکھتی ہے اور اپنے ہم مرتبہ مضافاتی امریکیوں کے سامنے اس کا مظاہرہ کرتی ہے۔

کسی بھی قوم کی وطنی رضا کارانہ انجمنوں کے مطالعے سے اس قومی گروہ کے ان اقلیتی۔ اکثریتی تعلقات پر روشنی پڑتی ہے جس کے تحت مختلف نسلی گروہوں کی طاقت، دولت اور موقر حیثیتوں تک رسائی الگ الگ ہوتی ہے۔ کسی ایک گروہ کی مختلف قوموں میں رضا کارانہ انجمنوں۔ مثلاً جرمنی میں ترک بر خلاف امریکا میں ترک۔ اور کسی ایک ہی قوم میں مختلف گروہوں کی انجمنوں۔ مثلا امریکا میں متعدد عرب گروہ برخلاف ترک گروہوں۔ کا موازنہ کرنے میں کئی عوامل نسلی سرحدوں کے قیام، مستحکم سرحدوں میں نسلی تغیر، اقلیتی گروہوں میں انضمام اور تارکین وطن برادریوں اور ان کی اولادوں کے قوم کے بڑے دھارے میں انجذاب میں کئی نسلوں تک معاون یا ضرر رساں بنتے ہیں۔ مناظر مختلف ہوتے ہیں اور ہر معاملے کا تجزیہ اس لحاظ سے کرنا چاہیے کہ مختلف حالات کس طرح عطیہ دہندہ معاشرے کے اس طبقے پر اثر انداز ہوتے ہیں جس سے تارکین وطن نمودار ہوئے اور ایسا کرتے وقت تارکین وطن کے اقدار اور خواہشات کو بھی پیشِ نظر رکھنا پڑتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حواشی

یہ باب پہلے ایمہرسٹ میں یونیورسٹی آف میساچوسیٹس میں مسلمس آف امریکا کانفرنس میں ۱۵ تا ۱۶/اپریل ۱۹۸۸ء کو ایک مقالے کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔

۱۔ میں ضیاء احمد بریدجی کے پورے خاندان، انور بلی، حضرالیے، سلیمان خلیل، فرید علی اور عمراکسو کا ان اطلاعات کے لیے تہہ دل سے شکر گزار ہوں جو اس تحقیق میں انہوں نے مجھے فراہم کیں۔ اور اسٹیورٹ رابنسن کا بھی شکر گزر ہوں کہ انہوں نے عربی رسم الخط میں لکھی ہوئی دستاویزات کے بعض حصوں کو ترکی زبان سے انگریزی میں ترجمہ کیا۔

۲۔ کمال ایچ کرپت: "The Ottoman Emigration America 1860-1914" انٹرنیشنل جرنل آف مڈل ایسٹرن اسٹڈیز ۱۷(۱۹۸۵ء): صفحہ ۱۸۰ تا ۱۸۱۔

۳۔ ایضاً۔ ۱۷۶ تا ۱۷۷: ڈونالڈ کواٹرٹ: *"Social Disintegration and Popular Resistance in the Ottoman Empire, 1881-1908": Reactions to European Economic Penetration"* (نیویارک: نیویارک یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۳ء) صفحہ ۴ تا ۱۲۔

۴۔ سی کیدر: "The Dissolution of the Asiatic Mode of Prodcution" اکانومی اینڈ سوسائٹی ۵(۱۹۷۶ء): صفحہ ۱۷۸ تا ۱۹۶۔

۵۔ کواٹرٹ: *"Social Disintegration and Popular Resistance"* صفحہ ۱۰۰۔

۶۔ الکزاناف: *"Becoming American: The Early Arab Immigrant Experience"* (کاربونڈیل: سدرن الی نوائے یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۵ء) صفحہ ۸۹۔

۷۔ کرپت: "The Ottoman Emigration to America" صفحہ ۱۷۵۔

۸۔ نجیب سلیبا "Emigration from Syria" مشمول *"Arabs in the New World: Studies on Arab-American Communities* تدوین سمیر ودائی ابراہم اور نبیل ابراہم (ڈیٹرائٹ: وین اسٹیٹ یونیورسٹی، سینٹر فار اربن اسٹڈیز، ۱۹۸۳ء) صفحہ ۳۸ اور: ناف، *"Becoming American"* صفحہ ۸۴ تا ۸۵، ۹۰۔

۹۔ عثمانی سنی مسلمانوں نے پہلے جو زبانیں سیکھیں وہ متعدد تھیں اور ان میں سے اکثر ایک دوسرے کے لیے ناقابل فہم ہیں: ترکی اور تاتار (ترکی خاندان کی ایک شاخ کی زبان)؛ عربی (سامی زبانوں کا خاندان)؛ کرد (ہند۔یورپی زبانوں کے خاندان کی ایک ایرانی شاخ)؛ البانوی (ہند۔یورپی کی ایک منفرد شاخ) سربیائی (ہند۔یورپی کی ایک سلاوی شاخ) جارجیائی اور سرکیشیائی (غیر متعلقہ زبانیں جو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاص طور سے کوہ قاف کے مختلف علاقوں میں بولی جاتی ہیں)؛ مزید چند ایک اور۔

۱۰۔ جیمس کے سدرلینڈ *"The Adventures of an Armenian Boy"* (این آربر، مشی گن: دی این آربر پریس، ۱۹۶۴ء) صفحہ ۲، ۲۰۰؛ اسٹیفن ڈوگڈ "The Politics of Unity: Hamidian Policy in Eastern Anatolia" مڈل ایسٹرن اسٹیڈیز ۹ (۱۹۷۳ء) ۱۳۹ تا ۱۵۵؛ گائن ڈائر "Turkish 'Falsifiers' and Aremenian 'Deceivers': Historiography and the Armenian Massacres" مڈل ایسٹرن اسٹڈیز ۱۲ (۱۹۷۶ء) ۹۹ تا ۱۰۷؛ اسٹینفورڈ جے شا اور یزل کے شا: *"History of the Ottoman Empire and Modern Turkey, vol.2 Reform, Revolution and Republic: The Rise of Modern Turkey, 1808-1975"* (نیویارک: کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۷ء): جسٹن میکارتھی The Anatolian Armenians, 1912-1922" *Bogacigi University Publications*، (۱۹۸۴ء): ۱۷ تا ۲۵۔

۱۱۔ کرپت "The Ottoman Emigration to America" صفحہ ۱۷۵۔

۱۲۔ کوارٹ *"Social Disintegration and Popular Resistance"* صفحہ ۹۸ تا ۹۹۔

۱۳۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو ایل ایس اسٹاوریانوس *.The Balkans Since 1453"* تیسرا ایڈیشن (نیویارک: ہولٹ، رائن ہارٹ اور ونسٹن، ۱۹۵۸ء) اور ڈیمٹیر جے جارڈ جے وک اور اسٹیفن فشر۔گلاتی *"The Balkan Revolutionary Tradition"* (نیویارک: کولمبیا یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۱ء)۔

۱۴۔ ایس، اسکندری "Beginnings of Albanian Nationalist Trends in Culture and Education (1878-1912)" جرنل آف سینٹرل یورپین افیئرز، ۱۲ (۱۹۵۳ء) صفحہ ۳۵۶ تا ۳۶۷ اور اسکندری، "Beginnings of Albanian Nationalist and Antonomous Trends: The Albanian League:1878-1881" امریکن سلاوک اینڈ ایسٹ یوروپین ریویو ۱۲، (۱۹۵۳ء) ۲۱۹ تا ۲۳۲۔

۱۵۔ کرپت "The Ottoman Emigration to America" صفحہ ۱۸۱۔ میرے اطلاع دہندگان کے بیانات نے بھی اس کی توثیق کی۔

۱۶۔ بیسویں صدی کے پہلے تین عشروں میں ترکی کے خلاف امریکی تعصب بہت شدید تھا۔ مثال کے طور پر پیسفک کوسٹ کے ۱۱۰ تاجروں اور پبلک اسکول کے اساتذہ نے بوگردس کے وضع کیے ہوئے سماجی فاصلے کے سات پوائنٹ کے پیمانے پر ۲۳ نامزد کردہ نسلی گروہوں میں ترکوں کو سب سے نیچے رکھا۔ ملاحظہ ہو ای۔ ایس بوگردس *Immigration and Race Attitudes* (نیویارک: ڈی سی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیلتھ اینڈ کمپنی، ۱۹۲۸ء) ایک دوسری تحقیق میں پرنسٹن یونیورسٹی کے ۱۰۰ انڈر گریجویٹ طلباء نے محققین کی جانب سے فراہم کردہ ایک فہرست سے الفاظ منتخب کرتے ہوئے ترکوں کو "ظالم، مکار، جھگڑالو، منتقم المزاج، قدامت پسند اور توہم پرست" بتایا۔ جواب دینے والوں میں سے کسی نے نہ کبھی کسی ترک سے ملاقات کی تھی اور نہ اسے دیکھا تھا۔ ملاحظہ ہو ڈینیل کاٹز اور کینیتھ ڈبلو بریلی "Racial Stereotypes of 100 College Students": جرنل آف ابنارمل اینڈ سوشل سائیکالوجی ۳۸ (۱۹۳۳ء): ۲۸۰ تا ۲۹۰؛ اور ڈینیل کاٹز اور کینیتھ ڈبلو بریلی "Racial Prejudice and Racial Stereotypes": جرنل آف ابنارمل اینڈ سوشل سائیکالوجی ۳۰ (۱۹۳۵ء) صفحہ ۱۷۵ تا ۱۹۳۔ ترکوں کے بارے میں امریکیوں کی رائے ۱۸۹۰ء کے عشرے سے ۱۹۲۱ء تک کے اخبارات میں "ناقابل اصلاح" اور "خوفناک" کے فقروں سے لی گئی تھی۔ جب عثمانی سلطنت نے اپنی عیسائی آرمینیائی رعایا کو اپنے مشرقی صوبوں سے خارج کر دیا تھا جہاں ان میں سے بہت سے لوگ ایک علیحدگی پسند تحریک میں بڑے فعال تھے۔ امریکی اور یورپی پریس نے ان افسوس ناک واقعات کی یک طرفہ تصویر پیش کی اور بعض اوقات جانتے بوجھتے جھوٹی کہانیاں بھی گھڑیں۔ ملاحظہ ہو سڈنی وھٹمین "Turkish Memories" (نیویارک: چارلس اسکر بنرز سنز، ۱۹۱۴ء) صفحہ ۱۶ تا ۲۱، ۲۳، ۲۴، ۲۹، ۵۴ تا ۵۵ اور ۷۷۔ مزید ملاحظہ ہو روڈ ریک ایچ ڈیوڈ سن "The Image of Turkey in the West, in Historical Perspective" دی ٹرکش اسٹڈیز ایسوسی ایشن بلیٹن ۵ (۱۹۸۱ء) ۱ تا ۶۔

۱۷۔ ایم ایم آنجین "Mohammedans in the United States" دی مسلم ورلڈ ۱۰ (۱۹۲۰ء) صفحہ ۳۰ تا ۳۵۔

۱۸۔ میری کیرولائن ہومز "Islam in America" دی مسلم ورلڈ ۲۶ (۱۹۲۶ء) ۲۶۲ تا ۲۶۶۔

۱۹۔ جی ایچ بوسک "Moslem Religious Influences in the United States" دی مسلم ورلڈ ۲۵ (۱۹۳۵ء) ۴۰ تا ۴۴۔

۲۰۔ لوئی رینکن "Detroit Nationality Groups" مشی گن ہسٹری میگزین، ۲۳ (۱۹۳۹ء): ۱۶۵۔

۲۱۔ ایک یونانی پنساری نے جو روڈز سے ترک وطن کر کے آیا تھا، ۱۹۳۸ء میں یہ رشتہ طے کرانے کا کام شروع کیا۔ وہ دولہا دلہن دونوں کے خاندانوں سے واقف تھا۔ دولہا کا باپ ایک بڑے کافی ہاؤس کا مالک تھا جو برادری کی دو بڑی خیراتی سوسائٹیوں میں سے ایک کا صدر دفتر تھا۔ یہ کافی ہاؤس گریک ٹاؤن میں اسی پنساری کی دکان کے قریب واقع تھا۔ دلہن کا خاندان اور پنساری روڈز میں پڑوسی تھے اور اس نے ان لوگوں سے اس وقت بھی رابطہ قائم رکھا جب وہ جنوب مغربی پنسلوانیا کے ایک قصبے میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۳۱ء میں منتقل ہوئے تھے۔ یونانی پنساری نے دونوں ترک خاندانوں کا آپس میں تعارف کرادیا اور دولہا دلہن کے والدین نے اُس کی فراخ دلانہ مدد سے شادی کی شرائط آپس میں طے کیں۔ بعد میں دلہن کے والدین کے گھر پر نسبت کی ایک روایتی دعوت ہوئی۔ دولہا کے والدین نے دلہن کے خاندان کو قیمتی تحائف دیے جنہیں فوری طور پر جمع کیے ہوئے دلہن کے جوڑوں کے ساتھ نمائش کے لیے رکھا گیا۔ چند ماہ کے بعد اس جوڑے نے ڈیٹرائٹ میں وین کاؤنٹی کورٹ ہاؤس سے عدالتی شادی (سول میرج) کا لائسنس حاصل کیا۔ اسی شام کو ایک انتہائی غیر رسمی نکاح (سفید لباس والی دلہن اور رسمی لباس پہنے ہوئے دولہا) کئی سو مہمانوں کے سامنے دولہا کے باپ کے کافی ہاؤس میں امام خرود نے پڑھایا۔ اس کے بعد ایک استقبالیہ دیا گیا جس میں نیا شادی شدہ جوڑا مغربی موسیقی کی دھن پر تیز تیز ناچتا رہا جب کہ مہمان میزوں پر بیٹھے خوش گپیاں کرتے رہے اور کھانا کھاتے رہے۔ دولہا دلہن اسی شام کو مختصر سے ہنی مون پر ڈیٹرائٹ سے صرف بیس میل کے فاصلے پر ایک تفریح گاہ پر چلے گئے۔ انہوں نے اپنی شب زفاف کی خون آلود چادر کو بہت احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھا اور اسے دلہن کی عصمت کے ثبوت میں دولہا کے والدین کو دکھایا۔ یہ جوڑا ڈیٹرائٹ واپس آ کر دولہا کے والدین کے گھر منتقل ہو گیا۔

۲۲۔ ترک بیویوں والے البانوی مردوں کا تعلق ترک۔ کرد رضا کارانہ انجمنوں سے نہیں تھا بلکہ وہ البانوی سوسائٹیوں میں شریک ہوتے تھے اور اکثر البانوی کافی ہاؤسوں میں جاتے تھے۔ ترک بیویاں جو ترک مردوں کی ترک بیویوں سے ملتی تھیں وہ ''ترک آئی جمعیت'' کی نظم کردہ بعض تہواروں کی تقاریب میں جاتی تھیں۔ ان کے شوہر (البانوی) بھی بعض اوقات ان کے ساتھ جاتے تھے۔ ترک مردوں کی البانوی بیویاں خود اپنی نسلی تنظیموں سے بالکل الگ تھلگ رہتی تھیں اور ترک۔ کرد تنظیموں کی مخلوط سماجی تقریبوں میں بہت کم شریک ہوتی تھیں۔

۲۳۔ ملٹن ایم گورڈن "Assimilation in American Life" (نیویارک: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۴ء) صفحہ ۳۹۔

۲۴۔ منقولہ، کواٹرٹ "Social Disintegration and Popular Resistance" صفحہ ۱۷۸،۱۰۰۔

۲۵۔ بین الاقوامی صلیب احمر اور ملحقہ ہلال احمر سوسائٹیوں کی ایک مختصر تاریخ کے لیے ملاحظہ ہو جان لائن "Red Crescent: Symbol of Mercy" آرامکو ورلڈ میگزین ۲۸، نمبر ۲ (۱۹۷۷ء): ۶۔ سلطنت عثمانیہ نے شریک ممالک کی اسمبلی میں ۱۸۷۷ء میں شرکت کی اور بائیسویں رکن قوم بن گئی۔ ۱۸۷۶ء میں عثمانیوں نے سوئٹزرلینڈ میں صلیب احمر کے مرکزی ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دی تھی کہ اپنے فوجیوں کے مذہبی عقائد کے احترام میں اس نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنے علامتی نشان کے طور پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

'صلیب' کے بجائے 'ہلال' کو اختیار کریں گے۔

۲۶۔ کرزیلے کے بارہ ابتدائی بانیوں میں ایک عرب ڈاکٹر تھا۔

۲۷۔ ترک جمہوریہ کی ابتدا کی دو تشریحوں کے لیے ملاحظہ ہو لارڈ کنراس "Ataturk: A Biography of Mustafa Kemal, Father of Modern Turkey" (نیویارک: ولیم مارو اینڈ کمپنی، ۱۹۶۵ء) اور برنارڈ لیوس، "The Emergence of Modern Turkey, 2nd ed." (لندن اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۸ء) سابق سلطنت عثمانیہ میں ترک قوم پرستوں کے سماجی پس منظر کے بارے میں اطلاعات کے لیے ملاحظہ ہو ارنسٹ ایڈمنسن رامسا جونیئر "The Young Turks: Prelude to the Revolution of 1908" (پرنسٹن، نیوجرسی: پرنسٹن یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۷ء) صفحہ ۱ تا ۷، ۱۴۔ بیسویں صدی کے ابتدائی دوعشروں میں ترکیت کے مافیہ کے بارے میں ایک ممتاز ترک عمرانی فلسفی کے خیالات کے لیے ملاحظہ ہو ضیا گوکالپ "Turkish Nationalism and Western Civilization" ترجمہ اور تدوین، نیازی برکس (نیویارک: کولمبیا یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۹ء)۔

۲۸۔ لارڈ کنراس، "Ataturk: A Biography of Mustafa Kemal"۔ ۴۵۱ تا ۴۵۹؛ جوانے نیگل "The Conditions of Ethnic Separatism: The Kurds in Turkey, Iran and Iraq, Ethnicity-7" (۱۹۸۰ء)۲۷۹ تا ۲۹۷۔

۲۹۔ ہوئے بون کے وجود کا واحد ثبوت کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے جس پر تاریخ، اغراض ومقاصد اور فہرست افسران درج ہے۔ یہ مسٹر محمد ملک کے ذاتی کاغذات میں تھا جو مجھے ۱۹۸۶ء میں ملا۔ خبر دینے والوں نے کرد باغیوں کے لیے چندہ اکٹھا کرنے اور اس کی وجہ سے برادری میں جو افتراق پیدا ہوا اس کے بارے میں بتایا۔

۳۰۔ ۵۰۰۷ ایسٹ لفیٹے بولیوارڈ پر

۳۱۔ گریک ٹاؤن میں ۵۴۲ ایمنوائن اسٹریٹ پر

۳۲۔ بالترتیب ۷۷۵ لفیٹے بولیوارڈ اور بیوبین اسٹریٹ پر

۳۳۔ بے کے برجے "The Bektashi Order of Dervishes" (لندن: لوزاک، ۱۹۳۷ء) سلسلے کی تاریخ بیان کرتا ہے اور اس کی دینیات کی وضاحت کرتا ہے۔ مزید ملاحظہ ہو برنارڈ لیوس "Istanbul and the Civilization of the Ottoman Empire" (نارمن: یونیورسٹی آف اوکلا ہوما پریس، ۱۹۶۳ء) صفحہ ۱۵۵ تا ۱۵۷؛ اور فرانسس ٹرکس "The Asure Ceremony of the Bektashi Tekke of Taylor, Michigan" (ایم اے کا مقالہ، دی یونیورسٹی آف مشی گن، ۱۹۷۲ء)۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۸

معمر مسلم تارکین وطن
ضروریات اور مسائل

فریال راس۔شیرف

شمالی امریکا میں اسلام کے فروغ کے سلسلے میں حالیہ تحقیقی کوششوں میں اُن طریقوں پر بھی غوروفکر کا آغاز ہوگیا ہے جن کے ذریعے انجذاب اور ضم ہونے کے عمل کا سامنا کرنے والے مسلمان مذہبی اور ثقافتی تشخص کے مسائل سے نمٹ رہے ہیں۔ انجذاب کے اس عمل میں سن رسیدہ مسلمانوں کو جن مخصوص مسائل کا سامنا ہے ان پر اب تک بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ مسلمانوں کی روزافزوں آبادی میں ان کے سن رسیدہ افراد کو تطابق اور ہم آہنگی کے جن مسائل کا سامنا ہے ان ہی مسائل کا سامنا امریکا میں دوسرے مذہبی اور وطنی گروہوں کے سن رسیدہ افراد کو بھی ہے (شان ۱۹۸۸ء، گیلفینڈ ۱۹۸۹ء اور کیفرودیگر ۱۹۸۵ء)۔ چونکہ معمر تارکین وطن اکثر لسانی اور ثقافتی تیاری نہیں کیے ہوئے ہوتے، نئے کلچر کی تفہیم سے بیگانہ ہوتے ہیں اِس لیے جب انہیں ایک بالکل نئے ماحول میں گھل مل جانے کے دشوار اور پیچیدہ عمل سے گزرنا پڑتا ہے تو یہ لوگ خود کو سب سے الگ تھلگ اور بیکار محض سمجھنے لگتے ہیں۔

اس باب میں ان مسائل سے بحث کی گئی ہے جو امریکا میں مسلمان سن رسیدہ آبادکاروں کی زندگیوں میں پیدا ہوئے ہیں۔ یہ تحقیق امریکا کے ایک ریاستی علاقے میں جنوبی ایشیاء کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی نسل کے معمر اسماعیلی آبادکاروں یا افریقہ سے ایک بار پھر نقل مکانی کر کے آنے والے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے سلسلے میں کیے گئے ایک مطالعہ پر مبنی ہے۔ یہ معلومات دو مرحلوں میں اکٹھی کی گئی تھیں۔ پہلے مرحلے میں راست مشاہدات کے ذریعہ اور برادری کے اندر اہم قائدین سے (جو معمر تارکین وطن کے قریب ہیں) چھوٹے چھوٹے گروہوں میں گفتگو کی گئی۔ دوسرے مرحلے میں پچپن اور پچاسی سال کی درمیانی عمر کے چالیس معمر افراد سے چھوٹے چھوٹے گروہوں میں گفتگو کی گئی جس میں زیادہ اہمیت بڑی عمر والوں کو دی گئی تھی۔ چھوٹے گروہوں کی گفتگو میں جو مسائل پیش کیے گئے تھے وہ امریکا میں معمر مسلمانوں کی صحت، معاشرت اور جذباتی ضرورت سے متعلق تھے۔ چونکہ اصل توجہ معمر افراد کو درپیش مسائل پر دی گئی لہٰذا انہوں نے اپنے خاندانوں اور برادری کے لیے جو کام کیا اس کے بھرپور نتائج معلوم نہیں ہوئے۔ یہ مطالعہ امریکا میں معمر آبادکار مسلمانوں کی زندگیوں کے سلسلے میں کی جانے والی تحقیق کا ایک حصہ ہے۔

جنوبی ایشیا کے اسماعیلی مسلم آبادکار اس بات سے قطع نظر کہ بنیادی طور پر ان کا تعلق کس ملک سے تھا، ہندوستان' پاکستان' بنگلہ دیش، برما، کینیا، تنزانیہ یا یوگنڈا، مشترکہ مذہبی رسوم اور جنوبی ایشیائی ثقافتی پس منظر میں شریک نظر آتے ہیں۔ چونکہ انہیں ایشیا سے نقل مکانی کر کے نئے سرے سے افریقہ میں آباد ہونے کا تجربہ تھا اور انہوں نے عظیم تر افریقی ثقافت میں زندگی گزارنے کا طریقہ سیکھ لیا تھا لہٰذا امریکی معاشرے میں بھی بعض دوسرے مسلمان تارکین وطن کے مقابلے میں اسماعیلی حالات سے بہتر طور پر نپٹنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ تمام اسماعیلیوں کے مابین، اُن کے آبائی وطن سے قطع نظر، اختلافات سے زیادہ یکسانیت نظر آتی ہے کیونکہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے اسماعیلی برادری کے منظم ادارے ان لوگوں کو مانوس ثقافتی ڈھانچے فراہم کرتے ہیں۔ بہر حال، اس کے باوجود، امریکا میں دوسرے معمر مسلمان تارکین وطن کی طرح معمر اسماعیلیوں کو بھی اس ملک میں اپنی زندگی گزارنے کے عمل میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ اس ملک میں ایک چھوٹے سے نسلی اور مذہبی گروہ کے ممبر ہونے کی حیثیت سے انہیں تنہائی کا احساس رہتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معمر مسلمانوں کی معاشرتی توقعات

۱۹۳۵ء میں امریکا کی حکومت نے سماجی تحفظ کا قانون منظور کیا جس کے تحت ۶۵ سال کی عمر سے کارکن ریٹائرمنٹ کے تمام فوائد کے مستحق قرار دیے گئے۔ اسی وقت سے پینسٹھ سال کے لیے یہ سمجھ لیا گیا ہے گویا یہ ادھیڑ عمر سے بڑھاپے کی طرف سفر کا ایک عبوری مرحلہ ہے۔ یہ رجحان آج بھی جاری ہے حالانکہ بہت سے کارکن اس عمر سے پہلے ریٹائر ہو جاتے ہیں اگرچہ سماجی تحفظ کے فوائد پر، زندگی کے امکانی عرصے میں اور بعد میں ریٹائرمنٹ لینے کی ترغیب دلانے کے لیے قومی پالیسیوں میں بڑے منفعت بخش اضافے ہو چکے ہیں۔ پینسٹھ کی عمر بہت سے امریکیوں کے دماغوں میں زندگی کے ایک نئے مرحلے اور اس سے پیدا ہونے والی تبدیلیوں کی ابتداء کی گھنٹیاں بجانے لگتی ہے۔ غالب امریکی ثقافت میں زندگی کے اسلوب اور ذمہ داریوں میں نسبتاً اچانک تبدیلی ریٹائرمنٹ کے وقت نمودار ہوتی ہے یا پھر اس وقت جب سب سے چھوٹا بچہ گھر چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔

بارآوری کی عمر سے ''ضعیف العمری'' تک کا یہ عاجلانہ سفر اس صورت حال سے بالکل مختلف نظر آتا ہے جس کے بہت سے معمر مسلمان اپنے آبائی وطن میں عادی تھے۔

بنگلہ دیش، ہندوستان، پاکستان، کینیا، تنزانیہ اور یوگنڈا جیسے علاقوں میں یہ تبدیلیاں نسبتاً بہت آہستہ آہستہ ظاہر ہوتی ہیں (اوسا کا ۱۹۸۸ء)۔ جب بچے اپنے خاندانوں کی ابتداء کرتے ہیں تو وہ عام طور سے یا تو اپنے والدین کے ساتھ یا ان کے پڑوس میں رہتے ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگ جب تک ان کی جسمانی اور دماغی صحت اجازت دیتی ہے، اپنے ہی خاندانی کاروبار یا گھریلو مصروفیتوں میں اپنی ذمہ واریاں پوری کرتے ہیں۔ یہ لوگ کام کرتے رہتے ہیں لیکن عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کے فرائض بدلتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے عمر میں اضافہ گردشِ حیات کا ایک تسلسل ہے جس میں زندگی کے امکانی عرصے کا انحصار صحت، جسمانی اور دماغی حالت، خاندانی وسائل اور معاشرے میں اپنی حیثیت پر ہوتا ہے۔ جن لوگوں سے اِس تحقیق کے سلسلے میں معلومات حاصل کی گئیں اُن میں سے ایک معمر شخص نے دوسروں کی ترجمانی اس طرح کی تھی ''میرے باپ جب تک زندہ رہے وہ ہماری دکان میں کام کرتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہے۔ زندگی کے آخری دنوں میں جب وہ کمزور ہوگئے تو دن میں دو تین گھنٹے کے لیے دکان پر آجاتے۔ میری ماں اور دادی جب تک زندہ رہیں گھر کا کام کرتی رہیں اور بچوں کی نگہداشت کرتی تھیں۔ یہاں امریکا میں ایک بار جب آپ بوڑھے ہوگئے تو نہ آپ کے پاس کوئی جگہ ہے نہ کوئی کام۔''

اس تحقیق میں تارکین وطن کی پہلی نسل کے وہ معمر مسلمان شامل ہیں جو پچاس سال کی عمر کے بعد اپنے نوجوان بچوں کے پاس امریکا آئے۔ جب وہ ایک بار امریکا آگئے تو ان میں سے اکثر نے اپنے خاندانی کاروبار کے باہر کام نہیں کیا بلکہ اپنے نوجوان لڑکوں یا اضافہ شدہ خاندان کے ارکان کی مدد کرتے رہے۔ اس تحقیق میں صرف انہیں لوگوں کو شامل کیا گیا جنھوں نے اپنی شناخت بطور معمر افراد کے کرائی اور جن طریقوں سے انھوں نے اس شناخت کا تعین کیا وہ ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ بعض لوگوں نے تاریخ کے اعتبار سے، جب کسی خاص عمر پر پہنچے تو اسے پیمانہ بنانے کے بجائے اپنے معمر ہونے کا حساب اس دن سے لگایا جس دن وہ دادا، دادی یا نانا، نانی بنے تھے۔ بعض دوسرے لوگوں نے خاص طور سے انہوں نے جو گھر کے باہر کام کرتے تھے اپنی کبرسنی کا تعین ریٹائرمنٹ کی تاریخ سے کرنے کا عام امریکی طریقہ اپنایا۔ اس تحقیق میں بہت سے لوگ وہ ہیں جن کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ ہے، جو کہیں ملازمت نہیں کرتے اور اپنے بچوں پر انحصار کرتے ہیں۔

نہ صرف ایک نئے ملک سے مطابقت پیدا کرنے بلکہ خاندان کے سیاق وسباق کے اندر نیا کردار اختیار کرنے میں اپنی توانائی صرف کرنے کی کوشش معمر مسلمان تارکین وطن کے لیے مخصوص مسائل اور دباؤ کا سبب بنتی ہے۔ ان کے بہت سے نوجوان بچے، جو امریکا میں اپنی نسلی اقلیتی حیثیت کا شعور رکھتے ہیں وہ امریکی تصورات اور معیارات کو اختیار کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور اپنے معمر والدین سے یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ خاندانوں اور وسیع تر معاشرے میں معمر شہری کے طور پر اپنی حیثیت کا تعین امریکی معاشرے کے اصولوں کے مطابق کریں گے اور اُسے قبول کرنا سیکھ لیں گے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امریکی زندگی سے مطابقت پیدا کرنے سے متعلق مسائل

امریکی معاشرے میں ضعیف العمری کو تیزی کے ساتھ ایک ایسی مسلسل نفسیاتی نمو سے تعبیر کیا جانے لگا ہے جس میں معمر افراد کے لیے اپنے نئے کردار سے مطابقت پیدا کرنا ضروری ہے۔ وہ فارغ وقت میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں اور زندگی کے اختتامی مرحلے کے لیے تیاری کریں (نیو مین اینڈ نیو مین ۱۹۸۵ء)۔ حیاتیاتی عضویاتی کارکردگی میں معمول کی تبدیلیوں کی وجہ سے دباؤ ڈالنے والے سانحوں سے نمٹنے کی جسمانی صلاحیت تیزی سے گھٹنے لگتی ہے جس سے ذاتی اور خاندانی زندگیاں اور صحت کی صورت حال بھی متاثر ہوتی ہیں۔ اپنے جنوبی ایشیائی مسلم ثقافتی پس منظر اور روایتی توقعات کی مطابقت میں اس تحقیق سے متعلق معمر مسلم تارکین وطن اپنا کردار ''دادا، یا نانا، نانی'' کے طور پر اور اپنی حیثیت ''سربراہ خاندان'' کے طور پر سمجھتے ہیں اور اپنی روحانی ترقی، تکمیلِ ذات اور بالآخر زندگی کے اس مرحلہ پر موت کے لیے تیاری کو زندگی کا ایک اہم پہلو سمجھتے ہیں۔ بہر حال ان لوگوں میں متعدد افراد وہ ہیں جو ثقافتی، معاشی اور جذباتی سہارے کے لیے اپنے نوجوان بچوں پر انحصار کرتے ہیں، بہت سے معمر لوگوں کی طرح ان کی بنیادی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان کے افراد خاندان ان کی ضرورت محسوس کریں۔ بہر حال سب سے زیادہ خوف دست نگری کا ہوتا ہے۔ خود مختار سے دست نگر کے طور پر ان کی حیثیت کی تبدیلی ان کے روایتی کرداروں کا رخ بدل دیتی ہے اور بہت سے معمر تارکین وطن اور ان کے افراد خاندان کے لیے معاشی اور دوسری نوعیتوں کے انحصار کی دشواریاں پیدا کر دیتی ہے جس سے ان کے مسائل میں اضافہ ہی ہو جاتا ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں لگا بندھا تصور بھی امریکی زندگی سے مطابقت پیدا کرنے میں دشواری پیدا کرتا ہے۔ جنوبی ایشیائی پس منظر کے حامل تارکین وطن مسلمانوں اور ان دوسرے ایشیائی امریکیوں میں جن کے تجربات دستاویزی شکل میں دستیاب ہیں، متعدد ثقافتی خصوصیات میں مشترک ہیں۔ ایک اہم عنصر جو معمر مسلمان تارکین وطن کو دوسرے ایشیائی تارکین وطن سے ممتاز کرتا ہے وہ مسلمانوں کی وہ منفی عکاسی ہے جو عام ذرائع ابلاغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کی جاتی ہے۔ مشرق وسطیٰ میں شورش، اور ایران اور عراق میں انقلاب نے مسلمانوں کے لیے تشدد کا وہی گھسا پٹا تصور ابھارا ہے۔ اس کے برعکس ہندو، بدھ اور کنفیوشی مذاہب کے پیروکاروں کو پُرامن بلکہ ''مثالی'' اقلیت سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا تارکین وطن مسلمانوں کے بارے میں اس بات کا زیادہ امکان رہتا ہے کہ انہیں امتیازی سلوک اور اُس سے متعلقہ مسائل کے تجربے سے گزرنا پڑے۔ اس تحقیق میں شامل متعدد معمر تارکین وطن نے اس مسئلے کو حسبِ ذیل الفاظ میں بیان کیا ''چند سال پہلے ہمارے بعض نوجوان اس طرح رہتے تھے جیسے وہ یہ نہ چاہتے ہوں کہ انہیں مسلمان سمجھا جائے۔ اب ہماری سمجھ میں یہ بات آ گئی ہے۔ ہمیں مسلمان ہونے پر فخر ہے لیکن امریکی سمجھتے ہیں کہ مسلمان دہشت گرد ہیں۔ دنیا کی نظریں عراق اور مشرق وسطیٰ پر لگی ہونے کی وجہ سے ہم مسلمان خود کو ہراساں محسوس کرتے ہیں۔ ہم امن پسند لوگ ہیں۔''

جدید مغربی طرز فکر میں سائنس اور مذہب' فطرت اور ماوراء فطرت اور ذہن اور جسم کو عموماً دو حصوں میں تقسیم کر کے سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس مسلم تارکین وطن اپنے مخصوص انداز میں اپنی دنیا کو ایک اکائی کے طور پر سمجھتے ہیں جسے خانوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ ترکِ وطن کے عمل سے پیدا ہونے والے دباؤ اور بنیادی اندازِ فکر میں اس اختلاف سے اور اس بات کے اعتراف سے کہ امریکا میں معمر افراد کے لیے ناگزیر طور پر زندگی ایک ثانوی حیثیت کی حامل ہے ایسے معمر افراد کے لیے خصوصاً شدید مسائل پیدا ہوتے ہیں جنہیں صحت اور معیشت کے مسائل کا سامنا رہتا ہے اور جن کا انحصار اپنے بیٹوں اور پوتوں پر لسانی اور ثقافتی رکاوٹوں کی وجہ سے بڑھ جاتا ہے۔

جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو عزیز اہم ثقافتی اقدار مثلاً قرابت داروں سے متعلق ذمہ داریاں، فرائض، اخلاقی احترام، ذمہ داریوں کی تکمیل میں حسبِ مراتب ترتیب، دوسروں کے جذبات کا احساس، احترام، وفاداری اور صحیح کردار امریکیوں کی شناختی اقدار سے متصادم ہوتی ہیں (میسے دوما ۱۹۸۷ء، امارا سنگھن ۱۹۸۰ء، وھیلر ۱۹۷۹ء)۔ اگرچہ اجتماعی ضروریات کو انفرادی ضروریات پر ترجیح دی جاتی ہے اور طریق کار کو اسی انداز سے منضبط اور مستحکم کیا جاتا ہے لیکن وہ اپنے بیٹوں اور پوتوں سے یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ اسی حساسیت کا مظاہرہ کریں گے اور ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ضروریات کا اندازہ لگا کر اسے پورا کریں گے۔ وہ خوش گوار تعلقات کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور ایسے ٹکراؤ سے بچنے کی پوری کوشش کرتے ہیں جس سے سنگدلانہ جذبات پیدا ہوتے ہوں۔ لہٰذا دنیا کے بارے میں اپنے مختلف نقطۂ نظر کی وجہ سے انہیں اکثر پریشانی ہوتی ہے جو ان کے اس قسم کے تبصروں سے ظاہر ہے: ''یہاں امریکا میں لوگوں کی ساری دلچسپی اس بات میں ہے کہ وہ آگے بڑھیں، دن رات کام کریں اور زیادہ کمائیں، اور زیادہ، اور زیادہ... [ان] کی توجہ صرف اپنے آپ پر ہوتی ہے ... بچے اسکول میں مشغول ہیں، والدین اپنے کاموں میں مصروف ہیں سب... ٹھیک ٹھاک کام کر رہے ہیں؛ لیکن گھر میں اپنائیت نہیں ملتی۔ ہم اپنے بزرگوں کا احترام کرتے تھے۔ کوئی فیصلہ کرتے وقت ہم اپنے پورے خاندان کو ذہن میں رکھتے تھے۔ اپنی انفرادی کامیابیوں سے زیادہ اہمیت ہم اپنے خاندان اور خاندانی وقار کو دیتے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ دنیا کہاں آ گئی ہے! یہاں زندگی میں بہت کم توازن ہے۔'' مزید برآں جنوبی ایشیا کے معاشرے میں ہر عمر اور ہر رشتے کے لوگوں کے لیے -آداب- کی پوری وضاحت کر دی گئی ہے۔ (مٹکاف ۱۹۸۴ء)۔ صحیح رویہ اپنانے کے لیے اجتماعی دباؤ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ شرم اور احساس جرم اور ''عزت محفوظ رکھنے'' پر توجہ دلانے کے لیے جو انضباطی طریقے اختیار کیے جاتے ہیں وہ ایک ضابطہ کی مکمل پیروی کی جانب رہنمائی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر کسی ایک فرد کا نامناسب رویہ صرف اس فرد کے لیے نہیں بلکہ اس کے پورے خاندان اور مذہبی برادری کے لیے باعث شرم سمجھا جائے گا، بالکل اسی طرح جیسے کسی ایک فرد کی کامیابی صرف اس فرد کی کامیابی نہیں بلکہ اس کے پورے خاندان اور برادری کی کامیابی سمجھی جاتی ہے۔

بہر حال امریکی اسکولوں میں تعلیمی نظام یا پڑوس کے ہم عمروں کے درمیان ثقافتی نظام کے سیاق وسباق میں مسلمان بچے بعض اوقات ایسا رویہ اور کردار اپنا لیتے ہیں جو غیر حساس سمجھا جاتا ہے اور جو ان کے بزرگوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے کا باعث بنتا ہے۔ مثال کے طور پر امریکی تعلیمی نظام جس میں آزادی، انفرادیت اور مسابقت کے جذبوں کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے اور ان خوبیوں کی ہمت افزائی کی جاتی ہے۔ اِس نظام سے معمر مسلمان تارکین وطن کے نواسے پوتے مسابقت اور خود اعتمادی سیکھ لیتے ہیں۔ اپنے ہم سِنوں سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متاثر ہو کر وہ مقبول عام موسیقی اور رقص کا لطف اٹھانا سیکھ لیتے ہیں۔ دنیا کا مشاہدہ کرنے کے سلسلے میں معمر تارکین وطن اور ان کے نواسوں پوتوں کے درمیان طریقوں کا جو اختلاف ہے اس سے ان کے خاندانوں میں تصادم یا ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے مثلاً اس وقت جب نئی نسل کے افراد اپنی خاندانی سرگرمیوں میں حصہ لینے یا گھر کے چھوٹے موٹے کام کرنے کے بجائے اپنے دوستوں کے ساتھ وقت گزارنا چاہتے ہیں۔ بہت سے نوجوان، لڑکے لڑکیاں دونوں ہی ، اپنے اسکول کی رقص کی محفلوں میں یا صنف مخالف کے اپنے کسی دوست کے ہمراہ سیر و تفریح کے لیے جانا چاہتے ہیں، اور یہ وہ سرگرمیاں ہیں جو امریکی معاشرے کے سیاق و سباق میں معمول کے مطابق اور بلاضرر سمجھی جاتی ہیں لیکن مسلمانوں کے روایتی ضابطۂ اخلاق میں یہ انتہائی نامناسب ہیں۔ معمر تارکین وطن اپنے بچوں [پہلی نسل] کے اخلاق اور اپنے پوتوں [دوسری نسل] کے نئے رسوم ورواج کے درمیان اس تبدیلی کو بدتہذیبی اور گستاخی سمجھتے ہیں۔ اس طرح دنیا کا مشاہدہ کرنے کے سلسلے میں پہلی اور دوسری نسلوں کے طریقوں اور خاص طور سے سن بلوغت کو پہنچنے والی لڑکیوں کے سماجی روابط کے طور طریقوں کے درمیان تبدیلی سے گھر کے اندر معمر رشتہ داروں کے لیے تناؤ اور ذہنی دباؤ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

کردار اور بین النسلی تضادات

روایتی مسلم معاشروں میں کبر سنی خود بخود کسی شخص کو عزت و احترام کا مستحق بنا دیتی ہے۔ لیکن امریکا میں اکثر ایسا نہیں ہوتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جتنے لوگوں سے تحقیق کی گئی ان کی ایک بہت بڑی تعداد امریکا کی روزمرہ زندگی سے مطابقت پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم نظر آئی۔ انھیں اس بات کو تسلیم کرنے میں بڑی دشواری ہوتی ہے کہ ان کے بیٹوں اور پوتوں نے نئی ثقافت کی بہت سی اقدار اور روایات کو اپنا لیا ہے اور بعض پرانے طریقوں کو مسترد کر دیا ہے۔ وہ نہ صرف ان تبدیلیوں کو قبول کرنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں بلکہ خود اپنے ہم سنوں میں اپنی نظر اونچی رکھنے کے لیے اپنے بیٹوں پوتوں پر دباؤ ڈالتے ہیں کہ وہ ''پرانے'' طریقوں سے مطابقت پیدا کریں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے خاندان کے اندر ہم آہنگی کم ہوتی جاتی ہے اور اکثر کھلم کھلا تصادم شروع ہو جاتا ہے۔ معمر افراد کے ایک گروہ میں ایک شخص نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان سب کے احساسات کا اظہار اس طرح کیا ''ہم اس کی تاب نہیں لا سکتے، ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے۔ بعض اوقات تو صورت حال نا قابل برداشت معلوم ہوتی ہے۔ ہمیں بس اللہ پر بھروسہ رکھنا ہوگا! شکر ہے اللہ کا!''

معمر تارکین وطن نئے معاشرے میں ایک نئی ثقافت کو قبول کرنے کی وجہ سے رویوں اور طور طریقوں میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کو اپنی گھریلو اکائی میں اپنے کردار اور عمل میں پیدا ہو جانے والی کمی کا باعث قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ اپنے خاندان میں طرح طرح کی سرگرمیوں کے ذریعہ اپنے لیے ایک کردار وضع کر لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر جن معمر تارکین وطن کو بطور نمونہ منتخب کیا گیا تھا ان میں سے بعض نے انگریزی پڑھ لی اور سماجی بہبود کے پروگراموں میں بطور رضا کار شریک ہو گئے۔ بعض نے مقامی برادری کے پروگراموں میں گاہے بگاہے کھانے پکانے اور کپڑے سینے کی تربیت کا کام سنبھال لیا۔ بہت سے لوگوں نے اسماعیلی مسلم برادری کی تنظیم کردہ سماجی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا اور اس طرح انہوں نے ایک مفید اور بامعنی کردار اپنا لیا۔ لیکن وہ لوگ جو یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنے خاندان یا معاشرے کے لیے کچھ نہیں کر رہے ہیں وہ تنہائی، علیحدگی، پریشان خیالی، محرومی، اکتاہٹ اور ذہنی دباؤ کا شکار رہتے ہیں۔ اس قسم کے جذباتی ردعمل سے ان لوگوں کے اپنے خاندان والوں کے ساتھ روابط پر بہت منفی اثر پڑتا ہے۔

لسانی رکاوٹیں

میزبان قوم [امریکا] کی زبان بولنے سے معذوری معمر تارکین وطن کے لیے معاشرتی اور کاروباری روابط قائم کرنے میں رکاوٹ بنتی ہے اور خود اپنے خاندان میں اپنی کم حیثیتی کو وہ محسوس کرتے ہیں اور اس میں اضافہ ہی ہوتا ہے (گوزدزیاک ۱۹۸۸ء)۔ خاندان کے نوجوان افراد ان کے علم اور اختیار کو ماضی کی بات سمجھتے ہیں اور انہیں اب وہ استاد یا مشیر کا درجہ نہیں ملتا۔ معاشرے کا صاحب فکر طبقہ لسانی مہارت کی اہمیت اور ضرورت کو خوب سمجھتا ہے اور امریکا کی بہت سی ریاستیں تارکین وطن اور مہاجرین کو انگریزی بطور ثانوی زبان پڑھانے کے پروگرام پیش کرتی ہیں۔ لیکن یہ پروگرام عموماً نوجوانوں کے لیے وضع کیے جاتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور ان میں بہت کم پروگرام ایسے ہوتے ہیں جن کا مقصد معمر تارکین وطن کو انگریزی سیکھنے میں مدد دینا ہو۔

معمر مسلم تارکین وطن اور بالخصوص پینسٹھ سال سے زیادہ عمر کی خواتین کو انگریزی بہت کم آتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ بھی جنہوں نے روزمرہ کی صورت حال سے نمٹنے کی حد تک انگریزی سیکھ لی ہے کہتے ہیں کہ انہیں بھی اس وقت سخت دشواری ہوتی ہے جب انہیں طبی سہولیات، سماجی خدمات یا سیروتفریح سے متعلق امریکی دفتروں سے رابطہ کرنا پڑتا ہے۔ جو چیز اکثر معمر امریکیوں کے لیے روزمرہ کا معمول ہے وہ انگریزی کا محدود علم یا امریکی نظام کا معمولی تجربہ رکھنے والے معمر تارکین وطن کے لیے ایک بڑا پیچیدہ اور پریشان کن عمل ہوسکتا ہے۔ جن افراد نے اس ضمن میں سب سے زیادہ دشواری کا اظہار کیا، وہ بالخصوص ہندوستان اور پاکستان کے دیہی علاقوں کے رہنے والے تھے اور انہوں نے باضابطہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ امریکا میں کسی ایسی پریشان کن صورت حال سے وہ دور ہی رہتے ہیں جو ان کے لیے نقصان کا باعث ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ انہیں اپنی زندگی پر پورا اختیار نہیں رہتا بلکہ وہ لوگ خود کو اپنے خاندانوں پر بوجھ سمجھتے ہیں۔ جو لوگ شہری علاقے سے آئے ہیں، اور خاص طور سے وہ جو انگریزی زبان میں مہارت رکھتے ہیں وہ اپنے حالات پر بہتر طریقے سے قابو رکھتے ہیں اور اسی لیے انہیں دوسروں پر کم انحصار کرنا پڑتا ہے۔

اس تحقیقی نمونے میں شامل ایسے تقریباً تمام تارکین وطن نے، جو روانی کے ساتھ انگریزی نہیں بول سکتے انگریزی سیکھنے میں یا انگریزی زبان میں اپنی مہارت کو ترقی دینے میں دلچسپی کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ ان کے خیال میں ان کی انگریزی بولنے کی صلاحیت انہیں زیادہ خودکفیل بنادے گی۔ انگریزی زبان کی تعلیم کے لیے ترجیحی جگہ مسجد کا معاشرتی ہال ہے۔

انحصار

اپنی روایات کے مطابق معمر مسلمان بڑے وثوق کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی دیکھ بھال کرنا ان کے خاندان کا فرض ہے۔ اس تحقیق میں شامل بہت سے مسلمانوں نے ترک وطن اپنے بچوں کی خاطر کیا (کیونکہ بچے امریکا میں اپنے مستقبل کی تعمیر کرنا چاہتے تھے) لیکن ان میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بہت کم وہ تھے جنھوں نے یہ سوچا ہوگا کہ امریکا میں ان کی زندگی کتنی دشوار ہوگی۔ بعض لوگ اس نقل مکانی سے پہلے تذبذب کا شکار تھے اور اس کے لیے تیار نہیں تھے۔ جب ایک بار یہ امریکا آگئے اور انہیں بیکاری کی زندگی گزارنی پڑی تو اپنے بچوں پر مالی لحاظ سے انحصار کرنے کی وجہ سے انہوں نے نہ صرف اپنی معاشی آزادی کھودی جو انہیں اپنے وطن میں حاصل تھی بلکہ انہیں اپنی معاشرتی، جذباتی اور ذاتی ضروریات کے لیے اپنے بچوں پر انحصار کرنا پڑا۔ دست نگری کے اس خوف کو ایک تارک وطن نے بڑے عمدہ طریقے سے بیان کیا: ''ایک چیز جس کے لیے میں دعا کرتا ہوں وہ ہے 'اے اللہ! مجھے کسی پر حتیٰ کہ اپنے بچوں پر بھی بوجھ بننے سے محفوظ رکھ.... صرف تیری ذات ہے جس پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور تیرا ہی سہارا چاہتا ہوں۔ اے اللہ! مجھے اس سے پہلے اٹھا لے کہ میں اپنی بیماری کی وجہ سے اپنے بچوں پر بوجھ بن جاؤں'۔''

بہت سے عمر رسیدہ مسلمانوں کو امریکی معاشرے سے رابطہ اپنے بچوں کے ذریعے کرنا پڑتا ہے۔ اپنے آبائی وطن میں وہ ایسے معاشرے میں رہتے تھے جہاں اپنی جذباتی، ذاتی اور معاشرتی ضروریات پوری کرنے کے لیے بڑے مستحکم سلسلے اور رابطے دستیاب تھے۔ اس کے برعکس امریکا میں ان کا رہائشی ماحول ایسا ہے کہ انہیں اس قسم کے امدادی سلسلے میسر نہیں ہیں جس کی وجہ سے انہیں اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسے کام جیسے ذاتی اشیاء کی خریداری، دوستوں سے ملاقات کے لیے جانا، مسجد جانا، ڈاکٹر اور صحت کے مراکز والوں کو اپنی بات سمجھانا اور ان کی بات سمجھنا اور اس طرح کے دوسرے کاموں کا بوجھ اکثر حالات میں خاندان کے قریب ترین افراد پر پڑ جاتا ہے جس کی وجہ سے معمر تارکین وطن کے اس احساس میں اضافہ ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے جوان بچوں پر انحصار کرنے پر مجبور ہیں۔

تحقیق میں شامل نمونے کے معمر مسلمان اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ امریکا میں مساجد صرف عبادت گاہ کا فریضہ پورا نہیں کرتیں بلکہ معاشرتی اجتماع کی ایسی جگہیں بھی ہیں جہاں ان کی ملاقات ایسے دوسرے لوگوں سے ہوتی ہے جو ملتے جلتے مسائل کا شکار ہیں اور ان کی دلچسپی کی باتوں میں حصہ لیتے ہیں۔ ایک معمر تارک وطن نے کہا ''میں جمعہ کی نماز کا انتظار کرتا رہتا ہوں۔ ہفتے بھر تک گھر کے ڈربے میں بند رہنے کے بعد جمعہ کا دن آتا ہے تو میں خوشی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے نہال ہوجاتا ہوں... میں اس دن ایسا محسوس کرتا ہوں جیسے میں دنیا کے بندھنوں سے آزاد ہوگیا ہوں۔'' تحقیق میں شامل معمر تارکین وطن کی ایک بڑی تعداد اپنی مذہبی جماعت کی فراہم کردہ گاڑیوں میں مسجد جاتی ہے اور اگر یہ سہولت میسر نہیں ہے تو پھر وہ اپنے بچوں کے ساتھ جاتے ہیں جس سے ان کی دست نگری کا احساس اور شدید ہوجاتا ہے۔

صحت اور دماغی حالت

دوسروں پر انحصار کرنے کی مجبوری، جس کا تجربہ مسلمان معمر تارکین وطن کو ہوتا ہے، اس وقت اور بھی شدید ہوجاتی ہے جب ان کی جسمانی صحت کا کوئی مسئلہ پیدا ہوجائے۔ ان کی اکثریت شدید اور پرانی بیماریوں، جیسے پیٹھ کے درد، گٹھیا، ہائپرٹینشن، ہائی کولسٹرول اور ذیابیطس میں مبتلا ہے۔ زیادہ تر کے پاس صحت کا بیمہ نہیں ہے لیکن وہ ہر بار فیس دے کر ڈاکٹر کا مشورہ اور علاج حاصل کرسکتے ہیں۔ بعض لوگ صحت کی دیکھ بھال کے نظام تک رسائی حاصل کرنے میں دشواریاں بیان کرتے ہیں، مثلاً: ''میرے پاس Health Maintenance Organization, (HMO) کا جاری کردہ صحت کا بیمہ موجود ہے لیکن میرا آدھا وقت تو وہاں جانے کے لیے سواری کی تلاش میں گزر جاتا ہے اور بعض اوقات مجھے کلینک سے اپوائنٹمنٹ ہی نہیں ملتا۔'' خطرناک بیماریوں میں مبتلا چند ایسے افراد نے جن سے تحقیق کی گئی اپنی دل شکستگی اور خاص طور سے اپنے جوان بچوں پر بوجھ بننے کے احساس کی شکایت کی۔ ان معمر تارکین وطن نے کہا کہ جسمانی صحت کے معاملات ان کے لیے سب سے مشکل مسائل ہیں، تاہم ان میں سے بہت کم لوگوں نے محرومی اور غصے کا اظہار کیا بلکہ اکثر لوگوں نے اس جذبے کا اظہار کیا کہ ''اللہ تعالیٰ کی عنایتوں لیے ہم اس کے شکرگزار ہیں!''

بعض لوگ اس حالت کو بیان کرتے ہیں جسے دماغی بیماری سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر بعض نے ایسی دل شکستگی کا اظہار کیا جسے لغوی معنوں میں ہم انگریزی میں ''دل کا جلنا'' کہہ سکتے ہیں (اسے اُردو میں تیزابیت کہہ لیجئے)۔ یہ ''دل جلنے'' والی کیفیت دردِ شکم، دردِ سر اور دوسری جسمانی بیماریوں کے طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ تاہم چند ہی لوگ اسے ذہنی صحت سے متعلق سمجھتے ہیں۔ ان کی پریشانی میں اضافہ کا سبب ان کی یہ فکر بھی ہے کہ اگر ان کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحت گرتی رہی تو ان کے خاندان والوں کے لیے ان کی نگہداشت مشکل ہوگی اور ممکن ہے انہیں ''ضعیفوں کے گھر (اولڈ فوک ہومز)'' میں بھیج دیا جائے۔ بہر حال خود اپنے آپ کو تسلی دینے کی خاطر وہ گفتگو کے اِسی سلسلے میں یہ بھی کہتے ہیں کہ ''ہمارے بچے اپنے بزرگوں کی بڑی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ وہ اپنے بزرگوں کو ضعیفوں کے گھر میں نہیں بھیجتے۔''

معمر مسلم تارکین وطن کی ایک بڑی تعداد اپنی ذہنی صحت کے مسائل کے لیے سماجی اداروں کی خدمات نہیں قبول کرنا چاہتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے خاندان والوں کی طرح نہ تو وہ یہ تسلیم کرسکتے ہیں کہ انہیں کسی قسم کی کوئی دماغی بیماری ہے اور نہ وہ کسی مخصوص شہر، کاؤنٹی یا ریاستی سماجی اداروں سے واقف ہیں۔ اپنے ایشیائی امریکیوں کے جائزے میں سکاہرا (۱۹۸۸ء) نے ایشیائی بزرگوں کے افراد خاندان کو ان خدمات [اور سہولتوں] سے جن کے وہ مستحق ہیں، آگاہ کرنے کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ بہت سے خاندان زیادہ تر یہ پسند کریں گے کہ وہ اپنے معمر رشتہ داروں کو کسی ادارے میں داخل کرنے کے بجائے گھر ہی پر رکھیں بشرطیکہ انہیں یہ معلوم ہو کہ سماجی خدمات کے ایسے ادارے موجود ہیں جن سے ضرورت کے وقت مدد لی جاسکتی ہے (کم اینڈ کم، زیرِ طبع)۔

معاشرے میں ڈھلنا اور معاشرتی تنہائی

بہت سے معمر مسلمان صرف ان لوگوں سے ملتے جلتے ہیں جن کا تعلق ان کے آبائی ملک سے ہوتا ہے اور جو مشترک ثقافتی اور مذہبی اقدار رکھتے ہوں۔ جن لوگوں کا انٹرویو کیا گیا ان میں اکثریت اسماعیلیوں کی تھی اور اپنے آبائی وطن اور بطور خاص افریقہ میں وہ اسماعیلیوں اور غیر اسماعیلیوں دونوں ہی سے ملتے جلتے تھے۔ غیر اسماعیلیوں سے ان کا رابطہ کاروبار یا پڑوس کے تعلقات کی وجہ سے ہوتا تھا۔ ان کے مسلمان اور غیر مسلمان دونوں ہی دوست ان کی ثقافت اور روایات کا احترام کرتے تھے۔ اپنی ذاتی اور ثقافتی وجوہ کی بنا پر ان معمر تارکین وطن میں سے بہت سے لوگوں نے نہ تو امریکیوں سے روابط پیدا کیے ہیں اور نہ امریکی شہریوں کے لیے وضع کردہ پروگراموں میں انہوں نے حصہ لیا ہے۔ اگر چہ وہ کہتے ہیں کہ ان کے امریکی پڑوسی اور واقف کار عموماً اچھے اور دوست نواز لوگ ہیں تاہم ان میں سے بہت کم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں نے غیر مسلموں یا غیر ایشیائی امریکیوں کے ساتھ مضبوط سماجی روابط یا ذاتی دوستی کے تعلقات قائم کیے ہیں۔ دو ثقافتی اختلافات اور اس خیال کے نتیجے میں کہ دوسرے امریکیوں کے پاس ان سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کا نہ وقت ہے اور نہ کوئی دلچسپی، اُن میں یہ احساس پیدا ہو گیا ہے کہ دوسرے امریکی نہ انہیں سمجھتے ہیں نہ پسند کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے معمر تارکین وطن اجنبی لوگوں کے ساتھ اپنے ذاتی اور خاندانی مسائل پر گفتگو کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے کیونکہ یہ ذاتی زندگی کا وہ حصہ ہے جس میں خاندانی حدود سے باہر کے کسی شخص کو شریک نہیں کیا جاتا (راس۔شیرف اینڈ نانجی، ۱۹۹۱ء)۔ چند ایک نے جو اپنی دشواریوں کے اسباب بیان کر سکتے تھے کہا ''ہمیں نسلی اختلافات کا تجربہ تو ہے لیکن نسلی کش مکش کا تجربہ نہیں ہے۔ دوسرے امریکی بڑے مہذب اور نرم گفتار ہیں لیکن وہ اسلام کو سمجھتے نہیں.... جوں ہی ہم کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو ان کا رویہ بدل جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ اسلام کو جانتے نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے دلوں میں اسلام کے خلاف تعصبات ہیں۔ وہ ہندوؤں یا بدھوں کے ساتھ منفی طور پر پیش نہیں آتے۔'' ایک فصیح البیان معمر فرد نے اس منفی ردعمل کا سبب یہ بتایا ''یہ کوئی معاشرتی یا ثقافتی معاملہ نہیں ہے۔ یہ واضح طور پر ایک منفی سیاسی ردعمل ہے جو جھنجھلاہٹ اور بے چارگی کا یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ اگر ہم یہ واضح بھی کر دیں کہ ہم کون ہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' مزید برآں، بہت سے معمر لوگ وہ ہیں جن کے بارے میں یہ امید نہیں کہ وہ رسمی خدمات یا پروگرام مثلاً معمر افراد کے لیے دن کے نگہداشتی مرکز (ڈے کیئر سینٹر) سے فائدہ اٹھائیں گے کیونکہ ایسے پروگراموں سے نہ وہ مانوس ہوتے ہیں نہ صحیح لطف اٹھا سکتے ہیں۔

ایک معمر شخص نے کہا کہ انہیں جن انتہائی سنگین مسائل کا سامان کرنا پڑتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ مذہبی یا نسلی برادری کی سرگرمیوں میں شرکت کرنے کے لیے انہیں بہت کم مواقع میسر ہیں۔ عبادت گاہ ہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں وہ ماضی سے اپنا رابطہ بحال کر سکتے ہیں، یکساں پس منظر کے لوگوں سے مل سکتے ہیں اور اپنے آبائی وطن میں ان کے جو ثقافتی رابطے تھے انہیں دوبارہ بحال کر سکتے ہیں۔ جن افراد سے اِس تحقیق کے سلسلے میں ملاقات کی گئی انہوں نے ان سماجی سرگرمیوں میں دلچسپی ظاہر کی جنہیں ان کی برادری نے ترتیب دیا تھا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور کہا کہ وہ ان پروگراموں سے لطف اٹھاتے ہیں اور انہیں پسند کرتے ہیں اور اگر آئندہ بھی ایسے پروگرام ہوئے تو وہ ان میں شرکت کریں گے۔ ایک معمر خاتون نے کہا: ''بعض اوقات تو میں ایسا محسوس کرتی ہوں جیسے میں جال میں پھنس گئی ہوں۔ میرے جانے کے لیے کوئی جگہ ہے ہی نہیں۔ لیکن جب میں مسجد یا برادری کے زیر انتظام تقریبات میں جاتی ہوں تو میرا دل بہت ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے اور آزادی محسوس کرتا ہے۔''

جو لوگ مذہبی مراکز میں بار بار نہیں جاسکتے ان کے لیے ٹیلی فون رابطہ کا ایک ذریعہ ہے۔ بہت سے معمر تارکین وطن اپنا کافی وقت ٹیلی فون پر گفتگو کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ زبان کے مسئلے، عوامی گاڑیوں تک پہنچنے میں دشواری اور اپنے پاس گاڑی نہ ہونے یا چلا نہ سکنے کی وجہ سے ٹیلی فون ہی ان کے لیے ایک مثالی ذریعہ رہ جاتا ہے۔ بہر حال ٹیلی فون سے دو بدو رابطے اور گفتگو والی گرمجوشی تو پیدا نہیں ہو سکتی۔

رھائش

معمر مسلمان آبادکار اپنے بچوں اور ان کے شریک زندگی کے ساتھ رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ورنہ اگر وہ جسمانی لحاظ سے صحیح ہوں اور انہیں الگ رہائش میسر ہو تو بہت سے لوگ اپنے خاندان سے کچھ فاصلے پر رہتے ہیں۔ جن معمر افراد سے اس تحقیق میں گفتگو کی گئی بدقسمتی سے ان میں سے چند کو غریب اور پسماندہ علاقوں میں رہائش ملی، جہاں وسائل اور سماجی خدمات محدود تھیں۔ ایسے پڑوس میں نئے آنے والے معمر تارکین وطن عموماً خوف زدہ رہتے ہیں۔ اس تحقیق میں شامل بہت سے لوگوں نے ایسے تشدد اور بدسلوکی کے واقعات اور دوسری معاشرتی برائیوں کا ذکر کیا جو ٹیلی ویژن اور دوسرے ذرائع ابلاغ ان کے لیے پیدا کرتے رہتے ہیں۔

زیادہ تر معمر آبادکار، توسیع شدہ خاندان کے ساتھ مل جل کر ہم آہنگی سے رہنے کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ اگرچہ جن لوگوں سے انٹرویو کیا گیا ان میں سے چند لوگوں نے بڑی صفائی کے ساتھ اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا، بہت سے معاملات میں یہ بات واضح تھی کہ توسیع شدہ خاندانوں میں معمر تارکین وطن اور ان کے نوجوان بچوں کی ضروریات مختلف ہونے کی وجہ سے ان کا ہم آہنگی کے ساتھ یکجا رہنا مشکل ہے۔ ان کے آبائی وطن کی ثقافت میں مشترکہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاندان کی بڑی قدر ہے لیکن امریکا میں صرف میاں بیوی اور بچوں پر مشتمل چھوٹے خاندانوں کو ترجیح دی جاتی ہے اور معمر آبادکار خود کو اس چھوٹے خاندان پر ایک بوجھ سمجھتے ہیں۔ خاندانی زندگی کے سلسلے میں جن لوگوں سے انٹرویو کیا گیا اس سے یہ اندازہ ہوا کہ ان میں سے اکثر کے لیے توسیع شدہ خاندان کو ایک ایسے ماحول میں قائم رکھنے میں تنازعات کا سامنا کرنا پڑا جو کسی ایسے نظام کو روا سمجھتا ہی نہیں۔ نوجوان میاں بیوی عموماً ملازمت کرتے ہیں جس میں انہیں وقت کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ اس کے برعکس معمر آبادکاروں کے پاس وقت ہی وقت ہوتا ہے لہٰذا انہیں اپنی نوجوان اولاد اور ان کی اولاد کی طرف سے توجہ زیادہ درکار ہوتی ہے۔ خاندان کے تمام افراد، معمر رشتہ دار، نوجوان اولاد اور ان کی اولاد (خاص طور سے قریب البلوغ) کی متضاد توقعات کے نتیجے میں اکثر تناؤ پیدا ہوتا ہے اور بعض خاندانوں میں اس سے جذباتی عدم توجہی اور بدسلوکی کی شکایتیں پیدا ہوتی ہیں۔ بعض انتہائی معاملات میں تو معمر تارکین وطن خود کو حقیقی معنوں میں اپنی اولاد کی نظروں میں غیر پسندیدہ محسوس کرنے لگتے ہیں۔

بعض معمر لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے اپنی بیویوں کے ساتھ الگ مکان میں رہنا شروع کر دیا ہے۔ ایسے بھی ہیں جو اپنی تمام اولادوں کے ہاں باری باری جا کر رہتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنا ''بوجھ'' بچوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ ان حالات میں بعض معمر افراد کی، جن کے بچے امریکا کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں، کوئی مستقل رہائش گاہ نہیں ہوتی اور وہ ان جگہوں کے درمیان گھومتے رہتے ہیں جہاں ان کے بچے آباد ہو گئے ہیں۔ ان میں سے شاید ہی کوئی ''بوڑھوں کی پناہ گاہ'' (اولڈ سٹیزنس ہوم) میں رہتا ہو۔ بعض خاندانوں نے اپنا مسئلہ شراکتی انتظام کے تحت حل کر لیا ہے جس کے تحت معمر افراد مسجدوں کے قریب حصہ داری کی بنیاد پر کسی مکان میں رہتے ہیں اور خاندان کے ارکان اپنے ان معمر والدین کی ضروریات، ذمہ داریاں، مالی وسائل کی فراہمی، صحت کی دیکھ بھال اور دوسرے کام مشترکہ طور پر پورے کرتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معمر افراد بطور مددگار اور مذہب کا کردار

اگر چہ بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ معمر مسلم آبادکار اپنے نوجوان بچوں، اپنے خاندانوں اور برادریوں کے سہارے زندہ ہیں اور یہ بات خود ان کے اور ان افراد خاندان کے لیے بڑی کش مکش اور دباؤ کا سبب بنتی ہے۔ بہت سے معمر آبادکاروں کو ان کے خاندان والے بوجھ نہیں سمجھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض ایسے بزرگ بھی ہیں جو اس سے زیادہ مدد بہم پہنچاتے ہیں جتنی خود انہیں ملتی ہے اور ان سے بھی زیادہ وہ لوگ ہیں جو مدد کرنے کے اہل ہیں بشرطیکہ مواقع کی نشان دہی کی جائے اور سہولتیں فراہم کردی جائیں۔ جن معمر تارکین وطن کا انٹرویو لیا گیا ان میں سب کی صحت خراب نہیں ہے اور نہ وہ معاشی لحاظ سے کسی پر بار ہیں۔ متعدد لوگ بڑے اہم فرائض انجام دیتے ہیں مثلاً بچوں کی دیکھ بھال، امور خانہ داری میں مدد اور جذباتی حمایت اور اس کے علاوہ خاندانی اور ثقافتی روایت کی تعلیم وتربیت۔ ان حالات میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خاندان کے اندر تصادم نہ ہونے کا انحصار شخصیت، صاف گوئی، لچک کے ساتھ ساتھ اس بات پر ہے کہ تارکین وطن اور ان کے نوجوان بچوں نے کس حد تک امریکا کے اندازِ زیست سے مطابقت پیدا کرلی ہے۔

اس تحقیق کا ایک اہم نتیجہ یہ سامنے آیا کہ مسلم معمر آبادکاروں کی زندگیوں میں مذہب ہم آہنگی اور معنویت کا ایک مجموعی شعور پیدا کرتا ہے اور ترک وطن کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ذاتی اور سماجی بگاڑ کے دوران حوصلے اور تقویت کا ایک اہم ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ مردوں اور عورتوں کی اکثریت ہر جمعہ کی نماز میں شریک ہوتی ہے اور بعض بعض تو صبح اور شام کی نماز میں بھی شرکت کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے آبائی وطن میں مذہب پر برائے نام عمل کرتے تھے ان کے بارے میں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے انہوں نے امریکا کی زندگی سے مطابقت پیدا کرنے کے دوران میں مذہب کو دوبارہ دریافت کرلیا ہے۔ یہ ان کے لیے بیگانگی کے اس احساس کو دور کرنے کا ذریعہ بنتا ہے جس کا تجربہ انہیں غیریقینی کی کیفیت کے دنوں میں ہوتا ہے۔ اس طرح مسلمانوں کی مذہبی تنظیمیں معمر آبادکاروں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے یا تو سماجی خدمات کے پروگراموں کو ترقی دے کر یا سماجی بہبود کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایجنسیوں کے قریبی اشتراک سے کام کر کے ایک اہم کردار ادا کرسکتی ہیں۔

مسلم برادری کا ردعمل

دوسری مسلم برادریوں کی طرح اسماعیلیوں نے بھی اپنے معمر ارکان اور ان کے خاندانوں کی خدمت کرنے کے لیے امدادی پروگرام وضع کر رکھے ہیں۔ یہ پروگرام مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں اور ان میں عبادت گاہ کے لیے سواریوں کا انتظام، تفریح، مذہبی تقریبات کا انعقاد اور بحران کے دنوں میں ہنگامی امداد کے پروگرام شامل ہیں (راس۔شیرف اور نانجی ۱۹۹۱ء)۔ ایسے پروگراموں کو برادری کے تمام معمر ارکان قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور ان لوگوں سے گفتگو کرنے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مزید پروگراموں کا بھی خیر مقدم کیا جائے گا۔

اس طرح مذہبی برادری معمر آبادکاروں کے لیے ایک ایسی دنیا میں جو یوں تو ان کے لیے بڑی دشوار ہوتی انس ومحبت اور تحفظ کی ایک جنت فراہم کرتی ہے۔ اس برادری کے اندر لسانی اور ثقافتی رکاوٹوں کو عارضی طور پر فراموش کر دیا جاتا ہے۔ بہر حال ان پروگراموں کو نچلی سطح کے رہنما چلاتے ہیں جو پیشہ ورانہ طور پر تربیت یافتہ سماجی کارکن نہیں ہوتے، انہیں آبادکاروں کے حقوق کے بارے میں زیادہ علم نہیں ہوتا اور ذہنی صحت کے مسائل سے نمٹنے کی مہارت حاصل نہیں ہوتی۔ مذہبی برادری کے بنیادی رہنماؤں اور سماجی خدمات کی ایجنسیوں کے درمیان ہم کارانہ انتظامات موجودہ اعانتی پروگراموں میں بڑا اضافہ کرسکتے ہیں اور میل جول اور ثقافتی تسلسل کی ضروریات کو پورا کرسکتے ہیں۔ علاقائی یا مذہبی برادری کے بنیادی لیڈروں کو اس معاملے میں بڑی مثالی حیثیت حاصل ہوتی ہے کہ وہ معمر مسلمان تارکین وطن کی ضروریات کے بارے میں گفتگو کرسکیں اور انہیں امریکا میں سماجی خدمات کی متعلقہ سرکاری ایجنسیوں کے علم میں لاسکیں۔

رسمی سلسلوں (سماجی خدمات کی سرکاری اور نجی ایجنسیوں) اور غیر رسمی امدادی سلسلوں کے درمیان اشتراک پر مبنی ایسا پروگرام بہت موثر ثابت ہوگا جو معمر آبادکاروں کی ضروریات کو پورا کرتا ہو اور جو خاندان کے ان افراد کو بھی مدد فراہم کرتا ہو جو اپنے معمر رشتہ داروں کے لیے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اس قسم کے پروگرام کا مقصد بالآخر یہ ہوگا کہ وہ یا تو توسیع یافتہ یا بنیادی خاندانی ڈھانچے کے اندر یا انفرادی طور پر معمر تارکین وطن کو اس بات کا اختیار دیں کہ وہ خود اپنی صورت حال پر قابو پالیں (چن، ڈنسٹن اور راس۔ شیرف، ۱۹۸۳ء)۔ اختیار دینے اور کسی حد تک خود انحصاری کے لیے تربیت اس پروگرام کو بھرپور بنادے گی (رکم اور کم، زیر طبع۔) مسلم برادری کی قیادت سماجی خدمات کے سرکاری اور نجی اداروں سے صحت، آمدنی کے استقرار اور دوسری فنی خدمات کے حصول کو آسان بنا سکتی ہے۔ نسلی یا مذہبی برادریوں سے مخصوص ایسی اضافی خدمات کے لیے جو سرکاری حلقے میں دستیاب نہیں ہیں نسلی یا مذہبی تنظیمیں منصوبہ بندی کرسکتی ہیں۔ افراد خاندان، احباب، پڑوسیوں اور معمر رشتہ داروں کو اس بات کی تربیت دی جاسکتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مسائل سے نمٹنے اور روز مرہ کی جذباتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے لچک دارانہ اور مشفقانہ انداز میں میل جول رکھیں۔

حواشی

امارا سنگھن ایل (۱۹۸۰ء) "Making Friends in a New Culutre: South Asian Women in Boston Massachusetts." مشمولہ *Uprooting and Development: Dilemmas of Coping with Modernization.* تدوین جی. کویلھو اور پی احمد، صفحہ ۴۱۷ تا ۴۴۴، نیویارک: پلینم۔

شان، الیف (۱۹۸۸ء) "To Be Old and Asian: An Unsettled Life in America." *Aging* 358 صفحہ ۱۴ تا ۱۵۔

چن جے، پی ڈنسٹن اور الیف راس۔ شیرف: (۱۹۸۳ء) *Mental Health and People of Color*۔ واشنگٹن ڈی سی: ہاورڈ یونیورسٹی پریس۔

ڈیوس، کے (۱۹۸۸ء) "Retirement as a Dubious Paradise - Another Point of View" مشمولہ *Issues in Contemporary Retirement* ایڈیٹر آر ریکارڈو۔ کیمپبل اور ای لیزیر صفحہ ۱۹۱ تا ۲۰۳، اسٹینفورڈ، کیلیفورنیا: ہوور انسٹیٹیوشن پریس۔

کیلفینڈ ڈی ای (۱۹۸۹ء) "Immigration, Aging and Intergenerational

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Relationships." The Gerontologist, 29 no 3. صفحہ ۳۶۶ تا ۳۷۱۔
گوزدزیاک ای (۱۹۸۸ء) "Distant Roots." Aging:359 صفحہ ۳ تا ۷۔
ہوئی مین ، این اور ایچ کیاک (۱۹۹۱ء) Social Gerontolgy: A Multi-disciplinary Perspective دوسرا ایڈیشن، بوسٹن: ایلن اینڈ بیکن۔
کیفری ڈبلو ودیگر (۱۹۸۵ء) "Adjustment Problems of Korean American Elderly": The Gerontologist 25 no. 5. صفحہ ۴۷۷ تا ۴۸۲۔
کم پی اور جے کم (زیر طبع) "Korean-American Elderly: Policy, Program, and Practice Implications" مشمولہ Social Work Practice with Asian Americans تدوین ایس فرونو، آر بسواس، ڈی چنگ، کے موریس اور ایف راس۔شیرف۔
مارکائڈس، کے اور سی منڈل (۱۹۸۷ء) Aging and Ethnicity۔ نیو بری پارک، کیلیفورنیا: سیج پبلی کیشنز۔
مٹکاف بی (۱۹۸۴ء) "Introduction" مشمولہ Moral Conduct and Authority: The Place of Adab in South Asian Society تدوین بی مٹاف صفحہ ۱ تا ۲۰ برکلے، کیلیفورنیا: یونیورسٹی آف کیلیفورنیا پریس۔
نیو مین بی ایم اور پی آر نیو مین (۱۹۸۵ء) Development Through Life: A Psychological Approach ہوم ووڈ، الی نوائے: ڈورسی پریس۔
اوساکو ایم ایم (۱۹۸۸ء) "'Downward Mobility' as a Form of Phased Retirement in Japan", Ageing International 15, no. 2. ص ۱۹ تا ۲۲۔
ریکارڈو۔کیمپبل، آر اور ای لیزیر؛ مدیر (۱۹۸۸ء) Issues in Contemporary Retirement اسٹینفورڈ، کیلیفورنیا: ہوور انسٹی ٹیوشن پریس۔
راس۔شیرف، الیف اور اے ناجی (۱۹۹۱ء) "Islamic Identity, Family and Community: The Case of the Nizari Ismaili Community." مشمولہ Muslim Families in North America تدوین ای واہ، ایس ابولبان اور آر قریشی، صفحہ ۱۰۱ تا ۱۱۸۔ ایڈمنٹن، البرٹا: یونیورسٹی آف کیلگری پریس۔
سکاہراوائی (۱۹۸۸ء) "Reaching out to Families of the Asian Elderly." Aging 358 صفحہ ۱۱ تا ۱۳۔
وھیلرنی، تدوین (۱۹۷۹ء) The Immigrant Experience۔ نیویارک: پینگوئن بکس۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۹

ڈیلانو کے یمنی

ایک دیہی اسلامی آبادی کے خدوخال

جوناتھن فریڈ لینڈر

اس باب میں یمنی مسلمانوں کی چھوٹی سی آبادی کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے جو کیلی فورنیا کے زرعی قصبے ڈیلانو اور اُس کے مضافات میں آباد ہے۔ یہ بیانیہ، زمینی تحقیق اور اُس تصویری مطالعے پر منحصر ہے جو ۱۹۸۰ء سے مسلسل کیا جا رہا تھا۔[1] اس میں زیادہ توجہ تبدیلی کے اس عمل پر دی گئی ہے جس کا تجربہ یمنی زرعی کارکنوں اور زیادہ تر ان کے خاندانوں کو اپنے عارضی قیام سے مستقل آبادکاری کے سفر میں ہوا۔ اس باب میں یمنی تارکین وطن کے پس منظر اور اس ترقی پذیر برادری کی خصوصیات۔ پیشہ اور کام، صحت، آرام، سیاست اور مذہبی مسائل۔ پر خاص طور سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ یمنی تشخص کو قائم ودائم رکھنے کے لیے تحفظ اور انجذاب کی جن متضاد قوتوں کا سامنا ہے ان کا بھی پتا چلایا گیا ہے۔

ڈیلانو کا قصبہ لاس اینجلس سے تقریباً ڈیڑھ سو میل شمال کی جانب جنوبی سان جواکن کی وادی میں واقع ہے۔ ایک نسبتاً مختصر مگر خوش منظر سفر کے بعد مسافر انٹر اسٹیٹ ۵ پر ان پہاڑیوں کے درمیان میں سے گزرتا ہے جو گرمیوں میں سنہری زرد ہو جاتی ہیں۔ یہ شاہراہ بڑی تیزی کے ساتھ فورٹ تیجان اور گزشتہ صدی کے آغاز کی فوجی چھاؤنی سے گزرتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ جاتی ہے جو امریکا کی شتر فوج (US Camel Corps) اور اس کے کمانڈر حاج علی کی آخری منزل تھی۔ حاج علی مغرب کی تاریخ میں ہائی جولی (Hi Jolly) کے نام سے مشہور ہے۔ وہ غالباً پہلا مسلمان تھا جس نے کیلی فورنیا کی سان جو اکن ویلی پر اپنی توجہ مرکوز کی تھی۔ وہاں کے کھیتوں میں جو سیکرا منٹو ویلی (Sacramento Valley) کے شمال میں کوئی چار سو میل پر محیط ہیں حاج علی کے زمانے سے کافی تبدیلیاں آ چکی ہیں، خاص طور سے اناج کی مشینی کاشت کا طریقہ مزدوروں کے ذریعے پھلوں اور سبزیوں کی کاشت کے طریقے میں بدل گیا ہے۔ اس تاریخی تغیر کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دیسی اور غیر ملکی مزدوروں، خصوصاً حال میں آئے ہوئے یمن کے دیہاتیوں پر انحصار زیادہ بڑھ گیا ہے۔

جلد ہی بین الریاستی شاہراہ دو حصوں میں بٹ کر کیلی فورنیا ۹۹ بن جاتی ہے۔ جو کبھی ڈیلانو لے جانے والی یمنی آبادکاروں کی خاص سڑک اور آبی گزرگاہ تھی۔ ایک صدی سے زیادہ مدت تک زرعی کام کی وجہ سے مقامی اور غیر ملکی باشندے دونوں اس جگہ آتے رہے: دیسی امریکی جنہیں مویشی باڑوں میں کام کرنے کے لیے مجبور کیا گیا: ایشیائی۔ چینی، جاپانی اور فلپائنی؛ ایلس آئی لینڈ کے دور کے آئے ہوئے یورپی، اوک والے جو (وسطی ریاست ہائے متحدہ امریکا کے) گردباد اور عظیم کساد بازاری (Dust Bowl & Great Depression) سے بھاگ کر آئے تھے؛ اور میکسیکو سے آنے والے مزدوروں کے سلسلے، جن سے کاشت کاری کا کام کرنے والے لاتعداد ہسپانوی نژاد مزدوروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ یمنی اس منظر نامے میں ۱۹۵۷ء میں داخل ہوئے جب ایک درجن نوجوان لوڈی اور اسٹاک ٹن سے گاڑیوں سے ڈیلانو کے علاقے میں پہنچے۔ وہ وسطی یمن کے پہاڑی علاقوں کے دیہاتوں سے، جو انتہائی تکلیف دہ ریگستانوں میں گھرے ہوتے تھے، ایک سرسبز وشاداب ماحول میں پہنچے تھے لیکن یمنی اپنے آبائی وطن کو ''جنت'' سے تعبیر کرتے تھے۔ پرآشوب سیاسی حالات، نانِ شبینہ تک کی محتاجی اور سمندر پار کام ملنے کے امکانات کی وجہ سے ہزاروں یمنی نیو یارک اور شمال مشرقی اور وسطی مغربی شہروں میں آ گئے۔ ان کارکنوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کئی سو یمنی مغرب کی طرف وادی سان جو اکن (San Joaquin)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے وسیع وعریض کھیتوں میں آپہنچے۔ اگرچہ یہ لوگ پیشے کے لحاظ سے کسان تھے لیکن کیلی فورنیا میں کام کرنے کے لیے ان کی یمن میں کوئی تربیت نہیں ہوئی تھی۔ ایک کارکن نے اپنی یادوں کو کچھ ان الفاظ میں تازہ کیا: ''ہمیں (نئے تارکین وطن کو) بیوقوف بنایا گیا تھا۔ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ہمارے یمنی دوست یہاں کس قسم کا کام کر رہے ہیں... میں سوٹ پہن کر، نکٹائی لگا کر اور نئے جوتے پہن کر (اپنے یمنی ساتھیوں کے پاس) پہنچ گیا۔ وہ سب مجھے دیکھ کر ہنسنے لگے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں وہائٹ ہاؤس میں کام کرنے جا رہا ہوں۔''

ڈیلانو میں ابتدائی یمنی تارکین وطن کی ملاقات یوگوسلاوی اور اطالوی تارکین وطن سے ہوئی جو اس وادی میں کوئی پچاس سال پہلے آئے تھے۔ جنوبی یورپ کے کاشتکاروں نے جو اب نہایت کامیاب ادر مالدار لوگ ہیں پہلے پہل خوردنی انگور کی صنعت کو متعارف کرایا اور اسے پروان چڑھا کر ایک بے مثل حیثیت دلوادی (جہاں سے یہ منصوبہ شروع ہوتا ہے وہاں داخلے ہی پر ایک سائن بورڈ آویزاں تھا جس پر لکھا ہوا تھا ''انگور۔ ہماری شہرت کا سبب'')۔ فلپائنی مزدوروں کے ٹھیکے دار اور نگراں ابتدائی دنوں ہی میں اتنے بااثر ہو چکے تھے کہ وہ معاوضے لے کر نوکری دلواتے تھے۔ یمنیوں نے بھی زرعی کاموں میں مصروف جاپانیوں کا مقابلہ کیا جو اب تک معاشی ترقی کی بلندیوں تک پہنچ چکے ہیں اور شہری پیشہ ور طبقوں میں شامل ہو گئے ہیں۔ اس منظر کی تکمیل کرنے والے دوسرے گروہوں میں ہندو، سکھ اور ایرانی کاشتکار اور زمیندار شامل ہیں۔ اب وہاں جگہ جگہ یہ عبارت لکھی دکھائی دیتی ہے۔ ''ڈیلانو، بین الاقوامی اشتراک کار کی نمائندہ برادری''۔ دراصل یہ عبارت ڈیلانو کی بدلتی ہوئی نسلی ترکیب اور اس کے مزاج اور تعمیر کو فوراً ظاہر کر دیتی ہے۔ امریکا کی طرف عربوں کے بڑھتے ہوئے ترک وطن کا رجحان اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں یمنیوں کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا۔ کیونکہ ڈیلانو کے کاشتکاروں نے جب دیکھا کہ یمنی بڑے محنتی اور قابلِ اعتماد کارکن ہوتے ہیں تو وہ سابق عرب جمہوریہ یمن اور مارکسی جنوبی یمن سے بھی ان کے طویل سفر کے اخراجات برداشت کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس عرصے میں بہت سے کارکن بطور خاص یا تو یمنیوں کے کیمپوں میں یا ملی جلی قومیتوں کے کیمپوں میں رہتے تھے۔ چند لوگوں نے کھیتوں سے قریب قصبوں کے اندر شراکت میں اپارٹمنٹ کرائے پر لے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھے تھے۔ ایک ممتاز یمنی نگرانِ کار (فورمین) نے ۱۹۷۳ء میں یہ تخمینہ لگایا تھا کہ مرکزی وادی میں تقریباً دس ہزار یمنی رہتے تھے جب کہ نصف سے زیادہ یمنی آبادی ڈیلانو کے علاقے میں کام کرتی تھی۔

۱۹۷۰ء کے عشرہ کے وسط تک یمنی کارکنوں کی تعداد کم ہونا شروع ہوگئی کیونکہ متعدد افراد آٹو موبیل (بس، ٹرک اور موٹر کار وغیرہ) کی صنعت میں اچھے معاوضے پر بلکہ بعض اوقات اپنی موجودہ تنخواہوں سے دگنے معاوضے پر کام کرنے کے لیے چلے گئے۔ اس ایک عشرے کے دوران اور اس کے بعد مرکزی وادی میں یمنی آبادی مزید گھٹ گئی کیونکہ ان میں سے بہت سے امریکا میں اپنے کاموں کو مکمل کر کے مستقل بنیاد پر یمن واپس چلے گئے۔ عملی نقطۂ نظر سے امریکا کے لیے ہوائی جہاز سے آمدورفت کے اخراجات اور یمن میں تیزی کے ساتھ بڑھتی ہوئی مہنگائی کی وجہ سے یمنیوں کے لیے اپنے وطن کے قریب ہی سعودی عرب میں کام کرنا زیادہ نفع بخش ہوگیا۔ ترکِ وطن کا ویزا حاصل کرنے میں دشواریوں کی وجہ سے بھی یمنیوں کی تعداد گھٹ گئی۔ اب مرکزی وادی میں یمنیوں کی آبادی کا تخمینہ ایک ہزار لگایا گیا ہے اور اس میں آہستہ آہستہ اضافہ ہو رہا ہے کیونکہ مستقل طور پر آباد بہت سے یمنی اپنے خاندانوں کو بھی امریکا لے آئے ہیں۔

کاشتکاری اب بھی ڈیلانو، پورٹرویلے، رچ گروو، اور جنوبی سان جواکن وادی کے دوسرے مقامات کا روایتی پیشہ ہے۔ اگرچہ دسترخوانی انگور اب بھی یہاں کی خاص منافع بخش فصل ہے (جس کی ایک درجن سے زیادہ اقسام کاشت کی جاتی ہیں) تاہم یمن اور ہسپانیہ کے مزدور آلوچہ، ناشپاتی، خوبانی، چیری، خربوزہ اور مارچوب (اسپیریگس) اور دوسرے پھل اور سبزیاں بھی لگاتے ہیں۔ کاشتکاری کا لازمی تعلق موسم اور فصلوں سے ہوتا ہے۔ انگور کی بیلیں بونے کا کام موسم بہار میں اور پک کر تیار ہونے اور توڑنے کا کام گرمیوں اور خزاں کے موسموں میں ہوتا ہے۔ انگور کے باغوں میں ہر کام مثلاً انگور توڑنے، پیٹیوں میں رکھنے، ان کی ڈھیریاں لگانے اور ان کی نگرانی کرنے کے معاوضے کی شرح الگ الگ ہوتی ہے۔ فی کام کی بنیاد پر معاوضے کے علاوہ کم سے کم مزدوری پچاس ہزار ڈالر تک پہنچ جاتی ہے اور بعض تجربے کار یمنی فورمینوں کو سالانہ تنخواہ اس کے علاوہ ملتی ہے۔ سردی کے موسم میں جب کام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں خلل پڑتا ہے تو بہت سے کارکن بیکاری کا وظیفہ حاصل کر لیتے ہیں یا دوسرے لوگ میکسیکو کے قریب مزید جنوب میں امپیریل ویلی میں موسم سرما کی فصلوں کے کام پر چلے جاتے ہیں۔ بعض تو ایری زونا (Arizona) تک کا سفر کر لیتے ہیں۔ ایک یمنی کارکن نے شکایت کرتے ہوئے کہا ''سال میں چھ مہینے کام کرنا کوئی مستقل ملازمت تو نہ ہوئی۔ اور ان چھ مہینوں میں بھی دو مہینے ڈیلانو میں، اگلا مہینہ اسپیریکس کے کھیتوں میں اور بقیہ مہینے مختلف علاقوں میں۔ بس خانہ بدوشوں (جپسیوں) کی طرح سفر کرتے رہو۔'' ماضی میں اور کسی حد تک آج بھی یمنی کارکنوں کا مقصد زندگی کم از کم پانچ سال کیلیفورنیا میں ٹھہرنا، کام کرنا اور اپنی محنت کا پیسہ یمن بھیجنا تھا۔ ان کی اکثریت اس مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی ہے لیکن اس عمل میں انہیں اپنے خاندانوں سے طویل جدائی، تنہائی اور ذہنی دباؤ برداشت کرنا پڑا ہے۔ جیسا کہ ایک کارکن نے کہا ''تم کو اپنے خاندان سے دوری برداشت کرنا ہی ہوگی۔'' ان میں سے بعض لوگ دو، تین یا چار سال بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت کے لیے یہاں ٹھہرتے ہیں اور غمزدہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں کوئی شخص انہیں غلط مشورہ دے دیتا ہے ''تم بیئر کیوں نہیں پی لیتے۔ ہوسکتا ہے تم بہتر محسوس کرو۔'' دوسرے نسلی گروہ ان شدائد کو برداشت کرتے رہتے ہیں۔ ۲۹ ستمبر ۱۹۹۱ء کو لاس اینجلس ٹائمز میں صفحہ اول پر ایک مضمون چھپا تھا جسے سان جوا کن کے مقامی اخباروں نے بالاقساط شائع کیا تھا۔ اس میں بتایا گیا تھا ''بدبختی اور غربت کیلی فورنیا کے کسانوں میں پھر عام ہوگئی ہے۔''

اس کے برعکس ڈیلانو کے علاقے میں انگور کے باغات میں سرمایہ کاری کے ذریعے خاندانی ملکیت کے کاروبار کو اور کمپنیوں کے مزدوروں کو بڑا فائدہ پہنچا، ان کے اثاثے اس علاقے کی مختلف النوع اور مضبوط معیشت کا لازمی جزو ہیں، جنہیں کپاس، مویشی، پٹرولیم، کیمیکلز، کھیتوں میں استعمال ہونے والی مشینوں اور اعلیٰ فنی صنعتوں سے مزید استحکام پہنچا۔ اس کے باوجود زراعت کے پیشے میں خطرہ بھی ہے اور اس کے لیے بڑی سرمایہ کاری بھی درکار ہے۔ گرمی کے موسم میں بارش کے ذرا سے امکان پر باغبان اپنے بہترین انگوروں کو بچانے کے لیے ان پر پلاسٹک کی رنگین چادریں ڈال دیتے ہیں جو انگور کے باغ کے پورے ماحول کو یکسر بدل دیتی ہیں۔ خشک سالی، ژالہ باری اور ضرر رساں کیڑے مکوڑے بھی فصل کو بے انتہا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نقصان پہنچا سکتے ہیں جس سے باغبان اور مزدور دونوں ہی یکساں طور پر متاثر ہوتے ہیں (۱۹۹۱ء کی برف باری سے نارنگیوں کی فصل کو جو نقصان پہنچا اس سے ہزاروں مزدور بے روزگار ہوگئے)۔ انسانی غلطیاں قدرت کے کاموں کو اور خراب کردیتی ہیں مثلاً ایک بار گرمیوں کے موسم میں انتہائی قیمتی انگور کی فصل اس وجہ سے خراب ہوگئی کہ برف خانے کا درجہ حرارت بہت زیادہ اونچا رکھ دیا گیا تھا۔ نتیجتاً اس سال کمپنی کی سالانہ پکنک منسوخ کردی گئی۔

صحت کے مسائل یمنیوں اور دوسرے فارم اور کھیت کے مزدوروں کی پریشانی کا سبب بنے رہتے ہیں اور فارم کے مالکوں کے ساتھ تنازعات کا باعث ہوتے ہیں۔ کھیتی باڑی میں جو شدید جسمانی محنت کرنی پڑتی ہے اُس کے نتیجے میں پیٹھ میں تکلیف شروع ہوجاتی ہے، بازو یا ٹخنے ٹوٹ جاتے ہیں یا درد کا سبب ہوتے ہیں اور درختوں سے گر کر مزدور زخمی ہوجاتے ہیں۔ ان تمام صورتوں میں اسپتال میں داخل ہونا پڑتا ہے اور مسلسل طبی نگہداشت کی ضرورت پڑتی ہے۔ بہر حال مزدوروں کے زخمی ہوجانے کی صورت میں معاوضے کے مقدمات اکثر خارج ہوجاتے ہیں کیونکہ عدالتوں پر کیلی فورنیا کے گورنر زرعی فارموں کے مالکوں کے حق میں اثر انداز ہوتے ہیں۔ جراثیم کش دواؤں سے سانس کی نالیوں اور اعصاب کو پہنچنے والا نقصان ایک زیادہ سنگین مسئلہ ہے۔

ایک یمنی کارکن نے جو نسلی امتیاز کے خلاف عرب امریکی کمیٹی میں ڈیلانو کی نمائندگی کررہا تھا کہا ''کھیتوں میں جراثیم کش دوائیں چھڑکنے میں بہت سے لوگوں کو دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کوئی چھینک رہا ہے، کسی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ کھیت میں خود میری یہی کیفیت ہوجاتی ہے۔ اب اگر میں کھیت میں کسی مزدور کو دیکھنے جاؤں تو میں صحیح طریقے سے سانس نہیں لے سکتا۔ پہلے مجھے اس قسم کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ میری آنکھیں، میری ناک اور میرا سینہ۔ میرے خیال میں یہ کیفیت اس وقت پیدا ہوئی جب میں نے پتیاں نوچیں۔ جب درختوں پر کیمیائی مادہ چھڑکتے ہیں تو اس وقت میری یہی کیفیت ہوجاتی ہے۔ میں بیمار پڑا اور اتنے سارے ڈاکٹر مجھے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے۔ ہمارے یہاں ایک ضعیف آدمی تھا وہ اسی لیے یہ ملک چھوڑ کر چلا گیا۔ ہم چار مہینے تک اس کے معاملے کی پیروی کرتے رہے لیکن بالآخر ہم ہار گئے۔ اس نے سماجی تحفظ کے فوائد کے لیے درخواست دی۔'' قریبی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہر میکفر لینڈ میں سرطان کا بڑا سبب گزشتہ کئی برسوں سے جراثیم کش دواؤں کے استعمال کو بتایا گیا (ایک کمپنی کے ایک یمنی معاون نے احمقانہ طور پر میکسیکو کے خشک کنوؤں میں چھڑ کے گئے کیمیاوی مادے کو سرطان کا سبب قرار دیا)۔ اگرچہ زمین اور دوسری اشیاء کے معائنے پر کسی قسم کے زہریلے مادے کا سراغ نہیں ملا لیکن سرطان کا خطرہ تو بہر حال موجود رہتا ہے۔ حال ہی میں آٹھ سال تک سرطان کے مرض میں موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد ایک کمسن بچی کی موت سے ۱۹۷۰ء کے عشرے کے انگور کے بائیکاٹ والی باتیں پھر شروع ہو گئیں۔

یمن سے عورتوں اور بچوں کی آمد نے ترک وطن کے سلسلے میں عارضی قیام کے مرحلے کے ختم ہونے کی نشان دہی کر دی۔ متعدد کارکنوں نے اپنی گزر بسر کے لیے چھوٹے چھوٹے کاروبار خریدنے کی خاطر اپنے وسائل یکجا کیے۔ اس وقت شاہراہ ۹۹ کے کنارے۔ پکسلی، بیکرز فیلڈ، مرسڈ، موڈسٹو، اسٹاک ٹن اور فریسنو کے علاوہ اوک لینڈ میں بھی، جہاں کیلیفورنیا میں یمنیوں کا سب سے بڑا اجتماع ہے۔ گاؤں، دیہاتوں اور شہروں میں تین سو سے زیادہ یمنیوں کے اسٹور موجود ہیں۔ دیہات کی ان سڑکوں سے، جو انگور اور دوسرے پھلوں کے باغوں، کپاس کے کھیتوں اور بادام اور پستوں کے درختوں کے جھنڈ کی بے اندازہ وسعت کو کاٹتی جاتی ہیں، گزرنے والے کو ایک چھوٹا سا اسٹور نظر آئے گا جس میں ٹھنڈے مشروبات اور بیئر کی بوتلیں اور ہسپانوی گاہکوں کے ذوق کے مطابق مختلف اقسام کی خشک کی ہوئی سرخ اور سیاہ مرچ سمیت مختلف غذائی اشیاء دستیاب ہیں۔ ان اسٹوروں میں عام طور سے چمکتا دمکتا ارغوانی لباس پہنے ایک عورت تھڑے پر بیٹھی رقم وصول کر رہی ہوگی۔ اس کے ساتھ اس کے بچے شرمائے ہوئے انداز میں گاہکوں کو دیکھ رہے ہوں گے جب کہ ان بچوں کا باپ گودام میں سامان رکھ رہا ہوگا۔ یمنیوں کے اسٹور عام طور سے قصبوں کے کنارے واقع ہوتے ہیں جہاں یمنی خاندان کاروبار میں ہسپانویوں اور سکھ آباد کاروں کا مقابلہ کرتے ہیں۔

اپنے شوہروں یا خاندان کے دوسرے افراد کی مدد کرنے والی یمنی عورتیں بہر حال قلیل تعداد میں ہیں۔ زیادہ تر وہ الگ تھلگ اپنے گھروں میں رہتی ہیں اور گھر کے باہر کے کام کاج کے لیے بڑی حد تک کمسن بچوں کا سہارا لیتی ہیں۔ ان خاندانوں کے لیے بڑی تیزی کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ جوانی میں قدم رکھنے والے بچوں کی تادیب وتہذیب کا مسئلہ پیدا ہو رہا ہے۔ بچوں کی تربیت میں دادا دادی کے شریک نہ ہونے کی وجہ سے شوہروں کی یہ شکایت مسائل کو اور پیچیدہ کر رہی ہے کہ ماں کی تربیت بہت ڈھیلی اور ناقص ہے۔ ایک انتہائی شدید واقعہ یہ رونما ہوا کہ نسلی خلائی کش مکش کا لاوا ایک نوجوان دوشیزہ کے سنسنی خیز قتل کی صورت میں پھٹ پڑا جو اپنے خاندان سے بغاوت پر اتر آئی تھی۔ اس کا قاتل، جو اس کا اپنا چچا زاد (کزن) بھائی تھا، یمن بھاگ گیا۔ اس کے اس فعل کو اہل خاندان اور دوسرے یمنی اب بھی صحیح سمجھتے ہیں۔

موجودہ کش مکش کے باوجود یمنی اپنی محنت کے پھل سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ طبعاً وہ دیہاتی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور دیہی ماحول کی سست روی اور طرز زندگی کو شہری مراکز کی ہنگامہ خیز زندگی پر ترجیح دیتے ہیں (بعض کارکن ڈیلانو میں تیس سال سے زیادہ عرصے سے مقیم ہیں لیکن انہوں نے اب تک قریب ہی لاس اینجلس جیسا عروس البلاد نہیں دیکھا)۔ فرصت کے اوقات میں وہ دیہی میلوں، فصل کٹائی کی تقریبات یا برادری کے ساتھ قریب کے پہاڑ پر پکنک کے لیے چلے جاتے ہیں۔ کمپنی کی طرف سے پکنک عموماً نومبر کی ابتداء میں ہوتی ہے جس میں سینکڑوں کارکن، سپروائزر، منتظم اور مالک اور ان کے خاندان شریک ہوتے ہیں جہاں باربی کیو کا بڑا شاندار انتظام ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ بینڈ باجا بھی ہوتا ہے جو میکسیکو کی مقبول دھنوں کے علاوہ یمنیوں کے لیے ''یا مصطفٰے'' کی دھن بھی بجاتا ہے۔ ڈیلانو میں ایک طویل المیعاد پٹے پر لیا ہوا یمنی ایسوسی ایشن ہال غیر رسمی اجتماعات' اجلاسوں اور وقت گزاری کی خاطر تاش کھیلنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ڈیلانو کے پورے علاقے میں پھیلے ہوئے قریبی رشتوں کے یمنی خاندانوں کے لیے باہمی رابطہ قائم رکھنے کا واحد ذریعہ سماجی ملاقاتیں ہیں۔

اگرچہ ڈیلانو میں یمنی سیاسی طور پر بہت فعال نہیں ہیں تاہم بہت سے ایسے معاملات میں جو ان کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں، وہ بڑی پختہ رائے رکھتے ہیں۔ ناجی ضیف اللہ ایک یمنی کارکن تھا جو یونائیٹڈ فارم ورکرز یونین (یو ایف ڈبلو) کی حمایت کرتا تھا، اسے قتل کر دیا گیا تھا، دس سال گزر جانے کے بعد بھی یمنی اس کے قتل پر گرما گرم بحثیں کرتے رہتے ہیں۔ اس عرصے میں یو ایف ڈبلو، جسے شمالی یمنی کارکنوں کی اکثریت کمیونسٹ کہتی ہے، کے اثرات بہت گھٹ گئے۔ شمالی یمن اور مارکسی جنوبی یمن کے اتحاد نو اور سوویت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونین اور مشرقی یورپ میں اشتراکیت کی موت کو سوویت یونین کے بارے میں یمنی اپنے موقف کی صداقت کا ثبوت قرار دیتے ہیں۔ امریکی سول لبرٹی یونین کا فیلڈ آفس بند ہو جانے کی وجہ سے کرن (Kern) کاؤنٹی میں سرگرم کارکنوں کے ایجنڈے پر ایک ضرب اور لگی۔ جیسا کہ امریکا سول لبرٹی یونین کے ایک حامی نے لاس اینجلس ٹائمز میں ۱۴؍جنوری ۱۹۹۲ء کو اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا ''اگر عوام 'لبرل' گروپ کے خلاف کھلم کھلا دشمنی کا اظہار نہیں کرتے تو اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کپاس بونے یا زمین سے تیل نکالنے میں اس قدر مشغول ہیں کہ وہ اس طرف پوری توجہ نہیں دے سکتے ... ممکن ہے کسی روز پنڈولم کسی قدر بائیں طرف جھک جائے تب ہم دوبارہ کوشش کر سکتے ہیں۔'' ڈیلانو کے یمنیوں نے روایتی طور پر اپنے جھگڑے اندرونی طور پر طے کرنے کا انتظام کیا ہے اور کام سے متعلق ان کی شکایتیں دور کرانے میں ان کے فورمینوں نے بڑے مؤثر رابطے کا فریضہ انجام دیا ہے۔ تاہم ان کی زندگیاں بڑے سخت انداز میں اُن مباحثوں کے ساتھ ساتھ گتھی ہوتی ہیں جو دیہی اور شہری دونوں علاقوں میں بحیرۂ روم کے پھلوں کو تباہ کرنے والی مکھیوں کو ختم کرنے کے لیے میلاتھیون کے چھڑکاؤ سمیت ماحولیاتی تبدیلی کے سبب سرسبز علاقوں کے مسائل، کرم کش ادویات اور صحت سے متعلق دوسرے مسائل سے متعلق ہیں۔ بڑے پیمانے پر پانی کی فراہمی کے مسائل اور وسطی کیلی فورنیا میں تمام زرعی کارکنوں کی کثیر تعداد کی نمائندگی جیسے مسائل زراعت کی سیاست میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

یمنیوں کے بارے میں یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ وہ اپنی قومی سیاست پر گفتگو کرتے ہیں۔ یمن میں جاری جمہوریت لانے کی کوششیں اور سعودی عرب سے یمنی کارکنوں کے اخراج کے نتیجے میں معاشی مسائل، جن سے سعودیوں کے ساتھ سرحد کے قدیم جھگڑے اور شدید ہو جاتے ہیں، یہ سب یمنیوں کی دلچسپی کے مسئلے ہیں جن میں ان لوگوں کے بیانوں سے مزید اضافہ ہوتا ہے جنھوں نے حال میں یمن کا سفر کیا ہے۔ یمن اور مشرق وسطیٰ کی سیاست پر گفتگو عموماً تجریدی انداز میں ہوتی ہے لیکن یمنیوں اور ان کے سیاسی اداروں کے نمائندوں۔ سان فرانسسکو میں یمن کے قونصل خانے اور یمنی آبادکاروں کی انجمن کے درمیان گفت وشنید عام طور سے باقاعدگی سے لیکن وقفے وقفے سے ہوتی ہے۔ یمنی افسروں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی نظروں میں ڈیلانو برادری کی اہمیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ یمن کی آزادی کی پچیسویں سالگرہ کے موقع پر منعقدہ جلسے میں امریکا میں یمنی سفیر نے شرکت کی ۔ اس جلسے میں ڈیلانو کے کئی مینجر، دوسرے سرکاری افسران اور تقریباً پانچ سو کارکن شریک تھے۔ اس کے بعد کا واقعہ یہ ہے کہ یمن کے صدر علی عبداللہ صالح سان فرانسسکو آئے تھے تو ان سے ملاقات کرنے کے لیے ڈیلانو کے علاقے سے متعدد یمنی فورمینوں کو دعوت دی گئی تھی۔

یمنیوں کا امریکی سیاسی اداروں سے رابطہ بہت کم ہوتا ہے کیونکہ مشرق وسطیٰ میں امریکا کی خارجہ پالیسی اور عربوں اور مسلمانوں کی جانب حکومت کے رویے کے بارے میں یمنی ملے جلے جذبات رکھتے ہیں۔ جنگ خلیج کے دوران صدام حسین کو یمن کی اعلیٰ پیمانے پر امداد نے بہت سے یمنیوں کو دفاعی موقف اختیار کرنے پر مجبور کردیا تھا۔ عربوں اور مسلمانوں کے بارے میں امریکا کے متعصّبانہ رویے نے جسے اُن کے قومی ذرائع ابلاغ نے مسلسل پیش کیا ہے صورتِ حال کو مزید خراب کردیا۔ ''یرغمالیوں کے بحران'' کے دنوں میں بعض یمنیوں کو غلطی سے ایرانی سمجھ لیا گیا اور انہیں امریکیوں نے بہت تنگ کیا۔ توقع ہے کہ یمنیوں اور ڈیلانو کی عام آبادی کے درمیان روزمرہ کے میل جول سے زیادہ رواداری پیدا ہوگی۔ ڈیلانو اور بیکرز فیلڈ کے اخباروں میں ابھی حال میں رمضان شریف کے روزوں کے متعلق جو مضامین شائع ہوئے ہیں وہ کیلی فورنیا کے دیہاتوں میں رہنے والے یمنیوں، عربوں اور مسلمانوں کے ساتھ بہتر افہام وتفہیم کی جانب ایک اہم قدم ثابت ہوسکتا ہے۔

ڈیلانو میں یمنی برادری کی بڑھتی ہوئی مذہبیت کو سان جواکن کی وادی میں آبادکاری کے مخصوص مرحلوں سے مربوط کیا جاسکتا ہے۔ عارضی قیام کے اس مرحلے نے، جس میں گھر سے بے گھر ہونے اور وطن سے دوری نے اور شدت پیدا کردی، بعض یمنیوں کو اسلام سے دور کردیا ہے۔ جیسا کہ ایک کسان نے اپنی یاد تازہ کرتے ہوئے کہا ''یمن میں ہم اپنے دیہاتوں میں دن میں پانچ بار اذان کی آواز سنتے ہیں، ہم کوئی بھاری کام نہیں کرتے، اپنی زبان بولتے ہیں۔ وہاں بیئر نہیں ہوتی، رقص نہیں ہوتا، یہاں جیسی چیزیں وہاں نہیں ہوتیں۔ اور وہاں ہمیں بڑی تعداد میں ایسے لوگ نظر آتے ہیں جو اپنے دستور کے مطابق روزانہ عبادت کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ یہاں آتے ہیں تو ...وہ نماز ترک کرنے لگتے ہیں اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امریکیوں کی طرح شراب پیتے ہیں، ناچتے ہیں اور اسی قسم کے کام کرتے ہیں۔'' لیکن یمن سے عورتوں اور بچوں اور خاندان کے بزرگوں کی آمد نے رویوں میں قدامت پرستی پیدا کردی اور اسلام میں دوبارہ دلچسپی کی شمع روشن کردی۔ یمنی مذہبیت کا انکشاف مختلف عوامل سے ہوتا ہے جس کی ابتدا اسلام کے پانچ ارکان سے ہوتی ہے۔

صلوٰۃ (نماز)

اگرچہ زیادہ تر دیندار یمنی اپنے گھروں پر نماز پڑھتے ہیں لیکن کوئی پانچ سال پہلے تک مختلف مزدور کیمپوں میں انفرادی اور اجتماعی نماز ہوتی تھی۔ مخصوص یمنی کیمپوں میں عارضی طور پر بنائی ہوئی مسجدیں پنج وقتہ نمازوں کی ادائیگی کا مرکز تھیں۔ چونکہ طہارت نماز کی لازمی شرط ہے لہٰذا کارکن کیچڑ اور گرد وغبار سے بھرے ہوئے انگور کے باغوں میں روزانہ تھکادینے والے کام شروع کرنے سے پہلے اور ختم کرنے کے بعد یعنی صرف صبح اور شام کی نماز ادا کرتے تھے۔ فورمین اور دوسرے ایسے کارکن جن کی رسائی گاڑیوں تک تھی اپنے گھر یا کیمپ واپس آ کر ظہر (دوپہر) کی نماز پڑھتے تھے اور کچھ دیر آرام بھی کر لیتے تھے۔ کیمپوں میں بارونق اور چہل پہل والے دنوں میں کوئی شخص جماعت کی امامت کر لیتا تھا جس کی لیاقت محض خوبصورت آواز اور قرآن خوانی ہوتی تھی۔ یہی معیار ان امام صاحب پر بھی منطبق ہوتا ہے جو ان دنوں یمنی ایسوسی ایشن ہال میں نماز پڑھاتے ہیں۔ اگر یمنی کسی باقاعدہ مستند امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہیں تو وہ عموماً بیکرز فیلڈ کی مسجد جاتے ہیں۔

صوم (روزہ)

نماز کی طرح رمضان شریف کے روزے بھی، جن میں مسلمانوں کو ایک مہینے تک دن کے اوقات میں کھانے پینے سے پرہیز کا حکم دیا جاتا ہے، ڈیلانو کے یمنی مختلف طریقوں سے رکھتے ہیں۔ کھیت میں کام کرنے والے مزدوروں کے لیے روزہ خاص طور سے بہت سخت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے۔ دکانوں میں حالات کار چونکہ زیادہ قابل برداشت ہوتے ہیں لہٰذا اسٹوروں کے مالکان روزہ رکھنے کے زیادہ پابند ہوتے ہیں۔ عارضی قیام کے دوران میں افطار (روزہ کھولنے) کا انتظام یمنی مزدور کیمپوں میں ہوتا تھا۔ آج کل روزہ کھولنے کا طریقہ یہ ہے کہ خاندان کے ارکان اور احباب یکجا ہوکر رات کا کھانا کھاتے ہیں۔ اس موقع کے لیے خاص کھانوں کا اہتمام کیا جاتا ہے جن میں میٹھے پھل اور بطور خاص کھجور مرغوب غذاؤں میں شامل ہیں۔ رمضان کے مہینے کا اختتام نیا چاند دیکھ کر ہوتا ہے اور اگلے دن عیدالفطر صبح کی نماز پڑھ کر تقریب کی شکل میں مناتے ہیں۔ عیدالفطر کی نماز یمنی یا تو اپنے مرکز پر پڑھتے ہیں یا بیکرز فیلڈ کی مسجد میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

حج

حج کی ادائیگی کے لیے مکہ کا سفر، جو ہر (ذی استطاعت) مسلمان پر فرض ہے، یمنی کارکنوں کے لیے خصوصی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ امریکا میں ان کے طویل قیام نے اس مقدس فرض کی ادائیگی میں تاخیر کردی ہے۔ جزیرہ نمائے عرب کا یہ مہنگا سفر (جو بطور عیش وعشرت عموماً خاندان والوں سے ملاقات کے لیے مخصوص رکھا جاتا ہے) ہمیشہ انتہائی جذباتی اور مہتم بالشان حیثیت رکھتا ہے۔ ایک ممتاز یمنی فورمین کو کمپنی کی ایک ہنگامی میٹنگ میں شرکت کے لیے سعودی عرب سے واپس آنا پڑا۔ اس میٹنگ میں انگور کی کٹائی کے لیے ایک اہم فیصلہ ہونا تھا جس میں اس کی شرکت ضروری تھی۔ (فورمین کے خیال میں حج میں اس کے شریک نہ ہوسکنے کا سبب اس کی کسی پچھلی غلطی کی سزا تھی جو اسے اللہ تعالیٰ نے دی)۔ اسی فورمین نے اگلے سال حج ادا کیا لیکن اس سال زمین دوز راستوں میں ہوا کی آمدورفت کا نظام خراب ہوگیا اور ہزاروں حاجی اس میں پھنس کر جاں بحق ہوگئے۔ اس خبر سے اس کے اہل خاندان سخت پریشان ہوئے۔ مکہ معظمہ سے فورمین کی بحفاظت واپسی کے بعد، رسم کے مطابق، اسے حاجی کا قابل احترام لقب مل گیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زکوۃ

ایک متقی مسلمان کے فرائض میں ضرورت مندوں کی مدد کے لیے عُشر یعنی دسواں حصہ دینا ضروری ہے، اسی طرح فلاحی مقاصد کے لیے بھی تعاون کرنا لازمی ہے۔ایک انتہائی متحد برادری ہونے کی حیثیت سے یمنی خود کو اس بات کا پابند سمجھتے ہیں کہ وہ نئے آنے والے خاندانوں کی جدوجہد اور ابتدائی اخراجات میں مالی تعاون کریں۔ اسی طرح دوسرے ضرورت مندوں مثلاً ایسے بیمار رشتے داروں کی مدد کریں جنہیں اسپتال میں داخلے اور انتہائی نگہداشت کی ضرورت ہے۔ ان خاندانی ذمہ داریوں کی وجہ سے مذہبی اور تعلیمی اداروں کا قیام اور ان کی دیکھ بھال بہت کم ہو پاتی ہے۔یمنی اب تک اتنے مالی وسائل فراہم نہیں کر سکے ہیں کہ وہ اپنا کوئی اسلامی مرکز چلا سکیں۔

عقیدے کا اقرار (شہادة)

غالباً بغیر کسی استثناء کے تمام یمنی خدا کی قدرت کا ملہ اور حکمت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس عقیدے کی تائید وہ ان لالچی اشخاص کی کہانی سے کرتے ہیں جنہوں نے اپنی نارنگی کے نوخرید باغ کی حفاظت کے لیے اسکے چاروں طرف باڑھ لگا دی لیکن پورے ڈیلانو میں وہ واحد باغ تھا جسے پالا مار گیا اور ساری رقم ڈوب گئی۔ دوسری طرف لادینی معاشرے کی ترغیبات نے ایمان والوں کے دلوں میں کچھ شبہات بھی پیدا کر دیئے ہیں، جیسا کہ برادری کے ایک ممبر نے کہا ”خدا جانتا ہے کہ میں عبادت کرتا ہوں لیکن اور کوئی مجھے نہیں دیکھتا۔ خدا جانتا ہے۔ کوئی مجھے نہیں دیکھتا لیکن خدا مجھے دیکھتا ہے، میں عبادت کرتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ مجھے کس پر ایمان لانا چاہیے؟ عیسائیت، اسلام یا بدھ مت۔ میں نہیں جانتا۔ کیونکہ کوئی شخص ثابت نہیں کرتا۔ کوئی بھی جنت میں جا کر واپس نہیں آیا ہے۔ تم بتاؤ، تمہیں کیسے معلوم کہ جنت کا وجود ہے، کوئی نہیں جانتا۔ کیا تم ثابت کر سکتے ہو؟“

دوسرے مذہبی مسائل آبادکاروں کی روزمرہ زندگی اور قوتِ فیصلہ پر اثر انداز ہوتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ کام کے معاملے میں یمنیوں کو شراب کی فروخت کے سلسلے میں اپنے اصولوں سے سمجھوتا کرنا پڑتا ہے: ''بعض لوگ یہاں شراب، بیئر اور ایسی ہی دوسری چیزیں فروخت کرنا شروع کردیتے ہیں۔ ایسے بہت سے لوگ ہیں۔ جب تم کریانہ کی کوئی دکان خریدتے ہو جس میں شراب بھی بکتی ہے تو تمہارا شراب کا کاروبار چل پڑتا ہے۔ اگر تم شراب بیچنا بند کردو گے تو تمہارا کاروبار ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ اگر تم اسے بند کررہے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ تم دو لاکھ سے تین لاکھ ڈالر بلاوجہ کھو رہے ہو''۔ شراب نوشی کے سلسلے میں بھی انہیں سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔ ''جب تم اسے چکھتے ہو تو یہ آلو کے چپس والے کاروبار جیسی بات ہوتی ہے۔ یہ سمجھو کہ جس طرح تم صرف ایک چپ تو کھانے سے رہے۔ تم اسے صرف ایک بار چکھتے ہو، پھر تم اس کے عادی ہوجاتے ہو، بس یہ سمجھ لو کہ تمہارا قصہ ختم ہوگیا۔ تم پہاڑ کی چوٹی پر سے لڑھکتے ہوئے نیچے آ گئے۔'' یہی صورت حال سرمایہ کاری کے معاملے میں ہے۔ انہیں ہم مذہبوں سے بلاسودی قرضوں اور جدید بینکاری کے سود میں امتیاز کرنا پڑتا ہے۔ اسی قسم کی دوسری بہت سے الجھنیں مسلمانوں اور یمنیوں کی زندگی میں پائی جاتی ہیں بالخصوص برادری سے باہر شادی، تعلیم اور تشخص کے مسائل ہیں۔

چونکہ عارضی قیام کے ابتدائی دور کی خصوصیت یہ تھی کہ پورے ڈیلاس میں کوئی یمنی عورت نہیں تھی لہٰذا بعض یمنی مردوں نے ہسپانوی عورتوں سے شادیاں کرلیں اور اپنا خاندان بنالیا جس میں اب بچے بھی شامل ہیں۔ ان شادیوں کے مسائل بھی پیدا ہوئے خاص طور سے اولاد کے ساتھ۔ ایک واقعے میں ایک بڑی چہیتی بیٹی نے اپنے باپ کی اس خواہش کے خلاف، کہ وہ ایک مسلمان سے شادی کرلے، ایک ہسپانوی مرد سے شادی کرلی۔ باپ نے اپنی بیٹی پر سرکشی اور نافرمانی کا الزام لگا کر اسے عاق کردیا۔ اس واقعے کا المیہ یہ بھی تھا کہ خود لڑکی کی کیتھولک میکسیکن امریکی ماں نے بھی بیٹی سے رنجش اور کدورت کا اظہار کیا اور اپنے یمنی شوہر کا ساتھ دیا۔ برادری سے باہر شادی کرنے کی ایک دوسری مثال ایک یمنی مرد اور اس کی ہسپانوی بیوی کی ہے جن کے یہاں ڈیلانو میں بچے پیدا ہوئے۔ یمن میں بھی اس مرد کی ایک بیوی اور بچے ہیں۔ اب وہ بڑے مغموم لہجے میں اس بات پر اظہار افسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی کمسن یمنی بیٹی سے کس طرح محروم ہوگیا ہے۔ امریکی بیوی سے پیدا ہونے والی بیٹی کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارے میں وہ کہتا ہے'' میں اسے عربی بولنا نہیں سکھا سکتا۔ یہ میرے لیے بڑا مشکل ہے کیونکہ میں تو اکیلا آدمی ہوں۔ میں اس سے بات کرتا ہوں وہ سب کچھ بھول جاتی ہے۔ وہ ٹی وی دیکھتی رہتی ہے یا اپنے ہی جیسے بچوں کے ساتھ مٹرگشت کرتی رہتی ہے۔ یا پھر اپنی ماں اور نانا نانی سے انگریزی میں بات کرتی رہتی ہے۔ وہ اور کوئی زبان جانتی ہی نہیں، صرف انگریزی جانتی ہے۔'' یمنی عورتوں اور بچوں کے آنے کے بعد اگلی نسل میں برادری کے اندر شادی کے امکانات بڑھ گئے ہیں۔ اس کے برعکس چونکہ یمنی بچے اب ڈیلانو میں غالب اکثریت کے ہسپانوی اسکولوں کے بچوں کے ساتھ ملتے جلتے اور دوستانہ تعلقات بڑھاتے رہتے ہیں لہٰذا ان کے درمیان شادی بیاہ میں بھی اضافہ لازمی ہے۔ اس طرح ڈیلانو کے یمنی پھر اسی صورتِ حال سے دوچار ہوں گے جس سے ان سے پہلے کے مسلم تارکین وطن کی نسل ہو چکی ہے۔

مختلف النوع یمنی خاندانوں اور افراد کے معاشرتی روابط میں مضبوطی کا امکان یمنی ایسوسی ایشن ہال کے ماحول میں موجود ہے جو یمنیوں کو ایک ایسی جگہ فراہم کرتا ہے جہاں وہ جمع ہو سکتے ہیں اور اجتماعی طور پر اسلامی احکام کی پیروی کر سکتے ہیں۔ کارکنوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اس ہال میں باقاعدگی کے ساتھ جمعہ کی نماز کے لیے، خصوصاً تعطیلات کے دنوں میں، اکٹھا ہو جاتی ہے۔ یہ ہال تاش کھیلنے کے لیے اور تیز اور خوشبودار کافی اور سگریٹ کے ماحول میں مردوں کی بات چیت کے لیے موقع اور جگہ فراہم کرتا ہے۔ تاہم ہمٹرامیک، مشی گن یا لیکاوانا، نیویارک کی شہری یمنی آبادیوں کے برخلاف ڈیلانو کے یمنی اپنے بچوں کو عربی اور اسلامیات پڑھانے کے لیے اپنے اس ہال میں کوئی باضابطہ تعلیمی پروگرام شروع نہیں کر سکے۔ غالباً اس دیہی آبادی کی قدرتی علیحدگی اور معاشی انتشار نے ان لوگوں کی مرکزیت کے حصول کی مشترکہ کوششوں کو مشکل بنا دیا ہے۔ جب تک یمنی اپنے وسائل اکٹھا نہیں کرتے اور اپنے عزم وارادے کو مضبوط نہیں کرتے اس وقت تک ڈیلانو میں عربی اور اسلامیات کی تعلیم گھروں کے اندر غیر رسمی انداز ہی میں ہوگی۔

بیکرز فیلڈ میں، جو کوئی تیس میل جنوب میں واقع ہے، ایک مسجد اور مرکز کا قیام رابطے کا ایک دوسرا ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔ ڈیلانو کی مخصوص یمنی۔ عرب برادری کے برخلاف بیکرز فیلڈ کی مسجد مسلمان آبادکاروں کے ان متعدد قومی اور نسلی گروہوں پر محیط ہے جو جنوبی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سان جواکن ویلی میں رہتے ہیں، مثلاً مصری، فلسطینی، عراقی ، پاکستانی اور تعداد میں بڑھتے ہوئے یمنی جو اسٹور چلاتے ہیں اور شہر میں رہتے ہیں۔ اس عروس البلاد کی بڑھتی ہوئی اہمیت کا ایک اور اشارہ اسلامی لحاظ سے تجہیز وتکفین کے لیے ایک مقامی قبرستان میں ایک گوشہ وقف کرنے سے بھی ملتا ہے۔ اگر چہ اس وقت ڈیلانو کے صرف چند یمنی بیکرز فیلڈ کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جاتے ہیں لیکن اس بات کا امکان تو ہے کہ جب بیکرز فیلڈ اور ڈیلانو کی برادریوں میں روابط بڑھیں تو مستقبل میں یمنی تشخص اس کثیر النسلی اسلامی ماحول میں ضم ہو جائے جس کی نمائندگی بیکرز فیلڈ کی مسجد کر رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یمنیوں کی اگلی نسل ہسپانوی اور انگریزی دھارے میں گھل مل جانے کے طاقت ور اثرات سے مغلوب ہو جائے گی؟ یا وہ اپنے یمنی تشخص اور اس پہلی قوم کی نسل سے ہونے کی لاجواب خوبی کو برقرار رکھ سکے گی جس نے آج سے چودہ سو سال پہلے اسلام قبول کیا تھا؟ مزید تحقیق سے ان سوالوں کے بڑے دلچسپ جوابات حاصل ہو سکتے ہیں خاص طور سے یمنی برادری کی تاریخ کے اس نازک موڑ پر جب ترک وطن کے تیس سال بعد انہوں نے ڈیلانو کی زندگی میں پوری طرح شامل ہونا شروع کر دیا ہے۔

حواشی

۱۔ ملاحظہ ہو Sojourners and Settlers: The Yemeni Immigrant Experience تدوین جے فریڈ لینڈر (سالٹ لیک سٹی: یونیورسٹی آف یوٹاہ پریس، ۱۹۸۸ء)۔ جن انٹرویوز کا حوالہ دیا گیا ہے انہیں ران کیلی نے لیا تھا اور وہ اس حصے میں شائع ہوئے تھے جس کا عنوان تھا "The Workers Speak" صفحہ ۹۹ تا ۱۱۹ ساری تصویریں ران کیلی نے لی تھیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۲۰

سیکولر تارکین وطن

لاس اینجلس کے ایرانی مسلمانوں میں مذہبیت اور نسلیت

جارجز سباغ اور مہدی بزرجمہر

جب کسی تارک وطن گروہ کا مذہب اسے قبول کرنے والے ملک کے مذہب سے مختلف ہوتا ہے تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مذہب نسلیت کو تقویت بہم پہنچاتا ہے۔ گزشتہ دنوں مقبول عام رسالوں اور متعدد تحقیقات نے ان مسلمانوں کی نسلیت کے مذہبی پہلوؤں پر بڑا زور دیا ہے جو بڑی تعداد میں ترک وطن کر کے مغربی یورپ اور شمالی امریکا میں بس گئے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۹۰ء میں ایک امریکی ہفتہ وار جریدے میں ایک خبر ''امریکا میں اسلام: کیا مسلمان سیکولرازم سے مغلوب ہوئے بغیر گھل مل سکتے ہیں؟''[۱] اور دوسری خبر ''اسلام کی حوصلہ مند نئی دنیا: یورپ کی بڑھتی ہوئی مسلم اقلیت کے بارے میں یہ کیوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ امتزاج کے عمل کی مزاحمت کر رہی ہے؟'' شائع ہوئی تھی۔[۱] ڈیٹرائٹ کے علاقے میں رہنے والے مسلمانوں کے بارے میں ایک تحقیق میں ابراہم، ابراہم اور اسود نے بتایا ہے کہ معاشی غیر یقینی کی صورتِ حال کے خلاف اسلام نے ساؤتھ اینڈ میں رہنے والے تین عرب قومیتوں کے گروہوں کی زندگی میں ایک متحد کر دینے والی قوت کا کردار ادا کیا ہے۔[۲] شمالی امریکا میں مسلمان خاندانوں کے بارے میں ایک دوسری تحقیق میں برازنجی[۳] نے بتایا ہے کہ ''ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاندانوں میں گو کہ نوجوانوں کے مفادات، درس گاہیں اور ان میں اسلام کی سوجھ بوجھ مختلف ہے، تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سب نے مسلم یا نسلی تشخص سے ایک مضبوط وابستگی پیدا کرلی ہے۔"

اس باب کا مقصد اس مفروضے کو چیلنج کرنا ہے کہ نسلیت اور مذہبیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور مسلمان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ سیکولر ذہن رکھنے والے آبادکاروں میں نسلیت کا تصور اتنا ہی پختہ ہوسکتا ہے جتنا کہ مذہبی آبادکاروں میں، اور یہ قطعاً ضروری نہیں کہ ان کے نسلی تشخص کی بنیاد ان کا مذہب ہو۔ یہ مفروضہ بہرحال بعض ایسے حالات سے مشروط ہے جن کی وضاحت یہاں ضروری ہے۔

اولین اور اہم ترین بات یہ ہے کہ ترک وطن انہی افراد کا انتخاب ہونا چاہیے جو اپنے آبائی وطن میں انتہائی سیکولر یا کم دینی رجحان کے حامل ہوں۔ اس شرط کا منشا یہ ہے کہ ترک وطن سے پہلے ہمیں تارکین وطن کی مذہب پرستی کا اندازہ لگالینا چاہیے۔ بدقسمتی سے تارکین وطن کے بارے میں تحقیق کے سلسلے میں یہ طریقہ کم ہی اختیار کیا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ ترک وطن کے لیے صرف ان لوگوں کا انتخاب ہونا چاہیے جن کا تعلق اعلیٰ سماجی طبقے سے ہو۔ تیسری بات یہ کہ تارکین وطن کی اپنی کوئی نسلی عبادت گاہ یا مذہبی ادارہ موجود نہ ہو۔[۴] جب یہ تمام یا ان میں سے چند شرائط پوری ہوجائیں گی تو یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ مذہبیت نسلیت کو قوت بہم پہنچا سکے گی۔ بہرحال یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے اور ہم رچرڈ ڈی البا سے متفق ہیں کہ مذہب اور نسلیت کے باہمی تعلق کے بارے میں "مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔"[۵] قبل اس کے کہ ہم لاس اینجلس میں ایرانیوں کے جائزے کے اعداد و شمار کے ذریعے اپنے مفروضے کا تجزیہ کریں، ہم تارکین وطن کے اندر مذہبیت اور نسلیت کے سلسلے میں تحقیقات کے نتائج کا ایک خلاصہ پیش کریں گے۔

مذہبیت اور نسلیت کا باہمی تعلق

مذہب پر عمل اور نسل پرستی کے باہمی تعلق پر خاصا تحریری مواد موجود ہے۔[۶] اس مواد میں سب سے زیادہ اہمیت جس عمومیت کو دی گئی ہے اس کا تعلق تارکین وطن نسلوں کے درمیان مذہبیت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یا نسلیت میں تغیر سے ہے۔[7] ہینسن کے اس عمومی اصول میں ''جو بات بیٹا بھول جانا چاہتا ہے اسے پوتا یاد رکھنا چاہتا ہے۔''[8] اشارہ ایک ایسی پہلی نسل کی طرف ہے جو نسلیت کا حد درجہ ادراک رکھتی ہو۔ اگر اس تجزیہ میں ہم مذہب کو ایک عنصر کے طور پر شامل کر دیں جیسا کہ وِل ہربرگ،[9] پروٹسٹنٹ، کیتھولک، یہودی کے بارے میں اپنی نادر تحقیق میں کرتا ہے تو پہلی نسل نہ صرف نہایت نسل پرست بلکہ انتہائی مذہب پرست بھی ہوگی۔ اس طرح آئر لینڈ اور اٹلی کے تارکین وطن کے ''نئے اتحاد'' کی وضاحت کرتے ہوئے ہربرگ کہتا ہے کہ ''تارکین وطن کا چرچ اس اتحاد کا ابتدائی مظہر تھا۔''[10] ''گریلی''[11] بھی اس بات سے اتفاق کرتا ہے کہ نسل پرست چرچ نسلی اتصال اور تارکین وطن کے تشخص میں اضافہ کرتا ہے۔ اگر کوئی نسل پرست چرچ نہ ہو تو کیا ہوگا؟ چونکہ مسلمان عبادت کے لیے مسجد میں آنے کے پابند نہیں* ہیں لہٰذا شمالی امریکا کے مسلمانوں کا تجربہ خاصا معلوماتی ہوگا۔ بدقسمتی سے امریکا میں مسلمانوں کے بارے میں بہت کم تحقیقیں ہوئی ہیں اور دو قابل ذکر مستثنیات کے علاوہ ان میں سے اکثر کا تعلق ڈیٹرائٹ میں ساؤتھ اینڈ کے علاقے سے ہے۔[12] مزید برآں صرف ایک یا دو تحقیقیں مذہبیت اور نسلیت کے درمیان رشتے سے باقاعدہ بحث کرتی ہیں۔ ان تحقیقات کے نتائج پر ہم مختصراً بحث کریں گے۔

امریکا میں مسلمانوں کے بارے میں ایک ابتدائی عمرانیاتی تحقیق میں الخولی[13] نے ٹولیڈو اور ڈیٹرائٹ میں عرب مسلمانوں میں تال میل پر مذہبیت کے اثرات کا ایک بڑا جامع تجزیہ پیش کیا ہے۔[13] دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کا پیش کردہ مواد یہ ظاہر کرتا ہے کہ پہلی نسل کی ایک خاصی بڑی اقلیت بعض اسلامی احکامات و رسومات پر عمل پیرا نہیں تھی۔[14] اس کے تجزیئے کا یہ نتیجہ کہ مسلمانوں پر انتہائی درجے کی مذہبیت نسلی امتزاج کے لیے رکاوٹ نہیں ہے یہ ظاہر کرتا ہے کہ نسلیت اور مذہبیت میں ایک نسبتاً کمزور رشتہ موجود ہے۔ دوسری جانب ڈیٹرائٹ کے ساؤتھ اینڈ میں کارکن طبقے سے تعلق رکھنے والے عرب تارکین وطن کے متعلق

---

* یہ اظہار درست نہیں۔ جہاں مساجد نہ ہوں وہاں مسلمان گھروں پر عبادت کر سکتے ہیں لیکن مساجد کی موجودگی میں مسجد میں حاضری بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد میں کی جانے والی تحقیقیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کسی عرب مسلم رہائشی علاقے میں مسجد نسلی اجتماع گاہ کے فرائض ادا کرسکتی ہے اور اس طرح عرب نسلی تشخص کو مضبوط کرسکتی ہے۔[۱۵]

[۱۶] ۱۹۷۰ء کے عشرے میں غیر عرب ملکوں سے مسلمانوں کے ترک وطن میں ایک نمایاں اضافے نے حداد اور لوس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنی تحقیق[۱۷] میں غیر عرب مسلمان تارکین وطن (زیادہ تر پاکستانی) کو بھی شامل کریں۔ الخولی والے نمونے کے مطابق اس میں بھی مسلمانوں کی خاصی بڑی اقلیت وہ ہے جو مذہبی عبادات کی زیادہ پابند نہیں ہے یا صرف خاص خاص تعطیلات میں مسجد میں جاتے ہیں۔[۱۸] موخر الذکر کو ''عیدین'' کہا جاتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ معاشرتی اور معاشی لحاظ سے پاکستانی اونچی حیثیت کے مالک ہیں لیکن ساتھ ہی وہ بڑے مذہبی بھی ہیں۔

پہلی نسل کے تارکین وطن کے بارے تحقیق یا وہ تحقیقیں جن کا زور تارکین وطن نسلوں پر رہا ہے، تارکین وطن کی مذہبیت کے بارے میں حسب ذیل عمومیت یا مفروضہ ظاہر کرتی ہیں۔

۱۔ کوئی مذہبی نسلی تارک وطن آبادی ایک ہی عقیدے کی ماننے والی نہیں ہوتی جیسا کہ اکثر سمجھ لیا جاتا ہے اور ان میں سیکولر افراد کا بھی ایک بڑا تناسب شامل ہوسکتا ہے۔[۱۹] جن تحقیقوں میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تارکین وطن نہایت مذہبی ہوتے ہیں وہ تحقیقیں عموماً ان ابتدائی تارکین وطن کے بارے میں تجربات پر مبنی ہیں جن میں اکثریت کا تعلق دیہی علاقوں سے تھا اور جو پست معاشرتی و معاشی حیثیت کے حامل تھے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ غالب طور پر سیکولر رجحان کے حامل تارکین وطن کا تعلق شہری علاقوں سے ہوتا ہے اور وہ اعلیٰ معاشرتی طبقے کے پس منظر کے حامل ہوتے ہیں۔

۲۔ ترک وطن کے ملک میں اس کے مذہبی رویے سے آبائی ملک کا مذہبی رویہ منعکس ہوتا ہے۔ شکاگو میں کوریا کے رہنے والوں کے بارے میں ہر اور کم[۲۰] نے حال ہی میں ایک تحقیق کی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو کوریائی اپنے ملک میں کسی عیسائی چرچ سے منسلک تھے ان کے بارے میں، ان لوگوں کے برخلاف جو وہاں چرچ سے منسلک نہیں تھے، اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ وہ امریکا میں چرچ کی سرگرمیوں میں شریک ہوجائیں گے۔ اسی طرح مانٹریال میں مراکش کے مسلمانوں کے بارے میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کینیڈا میں مذہبی بے عملی کا سبب مراکش میں مذہب سے دوری تھا۔[۲۱]

۳۔ ضروری نہیں کہ جس درجے کی مذہبیت ہو اسی درجے کی نسلیت بھی ہو۔ چنانچہ سیکولر تارکین وطن انتہائی نسل پرست ہو بھی سکتے ہیں اور نہیں بھی ہو سکتے۔ ہر اور کم یہ بتاتے ہیں کہ چرچ میں شرکت باہمی اور امتزاج کے درمیان یا اس کے برعکس شکاگو کے کوریا والوں میں نسلی الحاق کے درمیان بڑا کمزور رشتہ ہوتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے اس باب کا مرکزی موضوع امریکا میں رہنے والے مسلمانوں میں مذہبیت اور نسلیت کے درمیان تعلق اور ان عناصر کا تجزیہ کرنا ہے جو اس تعلق پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس تجزیے کے لیے لاس اینجلس میں ایرانی مسلم تارکین وطن کے بارے میں اعداد و شمار کو استعمال کیا جائے گا۔ اپنے دلائل کے ایک جزو کے طور پر ہم شہری اور اعلیٰ طبقے سے ابتدائی تعلق رکھنے والوں کے بارے میں اور اس کے ساتھ ہی ان تارکین وطن کی جلاوطن حیثیت کے بارے میں بھی، جن میں سب کا رجحان مذہبیت کو گھٹانے کی طرف ہے، دستاویزی شہادت پیش کریں گے۔

لاس اینجلس میں ایرانی مسلمان

ایک ایسے ملک سے آنے کے بعد جہاں مسلمان کل آبادی کا تقریباً اٹھانوے فیصد تھے، اب ایرانی مسلمان لاس اینجلس میں دوسری ایرانی النسل مذہبی اقلیتوں (مثلاً عیسائیوں، آرمینیوں، بہائیوں اور یہودیوں) کے ساتھ ساتھ خود کو اقلیت میں پاتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ وہ ایک ایسے میٹرو پولیٹن علاقے میں مقیم ہیں جہاں لبنان، مصر اور پاکستان سمیت دوسرے ملکوں کے مسلمان تارکین وطن بھی موجود ہیں۔[۲۲] اسی طرح ایرانی مسلمانوں کے سامنے اپنا تشخص قائم رکھنے کے کم از کم تین راستے موجود ہیں: (۱) مذہبی (اسلامی) عناصر کے بجائے نسلی یا قومی (ایرانی) عناصر پر زور دینا؛ (۲) اس کے برعکس، نسلی پہلوؤں پر زور دینے کے بجائے مذہبی (اسلامی) پہلو پر زور دینا اور؛ (۳) نسلی اور مذہبی دونوں اجزاء کو نئی قوت عطا کرنا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری جانب یہ بھی ممکن ہے کہ ایرانی مسلمان اپنی نسلیت اور مذہبیت کو برقرار نہ رکھ سکیں اور اینگلو امریکی ثقافت اور معاشرے سے مطابقت پیدا کرلیں۔

ایرانی مسلمانوں میں نسلی مذہبیت کے غالب اوصاف کا انحصار متعدد عوامل پر ہے۔ اولاً یہ کہ اگر ایرانی مسلمان خاص طور سے دوسرے ایرانیوں سے میل جول رکھیں تو ان کا انتخاب ایرانی نسل پرستی کا اظہار کرے گا۔ ایسے معاشرتی ثقافتی رشتے اور قیود ہیں جو اس عمل میں سہولت یا دشواری پیدا کریں گے۔ فارسی زبان اور مشترکہ ثقافتی ورثہ ایرانی مسلمانوں اور دوسرے ایرانیوں کے درمیان روابط پیدا کرتے ہیں۔ بہرحال اس رجحان کا توڑ اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ غیر مسلم ایرانی تو پہلے ہی سے ایران میں اقلیت میں تھے اور انہوں نے نقل مکانی کر کے امریکا آنے سے پہلے ہی ایک علیٰحدہ نسلی، مذہبی تشخص کو ترقی دے لی تھی۔[۲۳]

ثانیاً یہ کہ اگر ایرانی مسلمان، اسلامی احکام پر کاربند مسلمان ہوئے اور انہوں نے احکام اسلام پر پابند دوسرے (غیر ایرانی) مسلمانوں سے روابط رکھے تو وہ انتخاب ان کے نسلی تشخص کے مذہبی رخ پر زور دے گا۔ لیکن چونکہ بہت سے ایرانی مسلمان ایک ایسے ملک سے جلاوطن ہوئے ہیں جہاں پر سیاسی اقتدار اسلام پرستوں کے ہاتھ میں ہے لہٰذا ان کے تشخص کا مذہبی رخ نمایاں نہیں ہوسکتا۔ مزید برآں غالباً افغانیوں کے ماسوا ایرانی اور غیر ایرانی مسلمانوں کے درمیان زبان کی بھی رکاوٹ موجود ہے۔ لہٰذا اگر ایرانی مسلمان دوسرے مسلمانوں سے روابط رکھنا چاہیں گے تو انہیں انگریزی بولنا پڑے گی۔ مزید برآں ایرانی غالب تعداد میں شیعہ ہیں جب کہ لاس اینجلس کے دوسرے مسلمان تارکین وطن زیادہ تر سنی ہیں۔

ثالثاً یہ کہ ایرانی مسلمان اپنے ہم وطن مسلمانوں ہی سے میل جول رکھ کر اپنی ایرانی نسلیت پر زور دیں اور اس طرح وہ اقلیت کے اندر اقلیت بن کر رہ جائیں۔ ایرانی مسلم نسل پرستی فارسی زبان اور ثقافت سے اور مشترک مذہب سے مل کر مضبوط ہوگی لیکن مذہبی احکام کی عدم تعمیل یا ادنیٰ درجے کی تعمیل سے یہ کمزور ہوگی۔ یہ صورتحال ایرانی مسلمانوں کے اس ادراک سے بھی کمزور ہوجائے گی کہ ان کے ساتھ یہ امتیازی سلوک ایرانی مسلم ہونے کی وجہ سے کیا جارہا ہے جس کا نتیجہ ان کے اس تشخص کو مسترد کرنے کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منہاجِ تحقیق

لاس اینجلس میں ایرانیوں کا سروے آرمینیوں، بہائیوں، یہودیوں اور مسلمانوں کے امکانی نمونوں (probability samples) پر مبنی تھا۔ چونکہ اس باب کا موضوع ایرانی ہیں لہٰذا صرف اسی ذیلی گروہ کے لیے نمونہ لینے کے طریقے کی وضاحت کی جائے گی۔ اِس خیال کے پیشِ نظر کہ امریکا میں بڑے پیمانے پر ایرانیوں کا جائزہ ہم پہلی بار لے رہے ہیں اور ایران میں سروے کی کوئی روایت نہیں ہے ہم نے ایران کے مختلف نسلی، مذہبی، ذیلی گروہوں کے بااثر ممبروں سے ملنے، انہیں اس تحقیق کے بارے میں مطلع کرنے اور ان کا تعاون حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ لاس اینجلس میں ایرانی مسلمانوں کی کوئی مخصوص تنظیم نہیں تھی جو اپنے ممبروں یا ملحقہ اشخاص کی فہرست فراہم کرسکتی۔ یہ بات خود ایرانی مسلمانوں کی غیر مذہبیت کی جانب ایک اشارہ ہے۔ ان کا کسی مذہبی تنظیم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آرمینیوں، بہائیوں اور یہودی نمونوں (samples) کے برخلاف جنھوں نے اپنی برادری کی فہرستوں اور ٹیلی فون ڈائریکٹریوں دونوں پر انحصار کیا، مسلمانوں کا نمونہ ٹیلی فون ڈائریکٹریوں کے صفحات سے حاصل کرنا پڑا۔ اس طریقے سے سروے سے وہ لوگ خارج ہوگئے جن کے ٹیلی فون نمبر درج نہیں تھے۔ ہم نے لاس اینجلس کاؤنٹی کی آٹھوں علاقائی ٹیلی فون ڈائریکٹریوں کے دو سو صفحات سے رینڈم سیمپل منتخب کیا۔ ایرانی مرتبین نے ہر صفحے پر ایسے نام تلاش کئے جو بظاہر ایرانی تھے اور اس طرح ایرانی ناموں کی ایک فہرست تیار ہوگئی۔ اگر کسی نام کے بارے میں شبہ ہوتا تو مرتبین اسے غیر معین افراد کی فہرست میں ڈال دیتے اور اس طرح غیر معین ناموں کی بھی ایک فہرست تیار ہوگئی۔ غیر معین فہرست میں ایرانی ناموں کی شناخت ۱۹۷۹ء کی امیگریشن اینڈ نیچرلائزیشن سروس ایلین رجسٹریشن لسٹ کی مدد سے ایرانی خاندانی ناموں کی ایک شہ فہرست (master list) سے کی گئی۔ ان ناموں کا اضافہ کردیا گیا۔ اس طرح حاصل ہونے والی ۱۷۵۸ ناموں کی فہرست اس تحقیق کے لیے خاص نمونہ جاتی حوالہ (main sampling frame) بن گئی۔ اس کے بعد ہر نام کو ایک الگ شناختی نمبر دیا گیا۔ کمپیوٹر کے ذریعے حاصل کیے ہوئے بے ترتیب نمبروں کی فہرست نے ناموں کا اندراج

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس طرح کیا کہ ہر فہرست کے حروف تہجی والا سلسلہ بے ترتیب ہو جائے اور ان افراد کے خارج ہونے کا امکان نہ رہے جن کے خاندانی ناموں کی ابتداء انگریزی حروف تہجی کے آخر کے حروف سے ہوتی ہے۔ غیر سلسلہ وار نمونے کے افراد سے پہلے ایک خط کے ذریعے رابطہ کیا گیا جس میں انہیں تحقیق کی غایت بتائی گئی اور ان سے تعاون کی درخواست کی گئی۔ انٹرویو کرنے والے ایرانیوں نے جواب دینے والوں سے انٹرویو غیر سلسلہ وار انداز میں کیا تاوقتیکہ مطلوبہ تعداد میں انٹرویو مکمل ہو گئے۔ بجٹ کی صورت حال کے پیش نظر مسلمانوں کے لیے استخراجاً ۲۰۰ رکی تعداد مقرر کی گئی اور ۲۰۱ (۱۹۷ رشیعہ اور ۴ رسنی مسلم) کا ذاتی انٹرویو کیا گیا۔ پوری تحقیق کے لیے انٹرویو کے اس عمل نے اگست ۱۹۸۷ء کے آخر سے مارچ ۱۹۸۸ء کی ابتدا تک ساڑھے چھ مہینے لیے۔"[۲۴]

ہم نے محدود بجٹ کی بناء پر انٹرویو خاندان کے سربراہوں تک محدود رکھا۔ لہٰذا جن لوگوں نے جواب دیا ان کے بارے میں یہ امکان تھا کہ وہ اپنے خاندان کے غیر سلسلہ وار منتخب کیے ہوئے بالغ افراد کے نمونے سے زیادہ معمر ہوں اور غالب تعداد میں مرد ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جواب دینے والوں کی اوسط عمر تقریباً چالیس سال تھی اور ان میں ۸۶٫۲ رفیصد مرد تھے۔ مزید برآں تقریباً تمام جواب دینے والے غیر طالب علم تھے۔ ہمارا تجزیہ سربراہان خاندان کے کوائف پر مبنی تھا خواہ ان کی عمر، جنس اور ازدواجی حیثیت کچھ بھی ہو۔ جب بھی ممکن ہوا تو سربراہ خاندان سے حاصل ہونے والے ان کے زوج کے اعداد و شمار کو بھی شامل کر لیا گیا۔

مذہبیت اور نسلی تشخص

چونکہ اس جائزے میں چار مذہبی گروہ شامل تھے (آرمینی عیسائی، بہائی، یہودی اور مسلمان) جن میں سے ہر ایک کے جداگانہ مذہبی طور طریقے ہیں لہٰذا یہ ناممکن تھا کہ ان چاروں گروہوں کے مذہبی رویوں اور مذہبیت کو ایک ہی سوالنامے کے ذریعے گرفت میں لگایا جا سکے۔ واضح رہے کہ اس میں روزمرہ کی نماز، روزے اور مسلمانوں کے لیے مخصوص دوسرے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احکام کے بارے میں سوالات پوچھے جاتے جو غیر مسلموں سے نہیں پوچھے جا سکتے تھے۔ مزید برآں چونکہ ٹیلی فون ڈائریکٹریوں کے لیے حاصل ہونے والے نمونے کے جواب دہندگان کا مذہبی پس منظر ابتداً معلوم نہیں تھا لہٰذا ہمارے پاس یہ جاننے کا کوئی طریقہ نہیں تھا کہ کون سا سوالنامہ پہلے استعمال کیا جائے۔ جواب دہندگان کے مذہب کے بارے میں معلومات حاصل کرنے سے وہ شبہ میں پڑ جاتے اور اس کے نتیجے میں ان کے دماغ میں اس پوری تحقیق کے مقصد ہی کے بارے میں شکوک پیدا ہو جاتے۔ یہ مسئلہ خاص طور سے ایرانیوں کے بارے میں مطالعہ کرتے وقت ایران میں اسلامی انقلاب اور خود ان کے مذہبی تشخص کے اظہار کے بارے میں احتیاط پسندی کے نتیجے میں پیدا ہو سکتا تھا۔ سروے کے آغاز میں ہی ایک مسئلہ یہ پیش آیا کہ جب ہم نے جواب دہندگان سے پوچھا کہ ''آپ کا مذہب کیا ہے؟'' تو اس پر بہت سے لوگوں نے، خاص طور سے مسلمانوں نے کہا کہ ان کا کوئی مذہب نہیں ہے اور انہوں نے اس سوال کا جواب دینے سے گریز کیا۔ آخر میں جب ہم نے اپنے سوال کو اس طرح بدل دیا۔ ''آپ کس مذہب میں پلے بڑھے تھے'' تو بھی بہت سے مسلمانوں نے یہ شکایت کی کہ سوالنامے میں مذہب کے بارے میں بہت زیادہ حوالے ہیں۔ ہم نے مزید سوالوں کے ذریعے تبدیلیٔ مذہب کا پتا بھی لگا لیا۔ ان حالات میں ہم نے ''مذہبی و تقریباتی اعمال اور رسم و رواج کے بارے میں ایک عام سوال وضع کر لیا۔ یہ سوال ہم نے امریکا اور ایران دونوں جگہوں کے بارے میں دریافت کیا، کیونکہ ایران میں مذہب پر عمل درآمد زیادہ بڑے پیمانے پر ہو سکتا تھا۔ چونکہ ۲۱٫۸ رفیصد جواب دہندگان نے غیر مسلموں سے شادی کر لی تھی لہٰذا مذہب پر عمل کا تجزیہ ہم نے ان جواب دہندگان تک محدود رکھا تھا جنہوں نے مسلمانوں سے شادیاں کی تھیں۔[۲۵]

گوشوارہ ۱-۲۰ کے مطابق ۱۲رفیصد جواب دہندگان اور ان کے ازواج میں سے ۹٫۷ارفیصد نے ''ایران کے گزشتہ چند برسوں میں مذہبی رسوم پر اپنے عمل'' کے جواب میں بتایا ''ہمیشہ یا اکثر''۔ اس سے بھی زیادہ نسبت میں لوگوں نے جواب دیا کہ انہوں نے ان رسوم پر کبھی عمل نہیں کیا۔ (بالترتیب ۵۴٫۷ر اور ۴۸٫۲) یہ اعداد و شمار جواب دہندگان کی ایران میں مذہبیت کے بارے میں بڑی نچلی سطح ظاہر کرتے ہیں۔ جواب دہندگان کی اعلیٰ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گوشوارہ ۱-۲۰

امریکا اور ایران میں مذہبی پابندیوں کا درجہ، مسلم جواب دہندگان اور نمونے کے ایرانیوں کی مسلم ازواج کا مذہب پر عمل کا درجہ، لاس اینجلس ۱۹۸۸ء۔۱۹۸۷ء اور مذہبی سرگرمیوں کا کرداری پیمانہ، مسلمانوں کا نمونہ، امریکا ۱۹۸۴۔۱۹۸۳ء (فیصد تقسیم)

لاس اینجلس کے ایرانی مسلمان

مذہبی رسوم پر عمل کی سطحیں	مسلم ازواج والے جواب دہندگان ایران	مسلم ازواج والے جواب دہندگان امریکا	مسلم ازواج* ایران	مسلم ازواج* امریکا	امریکی مسلمان**
عمل کی وقوع پذیری					
ہمیشہ	۲٫۶	۱٫۷	۶٫۳	۳٫۶	—
اکثر	۹٫۴	۲٫۶	۱۱٫۶	۵٫۴	—
گاہے گاہے	۳۳٫۳	۱۹٫۷	۳۳٫۹	۲۴٫۰	—
کبھی نہیں	۵۴٫۷	۷۶٫۱	۴۸٫۲	۶۷٫۰	—
مذہبی سرگرمی کا پیمانہ					
بہت سرگرم	—	—	—	—	۲۵٫۰
کسی حد تک سرگرم	—	—	—	—	۲۸٫۰
بہت کم سرگرم	—	—	—	—	۲۳٫۰
بہت سرگرم نہیں	—	—	—	—	۲۴٫۰
مجموعہ	۱۰۰٫۰	۱۰۰٫۰	۱۰۰٫۰	۱۰۰٫۰	۱۰۰٫۰
نمونے کی مقدار	۱۱۷	۱۱۷	۱۱۲	۱۱۲	۳۲۰

* یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ خاندان کے سربراہوں کے ۲۱٫۸ فیصد نے غیر مسلموں سے شادیاں کی ہوئی ہیں۔

** حوالہ: ای وون وائی حداد اور اڈیری لومس، *Islamic Values in the United States*، نیویارک: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۸۷ء صفحہ ۱۶۷۔ اس نمونے میں شامل افراد کے تقریباً دو تہائی لوگ امریکا میں پیدا ہوئے تھے۔ لبنانی اس نمونے میں ایک تہائی اور پاکستانی ایک چوتھائی کی تشکیل کرتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعلیمی اور پیشہ ورانہ کامیابیوں کو ذہن میں رکھ کر سوچے تو ایران میں مذہبی رسوم پر ان کے عمل میں یہ کمی کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آتی۔

امریکا میں صرف ۳ء۴ رفیصد جواب دہندگان اور ان کی مسلم ازواج میں سے ۹ رفیصد نے مذہبی رسوم پر ''ہمیشہ یا اکثر'' عمل کیا۔ اس کے برعکس اول الذکر کی ۱ء۶۷ رفیصد اور آخر الذکر کی ۶۷ رفیصد تعداد نے اسلامی فرائض مثلاً روزمرہ کی نماز اور روزے وغیرہ پر کبھی عمل نہیں کیا۔[۲۶] جب ایران اور امریکا میں مذہبی رسوم پر عمل کی بیان کردہ سطح میں ہمیں تناقض نظر آیا[۲۷] تو ہم نے جواب دہندگان سے اس تناقض کا سبب دریافت کیا۔ جن لوگوں نے اب اپنے کم مذہبی ہونے کا اعتراف کیا ان کی چوتھائی تعداد میں سے زیادہ تر نے اس قسم کے جواب دیئے مثلاً ''وقت کی کمی'' امریکا میں مذہبی اداروں کی سہولیات کا بہت دور واقع ہونا'' اور ''ایران میں مذہب کا منفی اثر۔'' آخری جواب اس طریقے کی جانب ایک حوالہ ہے جس پر ان دنوں ایران میں اسلام کی تشریح کی جاتی ہے۔

نسلی خود تشخص (self-identity) پر موضوعی اور غیر محدود سوال'' آپ خود کو بنیادی طور پر کیا سمجھتے ہیں؟'' کے جواب میں صرف ۷ ر۲ رفیصد جواب دہندگان نے کہا'' ایرانی مسلم'' جب کہ ۶۷ رفیصد نے کہا'' ایرانی''۔ بقیہ ۶ رفیصد نے مختلف جوابات دیے جیسے ''ایرانی ترک''، ''مسلم'' اور'' امریکی''۔ ۱۱۷ رجواب دہندگان میں سے صرف ۲ رنے اپنی شناخت بحیثیت مسلمان کرائی۔ امتیازی سلوک اور اس تاثر کے تجربے سے کہ امریکی، ایرانی مسلمانوں سے تعصب رکھتے ہیں، جواب دہندگان کی اس ہچکچاہٹ میں اضافہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی شناخت بحیثیت ایرانی مسلم یا مسلم کے کرائیں۔ امتیازی سلوک اور تعصب تارکین وطن گروہوں کا عام مسئلہ ہے لیکن'' ایران میں یرغمالیوں کا بحران'' اور مسلسل جاری امریکی، ایرانی تصادم اور تناؤ نے امریکا کے دوسرے تارکین وطن گروہوں کے مقابلے میں ایرانیوں کو زیادہ متاثر کیا ہے۔ یرغمالیوں کے بحران کے زمانے میں جو جواب دہندگان امریکا میں تھے ان کی تقریباً ایک تہائی تعداد نے امتیازی سلوک کے سلسلے میں اپنے ذاتی تجربات بیان کیے جن میں سے زیادہ تر بدزبانی اور یونیورسٹی، دفتروں اور کاروباری جگہوں میں امتیازی سلوک پر مبنی تھے۔ ۱۹۸۸۔۱۹۸۷ء میں جب یہ جائزہ لیا جارہا تھا اس وقت تک صرف ۱۴ رفیصد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواب دہندگان نے اس نوعیت کے تجربات بیان کیے۔ تاہم وہ اب بھی محسوس کرتے ہیں کہ غیر ایرانی افراد ایرانیوں کے خلاف اور خاص طور پر ایرانی مسلمانوں کے خلاف جذبات رکھتے ہیں لگ بھگ ۵۵ رفیصد جواب دہندگان نے کہا کہ ایرانی مسلمان کو غیر ایرانیوں کی جانب سے کسی نہ کسی قسم کے تعصب کا تجربہ ضرور ہوتا ہے۔

کسی حد تک اپنے مفروضہ تعصب کی وجہ سے ایرانی مسلمان قومی تشخص کو نسلی مذہبی تشخص سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔[۲۸] اس سے کسی حد تک یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ایرانی مسلم تارکین وطن کے مذہبی عبادات اور رسوم پر عمل کے نتائج امریکا میں پہلی نسل کے تارکین وطن گروہوں کے بارے میں تحقیقات کے نتائج سے مختلف کیوں ہیں۔ مثال کے طور پر جیسا کہ گوشوارہ ۱-۲۰ رمیں ظاہر کیا گیا ہے کہ عرب اور غیر عرب تارکین وطن کے مابین، جن کے بارے میں حداد نے تحقیقات کی تھیں، مذہبی رسوم پر عمل کی سطح بہت اونچی تھی (۲۵ رفیصد بہت سرگرم)۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ نمونے میں شامل ایرانی مسلمانوں میں مشکل ہی سے کوئی ایسا ہوگا۔ جس کا تعلق مذہبی تنظیموں سے رہا ہو۔ اگرچہ ۲۹ رفیصد جواب دہندگان نے بتایا کہ وہ کسی تنظیم میں بہت سرگرم تھے لیکن صرف ۳ رفیصد نے یہ بتایا کہ وہ مذہبی تنظیموں سے وابستہ رہے ہیں۔ مزید برآں صرف ۸ رفیصد نے ایرانی مسلم تنظیموں سے تعلق رکھنے کو ترجیح دی۔ قبل از انقلاب کے ایران میں کسی رضا کارانہ تنظیم میں شرکت سماجی زندگی کا لازمی جزو نہیں تھی جس کا کسی حد تک سبب منظم اختلافی سرگرمیوں سے حکومت کا خوف تھا۔ لہٰذا مسلم جواب دہندگان کے صرف ۲۰ رفیصد کا تعلق کسی تنظیم سے تھا اور ۳ رفیصد سے بھی کم کا تعلق ایران میں مذہبی جماعتوں سے تھا۔ ایران اور امریکا میں مذہبی تنظیموں میں مسلمانوں کی شرکت کی قلیل تعداد ان کی لامذہبیت اور اس حقیقت کی روشنی میں قابل فہم ہے کہ اسلام ایک تنظیم پسند مذہب نہیں ہے۔*

اگرچہ ایران میں سیکولرازم اور قومیت کی جڑیں کم از کم انیسویں صدی تک تلاش کی

* یہ نکتہ نہایت نزاعی ہے۔ اسلام نے تو عبادت اور دعا تک کو جو انفرادی چیزیں تھیں، مسجد کی شکل میں ایک تنظیم عطا کر دی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاسکتی ہیں جو ۱۹۰۵ء کے دستوری انقلاب پر منتج ہوئیں،[۲۹] تاہم دو اہم اور زیادہ حالیہ تاریخی کارروائیاں ۱۹۷۹-۱۹۷۸ء کے انقلاب سے پہلے کے اعلیٰ طبقے کے مسلمانوں میں سیکولرازم اور قومیت کی توجیہہ کرتی ہیں۔ رضا شاہ کے زمانے میں ایران کو جدید بنانے کا عمل جو ان کے بیٹے محمد رضا شاہ کے زمانے میں بھی جاری رہا، ایرانی معاشرے کو سیکولر بنانے کی جانب ایک شعوری کوشش پر منتج ہوا۔ پہلوی بادشاہوں نے قومیت کی وکالت کی اور قبل از اسلام کی ایرانی شان وشوکت پر بڑا زور دیا۔[۳۰] بہت سے تعلیم یافتہ ایرانیوں نے مغربی رجحانات کی دراندازی کے خلاف قدیم ایرانی تہذیب کو (ایرانی) قومیت کا سرچشمہ قرار دیا۔ جدیدیت کے اس عمل سے راست فائدہ اٹھانے والوں کی حیثیت سے اوپر کے طبقے کے مسلمانوں نے بھی غیردینی رجحان کی حامل ایرانی ثقافت سے اپنی شناخت کا رشتہ جوڑا۔

شہری بنیاد اور معاشرتی طبقات کا آغاز

ہم اس مفروضے پر پہنچے تھے کہ سیکولر رجحان کے حامل تارکین وطن عام طور پر شہروں سے اور معاشرے کے بلند طبقات سے تعلق رکھتے ہیں۔ چونکہ ہم نے یہ ثابت کیا کہ ایرانی مسلم تارکین وطن انتہائی سیکولر ذہن کے حامل ہیں۔ لہٰذا ہم توقع کرتے ہیں کہ ان میں یہ خصوصیات مشترک ہوں گی۔

لاس اینجلس میں تقریباً تمام کے تمام ایرانی مسلمان شہروں کے رہنے والے ہیں۔ مزید برآں ان میں سے ۸۵ رفیصد لوگ ایران چھوڑنے سے پہلے اوسطاً بیس سال تک تہران میں رہ چکے تھے۔ یہ نتیجہ اس حقیقت کے بالکل خلاف ہے کہ ۱۹۷۶ء میں ایران کی مجموعی آبادی کے صرف ۱۳ رفیصد کا تعلق تہران سے تھا اور تہران کے باشندوں کے نصف سے بھی کم وہاں پیدا ہوئے تھے۔ لاس اینجلس میں ایرانی مسلمانوں کی شہری بنیاد کی اس نمایاں انتخابیت کا تعلق ان کے اعلیٰ معاشرتی طبقے کی بنیاد سے ہے۔

جواب دہندگان کے اعلیٰ معاشرتی طبقے کے تعلق کا تعین دستاویزی طور پر ایران میں ان کی تعلیم، ان کے پیشوں اور ان کے والدوں کے پیشوں اور تعلیم کی بنا پر کیا گیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گوشوارہ ۲-۲۰

۱۹۸۸ـ۱۹۸۷ء میں لاس اینجلس میں مسلم ایرانی جواب دہندگان اور ان کے والدوں اور ۱۹۷۶ء میں شہری ایران کے مردوں کی تعلیمی سطح (فیصد تقسیم)

	لاس اینجلس میں ایرانی مسلمان				شہری ایران ۱۹۷۶ء**	
تعلیم کی سطح	جواب دہندگان**		جواب دہندگان کے باپ**		تمام مرد	پیشہ ورانہ اور انتظامی پیشوں میں مرد
ناخواندہ	۰		۴٫۳		۳۹٫۶	۴٫۴
خواندہ مگر اسکول نہیں گئے	۰		۱۴٫۵			
اعلیٰ خواندہ مگر اسکول نہیں گئے	۰		۳٫۴	۱۹٫۶	۵٫۳	۴٫۷
مذہبی مدرسہ	۰		۱٫۷			
ابتدائی اور جونیئر ہائی اسکول	۰٫۹		۱۸٫۹			
ہائی اسکول یا صنعتی اسکول	۹٫۶	۱۰٫۵	۲۸٫۲	۴۷٫۱	۴۹٫۷	۵۲٫۱
کوئی کالج یا کالج گریجویٹ	۴۱٫۳		۱۸٫۸			۲۸٫۴
ڈاکٹریٹ تک کی گریجویٹ ڈگری	۲۹٫۸	۸۹٫۶	۴٫۴	۲۹٫۲	۵٫۴	۵٫۰
ڈاکٹریٹ اور اس کے بعد کی ڈگریاں	۱۸٫۵		۶٫۰			۵٫۴
مجموعہ	۱۰۰		۱۰۰		۱۰۰	۱۰۰
نمونے کی مقدار	۱۱۷		۱۱۷	—	—	

* حوالہ: ایران کا شماریاتی مرکز National Census of Population and Housing November 1976, 1981۔

** مسلم ازواج والے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواب دہندگان میں سے تقریباً ۹۰ رفیصد نے کالج میں تعلیم حاصل کی ہے اور ۴۸ رفیصد سے زیادہ کے پاس گریجویشن کی ڈگری ہے (گوشوارہ ۲-۲۰) جو کسی تارکین وطن گروہ کے لیے انتہائی اعلیٰ شرح ہے۔ بہت سے جواب دہندگان نے یہ اعلیٰ ڈگریاں امریکا میں حاصل کی تھیں۔ جواب دہندگان کے والد بھی دوسرے شہری ایرانی مردوں کے مقابلے میں (جن میں سے ۵ رفیصد کالجوں کے تعلیم یافتہ تھے) اعلیٰ تعلیمی اسناد رکھتے تھے (۲۹ رفیصد کالجوں کے تعلیم یافتہ تھے)۔ لیکن اگر ہم جواب دہندہ کے والد کی تعلیمی کامیابیوں کا مقابلہ ۱۹۷۶ء کے شہری ایران کی اعلیٰ حیثیتوں (پیشہ ورانہ، فنی، انتظامی اور منتظم کارکن) سے بھی کریں (جن میں سے ۳۹ رفیصد کالجوں کے تعلیم یافتہ تھے) تو بھی ان کی کامیابی زیادہ اثر انگیز اور مستحکم تھیں۔[۳۱] جواب دہندگان کو ایران میں اس سے بہت زیادہ اونچی پیشہ ورانہ حیثیت حاصل تھی جو ۱۹۷۶ء کی ایرانی قومی مردم شماری کے مطابق دوسرے شہری ایرانیوں کو حاصل تھی۔ جواب دہندگان کے والد بھی ایران میں اعلیٰ عہدوں کے حامل تھے۔[۳۲]

امریکا میں ایرانی مسلم تارکین وطن نے بڑی اعلیٰ پیشہ ورانہ کامیابیاں حاصل کی ہوئی ہیں۔[۳۳] ملازمت میں بھی یہ لوگ اعلیٰ پیشہ ورانہ اور انتظامی عہدوں پر مامور ہوئے (۵۲٫۴ رفیصد)۔ اگرچہ انہوں نے امریکا میں اپنی پہلی ملازمت اور اپنی موجودہ ملازمت کے دوران بعض بالاتر پیشہ ورانہ حرکت پذیری کے تجربات کیے تاہم ان کی موجودہ پیشہ ورانہ کامیابی بھی اس سے کم تر ہے جو انہیں ایران میں حاصل تھی۔ یہ نتیجۂ تحقیق دوسرے تارکین وطن گروہوں کے بارے میں تحقیق کے نتائج کے عموماً اور جلاوطن یا پناہ گزیں گروہوں کے بارے میں تحقیق کے نتائج کے خصوصاً مطابق ہے۔[۳۴]

ایرانی مسلمانوں کے نمونے کی ایک دوسری ممتاز خصوصیت ان کی خودروزگاری کی بہت اعلیٰ سطح (۶۲٫۴ رفیصد) ہے۔[۳۵] یہ شرح لاس اینجلس کے اندر امریکا نژاد اینگلوز کی خودروزگاری کی شرح کی تقریباً پانچ گنی ہے۔ یہ شرح تقریباً اتنی ہی اونچی ہے جتنی لاس اینجلس میں کوریا والوں کی خودروزگاری کی ہے جنہیں عام طور سے انتظامی مہم کاری کا عجوبہ سمجھا جاتا ہے۔[۳۶] آخری بات یہ کہ ہمارے نمونے میں بہت سے جواب دہندگان نے غیر منقولہ جائیدادوں، حصص اور بانڈز میں بھاری بھاری سرمایہ کاریاں کر رکھی ہیں۔ گویا لاس اینجلس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ایرانی مسلمانوں کے پاس انسانی (تعلیم اور روزگار) اور مالی (دولت اور اثاثہ جات) دونوں قسم کا سرمایہ موجود ہے۔

جواب دہندگان کی اعلیٰ معاشرتی طبقے کی بنیاد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے یا ان کے خاندانوں نے شاہ کی حکومت کی ترقیاتی پالیسیوں سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ چونکہ ایک اسلامی انقلاب نے ان کی معاشرتی اور معاشی کامیابیوں کی بنیاد کو کھوکھلا کر دیا لہٰذا ان کے پاس مذہب سے مزید برگشتہ ہو جانے کا جواز موجود تھا۔

جلاوطنی کی حیثیت

ایرانی مسلمانوں کے ایک اسلامی انقلاب سے فرار کا مسئلہ بھی ایک دوسرا عامل ہے جس نے انہیں سیکولر بنا دیا۔ بہت سے جواب دہندگان جلا وطن ہیں۔[۳۷] یہ بات بالواسطہ طور پر اس حقیقت سے ظاہر ہوتی ہے کہ ان میں سے ۶۴ رفیصد لوگ پہلی بار ایران کے مذہبی انقلاب کے دوران آئے، یا اسی مدت میں امریکا واپس لوٹے۔ مزید برآں بہت سے لوگ جو انقلاب سے پہلے سے امریکا میں مقیم تھے اور واپس جانے کا ارادہ رکھتے تھے انہوں نے انقلاب کی وجہ سے اپنا ارادہ بدل دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ان لوگوں سے ایران چھوڑنے کا ''سب سے زیادہ اہم سبب'' دریافت کیا گیا تو جواب دہندگان کی تقریباً ایک تہائی تعداد نے سیاسی یا مذہبی اسباب بتائے جس سے وہ جلاوطن کی حیثیت کے مستحق ہو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ نمونہ میں شامل ایرانی مسلمانوں کی نصف تعداد امریکا میں ٹھہرنا چاہتی تھی حالانکہ اس کے برخلاف جب یہ لوگ پہلی بار امریکا آئے تھے تو ان کی صرف ایک تہائی تعداد یہاں رہنا چاہتی تھی۔ اگرچہ ۸۸ رفیصد جواب دہندگان قانونی رہائشی یا وطن گیر (naturalized) شہری تھے لیکن صرف ۶ رفیصد نے پناہ گزینی کی بنیاد پر شہریت حاصل کی تھی جس کا مقابلہ شادی کے ذریعے ۲۳ رفیصد، پیشہ ورانہ ترجیحات کے ذریعے ۳۶ رفیصد اور سرمایہ کاری کے استثناء ذریعے ۹ رفیصد سے کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح اس حصے کے اور اس سے پہلے والے حصے کے نتائج یہ بتاتے ہیں کہ متعدد جواب دہندگان اعلیٰ حیثیت کے جلاوطن ہیں جو ایران

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اسلامی انقلاب کی وجہ سے امریکا میں آباد ہو گئے۔

معاشرتی اور معاشی سلسلوں کی نسل پرستی

یہ بات تو واضح ہے کہ ایرانی مسلم تارکین وطن بہت زیادہ سیکولر رجحان کے حامل ہیں لیکن کیا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اُن میں نسل پرستی بھی کم درجے کی ہے؟ مذہبیت اور نسلیت کے درمیان رشتے کی مفروضہ کی یہ ظاہر کرتی ہے کہ ان جلاوطن لوگوں کے بارے میں توقع نہیں کہ یہ بہت زیادہ نسل پرست ہوں۔ اس حصے کا مقصد ایرانی مسلمانوں کی نسل پرستی کی سطح کا اندازہ لگانا ہے۔

نسل پرستی ایک ہمہ جہتی تصور ہے جس کی پیمائش کے لیے مختلف مظاہر اور پیمائشی اشاروں کی ضرورت ہے۔ اس باب میں ہم نسل پرستی کی حسب ذیل جہات پر روشنی ڈالیں گے: (۱) (رشتہ داروں سمیت) ان اشخاص کا نسلی، مذہبی تشخص جن کے ساتھ جواب دہندگان کا معاشرتی رابطہ رہتا ہے اور (۲) ان اشخاص کی نسلی مذہبی خصوصیات جن کے ساتھ جواب دہندگان کے معاشی تعلقات رہتے ہیں (حصہ دار، ملازمین، آجر، نگراں اور ہم کار)۔

اس تحقیق کا ایک اہم نتیجہ یہ ہے کہ جواب دہندگان غیر مسلم ایرانیوں کے مقابلے میں ایرانی مسلمانوں سے اکثر ملتے جلتے رہتے ہیں۔ (گوشوارہ ۳-۲۰) جواب دہندگان اور ان کی ازواج کے قریبی دوستوں کی نصف سے زیادہ تعداد ایرانی مسلمانوں کی ہے۔ بہرحال ''مخلوط'' قریبی دوستوں کا زمرہ بہت اونچا ہے (جواب دہندگان کا ۳۳/فیصد اور ان کی ازواج کا ۳۴/فیصد) اور اس میں مختلف ایرانی اور غیر ایرانی جواب دہندگان کا مجموعہ شامل ہے۔[۳۸] جواب دہندگان اور ان کی ازواج کی صرف ایک بہت مختصر فیصد تعداد کے قریبی دوست صرف امریکی اور یورپی لوگ تھے۔ واضح طور پر جواب دہندگان کی ایک بڑی تعداد کسی اور گروہ کے مقابلے میں ایرانی مسلمانوں سے رابطے زیادہ رکھتی ہے۔[۳۹] اس سے معاشرتی تعلقات کی بہت اونچی سطح ظاہر ہوتی ہے۔ ایک دوسرا اہم نتیجہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ مشکل ہی سے کوئی ایرانی مسلمان کسی غیر ایرانی مسلمان سے رابطہ رکھتا ہے۔ اس کا ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جزوی سبب لاس اینجلس میں ایرانی مسلمانوں کی مذہب پر عمل کی نچلی سطح ہے جیسا کہ گوشوارہ ۱-۲۰ سے ظاہر ہوتا ہے۔

گوشوارہ ۳-۲۰

امریکا میں غیر رسمی معاشرتی سلسلوں کی نسل پرستی، مسلم ازواج والے ایرانی مسلم جواب دہندگان ۱۹۸۸ـ۱۹۸۷ء (فیصد تقسیم)

اشخاص کی نسلی مذہبیت	جواب دہندگان کے قریبی دوست	جواب دہندگان کی بیویوں کے قریبی دوست	جواب دہندگان کے بچوں کے قریبی دوست	پارٹیوں، شادیوں اور دوسری تقریبات میں جن لوگوں سے جواب دہندگان نے ملاقاتیں کیں۔
ایرانی مسلم	۵۷ء۳	۶۰ء۰	۱۲ء۹	۶۰ء۰
ایرانی غیر مسلم	۶ء۸	۴ء۶	۴ء۷	۱۰ء۴
ایرانی مسلم اور غیر مسلم	۲۶ء۵	۲۶ء۶	۳۱ء۸	۲۷ء۰
غیر ایرانی مسلمان	۲ء۶	۱ء۸	۳ء۵	۰ء۹
مسلمان اور امریکی	۵ء۱	۵ء۵	۴۳ء۵*	۱ء۷
تمام دوسرے	۱ء۸	۰ء۹	۳ء۵	۰
مجموعہ	۱۰۰ء۰	۱۰۰ء۰	۱۰۰ء۰	۱۰۰ء۰
نمونے کی مقدار	۱۱۷	۱۰۹	۸۵	۱۱۵

* اکثریت امریکیوں کی ہے۔

تنظیمی رکنیت کے نتائج کچھ کم واضح ہیں۔ جواب دہندگان میں سے صرف ۵رفیصد ان تنظیموں میں بہت سرگرم ہیں جن کے ارکان ایرانی مسلمان ہیں۔ اگر ہم اس تجزیئے کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواب دہندگان کی اس ایک تہائی تک بھی محدود رکھیں جو تنظیموں میں بہت سرگرم ہیں تو بھی صرف ۱۷ فیصد وہ ہوں گے جو ایرانی مسلمانوں سے رابطہ رکھتے ہیں برخلاف ان تقریباً ۴۷ فیصد کے جو غیر ایرانی ارکان سے میل جول رکھتے ہیں۔

ہنرمند پیشوں میں تنخواہ دار ایرانی مسلمانوں کی کثرت کے پیش نظر یہ دیکھ کر تعجب نہیں ہوتا کہ ان کے ہم کار، نگراں یا کارخانوں کے مالکان غالب طور پر غیر ایرانی ہیں۔[40] بہرحال خود روزگار ایرانیوں کے بارے میں نتائج مختلف ہیں۔ جواب دہندگان کے حصہ دار اور شریک مالکان اہمیت کی ترتیب کے لحاظ سے قریبی اعزاء (ازواج، والدین، بچے اور بھائی بہن) (۳۷ فیصد)، ایرانی مسلم (۳۲ فیصد)، دوسرے ایرانی (۱۴ فیصد) اور تمام دوسرے غیر ایرانی (۱۴ فیصد) ہیں۔ یہ نتائج ایرانیوں میں خاندان کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہیں خاص طور سے جہاں تک اس کا تعلق ان معاشی معاملات سے ہے جن میں اعتماد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان نتائج سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ایرانی مسلمانوں کی نسلیت شراکت داریوں کی صورت میں مستحکم ہوئی ہے۔ لیکن مسلم ایرانیوں کے ملکیتی کاروبار میں کارکنوں اور ملازموں کے اعداد و شمار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نصف سے زیادہ ایرانی نہیں ہیں اور ایک تہائی سے کم ایرانی مسلمان یا دوسرے ایرانی ہیں۔ یہ نتیجہ ہمارے معاشرتی معاشی خاکے سے مطابقت رکھتا ہے۔ جو ایرانی کاروباروں میں بطور ملازم زیادہ ایرانیوں کو کام کرتے ہوئے ظاہر نہیں کرتا۔

ان معروضات سے یہ بات واضح ہے کہ ایرانی مسلم جواب دہندگان اپنے مذہبی اعمال و رسوم میں سیکولر تھے تاہم ان کی نسل پرستی کی سطح خاصی اونچی تھی۔ ان کے قریبی دوستوں کی اکثریت اور جن تقریبوں میں وہ شریک ہوتے ان کے شرکاء یا تو ایرانی ہم مذہب یا دوسرے ایرانی ہوتے۔ اسی طرح ان کی مسلم ازواج مذہبی سے بہت زیادہ نسل پرست ہوتیں۔ اپنا کاروبار کرنے والے ایرانی مسلمان مزدوری اور تنخواہ پر کام کرنے والے ایرانی مسلمانوں سے اپنے معاشی تعلقات میں نمایاں طور پر زیادہ نسل پرست ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گوشوارہ ۴-۲۰

امریکا میں مذہبی رسوم پر عمل اور ایران میں مذہبی رسوم پر عمل کے درمیان رشتہ' امریکا میں تعلیم، آمد کا سال' دوستوں کی نسلیت، تنظیمی ارکان کی ترجیحی نسل پرستی اور خود شناختی، مسلم ازواج والے جواب دہندگان اور مسلم ازواج، لاس اینجلس ۱۹۸۸۔۱۹۸۷ء (فیصد اور ن=نمبر)

متغیرات	مسلم ازواج والے جواب دہندگان: امریکا میں غیر کار بند	امریکامیں کار بند	ن	مسلم ازواج: امریکا میں غیر کاربند	امریکا میں کار بند	ن
ایران میں مذہب پر عمل						
کبھی کار بند نہیں	۱۰۰٫۰	۰	**۶۴	۹۴٫۳	*۵٫۶	۵۴
کار بند	۴۷٫۲	۵۲٫۸	**۵۳	۴۰٫۳	*۵۹٫۶	۵۷
تعلیم اب						
بی اے یا کم	۷۸٫۰	۲۲٫۰	۵۹	—	—	۵۲
ایم اے یا زیادہ	۷۲٫۷	۲۷٫۳	۵۵	—	—	۵۲
اے اے یا کم	—	—	—	۶۱٫۵	۳۸٫۵	۵۲
بی اے یا زیادہ	—	—	—	۷۱٫۷	۲۸٫۳	۵۳
آمد کا سال						
۱۹۷۹ء سے قبل	۷۱٫۷	۲۸٫۳	۶۰	۶۱٫۸	۳۸٫۲	۵۵
۱۹۷۹ء اور مابعد	۸۰٫۷	۱۹٫۳	۵۷	۷۱٫۹	۲۸٫۱	۵
دوستوں کی نسلیت						
مسلم ایرانی	۷۳٫۱	۲۶٫۹	۶۷	۶۵٫۶	۳۴٫۴	۶۴
تمام دوسرے	۸۱٫۶	۱۸٫۴	۴۹	۶۸٫۸	۳۱٫۲	۴۸
تنظیمی اراکین کی ترجیحی نسلیت						
مسلم ایرانی	۶۷٫۶	۳۲٫۴	۳۴	ن ق	ن ق	—
تمام دوسرے	۸۹٫۵	۱۰٫۵	۱۹	ن ق	ن ق	—
کوئی ترجیح نہیں	۷۶٫۶	۲۳٫۴	۶۴	ن ق	ن ق	—
خود تشخیصی						
مسلم یا ایرانی مسلم	۷۰٫۷	۲۹٫۳	۴۱	ن ق	ن ق	—
دوسرے	۷۹٫۰	۲۱٫۸	۷۶	ن ق	ن ق	—

** فشر کا قطعی امتحانی ملحوظ ۰۱ء کی سطح پر۔

ن ق = ناقابل اطلاق یا ناقابل حصول۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہبیت اور نسلیت

سیکولر ازم اور معاشرتی معاشی حیثیت کے بارے میں ان کی اضافی ہم رنگی کے باوجود ہمیں امریکا میں مذہبی رسوم پر عمل اور نسلیت، نسلی تشخص، معاشرتی معاشی حیثیت، آمد کے سال اور ایران میں مذہبی رسوم پر عمل کے متغیریات کے درمیان رشتے کی مضبوطی اور سمت کا شماریاتی امتحان لینے کی ضرورت ہے۔ چونکہ پہلی نسل کے تارکین وطن کے بارے میں متعدد تحقیقات سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذہبیت اور نسلیت، نسلی مذہبیت کی اہم خصوصیات ہیں، لہٰذا ایرانی مسلمانوں کی ان خصوصیات میں، ایک مضبوط مثبت تعلق کی توقع کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ گوشوارہ ۴-۲۰ میں بتایا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ مذہبیت اور نسلیت کے تین سمت نما اشاروں (قریبی دوستوں کی نسلیت، تنظیمی اراکین کی ترجیحی نسلیت اور نسلی تشخص) کے درمیان ایک مثبت رشتہ ہے لیکن یہ رشتہ بڑا کمزور اور شماریاتی لحاظ سے اہم نہیں ہے۔ یہ نتیجہ سیکولر ازم اور نسلیت کے درمیان کمزور رابطے یا کوئی رابطہ نہ ہونے کے مفروضے کی تائید کرتا ہے۔

جیسا کہ توقع کی جاسکتی ہے، جواب دہندگان اور ان کی مسلم ازواج جو ۱۹۷۹-۱۹۷۸ء کے انقلاب سے پہلے آئے ان لوگوں کے مقابلے میں کسی حد تک زیادہ مذہبی ہیں جو بعد میں آئے لیکن یہ رشتہ بھی شماریاتی لحاظ سے اہم نہیں ہے۔ مذہب پر عمل اور جواب دہندگان کے لیے تعلیم کے درمیان کسی رشتے کی کمی جزئی طور پر اس حقیقت کی وجہ سے ہوسکتی ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ ایران میں مذہب پر عمل واحد متغیرہ (variable) ہے جو امریکا میں مذہب پر عمل کے ساتھ مربوط ہے۔ تمام یا تقریباً تمام جواب دہندگان جنہوں نے مذہبی رسوم پر ''کبھی عمل نہیں کیا''، انہوں نے لاس اینجلس میں بھی ''کبھی ان پر عمل نہیں کیا۔'' ان کے تقریباً نصف جو ایران میں مذہب کاربند تھے وہ لاس اینجلس میں بھی کاربند رہے۔

یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کیا کوئی دوسرے متغیرات ایران اور لاس اینجلس میں مذہب پر عمل کے درمیان مضبوط رشتے کی وضاحت کرتے ہیں ہمیں نسلیت، تعلیم اور آمد کے سال کے اثرات پر کنٹرول کرنا پڑے گا۔ ایک معمولی سے استثناء کے ساتھ،[۱۳] گوشوارہ ۵-۲۰ اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

گوشوارہ ۵-۲۰

ایران میں مذہبی رسوم پر عمل اور امریکا میں مذہبی رسوم پر عمل کے درمیان رشتہ، ایران اور امریکا میں تعلیم پر نظم وضبط کا عمل، آمد کا سال، دوستوں کی نسلیت اور تنظیمی ارکان کی ترجیحی نسل پرستی، مسلم ازواج والے جواب دہندگان، لاس اینجلس ۱۹۸۸ـ۱۹۸۷ء (فیصد اور ن = نمبر)

مسلم ازواج والے جواب دہندگان

متغیرات نظم و ضبط	ایران میں غیر کار بند: امریکا میں غیر کاربند	ایران میں غیر کار بند: امریکا میں کاربند	ن	ایران میں کار بند: امریکا میں کار بند	ایران میں کار بند: امریکا میں غیر کار بند	ن
تعلیم اب						
بی اے یا کم	۱۰۰٫۰	۰	۳۲	۵۱٫۸	۴۸٫۲	۲۷**
ایم اے یا زیادہ	۱۰۰٫۰	۰	۳۰	۴۰٫۰	۶۰٫۰	۲۵**
تعلیم ایران میں						
ہائی اسکول یا کم	۱۰۰٫۰	۰	۳۳	۵۲٫۲	۴۷٫۸	۲۳**
اے اے یا زیادہ	۱۰۰٫۰	۰	۳۰	۴۷٫۴	۵۸٫۶	۲۹**
آمد کا سال						
۱۹۷۹ء سے قبل	۱۰۰٫۰	۰	۲۸	۴۶٫۹	۵۳٫۱	۶۰**
۱۹۷۹ء اور مابعد	۱۰۰٫۰	۰	۳۶	۴۷٫۶	۵۲٫۴	۵۷**
دوستوں کی نسلیت						
مسلم ایرانی	۱۰۰٫۰	۰	۳۶	۵۸٫۱	۴۱٫۹	۳۱**
تمام دوسرے	۱۰۰٫۰	۰	۲۸	۴۲٫۱	۵۷٫۱	۲۱**
تنظیمی اراکین کی ترجیحی نسلیت						
مسلم ایرانی	۱۰۰٫۰	۰	۱۷	۶۴٫۷	۳۵٫۳	۱۷**
تمام دوسرے	۱۰۰٫۰	۰	۱۰	۲۰٫۰	۸۰٫۰	۹ ش ن
کوئی ترجیح نہیں	۱۰۰٫۰	۰	۳۸	۵۷٫۷	۴۲٫۳	۲۶**

** ایران اور امریکا میں مذہب پر عمل کے درمیان تعلق نظم وضبط کے متغیرات کے زمروں کے اندر شماریاتی لحاظ سے ۰۱ء کی سطح پر ملحوظ (فشر کا قطعی امتحان)۔

ش ن = شماریاتی لحاظ سے ۰۱ء کی سطح پر ملحوظ نہیں۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گوشوارہ ۶-۲۰

ایران میں مذہبی رسوم پر عمل اور امریکا میں مذہبی رسوم پر عمل کے درمیان مسلم ازواج کا تعلق،
ایران اور امریکا میں تعلیم کے لیے نظم وضبط اور آمد کا سال، مسلم ازواج، لاس اینجلس،
۱۹۸۷ء۔۱۹۸۸ء (فیصد اور ن = نمبر)

	ایران میں غیر کار بند			ایران میں کار بند		
متغیرات نظم و ضبط	امریکا میں غیر کار بند	امریکا میں کار بند	ن	امریکا میں غیر کار بند	امریکا میں کار بند	ن
تعلیم اب:						
ایم اے یا زیادہ	۹۵٫۴	۴٫۶	۲۲	۳۶٫۷	۶۳٫۳	**۳۰
بی اے یا زیادہ	۹۲٫۹	۷٫۱	۲۸	۴۵٫۸	۵۴٫۲	**۲۴
تعلیم ایران میں						
ہائی اسکول یا کم	۹۷٫۱	۲٫۹	۳۴	۳۹٫۵	۶۰٫۵	**۴۳
ایم اے یا زیادہ	۸۸٫۲	۱۱٫۸	۱۷	۳۸٫۵	۶۱٫۵	**۱۳
آمد کا سال						
۱۹۷۹ء سے قبل	۸۵٫۰	۱۵٫۰	۲۰	۴۷٫۱	۵۲٫۹	**۳۴
۱۹۷۹ء اور مابعد	۱۰۰٫۰	۰	۳۴	۳۰٫۴	۶۹٫۶	**۲۳
دوستوں کی نسلیت						
مسلم ایرانی	۹۶٫۹	۳٫۱	۳۲	۳۲٫۳	۶۷٫۷	**۳۱
تمام دوسرے	۹۰٫۹	۹٫۱	۲۲	۵۰٫۰	۵۰٫۰	**۲۶

** ایران اور امریکا میں مذہب پر عمل کے درمیان تعلق، نظم وضبط کے متغیرات کے زمروں کے اندر شماریاتی لحاظ سے ۰۱ء کی سطح پر ملحوظ (فشر کا قطعی امتحان)۔

۶-۲۰/ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ایران اور امریکا میں مذہب پر عمل کے درمیان شماریاتی لحاظ سے اہم رشتے میں اس وقت کوئی ترمیم نہیں ہوتی جب ہم نظم و ضبط کے متغیرات متعارف کراتے ہیں۔ چونکہ تمام یا تقریباً تمام جواب دہندگان جو ایران میں کاربند نہیں تھے وہ لاس اینجلس میں بھی کاربند نہیں تھے، ہمیں امریکا میں ان جواب دہندگان کے مذہب پر عمل کا جائزہ لینا پڑے گا جو ایران میں مذہب پر کاربند تھے۔ مثال کے طور پر جو لوگ ۱۹۷۹ء سے پہلے آ گئے

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے ان کے ۶ء۴۷ رفیصد اس جائزہ کے وقت بھی کاربند تھے بمقابلہ ان لوگوں کے ۵ء۴۷ رفیصد کے جو ۱۹۷۹ء کے بعد آئے۔ ان دو اعداد کے درمیان معمولی فرق یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایران اور لاس اینجلس میں مذہب پر عمل کے درمیان مضبوط رشتے کا سبب آمد کا سال نہیں ہے۔ اسی طرح گوشوارہ ۵-۲۰ راور ۶-۲۰ رمیں نظم وضبط کے دوسرے متغیرات میں معمولی یا غیر اہم اختلافات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

گوشوارہ ۵-۲۰ راور ۶-۲۰ رمیں دیا گیا تجزیہ تین متغیرات پر مبنی ہے۔ ایران میں مذہبیت، امریکا میں مذہبیت اور آمد کا سال۔ ہمیں اس تجزیے سے آگے جانے اور جائزے کے وقت مذہبی رسوم پر عمل کے تمام متعلقہ متغیرات کے خالص اثرات کا موازنہ کرنا چاہیے۔ چونکہ مذہب پر عمل کے متغیراتی تابع کے صرف دو زمرے ہیں (عمل اور غیر عمل) لہٰذا ایک شماری وحسابی (logit) تجزیے کا استعمال کیا گیا۔ متبوع متغیرات ایران میں مذہب پر عمل، تعلیم کی اعلیٰ ترین سطح، آمد کے سال، قریبی دوستوں کی نسلیت اور تنظیمی ترجیحات ہیں۔ کثیر المتغیراتی تجزیہ جواب دہندگان اور ان کے ازواج کے لیے الگ الگ کیا گیا۔

خلاصہ اور نتیجہ

لاس اینجلس میں ایرانی مسلمانوں کے بارے میں تحقیقی اعداد وشمار یہ ظاہر کرتے ہیں کہ نسلی مذہبیت کے نمونے بہت پیچیدہ ہوسکتے ہیں اور جواب دہندگان کے مختلف سماجی مواقع کی غیر رسمی سطح پر لگ بھگ نصف جواب دہندگان کا دیگر ایرانی ہم مذہب افراد سے معاشرتی تعلق اور اس کے نتیجے میں ایرانی مسلم نسلیت کا اظہار ہوتا ہے۔

ایرانی مسلمانوں کی نسلیت ان خود روزگار لوگوں کے درمیان تجارتی روابط سے مستحکم ہوتی ہے جن کے زیادہ تر تجارتی شرکاء ایرانی مسلمان ہیں۔ بہرحال دوسرے تارکین وطن منتظمین مثلاً کوریا والوں کے برخلاف اعلیٰ حیثیت کے ایرانی مسلمانوں کے بارے میں اس بات کا امکان کم ہے کہ ان کے ساتھی کارکن ان کے ہم نسل ہوں۔ تقریباً نصف جواب دہندگان خود اپنا کاروبار کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات ظاہر ہے کہ معاشرتی اور معاشی روابط کا رجحان ایرانی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلم نسل پرستی کو مستحکم کرنے کی جانب ہے۔ بقیہ نصف مزدوری پیشہ اور تنخواہ پانے والے لوگ ہیں جن میں سے زیادہ تر کے ساتھی کارکن اور نگراں وغیرہ ایرانی ہیں۔

دو متغیریہ اور کثیر المتغیر یہ شماریاتی تجزیئے واضح طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ لاس اینجلس میں ایرانی مسلمانوں کی نسل پرستی اور مذہب پر عمل کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے۔ یہ ان کی زندگیوں کے دو علیٰحدہ علیٰحدہ پہلو ہیں۔ واحد متغیریہ، جو اہمیت رکھتا ہے، وہ نقل مکانی سے پہلے کا مذہبی رویہ ہے۔

اس تحقیق کے نتائج نہ صرف امریکا میں مسلم تارکین وطن کے مذہبی رویے اور نسلیت کے تجزیئے سے بلکہ پہلی نسل کے دوسرے تارکین وطن لوگوں کے بارے میں تحقیق سے بھی متعلق ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ تارکین وطن کی مذہبیت اور نسلیت کی تحقیق میں نہ صرف ان تارکین وطن کی معاشرتی معاشی حیثیت کو بلکہ ان کے آبائی ملک میں ان کے مذہبی رویئے کو بھی زیر غور لانا پڑے گا۔ اعلیٰ حیثیت کے وہ تارکین وطن جو اپنے آبائی ملک میں مذہب پر کسی حد تک سیکولر تھے، امریکا یا تارکین وطن کو قبول کرنے والے کسی دوسرے ملک میں سیکولر ہی رہیں گے۔ ایسی ہی صورت حال ان لوگوں کے ساتھ بھی ہوگی جو اپنے آبائی ملک میں مذہب پر بہت کاربند تھے۔

دوسری نسل کے تارکین وطن کی مذہبیت اور نسلیت کا کیا ہوگا؟ کیا ایرانی مسلمانوں کی نسلیت کا آفتاب غروب ہو جائے گا؟ پہلی نسل کے بعد نسلیت کے مستقبل کے بارے میں تحقیق سے پیدا ہونے والے سوالات کا کوئی قطعی جواب نہیں ہے۔[۴۲] لاس اینجلس میں ایرانیوں کے بارے میں تحقیق کے دوران ہم نے جواب دہندگان کے بچوں کے قریبی دوستوں کی نسلی مذہب پرستی کے بارے میں سوالات کیے تھے تاکہ ہم یہ اندازہ کر سکیں کہ دوسری نسل کا کیا بنے گا۔ جیسا کہ گوشوارہ ۳-۲۰ رمیں دکھایا گیا ہے، باپ کے دوستوں میں سے ۴۷ء۳ رفیصد اور ماں کے دوستوں میں ۴۶ء۹ رفیصد ایرانی مسلمان ہونے کے مقابلے میں بچوں کے بہترین دوستوں میں صرف ۱۱ رفیصد مسلم ایرانی تھے۔[۴۳] اس نتیجے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر تارکین وطن والدین اپنے مذہب پر عمل پیرا نہیں ہوں گے تو پہلی اور دوسری نسلوں کی نسل پرستی کے درمیان ایک شدید تنزل واقع ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر پہلی نسل میں نسلیت کو مذہبیت سے مستحکم نہ کیا گیا تو دوسری نسل کے بارے میں امید یہی ہوگی کہ وہ اپنی نسلیت کے جذبے سے محروم ہو جائے گی۔ صرف مستقبل کی مزید تحقیق ہی یہ بتائے گی کہ اس مفروضے میں کتنی صداقت ہے۔

حواشی

اس مقالے میں بیان کردہ تحقیق کو نیشنل سائنس فاؤنڈیشن کے عطیہ نمبر ایس ای ایس۔ ۸۵۱۲۰۰۷ ر نے ممکن بنایا۔ ہم کلاڈیا ڈرمار ٹیروسیان کی قیمتی اعانت کے لیے شکر گزار ہیں۔

۱۔ *U.S. News and World Report* (۸ر اکتوبر ۱۹۹۰ء) صفحہ ۱۴ر اور (۶ر اگست ۱۹۹۰ء) صفحہ ۶۔

۲۔ سمیر وائی ابراہم، نبیل ابراہم اور باربرا سی اسود، "The Southend: An Arab Muslim Working Class Community" مشمولہ *Arabs in the New World* تدوین سمیر وائی ابراہم اور نبیل ابراہم (ڈیٹرائٹ: وین اسٹیٹ یونیورسٹی، ۱۹۸۲ء) صفحہ ۱۸۱۔

۳۔ نعمت حفیظ برازنجی، "Islamic Education in the United States and Canada : Conception and Practice of the Islamic Belief System" مشمولہ "*The Muslims of America*" تدوین ای وون وائی حداد (نیو یارک: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۱ء) صفحہ ۱۸۶۔

۴۔ یہ اس بیان پر دلالت کرتا ہے کہ "ان نسلی گروہوں کے علاوہ جو مذہبی جمعیتیں بھی ہیں (جیسے یونانی اور یہودی) یہ شہادت کہ مذہب نسلیت کو زندہ رکھتا ہے قابل یقین نہیں ہے۔ مشمولہ رچرڈ ڈی الباکی، *Ethnic Identity : The Transformation of White America* (نیو ہیون، کنیکٹی کٹ اور لندن: ییل یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۰ء) صفحہ ۳۰۴۔

۵۔ ایضاً صفحہ ۳۰۴۔

۶۔ اس مواد کے بارے میں تفصیلی جائزے کے لیے ملاحظہ ہو، وسیوولوڈ ایسائیو "Ethnic Identity Retention" مشمولہ *Ethnic Identity and Equality : Varieties of Experience in a Canadian City* تدوین ریمنڈ بریٹن، وسیوولوڈ ایسائیو، ویرن ای کلباخ اور جیفرے جی ریٹز (ٹورنٹو: یونیورسٹی آف ٹورنٹو پریس، ۱۹۹۰ء) صفحہ ۳۴ تا ۴۹، مزید

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملاحظہ ہو جے ملٹن ینگر، "Ethnicity" مشمولہ *Annual Review of Sociology*"
11 (١٩٨٥ء): صفحہ ١٥١ تا ١٨٠ اور اینڈریو ایم گریلے، "The Sociology of
American Catholics" مشمولہ *Annual Review of Sociology 5* (١٩٧٩ء)
صفحہ ٩١ تا ١١١۔

٧۔ تین نسلی مفروضے کی امریکا، کینیڈا اور آسٹریلیا کے مذہبی نسلی گروہوں کے بارے میں متعدد مطالعات
کے ذریعے جانچ کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو ہیرالڈ جے ابرام سن، "The
Religioethnic Factor and the American Experience : Another
Look at the Three-Generation Hypothesis" مشمولہ *Ethnicity 2*
(١٩٧٥): صفحہ ١٦٣ تا ١٧٧، آرنلڈ ڈیشفسکی، "And the Search Goes on : The
meaning of Religio - Ethnic Identity and Identification, "
Sociological Analysis 33 (١٩٧٢ء): صفحہ ٢٣٩ تا ٢٤٥؛ برنارڈ لزارے وٹز اور لوئی
روونز، "The Three-Generations Hypothesis", *American Journal of*
Sociology 69 (١٩٦٤ء): صفحہ ٥٢٩ تا ٥٣٨، گیرہارڈ لنسکی، *The Religious*
Factor : A Sociological Study of Religious Impact upon
Politics, Economics and Family Life (نیویارک: ڈبل ڈے اینڈ کمپنی، ١٩٦١ء)
صفحہ ١٦ تا ٢٢؛ فرینک ڈبلو لوئنس "Religion and Ethnic Identity" مشمولہ *Identity*
and Religion تدوین ہینس مال (لندن: سیج پبلشرز، ١٩٧٨ء) صفحہ ١٩ تا ٣٨؛ ہارٹ ایم
نیلسن اور ڈیوڈ ایچ ایلین، "Ethnicity, Americanization, and Religious
Attendance" مشمولہ *American Journal of Sociology 79* (١٩٧٤ء):
صفحہ ٩٠٦ تا ٩٢٢؛ نکولس جے روسو، "Three Generations of Italians in New
York City : Their Religious Acculturation" مشمولہ *International*
Migration Review 3 (١٩٦٩ء): صفحہ ٣ تا ١٧؛ الے اسکوربی، "Three
Generations of Greek Americans: A Study in Ethnicity" مشمولہ
International Migration Review 14 (١٩٨٠ء): صفحہ ٤٣ تا ٥٢؛ اسٹیفن شیرو،
"The Three-Generations Thesis and American Jews," *British*
Journal of Sociology 24 (١٩٧٣ء): صفحہ ١٥١ تا ١٦٤؛ جان سمپسن، "Ethnic
Groups and Church Attendance in the United States and
Canada" مشمولہ *Ethnicity* تدوین اینڈریو ایم گریلی اور گریگوری بام (نیویارک: سی بری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پریس، ۱۹۷۷ء) صفحہ ۸۔

ایبائیو ("Ethnic Identity retention" صفحہ ۴۹ تا ۹۱) نے جرمن، اطالوی، یہودی اور یوکرینی اقلیتوں اور کینیڈا میں انگریز اکثریت کی نسلیت کے متعدد مظاہر استعمال کر کے اس مفروضے کا سب سے زیادہ واضح معیار پیش کیا ہے۔ بدقسمتی سے مذہب پر عمل یا مذہبی رویہ اس کے تجزیے میں شامل نہیں ہے۔ متعدد ماہرین عمرانیات نے تیسری نسل میں نسلیت کے اعادہ کے نظریے کو چیلنج کیا ہے۔ ان کا نقطہ نظر یا تو یہ ہے کہ بعض یورپی مذہبی نسلی گروہوں کی نسلیت تینوں نسلوں تک قائم رہتی ہے یا یہ کہ وقت گزرنے کے ساتھ یا نسلوں اور بطور خاص یورپی نسب کی سفید نسلیت کے درمیان نسلیت کا ایک مسلسل زوال ہے۔ اس نکتہ پر بحث کے لیے مثال کے طور پر ملاحظہ ہو البا *Ethnic Identity* اسٹینلے لیبرسن اور میری سی واٹرس *From Many Strands: Ethnic and Racial Groups in Contemporary America* (نیویارک: رسل سیج فاؤنڈیشن، ۱۹۸۸ء) اور میری سی واٹرس *Ethnic Options : Choosing Identities in America* (برکلے اور لاس اینجلس: یونیورسٹی آف کیلی فورنیا پریس، ۱۹۹۰ء)۔

۸۔ مارکس لی ہینسن، *The Problem of the Third Generation Immigrant* (راک آئی لینڈ، الی نوائے: آگستانا ہسٹاریکل سوسائٹی، ۱۹۳۸ء) صفحہ ۹۔

۹۔ وِل ہربرگ *Protestant - Catholic-Jew: An Essay in American Religious Sociology* (گارڈن سٹی، نیویارک: ڈبل ڈے اینڈ کمپنی، ۱۹۵۵ء)، ہربرگ کہتا ہے کہ "آج امریکا میں مذہبی صورت حال کی نمایاں شکل پروٹسٹنٹ، کیتھولک اور یہودی کی سہ رخی اسکیم کے گرد مذہبی خود شناختی کا نفوذ ہے۔" (صفحہ ۲۷۲)۔ جو چیز اسے ممکن بناتی ہے وہ تیسری نسل کی یہ خواہش ہے کہ وہ اپنے اس ورثے کو دوبارہ حاصل کرلے جو اس کے دادا کی غیر ملکی زبان اور ثقافت پر نہیں بلکہ دادا کے مذہب پر مشتمل ہے۔

۱۰۔ ایضاً صفحہ ۲۳ تا ۲۴۔

۱۱۔ اینڈریو ایم گریلی *The Denominational Society : A Sociological Approach to Religion in America* (گلن ویو، الی نوائے: اسکاٹ، فورزمین، ۱۹۷۲ء)

۱۲۔ ان تحقیقات میں حسب ذیل شامل ہیں۔ ابراہم، ابراہم اور اسود، "The Southend"؛ باربرا سی اسود، "The Southeast Dearborn Arab Community Struggles for Survival Against Urban 'Renewal'" مشمولہ *Arab Speaking Communities in American Cities* تدوین باربرا سی اسود (اسٹیٹن آئی لینڈ،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیویارک: سینٹر فار مائیگریشن اسٹڈیز، ۱۹۷۴ء): صفحہ ۵۳ تا ۸۴۔ ای وون یازبک حداد اور اڈیرٹی لوسس Islamic Values in the United States: A Comparative Study (نیویارک اور اوکسفرڈ: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۷ء)؛ ای وون یازبک حداد، تدوین "The Muslims of America" (نیویارک اور اوکسفرڈ: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۱ء) عبدہ الخولی، The Arab Moslems in the United States : Religion and Assimilation (نیو ہیون، کنیکٹی کٹ: کالج اینڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۶ء)؛ حسن اے قادر یحییٰ، "Factors Influencing the Satisfaction of Muslim Organizational Members in a University Town in the United States" (لینسنگ، مشی گن) مشمولہ Journal Institute of Muslim Minority Affairs 9 (۱۹۸۸ء): صفحہ ۲۸۰ تا ۲۹۵، اور لارل ڈی ویگل، "An Arab Muslim Community in Michigan" مشمولہ Arab Speaking Communities، صفحہ ۱۵۵ تا ۱۶۸، نسلیت پر مذہبیت کے اثرات یا عرب عیسائیوں میں انجذاب پر چند تحقیقات ہو چکی ہیں۔ ملاحظہ ہو، فلپ کیال "Religion and Assimilation: Catholic 'Syrians' in America", International Migration Review 7، (۱۹۷۳ء): صفحہ ۴۰۹ تا ۴۲۶؛ میری سنگسٹاک Chaldean Americans : Changing Conceptions of Ethnic Identity (اسٹیٹن آئی لینڈ، نیویارک: سینٹر فار مائیگریشن اسٹڈیز، ۱۹۸۲ء)۔

۱۳۔ الخولی کا تجزیہ اس کے ۱۹۵۹ء کے ٹولیڈو، اوہیو میں ۲۱۱ر مسلمانوں اور ڈیٹرائٹ مشی گن کے ۲۱۱ر مسلمانوں کے سروے پر مبنی ہے۔ ملاحظہ ہو، الخولی، The Arab Moslems صفحہ ۱۶ر اور ۲۸ر۔ الخولی نے مذہبیت کے چار پیمانے وضع کیے: (۱) مذہبی عقائد (۲) مذہب پر عمل یا رویے کے معیارات (۳) مذہبی علم اور (۴) مذہب پر عمل۔

۱۴۔ اس طرح دونوں شہروں میں پہلی نسل کے ۵۹ر فیصد جواب دہندگان ''ہفتے میں کم از کم ایک بار نماز پڑھتے تھے'' اور ۴۹ر فیصد ''رمضان میں کم از کم سات دن روزے رکھتے تھے۔'' مزید بہت سے لوگ لحم خنزیر کھانے اور شراب پینے سے پرہیز کرتے تھے۔ (الخولی، ایضاً صفحہ ۱۱۷)۔

۱۵۔ ملاحظہ ہو ابراہم، ابراہم اور اسود "Southend"۔

۱۶۔ ملاحظہ ہو عارف ایم غیور، "Muslims in the United States : Settlers and Visitors" مشمولہ The Annals 454 (۱۹۸۱ء) صفحہ ۱۵۰ تا ۱۶۳۔

۱۷۔ نمونے کے ۳۴۷ر مسلمانوں میں تارکین وطن کا تناسب دو تہائی اور دوسری، تیسری یا چوتھی پیڑھی کے مسلمانوں کا تناسب ایک تہائی بنتا ہے۔ تارکین وطن افراد میں ۳۳ر فیصد شام یا لبنان کے،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۹رفیصد ہندوستان یا پاکستان کے اور بقیہ ۳۸رفیصد دوسرے مسلم ملکوں کے ہیں (حداد اور لومس، *Islamic Values* صفحہ ۱۵ اور ۸۹)۔

۱۸۔ حداد اور لومس کے مطابق جواب دہندگان میں سے ۲۴رفیصد نے اِن مذہبی ارکان پر کبھی عمل نہیں کیا یا شاذ و نادر ہی کیا: رمضان میں روزے رکھنا، قرآن پڑھنا، دن میں پانچ بار نماز پڑھنا اور کسی مسلمان کو نماز پڑھنے کی دعوت دینا (ایضاً صفحہ ۱۶۷) تاہم پاکستان، لبنان اور دوسرے مسلم ممالک کے تارکین وطن کے درمیان مذہب پر عمل کے معاملے میں خاصے اختلافات موجود ہیں۔ (صفحہ ۲۹ اور ۱۶۹)۔

۱۹۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو شیرو، "The Three Generation Thesis" صفحہ ۱۵۱ تا ۱۶۴۔

۲۰۔ وان مُو ہر اور کوانگ چنگ کم، Religious Participation of Korean Immigrants in the United States", *Journal for the Scientific Study of Religion* 29 (۱۹۹۰ء): صفحہ ۱۹ تا ۳۴۔

۲۱۔ منیر غربی، "L ' immigration marocaine au Canada : juifs et musulmans," مشمولہ *Le facteur religieux en Amerique du Nord* تدوین ژیاں بیرانگر اور پیئر گوئیلام (Talence, France : Maison des Sciences de l' Homme d'Aquitaine)، ۱۹۸۲ء، صفحہ ۲۱۵۔

۲۲۔ لاس اینجلس میں مسلم آبادی کا تنوع کے موضوع پر *Los Angeles Times* (۳رجولائی ۱۹۸۵ء) صفحہ V-I کے مضمون، "L.A Muslims Feel Push, Pull of Divided Loyalty"۔ اس مضمون میں بتایا گیا ہے کہ شیعہ مسلم صرف ایران ہی سے نہیں بلکہ عراق، لبنان اور پاکستان سے بھی آئے ہیں۔

۲۳۔ ملاحظہ ہو مہدی بزرجمہر، "Internal Ethnicity : Armenian, Bahai, Jewish, and Muslim Iranians in Los Angeles" (پی ایچ ڈی کا مقالہ، یونیورسٹی آف کیلیفورنیا، لاس اینجلس، ۱۹۹۱ء)۔ اندرونی نسلیت کسی تارک وطن آبادی کے اندر نسلی مذہبی ذیلی گروہوں کی موجودگی کی جانب حوالہ ہے۔ مثال کے طور پر ایران سے شمالی امریکا آنے والے تارکین وطن میں آرمینی، بہائی، یہودی اور مسلمان اور مصر کے تارکین وطن میں قبطی اور مسلمان شامل ہیں۔ جب تارکین وطن آبادیاں جیسے ایرانی اور مصری، مذہب کی بنیاد پر اندرونی نسلیت سے متصف ہوں، تو یہ فرض کرلیا جاتا ہے کہ مذہب ہر ذیلی گروہ کا سب سے خاص جزو ہے۔

۲۴۔ جائزے کے خاکے پر مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مہدی بزرجمہر اور جارجز سباغ، "Survey Research Among Middle Eastern Immigrant Groups in the

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Middle East مشمولہ United States : Iranians in Los Angeles,"
Studies Association Bulletin 23 (۱۹۸۹ء): صفحہ ۲۳ تا ۴۲۔

۲۵۔ ایرانی آرمینیوں، بہائیوں اور یہودیوں کے برخلاف ایرانی مسلمانوں میں ازدواج باہمی زیادہ عام تھی۔ اس سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ دوسرے تینوں ذیلی گروہوں کے مقابلے میں ایرانی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے امریکا میں شادیاں کیں۔ غیر مذہب ایرانیوں سے شادی کرنے کے بارے میں وسیع النظری کے باوجود اقلیتوں کی اپنے ہم مذہبوں میں شادی کرنے کی ترجیح کی بنا پر مسلمان ایرانی دوسرے ایرانیوں سے شادی کرنے کے معاملے میں ایک ناموافق صورت حال کا شکار ہیں۔

۲۶۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی غیر مذہبیت امریکا میں دوسری برادریوں میں مسلم ایرانیوں کو متصف کرتی ہے۔ لہٰذا فشر اور عابدی کے مطابق ''ہیوسٹن میں ایرانیوں کی ایک بڑی آبادی قابلِ ذکر حد تک مذہب پر عامل نہیں ہے۔'' (مائیکل ایم فشر اور مہدی عابدی، Debating Muslims [میڈیسن: یونیورسٹی آف وسکانسن پریس، ۱۹۹۰ء] صفحہ ۲۷۱)۔ لیکن فشر اور عابدی نے جیسا کہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ''دینی رجحان نہ رکھنے والے مسلمانوں کو بھی ... بعض نازک مواقع پر کسی اسلامی رکن کی ضرورت ہوتی ہے۔'' (صفحہ ۲۶۸)۔

۲۷۔ امریکا میں مذہبیت کے بارے میں سوال، ایران میں مذہبیت والے سوال کے بعد کیا گیا تھا۔ لہٰذا ایران اور امریکا کے درمیان مذہبیت کے زوال کو جائزے کے اثر کی جانب منسوب نہیں کیا جاسکتا تھا۔

۲۸۔ یہ ذہن نشین رکھنا باعث دلچسپی ہوگا کہ یہودیوں میں اس کے برعکس صورت حال موجود ہے جن کی ۷۸ فیصد آبادی نے خود کو یہودی ایرانی بتایا۔

۲۹۔ مہرداد امانت، "Prelude to Migration: Nationalism, Social Change, and Revolution in Contemporary Iran" مشمولہ ران کیلی اور جوناتھن فریڈ لینڈر، مرتبین "Irangeles: Irānian Life and Culture in Los Angeles" (غیر مطبوعہ مسودہ، ۱۹۹۱ء)۔

۳۰۔ نکی کیڈی، Roots of Revolution: An Interpretative History of Modern Iran (نیوہیون، کنیکٹی کٹ: ییل یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۱ء)۔

۳۱۔ ۱۹۷۶ء کی مردم شماری کے ساتھ موازنہ سے شہری ایران میں مردوں کی تعلیمی اور پیشہ ورانہ کامیابیوں کا اندازہ اصلیت سے بڑھ کر لگایا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ زائد تخمینہ بھی جواب دہندگان کے والدوں کی کامیابیوں سے بہت کم ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۲۔ چونکہ ۱۹۸۸۔۱۹۸۷ء میں جواب دہندگان کی اوسط عمر ۳۴رتھی لہٰذا ان کے والدوں کا پیشہ ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کے عشروں میں، جب جواب دہندگان کی اوسط عمر ۱۶رسال تھی، ایران کی معاشی صورت حال کی جانب ایک حوالہ ہے۔ اگر ہم ایران کی سب سے آخری مردم شماری کے مطابق ۱۹۷۶ء میں شہری علاقوں میں ایرانی مردوں کے ۱۰رفیصد کی اعلیٰ انتظامی عہدوں پر تقرری کو بھی استعمال کریں تو یہ انہیں عہدوں پر مقرر جواب دہندگان کے والدوں کی قابل موازنہ تعداد ۳۸ء۷رفیصد سے بہت کم ہوگی۔

۳۳۔ امریکا میں ایرانیوں کی اعلیٰ حیثیت کا اندراج مہدی بزرجمہر اور جارجز سباغ نے کیا ہے۔ "High Status Immigrants : A Statistical Profile of Iranians in the United States" مشمولہ *Iranian Studies 21* (۱۹۸۸ء): صفحہ ۵ تا ۳۶۔

۳۴۔ ان تحقیقات پر بحث کے لیے ملاحظہ ہو جارجز سباغ اور مہدی بزرجمہر، "Are the Characteristics of Exiles Different from Immigrants? The Case of Iranians in Los Angeles" مشمولہ *Sociology and Social Research 71* (۱۹۸۷ء): صفحہ ۷۷ تا ۸۴۔

۳۵۔ اس خودروزگاری میں سے بعض سے اعلیٰ کاروباری انتظامی صلاحیت کی روایت جھلکتی ہے۔ ایران میں ۱۹۷۶ء کی مردم شماری کے مطابق خودروزگاری کی اطلاع ایک تہائی کی جواب دہندگان نے، تقریباً نصف کی ان کے والدوں نے اور تقریباً ایک تہائی (۲۸رفیصد) کی شہری مردوں نے دی تھی۔ تنخواہ دار کارکنوں کے لیے دوسرے پیشوں میں خودروزگار ہونا بھی کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔

۳۶۔ ملاحظہ ہو ایوان لائٹ اور ایڈنا بوناچیک، *Immigrant Entrepreneurs : Koreans in Los Angeles* 1965-1982 (برکلے: یونیورسٹی آف کیلی فورنیا پریس، ۱۹۸۸ء) اور پیانگ گیپ من، "Some Positive Functions of Ethnic Business for an Immigrant Community: Koreans in Los Angeles" (نیشنل سائنس فاؤنڈیشن کو پیش کردہ قطعی رپورٹ، ۱۹۸۹ء)۔

۳۷۔ مہدی بزرجمہر اور جارجز سباغ، "Iranian Exiles and Immigrants in Los Angeles" مشمولہ اصغر فتحی تدوین *Iranian Refugees and Exiles Since Khomeini* (کوسٹامیسا، کیلیفورنیا: مزدا پبلشرز، ۱۹۹۱ء)، صفحہ ۱۲۱ تا ۱۴۴۔

۳۸۔ گوشوارہ ۳۔۲۰رمیں دیے گئے اتصالات حسب ذیل ہیں: ایرانی مسلمان اور دوسرے ایرانی (۱۷رفیصد)؛ ایرانی مسلمان، دوسرے ایرانی اور امریکی (۱۳رفیصد) اور ایرانی مسلمان اور امریکی (۶رفیصد)۔ جواب دہندگان کے ۸۰رفیصد سے زائد کے بہترین دوست صرف ایرانی مسلمان یا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے گروہوں کے ساتھ ایرانی مسلمان ہیں۔

۳۹۔ زبان کے استعمال کے بارے میں جائزے کے اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ اگرچہ جواب دہندگان اپنے غیر رسمی معاشرتی بندھنوں میں ایرانی نسلیت کا رجحان رکھتے ہیں تاہم اپنے ہم کار ساتھیوں اور کاروباری شرکاء کے ساتھ تعلقات میں ان کا اتنا رجحان نہیں ہوتا۔ اپنے قریبی دوستوں سے گفتگو کرتے ہوئے ۸۱٫۳ رفیصد زیادہ تر فارسی بولتے ہیں لیکن اپنے ہم کار ساتھیوں اور کاروباری شرکاء سے گفتگو کرتے ہوئے ۶۷٫۸ رفیصد زیادہ تر انگریزی بولتے ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ ۹۰ رفیصد جواب دہندگان نے کہا کہ وہ انگریزی اچھی طرح یا بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔

۴۰۔ اس طرح تنخواہ دار جواب دہندگان میں سے ۷۵ رفیصد ایسی جگہ کام کرتے ہیں جہاں کم از کم ۹۰ رفیصد کارکن غیر ایرانی ہیں، ۸۷ رفیصد غیر ایرانی افراد کی زیر نگرانی کام کرتے ہیں اور ۸۹ رفیصد ایسے کاروباروں میں کام کرتے ہیں جو غیر ایرانیوں کی ملکیت میں ہیں۔

۴۱۔ استثنیٰ کا تعلق "تنظیمی اراکین کی ترجیحی نسلیت" کے انتظامی متغیریہ کے "تمام دوسرے" والے زمرے کے لیے ایران اور امریکا میں مذہبیت کے درمیان غیر اہم رشتے سے ہے (گوشوارہ ۵-۲۰)۔ بہرحال انتظامی متغیرہ اور امریکا میں مذہبیت پر ایران میں مذہبیت کے اثرات کے درمیان کوئی قطعی تعلق معلوم کرنے کے لیے نمونے کی یہ مقدار بہت چھوٹی ہے۔

۴۲۔ ان میں سے بعض مطالعات کے لیے حوالہ تشریح ۸ رمیں دیا گیا ہے۔ یورپی حسب نسب کے امریکی کیتھولک افراد کے بارے میں ایک تحقیق پر مبنی البانے "نسلیت کے دھندلکے" کے بارے میں صرف اسے چھوڑ کر پیش گوئی کی ہے جسے گینس علامتی نسلیت کہتا ہے۔ ملاحظہ ہو رچرڈ ڈی البا، "The Twilight of Ethnicity Among American Catholics of European Descent" مشمولہ *The Annals* 454 (۱۹۸۱ء) اور رچرڈ ڈی البا، "The Twilight of Ethnicity Among Americans of European Ancestry: The Case of Italians" مشمولہ رچرڈ ڈی البا، تدوین، *Ethnicity and Race in the U.S.A.* (بوسٹن: روٹلیج اینڈ کیگن پال، ۱۹۸۵ء) صفحہ ۱۳۴ تا ۱۵۷۔ الخولی نے *Arab Muslims* میں انجذاب میں ایک تیز اضافے اور پہلی اور دوسری نسل کی مذہبیت کے درمیان ایک واضح تنزلی بیان کی ہے۔

۴۳۔ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ بچوں کے بارے میں معلومات جواب دہندگان نے فراہم کی تھیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۲۱

مسجد المتکبر
ایک قدامت پسند افریقی امریکی مسلم آبادی کی تصویر

کرسٹائن کولارس

ڈچس کاؤنٹی ریاست نیویارک کی ہڈسن ریور ویلی میں واقع ہے۔ یہ دو مسلم برادریوں کا گھر ہے، ایک وہ جس کی تشکیل ابتدائی آبادکاروں سے ہوئی تھی اور دوسری وہ جس کی بنیاد افریقی امریکی برادری پر ہے۔ یہاں مسلمانوں کی دو علیحدہ مساجد ہیں، ایک ویپنگر فالز میں واقع مڈہڈسن اسلامک ایسوسی ایشن مسجد جو آبادکار مسلم برادری کی ضروریات پوری کرتی ہے اور دوسری پوکیپ سی کے شہر میں مسجد المتکبر جس کا تعلق افریقی امریکی برادری سے ہے۔ اگرچہ جغرافیائی لحاظ سے یہ دونوں برادریاں ایک ہی علاقے سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ان کی تاریخ مختلف ہے اور یہ مختلف واضح تشخص کی مالک ہیں۔[۲]

مڈہڈسن اسلامک ایسوسی ایشن

مڈہڈسن اسلامک ایسوسی ایشن برادری کی تشکیل زیادہ تر ہندوستانی، پاکستانی اور بنگلہ دیشی آبادکاروں سے مل کر ہوئی ہے۔ اس مسجد کے امام ایک ہندوستانی ہیں جو ابھی حال میں ترک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وطن کر کے ہڈسن ویلی آئے ہیں۔ وہ اس مسجد کے انتظامی امور کی نگرانی کرتے ہیں جو اپنی موجودہ جگہ پر ۱۹۹۰ء میں قائم ہوئی تھی۔ برادری نے اس مسجد کی تعمیر کی ذمہ داری سنبھالی جو ہڈسن ویلی کی شمالی جنوبی عام سڑک پر پہاڑ کی ایک چوٹی پر راہ گزر نمبر ۹ کے ساتھ کئی ایکڑ پر پھیلی ہوئی زمین پر وپنگر فالز کے قصبے میں واقع ہے۔ امام کے اندازے کے مطابق جمعہ کی نماز میں اوسطاً ۱۵۰ نمازی شریک ہوتے ہیں اگرچہ رمضان میں اس مسجد میں ۸۰۰ تک نمازی آجاتے ہیں۔ یہ مسجد مسلم دنیا سے آئے ہوئے آبادکاروں کے مختلف گروہوں کی ضروریات پوری کرتی ہے لیکن امام کہتے ہیں ''ہم سب بھائی بھائی ہیں؛ پاکستانی، ہندوستانی، بنگلہ دیشی، مصری۔ اس سے کوئی بحث نہیں کہ آپ کہاں سے آئے ہیں، ہم سب آپس میں بھائی ہیں۔ مرد عورت سب۔ ہم الگ الگ نہیں ہیں۔ الگ الگ ہونا بری بات ہے۔''[۳] امام کہتے ہیں کہ ان کے اجتماع میں کوئی افریقی امریکی نہیں ہے حالانکہ وہ پوکیپ سی میں مسجد المتکبر کی موجودگی سے واقف ہیں۔

مڈہڈسن کی اسلامک ایسوسی ایشن کا بنیادی فریضہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے مذہبی ہے۔ یہ مسجد پورے سال مذہبی ضروریات پوری کرتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ برادری کے مسلمانوں کے ملنے جلنے کے لیے ایک جگہ بھی مہیا کرتی ہے۔ یہ امریکا یا ہڈسن ویلی میں نووارد خاندانوں کو سہارا دے کر ایک اور اہم کردار بھی ادا کرتی ہے۔ چونکہ اس کے ارکان کی اکثریت امریکا کی زندگی سے مطابقت پیدا کرنے میں ایک جیسے تجربات سے گزری ہے اِس لیے اپنے ثقافتی اور لسانی رشتوں سے ماورا ان کے درمیان اشتراک کے اور نکتے اور حوالے بھی ہیں۔ یہ مسجد وہ خدمات مہیا نہیں کرتی جو دوسری مسلم آبادیوں میں مسجدیں مہیا کرتی ہیں، مثلاً بچوں کے لیے کوئی اسکول۔ تاہم امام صاحب کے سامنے جب بھی مسلم اسکول کا مسئلہ اٹھایا جاتا ہے تو وہ پُرامید انداز میں جواب دیتے ہیں ''انشاء اللہ ایک روز ہم مسجد کے گرد جو کئی ایکڑ زمین ہے اس پر بچوں کے لیے ایک اسکول تعمیر کرنے کے لائق ہو جائیں گے۔''

مڈہڈسن اسلامک ایسوسی ایشن کے یقینی استحکام کا اندازہ وہاں مسلسل بڑے اجتماعات سے ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس نے عظیم تر ہڈسن ویلی کی متحد برادری میں بھی روز افزوں مقبولیت حاصل کر لی ہے۔ ڈچس کاؤنٹی انٹرفیتھ کونسل کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر، گیل برگر اسلامک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسوی ایشن کے مسلمانوں اور پوکیپ سی علاقے کے دوسرے مذہبی گروہوں کے درمیان گفت وشنید کو بطور مثال پیش کرتے ہیں۔[۴] اگر چہ یہ لوگ کونسل کے باضابطہ ممبر نہیں ہیں تاہم انٹرفیتھ کی ڈائریکٹری میں بہت سے مسلمان گروہوں کے نام درج ہیں اور ماضی میں مسلمانوں نے گفت وشنید کے ایسے کئی گروہوں میں شرکت کی ہے جن کا انتظام کونسل نے کیا۔ ۱۹۹۱ء میں انٹرفیتھ کونسل نے مقامی مذہبی برادری کے ارکان کے لیے مذہبی عبادت گاہوں کی سیاحت کا انتظام کیا۔ تقریباً پچاس افراد نے چار عبادت گاہوں میں پورا دن گزارا۔ ان جگہوں میں اسلامک ایسوی ایشن کی مسجد بھی شامل تھی۔ اس گروہ کو ایسوی ایشن کی پوری زمین اور عمارت دکھائی گئی اور مسجد سے وابستہ خواتین نے ہلکا پھلکا ناشتہ پیش کیا۔ برگر کہتا ہے کہ اس سیاحت کے نتیجے میں مسلم برادری کے درمیان یگانگت پیدا ہوگی اور یہ امکان بھی پیدا ہوا کہ مسلمانوں کی سرگرمیوں میں غیر مسلموں کی شرکت میں اضافہ ہوگا۔

انٹرفیتھ کونسل کو امید ہے کہ وہ اپنی مزید سرگرمیوں اور مذاکراتی گروہوں میں مسلم برادری کے ارکان کو شامل کرے گی۔ ان دنوں وہ کونسل کی بیسویں سالگرہ کی تقریب منانے کے لیے عیسائیت، یہودیت اور اسلام کے درمیان رشتے پر تقریروں کا ایک سلسلہ منعقد کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہے۔ اگر چہ اس نکتے پر کونسل کا تعامل بنیادی طور پر اسلامک ایسوی ایشن کے ساتھ ہے تاہم برگر کا بیان ہے کہ کونسل والوں کو اپنے گروہ اور پوکیپ سی میں افریقی امریکی مسلم گروہ کی مسجد المتکبر کے ارکان کے درمیان باہمی میل جول کی زیادہ امید ہے۔ کونسل ان دنوں مسجد کے لیے فہرست سازی کر رہی ہے لیکن اُس کے ممبروں سے کونسل کا کوئی حقیقی رابطہ نہیں ہے۔

مساجد کے باہمی تعلقات

یہ حقیقت کہ متعلقہ مسلم برادریوں اور انٹرفیتھ کونسل کے درمیان شرکت کی سطحیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں ان کے تشخص کی غماز ہیں۔ اگر چہ ان دونوں برادریوں کے عقائد ایک ہی ہیں، ان کا جغرافیائی ماحول بھی ایک ہی ہے اور گزشتہ دو عشروں میں انہوں نے ساتھ ساتھ ہی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترقی کی ہے، لیکن یہ دونوں ٹڈہڈسن ویلی سوسائٹی کے متضاد اور مختلف حلقوں پر قابض ہیں۔ ہر گروہ اندرونی لحاظ سے اپنا نقطۂ نظر رکھتا ہے، مثلاً مسجد المتکبر کے افریقی امریکی مسلمان زیادہ تر افریقی امریکی برادری کے دوسرے ارکان (مسلم اور غیر مسلم دونوں) سے اور اسلامک ایسوسی ایشن کے آباد کار گروہ زیادہ تر آپس میں رابطہ رکھتے ہیں۔

بچے اپنی متعلقہ برادریوں کے مستقبل کی عکاسی کا ایک وسیلہ اور پیمانہ ہوسکتے ہیں۔ اسلامک ایسوسی ایشن سے متعلق خاندانوں کے بچے پبلک اسکولوں میں جاتے ہیں اور ان کی نشوونما بھی اسی طرح ہورہی ہے جس طرح امریکا میں پہلی نسل کے بیشتر بچوں کی بطور امریکی بچوں کے ہوئی، لیکن اپنی مضبوط ملکی نسلی روایات کے ساتھ۔ سترہ سالہ راشد عبداللہ ایک بنگلہ دیشی میاں بیوی کا بیٹا ہے جو ترک وطن کرکے امریکا آگئے تھے۔ اس نے یہاں کنڈرگارٹن کے مرحلے سے اسکول کی تعلیم پائی ہے اور وہ کہتا ہے ''آپ کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ کسی بچے کو مار مار کر مذہبی بنائیں۔ میں ایک مسلمان ہوں۔ لیکن میں نے اسلام کو گھر پر چھوڑ دیا ہے۔ پبلک اسکولوں میں جانا مفید رہا ہے۔''[۵] راشد اسلامک ایسوسی ایشن جیسی آباد کار مسلم برادریوں کے مستقبل کا نمائندہ لڑکا ہے جو اپنے والدین کی روایتی ثقافت سے پوری طرح آگاہ ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اپنے امریکی تشخص پر بھی بڑی مضبوطی سے قائم ہے۔

اس کے برعکس مسجد المتکبر کے بچے ایک ایسی امریکی ثقافتی روایت سے تعلق رکھتے ہیں جو ناقابل تردید حد تک امریکی معاشرے کا ایک کونے والا حصہ ہے۔ ان کے والدین امریکیوں کی پہلی نسل ہونے کے بجائے اپنے خاندان کی پہلی نسل کے مسلمان ہیں۔ بحیثیت مجموعی ان کی تربیت سخت مسلم روایت کے مطابق ہوئی ہے جس میں وہ جمعہ کی نماز اور مسلم اسکولوں میں شریک ہوتے ہیں اور وہ اپنی تربیت کے اس پہلو پر قائم ہیں جسے ان کے بچپن ہی سے مستحکم بنایا گیا ہے۔ دونوں مسلم برادریوں کے بچوں کو اپنی زندگی کی دونوں خصوصیات یعنی اسلام اور امریکی تشخص سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے بہت کچھ سیکھنا پڑا ہے۔ ان دونوں گروہوں کے بچوں کی زندگیوں میں یہ دونوں عناصر جو اہم کردار ادا کررہے ہیں غالباً اس کے نتیجے میں دونوں برادریاں مستقبل میں زیادہ مشترک باتوں سے لطف اندوز ہوں گی اور اپنے دائرہ عمل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو اس طرح وسیع کر دیں گی کہ دونوں ہی اور زیادہ بھرپور طریقے سے ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہو جائیں۔

ان دونوں گروہوں کے درمیان کسی حد تک رابطہ قائم ہے۔ اگرچہ مسجد المتکبر میں نماز پڑھنے والے مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت افریقی امریکیوں کی ہے لیکن کئی آبادکار مسلمان بھی جمعہ کی نماز پڑھنے یہاں آتے ہیں۔ مسجد المتکبر کی کسی مخصوص عبادت میں متعدد پاکستانی مرد بھی حاضر ہوتے ہیں اور کبھی کبھار مڈہڈسن اسلامک ایسوسی ایشن اور پڑوس کی دوسری مسجدوں کے ارکان اور نمازی بھی یہاں آتے ہیں۔ مختلف منصوبوں میں یہ برادریاں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتی ہیں اور یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے کہ مسجد المتکبر کے ارکان سے ان کی پڑوسی مسلم برادریاں مقامی نوعیت کے منصوبوں مثلاً کتبے، طغرے اور مقامی مسجد یا مراکز پر رنگ روغن کرنے کے سلسلے میں تعاون کے طلب گار ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب اسلامک ایسوسی ایشن کی نئی مسجد اپنی تکمیل کے آخری مراحل میں تھی تو مسجد المتکبر میں جمعہ کی نماز کے بعد اعلان کیا گیا کہ ہفتے کے آخری دن رضا کار جاکر اس نئی مسجد کی عمارت کی دیواروں پر رنگ کرنے میں مدد دیں۔ اس قسم کی درخواستیں دوطرفہ بنیادوں پر کی جاتی ہیں، چنانچہ یہ بھی معمول کی بات ہے کہ تارکین وطن مسلم برادریوں کے سربرآوردہ لوگ افریقی امریکی مسلم برادری کے زیر انتظام سماجی کاموں میں شریک ہوتے ہیں۔

اگرچہ ان گروہوں میں کسی حد تک تعاون موجود ہے تاہم یہ بہت اعلیٰ پیمانے پر نہیں ہے اور مختلف برادریوں کی رکنیت اور شرکت بہت زیادہ ایک دوسرے کا راستہ نہیں کاٹتیں۔ باہمی تعامل اور مل کر کام کرنے میں بڑی رکاوٹیں حائل ہیں جیسے زبان کی مہارت یا انتہائی مختلف ثقافتی روایات۔ بہرحال مسجد المتکبر کی برادری اور اس کے گرد تارکین وطن برادریوں کے درمیان اختلافات صرف ثقافتی نوعیت کے نہیں ہیں بلکہ دونوں برادریوں کے ارکان کے معاشی حالات میں بڑا وسیع تفاوت موجود ہے جو ان کے درمیان آمد و رفت کی مشکلات اور فاصلوں کو بلاشبہ اور بڑھا دیتا ہے۔

اسلامک ایسوسی ایشن کی مسجد کے بہت سے ارکان پیشہ ورانہ حیثیتوں کے حامل ہیں اور پوکیپسی کے گرد متوسط درجے کے مضافات میں ذاتی مکانات کے مالک ہیں۔ ان کی اضافی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مالی خوش حالی ان کی برادری کی اس حیثیت سے جھلکتی ہے کہ وہ اس علاقے میں زمین خرید سکتی ہے اور نئی مسجد کی عمارت تعمیر کر سکتی ہے۔ اسکے برعکس مسجد المتکبر کے ارکان معاشی طور پر کم خوش حال ہیں۔ ان کی اکثریت پوکیپ سی کے اندرون شہر کے علاقوں میں اعانتی رہائشی منصوبوں کے مکانوں میں رہتی ہے۔ یہ مسجد بہت معمولی رقم سے اپنا کام کرتی ہے اور اپنا کام چلانے کے لیے اسکے پاس کوئی مضبوط مالی بنیاد نہیں ہے۔ ۱۹۸۰ء کے عشرے میں یہ مسجد پوکیپ سی کے اندرون شہر میں کرایہ کی ایک تباہ حال عمارت میں قائم تھی اور ۱۹۹۰ء میں یہ مسجد پوکیپ سی کے اندرون شہر میں 'مال' پر ایک خراب وخستہ پیادہ رو بازار میں، جس کی ۱۹۶۰ء کے عشرے میں ازسرنو مرمت کی گئی، اپنی موجودہ جگہ پر منتقل ہوئی۔ یہ مسجد اپنی مدد آپ کے نظریے ("bootstrap" philosophy) پر کام کرتی ہے جسے پہلی بار نیشن آف اسلام نے متعارف کرایا تھا۔ اگر چہ برادری بیرونی وسائل سے مدد قبول کرتی ہے جیسے اس اسکول کے لیے، جسے وہ چلاتی ہے، رضا کاروں کی خدمات کو قبول کیا جاتا ہے، تاہم اس کے وسائل کا بہت بڑا حصہ مقامی برادری کے اراکین سے اور چندہ جمع کرنے کی مہم سے حاصل ہوتا ہے۔

مڈہڈسن کی اسلامک ایسوسی ایشن اور مسجد المتکبر دونوں کی برادریوں کا جائزہ بلاشبہ ایک دلچسپ اور اہم کام ہوگا۔ بہر حال اس باب میں مسجد المتکبر کی افریقی امریکی قدیم الخیال مسلم برادری پر روشنی ڈالی جائے گی۔ اس قدیم الخیال مسلم گروہ کی تفہیم امریکا میں مسلمانوں کی تصویر مکمل کرنے کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ یہ مسجد صحیح معنوں میں پہلی دیسی امریکی مسلم برادری یعنی افریقی امریکی راسخ العقیدہ مسلم برادری کا ادارہ ہے۔ یہ برادری ۱۹۷۰ء کے عشرے میں نیشن آف اسلام سے نکل کر بنی تھی۔

مسجد المتکبر پوکیپ سی، نیویارک میں ۱۹۷۶-۱۹۷۵ء میں قائم ہوئی تھی۔ ابتدا میں یہ سابق نیشن آف اسلام کے ممبروں سے مل کر بنی تھی جو ایک سیاہ فام قوم پرست تحریک تھی، جس کی بنیاد برائے نام اسلامی اصولوں پر قائم تھی۔ مسجد المتکبر کا قیام نیشن آف اسلام کی پوکیپ سی والی شاخ کے ارتقاء میں ایک نقطۂ انقلاب ثابت ہوا، یعنی ایک سیاہ فام قوم پرست سیاسی تحریک اصلی اسلامی سانچے میں ڈھل گئی اور نسلی علیحدگی پر زور دینے والی تحریک نے مکمل طور پر مذہبی برادری کا رخ اختیار کر لیا۔ جس نے افریقی امریکی برادری کو بااختیار بنانے کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے سُنی اسلام کی سرپرستی میں کام شروع کر دیا۔ مسجد التکبر میں یہ تبدیلی نیشن آف اسلام میں اعلیٰ سطح پر اس کی بناوٹ یا نظریے میں تبدیلیوں کے سبب آئی۔ اگرچہ مسجد التکبر کی برادری اب اسلام کے سُنی معیار پر عمل کرتی ہے تاہم اس کی جڑیں بلاشبہ نیشن آف اسلام میں پیوست ہیں اور اس برادری کی بعض خصوصیات کا سراغ اس کی ابتدائی تاریخ سے لگایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ پہلے نیشن آف اسلام کی تاریخ کو اور صحیح الخیال اسلام کی جانب اس کے سفر کو مختصر طور پر بیان کر دیا جائے۔

دی نیشن آف اسلام

گم کردہ و باز یافتہ نیشن آف اسلام، جسے ۱۹۳۰ء میں ماسٹر ولی فرد نے قائم کیا تھا، امریکا میں پہلا بڑا مقامی گروہ تھا۔ اس کے نظریے میں اسلام، عیسائیت اور سیاہ فام قوم پرستی کے عناصر اس طرح داخل کر دیئے گئے تھے جس سے تحریک کا مستقبل یقینی بن جائے اور ہزاروں افریقی امریکیوں کے لیے راسخ العقیدہ اسلام کو قابل قبول بنا دے، جب فرد ۱۹۳۴ء میں غائب ہو گیا تو اس کا ابتدائی پیروکار، ایلیجاہ محمد، اس تنظیم کا رہنما بن گیا۔ اس نے فرد کو اللہ اور خود کو روئے زمین پر اللہ کا نبی قرار دیا اور اس نے گروہ کا نام مختصر کر کے نیشن آف اسلام رکھ دیا۔

ایک باہم متفق اور متحد برادری کی تخلیق کی خاطر ایلیجاہ محمد نے اپنے پیروکاروں کے لیے سخت نظم وضبط اور خود اعتمادی اور اس کے ساتھ ہی مذہبی اقدار کا نظریہ وضع کیا۔ اس نے اس بات پر اصرار کیا کہ نیشن آف اسلام کے لوگ سخت اخلاقی حدود میں رہیں اور تحریک کے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لیے کام کریں۔ اس نے سیاہ طاقت اور سیاہ حقوق کے عقیدے کو بھی پروان چڑھایا۔ اس تحریک نے افریقی امریکیوں کو اتحاد کی دعوت دیتے ہوئے اور ان کے لیے ایک علیٰحدہ زمین اور علاقوں کا مطالبہ کرتے ہوئے قوم پرستی اور علیٰحدگی کے نظریات کو اپنایا۔ میلکم ایکس، نیشن آف اسلام کا ایک اہم ممبر تھا یہاں تک کہ اس نے صحیح العقیدہ اسلام قبول کر لیا اور ۱۹۶۴ء میں حج کرنے کے بعد اس نے اپنے اسلامی تشخص کو برقرار رکھنے کی خاطر اپنا نام الحاج ملک الشہباز رکھ لیا۔ ملک الشہباز نے، جس نام سے اب وہ مشہور ہو چکا تھا،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیاہ فام قومیت کی حمایت جاری رکھی، اگر چہ اس نے راسخ العقیدہ اسلام سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے، جونسلی برابری کا تقاضا کرتا ہے، اپنے نظریات کو معتدل بھی بنایا۔ میلکم شہباز کو ۱۹۶۴ء میں قتل کر دیا گیا، لیکن جو راستہ اس نے منتخب کیا تھا اسے ایلیجاہ محمد کے بیٹے وارث دین نے بھی اپنا لیا جو ۱۹۷۵ء میں ایلیجاہ محمد کی موت کے بعد نیشن آف اسلام کا لیڈر بنا۔

وارث دین محمد نے ۱۹۷۶ء سے بعض ایسی انقلابی تبدیلیاں پیدا کیں جو گروہ نے اپنی مختصر تاریخ میں پہلے نہیں دیکھی تھیں۔ اس نے نیشن آف اسلام کا نام بدل کر پہلے ''ورلڈ کمیونٹی آف الاسلام ان دی ویسٹ'' اور چار سال بعد امریکن مسلم مشن رکھ دیا۔ یہ نام اس پیغام کے لیے اہم تھا جو اپنے صحیح عقیدے کی خاطر تحریک دے رہی تھی۔ 'قوم' کی اصطلاح کے استعمال سے ایک علیحدگی پسند قوم پرست مقصد کا اظہار ہوتا تھا جسے گروہ نے اپنا رکھا تھا۔ جب وارث دین محمد نے بدل کر اس میں مشن کا لفظ داخل کیا تو اس سے راسخ العقیدہ تحریک کا شمولیتی رجحان اور یہ ارادہ ظاہر ہوا کہ گروہ اب امریکی معاشرے کے تمام حصوں اور طبقوں سے اسلام قبول کرنے والوں کو قبول کرے گا۔ اب اس گروہ نے اپنا مرکز نظر سیاہ فام نسل پرستی کی جگہ راسخ العقیدہ مسلم نظریات کو بنالیا اور اس کے بعد ان کا عقیدہ نسلی علیحدگی کے اس نظریے سے مختلف ہو گیا جسے ایلیجاہ محمد نے پروان چڑھایا تھا۔ نسل کے مسئلے کی اہمیت ختم کرنے کی وجہ سے یہ نیا گروہ روایتی اسلام سے قریب تر آ گیا، جو اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ مذہب میں نسل پرستی یا کسی وجہ سے امتیاز اور تعصب برتنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

۱۹۸۶ء میں وارث دین محمد نے امریکن مسلم مشن کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا اور تنظیم کو رسمی طور پر توڑ دیا۔ اس فیصلے کا محرک یہ تھا کہ وہ افریقی امریکی مسلم برادری کو بین الاقوامی مسلم برادری کے ساتھ مزید متحد کرنا چاہتا تھا۔ وارث دین محمد کے مطابق گروہ کا شعبہ جاتی ڈھانچا مسلم نظریہ 'اُمّہ' کے مطابق نہیں تھا جو ایک عالمگیر مسلم برادری کے تصور پر زور دیتا ہے۔ امریکی مسلم مشن توڑ دینے سے وارث دین محمد کی ابتدائی خواہش کے مطابق کسی حد تک مثبت نتائج حاصل ہوئے۔ یو کیپ سی میں مسجد المتکبر کے امام شمس الدین کہتے ہیں ''پس اس سے کیا ہوا، اس نے استعفیٰ اس لیے دیا تھا اور امریکن مسلم مشن اس لیے توڑا تھا کہ وہ چاروں طرف پھیلی ہوئی تناؤ کی کیفیت کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ اس کے نتیجے میں یہ ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تقسیم شدہ برادری کے زمرے سے نکل کر ایک بہت بڑی اور موثر بین الاقوامی برادری بن گئی۔ اس لیے اب مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں وہ یہاں [مسجد المتکبر میں] آ سکتے ہیں۔"[۶]
۱۹۷۰ء کے عشرے میں افریقی امریکی استحکام کو اپنا مقصد قرار دینے والی یہ برادری اب واضح طور پر مسلم اتحاد پر زور دیتی ہے۔

نیشن آف اسلام کی پوکیپ سی شاخ کی صدارت منسٹر مارک ایکس کر رہے تھے اور انہوں نے ۱۹۷۶ء میں صبیر الحاجی کا نام اختیار کرنے کے بعد گروہ کا رخ اسلام کی نقل کی جانب سے اصل اسلام کی طرف پھیر دیا۔ ۱۹۷۹ء میں مارشل شمس الدین مسجد میں شریک ہو گئے اور وہ برادری کی قیادت میں سرگرم حصہ لینے لگے۔ ان دنوں وہ مسجد کے امام اور سسٹر کلارا محمد اسکول کے ابتدائی استاد کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے برادری کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ یہ اسکول مسجد کے زیر انتظام چل رہا ہے۔

مسجد المتکبر

مسجد المتکبر پوکیپ سی میں اندرون شہر کی ایک کرائے کی عمارت میں قائم ہے۔ اس کے ارکان کی تعداد بہت مختصر ہے۔ کوئی بیس سے تیس خاندان پابندی کے ساتھ برادری کے کام میں سرگرم حصہ لیتے ہیں۔ یہ افریقی امریکیوں کے خاندان ہیں اور ۱۹۷۵ء تک ان کے متعدد معمر ارکان نیشن آف اسلام کے ممبر تھے جب انہوں نے اصل اسلامی عقیدہ اختیار کیا۔ یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ اس جگہ "معمر" کی اصطلاح سے دھوکا ہو سکتا ہے کیونکہ نیشن آف اسلام سے راسخ العقیدگی کا یہ سفر ابھی اتنا تازہ ہے کہ اس برادری کے معمر ترین ارکان بھی اس وقت چالیس کے پیٹے میں تھے۔ برادری کے بالغ ارکان زیادہ تر شادی شدہ اور بال بچے والے ہیں۔ ان کی خاندانی زندگی پر معاشرے اور امام کا گہرا اثر ہے۔ قبل از نکاح جنسی تعلقات، شراب اور منشیات سے پرہیز اس برادری کے نظریات اور اسلوب حیات کے لازمی عناصر ہیں اور ان مسائل کو جمعہ کے خطبوں میں پابندی کے ساتھ شامل کیا جاتا ہے۔ چونکہ اس برادری کے نوجوان ارکان عیسائیت ترک کر کے آئے ہیں اس لیے وہ اپنا پہلا نام عربی رکھتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور انہیں اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنا پرانا نام برقرار رکھیں، اگرچہ بہت سے لوگ وہ بھی ہیں جو دونوں کو ملا دیتے ہیں۔ برادری کے تمام بچوں کے پہلے نام عربی ہیں جیسے نطارہ، فاطمہ اور کاسب۔

اسلام مسجد المتکبر کے ارکان کی زندگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ان مسلمانوں کے برخلاف جو ایسے ماحول میں مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے تھے جہاں اسلام غالب مذہب تھا، افریقی امریکی مسلمانوں کو اکثر حالات میں اپنا پیدائشی مذہب رد کر کے اسلام میں پائی جانے والی ان خصوصیات کی وجہ سے مسلمان ہونے کا فیصلہ خود کرنا پڑا جنہیں وہ اپنی زندگی کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ امام شمس الدین ارکان کو پنج وقتہ نماز ادا کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، اگرچہ وہ اپنے اس خیال پر سختی کے ساتھ قائم ہیں کہ مومن کی پُر خلوص خدا ترسی اس کے کامیاب مومن یا مومنہ ہونے کے لیے لازمی عناصر ہیں، وہ کہتے ہیں ''جو شخص خلوص کے ساتھ قرآن کی ایک سورۃ بھی پڑھ لیتا ہے وہ اس کے برابر ہے جو سمجھے بوجھے بغیر ایک تہائی قرآن پڑھ ڈالتا ہے۔ اہم اور خاص بات یہ ہے کہ تم اپنے دل کی گہرائی سے یہ بات مان لو کہ اللہ ایک ہے اور صرف وہی خالق ہے۔''

یہاں بچوں کو اپنے بڑوں کا ادب کرنے اور نرم خو رہنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، جب میں پہلی بار مسجد میں گئی تو امام شمس الدین نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ میرا استقبال کیا اور بچوں سے میرا تعارف کرایا۔ جب ایک چھوٹا بچہ امام شمس الدین کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق میرا استقبال کرنے میں ناکام رہا تو امام نے بچے سے بڑی نرمی کے ساتھ کہا کہ مہذب انسان بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ میرا استقبال بہتر طور پر کرے۔ کئی بار کوشش کرنے کے بعد بچہ امام کو مطمئن کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس واقعے سے بچوں میں اپنے بڑوں کی عزت کرنے کے جذبے کا اور اُس مثبت طریقے کا اظہار ہوتا ہے جو امام نے بچے کو سکھانے کے لیے اختیار کیا۔ اس واقعے نے مسجد المتکبر کے ایک اصول کی بھی عملی عکاسی کی: ہمیشہ دوسروں کی عزت کرو۔ اس سے کوئی بحث نہیں کہ وہ تمہارے ساتھ کیسے پیش آتے ہیں۔

اگرچہ بعض افریقی امریکی مسلم گروہ اپنے ابتدائی اجلاس اتوار کے دن منعقد کرتے ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن پوکیپ سی کی برادری ایسا نہیں کرتی (اگرچہ وہ اس دن اکثر اپنی سماجی سرگرمیاں منعقد کرتی ہے)۔ مسجد کا خاص اجلاس جمعہ کو سہ پہر میں ہوتا ہے، جو عبادت کرنے کے لیے پوری دنیا میں مسلمانوں کا مقدس دن ہے۔ نماز ایک بجے شروع ہوتی ہے اور تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہتی ہے۔ عموماً بیس سے تیس افراد نماز میں موجود ہوتے ہیں لیکن یہ تعداد ہفتے کے ہفتے گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ نمازیوں میں اکثریت مردوں کی ہوتی ہے اور اس دوران اسکول کا کام ملتوی کر دیا جاتا ہے تاکہ بچے بھی نماز میں شریک ہوسکیں۔ بہت کم عورتیں نماز میں شریک ہوتی ہیں۔ ان کی موجودگی کا اصل مقصد نماز کے دوران بچوں کی نگرانی کرنا ہوتا ہے۔ بڑی عمر کے طلبا بھی چھوٹے بچوں میں نظم وضبط برقرار رکھنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ تمام مرد کمرے کے اگلے حصے میں قبلہ کی طرف رخ کرتے ہوئے قطار در قطار بیٹھ جاتے ہیں (امام کے پیچھے)۔ پھر مردوں کے بعد بچے بٹھائے جاتے ہیں اور ان کے پیچھے عورتیں بیٹھ جاتی ہیں۔ عبادت اس طرح شروع ہوتی ہے کہ پہلے تمام عبادت گزار پوری توجہ کے ساتھ عربی کے بعض فقرے سنتے ہیں جو امام کہتے* ہیں اور پھر یہ مجمع آرام کے ساتھ بیٹھ کر خطبہ سنتا ہے جو یا تو امام خود دیتا ہے یا برادری کا کوئی مرد رکن جسے امام نے اس کام کے لیے منتخب کیا ہو۔ خطبہ عموماً بیس منٹ جاری رہتا ہے اور عموماً کسی ایک موضوع سے متعلق ہوتا ہے، یعنی آنے والی مذہبی تقریبات، مسلمانوں کے فرائض اور اسی نوعیت کے دوسرے موضوعات پر بات کی جاتی ہے۔ خطبے کے بعد جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔

عبادت ختم ہونے کے بعد عورتیں اپنے چھوٹے بچوں کو لے کر چلی جاتی ہیں، بڑے بچے اپنے تعلیمی کام میں مشغول ہوجاتے ہیں اور مرد کمرے کے درمیان میں فرش پر ایک حلقہ بنا کر بیٹھتے ہیں اور مسلم برادری کے مسائل پر گفتگو کرتے ہیں۔ اسی موقع پر مسجد کے ارکان یا مسافر مسلمان امداد کی درخواست کرتے ہیں۔ برادری میں عنقریب ہونے والی سرگرمیوں اور حالاتِ حاضرہ کا جائزہ بھی لیا جاتا ہے۔ مردوں کے اس اجلاس کے بعد برادری کے ارکان سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ مسجد میں رکے رہیں اور اسکول کے بچوں کے ساتھ امام

* امام خطبہ کا ابتدائی حصہ جس میں حمد وثنا اور درود وسلام ہوتا ہے، عربی میں ادا کرتے ہوں گے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شمس الدین سے عربی زبان کے اسباق لیں۔ برادری کے ہر شخص کو اس کلاس میں خوش آمدید کہا جاتا ہے اور ہفتے کے ہفتے شرکاء کی تعداد میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ جمعہ کی عبادت میں ہمیشہ قرآن پاک سے ایک سبق عربی میں سنایا جاتا ہے، اگرچہ برادری کے بہت کم ارکان عربی واقعی بول یا سمجھ سکتے ہیں۔ عربی زبان میں امام کے سبق دینے کا مقصد شرکاء کی تعداد میں اضافہ کرنے کے علاوہ یہ ہوتا ہے کہ نمازی قرآن کے اصل متن (عبارت) کو سمجھ سکیں۔ چند عرب تارکین وطن مسلمان جو اس عبادت میں شریک ہوتے ہیں وہ ظاہر ہے، اسے سمجھتے ہیں اور وہ قرآن پاک کی آیتیں پڑھ کر یا ان کا ترجمہ کر کے عبادت کے اس حصے میں براہ راست شریک ہوتے ہیں۔

ذاتی تشخص میں اسلام کا کردار

امام اور برادری کے دوسرے ارکان، اسلام کو ایک ایسے بنیادی عنصر کے طور پر پیش کرتے ہیں جس کے مطابق مسلمان اپنی زندگیوں کو ڈھالتے ہیں۔ ایک نوجوان عورت، سسٹر لیزا نے، جس نے ۱۹۸۷ء میں اسلام قبول کیا، ایک مسلمان مرد سے شادی کرنے کے بعد کہا ''مجھے مسلمان ہونے پر خوشی ہے۔ اس نے میرے سوالوں کا جواب دے دیا ہے۔ اب مجھے اپنے کام خاص انداز میں کرنے کے اسباب کا علم ہے۔''[۸] لیزا پابندی کے ساتھ جمعہ کی نماز کے دوران مسلمان بچوں کی نگرانی کرتی ہے، اگرچہ کوئی انضباطی کردار ادا کرنے سے گریز کرتی ہے۔ ایک جمعہ کو وہ چپکے سے ایک چھوٹی سی لڑکی سے کہتی ہے کہ وہ اپنا اسکرٹ گھٹنے سے اوپر نہ کھینچے۔ وہ اسے اس طرح یاد دلاتی ہے ''تمہیں معلوم ہی ہے کہ جب تم اسکرٹ پہنو تو تمہیں کیا کرنا چاہیئے؟ اپنے اسکرٹ کو اتنا اوپر نہ جانے دو۔''[۹] جمعہ کی نماز میں بچوں کی دیکھ بھال میں سسٹر لیزا کا کردار بالکل ان ذمہ داریوں کے مطابق ہے جو مسجد میں عورتوں کے سپرد کی جاتی ہیں۔ اگرچہ چند عورتیں جمعہ کی نماز میں بھی شریک ہوتی ہیں لیکن انہیں اس بات کی ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ برادری کی سرگرمیوں مثلاً چندہ اکٹھا کرنے کی ضیافتوں، مذہب کے بارے میں مہمان مقررین کے لیکچروں اور سماجی تقریبات، مثلاً برادری کے ممبروں کے لیے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منعقد کی جانے والی رقص کی محفلوں میں حصہ لیں۔

مسجد المتکبر سے تعلق رکھنے والوں نے جس اسلام کو قبول کیا ہے اس کی تشریح وتاویل نے اس گروہ میں مرد عورت تعلقات پر بڑا اثر ڈالا ہے۔ اگرچہ ان کا نظریہ عورتوں کو اس بات پر مائل کرتا ہے کہ وہ خود کو بچوں کی پرورش کے لیے وقف کردیں، لیکن وہ ان کی تعلیم اور جس حد تک ممکن ہو برادری کی سرگرمیوں میں شرکت پر بھی زور دیتا ہے۔ مسلم اسکول میں شریک ہونے والے ایک بچے کے والد محمد راشد پورے شدّ و مد کے ساتھ کہتے ہیں ''قرآن کہتا ہے کہ ہم اپنی عورتوں کو ضرور تعلیم دلائیں۔ یہ وہ واحد راستہ ہے جس سے ہم ایک مستحکم برادری کی تعمیر کرسکتے ہیں۔ اب آپ دیکھیے، ہماری بیٹیاں یہاں (سسٹر کلارا محمد کے) اسکول میں تعلیم پارہی ہیں؛ وہ تو کالج بھی جانا چاہتی ہیں۔''[۱۰]

اگرچہ عورتوں کو یہ ترغیب کچھ متضاد معلوم ہوتی ہے کہ وہ ماں بھی بنیں اور برادری کی سرگرم رکن بھی، لیکن تحریک کے خیال میں بچوں کی استاد ہونے کی حیثیت سے یہ عورت کے ایک ہی بنیادی کردار کے دو رُخ ہیں۔ اس کردار کو برادری کے وجود کے لیے جز ولا ینفک اور افریقی امریکی برادری کی تعمیر میں اسے غالبًا سب سے اہم فریضہ سمجھا جاتا ہے، جیسا کہ نوآبادکاروں کی برادریوں میں اسے انتہائی اہم جانا جاتا ہے۔ ٹدہڈسن اسلامک ایسوسی ایشن کی مسز راشدہ عبداللہ کہتی ہیں ''میں دنیا کی سب سے بڑی چیز تعمیر کررہی ہوں۔ اگر میں اپنے بچوں کو ہر لحاظ سے ٹھیک ٹھاک بنادیتی ہوں ... تو پھر میں دنیا کی مدد کررہی ہوں، صرف اپنی مدد نہیں کررہی ہوں۔''[۱۱] مسز عبداللہ کو ایک بیوی کی حیثیت سے، ایک ماں کی حیثیت سے اور ۱۹۹۰ء کے عشرے میں امریکا میں رہنے والی ایک عورت کی حیثیت سے اپنے کرداروں میں کوئی تضاد نظر نہیں آتا۔ ''میں باہر جاکر کام نہیں کرتی... گھر میں رہنا ہی میرے لیے ٹھیک ہے۔ بحیثیت ایک مسلمان عورت کے اگر تمھیں یہ (کامیابی) گھر پر مل سکتی ہے تو گھر پر اسے حاصل کرلو... عورت کے لیے گھر کے باہر بھی کام کرنا ٹھیک ہے اگر آپ ہر چیز کو اپنی جگہ پر رکھ سکیں۔ لیکن اگر آپ کو گھر کے باہر کام کرنا پڑے تو پھر ایسا نہ کریں کہ ایک رخ کو ٹھیک کرتے کرتے دوسرے رخ کو گندے پانی کی نالی میں بہادیں۔''[۱۲] جب امام شمس الدین سے یہ پوچھا گیا کہ خود ان کے اپنے خاندان میں فیصلے کون کرتا ہے تو انھوں نے مسز عبداللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے جذبات کی صدائے بازگشت کے طور پر کہا ''میں خاندان کا سربراہ ہوں۔ میری بیوی ہمارے بچوں کا خیال رکھتی ہیں۔ یہ ان کا فرض ہے۔ لیکن اگر کوئی فیصلہ کرنا پڑتا ہے تو میں اپنی بیوی سے مشورہ کرتا ہوں۔ ہم ایک ہیں۔ ہم ایک دوسرے سے مشورے کے بغیر فیصلے نہیں کر سکتے۔''[۳۹]

ڈچس کاؤنٹی کی افریقی امریکی اور آبادکار مسلم برادریوں کا تشخص اور کردار مسلمہ طور پر ۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء کے عشروں کی ''آزادی یافتہ'' امریکی عورت کے تصور سے مختلف ہے۔ بہرحال عورتوں کی تعلیم اور برادری کی سرگرمیوں میں انکی شرکت پر گروہ جو زور دیتا ہے اس سے اس فکر کی برتری اور اہمیت ظاہر ہوتی ہے جو برادری کو اپنی خواتین ارکان کی بہبود سے ہے۔ مسز عبداللہ مسلم برادری کے اندر اپنے مقام کو فیصلہ کن انداز میں اس طرح بیان کرتی ہیں۔ ''ایک مسلمان عورت ہونے کی حیثیت سے، میں محسوس کرتی ہوں کہ میرے مذہب نے مجھے بھرپور تحفظ دیا ہے، یہ مجھے دسیوں قسم کے کام کرنے سے روکتا ہے۔ میں اپنے مذہب کی وجہ سے یہ نہیں کر سکتی، میں اپنے مذہب کی وجہ سے وہ نہیں کر سکتی۔ میں اپنا سر نہیں ڈھانپتی اور میں اپنا پورا جسم نہیں ڈھانپتی، لیکن میں نے اپنے ذہن کو یقیناً ڈھانپ رکھا ہے لہٰذا اس دنیا میں کوئی چیز مجھے نہیں چھو سکتی؛ میں مکمل طور پر تبدیل ہوگئی ہوں... میں خود بخود محفوظ ہوگئی ہوں... میں اپنے کو بہت مضبوط محسوس کرتی ہوں، میں اسے بہت اچھا سمجھتی ہوں۔''[۴۰]

مسجد المتکبر کے ارکان نے اپنی عیسائی بنیادوں کو مسترد کرتے ہوئے اپنا نیا مسلم تشخص تعمیر کرنے کی پُرخلوص کوشش کی ہے۔ اگرچہ وہ اپنے توسیع شدہ خاندانوں کے ذریعے افریقی امریکی برادری سے اپنا رابطہ قائم رکھتے ہیں، تاہم ان کا خاص منظّم رابطہ دوسری افریقی امریکی مساجد کے ذریعے ہے۔ غیر مسلموں کے ساتھ برادری کے ارکان کے رشتے کے بارے میں ایک دلچسپ بحث جاری رہتی ہے۔ اگرچہ مسجد المتکبر کے مسلمان صدق دل سے مذہبی ہیں اور وہ اس بات کے دعویدار ہیں کہ انہوں نے اپنی عیسائی تربیت کو مکمل طور پر مسترد کردیا ہے، لیکن وہ مذہبی اختلافات کے باوجود اپنے خاندان کے غیر مسلم ارکان سے رابطہ قائم رکھتے ہیں۔ اکثر جمعہ کے خطبوں کا موضوع عیسائی عقائد کا رد اور امریکی عیسائی ثقافت کی مزاحمت ہوتا ہے۔ کرسمس کے موقع پر امام اپنا پیغام مسلم تشخص کے تسلسل اور اس کی حمایت پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرکوز رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انہیں یہ بات تسلیم ہے کہ کرسمس کے جن نغموں کو گا گا کر افریقی امریکی مسلمانوں کی اکثریت پلی بڑھی ہے انہیں گانے سے رُک جانا بڑا مشکل ہوگا، لیکن وہ یہ بات زور دے کر کہتے ہیں کہ صحیح مسلم تشخص کے لیے یہ رد بہت اہم ہے۔ خطبوں کا دوسرا عام موضوع تثلیث کا عیسائی تصور ہے اور یہ کہ یہ تصور کتنا غیر منطقی ہے۔ امام شمس الدین زور دے کر یہ بات کہتے ہیں کہ اگر سچا خدا ایک ہے تو اس کے ساتھ تثلیث کے نظریے کو مطابقت دینا ناممکن ہے۔ وہ عیسائیوں کے اس عقیدے پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ [حضرت] عیسیٰ [علیہ السّلام] خدا کے بیٹے تھے۔ وہ حاضرین کو یاد دلاتے ہیں کہ اسلام اس [حضرت] عیسیٰ [علیہ السّلام] کو پیغمبروں کے ایک طویل سلسلے کا ایک جلیل القدر پیغمبر تسلیم کرتا ہے لیکن اُن کے ''ابن اللہ'' ہونے کے نظریے کو مسترد کرتا ہے۔

جیسا کہ جمعہ کے تحریری خطبوں سے معلوم ہوتا ہے، غالبًا ان کا سب سے زیادہ بڑا اور غالب پیغام ایک مضبوط مسلم تشخص کو قائم رکھنے کی اہمیت سے متعلق ہے۔ نیویارک شہر سے، جہاں افریقی امریکیوں کی ایک بڑی آبادی ہے، مسجد کی قربت کا مطلب یہ ہے کہ ملک کے دوسرے علاقوں میں بہت سے مسلمانوں کے برخلاف پوکیپ سی کے مسلمانوں کو افریقی امریکی مسلمانوں کے تعاون کی ایک وسیع بنیاد میسر ہے۔ مثال کے طور پر دسمبر ۱۹۹۱ء میں نیویارک کے ایک سفر کے موقع پر وارث دین محمد ہڈسن ویلی گئے اور وہاں انہوں نے پوکیپ سی نیویارک، سوک سینٹر میں تقریباً تین ہزار مسلمانوں سے خطاب کیا، جن کی اکثریت جلسے میں شریک ہونے کے لیے مختلف علاقوں سے سفر کر کے آئی تھی۔[۱۵] اگرچہ انہوں نے امریکن مسلم مشن کے لیڈر کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا لیکن وہ افریقی امریکی مسلم برادری میں اب بھی انتہائی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ مشن کے خاص مشیر اور اگر رسمی نہیں تو علامتی رہنما کے طور پر کام کرتے ہیں۔ پوکیپ سی میں ان کی موجودگی ان کے اس قائدانہ کردار کی مظہر تھی جو وہ اب بھی ادا کرتے ہیں اور برادری کی تقریبات میں ان کی موجودگی پر ان کے پیروکار بڑے مثبت اور گہرے جذبات کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ سوک سینٹر کے مسلمان حاضرین کی اکثریت افریقی امریکی برادری کے افراد پر مشتمل تھی۔ اگرچہ چند تارکین وطن مسلمان بھی شریک تھے۔

امام شمس الدین مسجد المتکبر کی برادری کے بنیادی قائد ہیں، جو سماجی تقریبات منظم کرتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں، اسکول میں پڑھاتے ہیں اور اس کا انتظام وانصرام کرتے ہیں اور مسجد میں ہونے والی مذہبی عبادتوں کی نگرانی کرتے ہیں۔ شمس الدین برادری کو متحد رکھتے ہیں اور ہر قسم کے سماجی کاموں کے لیے ایک مرکز کے طور پر اس کے موثر ہونے کو یقینی بناتے ہیں۔ مسجد میں اپنے فرائض کے علاوہ پوکیپ سی کے علاقے میں وہ ہمہ وقتی بنیاد پر ذہنی صحت کے مشیر کے طور پر بھی کام کرتے ہیں۔

ایک انتہائی منکسر المزاج انسان ہوتے ہوئے شمس الدین اپنے عقیدے کی مضبوطی کو اپنی کامیابی کا سبب قرار دیتے ہیں۔ جب ان کے قائدانہ کردار کے بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ کردار انہوں نے سماجی عزت کے حصول کی بجائے ایک اخلاقی ذمہ داری کے طور پر قبول کیا ہے۔ ان کا اِس بات پر ایمان ہے کہ کسی کو قائدانہ حیثیت تلاش اور اُس کے لیے جدوجہد نہیں کرنی چاہیے، لیکن اگر کسی ایسی جگہ پر اس کی تقرری یا نامزدگی ہوجائے تو اس کو بطور فرض اسے قبول کر لینا چاہیے۔

امام شمس الدین برادری کے ممبروں کی زندگیوں میں ایک کلیدی کردار ادا کرتے ہیں، خاص طور سے وہ ان بچوں پر بہت اثر انداز ہوتے ہیں جو سسٹر کلارا محمد اسکول میں تعلیم پاتے ہیں جسے مسجد چلاتی ہے۔ وہ سماجی اور مذہبی دونوں رویوں کے معاملے میں ایک مثالی کردار ادا کرتے ہیں اور وہ اس بات کی وضاحت کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں کہ چھوٹے موٹے کام کرنا بچوں کا فرض کیوں ہے۔ وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا کام یہ ہے کہ وہ بچوں کی باتوں کو سنیں اور ان کے سوالوں کے جواب دیں۔ وہ یہ بھی تہیہ کیے ہوئے ہیں کہ وہ ان بچوں کی نشوونما، دوسروں کا خیال رکھنے والے اور سوجھ بوجھ والے نوجوانوں کی طرح کریں گے۔ اپنی طویل المیعاد بقا اور توسیع کو یقینی بنانے کے لیے مسجد المتکبر کی برادری کے پاس غالباً سب سے ٹھوس طریقہ اسکول کی تعلیم اور تربیت کا ہے۔

سسٹر کلارا محمد اسکول

پوکیپ سی میں سسٹر کلارا محمد اسکول امام شمس الدین اور مسجد المتکبر برادری کے والدین نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۸۷ء میں قائم کیا تھا۔ یہ ایک غیر تسلیم شدہ گھریلو تعلیمی پروگرام کے مرکز کے طور پر چلایا جاتا ہے اور پوکیپ سی اسکول ڈسٹرکٹ کے دائرہ اختیار میں آتا ہے اور یہ بورڈ کی نظر ثانی سے مشروط ہے۔[۲۲] اس اسکول کی تشکیل پوکیپ سی کی مسلم برادری کے بچوں کی خدمت اور تعلیم کی خاطر کی گئی ہے لیکن اسکی ابتدائی کوششیں تمام افریقی امریکی بچوں کے لیے ہیں۔ طلبا کی بہت بڑی اکثریت مسلمان ہے، لیکن یہاں کی سخت انضباطی تربیت اور اسکول میں نافذ پختہ اقدار کی وجہ سے غیر مسلم بچوں کے والدین نے بھی اپنے بچوں کو یہاں داخل کرا رکھا ہے۔ امام شمس الدین کہتے ہیں "[پبلک اسکول میں] بورڈ پر جتنا لکھا ہوتا ہے اس سے بہت زیادہ سیکھا جا رہا ہے؛ جو بھی بورڈ پر لکھتا ہے وہ آپ کو ایک پیغام بھیج رہا ہے اور اگر وہ آپ کو نظر نہیں آتا تو وہ (تحریر) آپ کو پیغام بھیج رہی ہے۔۔۔ یہ ان کاموں میں سے ایک ہے جو ہم اپنے اسکول کی تعلیم میں کرتے ہیں: 'ہم کہاں تھے؟' ہمیں امریکی زندگی کے ہر حصے میں افریقی امریکیوں کی شراکت نظر آئے گی۔"[۱۷]

افریقی امریکی تعلیم کی اصل اہمیت سیاہ فام مسلم برادری کی تعلیم پر زور دینے کی طویل روایت میں نظر آتی ہے۔ یہ تصور پہلی بار نیشن آف اسلام کے زیر انتظام چلنے والی اسلامی یونیورسٹیوں میں نمایاں نظر آیا۔ پہلی یونیورسٹی آف اسلام ۱۹۳۰ء کے عشرے میں نیشن آف اسلام کے بانی ولی فرد نے قائم کی تھی۔ وہ بنیادی یونیورسٹی دراصل ایک ابتدائی اور ثانوی اسکول تھی، جو نیشن آف اسلام کے بچوں کو اس انداز میں پڑھانے کے لیے تشکیل دی گئی تھی کہ اس سے ارکان کے لیے ایک اعلیٰ معیار زندگی حاصل ہو سکے اور تحریک زیادہ سے زیادہ موثر اور مستحکم ہو جائے۔ ایلیجاہ محمد نے یونیورسٹی کے کردار کو وسعت دی اور ۱۹۷۲ء تک چودہ یونیورسٹیاں معیاری نصاب کے ساتھ کام کر رہی تھیں۔ یہ نصاب سائنس، خواندگی یا قرأت، ریاضی، تاریخ، آرٹ اور عربی پر مشتمل تھا۔[۱۸] (ایلیجاہ محمد کے انتقال کے بعد وارث دین محمد نے اسکولوں کے نام اپنی ماں سسٹر کلارا محمد کے نام پر رکھ دیے، جس نے اپنی زندگی میں تعلیم میں بڑی دلچسپی لی تھی)۔ ان اسکولوں نے نہ صرف معیاری امریکی نصاب کے مطابق تعلیم دی بلکہ انہوں نے اپنے نصاب کے ذریعے امریکا میں افریقی نسل کے لوگوں کے ورثے اور تاریخ پر زور دے کر سیاہ فام قوم کی تحریک میں ایک کلیدی کردار ادا کیا۔ یہ کوشش نیشن آف اسلام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرف سے خود آگہی اور اپنی مدد آپ کے اصولوں پر زور دینے کے لیے ایک اداراتی بنیاد کی تخلیق کرنے میں مددگار ثابت ہوئی۔ یہ بنیاد وہ ہے جو قدیم الخیال افریقی امریکی مسلم برادری میں اب بھی غالب طور پر قائم ہے۔

یوکیپ سی میں سسٹر کلارا محمد اسکول کے قیام اور اس کی مابعد مقبولیت سے افریقی امریکی برادری کے اندر خاص دلچسپی کے اسکولوں کی مسلسل سوچی سمجھی ضرورت کا ثبوت مہیا ہوتا ہے۔ امام شمس الدین کہتے ہیں ''پبلک اسکولوں سے بچوں کو باہر نکالنے کا خاص سبب ... یہ ہے کہ پبلک اسکولوں میں وہ خدا کے نام سے تعلیم نہیں دیتے۔ .... تعلیم اور جو کچھ ہم کررہے ہیں وہ ہمارے اس عقیدے کی حمایت کرنے کے لیے ہے کہ اللہ [ہی] خدا ہے اور یہ کہ محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] اس کے پیغمبر ہیں۔''[۱۹]

سسٹر کلارا محمد اسکول کی سرکاری درجہ بندی گھریلو تعلیمی پروگرام کے طور پر کی گئی ہے، اگرچہ وہ ہر لحاظ سے اس طرح کام نہیں کرتا جیسا کہ اس عنوان سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسکول میں داخلوں کی تعداد سال بہ سال بدلتی رہتی ہے۔ اوسطاً تقریباً پندرہ طالب علم ہر سال داخل ہوتے ہیں جن کی عمریں تین سے سولہ سال تک ہوتی ہیں۔ تمام طلبا افریقی امریکی ہیں جن میں ایک غیر مسلم بچہ بھی شامل ہے، جو ۹۰-۱۹۸۹ء کے تعلیمی سال میں داخل ہوا تھا۔ بہت سے بچے ایک دوسرے کے رشتے دار ہیں، یا تو وہ بھائی بہن ہیں یا چچا زاد، ماموں زاد وغیرہ ہیں۔ ایک ایسے دور میں، جب خاندانی تانے بانے اور رشتے تیزی کے ساتھ ٹوٹ رہے ہیں، یہ برادری مضبوط توسیع شدہ خاندانی ڈھانچوں کی اہمیت پر روایتی مسلم انداز میں زور دے کر پھل پھول رہی ہے۔

اسکول کے نظم کا انحصار والدین یا برادری کے ممبروں کی ساکھ اور رضا کارانہ خدمات پر ہے جو بچوں کے لیے استاد اور اتالیق کا کام کرتے ہیں۔ قریب ہی ہائڈ پارک کے قصبے میں ایک مسلمان عورت سبز رنگ کی وردیاں سیتی ہے جسے پہننا اسکول کے بچوں کے لیے لازمی ہے۔ نصابی کتابیں یوکیپ سی اسکول کی انتظامیہ سے مانگ لی جاتی ہیں۔ غیر نصابی مضامین مثلاً آرٹ وغیرہ کی تعلیم اُس وقت دی جاتی ہے جب اس کے لیے استاد یا اشیاء دستیاب ہو جائیں۔ ۹۰-۱۹۸۹ء کے تعلیمی سال میں یوکیپ سی کی برادری سے دو رضا کار آرٹ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑھانے کے لیے اور دوسرے رضا کاران مضامین کو پڑھانے کے لیے مل گئے جن میں انہیں عبور حاصل تھا۔ والدین اپنے بچوں کے لیے ماہانہ ٹیوشن فیس دیتے ہیں، اگرچہ ضرورت مندوں کے لیے وظائف بھی موجود ہیں۔ اسکول کا بجٹ بہت مختصر ہے اور اسکول کی سہولیات اور وسائل مالی عدم استحکام کو ظاہر کرتا ہے، اسکول اب بھی کچھ تو ٹیوشن فیس اور کچھ برادری کے ارکان اور یوکیپ سی کے دوسرے مددگاروں کی جانب سے نقدی اور اشیا مثلاً ڈیسک اور کرسیوں کی شکل میں اعانت کے طور پر وصول کرتا ہے۔

امام شمس الدین، جن کے پاس تدریس کی کوئی سند نہیں ہے، اس اسکول کے ابتدائی استاد ہیں اور تمام مضامین پڑھانے کے لیے ذمہ دار ہیں۔ ان سے تعلیمی مواد پر نظر ثانی کرنے کے لیے کہا گیا ہے اور ساتھ ہی وہ خود بھی یہ سیکھ رہے ہیں کہ پڑھایا کیسے جاتا ہے۔ ان کے پاس پڑھانے کا سرٹیفکیٹ نہ ہونے سے سرکاری قواعد کی خلاف ورزی نہیں ہوتی، کیونکہ سسٹر کلارا محمد اسکول منظور شدہ اسکول نہیں ہے لہٰذا اُس کے لیے سند یافتہ اُستاد کی خدمات حاصل کرنا ضروری بھی نہیں، اس اسکول میں بہت سے وہ بچے بھی شامل ہیں جنہیں مذہبی وجوہ پر پبلک اسکولوں سے نکال دیا گیا کہ انہیں گھر ہی پر پڑھایا جائے۔ ایسی صورت میں بچوں کو ان کے والدین اور مذہبی رہنماؤں نے ایک جگہ اکٹھا کر دیا ہے تاکہ انہیں پڑھانے میں آسانی ہو اور اس طرح کمسن مسلمانوں کی ایک متحدہ برادری بن جائے۔ بچوں کے لیے لازمی ہے کہ وہ یوکیپ سی اسکول بورڈ کی جانب سے مقرر کردہ تعلیمی نظام اور مواد کی تکمیل کرلیں اور پبلک اسکول کے طلبا کے ساتھ انہیں ایک معیاری امتحان کے مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے۔

۱۹۹۰ء تک سسٹر کلارا محمد اسکول ایک خراب وخستہ عمارت کے دو کمروں میں چل رہا تھا۔ یہ عمارت مسجد نے یوکیپ سی کے مرکزی حصے میں اپنے ہیڈ کوارٹر کے طور پر استعمال کرنے کے لیے پٹے پر لی ہوئی تھی۔ تعمیری لحاظ سے اسکول کے لیے یہ جگہ قابل اعتراض تھی اور ہر روز اسکول کے بعد اور ہر جمعہ کو دونوں کمروں سے سامان وغیرہ نکالنا پڑتا تھا تاکہ برادری کے اجتماعات مثلاً نماز وغیرہ کے لیے جگہ نکل سکے۔ مرکزی کمرے کی بڑی دیوار پر ایک کھلا ہوا ہیٹر لگا ہوا تھا جو کمرے کو گرم کرنے کے لیے کافی تو نہیں تھا، ہاں کام چل جاتا تھا۔ عمارت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کسی قسم کی تفریحی سہولیات نہیں تھیں۔ لہٰذا وقفے میں بچے کھیل کے کسی میدان میں جانے کے بجائے ٹہلتے ہوئے کونے میں واقع ایک اسٹور تک جاتے تھے۔ ۱۹۹۰ء کے موسم بہار میں آٹھ سالہ فاطمہ نے اسکول کی حالت زار اس طرح بیان کی ''میں چاہتی ہوں کہ میں اب بھی وہیں پبلک اسکول میں ہوتی۔ وہ وقفے میں باہر جاتے ہیں۔ ہم اس پرانی عمارت میں ہر وقت رہنے کے لیے مجبور ہیں۔''[۲۰] امام شمس الدین کوشش کرتے ہیں کہ جب بھی ممکن ہو وہ بچوں کو قریب کے پارکوں یا کھیلوں کے میدانوں میں لے جائیں لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب اس روز بچوں کی مقررہ تعداد کے مطابق اُن کی نگرانی میں مدد دینے کے لیے کوئی رضا کار بھی اسکول میں موجود ہو۔

بہرحال اس انتظامی مسئلے کے منفی پہلو کا مداوا اس حقیقت سے ہو جاتا ہے کہ یہاں بچوں کو تشدد یا منشیات وغیرہ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا جو پبلک اسکول کے نظام میں عام ہیں۔ (کلارا محمد اسکول) کے طلبا کو ان تباہ کن اثرات کی عدم موجودگی کا اندازہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ کسی پبلک اسکول میں بہت تھوڑی مدت کے لیے اور بہت کم عمری میں تھے۔ قابل تعجب بات یہ ہے کہ بچے خود اس انتظامی صورت حال سے مطمئن تھے، اگرچہ کبھی کبھار جب کمرے کی ترتیب بدلی جاتی تو کچھ احتجاجی کلمات بلند ہوتے ہوئے سنائی دیتے لیکن بہر حال یہ شکایت قابل فہم تھی۔

۱۹۹۰ء کے موسم بہار میں سسٹر کلارا محمد اسکول عارضی طور پر پوکیپ سی کے ایک عوامی تفریحی مرکز میں منتقل ہو گیا جس میں عوامی خدمات کے متعدد پروگرام چلتے ہیں۔ وہ مرکز ایک امدادی رہائشی منصوبے کے قریب واقع تھا جس میں متعدد طلبا کے خاندان رہتے تھے۔ یہ نئی جگہ بڑی اور قدرے بہتر حالت میں تھی۔ یہاں مرکز کے جمنازیم میں کلاسیں لگتی تھیں۔ جمنازیم کے اس اونچی چھت والے کمرے میں تماشائیوں کی سستی نشستیں لگی ہوئی تھیں اور اس کا فرش خوب پالش کیا ہوا تھا۔ امام شمس الدین یہاں بچوں کو ان کے کام کے لحاظ سے مختلف گوشوں میں بٹھاتے تھے جس کا انحصار اُن کی عمر اور مضامین پر ہوتا تھا۔ بچوں کی ہمت افزائی کی جاتی تھی کہ وہ اپنے کام خود کریں تاہم جہاں ضرورت ہوتی ان کی مدد کی جاتی تھی۔ چونکہ امام شمس الدین ایک مانع منشیات پروگرام کے لیے بھی کام کرتے تھے، جو اسی عمارت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں قائم تھا، لہٰذا انہیں بھی اپنے دفتر کے لیے ایک کمرہ ملا ہوا تھا جو کبھی کبھار کلاس روم کا کام بھی دیتا تھا۔

اس اسکول کے قیام کے پانچ برسوں میں یہاں طلبا مختلف وجوہ سے داخل ہوئے۔ بعض مذہبی وجوہ کی بنا پر، بعض اس بچے کی انفرادی ضروریات سے پیدا ہونے والی صورت حال اور بعض پبلک اسکول سسٹم کی کمیوں کی وجہ سے۔ والدین کے بارے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی ترقی کی صورت حال سے مطمئن ہیں۔ صبورہ کولمین، جس کی سات سالہ بیٹی ساحرہ اس اسکول میں اس کے قیام کے وقت ہی سے پڑھ رہی ہے، ''کہتی ہے میں نے بچی میں بہت ترقی دیکھی ہے۔ اور وہ اپنے خاندان کی عزت کرنا سیکھ رہی ہے۔''[۲۱] اگرچہ امتحان کے نتائج رفتہ رفتہ بہتر ہو رہے ہیں تاہم وہ اس وقت ۱۹۸۹ء میں بھی پوکیپ سی کے اوسط سے نیچے تھے۔ تاہم طلبا کی تعداد اور ان کی کارکردگی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

پڑوس کی بعض مسلم آبادیوں میں رہنے والے بعض والدین کسی مسلم اسکول کی ضرورت کے معاملے میں تذبذب کا شکار ہیں۔ راشدہ عبداللہ ایک بنگلہ دیشی آبادکار خاتون نے، جس کے تین بچے قریب کے قصبے وپنگرز فالز کے پبلک اسکول میں پڑھ رہے ہیں یہ رائے ظاہر کی ہے ''میں (اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کی) پرورش ایک مسلم بچے کے طور پر کر رہی ہوں لیکن اُسے دوسروں سے علیحدہ کرنے کا میرے نزدیک کوئی سبب نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے اور میں امید کرتی ہوں کہ جب وقت آئے گا تو وہ مذہب خود اختیار کرلے گا۔''[۲۲] خود اپنے بچوں کو کسی مسلم اسکول میں داخل کرنے کے سلسلے میں اپنی ہچکچاہٹ کے باوجود وہ افریقی امریکی برادری کی مخصوص تعلیمی ضروریات کو تسلیم کرتی ہے۔ ''میں اسے ضروری نہیں سمجھتی کہ بچوں کو پبلک اسکول سے اٹھالوں لیکن میں سمجھتی ہوں کہ پبلک اسکول وہ کچھ مہیا نہیں کرسکتے جس کی افریقی امریکی بچوں کو ضرورت ہے۔''[۲۳]

اس کا بیٹا راشد پبلک اسکولوں کے بارے میں اپنے تجربات کے بارے میں بڑے مثبت خیالات رکھتا ہے۔ ''میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہتر ہے کہ یہاں ایک سیکولر اسکول سسٹم ہے کیونکہ یہ نظام مختلف مذاہب کے لوگوں کو علیحدہ نہیں چھوڑتا کہ وہ سنکی اور خبطی ہوجائیں۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں کہ آپ ہر دن ہر گھنٹے بچے کو مار مار کر مجبور کریں کہ وہ مذہب کو پسند

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرے۔''[۲۴] اُسے اس قسم کی تیاری پر بھی اعتراض ہے جو سسٹر کلارا محمد اسکول ''بیرونی دنیا'' کے حوالے سے اپنے بچے کو فراہم کرتا ہے۔

''اگر آپ کو (پبلک اسکول کے نظام سے) الگ کر دیا جائے تو جوں جوں آپ کی عمر بڑھے گی آپ کو اپنے ساتھیوں میں وقت گزارنا مشکل ہوتا جائے گا۔ یوکیپ سی کے بچے جب کالج جائیں گے تو ان کے لیے اپنے دوستوں سے ملنا جلنا واقعی بہت مشکل ہوگا، کیونکہ پبلک اور پرائیویٹ اسکولوں میں پیدا کیا جانے والا نقطہ نظر اس سے بالکل مختلف ہوتا ہے جس کا ان بچوں کو تجربہ ہے۔ انہیں اس سے بہت زیادہ دشواری پیش آئے گی جتنی دشواری انہیں اس وقت ہوتی اگر وہ پبلک سسٹم میں تعلیم پاتے اور مذہب کی تعلیم گھر پر حاصل کرتے۔ اپنے اردگرد کے لوگوں سے ملنے جلنے کے لیے پبلک سسٹم میں رہنا واقعی بڑی بات ہے۔''[۲۵]

اگرچہ یہ تنقید بھی ٹھیک ہے لیکن سسٹر کلارا محمد اسکول کے طلبا اپنے اسکول کے باہر غیر مسلموں سے جس طرح ملتے جلتے ہیں اس کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ چونکہ ان طلبا کے خاندانوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا ہے لہٰذا ان بچوں کے توسیع شدہ خاندانوں میں ایک معقول تعداد میں غیر مسلم بھی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ان سب نے بلا استثنا یہ بات تسلیم کی کہ اسکول کے باہر ان کے دوست ہیں اور انہیں بیرونی دنیا کے لوگوں سے ملنے جلنے میں ان کی صلاحیت سے کوئی سروکار نہیں۔ جب ان سے ان کے مستقبل کے منصوبے کے بارے میں پوچھا گیا تو بڑی عمر کے لڑکوں نے کالج جانے میں اپنی دلچسپی ظاہر کی۔ انہوں نے کالج جانے کے ارادے کو امکان کے طور پر نہیں بلکہ امر واقعہ کے طور پر پیش کیا۔ ۹۰-۱۹۸۹ء کے تعلیمی سال میں صرف ایک طالب علم، امام شمس الدین کا دسویں گریڈ کا بیٹا، کاسب، اس عمر کو پہنچ چکا تھا کہ وہ ایس اے ٹی امتحان کی تیاری کرنے کے بارے میں سوچے۔ اس نے ۹۰-۱۹۸۹ء کے دوسرے نصف میں، امتحان کی تیاری کی کتاب مانگ کر، اپنے امتحان کی تیاری شروع کر دی تھی۔

یوکیپ سی میں سسٹر کلارا محمد اسکول کی سرگرمیاں اور تعلیم سب اسلام کے گرد گھومتی ہیں اور تقریباً ہر صورت حال کے لیے قرآن یا اسلامی تاریخ سے کوئی مثال دی جاتی ہے۔ بچوں کو روزانہ پینتالیس منٹ عربی کی اور پنج وقتہ نماز کی تعلیم دی جاتی ہے، جن میں سے تین اوقات کی نمازیں عموماً اسکول کے اوقات میں ہوتی ہیں۔ نماز کے اوقات میں بچوں کو اس بات کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ اپنی تعلیمی سرگرمیاں بند کر دیں اور نماز ادا کرنے کی تیاری کرلیں، جیسے وضو۔ اس کے بعد امام شمس الدین بچوں کو ایک سیدھی قطار میں کھڑا کر دیتے ہیں اور خود نماز کی امامت کرتے ہیں۔ لڑکے اگلی صف میں اور لڑکیاں اُن کے پیچھے ہوتی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی نماز میں شریک ہوتے ہیں لیکن ان کی توجہ تھوڑی ہی دیر قائم رہتی ہے اس لیے ان میں نظم وضبط پیدا کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اگر اس وقت کوئی خاتون ممبر موجود ہوتی ہیں تو وہ چھوٹے بچوں کی ذمہ داری سنبھال لیتی ہیں۔

عام طور سے دن میں ایک پیریڈ قرآن پاک کی سورتیں پڑھنے کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ بچے ان سورتوں کو جتنے بہتر طریقے سے پڑھ سکتے ہیں عربی میں پڑھتے ہیں۔ اور پھر الفاظ کے انگریزی معانی پر بحث کرتے ہیں، اگرچہ بچوں کو عربی کی تعلیم روز دی جاتی ہے لیکن یہ ابتدائی معیار کی عربی ہوتی ہے۔ عربی کی تعلیم سسٹر کلارا محمد اسکول کی خصوصیت ہے۔ امریکا میں بعض دوسرے اسکول بھی ثانوی کی سطح پر عربی کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہ بنیادی طور پر مخصوص (parochial) مسلم اسکول ہیں۔ بہرحال (عربی کو لازمی طور پر پڑھنے کے) اس موقع کو عام طور سے اس اسکول کے طلبا پسند نہیں کرتے۔ تیرہ سالہ نتارا کہتی ہے ''پبلک اسکولوں میں آپ ہسپانوی یا فرانسیسی یا جو چاہیں لے سکتے ہیں۔ میری سہیلیاں ہسپانوی پڑھ رہی ہیں اور میں بھی وہی پڑھنا چاہتی ہوں۔''[۲] امام شمس الدین اس شکایت کا جواب اس طرح دیتے ہیں۔ ''عربی اسلام کی زبان ہے اور اسی لیے انہیں سیکھنی چاہیے۔ اس طرح وہ قرآن کو اس انداز میں سیکھ سکتے ہیں جس میں وہ ابتداءً نازل ہوا تھا۔ وہ خوش قسمت ہیں جو اتنی کم عمری میں اسے سیکھ رہے ہیں۔''[۲]

دوسرے مسلم ثقافتی پروگرام

نیشن آف اسلام کی ابتدا ہی سے ایک متحد خود کفیل مسلم گروہ قائم کرنے کے لیے برادری کی جدوجہد میں مختلف اہم ذرائع میں تعلیم بھی ایک اہم ذریعہ رہی ہے۔ خودکفالت کی یہ عظیم منزل جس پر ایلیجاہ محمد نے بہت زور دیا تھا آج بھی وارث دین محمد کے تحت اہمیت کی حامل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ ایلیجاہ محمد کو یہ توقع تھی کہ وہ مسلم اور ساتھ ہی ساتھ افریقی امریکی اتحاد کے تصور پر زور دیتے ہوئے نیشن آف اسلام کو معاشی لحاظ سے ایک خود کفیل ادارے کے طور پر قائم کر دیں گے۔ انہوں نے نیشن آف اسلام کے استحکام کے لیے ایک پانچ نکاتی منصوبے کو ترقی دی تھی:

۱۔ خود شناس اور خود آگاہ بن جاؤ۔ اسلام بھائی کو [ہر دوسرے بھائی کا] سچا بھائی بناتا ہے... اتحاد کی ضرورت کو پہچانو... اس کے لیے کام اور عمل کی ضرورت ہے، صرف الفاظ اور زبانی جمع خرچ کافی نہیں۔

۲۔ اپنے وسائل کو اکٹھا کرو طبعی اور مالی دونوں اعتبار سے۔

۳۔ خواہ مخواہ ہر اس چیز میں برائی نہ نکالو جو کسی سیاہ فام کی ملکیت ہے یا سیاہ فام اسے چلا رہا ہے۔

۴۔ یہ بات ذہن نشین رکھو حسد اندر سے تباہ کر دیتا ہے۔

۵۔ سفید فام کی کارروائیوں پر گہری نظر رکھو اور غور کرو۔ وہ کامیاب ہے۔ وہ اپنی ناکامی کے لیے کوئی عذر پیش نہیں کرتا۔ وہ سخت محنت کرتا ہے۔ اجتماعی طریقے سے۔ تم بھی ایسا ہی کرو۔[۲۸]

اگرچہ وارث دین محمد کی قیادت میں قدیم الخیال افریقی امریکیوں نے اب نیشن آف اسلام کے اس ابتدائی نظریہ کو ترک کر دیا ہے لیکن اس کے اہم عناصر کے واضح نشانات اب بھی مسجد المتکبر برادری کی سماجی اور معاشی ترقی کی کوششوں میں نظر آتے ہیں۔

مسجد المتکبر کی برادری مالی لحاظ سے مستحکم رہنے کی جدوجہد کرتی ہے اور اس مقصد کے لیے وہ اپنے ارکان پر زور دیتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے کاروبار کی سرپرستی کریں۔ برادری کے ارکان کو مسجد کی قیادت کے ذریعے ان خدمات سے مطلع کیا جاتا ہے جو مقامی مسلم برادری پیش کرتی ہے۔ مسلم گرین پیجز کے نام سے مسلمانوں کی مصنوعات اور صنعتی اداروں کی ایک مکمل قومی فہرست اور مسلمانوں کی ملکیتی اشتہاری خدمات مسجد میں فروخت کے لیے رکھی ہیں۔ مسجد ان مختلف سماجی خدمات کے پروگراموں کے ساتھ مل کر بھی کام کرتی ہے جنہیں ہڈسن ویلی میں مسجد کی اپنی برادری کے ارکان اور ساتھ ہی ساتھ پڑوس کی کاؤنٹیز میں افریقی امریکی مسلم برادریاں چلاتی ہیں۔ تین خاص پروگرام، جن میں مسجد کے ارکان شریک ہیں، عوامی بحالی کے ایک امدادی پروگرام کے تحت چلتے ہیں جسے بیت النصر (مدد کا گھر) کہا جاتا ہے۔ ان میں ایک اختراعی دافع امراض (Innovative Therapeutic) پروگرام ہے جس میں منشیات استعمال کرنے والوں کو مشورہ دیا جاتا ہے، دوسرا تشدد آمیز رویے سے آگاہی (Violent Behavior Awareness) پروگرام ہے جو مریضوں کو تشدد آمیز رویوں کا بدل بتانے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی کوشش کرتا ہے اور تیسرا پروگرام مدر ویمن ان ٹرانزیشن کے نام سے مشہور ہے۔ یہ پروگرام ضرورت مند عورتوں اور بچوں کو پناہ اور وسائل فراہم کرتا ہے۔ بیت النصر سابق مجرموں کی اصلاح اور بحالی کے پروگراموں میں پوری مدد کرتا ہے۔ آخری بات یہ کہ بیت النصر کی مدد حاصل کرنے والوں کے لیے ضروری نہیں کہ ایک ہی پروگرام کے تحت مدد حاصل کریں۔ بعض اوقات ایک شخص مختلف پروگراموں سے استفادہ کرتا ہے۔

بیت النصر

بیت النصر کو عبدالقادر اسلام چلاتے ہیں جو گرین ہیون نیویارک میں گرین ہیون میکسیم سیکورٹی پریزن (جیل کا ایک ادارہ) کے مسلم ''چیپلین'' (مذہبی رہنما) ہیں۔ اس کی ابتداء جیل کے اندر مجرموں کو مشورہ دینے سے ہوئی۔ جیل میں قیدیوں کے نماز پڑھنے کے لیے دو مسجدیں ہیں۔ یہ دونوں مسجدیں متعدد کمروں پر مشتمل ہیں اور ان میں کافی کتابیں اور مذہبی لٹریچر اور سامان موجود ہے۔ حتیٰ کہ مذہبی پروگرام دیکھنے کے لیے یہاں وی سی آر بھی ہیں۔ مسجد میں شریک ہونے کے تعلق سے مسلم قیدیوں کو بہت سی مراعات ملتی ہیں، مثلاً جمعہ کی نماز اور مسجد کے زیر انتظام مذہبی پروگراموں میں شرکت کی اجازت۔ بیت النصر پروگرام قیدیوں کو مشورہ دینے کا کام اسی وقت سے شروع کردیتا ہے جب کہ وہ جیل میں داخل ہوتے ہیں۔ انہیں ملازمتوں کے لیے انٹرویو کے ہنر سکھاتا ہے اور فرضی کردار کے ذریعے انہیں ایسی صورت حال کے لیے تیار کرتا ہے جن کا سامنا انہیں ''باہر'' جاکر کرنا پڑے گا۔

اس قسم کا بحالیاتی تعاون نیشن آف اسلام اور سنی افریقی امریکی مسلم برادری کی پوری تاریخ میں تسلسل کے ساتھ پیش کیا جاتا رہا ہے۔ نیشن آف اسلام نے قیدیوں اور سابق مجرموں کو اپنی تحریک میں قبول کیا۔ نیشن آف اسلام کے کارکن جیل خانوں کے نظام میں اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کرتے تھے اور بہت سے قیدیوں نے جیل کے اندر ہی ایلیجاہ محمد کے نظریات کو قبول کرلیا۔ جن لوگوں نے جیل کے اندر اپنا عقیدہ تبدیل کیا ان میں میلکم ایکس غالباً سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ تحریک نے ابتداء میں قیدیوں کے لیے بطور خاص پروگرام شروع نہیں

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیے تھے بلکہ وہ ممبروں کی بحالی کے سخت نظریات پر انحصار کرتے تھے۔ بعد میں نیشن آف اسلام کے زیر حراست ممبروں کے بارے میں مثالی قیدی ہونے کی شہرت ہوئی۔ وارث دین محمد نے قیدیوں کی بحالی کی قدر وقیمت کو پہچان لیا اور اُن کا ایمان تھا کہ بحالی کی کوششوں پر قوت صرف کرنا گناہ سے جنگ اور بچنے کے اسلامی عقیدے کے عین مطابق ہے۔ ''اسلام کہتا ہے کہ انسان فطری گناہگار نہیں ہے۔ انسان کے اندر نیکی اور شرف وفضیلت کی فطری تحریک موجود ہے'' وہ کہتے ہیں'' مجھے آزادی ہے کہ میں اپنے مفاد اور اپنے مرتبے کا خیال رکھے بغیر انتخاب کروں۔ اگر میں ایسا کوئی انتخاب کروں تو الزام میرے فیصلے کو دو، میری فطرت کو نہیں۔''[٢٩] انہیں جذبات کا اظہار نجی اللہ شاہد نے بیت النصر کے خبرنامہ میں متشدد رویے (Violent Behavior Awareness) پروگرام کے بارے میں اپنے ایک مضمون میں بھی کیا ہے۔'' ہم تشدد کو اس حوالے سے دیکھتے ہیں کہ انتہائی تشدد انگیز افعال بعض لمحاتی بحران میں نمودار ہوتے ہیں۔ لوگوں کو یہ سکھانے کے لیے کہ وہ ان بحرانوں سے پوری طرح کیسے نمٹیں، ہم مختلف عمرانی علوم سے بصیرت حاصل کرتے ہیں۔ اس موقع پر سمجھداری اور استقلال ہمیں الاسلام کی عالمگیر تعلیمات میں نظر آتے ہیں۔''[٣٠]

جب قیدی جیل خانوں سے رہا ہوتے ہیں، تو انہیں مسجد المتکبر میں بطور رُکن کے خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ برادر یوسف محمد جو بیت النصر کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر اور پروگراموں کے رابطہ کار ہیں کہتے ہیں'' جو شخص قید خانے سے باہر آتا ہے اسے سہارا دینے کے لیے ایک سماجی جمعیت ضروری ہے.... اگرچہ رہائی کا ابتدائی مرحلہ خوف زدہ کردینے والا ہوتا ہے، لیکن صحیح رہنمائی اور خدا کی مدد سے میں اس معاملے میں اپنے بھائیوں کی مدد کرنے میں کامیاب رہا ہوں کہ وہ باہر مضبوطی کے ساتھ اپنے راستے پر کھڑے رہیں اور اپنی خاندانی زندگی کی تعمیر نو کے سلسلے میں ضروری قدم اٹھائیں اور خود اپنی اور اپنی برادری کی عزت میں اضافہ کریں۔''[٣١] امام شمس الدین کہتے ہیں کہ اگرچہ تمام مسلمان سابق قیدی اپنے مذہب کی تعلیمات پر قائم نہیں رہتے لیکن جو اس طرف مائل ہو جاتے ہیں وہ برادری میں بڑا فعال کردار ادا کرتے ہیں۔[٣٢]

منشیات کے انسداد کا پروگرام (The Innovative Therapeutic

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Program (ITP)) سابق قیدیوں اور مقامی برادری کے دوسرے ممبروں، دونوں ہی کی اس امر میں مدد کرتا ہے کہ وہ منشیات پر انحصار کے چکر کو ختم کردیں اور سماجی طور پر بہتر رویوں کو سیکھنے کے تجربے کے ذریعے منفی رویوں کے مسئلے سے نمٹیں۔ عبداللہ صلاح الدین کا، جو بیت النصر کے اختراعی دافع امراض پروگرام میں کام کرتے ہیں، کہنا ہے:

> لوگ بذات خود منشیات کے عادی نہیں ہوجاتے بلکہ وہ اس قدر و قیمت اور مہارت کے جھوٹے احساس کے عادی ہوتے ہیں جس کی ترغیب انہیں منشیات کا استعمال دیتا ہے۔... ہمارا عقیدہ ہے کہ منشیات کے بڑھتے ہوئے اثرات کا مقابلہ کرنے اور ایک بہتر اور دیرپا مستقبل کا نیا منظرنامہ تشکیل دینے کے لیے متعلقہ فرد کو اس کی ذات کا مثبت تصور ضرور دینا چاہیے، جو اسے خود کو ترقی دینے اور برادری کے لیے مفید بننے کا موقع فراہم کرے۔[۳۳]

اختراعی دافع امراض پروگرام ایک دوہرا مقصد پورا کرتا ہے یعنی ایک طرف وہ منشیات پر لوگوں کے انحصار کو ختم کرتا ہے اور دوسری طرف جب یہ انحصار ختم ہوجاتا ہے تو صاف ستھری زندگی بسر کرنے میں ان کی مدد کرتا ہے۔

اگرچہ قیدیوں سے بیت النصر کا خاص رابطہ گرین ہیون کی سہولیات کے ذریعے ہوتا ہے جو مردوں کے لیے ایک سہولت ہے، لیکن سابق قیدی خواتین کو بھی برادری میں خوش آمدید کہا جاتا ہے اور وہ بیت النصر کے تحت چلنے والے اختراعی دافع امراض پروگرام کے علاوہ دوسرے پروگراموں میں بھی حصہ لیتی ہیں۔ دوسری عورتیں بھی، مسلم اور غیر مسلم دونوں، ان سہولیات سے فائدہ اُٹھاتی ہیں۔ مدر ویمن ان ٹرانزیشن پروگرام ۱۹۸۹ـ۱۹۸۸ء میں منظم کیا گیا تھا اور ۱۹۹۰ء کے موسم بہار میں اس کا افتتاح ہوا تھا۔ یوسف محمد اس پروگرام کے مقاصد اس طرح بیان کرتے ہیں ''عورتوں اور چھوٹے بچوں کے لیے عارضی ہنگامی رہائش گاہیں، جن میں منشیات اور شراب نوشی کے بارے میں مشاورت، فوری امداد اور مشورے کے لیے ایک بحرانی ٹیم اور مشورت کار موجود ہوں گی، جو اس امر میں عورتوں کی مدد کریں گی کہ وہ اپنی زندگیوں کو بحال کریں اور صورت حال کو معمول کے مطابق لائیں۔''[۳۴] مدر ویمن ان ٹرانزیشن پروگرام مریضوں کو نجی اور بلدیاتی دونوں قسم کی ایجنسیوں میں بھیجتے ہوئے ڈچس کاؤنٹی کے دوسرے سماجی خدمات کے پروگراموں کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے، جیسے ظلم اور تشدد کی شکار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عورتوں کے لیے گریس اسمتھ ہاؤس۔

خاتمہ

بیت النصر کے زیرِ انتظام چلنے والے پروگرام افریقی امریکی سنی مسلم برادری کی ان کوششوں کی ایک جامع مثال پیش کرتے ہیں جو وہ اپنے ممبروں اور ان کے علاوہ پوکیپ سی کی عام آبادی کو سماجی خدمات مہیا کرنے کے لیے کر رہی ہے۔ بیت النصر مقامی بلدیاتی حکومت کی مدد اور تعاون سے کام کرتی ہے۔ یہ دونوں برادری کے لیڈروں کو بتاتے ہیں کہ وہ کون سے شعبے ہیں جن کی ذمہ داری ان کے خیال میں مقامی حکومت کو قبول کرنی چاہیے اور یہ کہ سرکاری فلاحی پروگراموں میں وسائل کی کمی کی وجہ سے پیدا ہونے والے خلا کو وہ پورا کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر مدر ویمن ان ٹرانزیشن پروگرام اپنی عوامی کارگزاریوں کی وجہ سے شہری ایجنسی سے تخفیف شدہ قیمت پر وہ مکان خریدنے کے لائق ہو گیا جس میں وہ اب قائم ہے۔ بیت النصر کو پوکیپ سی کے اندرون شہر کے علاقے کے باشندوں کے حالات زندگی بہتر بنانے کے حوالے سے اپنی کوششوں کے سلسلے میں ڈچس کاؤنٹی کے اگزیکٹو لوسیلے پیٹرسن پوکیپ سی کے میئر رابرٹ بلیک لی اور سٹی منیجر ولیم تھیسن کی جانب سے اعانت کے خطوط ملے ہیں۔ پیٹرسن لکھتا ہے "ہماری برادریوں میں ان لوگوں کے حوالے سے مزید مکانات اور اضافی خدمات کی ضرورت ہے جو اب تک اس میں ناکام رہے ہیں۔ میں آپ سے مکانات اور اشد ضروری تعاون کی خدمات کی فراہمی کو اپنا مقصد بنا لینے کی درخواست کرتا ہوں۔"[۳۵]

بیت النصر اور پوکیپ سی کی میونسپل حکومت کے روابط کی منطقی بحث اس کے مسلم تشخص کی برقراری کے ساتھ پوکیپ سی کی برادری میں مسجد المتکبر کے ادا کیے جانے والے کردار کی ایک مکمل تمثیل پیش کرتی ہے۔ برادری کے مسلمان اپنے مسلم تشخص کو برقرار رکھنے اور اسے مضبوط بنانے کے ساتھ ساتھ اپنی خود اعتمادی اور اپنی مدد آپ کی حکمت عملی میں اضافہ کرنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔ افریقی امریکی مسلم برادری کی شرکت، سماجی پروگراموں کی سپردگی اور سرکاری اہلکاروں اور دوسری مذہبی برادریوں کے ممبروں کے روز افزوں اشتراک اور قبولیت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ذریعے بڑھتی جارہی ہے۔ اسی کے ساتھ سسٹر کلارا محمد اسکول جیسی سرگرمیوں کے ذریعے کی جانے والی کوششیں برادری کے تعاون کی اندرونی بنیاد کی توسیع میں مددگار ثابت ہورہی ہیں۔ مسجد کا مستقبل یقینی ہوجائے گا اگر اس کے ارکان مقامی برادری کے اندر رہتے ہوئے اور اپنے قدیم الخیال عقائد کے نظام اور اقدار کے ساتھ ثابت قدم رہتے ہوئے اپنے تعاون میں اضافہ کرسکیں۔

حواشی

۱۔ پوکیپ سی تیس ہزار افراد پر مشتمل ایک قصبہ ہے جو دریائے ہڈسن کے مشرقی کنارے پر آباد ہے۔ یہ نیو یارک شہر کے شمال میں کوئی ایک سو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ ایک انتہائی گنجان علاقے کا سب سے بڑا شہر ہے۔ ۱۹۸۸ء میں اس کی آبادی کا تناسب یہ تھا: ۷۲ رفیصد اینگلو، ۲۶ رفیصد افریقی امریکی اور ایک فیصد دوسرے۔ اگرچہ یہ ایک دولت مند ڈچس کاؤنٹی میں آباد ہے جو دولت کے اعتبار سے امریکا کی تمام کاؤنٹیوں میں اوپر کی ۲۰ رفیصد میں آتی ہے، لیکن ۱۹۸۸ء میں جب پوری کاؤنٹی کی فی کس آمدنی ۱۲۲۹۹ ڈالر تھی تو پوکیپ سی شہر کی فی کس آمدنی کے اعداد و شمار بہت نیچے یعنی ۱۱۲۳۴ ڈالر تھے۔ شہر اور اس کے اردگرد کے علاقوں میں تضاد اس حقیقت سے بھی مزید ظاہر ہوتا ہے کہ پوکیپ سی کے باشندوں کی ۱۷ء۳ رفیصد آبادی ۱۹۷۹ء میں خطِ غربت سے نیچے تھی، جب کہ پوری ڈچس کاؤنٹی کے صرف ۷ء۳ رفیصد اس صورت حال سے دوچار تھے۔ پوکیپ سی کا شہر کاؤنٹی میں واحد علاقہ ہے جہاں غربت کی شرح ۱۵ رفیصد سے زیادہ ہے جو پڑوس کے وپنگرز فالز کے بالکل متضاد ہے جہاں غربت کی شرح ۵ رفیصد سے کم ہے (ذرائع: "Comparing Appalachian Counties with the Nation's", *Appalachia* 19, نمبر ۲ تا ۴ [موسم بہار ۱۹۸۶ء]؛ اور *Cities and Counties Index* ۱۹۸۸ء۔)

۲۔ جب تک اس کے برعکس بیان نہ کیا گیا ہو، اس باب میں درج تحقیقی مواد ۹۰۔۱۹۸۹ء میں مسجد المتکبر کی برادری میں متعلقہ جگہوں پر جاکر مصنف نے جمع کیا۔ تحقیق کا سب سے اہم طریقہ شرکاء کے مشاہدے کا تھا۔ جس کے ساتھ ڈ ہڈسن اسلامک ایسوسی ایشن اور مسجد المتکبر کی برادری کے انٹرویوز بھی شامل تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۔ ذاتی خط و کتابت، جنوری ۱۹۹۲ء۔

۴۔ ایضاً۔

۵۔ راشد عبداللہ کے ساتھ انٹرویوز، وپنگرز فالز، نیویارک ۸؍اپریل ۱۹۹۰ء۔

۶۔ امام مارشل شمس الدین کے ساتھ انٹرویو، پوکیپ سی، نیویارک، ۲۲؍فروری ۱۹۹۰ء۔

۷۔ مارشل شمس الدین کے ساتھ انٹرویو، ۱۸؍نومبر ۱۹۸۹ء۔

۸۔ لیزا راشد کے ساتھ انٹرویو، ۱۸؍نومبر ۱۹۸۹ء۔

۹۔ ایضاً۔

۱۰۔ محمد راشد کے ساتھ انٹرویو، ۸؍دسمبر ۱۹۸۹ء۔

۱۱۔ راشدہ عبداللہ کے ساتھ انٹرویو، وپنگرز فالز، نیویارک، ۱۵؍اپریل ۱۹۹۰ء۔

۱۲۔ ایضاً۔

۱۳۔ مارشل شمس الدین کے ساتھ انٹرویو، ۲۸؍جنوری ۱۹۹۰ء۔

۱۴۔ راشدہ عبداللہ کے ساتھ انٹرویو، ۸؍اپریل ۱۹۹۰ء۔

۱۵۔ ذاتی خط و کتابت، جنوری ۱۹۹۲ء۔

۱۶۔ کیتھلین نارٹن، "Sister Clara Muhammed School" مشمولہ *The Poughkeepsie Journal* (۳۰؍اکتوبر ۱۹۸۸ء) ص ۱؍ہ تا ۲؍ہ۔

۱۷۔ مارشل شمس الدین کے ساتھ انٹرویو، ۱۵؍دسمبر ۱۹۸۹ء۔

۱۸۔ سی ایرک لنکن، *The Black Muslims in America* (بوسٹن: بیکن پریس، ۱۹۷۳ء)، ص ۱۳۱۔

۱۹۔ مارشل شمس الدین کے ساتھ انٹرویو، ۲۲؍فروری ۱۹۹۰ء۔

۲۰۔ فاطمہ راشد کے ساتھ انٹرویو، پوکیپ سی، نیویارک، ۵؍مارچ ۱۹۹۰ء۔

۲۱۔ نارٹن، "Sister Clara Muhammed School."

۲۲۔ راشدہ عبداللہ کے ساتھ انٹرویو، ۸؍اپریل ۱۹۹۰ء۔

۲۳۔ ایضاً۔

۲۴۔ راشد عبداللہ کے ساتھ انٹرویو، وپنگرز فالز، نیویارک ۸؍اپریل ۱۹۹۰ء۔

۲۵۔ ایضاً۔

۲۶۔ نتارا راشد کے ساتھ انٹرویو، پوکیپ سی، نیویارک ۵؍مارچ ۱۹۹۰ء۔

۲۷۔ مارشل شمس الدین کے ساتھ انٹرویو، ۲۲؍دسمبر ۱۹۸۹ء۔

۲۸۔ دی آنریبل ایلیجاہ محمد، بحوالہ لنکن *The Black Muslims in America* ص ۹۵ تا ۹۶۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۹۔ ڈبلو ڈی محمد اقتباس عائشہ محمد، تدوین، *Focus on al-Islam: Interviews with W Deen Muhammed* (شکاگو: زکوۃ پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء)، ص ۴۱۔

۳۰۔ "Violent Behavior Awareness: An Innovative Approach to Dealing with Violence" نجی اللہ شاہد، Phase Two Fund Raiser Program (پوکیپ سی، نیویارک: بیت النصر انکار پوریٹڈ، ۱۹۸۹ء)۔

۳۱۔ یوسف اکبر *The Voice of Help: Baitul Nasr Newsletter 1* نمبر ۴ (نومبر۔دسمبر ۱۹۸۹ء)۔

۳۲۔ مارشل شمس الدین کے ساتھ ذاتی انٹرویو، ۱۸ر دسمبر ۱۹۸۹ء۔

۳۳۔ "Countering the Influence of the Drug Subculture"، عبداللہ وائی صلاح الدین، Phase Two Fund Raiser Program۔

۳۴۔ "Action Plan" ایضاً۔

۳۵۔ کاؤنٹی ایگزیکٹو، لو سیلے پیٹرسن کا مراسلہ بنام Friends of Baitul Nasr ۱۴ر اپریل ۱۹۸۹ء۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ۲۲

عورتوں کی ملازمت اور فلاح و بہبود کے بارے میں ڈیربورن کے علاقے میں مقیم آباد کار عورتوں اور مردوں کے رویّے

باربرا اسود

یہ بات اکثر کہی جاتی ہے کہ ڈیربورن کے ساؤتھ اینڈ میں شادی شدہ عورتوں کو ملازمت نہیں مل سکتی کیونکہ ان کے اندر ایک صنعتی معاشرے کے لائق ہنرمندی اور انگریزی کی لیاقت نہیں ہوتی۔ کسی حد تک یہ بات صحیح ہے لیکن اس معاملے میں ان عورتوں کی اکثریت اپنے شوہروں سے کسی حد تک اختلاف رکھتی ہے۔ صنعتی پیداواری عمل کے خانگی زندگی سے اخراج نے تاریخی طور پر خواتین کے لیے بچوں کی پرورش اور دوسرے خانگی امور کے ساتھ ساتھ ملازمت کی انجام دہی کو مشکل بنا دیا ہے۔ اس تحقیق کے مرکز ڈیربورن میں آٹوموبیل صنعت پر مردانہ غلبے نے اس حقیقت کو مزید واضح کیا ہے۔

متعدد دوسرے عوامل بھی اُن عورتوں کی ملازمت کی موجودہ صورت حال پر اثر انداز ہوئے ہیں جو دیہی علاقوں سے مزدوری پیشہ مسلمانوں کے اِس علاقے میں ترک وطن کرکے آئی ہیں۔ ان عوامل میں پہلا عامل تو وہ ہے جسے میں ان عورتوں کے شوہروں کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''دولت مند کسانوں والی ذہنیت'' کہتی ہوں۔ یہ وہ ذہنیت ہے جسے دراصل وہ اپنی مشرق وسطیٰ کی طبقاتی حقیقتوں کے ساتھ لے کر آئے تھے۔ اس رویّے کی مختلف خصوصیات میں سے، جن پر بعد میں گفتگو کی جائے گی، ایک خصوصیت عورتوں کی شرم و حیا پر بہت زیادہ زور دینے کی ہے۔ دوسرا عامل سرکاری امداد کی وہ قبولیت ہے جو ۱۹۸۰ء کے عشرے کی ابتداء میں آٹوموبیل کی صنعت پر کساد بازاری اور بہت سے نئے تارکین وطن کی موجودگی کی وجہ سے پڑنے والے معاشی دباؤ کا نتیجہ تھی۔ اس صنعت کے چالیس فیصد کارکن بے روزگار ہوگئے۔ حتمی طور پر ایک اجنبی ثقافت میں آکر بسنے سے اسلامی شرم و حیا اور علیٰحدگی پر اصرار بڑھ جاتا ہے، خاص طور پر اس وجہ سے کہ امریکی معاشرہ زندگی کے ساتھی کے انتخاب کے سلسلے میں باہم ملاقاتوں اور شادی سے قبل جنسی تعلقات کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور اسے اس عمل کا ایک حصہ گردانتا ہے۔ شادی سے پہلے عورتوں کی عصمت کے بارے میں عربوں کی روایتی* فکر زیادہ نگہبانی کا تقاضا کرتی ہے جس کی وجہ سے اکثر کم عمری میں شادیاں کردی جاتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں لڑکیوں کے لیے تعلیمی مواقع بہت کم ہوجاتے ہیں۔ اس سے ملازمت کے مواقع بھی محدود ہوجاتے ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں روایتی اسلامی قدروں پر زور دینے کا حالیہ رجحان تارکین وطن تک پہنچ گیا ہے اور اس نے ان رویوں میں اضافہ کردیا ہے۔ برادری کے اندر بڑھتی ہوئی مذہبیت کا سبب تارکین وطن کا نفوذ بھی ہے اور امریکا میں عمومی طور پر اور ڈیربورن میں خصوصی طور پر اسلام اور عربوں کے خلاف جو معاندانہ رویہ پایا جاتا ہے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے اتحاد واستحکام پیدا کرنے کی کوشش بھی۔

ان آبادکار خواتین کے خصوصی حالات پر تفصیلی غور کرنے سے پہلے ان عمومی حالات پر غور کرنا زیادہ مفید ہوگا جن سے وہ دوچار رہتی ہیں۔ ڈیربورن کا ساؤتھ اینڈ لبنان، یمن اور فلسطین کے مسلمانوں کا گڑھ بن گیا ہے۔ برادری کی جڑیں ڈیٹرائٹ کے علاقے کے ایک شہر ہائی لینڈ پارک میں پیوست تھیں جہاں آبادکار اس صدی کے ابتدائی حصے میں پہلے فورڈ

---

* عربوں کی روایتی فکر سے زیادہ اس بات کا تعلق عصمت وعفت کے بارے میں اسلام کی تعلیمات سے ہے۔ اسلام عورتوں اور مردوں، دونوں سے جنسی پاکیزگی کا مطالبہ کرتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موٹرز کے منصوبے پر کام کرنے کے لیے آئے تھے۔ امام حسین کروب کی ہدایت پر ہائی لینڈ پارک میں ایک سنی مسجد ۱۹۱۹ء میں تعمیر کی گئی تھی لیکن وہ جلد ہی بند ہوگئی۔ امام بزی کے تحت منظم شیعوں نے ہائی لینڈ پارک کے نیو آرلینس ہال میں اپنا ایک اجلاس منعقد کیا۔ جب ۱۹۲۰ء کے عشرے کے اواخر میں فورڈ نے اپنا پلانٹ ڈیربورن منتقل کر دیا تو عرب برادری بھی اس کے ساتھ چلی گئی۔ سنیوں کی جماعت نے ۱۹۳۸ء میں ایک مسجد بنائی اور شیعی ہاشمی ہال بھی ۱۹۴۰ء میں تعمیر ہوا۔[1] وہاں آبادکاروں کی ایک بہت بڑی آبادی میں ابتداً عرب بہت قلیل تعداد میں تھے۔ اکثریت مشرقی یورپ اور اٹلی والوں کی تھی۔ لیکن ۱۹۶۰ء کے عشرے میں صورت حال بدلنے لگی اور عربوں کی ایک بڑی تعداد یہاں آ گئی۔ یورپ والوں نے یہاں سے منتقل ہونا شروع کر دیا۔ اب اس علاقے کی آبادی کا تخمینہ چھ ہزار لگایا جاتا ہے جس کا ۷۵ فیصد عرب ہیں۔ وہ ایک ایسی برادری ہیں جس میں لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں، ایک دوسرے کو جانتے ہیں اور ایک دوسرے کے کاروبار میں حصہ لیتے ہیں۔ یہاں برادری کے لیے ایک درجن کافی ہاؤس ہیں، ایک مسجد ہے اور متعدد اسٹور اور تجارتی مراکز ہیں۔ یہاں بعض طوفانی دور بھی آئے جب ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ شہر تباہ ہو جائے گا۔[2] لیکن آج یہ آبادکاروں کا ایک زندہ مرکز اور عربوں کی تین نسلوں کا گھر ہے۔

ابتدائی آبادکار جنوبی لبنانی اور خاص طور سے شیعہ تھے۔ ۱۹۴۸ء کے بعد ان میں فلسطینی مسلمان اور ۱۹۶۰ء کے عشرے میں ان دیہاتوں کے مسلمان بھی شامل ہوگئے جو صنعا کے اردگرد یا اس زمانے کی یمن عرب جمہوریہ اور یمن کی جمہوری یونین کی سرحد پر واقع تھے۔ یہ ایک کم آمدنی والا علاقہ ہے جسے ڈیربورن کے بہت سے لوگ ''گزرگاہ کا دوسرا رخ'' کہتے ہیں۔ ابھی حال میں بعض ایسے عوامل، جیسے تعداد اور جغرافیائی لحاظ سے عرب برادری کی توسیع اور مشرق وسطیٰ میں سیاسی خلفشار اور جنگوں، کی وجہ سے ڈیربورن کے دونوں طبقوں میں بڑی کشیدگی رہی اور ثقافتی غلط فہمیوں اور نسل پرستی کے بہت سے واقعات رونما ہوئے۔ ساؤتھ اینڈ کی عرب برادری شمال کی طرف پھیلنے لگی۔ بہت سے نئے تارکین وطن آ کر برادری میں شامل ہوگئے جہاں اب وارن ایوینیو کے چھ بلاکوں کے ایک سیکشن میں عربوں کی خوب چلتی ہوئی چھپن دکانیں ہیں جن میں بیکریاں، ریستوران، ملبوسات کی دکانیں، بیمے اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹروں کے دفاتر شامل ہیں۔ جنوبی لبنان اور بیروت میں جنگوں کے نتیجے میں لوگ مشرقِ وسطیٰ کے شہروں اور دیہاتوں مثلاً لبنان کے تبنائن اور بنت جبیل اور فلسطین کے بیت حنینہ سے آ گئے۔[۳] ان حالیہ لبنانی تارکین وطن میں سے بیشتر لوگ ہنرمند اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔

عظیم تر ڈیٹرائٹ کے وسیع علاقے میں عرب پس منظر کے تقریباً دو لاکھ افراد رہتے ہیں۔ ان میں سے تقریباً ستر ہزار مسلمان ہیں۔ ڈیربورن جو ڈیٹرائٹ کے مغرب میں واقع ہے مسلم آبادی کا مرکز ہے۔ یہاں مسلمانوں کی تعداد اٹھارہ ہزار ہے جو اس شہر کی آبادی کا تقریباً ۲۰ فیصد ہے۔ اس برادری کی دوسری اور تیسری نسل مغرب کی جانب دوسرے مضافاتی شہروں مثلاً ڈیربورن ہائٹس اور ویسٹ لینڈ میں آباد ہوتی چلی گئی اور تعداد بڑھتی گئی۔ اس کے برعکس لبنانی عیسائی کیتھولک برادریاں مشرقی مضافات کی طرف پھیلیں جب کہ زیادہ تر لبنانی اور فلسطینی آرتھوڈکس عیسائی اور عراقی کلدانی شمالی مضافات کی طرف پھیلے۔

خود ڈیٹرائٹ کے علاقے کی عرب مسلم آبادی میں بہت زیادہ تنوع پایا جاتا ہے جو ان کے آبائی ملک، حیثیت، پیشہ، دیہی یا شہری توطن، مذہبی فرقہ اور سیاسی الحاق کے حوالے سے ظاہر ہوتا ہے۔ بہت سے اونچے طبقے کے پیشہ ور لوگ زیادہ خوش حال مضافات میں رہتے ہیں۔ یہ آبادی ۱۹۶۰ء کے عشرے کے بعد سے یہاں آئی ہے۔ ڈیربورن کی عام آبادی اور ان پیشہ ور حضرات کے درمیان روابط میں طبقہ وارانہ حیثیت ایک حد فاصل رہی ہے، اگرچہ مذہبی سرگرمیاں اور مشرق وسطیٰ کے بحران ان میں سے بعض ارکان کو کہیں کہیں ایک دوسرے سے قریب لائے ہیں۔ تاہم برادریوں کے باہمی میل جول میں طویل فاصلے مانع ہیں، البتہ اونچے طبقے کے لوگ ایک دوسرے سے ملنے کے لیے اکثر طویل سفر کرتے رہتے ہیں۔

ڈیربورن کے علاقے میں پانچ مساجد یا اسلامی مراکز ہیں جن میں عرب مسلمان حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں سے تین شیعوں کی اور دو سُنیوں کی ہیں۔ ان میں سب سے بڑا اسلامی مرکز ڈیٹرائٹ سے باہر نکلتے ہی جوائے روڈ پر واقع ہے۔ یہ مرکز، جسے جامع کہتے ہیں، ۱۹۶۳ء میں تعمیر ہوا تھا اور بنیادی طور پر یہ لبنانی شیعہ برادری کے اولین آنے والوں اور ان کی اولاد کے کام آتا ہے جو اس علاقے میں اکثریت میں ہیں۔ ایک دوسرا لبنانی شیعہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرکز ''اسلامک انسٹیٹیوٹ'' ہے جسے مجمع کہتے ہیں۔ یہ مجمع ۱۹۸۰ء میں قائم ہوا تھا اور ۱۹۸۵ء میں یہ وارن ایونیو کے جدید اور قدیم آبادکاروں کی روز افزوں آبادی کے درمیان میں واقع ایک عمارت میں منتقل ہوگیا تھا۔ اسے اسلامک سینٹر سے زیادہ راسخ العقیدہ سمجھا جاتا ہے۔ نسبتاً چھوٹا ادارہ اسلامک کونسل آف امریکا ہے جسے مجلس کہتے ہیں، یہ ۱۹۸۹ء میں ایک مرمت شدہ اسٹور میں قائم ہوا تھا۔ یہ بھی وارن ایونیو کی برادری کا ایک حصہ ہے اور مجمع سے زیادہ راسخ العقیدہ ہے۔ اس قدامت پرستی کا ایک ثبوت عورتوں کے باحجاب لباس سے ملتا ہے۔ لبنان میں مذہب سے وابستگی کی بناء پر ان کے درمیان سیاسی اختلافات کسی حد تک مسجدوں اور مرکزوں میں بھی نظر آتے ہیں۔

دو سُنی مسجدوں میں سے ایک ڈکس روڈ پر واقع ہے پہلے اسے لبنانیوں نے قائم کیا تھا جس نے بعد میں دوسری نسل کے آزاد خیال لبنانیوں کی خصوصیات اختیار کرلیں۔ اب اسے بنیادی طور پر یمنی آبادی استعمال کرتی ہے اور یہ اپنے فن تعمیر اور رسم و رواج دونوں میں مشرق وسطیٰ کی مسجدوں سے بہت زیادہ مشابہ نظر آتی ہیں۔ دوسری سنی برادری، جسے یمنیوں نے بے گھر کردیا تھا، نسبتاً زیادہ آزاد خیال لبنانی گروہ ہے جو ڈیربورن میں بکع مرکز میں منظم ہوئی تھی۔

ڈیٹرائٹ کے علاقے میں دوسری مسجدیں بھی ہیں لیکن وہ بنیادی طور پر عرب نہیں ہیں۔ بعض اعلیٰ تربیت یافتہ عرب اپنے بچوں کو آبرن ہلس کی ایک مضافاتی مسجد میں بھیجتے ہیں جو بنیادی طور پر پاکستانی ہے لیکن اس میں دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کو بھی نمائندگی حاصل ہے۔ ڈیٹرائٹ اور این آربر کے درمیان کینٹن کے مغربی مضافات میں ایک اسلامی اسکول تعمیر ہورہا ہے۔ اسے بنیادی طور پر ڈیٹرائٹ میں رہنے والے اونچے درجے کے مصری، پاکستانی اور این آربر کے کچھ پیشہ ور لوگ مالی امداد مہیا کرتے ہیں۔ اب ڈیربورن کے علاقے میں ایک دوسرا اسلامی اسکول قائم کرنے کا بھی منصوبہ ہے۔ اس کے لیے بنیادی طور پر اسلامک انسٹی ٹیوٹ کے ممبران رقوم فراہم کرتے ہیں۔ اس کے لیے رقم عراق کے خوئی فاؤنڈیشن سے آرہی تھی، لیکن خلیج کی جنگ کی وجہ سے اس میں تاخیر ہوگئی اور تعمیر کا کام کافی سست ہوگیا ہے۔ خصوصی طور پر اسلامی اسکول قائم کرنے میں دلچسپی لینے سے مسلمان بچوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے ایک ایسا تعلیمی ماحول مہیا کرنے کی خواہش کا اظہار ہوتا ہے جس میں صنفی اعتبار سے کچھ علیحدگی ہو، گھروں سے باہر لڑکے لڑکیوں کے میل جول کا امکان نہ ہو اور شراب سے بچا جا سکے اور سخت نظم و ضبط ہو۔

اس طرح یہ ہے وہ عام ماحول جس میں ڈیربورن میں آبادکار عرب خواتین کے معاملات و کوائف کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس کا خاص موضوع مطالعہ دیہات کی عورتیں ہیں جن میں سے اکثر نے گھروں کے باہر کام نہیں کیا ہے اور نہ انہوں نے بہت زیادہ تعلیم و تربیت حاصل کی ہے۔ یہ بہت کم انگریزی جانتی ہیں اور یہ خواتین اس علاقے میں کوئی بیس سال پہلے آئی تھیں۔

مشی گن کے آبادکاروں کی صورت حال کو سمجھنے کے لیے مناسب ہوگا کہ مشرق وسطیٰ کی عورتوں اور ان کی پیشہ ورانہ مصروفیات کے کئی مطالعے کیے جائیں۔ دیہی مصری قصبات سے قاہرہ کی طرف انتقال آبادی کے بارے میں تیس سال پہلے تحقیق کرتے ہوئے جنت ابولغاد اس نتیجے پر پہنچی کہ ایک بار شہر منتقل ہو جانے کے بعد عورتوں کی کارکردگی میں کمی آجاتی ہے۔ ان کے کام کا بوجھ بھی کم ہو جاتا ہے اور ان کا میل جول گھٹ کر پڑوس تک محدود ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کا موازنہ جنت ابولغاد نے ان عورتوں کے شوہروں کے حالات سے کیا جو اپنے مخصوص کاموں کی وجہ سے اپنے ماحول سے باہر نکلے اور قسم قسم کے مردوں سے ان کے روابط قائم ہوئے۔[۵] زمانہ حال میں یمن اور لبنان میں جو تحقیقات ہوئی ہیں انہوں نے کارکن عورتوں اور ان عورتوں کے لیے جو دیہاتوں سے منتقل ہو کر آئی ہیں، شہری پڑوس کی اہمیت پر زور دیا ہے۔[۶] قاہرہ کے کم آمدنی کے حلقوں میں جو تحقیقات کی گئی ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے کام کرنے کو مرد باعث ذلت اور اپنی مردانگی کے لیے باعث شرم سمجھتے ہیں۔[۷] اس کے علاوہ مرد کارکن عورتوں پر سماجی مسائل مثلاً کمسن بچوں میں جرائم پیدا کرنے کا الزام لگاتے ہیں اور ان پر زیادہ سے زیادہ پابندیاں عائد کرتے ہیں۔[۸] قاہرہ میں کام کرنے والے اینڈریا رُغ نے یہ دریافت کیا کہ مردوں کا ردعمل اپنی بیویوں کی ملازمت کے بارے میں مختلف عناصر سے مل کر بنتا ہے مثلاً یہ کہ کام کی جگہ کتنی محفوظ ہے، حوائج ضروریہ کے لیے مختص جگہ کس انداز کی ہے۔ کام کس نوعیت کا ہے؟ پیسہ کتنا ملتا ہے اور یہ کہ ملازمت امور خانہ داری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کس حد تک مزاحم ہوتی ہے۔[۹] ڈیٹرائٹ میں آباد کار مسلمان عورتوں کے مسائل کو سمجھنے کے لیے ان ترک عورتوں کے بارے میں جی مرڈل کی تحقیق بہت موزوں ہے جو اپنے شوہروں کے ہمراہ ڈنمارک گئی ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ ایک روایتی طور پر مُعین فرائض اور کردار سے باہر آنے کے بعد زیادہ تر عورتیں اپنے شوہروں پر انحصار کرنے لگتی ہیں۔ وہ خود کو تنہا اور الگ تھلگ محسوس کرتی ہیں۔ ایک غیر ملک میں بچوں کی پرورش کا اضافی بوجھ اس کے علاوہ ہے۔[۱۰]

یہ بات ذہن نشین رکھنا بہت اہم ہے کہ خالص نسل کو یقینی بنانے کے لیے مادری سلسلے کے خاندانی نظام کے مقابلے میں پدرنسلی معاشرہ عورتوں کی جنسیت اور رویوں کی زیادہ حفاظت کرتا ہے۔ مزید برآں، زرعی ملکوں کے طبقاتی نظام میں یہ صورت حال ایسے معاشروں جیسے ہندوستان، اشتراکیت سے پہلے کے چین اور قدیم یونان اور روم میں سیاسی نظام کا حصہ بن جاتی ہے جیسا کہ ہمیں یہ ملتی ہے۔[۱۱]

چونکہ اس مطالعہ کا موضوع آبادی کا وہ حصہ ہے جو کاشتکارانہ پس منظر کا حامل ہے لہٰذا ہم ایک بار پھر ''دولت مند کسان'' کی ذہنیت کے نظریئے کی طرف لوٹتے ہیں اور یہ کہ یہ نظریہ امریکا ہی میں کیوں پنپا؟ دولت مند کسان عام طور پر اس کو کہتے ہیں جو اوسط رقبے کی زمین کا انتظام و انصرام کرتا ہے اور منافع کماتا ہے۔ زمین پر نہ تو وہ خود کسی قسم کی جسمانی محنت کرتا ہے اور نہ اس کے خاندان والے۔ اس کے بجائے وہ ایسے غریب کسانوں کو مزدوری کی بنیاد پر اپنے کھیتوں میں کام پر لگاتا ہے جن کے پاس اپنی زمین بہت کم ہوتی ہے یا ایسے لوگوں کے ساتھ بٹائی پر معاہدہ کرتا ہے جن کے پاس اپنی زمین نہیں ہوتی۔ انہوں نے مشرق وسطیٰ میں بھی رفتہ رفتہ زرعی مشینوں کا استعمال زیادہ کردیا ہے۔ چونکہ ان کے پاس سرمایہ موجود ہے لہٰذا وہ لبنان اور یمن جیسے علاقوں میں غریب دیہاتی کسانوں کے لیے تجارت اور سرمایہ کی منتقلی میں درمیانے آدمی کا کام کرتے ہیں۔ دولت مند کسان عموماً بڑے وسیع خاندانی گروہوں کے مالک ہوتے ہیں جنہیں وہ سیاسی معاملات میں ایک اکائی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ مشرق وسطیٰ کے دیہاتوں کی ایک تحقیق کے ضمن میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ لوگ بہت زیادہ پدرنسلی ہیں، ان میں برادری کے اندر شادی کا زیادہ رجحان ہے۔ کثرت ازدواج کی شرح ان کے یہاں بہت زیادہ ہے اور درمیانی یا غریب حیثیت کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسانوں کے مقابلے میں وہ لوگ زیادہ تر چچا زاد اور پھوپھی زاد بہنوں (یعنی باپ کے رشتے) سے شادیاں کرتے ہیں۔[۱۲] دوسری جانب درمیانی حیثیت کے کسان اپنے خاندان کے لوگوں کو بطور کارکن ساتھ ملا کر عموماً اپنی زمین پر خود کاشت کرتے ہیں۔ پدرنسلی ہونے کے بجائے یہ لوگ زیادہ تر دونسلی ہوتے ہیں۔ تعدد ازدواج کا رواج ان کے یہاں بہت کم اور دولت مند کسانوں کے مقابلے میں ان کا خاندان چھوٹا ہوتا ہے۔[۱۳] غریب کسانوں اور بٹائی پر کام کرنے والوں کے خاندان عموماً بہت ہی چھوٹے ہوتے ہیں۔ ان کے پاس اپنی زمین نہیں ہوتی۔ یہ نقل مکانی کرتے رہتے ہیں اور پدرنسلیت کا احساس ان کی یہاں کم ہوتا ہے۔ ان کی ایک بیوی ہوتی ہے اور یہ عموماً اپنے خاندان سے باہر شادی کرتے ہیں۔ یہ بنیادی طور پر دولت مند کسانوں اور بڑے زمینداروں کے لیے کام کرتے ہیں اور عموماً کنبے کے بجائے اپنے مالکوں یا سرپرستوں کے ساتھ زیادہ رابطہ رکھتے ہیں۔

مشرق وسطی میں زراعت اور جسمانی مشقت کے دوسرے مشاغل کی طرف دولت مند مرد کسانوں کا رویہ ہر قیمت پر ان سے بچنے کا ہے۔ مجھے ان میں سے بعض کے ساتھ اپنی پہلی گفتگو اچھی طرح یاد ہے۔ میں نے ان میں سے ایک سے پوچھا کہ وہ سال میں کتنے ہفتے کام کرتے ہیں۔ پہلے تو انہوں نے بڑے فخریہ انداز میں کہا۔ ''بالکل نہیں۔'' جب میں نے جھنجھلا کر کہا ''یہ ناممکن ہے'' تو انہوں نے دوبارہ سوچ سمجھ کر جواب دیا۔ ''اچھا۔ خیر! تقریباً آٹھ گھنٹے۔'' میرا ابتدائی ردعمل تو یہ تھا کہ شاید مجھے صحیح جواب نہیں ملا تھا، لیکن جب میں نے وہاں کئی کئی مہینے گزارے اور مردوں کو چلتے پھرتے نہیں دیکھا تو میں سمجھ گیا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہے تھے۔ اگرچہ وہ کبھی کبھی کوئی اہم سیاسی، انتظامی اور اصلاحی کام کر لیتے تھے لیکن جسمانی مشقت والا کام تو وہ بالکل نہیں کرتے تھے۔ بہت سے لوگوں کا وزن غیر معمولی طور پر بڑھ گیا تھا اور چالیس سے پچاس سال کی عمر کے بہت سے مردوں کو دل کا دورہ پڑ چکا تھا۔ فرصت کو یہ لوگ بڑا انعام سمجھتے تھے۔

جسمانی مشقت میں انہیں جو ذلت محسوس ہوتی تھی اس سے کچھ ہی درجہ کم ان کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ ان کی بیویاں اور بیٹیاں کھیتوں میں دوسرے مزدوروں کے ساتھ یا دوسرے لوگوں کے لیے کام نہ کریں۔ اپنی عورتوں پر اقتدار اور اختیار سے مردوں کے درجے

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور وقار کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ کئی بار مجھ سے یہ بات کہی گئی کہ ان کی بیویوں کو'' کام کرنے کی ضرورت نہیں ''، حالانکہ ان بیویوں کا معاملہ یہ تھا کہ انہیں کھانا تیار کرنے، کپڑے دھونے اور بچوں کی نگرانی کرنے میں سخت محنت کرنی پڑتی تھی۔ دولت مند کسانوں کو اپنی بیویوں اور بیٹیوں کے کام نہ کرنے میں فخر و غرور کے ساتھ ساتھ یہ احساس بھی کارفرما رہتا تھا کہ کسی ملازمت وغیرہ میں مصروف نہ ہونے کی وجہ سے ان کے پاس زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرنے اور اُن کی تربیت کے لیے وقت ہی وقت ہے۔ بہرحال کام کی تعریف ان کے نزدیک گھر سے باہر ملازمت ہے۔ عورتیں بھی عام طور سے اس تعریف سے اتفاق کرتی ہیں اور زرعی کاموں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔''[۱۴]

خطرناک بات یہ ہے کہ متوسط درجے کے کسانوں نے ہمیشہ دولت مند زراعت پیشہ لوگوں کے رویوں کی نقل کی اور اگر کوئی انہونی مثال ایسی سامنے آئی کہ انہوں نے دولت حاصل کرلی تب تو انہوں نے رئیس کسانوں کے رسم و رواج اور رویوں کی نقل پوری طرح کرنی شروع کردی۔ جب ایک سرکاری اصلاحی منصوبے کے تحت غریب کسانوں کو زمینیں ملیں تو وہ بھی متوسط اور دولت مند کسانوں کے طریقوں کی نقل کرنے لگے۔ انہوں نے اپنے بچوں کی تعداد میں اضافہ کیا، اپنے بچوں کو کام پر لگائے رکھا اور ٹریکٹر کرایہ پر لے کر اور دوسرے مزدور اجرت پر رکھ کر اپنی مشقت کم کرنے کی کوشش کی۔ اس تحقیق میں خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بیویوں کو کام کرنے سے روکا۔ تاہم یہ حکمت عملی صرف ایک نسل تک قائم رہی کیونکہ ان کے بچے بہت تھے اور حکومت کی طرف سے اضافی زمینیں نہیں مل رہی تھیں۔ بہت سے لوگوں کی حالت اگر مزید بدتر نہیں ہوئی تو بھی وہ اپنی پچھلی حالت پر لوٹ گئے۔ اس صورت حال سے مستثنیٰ صرف وہ چند لوگ تھے جنہوں نے اپنی انفرادی حیثیت میں قرضے حاصل کرلیے تھے اور جو بنیادی طور پر دوسروں کی تباہی کے ذمہ دار تھے۔ چند کامیاب لوگوں نے پوری طرح دولت مند کسانوں کی نقل کی اور ان کی بیویوں اور بچوں نے کھیتوں میں کام نہیں کیا۔[۱۵]

ڈیربورن کی برادری میں عرب امریکیوں کے بارے میں ابتدائی تحقیق اگرچہ مختلف نسلوں کے درمیان انجذاب کی حرکیات کے مباحث کے اعتبار سے بہت عمدہ تھی تاہم یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحقیقات صرف مردوں کے انٹرویو سے حاصل کی گئی تھیں۔ ملازمت پیشہ عورتوں کے بارے میں مردوں کے رویّے کی بابت سوالات نہیں کیے گئے تھے اور عورتوں کے کام کرنے یا نہ کرنے کے مسئلے پر بہت کم توجہ دی گئی تھی۔[۱۶] ابھی حال میں جو تحقیقات ہوئی ہیں انہوں نے وہ اعداد و شمار مہیا کردیے جو اب تک نظر سے اوجھل تھے۔ یوں گم شدہ کڑیاں مل گئیں۔ مثال کے طور پر ڈیربورن آبادی کی اکتالیس آبادکار عورتوں سے بچوں کی پیدائش سے متعلق ایک بھرپور تحقیق کے ضمن میں ای آلڈرتج کو معلوم ہوا کہ ان میں سے کوئی عورت گھر سے باہر کام نہیں کرتی تھی۔ آلڈرتج نے محسوس کیا کہ گھر کے باہر مردوں کے ساتھ کام کرتی ہوئی، یا کافی ہاؤس کی، عورتوں کے بارے میں اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے گھروں کے معاملات میں فیصلہ کرنے کی قوت میں اضافہ کرلیا ہے اگرچہ وہ اپنے شوہروں کے عوامی کردار مثلاً ملازمت اور بینکاری کے اختیار کا بھرپور احترام کرتی ہیں۔ آلڈرتج ملازمت میں عورتوں کی کمی کو ان کی شرم و حیا اور روایتی رویوں کے تسلسل سے جوڑتی ہے۔ البتہ وہ بیٹوں کے مقابلے میں بیٹیوں کے لیے عورتوں کے رویوں میں ایک تبدیلی کا حوالہ دیتی ہے اور آخر میں یہ کہتی ہے کہ برادری میں مردوں اور عورتوں کے درمیان زیادہ ترقی پسند مساویانہ رجحان نمو پذیر ہے۔[۱۷]

امریکا میں اولین آبادکار عورتوں کے ضمن میں مختلف مطالعوں سے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ اِن مطالعوں کے مطابق عورتوں کو جسمانی مشقت کا سامنا کرنا پڑا، خاص طور سے خاندانی اسٹوروں اور ملبوسات کے کارخانوں میں ان کے کاموں اور پھیری والیوں اور دکانوں کے چھوٹے فروخت کاروں کی حیثیت سے۔ ایس حداد نے اپنی تحقیق میں شکاگو کے شامی امریکیوں کے بارے میں لکھا ہے کہ اولین آبادکار عورتیں بیکری کا سامان بنانے اور بیچنے میں اپنے شوہروں کی مدد کرتی تھیں اور یہ کہ جب ان کے مرد کامیاب ہوگئے تو انہیں خاندانی کاروبار میں اچھی حیثیت حاصل ہوگئی۔[۱۸] الیکسانیف نے بیٹیوں کے استحصال کے ایسے واقعات بھی لکھے ہیں کہ انہوں نے اپنے بھائیوں کی اعانت اور تعلیم میں ہاتھ بٹانے کی خاطر اپنی شادی میں یا تو تاخیر کردی یا اس کا ارادہ ہی ترک کردیا۔ ڈوماٹو نے ایک ایسی عورت کا واقعہ بیان کیا ہے جسے اپنا امریکا کا کرایہ حاصل کرنے کے لیے بارہ سال کی عمر میں نیویارک میں ایک ملبوسات کے کارخانے کے مالکوں کے پاس خود کو پابند کردینا پڑا۔[۱۹] اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ یہ کوئی ایک واقعہ نہیں تھا۔ ابتداءً عورتوں کو ملازمت اپنے گھروں کے قریب ایسے کارخانوں میں مل جاتی تھی جہاں وہ ایک ساتھ کام کرسکیں۔ آٹو موبیل کی صنعت میں کام کرنے والی عورتوں کے لیے پاک دامنی ایک بڑا مسئلہ تھی کیونکہ وہاں انہیں ایسے مردوں کی قربت میں کام کرنا پڑتا تھا جو ان کے رشتے دار نہیں تھے۔[۲۰] مشرق وسطیٰ میں لبنانی یا یمنی عورتوں کو ان کی دیہی زندگی نے اس طرح تیار نہیں کیا تھا کہ وہ ایسے علاقے میں زندگی گزار سکیں جو مردانہ غلبے والی آٹو موبیل صنعت کے زیر اثر ہو۔

پس یہ ہے ڈیربورن میں آباد ہونے والی تارکین وطن عورتوں کا عمومی پس منظر۔ ڈیربورن کے اس جائزے میں شامل عورتیں ایک ایسی کارکن برادری میں شامل ہوگئیں جس کی تشکیل بنیادی طور پر آٹو موبیل کے غیر ہنرمند کارکنوں اور ان کے افراد خاندان سے ہوئی تھی۔ ان کی بڑی اکثریت اوسط درجے کے کسانوں والے خاندانوں سے آئی تھی۔ امریکا میں ان کے شوہر اتنی تنخواہیں پاتے ہیں جو یمن اور لبنان کے دیہاتوں میں انہوں نے کبھی سنی بھی نہ تھی۔ عورتوں کو امریکا میں ملازمت حاصل کرنے میں کافی مشکلات پیش آئیں اس طرح وسائل پہ کنٹرول حاصل کرنے میں آٹو کمپنیوں اور شوہروں دونوں کے رویوں نے مزاحمت کی۔ مرد ابتداء میں اپنے غیر ہنرمندانہ کام کی معمولی مزدوری کی وجہ سے دولت مند کسانوں کی آسائش والی عادتیں تو اختیار نہیں کرسکتے تھے لیکن وہ اپنی بیویوں کی ملازمتوں پر پابندی لگا کر کسی حد تک ان جیسا مرتبہ ضرور حاصل کرسکتے تھے۔ مزید برآں، پدرنسلی خاندانوں کے سربراہوں نے اپنی وہی مشرق وسطیٰ جیسی مضبوط سیاسی بنیادیں بنالی ہیں۔ مزید یہ کہ اگرچہ انفرادی مزدوری کا کام پدرنسلی خاندانوں کو اُس درجہ مناسب گزارا حاصل کرنے کے قابل نہیں بناتا جتنا مشترکہ دیہی اراضی کی ملکیت کا نظام، تاہم شہری علاقوں میں دکانوں کی ملکیت زیادہ موزوں ہے اور بعض لوگ ایسے ملتے ہیں جو کامیاب ہوجانے کی صورت میں مضافاتی علاقوں میں پرآسائش زندگی گزارتے ہیں۔ اولین آبادکار مالکان اسٹور کی طرح ڈیٹرائٹ کی عراقی کلدانی آبادی نے ڈیٹرائٹ کے "بابا، ماما" قسم کے اسٹوروں پر اجارہ داری حاصل کرلی ہے اور بہت سی عورتوں نے اپنے مرد اعزاء کی حفاظت میں کم تنخواہ پر اور بعض اوقات خطرناک حالات میں کام کیا ہے۔ وارن ایونیو میں حال میں آئے ہوئے لبنانی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تارکین وطن نے بھی دکانیں کھول لی ہیں اور عملاً تمام پٹرول پمپوں پر اجارہ داری حاصل کر لی ہے لیکن ان میں سے اکثر نے اتنا پیسہ نہیں کمایا ہے کہ وہ تعیش کی زندگی گزاریں۔

ملازمت اور عورتوں کے کام کرنے کے بارے میں ان کے شوہروں کے رویے کو سمجھنے کے لیے چالیس شادی شدہ عورتوں کے بارے میں جو تحقیق کی گئی اس میں یمنی اور لبنانی عورتوں کا تجزیہ الگ الگ کیا گیا۔ اولین یمنی تارکین وطن تقریباً تمام مرد تھے جن کے اندر بار بار ترک وطن کا رجحان پایا جاتا تھا۔ عورتیں حالیہ ترک وطن کی نمائندگی کرتی ہیں۔ جائزے میں شامل تمام یمنی عورتیں دیہاتوں اور چھوٹے شہروں سے آئی ہیں۔ ان کے پاس نہ تعلیم ہے نہ ملازمت کا تجربہ اور اس ملک میں ان کے چند ہی اعزاء ہیں۔ وہ گاڑی نہیں چلاتیں اور ساؤتھ اینڈ سے باہر جانے کی ہمت بہت کم کرتی ہیں۔ ان میں صرف ایک عورت ملازم ہے اور وہ دوسروں کو انگریزی پڑھاتی ہے۔ ان سب کا تعلق اوسط درجے کے کسان گھرانوں سے ہے یا یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے حال ہی میں شہری زندگی اپنائی ہے۔ چند لوگ جو ''دولت مند کسان'' طبقے سے تعلق رکھتے ہیں وہ ۱۵ میل دور ساؤتھ فیلڈ کے اوسط درجے کے قصبے سے تعلق رکھتے ہیں اور خاصی تنہائی محسوس کرتے ہیں۔ زیادہ تر یمنی عورتیں گزشتہ پندرہ سال کے اندر اندر آئی ہیں اور ان میں سے اکثر خاصی جوان ہیں اور ان کے چند ہی افراد خاندان ہیں۔ اس کے مقابلے میں لبنانیوں کی بڑی تعداد ظاہر کرتی ہے کہ ان کے خاندان بڑے ہیں۔

تقریباً نصف سے زیادہ یمنی عورتیں کام کرنے اور کام میں آسانی کے لیے انگریزی پڑھنے کی شدید خواہش ظاہر کرتی ہیں۔ سوائے اس ایک عورت کے جو بحیثیت استانی کام کرتی ہے دوسری کوئی عورت کبھی اسکول نہیں گئی۔ نصف عورتیں کہتی ہیں کہ ان کے شوہر یہاں ان کے کام کرنے کی سخت مخالفت کریں گے۔ باقی نصف کہتی ہیں کہ ان کے شوہر بالکل برا نہیں مانیں گے اور مزید آمدنی کو پسند کریں گے۔ وہ عورتیں جو کام کو پسند کرتی ہیں ان میں سے نصف سرکاری فلاحی وظیفہ لے رہی ہیں۔ اسی فیصد عورتیں یہ محسوس کرتی ہیں کہ ان کے شوہر مقامی کارخانوں میں ان کے کام کرنے کی شدید مخالفت کریں گے اور وہ خود بھی وہاں کام کرنے کی شوقین نہیں ہیں۔ ان میں سے کوئی عورت اب تک بینک نہیں گئی ہے۔ وہ سب یہ کہتی ہیں کہ ان کے گھروں میں اخراجات کی رقم کا سارا انتظام ان کے شوہر کرتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہیں یہ احساس ہے کہ ان کے ترک وطن کی وجہ سے یمن میں ان کے موروثی اثاثوں پر بھی ان کا کنٹرول ختم ہوتا جارہا ہے۔ وہ سب یہ کہتی ہیں کہ گھریلو معاملات میں اہم فیصلے ان کے شوہر کرتے ہیں۔

ان عورتوں کی اکثریت یہ خیال ظاہر کرتی ہے کہ ان پر حکم چلانے کے لیے ان کے شوہر مذہبی احکام کا سہارا لیتے ہیں۔ ان میں سے نصف خود کو بالکل مذہبی نہیں کہتیں اور بقیہ نصف خود کو بہت زیادہ مذہبی کہتی ہیں۔ چند ایک مقامی مسجدوں میں جاتی ہیں اور کم شرحِ خواندگی کی وجہ سے قرآن بھی بہت کم عورتیں پڑھ پاتی ہیں۔ اگرچہ عورتوں کا ایک چھوٹا سا گروہ موجود ہے لیکن وہ اتنی فعال نہیں ہیں جتنی لبنانی عورتیں اپنی مسجدوں میں ہیں۔ یمنی عورتیں جب مسجد جاتی ہیں تو نقاب اوڑھتی ہیں لیکن برادری کے اجتماعات میں وہ بہت کم نقاب استعمال کرتی ہیں، برادری کو وہ اپنے گاؤں کی طرح سمجھتی ہیں۔ یمن میں وہ اس وقت نقاب ڈالتی تھیں جب شہر جاتی تھیں لیکن یہاں جب کبھی وہ ساؤتھ اینڈ سے جاتی ہیں جس کا اتفاق کم ہوتا ہے تو نقاب نہیں ڈالتیں۔ ان کا لباس وہی دیہات والا ہے۔

مشرق وسطی کے ملازمت پیشہ طبقے کے توسیع شدہ خاندانوں میں مادرانہ ذمہ داری خاندانوں کا واحد کام نہیں ہے۔ وہ بہت سے دوسرے کاموں کو بھی ساتھ ساتھ کرتی ہیں مثلاً کھانا پکانا، کپڑے سینا اور مرغیاں پالنا۔ یہ بات اب ڈیربورن کے تارکین وطن میں بہت کم پائی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان یمنی عورتوں میں بڑی اکتاہٹ پائی جاتی ہے۔ ان کی ذمہ داریاں چونکہ گھر کے چھوٹے موٹے کاموں اور بچوں کی پرورش تک محدود رہتی ہیں لہٰذا وہ اپنا خاصا وقت ٹی وی اور وڈیو دیکھنے میں گزار دیتی ہیں۔ وہ اچھا خاصا وقت شہر کے ساؤتھ اینڈ میں بند رہتی ہیں لہٰذا وہ اور زیادہ اور مختلف النوع سرگرمیوں کی خواہش کرتی ہیں۔ ڈیربورن میں پیدا ہونے والی یمنی عورتیں اب اپنے مختصر خاندانوں (شوہر، بیوی اور بچے) میں رہتی ہیں اور اگرچہ کہنے کے لیے تو وہ یہی کہتی ہیں کہ انہیں اپنی ماؤں اور بہنوں کی بڑی کمی محسوس ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اعزاء کے دباؤ سے اور خاص طور پر اپنے شوہروں کی ماؤں کی موجودگی سے آزاد ہو کر کچھ سکون محسوس کرتی ہیں۔ ان کے خاندان کی جگہ اب ان کے نئے پڑوس نے لے لی ہے وہ بس انہی سے میل جول رکھتی ہیں اور ان ہی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے کام آتی ہیں۔

یمنی برادری کے لوگ مقامی یا قومی سیاست میں فعال نہیں ہیں بلکہ بنیادی طور پر وہ یمن ہی کے سیاسی معاملات میں دلچسپی لیتے رہتے ہیں۔ عورتوں کو سیاست میں کوئی دلچسپی نہیں، نہ یہاں نہ یمن میں۔ نصف تعداد میں خواتین کہتی ہیں کہ انہیں مشرق وسطیٰ کی سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں، اگرچہ انہیں یہ بات معلوم ہے کہ ان کے شوہروں کو دلچسپی ہے اور وہ اپنے شوہروں کے تعلق خاطر سے اپنی پریشانی کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔ صرف دس فیصد خواتین کا تعلق کسی نہ کسی مقامی عرب امریکی گروہ سے ہے۔ بہرحال عورتیں مقامی عرب کمیونٹی سینٹر فار اکنا مک اینڈ سوشل سروسز (ACCESS) کے وسائل سے فائدہ اٹھاتی رہتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ مقامی برادری کی کئی سو عرب خواتین نے ACCESS میں منعقد کئے جانے والے انگریزی نصابوں میں شرکت کے لیے رضامندی ظاہر کی ہے۔ یہ رضامندی متعدد باتوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ (۱) وہ اپنی صلاحیتوں میں اضافہ کرنا چاہتی ہیں، (۲) وہ اکتاہٹ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے گھروں سے باہر جانا چاہتی ہیں، (۳) یہ ایک ایسی مصروفیت ہے جسے ان کے شوہر صحیح سمجھتے ہیں، کچھ اس وجہ سے کہ یہ تقریب ان کے اپنے علاقے میں ہوتی ہے، اور (۴) کچھ اس لیے کہ فلاحی وظائف حاصل کرنے والیوں کی حیثیت سے وہ ان کلاسوں میں شرکت کر کے اپنی ملازمت کی جگہ کے لیے اپنی صلاحیتوں میں اضافہ کرسکتی ہیں۔

ان یمنی عورتوں کا رویہ اپنی بیٹیوں کے بارے میں کیسا ہے؟ ساٹھ فیصد عورتوں نے کہا کہ وہ اپنی بیٹیوں کو کام کرنے کی اجازت دیں گی لیکن صرف دوسری عورتوں کے ساتھ۔ وہ یہ بھی چاہتی ہیں کہ ان کی بیٹیاں اچھی تعلیم حاصل کریں۔ ہائی اسکولوں میں اپنے ہم جماعت لڑکوں کے ساتھ آزادانہ گھومنے پھرنے سے انہیں تشویش ہوتی ہے۔ بعض نے تو اس بات کے امکان پر بھی گفتگو کی کہ وہ اپنے کم سن بچوں، خاص طور سے اپنی بیٹیوں کو اس وقت تک کے لیے یمن بھیج دیں جب تک وہاں ان کی شادیاں ہو جائیں۔ تمام یمنی عورتیں چاہتی ہیں کہ ان کے بچے مسلمانوں کے ساتھ شادیاں کریں اور ۹۰ فیصد کی خواہش ہے کہ ان کے بچوں کی شادیاں یمنیوں کے ساتھ ہوں۔ یہ عورتیں خاصی مشکل صورت حال سے دوچار ہیں۔ کسی قسم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی امکانی رسوائی کی داستان شروع ہونے سے پہلے ہی وہ خود پر خاصا دباؤ محسوس کرتی ہیں کہ اپنی بچیوں کی تعلیم منقطع کرادیں اور کم عمری ہی میں ان کی شادیوں کا مسئلہ طے کردیں۔خاندان کی نگرانی کے سلسلے میں بیٹیوں کی مزاحمت کے ساتھ ساتھ دوسرے معاملات ACCESS کے خاندانی مشاورتی مرکز کے سامنے لائے جاتے ہیں۔اس مرکز کے قیام کے پہلے سال سامنے آنے والے ساٹھ اہم مسائل میں سے تقریباً نصف کا تعلق ان ماؤں سے تھا جنہیں اپنی بیٹیوں کی تہذیب و تادیب کے سلسلے میں مسائل کا سامنا تھا۔دوسرے مسئلوں کا تعلق ماؤں اور بیٹوں کے درمیان یا باپوں اور بیٹوں کے درمیان یا باپوں اور بیٹیوں کے درمیان معاملات سے تھا۔اس سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ مرکز سے مشورہ لینے والوں میں اسّی فیصد عورتیں تھیں۔

ڈیربورن کے علاقے میں لبنانیوں کے ترک وطن کا انداز یمنیوں سے مختلف تھا اور انہیں چار نسلوں کی مستحکم برادری'' کی حیثیت سے شناخت کیا جاسکتا تھا جن میں اہم برادرانہ روابط کے ساتھ ترک وطن سے قبل ہی مختلف پیشہ ورانہ سرگرمیوں کا تجربہ بھی تھا۔ان میں سے بعض شہری علاقوں میں بطور استاد ملازم تھے جب کہ دوسروں (زیر تحقیق گروہ کے تقریباً ساٹھ فیصد) کی تعلیم یا تو بہت کم تھی یا بالکل نہیں تھی۔ایک دفعہ مرکز میں ایک ایسی اَن پڑھ عورت لائی گئی جو اپنی عمر سے تیس سال بڑے ایک رنڈوے کی دوسری بیوی تھی جب کہ اس کے شوہر کے آٹھ بچے تھے۔یہ تمام عورتیں بہرحال اس خواہش کا اظہار کرتی ہیں کہ وہ تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہیں۔تقریباً ایک تہائی عورتیں وہ ہیں جو اس وقت بھی ایسی ملازمتیں کررہی ہیں جیسے باورچی، نگراں، مقامی کمیونٹی سینٹر میں مددگار، بچوں کی نگرانی کرنے اور استانیوں کا کام۔ یمنیوں کے برخلاف (لبنانیوں کی) بڑی اکثریت یہ بتاتی ہے کہ خاندانی آمدنی کو میاں بیوی مشترک طور پر کنٹرول کرتے ہیں۔لبنانی عورتیں عمومی طور پر فیصلہ سازی میں بھی یمنی عورتوں سے زیادہ حصہ لیتی ہیں۔یہ بات ان عورتوں کے معاملے میں زیادہ صحیح ہے جو لبنان میں بھی گھروں کے باہر ملازمت کرتی تھیں۔

اس سوال کے جواب میں کہ کیا عورتوں کو امریکا میں بھی گھر کے باہر کام کرنا چاہیے۔ اکثریت نے اثبات میں جواب دیا بلکہ ایسا کرنے کی خواہش کا اظہار بھی کیا۔وہ دولت مند

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسانوں کی بیویوں والے اس رویہ کو مسترد کرتی ہیں جو حقیقت سے قریب ہے کہ امریکا میں گھر بنانے والیوں کے طور پر انہیں اس سے بہت کم کام کرنا پڑتا ہے جو انہیں لبنان میں کسانوں والے گھروں میں کرنا پڑتا تھا۔[۲۲] اس سوال کا جواب کہ ان کے گھروں سے باہر کام کرنے کے سلسلے میں ان کے شوہروں کا ردعمل کیا ہوگا، ''بہت مخالفت ہوگی'' سے لے کر ''بالکل مخالفت نہیں ہوگی''، تک ملا۔ جن عورتوں نے کہا کہ ان کے شوہر مخالفت نہیں کریں گے ان میں وہ عورتیں بھی شامل تھیں جو کہیں کام کرتی تھیں اور وہ جو، یمنیوں کی طرح، کسی نہ کسی قسم کا فلاحی وظیفہ حاصل کر رہی ہیں یا کر چکی ہیں۔ تمام لبنانیوں نے کہا کہ ان کی بیٹیوں کو کام کرنے کی اجازت ہوگی۔ لیکن وہ اس بات کو ترجیح دیں گی کہ ان کی بیٹیاں اسٹوروں میں یا عورتوں کے روایتی کام کریں۔ بعض نے یہ کہا کہ وہاں صرف عورتیں ہونی چاہئیں اور تقریباً بیس فیصد نے کہا کہ وہ آٹو موبیل کے کارخانے میں غیر ہنرمندانہ کام بھی منظور کر لیں گی۔

لبنانی عورتیں مذہبی تنظیموں میں یمنی عورتوں سے زیادہ فعال ہیں اور اس تحقیق میں شامل کسی لبنانی عورت نے یہ نہیں کہا کہ وہ بالکل مذہبی نہیں ہے۔ بہت سی عورتیں مذہبی لباس پہنتی ہیں اور اس بات پر اکثر بحث ہوتی رہتی ہے کہ عورت کو کس حد تک اپنے بال کھلے رکھنے چاہئیں۔ ان میں سے اکثر باتوں کا تعلق اس سے ہے کہ مشرق وسطی میں مذہب کو کس حد تک سیاست میں دخیل ہونا چاہیے۔[۲۳] بہرحال یہ بات واضح ہے کہ عورتوں کی ملازمت کا منفی اثر لبنانیوں میں اتنا نہیں ہوتا جتنا یمنیوں میں ہوتا ہے حالانکہ لبنانی خود کو زیادہ مذہبی سمجھتے ہیں۔ مقامی اور بین الاقوامی سیاسی گروہ بندیوں میں بھی لبنانی عورتیں یمنی عورتوں سے زیادہ دلچسپی لیتی ہیں۔ اس کی وجہ لبنان کی جنگ بھی ہے اور مقامی مسائل بھی۔ لبنانی مرد بھی سیاست میں بہت ملوث رہتے ہیں۔ تقریباً ۷۰ فیصد عورتوں نے بتایا کہ وہ سیاسی معاملات میں بہت فعال رہ چکی ہیں۔ دوسری نسل کی عرب عورتوں کی سیاست سے وابستگی نئی تارکین وطن پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ سیاسی رویوں یا سرگرمیوں میں کسی پر بہت زیادہ امریکیت سوار ہو جانے سے اس کی اپنی ثقافت سے غیر وفاداری کا تاثر لیا جاتا ہے۔[۲۴]

یمنی اور لبنانی دونوں گروہوں کا اکٹھا تجزیہ کیا جائے تو آپ یہ دیکھیں گے کہ عورتیں اپنے شوہروں کے بارے میں یہ رائے رکھتی ہیں کہ وہ اب بھی ''دولت مند کسان'' والے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظریہ سے متاثر ہیں اور خواتین کی عصمت و آبرو کو انتہائی اہمیت دیتے ہیں۔ اور یہ کہ اس قسم کا رویہ عورتوں کی ملازمت اور خاص طور سے ڈیٹرائٹ کے آٹو موبیل کارخانوں میں عورتوں کی شرکت کو محدود کرتا ہے۔ یہ رویہ لبنانیوں کے مقابلے میں یمنیوں میں زیادہ مضبوط ہے اور ان عورتوں میں کم ہے جو کہیں کام کر رہی ہیں یا کر چکی ہیں۔ دونوں برادریوں میں مذہبی رویے مختلف ہیں اور یمنی اپنی عورتوں پر قدغن لگانے کی طرف زیادہ مائل ہیں۔ عورتوں کے اپنے رویے اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ ان کی بڑی اکثریت ملازمت کرنا چاہتی ہے اور صحیح ماحول میں، وہ اپنی بیٹیوں کو بھی اس کی اجازت دیدیں گی۔ اگرچہ وہ کارخانوں میں کام کو ترجیح نہیں دیتیں لیکن تقریباً بیس فیصد لبنانیوں نے اپنی بیٹیوں کو فورڈ کے کارخانے میں کام کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ بہر حال بعض عورتوں کو ایک اجنبی ماحول میں اپنی بیٹیوں کے لیے زیادہ تحفظ کی ضرورت کا تجربہ ہوا ہے اور ہوسکتا ہے کہ وہ ان کی صلاحیتوں کو محدود کرنے کے لیے انہیں اسکولوں سے اٹھالیں، جلد شادی کے لیے ان پر دباؤ ڈالیں یا مستقل نگرانی کرکے ان کی نقل و حرکت یا میل جول کے مواقع پر پابندی لگادیں۔ بہتیرے لڑکوں اور لڑکیوں کے بارے میں ایسی غیر مصدقہ خبریں بھی سننے میں آئی ہیں کہ جس وقت انہیں لائبریری میں ہونا چاہیئے تھا وہ چوری چھپے کاروں میں گھومتے پھر رہے تھے۔ وہ (لڑکیاں) جو کالج کی تعلیم کے مراحل میں ہیں انہیں اکثر اس بات پر مائل کیا جاتا ہے کہ وہ کسی مقامی یونیورسٹی یا کالج میں داخلہ لے لیں تاکہ گھر پر رہ سکیں۔ یونیورسٹی میں لڑکیوں کے بھائی عموماً نگرانی کے فرائض سنبھال لیتے ہیں یہاں تک کہ وہ بھی ایک محدود آزادی کی جگہ بن کر رہ جاتی ہے۔

عرب آباد کار خاندانوں کے لیے، عورتوں کی ملازمت کے علاوہ، واضح معاشی پیچیدگی کا دوسرا مسئلہ، سرکاری فلاحی امداد اور اس کے بارے میں ان کے رویّے کا ہے۔ بے روزگاری کی موجودہ اونچی شرح نے بعض مردوں کو اس بات پر مجبور کردیا ہے کہ وہ نہ صرف اپنی بیویوں کی ملازمت کے خیال کو قبول کرلیں بلکہ کبھی کبھی سرکاری فلاحی وظیفے کو بھی بطور حقیقت تسلیم کرلیں۔ ۱۹۷۱ء میں ڈیربوران کے عربوں کے بارے میں میں نے جو تحقیق کی تھی اس کا مقابلہ اگر حال کی تحقیق سے کیا جائے تو بدقسمتی سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سرکاری فلاحی وظیفوں کے حصول میں عربوں کی تعداد تیزی سے بڑھتی جارہی ہے۔[۲۵] جس کی وجہ بے روزگاری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی اونچی شرح بھی ہے اور نئے آنے والے پناہ گزینوں کے سلسلے بھی۔ ہمیں اب زیادہ صحیح خبریں بھی مل سکتی ہیں کیونکہ کمیونٹی مرکزوں کے اہل کاروں میں عربی بولنے والے سماجی کارکن اور معتمدین موجود ہیں۔ نوجوان نسل میں حقوق نسواں کے ایسے بہت سے علم برادر موجود ہیں جو اس سلسلے میں آواز اٹھانا اور اس قسم کی معلومات کو منظر عام پر لانا چاہتے ہیں۔

بہت سی عورتیں یہ محسوس کرتی ہیں کہ ان کے یا ان کے شوہروں کے لیے سرکاری فلاحی وظیفہ قبول کرنا مشکل ہوگا۔ یہ احساس ان مردوں اور عورتوں دونوں میں بڑی شدت کے ساتھ موجود ہے جو بیکار ہیں۔ برادری کی بہت سی عورتوں نے صحت کے بیمے کی اونچی شرح کو سرکاری فلاحی وظیفہ قبول کرنے کا بڑا سبب بتایا۔ صحت کے بیمے کا پریمیم بیمہ شدہ افراد کی طرف سے ادا کیا جاتا ہے۔ کمیونٹی میں مردوں کو اکثر یہ شکایت کرتے سنا جاتا ہے کہ ''امریکا تو بس عورتوں کا دیس ہے۔'' ان کا کہنا ہے کہ فلاحی وظیفے، تحویل اور طلاق یہ سارے مسائل عورتوں کے حق میں طے کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ مشی گن ریاست میں والدین (کے ساتھ رہنے کی شکل میں خاندان) کو بھی فلاحی وظیفہ وصول کرنے کی اجازت ہے لیکن روایتی طور پر یہ بات زیادہ آسان ثابت ہوئی ہے کہ وہ علیحدگی یا طلاق کے ذریعہ دو رہائشیں رکھ کر فلاحی وظیفہ لیں۔ مشی گن بہت قلیل آمدنی کی صورت میں کفالت کے لیے بھی فلاحی وظیفہ دیتا ہے۔ اس میں دھوکہ دہی کے واقعات بھی ہوسکتے ہیں مثلاً بیوی کو فلاحی وظیفے پر رکھ دیا جائے جب کہ شوہر نچلی سطح سے زیادہ آمدنی کا کام کرتا رہے اور اس طرح خاندانی وحدت کو برقرار رکھے۔ ایسے شواہد بھی موجود ہیں کہ فلاحی وظیفے نے بیواؤں، طلاق یافتگان اور ''بے آبرو کی گئی'' عورتوں کو کسی حد تک آزاد زندگی گزارنے میں مدد دی ہے۔ عورتوں کی سربراہی والے خاندان کی امداد واعانت کی ایک معقول بنیاد موجود ہے۔ لیکن اسے اب بھی شبہے کی نظر سے دیکھا جاتا ہے یا ایک افسوس ناک صورت حال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

برادری کے دوسرے لوگوں میں بھی فلاحی وظیفے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض لوگ، خاص طور سے دوسری نسل کے عرب، جو مالی لحاظ سے ٹھیک ٹھاک گزر بسر کررہے ہیں، یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دھوکہ دہی ہے۔ وہ ان لوگوں کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں جن کے بارے میں وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ''مال مفت دل بے رحم'' کے مقولے پر عمل کررہے ہیں۔ ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا یہ بھی کہنا ہے کہ سابقہ نسلوں کے پاس کام کی بڑی اخلاقیات تھیں۔ ایک شخص نے کہا کہ اس کے خیال میں امریکا کے ذمے اس کا بہت بڑا قرض ہے کیونکہ یہ امریکا ہی تو ہے جس نے لبنان پر اسرائیلی حملے کی حمایت کی تھی اور ان کے وطن کو تباہ کر دیا تھا۔ ساؤتھ اینڈ اور وارن ایوینیو دونوں جگہوں پر فلاحی وظائف وصول کرنے والے عرب مرد اور عورتوں کے بارے میں تحقیق'' کے ایک ابتدائی تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاحی وظیفہ صنفی تعلقات میں کچھ تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔ بہت سے لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ وظیفہ عورت کو زیادہ آزاد اور خاندان میں اس کی حیثیت کو زیادہ مضبوط بنا دیتا ہے۔ اس سے وہ لوگ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ عورت کے لیے عام طور سے ایک اچھی چیز ہے۔ بعض لوگ اس رائے میں یہ اضافہ بھی کرتے ہیں کہ اس سے عورت کو پورا خاندان یکجا رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ بات ان عورتوں کے بارے میں بطور خاص صحیح ہے جن کو کوئی خاص ہنر نہیں آتا اور تعلیم بھی بہت معمولی ہے۔ دوسرے لوگ اس رائے سے اختلاف کرتے ہیں۔ ایک نوجوان لبنانی شادی شدہ خاتون نے جس کا خاندان جنگ سے بچ نکلا تھا کہا کہ فلاحی وظیفہ تو (زخم پر باندھنے والی) بس ایک پٹی ہے۔'' یہ آپ کی کوئی مدد نہیں کرتا کیونکہ جب آپ کام کرتے ہیں تو آپ آزاد ہوتے ہیں لیکن جب آپ وظیفے پر ہوتے ہیں تو کسی کے دست نگر ہوتے ہیں۔'' اس نے کہا کہ یہ وظیفہ عورتوں کی مدد کرنے کی بجائے برادری کے بہت سے لوگوں کی، جنہوں نے لبنان میں بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں اور اتنا کچھ کھو کر یہاں (امریکا میں) معمولی ملازمت حاصل کر لی ہے، پناہ گزینوں والی زندگی کی وجہ سے ذہنی دباؤ میں اضافہ کرتا ہے۔ ایک دوسری عورت نے کہا کہ وہ یہ محسوس کرتی ہے کہ لوگ '' آسانی سے مل جانے والی رقم پا کے محتاج بن جاتے ہیں اور یہ سوہان روح ہے'' اور یہ کہ اس طرح '' مرد اپنی آزادی کھو بیٹھیں گے۔''

فلاحی وظیفے سے عورتوں کے مقابلے میں مرد زیادہ خجالت محسوس کرتے ہیں۔ لبنانی اور یمنی دونوں عورتیں سمجھتی ہیں کہ یہ مردوں کے بطور شوہر کردار کے لیے خطرناک ہے اگرچہ یہ بات لبنانی عورتوں نے زیادہ کثرت سے کہی۔ جنوبی لبنان کی ایک بیوہ عورت نے جس کی عمر پچاس سال سے اوپر ہوگی اور جو پانچ بچوں کی ماں تھی کہا کہ اس کا شوہر نہیں چاہتا تھا کہ وہ (عورت) کام کرے اور شوہر کے مرنے سے پہلے جب اسے فلاحی وظیفہ قبول کرنا پڑا تو اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے شوہر کو بڑی ندامت ہوئی تھی۔ بہر حال وہ یہ سمجھتی ہے کہ فلاحی وظیفہ اسے آزادی کا احساس دلاتا ہے اور وہ اس پر خوش ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اپنی بیوی کے ساتھ بدسلوکی کرنے سے پہلے یہ وظیفہ کسی شوہر کو ''دوبارہ سوچنے'' پر مجبور کرسکتا ہے اس (عورت) کے خیال میں یہ عورتوں کے لیے بالعموم بہت عمدہ چیز ہے۔ اس کے بچوں کو خجالت ہوتی ہے کہ وہ فلاحی وظیفہ حاصل کررہی ہے لیکن اسے خود کوئی خجالت نہیں ہوتی۔ ایسی صورت حال میں کہ میاں اور بیوی میں علیحدگی ہوجاتی ہے، تقریباً تمام لبنانی عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ فلاحی رقم عورت کے قبضے میں رہے لیکن تین چوتھائی یمنی عورتیں سمجھتی ہیں کہ شوہر کے قبضے میں ہو۔ جب مرد بیروزگار ہوجاتے ہیں تو وہ عام طور سے عورت کی ملازمت پر بھی راضی ہوجاتے ہیں اور فلاحی وظیفے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

دوسرے نسلی گروہوں کی طرح عرب خاندانوں میں بھی فلاحی وظیفے کو اکثر کم آمدنی میں اضافے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اس طرح خاندان کو یکجا رکھنے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے۔ بہر حال فلاحی وظیفہ عورت کو ملازمت تلاش کرنے میں مزاحم ہوتا ہے۔ فلاحی وظیفے سے ایک عورت اپنا گھر یا محلّہ چھوڑے بغیر اپنے خاندان کی آمدنی میں بھی اضافہ کرتی ہے اور شوہر کی عزت نفس میں بھی۔ اور خود اس کی اپنے بچوں کی پرورش کی صلاحیت میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو پوری طرح فلاحی وظیفے پر انحصار کرتے ہیں یہ بڑی اہم چیز ہوگی لیکن بہت سے لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ رقم اتنی معمولی ہے کہ یہ کسی کو آزادی کا احساس دے ہی نہیں سکتی۔ دوسری جانب اس کا ایک فائدہ بھی ہوتا ہے کہ یہ عورت کو انگریزی اور عربی پڑھنے پر آمادہ کرتا ہے کیونکہ مشی گن میں فلاحی وظیفہ حاصل کرنے کے واسطے رجسٹر کرانے کے لیے اسکول جانا، کام کرنا یا کام کی تربیت حاصل کرنا ضروری ہے۔ انگریزی یا عربی زبان کی کلاسیں عورتوں اور ان کے شوہروں، دونوں کے لیے قابل اطمینان ہیں کیونکہ جزوی طور پر یہ کلاسیں برادری کے اندر ہی ہوتی ہیں۔ ملازمت کے دوران ہی کئی دوسرے شعبوں کے لیے نئے اضافی تربیتی پروگرام میں جو ACCESS کے ذریعہ ہوتا ہے بڑی تعداد میں عورتوں کی شرکت ہوسکتی ہے، اگرچہ انگریزی سے عدم واقفیت اور پست تعلیمی سطح مردوں اور عورتوں دونوں ہی کے لیے رکاوٹ ثابت ہورہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل کلام

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈیربورن کے علاقے میں عورتوں کی ملازمت کے خلاف بہت سے عناصر کارفرما رہے ہیں۔ ان میں چند عناصر یہ ہیں: ہنرمندی اور تعلیم کی کمی؛ مشرق وسطی کے مقابلے میں امریکا میں جستہ جستہ یا جزوقتی کاموں کی کمی؛ دیہاتوں سے آئے ہوئے شوہروں کی ''دولت مند کسان'' والی ذہنیت جس کی تحت وہ عورتوں کی شرم و حیا پر ضرورت سے زیادہ زور دیتے ہیں اور ایک پابند ماحول مہیا کرتے ہیں؛ اسلامی اقدار پر ایک ایسے میزبان ملک میں زیادہ سے زیادہ زور دینا جو قبل از نکاح عصمت کی کوئی قدر و قیمت نہ سمجھتا ہو؛ پابندیاں (بشمول، گاہے بگاہے، تعلیمی) جو بعض مائیں اپنی بیٹیوں پر عائد کرتی ہیں حالانکہ نظریاتی طور پر وہ ان بیٹیوں کی ملازمت اور تعلیم کو جائز سمجھتی ہیں اور خاندانی کاروبار کے مقابلے میں مردوں سے پُر آٹو موبیل کی صنعت پر پابندیاں۔ تارکین وطن کے پس منظر، برادری اور کام کے تجربہ کی وجہ سے لبنانیوں اور یمنیوں کے رویوں میں اختلاف پایا گیا جس کے نتیجے میں لبنانیوں نے زیادہ آزاد خیال رویّے پیش کیے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب صنفی کردار میں تبدیلی کے لیے روز افزوں بنیادیں فراہم ہوں گی کیونکہ بڑھتی ہوئی بے روزگاری کا نتیجہ فلاحی وظیفے کی بیش از بیش قبولیت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ یہ صورت حال غیر ہنرمند عورتوں کو گھر سے نکلے بغیر اپنی خاندانی آمدنی میں اضافہ کرنے کا راستہ مہیا کرتی ہے، خاندان کے اندر ان کی طاقت میں عام طور سے اضافہ کرتی ہے اور زبان سیکھنے اور کام کی تربیت کے پروگرام کے ذریعہ انہیں قابل استعمال ہنر سیکھنے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔

حواشی

۱۔ اس تحقیق کا بڑا حصہ ۱۹۸۴ء میں وین اسٹیٹ یونیورسٹی کی جانب سے ''یوم السبت'' کی چھٹی اور ڈیربورن میں عرب کمیونٹی سینٹر فار اکنامک اینڈ سوشل سروسز (ACCESS) کے ساتھ ایک معاہدے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے تحت مکمل کیا گیا۔ انیسہ نصر، زانا شوچیئر اور عالیہ زیدان، کے تعاون کے لیے مصنفہ ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہے۔ اس کا ایک ابتدائی نسخہ "How the 'Rich Peasant Mentality' and Welfare Affect Immigrant Arab Women and Employment Patterns in Michigan" جسے ۱۹۹۱ء میں وان گرونیاوم سینٹر فار نیئر ایسٹرن اسٹڈیز، یوسی ایل اے نے ایک خاکے (Working Paper No1) کے طور پر شائع کیا تھا۔ بعض شماریاتی اعداد ایک طویل تر مقالہ "Yemeni and Lebanese Muslim Immigrant Women in Southeast Dearborn, Michigan" مشمولہ *Muslim Families in America* تدوین ای واہ، ایس ابولبان اور آر قریشی (ایڈمنٹن: یونیورسٹی آف البرٹا پریس، ۱۹۹۱ء) صفحہ ۲۵۸ تا ۲۸۱ میں شائع ہوئے تھے۔

۲۔ ملاحظہ ہو بی اسود، "The Lebanese Muslim Community in Dearborn, Michigan" مشمولہ *The Lebanese in the World: A Century of Lebanese Emmigration* تدوین اے ہورانی اورا ین شہادی (لندن: توریس پریس، ۱۹۹۲ء)

۳۔ ملاحظہ ہو بی اسود، "The Southeast Dearborn Arab Community Struggles for Survival Against Urban Renewal" مشمولہ *Arabic Speaking Communities in American Cities* تدوین بی اسود (اسٹیٹین آئی لینڈ، نیویارک: سینٹر فار مائیگریشن اسٹڈیز، ۱۹۷۴ء)، صفحہ ۵۳ تا ۸۳۔

۴۔ شیعہ مرکزوں کی تاریخ اور مذہبی اختلافات کے بارے میں لنڈا وال برج کی ایک حالیہ تحقیق ظاہر کرتی ہے کہ عورتوں کے لباس سے عصمت و پاکیزگی کا ظاہر ہونے والا درجہ ایک خاصی قابل بحث حقیقت ہے اور اس سے ان لوگوں کی قدامت پرستی کا اظہار ہوتا ہے۔ "Shi'i Islam in an American Community" (پی ایچ ڈی کا مقالہ، وین اسٹیٹ یونیورسٹی، ۱۹۹۱ء)

۵۔ جنت ابولغاد، "Migrant Adjustment to City Life: The Egyptian Case" مشمولہ *American Journal of Sociology* 67 (۱۹۶۱ء): صفحہ ۲۲ تا ۳۲۔

۶۔ ملاحظہ ہو ایس جوزف، Women and the Neighborhood Street in Borj Hammoud Lebanon مشمولہ *Women in the Muslim World* تدوین ایل بیک اور این کیڈی (کیمبرج، میسا چوسیٹس: ہارورڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۸ء) صفحہ ۵۴۱ تا ۵۵۸؛ ایس ڈورسکی، *Women of Amran:* (سالٹ لیک سٹی: یونیورسٹی آف یوتاہ پریس، ۱۹۸۶ء)، سی منتی "Yemen Workers Abroad: The Impact on Women" مشمولہ ایم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ای آر آئی پی رپورٹ ۱۲۴ (۱۹۸۴ء): صفحہ ۱۱ تا ۱۶۔

۷۔ اے رو، "Women and Work: Strategies and Choices in a Lower Class Quarter of Cairo" مشمولہ *Women and the Family in the Middle East* تدوین ای فرنی (آسٹن: یونیورسٹی آف ٹیکساس پریس، ۱۹۸۵ء) صفحہ ۲۷۹۔

۸۔ ایس محسن، "New Images, Old Reflections: Working Middle East Women in Egypt" مشمولہ "*Women and the Family in the Middle East*" صفحہ ۵۶ تا ۷۱۔

۹۔ رو، "Women and Work" صفحہ ۲۷۹

۱۰۔ جی مرڈل، "Stress and Distress in Migration: Turkish Women in Denmark" مشمولہ، Women in Migration, *International Migration Review* 18, No4 (۱۹۸۲ء): صفحہ ۹۸۴ تا ۱۰۰۳۔

۱۱۔ ایم مارٹن اور بی وورہیز *Female of the Species* (نیویارک: کولمبیا یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۵ء)، صفحہ ۲۹۶ تا ۳۰۰۔ مزید ملاحظہ ہو *Men and Women in Society* تدوین، سی او اوکیلی اور ایل کارنی (بیل مونٹ، کیلیفورنیا: ویڈس ورتھ، ۱۹۸۶ء) صفحہ ۹۷، ۲۳۷۔ اینٹاؤن اور دوسروں نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ مشرق وسطیٰ کے دیہاتوں میں بچپن کی مانگ، دوشیزگی کی جانچ، والدین کی طے کی ہوئی شادیوں اور عزت وآبرو سے متعلق واقعات میں گھر سے فرار کے ذریعے کس طرح جائز ازدواجی رشتے کی حفاظت کی جاتی ہے۔ "On the Modesty of Women in Arab Muslim Villages", *American Anthropologist*, 70, (۱۹۶۸ء): صفحہ ۶۷۱ تا ۶۹۷۔ کیڈی نے حال ہی میں بتایا ہے کہ مسلم معاشروں میں نقاب کا استعمال کس طرح معاشرتی معاشی اور طبقاتی اور سیاسی آراء سے مربوط کیا جاتا ہے۔ "The Past and Present of Women in the Muslim World", *Journal of World History 1* (۱۹۹۰ء): صفحہ ۷۷ تا ۱۰۸۔

۱۲۔ بی اسوں، *Property Control and Social Strategies: Settlers on a Middle Eastern Plain.* Anthropological Papers No. 44 (این آربر: یونیورسٹی آف مشی گن پریس، ۱۹۷۱ء) صفحہ ۲۷ تا ۸۰۔

۱۳۔ ای پیٹرس، "Aspects of Rank and Status Among Mulsims in a Lebanese Village" مشمولہ *Mediterranean Countrymen* تدوین جے پٹ ریورس (پیرس: موٹن، ۱۹۶۳ء) صفحہ ۲۷ تا ۸۰۔ پیٹرس کی ایک لبنانی شیعہ گاؤں کے بارے میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلے کی ایک تحقیق زیادہ دو طرفہ تعلقات کا اظہار کرتی ہے یعنی ماں اور باپ دونوں کے نسلی گروہ، اوسط درجے کے کسانوں کی شادی اور اراضیات پر ملکیت کی بنیاد۔

۱۴۔ دیہاتوں میں تبدیلیاں اس طرح واقع ہوئی ہیں کہ لڑکے شہری اسکولوں میں چلے گئے، شہری ملازمتیں حاصل کرلیں اور اکثر شہری لڑکیوں سے شادیاں کرلیں اور اپنی چچازادیوں کو گاؤں میں بے چارگی کے عالم میں چھوڑ دیا۔ ان کی بہنیں اور چچازادیاں جنہیں اس راستے پر چلنے کی اجازت نہیں ملی اپنے مستقبل کے بارے میں فکر مند ہوگئیں۔ باپوں کو ضرور تشویش ہوئی لیکن انہوں نے لڑکیوں کو شہری علاقوں سے دور گاؤں میں ہی رکھا۔ اگرچہ دیہاتوں میں ابتدائی اسکول ہیں لیکن چند ہی لڑکیاں وہاں گئیں اور کوئی لڑکی بھی اس کے آگے نہیں گئی کیونکہ اس کا مطلب گاؤں کو چھوڑنا ہوتا۔

۱۵۔ پی اسود، "Family Size and Access to Resources: A Case Study from the Middle East" مشمولہ *And the Poor Have Children.* تدوین کے میخانلسن *Monthly Review Press, 1981* صفحہ ۸۹ تا ۱۰۵۔

۱۶۔ ملاحظہ ہو، اے واصفی، "Dearborn Arab Moslem Community" (پی ایچ ڈی کا مقالہ، مشی گن اسٹیٹ یونیورسٹی، ۱۹۸۴ء)؛ اے الخولی *The Arab Moslems in the United States* (نیو ہیون، کنیکٹی کٹ: کالج اینڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۳ء)، این ابراہم، "The Yemeni Immigrant Community of Detroit: Background, Emigration and Community Life" مشمولہ *Arabs in the New World* تدوین ایس ابراہم اور این ابراہم (ڈیٹرائٹ: وین اسٹیٹ یونیورسٹی سینٹر فار اربن اسٹڈیز، ۱۹۸۳ء)؛ ایچ الیامی، "A Study of an Ethnic Group: The Yemeni Community in the South End, Dearborn, Michigan" (ایم اے کا مقالہ، مشی گن اسٹیٹ یونیورسٹی، ۱۹۸۴ء)۔

۱۷۔ ای آلڈریج، "Childbearing Practices in the Homes of Arab Immigrants: A Study of Persistence" (پی ایچ ڈی کا مقالہ، مشی گن اسٹیٹ یونیورسٹی، ۱۹۸۴ء)، صفحہ ۱۹۷ تا ۲۰۳۔ آلڈریج کہتا ہے کہ جن عورتوں سے تحقیق کی گئی ان کی اکہتر فیصد نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ان کی بیٹیوں کو بھی وہی تعلیمی مواقع ملنے چاہئیں جو ان کے بیٹوں کو ملتے ہیں۔

۱۸۔ ایس حداد، "The Women's Role in Socialization of Syrian Americans in Chicago" مشمولہ *The Arab - Americans, Studies in Assimilation* تدوین ایلین ہیگوپین اور ایڈ پیڈن (ولمیٹ، الی نوائے: مدینہ یونیورسٹی پریس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انٹرنیشنل، ۱۹۶۹ء) صفحہ ۹۲۔

۱۹۔ ای ڈومانو، "Celebrating Tradition in Rhode Island" مشمولہ *Taking Root, Vol. 2* تدوین ایرک ہوگ لینڈ (واشنگٹن، ڈی سی: عرب امریکن اینٹی ڈسکریمینیشن کمیٹی، ۱۹۸۵ء) صفحہ ۱۳۔

۲۰۔ اے نیف، *Becoming American: The Early Arab Immigrant Experience* (کاربن ڈیل: سدرن الی نوائے یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۵ء) صفحہ ۱۷۵، ۲۷۴ تا ۲۷۶؛ بی اور فیلی: *Before the Flames* (آسٹن: یونیورسٹی آف ٹیکساس پریس، ۱۹۸۸ء) صفحہ ۷۶ تا ۷۹۔

۲۱۔ بی اسود، مشمولہ واہ، ۱۹۹۱ء صفحہ ۲۵۶ تا ۲۸۱۔

۲۲۔ یہ نتیجہ آلڈرتج کے اس تجزیئے کے متناقض ہے جس کے مطابق بہت سی لبنانی عورتیں کام نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

۲۳۔ این کیڈی نے "The Past and Present of Women" میں وہ واضح اختلافات اور رویئے دکھائے ہیں جو نقاب اور مذہبی لباسوں کے استعمال کے بارے میں اسلامی دنیا کے بہت سے مسلکوں کی جانب منسوب کیے جاتے ہیں۔

۲۴۔ ملاحظہ ہو ایل کینکار جس نے تارکین وطن فلسطینیوں میں اس طرح کا تجزیہ دریافت کیا؛ *Coping with Tradition, Change and Alienation: The Lives of Palestinian Women in the U.S.* پی ایچ ڈی کا مقالہ، نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی، ۱۹۸۸ء۔

۲۵۔ جب واصفی نے ۱۹۶۴ء میں اپنا مقالہ لکھا تو اسے زیر تحقیق لوگوں میں صرف ایک آدمی اے ایف ڈی سی (Aid to Families with Dependent Children) کے وظیفے پر ملا۔ ۱۹۷۱ء میں مجھے عام آبادی کے تیرہ فیصد فلاحی وظیفے پر ملے۔ ۱۰۳۳ عربوں میں سے جو ۱۹۸۶ء میں فیملی کونسلنگ سینٹر میں گئے ۷۰ فیصد دس ہزار ڈالر سے کم کماتے تھے اور ۴۰ فیصد کو کسی نہ کسی قسم کی مالی امداد حاصل تھی۔ تقریباً بیس فیصد افراد اے ایف ڈی سی پر تھے۔"

۲۶۔ مصنفہ نے یہ تحقیق پچپن مردوں اور عورتوں پر سینٹر فار اربن، لیبر اینڈ میٹروپولیٹن افیرز، وین اسٹیٹ یونیورسٹی، ۱۹۹۰۔۱۹۸۹ء کے ایک وظیفہ کے ذریعہ کی تھی۔ اس نمونہ میں شامل بہت سے یمنی دیہات کے گھروں میں پلے بڑھے تھے جو مصنفہ کے پہلے زیر تحقیق افراد کے مطابق صحیح تھا لیکن لبنانیوں کا معاملہ یہ نہیں تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتابیات

ابراہم، سمیر وائی، نبیل ابراہم اور باربرا سی اسود "The Southend: An Arab Muslim Working Class Community." مشمولہ *Arabs in the New World,* تدوین: سمیر وائی ابراہم اور نبیل ابراہم، ڈیٹرائٹ، مشی گن: وین اسٹیٹ یونیورسٹی، ۱۹۸۲ء۔

ابراہم، نبیل "The Yemeni Immigrant Community of Detroit: Background, Emigration and Community Life". مشمولہ *Arabs in the New World,* تدوین: ایس ابراہم اور این ابراہم، ڈیٹرائٹ: وین اسٹیٹ یونیورسٹی سینٹر فار اربن اسٹڈیز، ۱۹۸۳ء۔

ابرامسن، ہیرالڈ جے "The Religioethnic Factor and the American Experience: Another Look at the Three-Generations Hypothesis." *Ethnicity 2,* (۱۹۷۵): صفحہ ۱۶۳ تا ۱۷۷۔

ابولغاد، جنت "Migrant Adjustment to City Life: The Egyptian Case." مشمولہ *The American Journal of Sociology 67* (۱۹۶۱ء): صفحہ ۲۲ تا ۳۲۔

نوٹ: کتابیات کی الفبائی ترتیب انگریزی کے حساب سے ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہیرن، چارلی "Lakim Gets Busy Dropping Science." *The City Sun 6,* no. 17 (۲۶/اپریل ۱۹۸۹ء)، صفحہ ۱۳۔

آنجین، ایم ایم "Mohammedans in the United States." *The Moslem World, 10* (۱۹۲۰ء): صفحہ ۳۰ تا ۳۵۔

اکبر، نعیم "*Visions for Black Men*" نیش وِلے: وِنسٹن-ڈیریک، ۱۹۹۱ء۔

البا، رچرڈ ڈی "The Twilight of Ethnicity Among Americans of European Ancestry: The Case of Italians." مشمولہ رچرڈ ڈی البا؛ تدوین *Ethnicity and Race in the USA*، بوسٹن: روٹلیج اینڈ کیگن پال، ۱۹۸۵ء۔

"The Twilight of Ethnicity Among American Catholics of European Descent." *The Annals 454,* (۱۹۸۱ء)۔

______. *Ethnic Identity: The Transformation of White America.* نیو ہیون، کنیکٹی کٹ اور لندن: ییل یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۰ء۔

آلڈرتج، ای "Childbearing Practices in the Homes of Arab Immigrants: A Study of Persistence." پی ایچ ڈی کا مقالہ، مشی گن اسٹیٹ یونیورسٹی، ۱۹۸۴ء۔

انصاری، عبدالمعبود *Iranian Immigrants in the United States: A Case Study of Dual Marginality.* مل وڈ، نیویارک: ایسوسی ایٹڈ فیکلٹی پریس، ۱۹۸۸ء۔

انصاری، ظفر الحق "Aspects of Black Muslim Theology." *Studia Islamica 53* (بہار ۱۹۸۱ء) صفحہ: ۱۳۷ تا ۱۷۶۔

اینٹون، رچرڈ "On the Modesty of Women in Arab Muslim Villages." *American Anthropologist 70* (۱۹۶۸ء) صفحہ ۶۷۱ تا ۶۹۷۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارمانت، مہرداد "Prelude to Migration: Nationalism, Social Change, and Revolution in Contemporary Iran." مشمولہ "Irangeles: Iranian Life and Culture in Los Angeles." تدوین؛ ران کیلی اور جوناتھن فرائیڈ لینڈر؛ غیر مطبوعہ مسودہ، ۱۹۹۱ء۔

ایشب ریز، برینٹ *An Ancient Heritage—The Arab-American Minority.* نیو یارک: ہارپر کولنز پبلشرز، ۱۹۹۱ء۔

اساگیولی، رابرٹ *The Act of Will* بالٹی مور: پینگوئن بکس، ۱۹۷۴ء۔

اسود، باربرای "The Southeast Dearborn Arab Community Struggles for Survival Against Urban 'Renewal'." مشمولہ *Arabic Speaking Community in American Cities,* تدوین؛ باربرای اسود، صفحہ ۵۳ تا ۸۴، اسٹیٹن آئی لینڈ، نیو یارک: سینٹر فار مائیگریشن اسٹڈیز، ۱۹۷۴ء۔

______. "The Southeast Dearborn Arab Community Struggles for Survival Against Urban Renewal." مشمولہ *Arabic Speaking Communities In American Cities.* تدوین؛ باربرا اسود صفحہ ۵۳ تا ۸۳، اسٹیٹن آئی لینڈ: سینٹر فار مائیگریشن اسٹڈیز، ۱۹۷۴ء۔

______. *Property Control and Social Strategies: Settlers on a Middle Eastern Plain.* Anthropological Papers, No. 44. این آربر: یونیورسٹی آف مشی گن، ۱۹۷۱ء۔

______. "The Expanding Lebanese Muslim Community in Dearborn, Michigan." مشمولہ *A Century of Lebanese Emigration,* تدوین؛ اے ہورانی اور این شہادی۔ لندن: تورس پریس، ۱۹۹۲ء۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آسٹن، ایلین ڈی *African Muslims in Antebellum America*، نیویارک: گارلینڈ پبلشنگ، ۱۹۷۴ء۔

ایوب، محمود *Redemptive Suffering in Islam. A Study of the Devotional Aspects of 'Ashura' in Twelver Shi'ism.*، دی ہیگ: موٹن پبلشرز، ۱۹۷۸ء۔

عظیم نانجی "The Nizari Ismaeli Muslim Community in North America: Background and Development." مشمولہ *The American Ismaeli.*، تاریخ ندارد، اسپیشل ایڈیشن۔

بارکلے، ہیرالڈ "The Muslim Experience in Canada."، مشمولہ *Religion and Ethnicity in Canada,* تدوین؛ ہیرالڈ کاؤآرڈ اور لیزلی کاماموررا، صفحہ ۱۰۱ تا ۱۱۳۔ واٹرلو، اونٹاریو: ولفریڈ لاریئر یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۸ء۔

بیلی ویو، جولس "Un infidele chez les musulmens de Montreal." *La Presse* (۴/اپریل ۱۹۸۷ء)۔

برجر، پیٹر اور تھامس لک مین *The Social Construction of Reality*، گارڈن سٹی، نیویارک: ڈبل ڈے بکس، ۱۹۶۶ء۔

بینان، ایرڈمین ڈی "The Voodoo Cult Among Negro Migrants in Detroit." *The American Journal of Sociology 43,* no.6, (مئی ۱۹۳۸ء)۔

برج، جے کے *The Bektashi Order of Dervishes*، لندن: لوزاک، ۱۹۳۷ء۔

بلائیڈن، ایڈورڈ ڈبلو *Christianity, Islam and the Negro Race*، ایڈنبرا: ایڈنبرا یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۷ء۔

بوکر، سائیمن *Black Man's America.*، اینگل وڈکلفس، نیوجرسی: پرینٹس ہال،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۶۴ء۔

بورگاڈس، ای ایس *Immigration and Race Attitudes.* نیویارک: ڈی سی ہیلتھ اینڈ کمپنی، ۱۹۲۸ء۔

بوسکٹ، جی ایچ "Moslem Religious Influences in the United States," *The Moslem World, 25.* (۱۹۳۵ء): صفحہ ۴۰ تا ۴۴۔

بزرجمہر، مہدی "Internal Ethnicity : Armenian, Bahaia, Jewish, and Muslim Iranians in Los Angeles." ڈاکٹریٹ کے لیے مقالہ، یونیورسٹی آف کیلیفورنیا، لاس اینجلس، ۱۹۹۱ء۔

— اور جارجز سباغ "High Status Immigrants: A Statistical Profile of Iranians in the United States." *Iranian Studies 21* (۱۹۸۸ء): صفحہ ۳۵ تا ۳۶۔

— اور جارجز سباغ "Survey Research Among Middle Eastern Immigrant Groups in the United States : Iranians in Loss Angeles." *Middle East Studies Association Bulletin 23* (۱۹۸۹ء): صفحہ ۲۳ تا ۳۴۔

— اور جارجز سباغ "Iranian Exiles and Immigrants in Los Angeles." مشمولہ اصغر فتحی، تدوین "*Iranian Refugees and Exiles Since Khomeini,* صفحہ ۱۲۱ تا ۱۴۴۔ کوستامیسا، کیلیفورنیا: مزدا پبلشرز، ۱۹۹۱ء۔

بریتھمین، جارج "*The Last Year of Malcolm X: the Evolution of a Revolutionary.* نیویارک: شاکن بکس، ۱۹۶۷ء۔

— تدوین: *By Any Means Necessary: Speeches, Interviews, and a Letter by Malcolm X.* نیویارک: پاتھ فائنڈر، ۱۹۷۰ء۔

البخاری، صحیح [محمد ابن اسمٰعیل] جلد ۸، صفحہ ۱۸، بیروت: دارالاحیا التوراث العربی،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۵۸ء۔

چیمبرس، بریڈفورڈ؛ تدوین *Chronicles of Negro Protest*، نیویارک: پیرنٹس میگزین پریس، ۱۹۶۸ء۔

چیٹک، ولیم سی *The Sufi Path of Love*، نیویارک: اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک پریس، ۱۹۸۳ء۔

—"Ibn 'Arabi and His School." مشمولہ ایس، ایچ نصر "*Islamic Spirituality : Manifestations.*، نیویارک: کراس روڈز پریس، ۱۹۹۱ء۔

کشمیر، برنارڈ *This is the One: Messenger Muhammad. We Need Not Look for Another.* فینکس: ٹرتھ پبلی کیشنز، ۱۹۷۱ء۔

داشفسکی، آرنلڈ "And the Search Goes On: The Meaning of Religio-Ethnic Identity and Identification."، *Sociological Analysis 33.* (۱۹۷۲ء): صفحہ ۲۳۹ تا ۲۴۵۔

ڈیوڈسن، راڈریک ایچ "The Image of Turkey in the West, in Historical Perspective". *The Turkish Studies Association Bulletin 5*، (۱۹۸۱ء): صفحہ ۱ تا ۱۰۔

ڈیوس، جارج اے اور او، فریڈڈونالڈسن *Blacks in the United States: A Geographic Perspective.*، بوسٹن: ہوٹن مفلن، ۱۹۷۵ء۔

ڈی بونو، ایڈورڈ *Lateral Thinking*، نیویارک: ہارپر اینڈ رو، ۱۹۷۰ء۔

ڈیمو، کانسٹنٹائن اے *The Albanians in America: The First Arrivals.*، بوسٹن: فیتھر دیشیا آف کلنڈی، ۱۹۶۰ء۔

جارجیوک، ڈیمٹرج اور اسٹیفن فشر گلاتی "*The Balkan Revolutionary Tradition*، نیویارک: کولمبیا یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۱ء۔

ڈورسکی، ایس *Women of 'Amran.*، سالٹ لیک سٹی: یونیورسٹی آف یوتاہ پریس،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۹۸۶ء۔

ڈوائیل، این "Mosque Dtermined to be Rebuilt from Ashes." *Patriot Ledger.* (۱۲/مئی، ۱۹۹۰ء)۔

ڈوائیل، برٹرام *The Etiquette of Race Relations in the South: A Study in Social Control.* شکاگو: یونیورسٹی آف شکاگو پریس، ۱۹۳۷ء۔

ڈوئیگڈ، اسٹیفن "The Politics of Unity: Hamidian Policy in Eastern Anatolia." *Middle Eastern Studies 9.* (۱۹۷۳ء): صفحہ ۱۳۹ تا ۱۵۵۔

ڈائیر، گائن "Turkish 'Falsifiers' and Armenian 'Deceivers': Historiography and the Armenian Massacres." *Middle Eastern Studies 12.* (۱۹۷۶ء): صفحہ ۹۹ تا ۱۰۷۔

ایلخولی، اے *The Arab Moslems in the United States.* نیوہیون، کینکٹی کٹ: کالج اینڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۳ء۔

ارنسٹ، کارل *Words of Ecstasy in Sufism.* البانی: اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک پریس، ۱۹۸۵ء۔

ایسپوسیٹو، جان *Islam: The Straight Path* نیویارک: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۸ء۔

ایسین اودام، ای ای *Black Nationalism* شکاگو: دی یونیورسٹی آف شکاگو پریس، ۱۹۶۲ء۔

فرید الدین، محمد ابن ابراہیم تذکرۃ الاولیاء *"Memoirs of the Saints' of Muhammad ibn Ibrahim Farid-al-Deen,* ترجمہ: رینالڈ نکلسن، لندن: لوزاک، ۱۹۰۵ تا ۱۹۰۷ء۔

فرخان، لوئی *Warning to the Government of America.* شکاگو:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنر یبل ایلیجاہ محمد ایجوکیشنل فاؤنڈیشن، ۱۹۸۳ء۔

فیڈرل رائٹرز پروجیکٹ The Albanian Struggle in the Old World and New، بوسٹن: انکار پوریٹڈ، ۱۹۳۹ء؛ نیویارک: اے ایم ایس پریس، ۱۹۷۵ء۔

فشر، میگزائن The Indians of New York City: A Study of Immigrants From India، نیویارک: ہیریٹیج پبلشرز، ۱۹۸۰ء۔

فشر، میکائیل ایم اور مہدی عابدی Debating Muslims، میڈیسن: یونیورسٹی آف وسکانسن پریس، ۱۹۹۰ء۔

فوکالٹ، مائیکل Discipline and Punish: The Birth of the Prison ہارمنڈز ورتھ: پینگوئن بکس، ۱۹۷۹ء۔

گارڈل، متیاس "Religios nationalism och nationalistisk religion: Om den senaste utvecklingen inom politisk islam i det svarta USA." Svensk Religionshistorisk Arsskrift, no.3 (1988)۔

گاروے، مارکوس Philosophy and Opinions II, The Philosophy and Opinions by Marcus Garvey. Or, Africa for the Africans، تدوین: ایمی گاروے، ڈوور، میساچوسیٹس: دی میجارٹی پریس، ۱۹۸۶ء۔

گارچ، جارج والٹر "Ottoman Administration and the Albanians 1908-1913." غیر مطبوعہ مقالہ، یونیورسٹی آف مشی گن، ۱۹۸۰ء۔

غلواش، احمد The Religion of Islam، سپریم کونسل فار اسلامک افیئرز، ۱۹۶۶ء۔

غربی، منیر "L'immigration marocaine au Canada: Juifs et musulmans." مشمولہ Le facteur religieux en Amerique du Nord، تدوین: جین بیرانگر اور پیرے گوئیلام، تالینس، فرانس میسن ڈیس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سائنسز ڈی آئی ہوے ڈیکوٹینے، ۱۹۸۲ء۔

غیور، عارف ایم "Muslims in the United States: Settlers and Visitors. *The Annals 454.* (۱۹۸۱ء): صفحہ ۱۵۰ تا ۱۶۳۔

گوکالپ، ضیاء *Turkish Nationalism and Western Civilization.* ترجمہ وتدوین؛ نیازی برکس، نیویارک: کولمبیا یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۹ء۔

گورڈن، ملٹن ایم *Assimilation in American Life.*، نیویارک: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۴ء۔

گوٹسمین، لوئی *Islam in America: A Background Report.*، امریکن جیوش کمیٹی، انسٹی ٹیوٹ آف ہیومن ریلیشنز، ۱۹۷۹ء۔

گراہم، ولیم *Divine Word and Prophetic Word in Early Islam.*، دی ہیگ: موٹن اینڈ کمپنی، ۱۹۷۷ء۔

گریلی، اینڈریو ایم "*The Denominational Society: A Sociological Approach to Religion in America.*، گلین ویو، الی نوائے: اسکاٹ، فورسمین، ۱۹۷۲ء۔

______. "The Sociology of American Catholics." *Annual Review of Sociology 5.* (۱۹۷۹ء): صفحہ ۹۱ تا ۱۱۱۔

گمپرز، جان *Discource Strategies*، کیمبرج: کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۲ء۔

حدّاد، ایس "The Women's Role in Socialization of The Syrian-Americans in Chicago" مشمولہ *Arab-Americans Studies in Assimilation*، تدوین: ایلین ہیگوپین اور ایڈ پیڈن، صفحہ ۹۲، ولیمیٹ، الی نوائے: مدینہ یونیورسٹی پریس انٹرنیشنل، ۱۹۶۹ء۔

حدّاد، ای دون "The Impact of the Islamic Revolution in Iran on the Syrian Muslims of Montreal."، مشمولہ، ارل وا، اور دیگر:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تدوین .The Muslim Community in North America، صفحہ ۱۶۵ تا ۱۸۱۔ ایڈمنٹن: یونیورسٹی آف البرٹا پریس، ۱۹۸۳ء۔

— تدوین؛ The Muslims of America، نیویارک: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۱ء۔

— اور اڈیر، ٹی لومس Islamic Values in the United States: A Comparative Study، نیویارک اور اوکسفرڈ: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۱ء۔

حماد، احمد ذکی Islamic Law، انڈیاناپولس: امریکن ٹرسٹ پبلیکیشنز، ۱۹۹۲ء۔

ہمدانی، داؤد حسن "Muslims and Christian Life in Canada" مشمولہ Journal Institute of Muslim Minority Affairs 1, no. 1. (۱۹۷۹ء): صفحہ ۵۱ تا ۵۹۔

ہینسن، مارکس لی The Problem of the third Generation Immigrant، راک آئی لینڈ، الی نوائے: آگستانا ہسٹاریکل سوسائٹی، ۱۹۳۸ء۔

الحق، انوار .The Faith Movement of Maulana Ilyas، لندن: ایلن اینڈ اَن وِن، ۱۹۷۲ء۔

ہربرٹ، ول Protestant-Catholic-Jew : An Eassy in American Religious Sociology، گارڈن سٹی، نیویارک: ڈبل ڈے اینڈ کمپنی، ۱۹۵۵ء۔

ہل، رابرٹ اے؛ تدوین، The Marcus Garvey and Universal Negro Improvement Association Papers.، برکلے: یونیورسٹی آف کیلیفورنیا پریس، ۱۹۸۳ء۔

ہومز، میری کیرولن "Islam in America" The Moslem World 26, (۱۹۲۶ء): صفحہ ۲۶۲ تا ۲۶۶۔

ہارنسبائی، ایلٹن جونیئر Chronology of African-American History:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Significant Events and People from 1619 to the Present. ، ڈیٹرائٹ: گیل ریسرچ، ۱۹۹۱ء۔

الہجویری، علی ابن عثمان الجلابی کشف المحجوب؛ ترجمہ، رینالڈ نکلسن، لیڈن: برل، ۱۹۱۱؛ اشاعت ثانی ایڈیشن، لندن: لوزاک، ۱۹۳۶، ۱۹۵۹، ۱۹۶۷؛ لاہور: اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۶ء۔

ہرہ، وان مواورکوانگ چنگ کم "Religious Participation of Korean Immigrants in the United States." ، Journal for the Scientific Study of Religion 29. (۱۹۹۰ء): صفحہ ۱۹ تا ۳۴۔

حسین، اسد اور آصفہ حسین "Islam and Non-Muslim Society, A Case Study of Islam in the United States of America." ، مقالہ جو مسلم کمیونٹی ڈیولپمنٹ کانفرنس، شکاگو میں مارچ ۱۹۷۸ء میں پڑھا گیا۔

ابن عربی ترجمان الاشواق، ترجمہ وتدوین؛ آر نکلسن، لندن: تھیوسوفیکل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۱۱ء۔

ابن ہشام، عبدالملک The Life of Muhammad: A Translation of Ibn Ishaq's Sirat Rasul Allah. ، ترجمہ، الفریڈ گیلام، نیویارک: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۵ء۔

ابن کثیر، اسمٰعیل تفسیر القران العظیم، بیروت: دارالاندلس، ۱۹۸۳ء۔

ایسا جیو، سیوولڈ "Ethnic Identity Retention." مشمولہ Ethnic Identity and Equality Varieties of Experience in a Canadian City. ، تدوین؛ ریمنڈ بریٹین، سیوولڈ ایسا جیو، ویران ای کلباخ اور جیفری جی ریٹز صفحہ ۳۴ تا ۴۹۔ ٹورنٹو: یونیورسٹی آف ٹورنٹو پریس، ۱۹۹۰ء۔

ازوتسو، ٹی اے A Comparative Study of the Key Philosophical Concepts in Sufism and Taoism. ، ٹوکیو: کیو انسٹی ٹیوٹ آف کلچرل اینڈ لنگوسٹک اسٹڈیز، ۱۹۶۶ء۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الجیلانی، عبدالقادر فتوح الغیب: ترجمہ، آفتاب الدین احمد۔ لاہور: شیخ محمد اشرف، ۱۹۷۲ء اور ۱۹۶۷ء۔

جوزف، سواد "Women and the Neighbourhood Street in Borj Hammoud, Lebanon." مشمولہ *Women in the Muslim World*، تدوین: ایل بیک اور این کیڈی، صفحہ ۵۴۱ تا ۵۵۸ کیمبرج، میساچوسیٹس: ہارورڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۸ء۔

کیلاژی، ژیوات *Bektashizmi dhe Teqeja Shqiptare N'Amerike.*، ڈیٹرائٹ: تے قے، ۱۹۶۴ء۔

کریم، یحییٰ اے "Take Not the Unbelivers for Friends." الجہاد الاکبر (بہار ۱۴۰۰ ہجری: ۱۹۸۰ء): صفحہ ۱۳ تا ۱۴، ۲۳ تا ۲۶۔

کارون، برٹرام *The Negro Personality,* نیویارک: اسپرنگر، ۱۹۵۸ء۔

کرپت، کمال ایچ "The Ottoman Emigration to America, 1860-1914." *International Journal of Middle Eastern Studies 17.*، (۱۹۸۵ء): صفحہ ۱۸۰ تا ۱۸۱۔

کاٹز، ڈینیل اور کیتھ ڈبلو بریلی "Racial Stereotypes of 100 College Students." *Journal of Abnormal and Social Psychology,28* (۱۹۳۳ء): صفحہ ۲۸۰ تا ۲۹۰۔

———. "Racial Prejudice and Racial Stereotypes." *Journal of Abnormal and Social Phsychology 30*، (۱۹۳۵ء): صفحہ ۱۷۵ تا ۱۹۳۔

کاٹز، اسٹیو "The 'Conservative' Character of Mysticism" مشمولہ *Mysticism and Religious Traditions*، اسٹیون کاٹز: تدوین صفحہ ۳ تا ۶۱، نیویارک: اوکسفرڈ، ۱۹۸۳ء۔

کیال، فلپ "Religion and Assimilation ،Catholic 'Syrians' in

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"America.، *International Migration Review 7* (۱۹۷۳ء):
صفحہ ۴۰۹ تا ۴۲۶۔

—*Roots of Revolution: An Interpretative History of Modern Iran*، نیوہیون، کینیکٹی کٹ: ییل یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۱ء۔

—*An Islamic Response to Imperialism*، برکلے اور لاس اینجلس:
یونیورسٹی آف کیلیفورنیا پریس، ۱۹۸۳ء۔

کیلی، ران "The Workers Speak." *Sojourners and Settlers: The Yemeni Immigrant Experiene*: تدوین، جے فرانڈ لینڈر، سالٹ لیک سٹی: یونیورسٹی آف یوٹاہ پریس، ۱۹۸۸ء۔

کیدر، سی "The Dissolution of the Asiatic Mode of Production" *Economy and Society 5.*، (۱۹۷۶ء): صفحہ ۱۷۸ تا ۱۹۶۔

لیتھم، فرینک بی *The Dred Scott Decision, March 6, 1857: Slavery and the Supreme Court's " Self-Infilicted Wound"*. نیویارک: فرینکلن واٹس، ۱۹۶۸ء۔

لاؤٹن، جان "Red Crescent : Symbol of Mercy."*ARAMCO World Magazine 28, no. 2.* (۱۹۷۷ء): ۶۔

لینسکی، گرہارڈ *The Religious Factor: A Sociological Study of Religious Impact upon Politics, Economics and Family Life.*، نیویارک: ڈبل ڈے اینڈ کمپنی، ۱۹۶۱ء۔

لیونس، فرینک ڈبلو "Religion and Ethnic Identity" مشمولہ *Identity and Religion,*، تدوین: ہینس مال، لندن: سیج پبلشرز، ۱۹۷۸ء۔

لیوس، برنارڈ *The Emergence of Modern Turkey*، دوسرا ایڈیشن، لندن:
اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس۔

—*Istanbul and the Civilization of the Ottoman Empire.*

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نارمین: یونیورسٹی آف اوکلاہوما پریس، ۱۹۶۳ء۔

لبرسن، اسٹینلی اور میری سی واٹر From Many Strands: Ethnic and Racial Groups in Contemporary America.، نیویارک: رسل سیج فاؤنڈیشن، ۱۹۸۸ء۔

لائٹ، ایوان اور ایڈنا بوناکش Immigrant Entrepreneurs: Koreans in Los Angeles 1965-1982.، برکلے: یونیورسٹی آف کیلیفورنیا پریس، ۱۹۸۸ء۔

لنکن، ایرک سی The Black Muslims in America، بوسٹن: بیکن پریس، ۱۹۶۱ء۔

— "The American Muslim Mission in the Context of American Social History" مشمولہ The Muslim Community in North America، تدوین: ارل وا، بہاء ابولبان اور ریگولا قریشی، ایڈمنٹن: دی یونیورسٹی آف البرٹا پریس، ۱۹۸۳ء۔

— "The American Muslim Mission in the Context of American Social History." African American Religious Studies، تدوین: جی ولمور، ڈرہم، نارتھ کیرولینا: ڈیوک یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۹ء۔

لارڈ کنروس Ataturk: A Biography of Mustafa Kemal, Father of Modern Turkey.، نیویارک: ولیم مورو اینڈ کمپنی، ۱۹۶۵ء۔

لواریس، کرسٹو Diterefenjesi (Kalendari) Kombiar per 1898. صوفیہ، بلغاریہ: براتھیسی جا، ۱۸۹۸ء۔

— Kalendari Kombiar 1902.، صوفیہ، بلغاریہ: براتھیسی جا، ۱۹۰۲ء۔

— Kalendari Kombiar 1909.، صوفیہ، بلغاریہ: براتھیسی جا، ۱۹۰۹ء۔

— Kalendari Kombiar 1914.، صوفیہ، بلغاریہ: براتھیسی جا، ۱۹۱۴ء۔

لنچ، ہالس Edward Wilmot Blyden. Pan-Negro Patriot.، لندن:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۷ء۔

محی الدین، باوا (اسماء الحسنی) *The 99 Beautiful Names of Allah.* ، فلاڈیلفیا: فیلوشپ پریس، ۱۹۷۹ء۔

میلکم ایکس "God's Judgement of White America" مشمولہ *The End of White World Supremacy,* ، تدوین: بی کریم، نیویارک: سیور بکس، ۱۹۷۱ء۔

مامیا، لارنس ایچ "From Black Muslim to Bilalian. The Evolution of a Movement." ، *Journal for the Scientific Study of Religion 2, no. 6.* (جون ۱۹۸۲ء)۔

______. "Minister Louis Farrakhan and the Final Call: Schism in the Muslim Movement." ، *The Muslim Community in North America.* ، تدوین: ارل وا، بہاء ابولبان اور ریگولا قریشی، ایڈمنٹن: یونیورسٹی آف البرٹا پریس، ۱۹۸۳ء۔

مارٹن، ایم اور پی وورہیز *Female of the Species* ، صفحہ ۲۹۶ تا ۳۰۰، نیویارک: کولمبیا یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۵ء۔

مودودی، ابوالاعلیٰ *The Islamic Law and Constitution* ، کراچی: جماعت اسلامی پبلی کیشنز، ۱۹۵۵ء۔

من، پیانگ گیپ "Some Positive Functions of Ethnic Business for an Immigrant Community: Koreans in Los Angeles." آخری رپورٹ نیشنل سائنس فاؤنڈیشن کو ۱۹۸۹ء میں پیش کی گئی۔

مرڈل، جی. "Stress and Distress in Migration: Turkish Women in Denmark." مشمولہ *International Migration, Women in Migration Review 18, no. 4.* (۱۹۸۴ء): صفحہ ۹۸۴ تا ۱۰۰۳۔

مورس، جیمز "Situating Islamic Mysticism: Between Written

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Traditions and Populars Spirituality." مشمولہ، رابرٹ ہیریا؛ تدوین، *Mystics of the Book: Themes and Typologies.* ، نیویارک: پیٹر لینگ پبلشنگ، ۱۹۹۲ء۔

موسز، ولسن جے *The Golden Age of Black Nationalism*، نیویارک اور اوکسفرڈ: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۸ء۔

محی الدین، باوا *God. His Prophets and His Children*، فلاڈیلفیا: فیلوشپ پریس، ۱۹۷۸ء۔

______ *Sheikh and Disciple.*، فلاڈیلفیا: فیلوشپ پریس، ۱۹۸۳ء۔

______ *Islam and World Peace,*، فلاڈیلفیا: فیلوشپ پریس، ۱۹۸۷ء۔

مہاجر، علی موسیٰ رضا *The Tenets of Islam.*، لاہور: شیخ محمد اشرف، ۱۹۶۹ء۔

محمد، عبدالروف *Bilal Ibn Rabah*، انڈیا ناپولس: امریکن ٹرسٹ پبلی کیشنز، ۱۹۷۷ء۔

محمد، اکبر "Muslims in the United States" مشمولہ *The Islamic Impact*، تدوین: ای وون یازبک حدّاد اور دیگر، سیراکیوز، نیویارک: سیراکیوز یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۴ء۔

محمد، عائشہ: تدوین *Focus on al-Islam: Interviews with W.Deen Muhammad*، شکاگو: زکوٰۃ پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء۔

محمد، ایلیجاہ *Message to the Blackman*، شکاگو: محمدس ٹیمپل نمبر ۲، ۱۹۶۵ء۔

______ *The Fall of America*، شکاگو: محمدس ٹیمپل آف اسلام نمبر ۲، ۱۹۷۳ء۔

______ *The Flag of Islam*، شکاگو: محمدس ٹیمپل آف اسلام نمبر ۲، ۱۹۷۴ء۔

______ *Our Saviour has Arrived*، شکاگو: محمدس ٹیمپل آف اسلام نمبر ۲، ۱۹۷۴ء۔

محمد، طائنیطا *The Comer by Night.*، شکاگو: آنریبل ایلیجاہ محمد ایجوکیشنل فاؤنڈیشن، ۱۹۸۶ء۔

محمد، وارث ڈی (ویلس، وارث الدین) *Challenges That Face Man Today*،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شکاگو: ڈبلوڈی محمد پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء۔

_____ *Focus on Al-Islam*، شکاگو: زکوٰۃ پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء۔

منتی، سی "Yemen Workers Abroad: The Impact on Women." *MERIP Report 124.* (۱۹۸۴): صفحہ ۱۱ تا ۱۶۔

ناف، الیکسا *Becoming American: The Early Arab Immigrant Experience*، کاربن ڈیل: سدرن الی نوائے یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۵ء۔

نیگل، جون "The Conditions of Ethnic Separatism: The Kurds in Turkey, Iran and Iraq."، *Ethnicity 7.*، (۱۹۸۰ء): صفحہ ۲۷۹ تا ۲۹۷۔

ناگی، ڈینس *The Albanian-American Odyssey: A Pilot Study of the Albanian Community of Boston Massachusetts.*، نیویارک: اے ایم ایس پریس، ۱۹۸۹ء۔

نصر، سید حسین *Three Muslim Sages*، ڈیلمار، نیویارک: کارواں، ۱۹۷۶ء۔

_____ *Sufi Essays*، نیویارک: شاکن بکس، ۱۹۷۷ء۔

_____ *Islamic Spirituality: Foundations*، نیویارک: کراس روڈز پریس، ۱۹۸۹ء۔

نیلسن، ہارٹ ایم اور ڈیوڈ ایچ ایلن "Ethnicity, Americanization and Religious Attendance"، *American Journal of Sociology 79.*، (۱۹۷۴ء): صفحہ ۹۰۶ تا ۹۲۲۔

نولی، فین ایس *Historia e Skenderbeut.*، بوسٹن: فیڈ ریتا پین شقیپتارے ویترا، ۱۹۵۰ء۔

نعمان، امام محمد *What Every American Should Know About Islam and the Muslims.*، جرسی سٹی، نیوجرسی: نیو مائنڈ پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء۔

اوریلی، کینتھ "The Only Good Panther."، *Racial Matters: The*

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

F.B.I's Secret Files on Black America 1960-1972، نیویارک: دی فری پریس، ۱۹۸۹ء۔

اور فیلی، جی *Before the Flames*، آسٹن: یونیورسٹی آف ٹیکساس پریس، ۱۹۸۸ء۔

اوشنسکی، لارنس "Islam in Chicago: Being a Study of the Acculturation of a Muslim Palestinian Community in That City."، پی ایچ ڈی کا مقالہ، یونیورسٹی آف شکاگو، ۱۹۵۲ء۔

اُٹلی، روے *New World A-Coming,*، صفحہ ۵۶۔ ایڈیشن کی اشاعت نو ۱۹۴۳ء، نیویارک: آرنو پریس اور دی نیویارک ٹائمز، ۱۹۶۸ء۔

پلچیٹ، مارٹن "Pelerinage a la mosquee,angle St. Laurent-Maisonneuve."، *Le Matin M.* (۱۰/ مارچ ۱۹۸۷ء)۔

پیری، بروس؛ تدوین، *Malcolm X: The Last Speeches*، نیویارک: پاتھ فائنڈر، ۱۹۸۹ء۔

پیٹرز، ای "Aspects of Rank and Status Among Muslims in a Lebanese Village." مشمولہ *Mediterranean Countrymen*، تدوین؛ جے پٹ ریورس، صفحہ ۲۷ تا ۸۰۔ پیرس: موٹن، ۱۹۶۳ء۔

کواٹرٹ، ڈونالڈ *Social Disintegration and Popular Resistance in the Ottoman Empire, 1881-1908: Reactions to European Economic Penetration.*، نیویارک: نیویارک یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۳ء۔

القشیری، نیشاپوری، مسلم ابن الحجاج ابن مسلم *Sahih Muslim*، ترجمہ: عبدالحامد صدیقی، ہندوستان: اکیڈمی آف اسلامک ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، تاریخ ندارد۔

ریبوٹیو، البرٹ جے *Slave Religion*، اوکسفرڈ: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۸ء۔

فضل الرحمن *Major Themes of the Quran*، شکاگو: ببلیو تھیکا اسلامیکا، ۱۹۸۰ء۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رامسر، ارنسٹ ایڈمنسن جونیئر *The Young Turks: Prelude to the Revolution of 1908.* پرنسٹن، نیوجرسی: پرنسٹن یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۷ء۔

ریننکن، لوئی "Detroit Nationality Groups". *Michigan History Magazine 23.* (۱۹۳۹ء): صفحہ ۱۶۵۔

رؤف، محمد اندری "Islam and Islamic Institutions in North America." *Impact 6-77.* (۹ تا ۲۲/ اپریل ۱۹۷۶ء)۔

ریڈکی، ایڈون ایس *Black Exodus.* نیوہیون، کنیکٹی کٹ اورلندن: ییل یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۹ء۔

روبی، جیف "The Rainbow in 1984: The Jackson - Farrakhan Alliance"، *The Honorable Louis Farrakhan: A Minister for Progress.* نیویارک: نیوالائنس پروڈکشنز، ۱۹۸۷ء۔

رغ، اینڈری "Women and Work: Strategies and Choices in a Lower Class Quarter of Cairo." مشمولہ *Women and the Family in the Middle East*، تدوین: ای فرنی، صفحہ ۲۷۹۔ آسٹن: یونیورسٹی آف ٹیکساس پریس، ۱۹۸۵ء۔

روسو، نکوس جے "Three Generations of Italians in New York City: Their Religious Acculturation." *International Migration Review 3.* (۱۹۶۹ء): ۳ تا ۱۷۔

سباغ، جارجز اور مہدی بزرجمہر "Are the Characteristics of Exiles Different from Immigrants? The Case of Iranians in Los Angeles." *Sociology and Social Research 71.* (۱۹۸۷ء): ۷۷ تا ۸۴۔

سچادینا، عبدالعزیز *Islamic Messianism: The Idea of the Mahdi in Twelver Shi'ism.* البانی: اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک پریس، ۱۹۸۱ء۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سچادینا، عبدالعزیز *The Just Ruler in Shi'ite Islam*: The Comprehensive Authority of the Jurist in Imamite Jurisprudence. نیویارک: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۸ء۔

سلیبا، نجیب "Emigration from Syria" مشمولہ *Arabs in the New World: Studies on Arab - American Communities*. تدوین: سمیروائی ابراہم اور نبیل ابراہم۔ ڈیٹرائٹ: وین اسٹیٹ یونیورسٹی، سینٹر فار اربن اسٹڈیز، ۱۹۸۳ء۔

شمل، این میری *Mystical Dimensions of Islam*. چیپل ہل: یونیورسٹی آف نارتھ کیرولینا پریس، ۱۹۷۵ء۔

______ *As Through A Veil, Mystical Poetry in Islam*. نیویارک: کولمبیا یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۲ء۔

سنگس ٹاک، میری *Chaldean Americans: Changing Conception of Ethnic Identity*. اسٹیٹن آئی لینڈ، نیویارک: سینٹر فار مائیگریشن اسٹڈیز، ۱۹۸۲ء۔

شاہین، غزالہ، اور سیسیلیا گونزیلس "Clothing Practices of Pakistani Women Residing in Canada." *Canadian Ethnic Studies* 13, no. 3. (۱۹۸۱ء)۔

شریف، سڈنی آر *The African American (Bilalian) Image in Crisis*. جرسی سٹی، نیو جرسی: نیو مائنڈ پروڈکشنز، ۱۹۸۵ء۔

شیرٹ، اسٹیفن "The Three-Generations Thesis and American Jews." *British Journal of Sociology* 24, (۱۹۷۳ء): ۱۵۱ تا ۱۶۴۔

شا، اسٹینفورڈ جے اور ایزل، کے شا *History of the Ottoman Empire and Modern Turkey, Vol. 2. Reform, Revolution, and*

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Republic: The Rise of Modern Turkey, 1808-1975.، نیویارک: کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۷ء۔

شیخ داؤد احمد فیصل *Islam the True Faith: The Religion of Humanity.*، نیویارک: مصنف، ۱۹۶۵ء۔

صدیقی، عامر حسن *Origins and Development of Islamic Institutions*، کراچی: جمعیت الفلاح، ۱۹۶۲ء۔

سلمر مین، چارلس ای *Criminal Violence, Criminal Justice*، نیویارک: ونٹیج بکس، ۱۹۷۸ء۔

سمپسن، جان "Ethnic Groups and Church Attendance in the United States and Canada." مشمولہ *Ethnicty*، تدوین: اینڈریو ڈبلو گریلی اور گریگوری بام، نیویارک: سیبری پریس، ۱۹۷۷ء۔

اسکندی، ایس "Beginnings of Albanian Nationalist and Autonomous Trends: The Albanian League: 1878-1881." *American Slavic and East European Review 12.* (۱۹۵۳ء): ۲۱۹ تا ۲۳۲۔

_____ "Beginnings of Albanian Nationalist Trends in Culture and Education (1878-1912)." *Journal of Central European Affairs 12.*، (۱۹۵۳ء): ۳۵۶ تا ۳۶۷۔

اسکندی، اسٹاورو *Albania*، نیویارک: فریڈیرک پریگر، ۱۹۵۶ء۔

_____ *The Albanian National Awakening: 1878-1912*، پرنسٹن، نیوجرسی: پرنسٹن یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۷ء۔

اسمدھرمین، جینیوا *Talkin' and Testifyin': The Language of Black America.*، بوسٹن: ہوٹن مفلن، ۱۹۷۷ء۔

السہروردی، عمر ابن محمد (عوارف المعارف) *'Awarif al-Ma'arif'*، ترجمہ: ایچ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ولبرفورس، لاہور: شیخ محمد اشرف، ۱۹۷۳ء۔

سدرلینڈ، جیمس کے *The Adventures of an Aremenian Boy*، این آربر، مشی گن: دی این آربر پریس، ۱۹۶۴ء۔

الطاہر، عبدالجلیل "The Arab Community in Chicago Area, A Comparative Study of the Christian-Syrians and the Muslim-Palestinians."، پی ایچ ڈی کا مقالہ، یونیورسٹی آف شکاگو، ۱۹۴۷ء۔

ٹیلمن، یونینا "Millenarianism,"، *International Encyclopedia of the Social Sciences.*، نیویارک: کرودیل، کولیئر اینڈ میکملن، ۱۹۶۸ء۔

ٹرکس، فرانسس "The Asure Ceremony of the Bektashi Tekke of Taylor, Michigan."، ایم اے کا مقالہ: دی یونیورسٹی آف مشی گن، ۱۹۷۲ء۔

ویترا، *Albumi Dyzetviecar ne Amerike: 1906-1946 i Hiresise Tij Peshkop Fan S. Noli.*، بوسٹن: فیڈریتا ویترا، ۱۹۴۸ء۔

_____ Anniversary Album of Pan-Albanian Federation of America for the Years 1953-1954."، بوسٹن: ویترا، ۱۹۵۵ء۔

وہبی، امام اسمٰعیل؛ تدوین، "Jeta Muslimane Shqiptare,"، *Albanian-English Religious Review 1, no.1* (اکتوبر ۱۹۴۹ء)۔

_____ تدوین "Jeta Muslimane Shqiptare,"، *Albanian-English Religious Reveiw 1, no. 4*، (اکتوبر ۱۹۵۰ء)۔

والبرج، لنڈا "Shi'i Islam in an American Community." پی ایچ ڈی کا مقالہ، وین اسٹیٹ یونیورسٹی، ۱۹۹۱ء۔

وصفی، اے "Dearborn Arab Moslem Community." پی ایچ ڈی کا مقالہ، مشی گن اسٹیٹ یونیورسٹی، ۱۹۸۴ء۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واٹر، میری سی Ethnic Options: Choosing Identities in America ، برکلے اور لاس اینجلس: یونیورسٹی آف کیلیفورنیا پریس، ۱۹۹۰ء۔

واٹ، ڈبلو منٹگمری Muhammad at Medina، نیو یارک: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۶ء۔

وا، ارل "The Imam in the New World: Models and Modifications." مشمولہ Transitions and Transformations in the History of Religion، تدوین: ایف ای رینالڈز اور ایس این لڈوگ، صفحہ ۱۲۵ تا ۱۴۹، لیڈن: ای جے برل، ۱۹۸۰ء۔

______ "Muslim Leadership and the Shaping of the Ummah: Classical Tradition and Religious Tension in the North American Setting."، مشمولہ ارل وا اور دیگر؛ تدوین، The Muslim Community in North America. ، ایڈمنٹن: یونیورسٹی آف البرٹا پریس، ۱۹۸۳ء۔

______ The Munshidin of Egypt: Their World and Their Song.، کولمبیا: یونیورسٹی آف ساؤتھ کیرولینا پریس، ۱۹۸۸ء۔

______ بہاء ابولبان اور ریگولا قریشی Muslim Families in North America. ، ایڈمنٹن: یونیورسٹی آف البرٹا پریس، ۱۹۹۱ء۔

وب، گسیلا "The Human Angelic Relation in the Philosophies of Suhrawardi and Ibn 'Arabi."، پی ایچ ڈی کا مقالہ، ٹیمپل یونیورسٹی، ۱۹۸۹ء۔

وھٹ مین، سڈنی Turkish Memories.، نیو یارک: چارلس اسکر بنرز سنز، ۱۹۱۴ء۔

وگلے، ابرا ڈی "An Arab Muslim Community in Michigan" مشمولہ Arab Speaking Communities in American Cities،، تدوین: باربرا سی اسود، صفحہ ۱۵۵ تا ۱۶۸۔ اسٹیٹن آئی لینڈ، نیو یارک:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سینٹر فار مائیگریشن اسٹڈیز، ۱۹۷۴ء۔

ولیمز، ریمنڈ *Religions of Immigrants from India and Pakistan.*، نیویارک: کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۸ء۔

یحییٰ، حسن اے قادر "Factors Influencing the Satisfaction of Muslim Organizational Members in a University Town in the United States (Lansing, Michigan)." مشمولہ *Arab Speaking Communities in American Cities.*، تدوین: باربرا سی اسود، صفحہ ۱۵۵ تا ۱۶۸۔ اسٹیٹن آئی لینڈ، نیویارک: سینٹر فار مائیگریشن اسٹڈیز، ۱۹۷۴ء۔

الیامی، اے "A Study of an Ethnic Group: The Yemeni Community in the South End, Dearborn, Michigan"، ایم اے کا مقالہ، مشی گن اسٹیٹ یونیورسٹی، ۱۹۸۴ء۔

ینگر، جے ملٹن "Ethnicity" *Annual Review of Sociology 11,* (۱۹۸۵ء): ۱۵۱ تا ۱۸۰۔

ظہیرالدین "Did '80s Teach Us Anything? An Overview of Islam in North America" مشمولہ *The Message International 13, no. 8.* (جنوری ۱۹۹۰ء)۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشاریہ

ا، آ

ابراہم، عزیز: ۳۸۳، ۳۸۵، ۳۸۶

ابوالحسن، محمد اے: ۲۸۵

ابوبکر، حسن: ۲۲۷

ابولبان، بہا: ۴۳۴

ابولبان، شیرون: ۴۳۴

ابولغاد، جنت: ۶۲۲

اٹونمنٹ لوتھران چرچ: ۲۳۱

اثنا عشری: ۵

احمدیہ (قادیانی) مسلم: ق، ۳۳۸، ۳۴۶، ۴۱۱ تا ۴۱۲

احمد، علی: ۷۹

اختراعی دافع امراض پروگرام: ۶۱۱ تا ۶۱۲

ادارہ سازی: ص

ادریس مسجد (مزید دیکھئے اسلامک سینٹر آف سی ایٹل): ۲۵۴، ۲۶۰، ۲۶۲ تا ۲۶۸

ہسپانوی مسلمان: ۲۴۵

اسٹون، کیرول ایل: ۳۴۸

اسٹیٹن، ڈاکوٹا: ۶۶

اسد، داؤد: ۲۸۷، ۳۸۶، ۳۹۵

اسکیہ، سید: ۲۶۶ تا ۲۶۷

اسلامک اسکول: ۲۵۵ تا ۲۵۷

اسلامک انٹرنیشنل ہاؤس: ۲۵۸ تا ۲۶۰

اسلامک انسٹیٹیوٹ: ۴۴۳ تا ۴۴۶

اسلامک انفارمیشن سینٹر آف دی امریکاز (امریکا، شمالی اور جنوبی دونوں کا اسلامی مرکز اطلاعات): ۲۴۴

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامک برادر ہڈ انکارپوریٹڈ: ط، ۲۸۷
اسلامک پارٹی آف نارتھ امریکا (شمالی امریکا کی اسلامی پارٹی): ط
اسلامک رپورٹر، دی: ۲۲۹
اسلامک سپورٹ گروپ نیوز: ۳۲۴
اسلامک سرکل آف نارتھ امریکا (آئی سی این اے): ۲۹۰، ۳۳۰
اسلامک سوسائٹی آف آرنج کاؤنٹی: ۱۷۷، ۱۸۰
اسلامک سوسائٹی آف سان ڈیگو: ۲۲۹ تا ۲۳۳
اسلامک سوسائٹی آف ڈمین ہٹن (وسطی مین ہٹن کی اسلامی سوسائٹی): ۲۹۰
اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکا (آئی ایس این اے): ک، ۳۳۰ تا ۳۳۱، ۳۴۲ تا ۳۴۹؛ مسلم اسٹوڈنٹ سوسائٹی: ۳۴۶ تا ۳۵۳
اسلامک سوسائٹی آف نارتھ ویسٹ سبربس (آئی ایس این ایس): رولنگ میڈوز: ۳۱۵
اسلامک سینٹر آف امریکا/امریکا کا اسلامی مرکز: ۴۳۴ تا ۴۴۳
اسلامک سینٹر آف سدرن کیلیفورنیا (آئی سی ایس سی): ۱۷۷ تا ۱۸۰، ۱۸۷، ۱۹۵
اسلامک سینٹر آف سی ایٹل: ۲۵۴، ۲۶۰ تا ۲۶۲، ۲۶۸
اسلامک سینٹر آف سین جبرائیل ویلی: ۱۸۴
اسلامک سینٹر آف کیوبیک (آئی سی کیو): ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹
اسلامک سینٹر آف نارتھ رج: ۲۱۱ تا ۲۱۴
اسلامک سینٹر آف نیو انگلینڈ/نیو انگلینڈ کا اسلامی مرکز: امریکا میں پیدا ہونے والی نسل اور اسلامک سینٹر کی تخلیق: ۳۸۲ تا ۳۸۹؛ کوئنسی میں عوام کا پس منظر: ۳۷۷ تا ۳۸۲؛ بقایا جات پر تصادم: ۳۹۱ تا ۳۹۲؛ ۱۹۷۰ء کے عشرہ میں: ۳۸۹ تا ۳۹۵؛ ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۰ء کے عشروں میں: ۳۹۹ تا ۴۰۲؛ طلال عید کے تحت: ۳۹۵ تا ۳۹۹
اسلامک فاؤنڈیشن: ۳۱۱ تا ۳۱۲
اسلامک کلچرل سینٹر آف گریٹر شکاگو (آئی سی سی) نارتھ بروک: ۳۱۴
اسلامک کلچرل سینٹر آف نیویارک (اسلامی ثقافتی مرکز نیویارک): ۲۸۴ تا ۲۸۵
اسلامک کونسل آف امریکا: ۴۴۶ تا ۴۴۹
اسلامک کونسل آف نیو انگلینڈ: ۴۰۰
اسلامک گائڈنس: ۲۸۸
اسلامک مشن آف امریکا انکارپوریٹڈ: ۷، ۷۶، ۲۷۷ تا ۲۷۸، ۲۸۱
اسلامی یونیورسٹیاں: ۶۰۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام، عبدالقادر: ۶۱۰
اسماعیل، وہبی: ۴۶۰، ۴۷۸
اسمتھ کلیرنس (دیکھئے کلیرنس پڈنگ ۱۳۔ ایکس)
اسمدھرمین، جینیوا: ۱۵۸ تا ۱۵۹
افغان رفیوجی کلچرل کونسل: ۲۲۶
افغان مہاجرین: نیویارک سٹی میں: ۲۹۶؛ سان ڈیگو میں: ۲۲۶
اقرا انٹرنیشنل فاؤنڈیشن: ۳۲۳
الایمان ایلیمنٹری اسکول: ۲۹۴
الباسط اکیڈمی: ۲۴۱
البانوی مسلمان: بکتاشی تکیہ اور مسجد: ۴۶۰ تا ۴۶۴؛ نقل وطن کا بیان: ۴۶۲ تا ۴۶۵؛ رکنیت، قیادت اور تسلسل: ۴۷۵ تا ۴۸۰؛ تنظیمی ترقی۔ مشی گن میں: ۴۶۵ تا ۴۶۹؛ آبادیاتی اعداد و شمار: ۴۶۴ تا ۴۶۵؛ آزاد ادارے اور الگ الگ کام: ۴۶۹ تا ۴۷۵
البانین امریکن اسلامک سینٹر آف نیویارک، نیوجرسی: ۲۸۸ تا ۲۸۹
البانین امریکن مسلم سوسائٹی: ۴۶۶ تا ۴۶۷
البکورات الدرزیات: ۲۶۵
الجہاد الاکبر: ۷۲، ۷۸
الخوئی فاؤنڈیشن: ۲۸۸، ۲۹۴
الرباط الاسلامی: ۲۳۶ تا ۲۳۷
الزوبی، عبدالستار: ۲۳۱
السمیر: ۳۸۴
الطاہر، عبدالجلیل: ۳۰۳
اللہ اسکول، مکہ: ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۹
المدرسہ الاسلامیہ: ۲۹۴
الٰہی، حافظ مقبول: ۷۰، ۸۱
امریکن استار: ۳۲۳
امریکن اسلامک ایسوسی ایشن (اے آئی اے) موکینا: ۳۱۴
امریکن اسلامک کالج (اے آئی سی): ۳۲۰ تا ۳۲۱
امریکن ایسوسی ایشن آف کریمین ٹرکس: ۲۸۷
امریکن محمڈن سوسائٹی/مسلم مسجد: ۲۷۵ تا ۲۷۶
امریکن مسلم برادرہڈ: ۲۷۳
امریکن مسلم مشن (اے ایم ایم): ۲۸، ۲۳۴، ۵۹۳
امریکن مسلم، ڈی: ۳۲۴
انٹرفیتھ کونسل، ڈچس کاؤنٹی: ۵۸۷ تا ۵۸۸
انٹرنیشنل مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن (آئی ایم ایس اے): ۲۵۸
انڈیانا پولس میں مسلمان: آبادی کے اعداد و شمار:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۳۷؛ اسلامی اداروں کا بیان: ۳۴۰ تا ۳۵۴؛ اسلامی اداروں کی ترقی: ۳۴۸ تا ۳۴۶؛ اسلامی اداروں کا مستقبل: ۳۵۴ تا ۳۵۷؛ غیر مسلموں کے ساتھ تصادم: ۳۵۳

انسٹیٹیوٹ آف اسلامک ایجوکیشن (دیکھیے مدرسہ تعلیم الاسلام)

انصار اللہ: ط، ۴۰۹

انصاری، عبدالمعبود: ۶

انصاری، فضل الرحمان: ۸۱، ۸۷

اولبرٹ، جوزف: ۴۳۳

اویسی شاہ مقصودی سلسلہ: ۲۰۸

اہل بیت: ۲۰۳

ایتھوپین ازم (دیکھیے حبشیت)

ایدوش کامل: ۳۰۴

ایرانی لاس اینجلس میں: ۲۰۴ تا ۲۱۰؛ جلاوطنی کی حیثیت: ۵۶۸؛ غسو یئ: ۲۰۵ تا ۲۰۷؛ مذہبیت اور معاشرتی طبقات کے آغاز کا اثر: ۵۶۵ تا ۵۶۸؛ معاشرتی اور معاشی سلسلوں کی نسل پرستی: ۵۶۹ تا ۵۷۱؛ مذہبیت اور نسلیت کا باہمی تعلق: ۵۵۴ تا ۵۵۷؛ مذہبیت اور نسلیت: ۵۵۷ تا ۵۶۵، ۵۷۳ تا ۵۷۸؛ مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن، پرشین اسپیکنگ گروپ (ایم ایس اے، پی ایس جی): ۲۰۵؛ نمازی خواہ: ۲۰۷؛ صوفیوں کے اجتماعات کی جگہیں: ۲۰۸ تا ۲۰۹

ایرانی، مسعود: ۲۶۶

ایرانی: بحیثیت اولین تارکین وطن: ۵ تا ۶؛ سان ڈیگو میں: ۲۲۵، ۲۴۲ تا ۲۴۳؛ سی ایٹل میں: ۲۶۵ تا ۲۶۶

ایسوسی ایشن آف امریکن مسلمز (اے اے ایم): ۳۴۹ تا ۳۵۰

ایف بی آئی: اور دارالاسلام: ۷۷ تا ۷۸؛ اور لاس اینجلس میں عرب امریکی: ۲۱۳؛ اور نیشن آف اسلام: ۲۴ تا ۲۶

ایلمہرسٹ مسلم سوسائٹی: ۲۸۸

این المسلمانی: ۲۵۶، ۲۶۴

اُمّت کا تصور: ع، غ

آسٹروم، کیرول: ۲۶۸

آسٹن، ایلین: ۴۰

آلڈریج، ای: ۶۲۶

ب

باری، زرینہ: ۲۳۰

باوا محی الدین کا حلقۂ ارادت: توحید: ۱۰۹ تا ۱۱۴؛ ذکر: ۱۰۵ تا ۱۰۸؛ شیخ: ۱۲۰ تا ۱۲۷؛ فلاڈیلفیا کا حلقہ ارادت: ۱۰۳ تا ۱۰۹؛ قطب: ۱۱۴ تا ۱۱۹؛ کا پس منظر: ۹۷ تا ۱۰۰؛ کا مستقبل: ۱۲۷ تا ۱۳۱؛ کا تاریخی ارتقا: ۱۰۱

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تا ۱۰۳؛ میلاد: ۱۱۴، ۱۱۷ تا ۱۱۸
بدوی، جمال: ۲۶۶
براؤن، ایچ ریپ: ۸۵
برگر، گیل: ۵۸۷ تا ۵۸۸
برہانیہ: ۴۱۲
بریڈی، ٹام: ۲۱۳
بزی، خلیل: ۴۳۵ تا ۴۳۷
بشر، ملہم: ۲۶۵
بکتاشی سلسلہ: ۴۶۰، ۴۶۱
بگ ڈیڈی کین: ۱۴۵
بلالئین اسٹوڈنٹ الائنس: ۳۴۶
بلائیڈن، ڈبلو ای: ۴۰، ۵۳
بلیک پاور (دیکھیے سیاہ فام قوت)
بلیک پینتھرز: ۷۵
بوہرہ برادری، داؤدی: ۳۱۶ تا ۳۱۷
بی ہولڈ دی سن آف مین: ۱۴۶
بیت النصر: ۶۱۰ تا ۶۱۴
بے، جے بلیکلی: ۳۳۹
بَرو، محمد علی: ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹
بَری، عبداللطیف: ۴۴۳ تا ۴۴۴

پ

پارکر، چارلی: ۶۶
پاکستانی لیگ آف امریکا: ۲۷۹
پاکستانی: روچسٹر میں: ۳۶۷؛ نیویارک شہر میں: ۲۸۱ تا ۲۸۴، ۲۸۶
پاکستانی، دی: ۳۲۳
پانچ فیصد والے/پانچ فیصد والی قوم: ط؛ اپنی بات پہنچانے کی صلاحیت: ۱۵۳ تا ۱۵۴، ۱۵۸ تا ۱۶۰؛ اعلیٰ حروف تہجی: ۱۵۴ تا ۱۵۷، ۱۶۱؛ اعلیٰ ریاضی: ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۶۰؛ تعمیر کی قوتیں: ۱۵۲؛ دکھانا اور ثابت کرنا: ۱۶۱ تا ۱۶۵؛ ڈھانچہ اور ترقی: ۱۴۲ تا ۱۵۰؛ ریپ موسیقی کی صنعت: ۱۴۵؛ سنی مسلمان: ۱۶۸ تا ۱۷۰؛ فرقہ واریت: ط؛ طلبہ کے داخلے کا سبق: ۱۵۰ تا ۱۵۲؛ کلیرنس پڈنگ ۱۳ ایکس: ۱۴۲، ۱۴۷؛ گلیوں والا علم: ۱۵۸ تا ۱۶۰؛ گمشدہ اور بازیافتہ سبق: ۱۵۱؛ مطبوعات: ۱۴۵ تا ۱۴۷؛ نظریہ: ۱۵۰ تا ۱۷۰؛ عالمی تناظر: ۱۵۷؛ نئے محاورات: ۱۶۵ تا ۱۶۷
پنجابی تارکین وطن: ابتدائی: ۲۲۲ تا ۲۲۳
پول، الیجاہ (دیکھیے محمد، الیجاہ)
پی آئی ای ڈی اے ڈی: ۲۹۱ تا ۲۹۲
پیٹرسن، لوسیلے: ۶۱۳

ت

تارکین وطن (مزید دیکھیے مخصوص

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شہروں اور گروہوں کے تحت): اولین: ص، ض، ۲۲۲ تا ۲۲۳؛ افریقی امریکی مسلمانوں کے درمیان تعلقات: ف تا ی، ۱۹۵ تا ۲۱۰؛ ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کے عشروں کے درمیان: ظ

تارکین وطن، معمر: امدادی پروگرام (مسلم برادریوں کی جانب سے): ۵۳۴ تا ۵۳۵؛ امریکی زندگی سے مطابقت پیدا کرنے سے متعلق مسائل: ۵۲۱ تا ۵۳۲؛ انحصار کا خوف: ۵۲۶ تا ۵۲۸؛ رہائش: ۵۳۱ تا ۵۳۲؛ صحت اور دماغی حالت: ۵۲۸ تا ۵۲۹؛ کردار اور بین النسلی تضادات: ۵۲۴ تا ۵۲۵؛ لسانی رکاوٹیں: ۵۲۵ تا ۵۲۶؛ معاشرے میں ڈھلنا اور معاشرتی تنہائی: ۵۲۹ تا ۵۳۱؛ معمر افراد بطور مددگار: ۵۳۳ تا ۵۳۴؛ معمر مسلمانوں کی معاشرتی توقعات: ۵۱۹ تا ۵۲۰

تبلیغی جماعت: ق، ۱۹۳ تا ۱۹۴، ۲۳۷ تا ۲۳۹؛ ۴۲۲

ترک آئی جمعیت (ترکی ہلال سوسائٹی): ۵۰۵ تا ۵۰۶، ۵۰۷ تا ۵۰۸

ترک برادری ڈیٹرائٹ میں: معلومات کی فراہمی: ۴۸۶ تا ۴۸۷؛ امریکا میں سُنی تارکین وطن: ۴۹۱ تا ۴۹۳؛ ڈیٹرائٹ کی سُنی مسلم برادری: ۴۹۳ تا ۴۹۷؛ تعمیراتی امداد باہمی: ۴۹۸ تا ۵۰۰؛ ثقافتی تنظیمیں: ۵۰۹؛ خیراتی سوسائٹیاں: ۵۰۳ تا ۵۰۹؛ درویشی سلسلے: ۵۰۹؛ مخیّر سوسائٹیاں: ۵۰۱ تا ۵۰۳؛ کافی ہاؤسز: ۵۰۰ تا ۵۰۱؛ عثمانی سُنیوں کا ترک وطن ۱۸۶۰ء تا ۱۹۲۳ء: ۴۸۷ تا ۴۹۰

ترک برادری روچسٹر میں: ۳۶۱ تا ۳۶۲، ۳۶۸ تا ۳۶۹، ۳۷۰

ترک وطن ایکٹ ۱۹۶۵ء (آبادکاری کا قانون): ۲۸۲، ۳۰۶

ترک یتیموں کی انجمن: ۵۰۶ تا ۵۰۸

ترکی ہلال انجمن: ۵۰۵ تا ۵۰۶، ۵۰۷ تا ۵۰۸

تعلیم (اسلامی): ۱۳، ۸۱ تا ۸۲، ۲۵۵ تا ۲۵۸، ۲۹۳ تا ۲۹۴، ۳۱۷ تا ۳۲۱، ۶۰۱ تا ۶۰۸

توحید: ۱۰۹ تا ۱۱۴

ٹ

ٹاکن اینڈ ٹیسٹی فائن، سیاہ فام امریکیوں کی زبان (اسمدھرین): ۱۵۸

ٹرنر، بشپ: ۴۰

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹِل، ایمٹ: ۶۷

ث

ثقافتی انتشار: ۱۸۴ تا ۱۸۶

ج

جابر، سلیم نجم: ۲۶۵
جانسن، لنڈن: ۲۸۲، ۳۰۶
جعفریہ ہال: ۲۰۳
جماعت اسلامی: ع
جنبی فکر/لبرل تھنکنگ: ۱۵۵
جنوبی سی ایٹل کا اسلامی مرکز: ۲۵۵
جیکسن، جیسی: ۴۶ تا ۴۷
جیمس، ۲/ ایکس: ۳۴۳ تا ۳۴۴

چ

چام مسلم اسٹوڈنٹس یونین: ۲۵۹
چامی مسلمان: ۲۶۲ تا ۲۶۵
چرچ کونسل آف گریٹر سی ایٹل: ۲۶۸
چری، محمد جواد: ۴۳۴ تا ۴۴۴

ح

حبشیت: ۲۲
حدّاد، ایس: ۶۲۶
حرکت امل: ۴۳۴، ۴۴۵ تا ۴۴۶
حروف ہجا، ابجد: ۱۶۰
حزبِ اللہ تحریک: ۴۳۴، ۴۴۵ تا ۴۴۶، ۴۵۰، ۴۵۱
حسن، سام: ۳۸۳، ۳۸۶، ۳۸۸
حسن، عبدالکریم: ۲۰۰ تا ۲۰۱
حسن، عبدالمالک: ۳۶۳ تا ۳۶۶، ۳۷۳
حسین بن علی: ۶، ۱۳
حسینی ایسوسی ایشن: ۳۱۵
حنفی تحریک: ط
حیٰ، رینا: ۱۹۲
حیٰ، نثار: ۲۱۴

خ

خان، الن: ۲۴۱
خان، امین اللہ: ۳۴۶
خان، قادر حسین: ۳۱۵
خدیجہ، سیدہ: ۲۷۸
خضیری، عبدالکریم: ۳۹۰، ۳۹۹، ۴۰۰
خلیج فارس کی جنگ کے اثرات: ۱۴۰ تا ۲۱۳، ۳۹۹ تا ۴۰۰، ۵۴۶
خمینی، آیت اللہ: ۱۱ تا ۱۲
خواتین کا مسجدوں میں عمومی کردار: ن، ۲۳۳، ۲۴۷، ۵۴۳ تا ۵۴۴، ۵۹۷ تا ۵۹۹؛ مسلم ویمنز ایسوسی ایشن: ۳۴۸ تا ۳۴۹

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خواتین کی ملازمت اور فلاح و بہبود
ڈیربورن میں: ابتدائی تارکین وطن خواتین
کے کام: ۶۲۶ تا ۶۲۸؛ آبادی کے
اعداد و شمار: ۶۲۲؛ پاک دامنی کا مسئلہ:
۶۲۷؛ سرکاری فلاحی امداد کے معاملات:
۶۳۳ تا ۶۳۶؛ علاقے کی تعریف: ۶۱۸ تا
۶۲۲؛ کو متاثر کرنے والے مسائل: ۶۱۷ تا
۶۱۹؛ کے بارے میں شوہروں کا ردِعمل: ۶۲۲
تا ۶۲۵؛ لبنانی خواتین کی حیثیت: ۶۳۰ تا
۶۳۴؛ کے بارے میں دولت مند کسانوں کی
ذہنیت: ۶۲۳ تا ۶۲۵؛ یمنی عورتوں کی
حیثیت: ۶۲۸ تا ۶۳۱
خواتین: شکاگو میں: ۳۲۷؛ لباس کے مسائل:
۱۸۹، ۱۹۱ تا ۱۹۳، ۲۳۳؛ مانٹریال میں:
۴۱۸ تا ۴۲۰؛ خواتین کو مسجدوں میں درپیش
مسائل: ۱۹۱
خوئی ابوالقاسم، آیت اللہ: ۴۴۸
خوئی، آیت اللہ: ۱۲
خوئی، فاؤنڈیشن (دیکھئے الخوئی فاؤنڈیشن)
خیرات الامہ: ۳۰۴
خُمس کی آمدنی: ۸

د

دارالاسلام: ط، ۲۷۹؛ اولین: ۷۰ تا ۷۲؛
تحریک کی ابتدا: ۷۷ تا ۸۱؛ ایف بی آئی:
۷۷ تا ۷۹؛ تعلیم/شیخ کا درس: ۸۱ تا ۸۲؛
دوسرے کی جانب سفر: ۷۳ تا ۷۶؛ رعد: ۷۹
تا ۸۰؛ صوفیانہ اختتام: ۸۵ تا ۸۶؛ کا پس
منظر: ۶۶ تا ۷۰؛ کی کشش: ۸۵ تا ۸۸؛
مسجد: ۷۶ تا ۷۷؛ یٰسین مسجد: ۷۹، ۸۲ تا
۸۵؛ قومی اخلاق اور آزادی: ۸۵
داؤد، شیخ: ۷۰ تا ۷۱، ۷۴
دروزی: ۲۶۵
دو بزمی: ۱۵۵

ڈ

ڈائیلاگ (دیکھئے مکالماتی گروہ)
ڈبلو ڈبلو آر ایل: ۱۴۵
ڈوگر، عبدالحمید: ۳۱۲
ڈوماٹو: ۶۲۶
ڈی بونو، ایڈورڈ: ۱۵۵
ڈیٹرائٹ میں ترک برادری (دیکھئے ترک
برادری ڈیٹرائٹ میں)
ڈیربورن میں مسلمان (مزید دیکھئے ڈیربورن
میں عورتوں کی ملازمت اور
بہبود): برادری میں تنوع اور اختلافات:
۴۳۱ تا ۴۳۲، ۴۴۹ تا ۴۵۲؛ اسلامک
انسٹی ٹیوٹ (اسلامی ادارہ): ۴۴۳ تا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۴۶؛ امریکا کی اسلامی کونسل: ۴۴۶ تا ۴۴۹؛ امام چزی اور امریکا کے اسلامی مرکز: ۴۴۴ تا ۴۴۳؛ تاریخی پس منظر: ۴۳۲ تا ۴۴۴؛ عوام پر مسجدوں کے اثرات: ۴۵۲ تا ۴۵۴
ڈیکنس آف لاؤنڈس کاؤنٹی: ۷۵
ڈیلانو میں یمنی (دیکھئے یمنی، ڈیلانو میں)
ڈیلی، رچرڈ ایم: ۳۳۹
ڈیو بوائے، ڈبلو ای بی: ۵۳

ذ

ذرائع ابلاغ: ۳۲۴ تا ۳۲۵
ذکر: ۱۰۳ تا ۱۰۸
ذکی، احمد: ۳۴۳
ذکی، محمد: ۲۴۴ تا ۲۴۵

ر

رچرڈ جے ڈونوان دارالاصلاح: ۲۴۱
رخشب، بابا: ۴۵۹، ۴۶۰ تا ۴۶۱، ۴۷۲ تا ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۸ تا ۴۷۹، ۴۸۰
رغ، اینڈریا: ۶۲۲
ریکم: ۱۴۵
روچسٹر میں مسلمان: کا مستقبل: ۳۷۴ تا ۳۷۵؛ اختلافات کا مسئلہ: ۳۶۵ تا ۳۷۳؛ تنوع کا ماخذ: ۳۶۱ تا ۳۶۵؛ ریپ موسیقی اور فائیو پرسینٹرز: ۱۴۵

ز

زولونیشن: ۱۴۳

س

سان ڈیگو میں مسلمان: افغان پناہ گزین: ۲۲۶؛ میں ایرانی: ۲۲۵، ۲۴۲ تا ۲۴۳؛ آبادی کے اعداد و شمار: ۲۱۹ تا ۲۲۰؛ مستقبل: ۲۴۶ تا ۲۴۸؛ ترک وطن کے اسباب، پس منظر اور برادری کی ترقی: ۲۲۱ تا ۲۲۹؛ مساجد اور برادری کے مراکز: ۲۲۹ تا ۲۴۶؛ میں صومالوی: ۲۲۷ تا ۲۲۸، ۲۴۷
سچا دینا، عبدالعزیز: م
سراندیپ صوفی اسٹڈی سرکل: ۱۰۳
سسٹر کلارا محمد اسکول، یوکیپ سی میں: ۶۰۱ تا ۶۰۸
سسٹرز یونائیٹڈ تھرو اسلام: ۲۶۱
سعودی عرب کے عطیات: ۱۸۷ تا ۱۹۱، ۲۲۴، ۲۳۱، ۲۳۲، ۳۸۴ تا ۳۸۵، ۳۹۰
سلیم، مولانا عبداللہ: ۳۲۰
سمباواچوکا: ۷۵
سمبصری (ساؤنڈ ویژن): ۳۲۲

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنز آف لبنان: ۳۷۹
سی ای اے ڈی: ۴۱۲، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰
سی ایٹل پبلک لائبریری: ۲۶۹
سی ایٹل میں بچوں کا عجائب گھر: ۲۶۹
سی ایٹل میں مسلمان: آبادی کے اعداد و شمار: ۲۵۳ تا ۲۵۴؛ اسلامک انٹرنیشنل ہاؤس: ۲۵۸ تا ۲۶۰؛ اسلامی مرکز: ۲۵۴، ۲۶۰ تا ۲۶۲؛ اسلامی اسکول: ۲۵۵ تا ۲۵۸؛ ایرانی: ۲۶۵ تا ۲۶۶؛ چامی مسلمان: ۲۶۲ تا ۲۶۵؛ جنوبی سی ایٹل کا اسلامی مرکز: ۲۵۵؛ دروز: ۲۶۵؛ افریقی امریکی: ۲۶۶ تا ۲۶۷؛ امریکی معاشرے میں مسلمان: ۲۶۸ تا ۲۷۰
سی ایم آر آئی: ۴۱۲، ۴۱۶ تا ۴۱۷، ۴۱۹، ۴۲۰
سیاسی انتشار: ۱۸۶ تا ۱۹۱
سیاسی شرکت: ۳۲۸ تا ۳۲۹، ۵۴۴ تا ۵۴۶
سیاہ فام قوت: ۷۴ تا ۷۵

ش

شاہد، نجی اللہ: ۶۱۱
شریبہ، محمد: ۲۸۰
شریف الیطنجی: ۲۳۱، ۲۴۱
شعیب، تاج الدین بن: ۱۹۷
شکاگو میں مسلمان: آبادی کے اعداد و شمار: ۳۰۲؛ اسلامی ذرائع ابلاغ: ۳۲۳ تا ۳۲۴؛ برادری کی تنظیموں کی ترقی: ۳۰۷ تا ۳۰۹؛ برادری کے معاملات: ۳۲۴ تا ۳۲۵؛ تارکین وطن کی آمد کے سلسلے: ۳۰۳ تا ۳۰۷؛ تعلیمی سرگرمیاں: ۳۱۷ تا ۳۲۱؛ خواتین: ۳۲۷ تا ۳۲۸؛ سیاسی شرکت: ۳۲۸ تا ۳۲۹؛ رابطہ کار تنظیم: ۳۲۹ تا ۳۳۲؛ عبادات: ۳۲۱ تا ۳۲۲؛ قبرستان: ۳۲۵ تا ۳۲۶؛ کتابوں کی دکانیں اور ناشرین: ۳۲۲ تا ۳۲۳؛ کا مستقبل: ۳۳۲ تا ۳۳۴؛ مسلم برادری کی تنظیمیں: ۳۰۹ تا ۳۱۷؛ معلوماتی مراکز: ۳۲۳؛ مکالماتی گروہ: ۳۲۶؛ میں صوفی سلسلے: ۳۱۷؛ شیعہ: ۳۱۵ تا ۳۱۷؛ نسلی مسلم تنظیمیں (مختلف علاقوں کی) ۳۲۶ تا ۳۲۷؛ نوجوان: ۳۲۸
شمس دین، مارشل: ۵۹۳ تا ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰ تا ۶۰۱، ۶۰۲ تا ۶۰۸
شوار بی، محمود یوسف: ۲۸۰
شہاب الدین: ۲۲۲
شہباز، میلکم (دیکھئے میلکم ایکس)
شیخ، باوا محی الدین بطور: ۱۲۰ تا ۱۲۷

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیعہ: م، ن؛ اولین تارکین وطن: ۵؛ اثنا عشری: ۵؛ ایرانی اسلامی انقلاب کا اثر: ۱۱ تا ۱۲؛ تعلیم: ۱۲ تا ۱۳؛ خمس کی آمدنی: ۸؛ ثقافتی تنوع کے مسائل: ۹ تا ۱۰؛ ڈیربورن میں: ۴۳۱ تا ۴۵۴؛ شکاگو میں: ۳۱۵ تا ۳۱۷؛ طلبہ کا گروہ: ۶؛ مانٹریال میں: ۴۱۰ تا ۴۱۱؛ کے بارے میں منفی تصورات: ۵؛ لاس اینجلس میں: ۲۰۲ تا ۲۰۴؛ مرجعیہ: ۶ تا ۷؛ نیویارک شہر میں: ۲۸۷ تا ۲۸۸؛ نوجوانوں کی عدم شمولیت: ۱۳ تا ۱۴

شیباز، لیکم: ۱۴۵

ص

صالح، امینہ: ۲۵۵، ۲۶۹

صدر، سید موسیٰ: ۴۳۳ تا ۴۳۴

صدیقی، مدثر: ۳۹۳، ۳۹۴

صدیقی، مزمل: ۳۸۹، ۳۹۳

صدیق، محمد: ۳۴۲ تا ۳۴۳

صفوی: ۴۳۲

صلاح الدین، عبداللہ: ۶۱۲

صلاح، علی عبداللہ: ۵۴۶

صوفی / صوفیانہ / تصوف (مزید دیکھئے باوا محی الدین کا حلقہ ارادت، برہانیہ، بکتاشی سلسلہ): ۱۰۲ تا ۱۰۳، ۲۰۸ تا ۲۱۰، ۲۴۳ تا ۲۴۴، ۳۱۷، ۴۵۹ تا ۴۶۲

صومالوی سوسائٹی، سان ڈیگو: ۲۲۸

صومالوی کمیونٹی آف سان ڈیگو: ۲۲۸

صومالوی سان ڈیگو میں: ۲۲۷ تا ۲۲۹، ۲۴۷

ط

طیبی، حاکم: ۳۱۶

ع

عالم، خورشید: ۳۴۷

عالم، نوری: ۳۴۷

عبدالحفیظ، اصلاح: ۲۴۱

عبدالحمید، حسن: ۶۶

عبدالخولی: ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۷، ۵۵۵، ۵۵۶

عبدالرزاق، جمیل: ۲۶۳

عبدالشہید، اسحٰق: ۶۶

عبدالشہید، مطوف: ۷۹

عبدالعزیز: ۱۹۹، ۲۰۴

عبدالعلیم، لقمان: ۶۶

عبدالکریم، یحییٰ: ۶۶، ۷۱، ۷۳، ۷۶ تا ۸۱، ۸۵

عبداللہ، حاجی: ۲۷۳

عبداللہ، داؤد: ۱۸۳

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبداللہ، راشدہ: ۵۹۸ تا ۵۹۹، ۶۰۶
عبداللہ، یوسف: ۲۳۴
عبدالماجد: ۳۱۱
عبدالمطیع، خدیجہ: ۲۹۱ تا ۲۹۲
عبدالمنعم، محمد: ۱۹۱
عبدالہادی، سلیمان: ۶۶
عثمان، بسام: ۳۱۳
عدنان، ڈینیل: ۲۳۴
عرب امریکن بینز سوسائٹی: ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲
عرب کمیونٹی سینٹر فار اکنامک سوشل سروسز (اے سی سی ای ایس ایس): ۶۳۰ تا ۶۳۱
عزیزی، فریدون: ۳۹۲، ۳۹۳
عقیل الامین: ۲۳۵، ۲۴۷
علی، حبیبہ: ۳۴۸
علی، نوبل ڈریو: ٹ، ۲۸۰، ۳۳۹
عمر، محمد (غواد): ۳۷۸، ۳۸۱، ۳۸۴ تا ۳۸۵، ۳۸۸، ۳۸۹
عید، طلال: ۳۹۵ تا ۳۹۹

غ

غازی، عابداللہ: ۲۲۹
غسوینی، سید مرتضیٰ: ۲۰۵ تا ۲۰۷

ف

فارس، حسن: ۲۶۵
فاطمی، این سیفیر: ۲۸۰
فرخان، لوئی: تصورِنسل: ۵۳ تا ۵۶؛ اور پانچ فیصد والے: ۱۶۸؛ کا پس منظر: ۲۸ تا ۳۰؛ اور کلیرنس ''پڈنگ'' ۱۳ ایکس: ۱۴۹؛ کے تحت، نیشن آف اسلام: ۳۲ تا ۳۹؛ کا تعلق ویلس ڈی محمد کے ساتھ: ۳۰ تا ۳۲؛ اور یہودی نازی: ۴۶ تا ۵۲
فرد، ڈبلو ڈی: ق، ۱۸ تا ۱۹، ۲۷، ۱۴۸
فرد، ولی: ۵۹۲، ۶۰۲
فروٹ آف اسلام (ایف او آئی) (ثمر اسلام): ۲۴، ۶۹، ۱۹۸
فشر، میگزائن: ۲۸۸
فلپس، بلال: ۸۸
فوکالٹ، مائیکل: ۳۸
فوکس آن اسلام: ۲۶۹
فیڈریشن آف اسلامک ایسوسی ایشنز (ایف آئی اے) آف امریکا: ض، ۳۲۹، ۳۸۶
فیصل، داؤد: ۷۰، ۲۷۶ تا ۲۷۸

ق

قاضی پبلی کیشنز: ۳۲۲
قطب: ۱۱۴ تا ۱۱۹
قطب، سید: ع

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ک
کارائیں، دلاور: ۲۱۰
کارنیگا، ران: ۷۶
کباج، محمد: ۲۷۸
کبالا (دیکھئے یہودی علم الاسرار)
کرد (مزید دیکھئے ڈیٹرائٹ برادری): ۲۲۴، ۲۴۷
کرمیل، الیگزینڈر: ۵۳
کرنر، اوٹو: ۷۵
کروب، حسین: ۴۹۳، ۶۱۹
کریانٹس، پیرے: ۳۳۶ تا ۳۳۷
کزیلے: ۵۰۱ تا ۵۰۲، ۵۰۳ تا ۵۰۹
کشمیر، برنارڈ: ۲۴
کلیرنس ''پڈنگ'' ۱۳ ایکس: ۱۴۲، ۱۴۷ تا ۱۵۰
کمیٹی مغربیین دی ریسرچ ایت دی انفارمیشن (سی ایم آر آئی) (دیکھئے سی ایم آر آئی)
کنسلٹیٹو کمیٹی آف انڈین مسلمز آف دی یونائیٹڈ اسٹیٹس اینڈ کینیڈا (سی سی آئی ایم): ۳۲۶
کنگ، مارٹن لوتھر جونیئر: ۶۷ تا ۶۸
کوسلر، آرتھر: ۱۵۵
کوکلکس کلان: ۵۱
کولارس، کرسٹائن: ک
کولٹرین، جان: ۶۶
کولمین، صبورہ: ۶۰۶
کولمین، ملٹن: ۴۷
کونتزا، فیک: ۴۶۷
کویتی: ۲۲۴
کھوکھر، رفیعہ: ۲۵۶ تا ۲۵۷
کیانی، ریاض: ۲۶۸
کیپ، نفیسہ ایم ٹی: ۲۷۴
کیلی، ران: ل
کیہان، میر: ۲۶۸
گ
گاسمین، لوئی: ۲۸۸
گاروے، مارکس: ۵۱، ۲۸۰
گراڈی، راجر: ۴۲۲
گلسینن، میکائل: ۴۳۶
گمپرز، جان: ۴۷
ل
لاس اینجلس ٹائمز: ۲۱۲
لاس اینجلس، میں مسلمان (مزید دیکھئے ایرانی لاس اینجلس میں): افریقی امریکی مسلم برادری: ۲۰۰ تا ۲۰۲؛ مسلم آبادی کا تخمینہ: ۱۷۶ تا ۱۷۷؛ باہمی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختلاف: ۱۸۱ تا ۲۰۰؛ آبادکار مسلمانوں اور افریقی امریکی مسلمانوں کے درمیان طبقاتی اور ثقافتی اختلافات: ۱۹۶ تا ۲۰۰؛ ثقافتی انتشار: ۱۸۴ تا ۱۸۶؛ سیاسی انتشار: ۱۸۶ تا ۱۹۱؛ شیعہ مسلم لاس اینجلس میں: ۲۰۲ تا ۲۰۴؛ مذہبی انتشار: ۱۹۱ تا ۲۰۰؛ مسجد لاس اینجلس میں: ۱۷۷ تا ۱۸۱؛ مسلمان خاندانوں پر دباؤ: ۱۸۲ تا ۱۸۴؛ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تصادم: ۲۱۰ تا ۲۱۴

لبنانی: (مزید دیکھئے ڈیربورن میں مسلمان عورتیں اور ملازمتیں): ۶۳۱ تا ۶۳۳

لنکن، سی ایرک: ۳۹، ۷۳، ۳۸۰

لی مانڈے اسلامیک: ۴۲۲

لیٹرل تھنکنگ (دیکھئے جنبی فکر)

لیگ آف مسلم ووٹرز: ۳۲۹

لینٹ، جان ایچ: ۲۷۴

لینڈس برگ، لیون: ۲۷۴

لیوس، ہیری جیروم: ۲۷۴

م

مارس، جیمس: ۹۷

مارک ایکس: ۵۹۴

مانٹریال میں مسلمان: آبادی کے اعداد و شمار: ۴۰۷؛ تعلیمی خدمات: ۴۲۰ تا ۴۲۲؛ سُنیوں اور شیعوں میں اختلافات: ۴۱۳ تا ۴۲۳؛ میں مسجدیں اور تنظیمیں: ۴۰۷ تا ۴۱۲؛ میں عورتیں: ۴۱۸ تا ۴۲۰

مائیکل، سٹو کلے کار: ۷۵، ۸۵

مجتہد (شیعہ): ۷

مجید، کیتھ ڈی: ۳۴۶

محمد، ایلیجاہ: ظ، ۱۹، ۲۲ تا ۲۳، ۳۰ تا ۳۱، ۳۹ تا ۴۰، ۶۷، ۵۹۲، ۵۹۳، ۶۰۲

محمد، طائنیطا: ۳۲، ۴۴

محمد، عبدالمنعم: ۲۹۱

محمد، کلارا: ۳۲

محمد، وارث دین: ۲۷، ۳۰ تا ۳۱، ۲۰۱، ۲۰۸، ۲۳۴، ۲۸۶، ۳۴۰ تا ۳۴۱، ۵۹۳ تا ۵۹۴، ۶۰۰، ۶۰۲، ۶۱۱

محمد، وزیر: ۲۰۱

محمد، ویلس ڈی (دیکھئے محمد، وارث دین)

محمد، یوسف: ۶۱۱، ۶۱۲

محمود، رجب: ۶۶، ۷۱

محی الدین، محمد: ۲۱۲ تا ۲۱۳

مدر ویمن ان ٹرانزیشن (ڈبلو آئی ٹی پروگرام: ۶۱۳

مدرسہ تعلیم الاسلام: ۳۲۰

مڈہڈسن اسلامک ایسوسی ایشن: تعریف: ۵۸۶

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تا ۵۸۸؛ مسجد التکبر اور: ۵۸۸ تا ۵۹۲
مذہبی انتشار: ۱۹۱ تا ۲۰۰
مرجع التقلید/مرجعیہ: ۷ تا ۸
مرڈل، جی: ۴۲۳
مرزا، لورین: ۱۹۲، ۲۱۳
مسجد ابی بکر الصدیق: ۲۳۱
مسجد التکبر: بیت النصر: ۶۰۹ تا ۶۱۴؛ قیام: ۵۹۱؛ تعریف: ۵۹۴ تا ۵۹۷؛ دوسرے مسلم ثقافتی پروگرام: ۶۰۸ تا ۶۱۰؛ ذاتی تشخص میں اسلام کا کردار: ۵۹۷ تا ۶۰۱؛ سسٹر کلارا محمد اسکول: ۶۰۱ تا ۶۰۸؛ اور مدہڈسن اسلامک ایسوسی ایشن: ۵۸۸ تا ۵۹۲
مسجد اُمّہ: ۴۰۹
مسجد آصف: ۲۰۳
مسجد تقویٰ: ۲۳۴ تا ۲۳۶، ۳۶۲ تا ۳۶۵
مسجد رسول: ۲۰۳
مسجد فاروق: ۲۷۹
مسجد فاطمہ: ۲۸۹، ۴۰۹
مسجد فجر: ۲۴۴ تا ۲۴۶
مسجد فلاح: ۲۸۲ تا ۲۸۳، ۲۹۵
مسجد مکۃ المکرمہ: ۴۰۰
مسجد میلکم شہباز: ۲۹۴
مسجد نورالدین: ۲۹۴
مسجد نور: ۲۳۷ تا ۲۳۹
مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن (ایم ایس اے): ۲۲۵، ۲۴۰، ۲۵۸، ۲۸۱، ۲۹۱، ۳۸۶؛ اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکا: ۳۴۷ تا ۳۵۴؛ پرشین اسپیکنگ گروپ (ایم ایس اے پی ایس جی): ۶، ۱۸۷، ۲۰۵، ۳۵۱
مسلم امریکن ویمن انٹرنیشنل (ایم اے ڈبلو آئی): ۲۳۵
مسلم برادرز آف امریکا: ۲۰۸
مسلم برادرہڈ آف ایجپٹ (مصر کی اخوان المسلمین): ع
مسلم پبلک افیئرز کونسل: ۱۷۸
مسلم جرنل، دی: ۲۳۵، ۳۲۳
مسلم خاندانوں پر دباؤ: ۱۸۲ تا ۱۸۴
مسلم سینٹر آف نیویارک (نیویارک کا مسلم مرکز): ۲۸۳ تا ۲۸۴
مسلم عرب یوتھ ایسوسی ایشن (ایم اے وائی اے): ۲۵۸
مسلم فاؤنڈیشن آف امریکا انکارپوریٹڈ: ۲۹۱
مسلم کمیونٹی آف کیوبیک: ۴۰۸ تا ۴۰۹
مسلم کمیونٹی سینٹر (ایم سی سی) شکاگو: ۳۰۹ تا ۳۱۱، ۳۲۷
مسلم گرین پیجز: ۶۰۹
مسلم مسجد/امریکن محمڈن سوسائٹی: ۲۷۵ تا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۷۶

مسلم ورلڈ اینڈ دی یو ایس اے:۲۸۱

مسلم ورلڈ پبلشنگ کمپنی: ۲۷۴

مسلم ورلڈ لیگ: ۳۹۵

مسلم ورلڈ، ڈیڈی کیٹڈ ٹو دی امریکن اسلامک پروپیگنڈا: ۲۷۴

مسلم ویمنز ایسوسی ایشن: ۳۴۸ تا ۳۵۰

مسلم ویلفیئر آرگنائزیشن (فلاح مسلمین): ۴۱۰

مسلم یوتھ آف نارتھ امریکا: ۳۲۸

مسلمز آف سان ڈیگو (ایم او ایس ڈی): ۲۴۰

مشافہ، میخائل: ۴۳۳

مصلّی مسجد: ۲۲۷، ۲۳۹ تا ۲۴۰

مظفر، منصور: ۳۱۴

معصوم ایسوسی ایشن: ۳۱۶

معیار، حبیب اللہ: ۲۹۶

مکالماتی گروہ: ۳۲۶

منارت، دی: ۲۹۱

موجئی، امام: ۲۱۳

مودودی، مولانا: ع

مورش امریکن سائنس ٹیمپل: ط، ۲۸۰، ۳۳۹

موسز، ولسن جے: ۵۳

موسک فاؤنڈیشن، برج ویو: ۳۱۳

مومن، موجان: ۴۳۲

میڈلاک، جیمس (دیکھئے جیمس ۲/ایکس)

میزگر، ٹام: ۵۰

میکڈونف، شیلا: ی

میلاد: ۱۱۴، ۱۱۷ تا ۱۱۸

میلکم ایکس: ۲۷، ۳۰، ۵۰، ۶۷ تا ۶۸، ۲۸۲، ۵۹۲، ۶۱۰

میسلو، ابراہم: ۱۵۳

ن

ناباکوف، ایرون: ۲۷۴

نارتھ امریکن اسلامک ٹرسٹ (این اے آئی): ۲۳۲، ۲۵۹، ۳۴۵، ۳۵۲

نارتھ امریکن شیعہ اثناعشری مسلم کمیونٹیز (این اے ایس آئی ایم سی او) (ناسمکو NASIMCO): ۹

نارٹن، اے آر: ۴۳۳

نجی اللہ، سید: ۳۱۰

نعمت اللّٰہی، سلسلہ: ۲۰۹ تا ۲۱۰، ۲۴۴

نعیم، عبدالباسط: ۲۸۱

نقشبندی، طریقہ/سلسلہ: ۲۴۳، ۳۱۷

نمازی خواہ، محمد: ۲۰۷

نواب آف بسودا: ۲۷۴

نوجوان: ۱۳ تا ۱۵، ۳۲۸

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نورالدین، یوسف: ۲۸۶
نوربخش، جواد: ۲۴۴
نوری، ابو: ۳۸۷
نولی، فین: ۴۶۷
نہضتہ العرب: ۳۸۴
نیشن آف اسلام: ط؛ کا اثر: ق؛ کا پس منظر: ۱۸ تا ۲۶، ۵۹۲ تا ۵۹۴؛ تصور نسل: ۵۳ تا ۵۶؛ اور ایف بی آئی: ۲۴ تا ۲۶؛ انڈیاناپولس میں: ۲۳۹ تا ۲۴۴؛ اور فروٹ آف اسلام: ۲۴، ۶۹، ۱۹۸؛ کو روایتی اسلام کے مطابق ڈھالنا: ۲۷ تا ۳۲؛ اور کلیرنس ''پڈنگ'' ۱۳ ایکس: ۱۴۸ تا ۱۴۹؛ لاس اینجلس میں: ۲۰۰ تا ۲۰۲؛ نام کی تبدیلیاں: ۵۹۳؛ اور راسخ العقیدہ، اسلام: ۳۹ تا ۴۶؛ اور نسلیت: گ؛ روچسٹر میں: ۳۷۰ تا ۳۷۱؛ فرخان کے تحت: ۲۹ تا ۳۹؛ یوکیپ سی میں: ۵۹۳ تا ۵۹۴؛ نیویارک شہر میں: ۲۸۱؛ سان ڈیگو میں: ۲۴۲؛ اور یہودی/نازی: ۴۶ تا ۵۳
نیشن آف گاڈز اینڈ ارتھز (مزید دیکھیے فائیو پرسینٹرز/پانچ فیصد والے): ۱۴۲، ۱۴۶
نیشنل ایڈوائزری کمیشن آن سول ڈس آرڈرز (شہری فسادات پر فوجی مشاورتی کمیشن): ۷۵
نیشنل فرنٹ (برٹش): ۵۰، ۵۲
نیف، الیکسا: ۶۲۶
نیویارک اربن لیگ اسٹریٹ اکیڈمی: ۱۴۹
نیویارک پنوراما: ۲۷۶
نیویارک شہر میں مسلمان: اسلامک سرکل آف نارتھ امریکا (آئی سی این اے): ۲۹۰؛ اسلامک کلچرل سینٹر آف نیویارک: ۲۸۴ تا ۲۸۵؛ اسلامک مشن آف امریکا انکارپوریٹڈ: ۷۰، ۷۶، ۲۷۷ تا ۲۷۸، ۲۸۱؛ افغان پناہ گزین: ۲۹۶؛ افریقی امریکی: ۲۸۰ تا ۲۸۱؛ البانین امریکن اسلامک سینٹر آف نیویارک، نیو جرسی: ۲۸۸ تا ۲۸۹؛ امریکن ایسوسی ایشن آف کریمین ٹرکس: ۲۸۷؛ آبادی کے اعداد و شمار: ۲۷۳؛ امریکن محمڈن سوسائٹی / مسلم مسجد: ۲۷۵ تا ۲۷۶؛ کا مستقبل: ۲۹۲ تا ۲۹۶؛ پاکستانی اثر: ۲۸۲ تا ۲۸۳، ۲۸۹؛ پی آئی ڈی اے ڈی: ۲۹۱ تا ۲۹۲؛ شیعہ: ۲۸۷ تا ۲۸۸؛ مسجد فاطمہ: ۲۸۹؛ مسجد الفلاح: ۲۸۲ تا ۲۸۳؛ مسلموں اور غیر مسلموں کے درمیان تصادم: ۲۹۴ تا ۲۹۶؛ مسلم سینٹر: ۲۸۲؛ مسلم فاؤنڈیشن آف امریکا: ۲۹۱؛ اور ویب: ۲۷۳ تا ۲۷۵

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیویارک موسک (مسجد) فاؤنڈیشن: ۲۸۰، ۲۸۴ تا ۲۸۵

و

وائس اسٹیکس فیسٹیول، دی: ۱۴۴
واشنگٹن، ہیرالڈ: ۳۲۹
وان دیرلان، لارنس: ۴۳۴
وائس آف اسلام: ۲۷۴
وا، ارل: ۲۸۸
ورڈ، دی: ۱۴۶، ۱۴۷
ورلڈ کمیونٹی آف الاسلام ان دی ویسٹ (ڈبلو سی آئی): ۲۸، ۲۳۴، ۵۹۳
ولکاٹ، لوئی (دیکھیے فرخان، لوئی)
وھائٹ، آر اوتھ مین: ۲۷۴
ویب، الیگزینڈر رسل: ۲۷۳ تا ۲۷۵
ویترا (دی ہرتھ): ۴۶۷
ویسٹرن واشنگٹن بورڈ آف ربیز: ۲۶۸

ہ

ہاشمی کلب: ۴۳۷
ہرمزی، ڈاکٹر ایف: ۲۰۸
ہمفرے، میخائل: ۴۳۴
ہیتھاوٹ، ماہر: ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۹۵

ی ے

یاردمجی، نوری احمد: ۵۰۶ تا ۵۰۷، ۵۰۸
یحییٰ، حسین قاسم: ۲۶۵
یمنی اسلامک برادرہڈ: ۲۷۹
یمنی: ۱۸۳، ۱۸۶؛ عورتوں کی حیثیت ڈیربورن میں: ۶۲۸ تا ۶۳۱
یمنی، آبادی کے اعداد و شمار ڈیلانو میں: ۵۴۰؛ حج: ۵۴۸؛ زرعی کاموں میں: ۵۴۰ تا ۵۴۲؛ زکوٰۃ: ۵۴۷؛ اور سیاست: ۵۴۴ تا ۵۴۶؛ عقیدے کا اقرار (شہادت): ۵۴۹ تا ۵۵۲؛ صحت کے مسائل: ۵۴۲ تا ۵۴۳؛ صلوٰۃ (نماز): ۵۴۷؛ صوم: ۵۴۷ تا ۵۴۸؛ علاقے کی تعریف: ۵۳۷ تا ۵۳۹؛ عورتوں کا کردار: ۵۴۳ تا ۵۴۴
یونائیٹڈ فارم ورکرز یونین (یو ایف ڈبلو): ۵۴۴
یونائیٹڈ مسلمز آف امریکا: ۲۱۳
یونٹی ٹائمز: ۳۲۳
یہودی علم الاسرار: ۱۶۰

www.KitaboSunnat.com
المکتبۃ الرحمانیۃ
محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

Muslim Communities in North America

شمالی امریکا کے مسلمان

مدیرات: ای وون یازبک حدّاد اور جین آئیڈلمین اسمتھ ترجمہ: شاہ محی الحق فاروقی

یہ کتاب شمالی امریکا میں مسلمانوں کی زندگی اور اداروں کے بارے میں گہرا جائزہ پیش کرتی ہے۔ اس میں شمالی امریکا میں اسلامی زندگی کے مختلف پہلوؤں، اس کی نسلی وثقافتی شناختوں، روایات اور مذہبی رنگارنگی پر نظر ڈالی گئی ہے، مقامی ثقافت میں ڈھلنے کے عمل سے منسلک دشواریوں، نسلوں کے اختلاف، قدامت پسندی اور خواتین کے بدلتے ہوئے کردار کے مسائل پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

مصنفین نے ان تارکینِ وطن کی زندگی کی نقشہ کشی بھی کی ہے جو اس سوال سے نبرد آزما ہیں کہ ایک غیر مسلم ماحول میں اسلامی لحاظ سے کیا مناسب ہے اور کیا نہیں۔ سنی اور شیعہ فرقوں کا موازنہ کیا گیا ہے اور بعض صوفی تنظیموں کی سرگرمیوں پر بھی توجہ دی گئی ہے۔

افریقی نژاد امریکی مسلمانوں میں پروان چڑھنے والے گروہوں کے معاملات کا بھی تجزیہ کیا گیا ہے جن میں وارث دین محمد کے پیروکار اور 'بلیک پاور' کے نام سے پہچانے جانے والے فرقے شامل ہیں جیسے نیشن آف اسلام، دارالاسلام اور فائیو پرسنٹرز۔

مصنفین نے امریکی مسلمانوں کو درپیش چیلنجوں اور مسائل کا تذکرہ کیا ہے جن میں تعصب اور نسل پرستی، امریکا سے باہر کے مسلمانوں کا دباؤ، لباس اور تعلیم، امریکا میں مسلم برادری کی تشکیل پر اسلامی احیا کے اثرات اور مقامی ثقافت میں گھلنے ملنے کے لیے موجود دباؤ کے باوجود مسلم شناخت کو برقرار رکھنا شامل ہیں۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

ISBN 0-19-579418-4

9 780195 794182

www.oup.com

Rs 495.00